زیر نظر

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

انتخاب

تفسیر نمونہ جلد پنجم

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید صفدر حسین نجفی رح

انتخاب و تلخیص

حجۃ الاسلام والمسلمین

مولانا سید فیاض حسین نقوی دام ظلہ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	انتخاب تفسیر نمونہ
تالیف اصل تفسیر نمونہ:	زیر نظر حضرت آیۃ حضرت اللہ العظمٰی ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی
ترجمہ اصل تفسیر نمونہ:	حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی قدس سرہ
انتخاب و تلخیص:	مولانا سید فیاض حسین نقوی (جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی)
جلد:	پنجم
طبع اول:	2007ء
طبع ثانی:	2012ء
کمپوزنگ:	مجاہد حسین حر۔ 0345-2401125
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور۔ پاکستان
قیمت مکمل سیٹ	3000 روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے مدینۃ العلم مشن کراچی نے بطور قرضِ حسنہ تعاون فرمایا ہے ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اوران کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

عرض ناشر

قارئین محترم!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر۔۔۔تفسیر نمونہ۔۔۔کو فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسن ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونین کی فراخدلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم وبیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیں جلدوں (مختصراً پندرہ جلدیں موجودہ) میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔شکراً اللہ

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علامہ علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ کی سات جلدوں (مختصراً تین جلدیں موجودہ) پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔ اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ''پیام قرآن'' از آیت اللہ العظمٰی ناصر مکارم شیرازی اور ''قرآن کا دائمی منشور'' از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے مکمل کیا۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری امت مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے بیدار و تیار کرنے کیلئے لکھی گئی ہے' لہٰذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی طلب میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔ بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم نے تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کرتے ہوئے، اسے ستائیں جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے تاکہ قارئین محترم کیلئے مزید آسانیاں پیدا کی جا سکیں۔

پندرہ جلدوں میں تفسیر پیش کرنے کے بعد حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید فیاض حسین نقوی پرنسپل جامعہ علمیہ کراچی کو زحمت دی گئی کہ پانچ جلدوں میں اس کی تلخیص فرمائیں۔ یاد رہے کہ ایران میں فارسی زبان میں تلخیص کی گئی ہے لیکن اس سے پہلے مولانا موصوف خلاصہ مکمل کر چکے تھے۔ مزید برآں مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ ''اَپ لوڈنگ'' کے مراحل میں ہے۔ بہت جلد آپ ہماری تمام کتب ہماری ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکیں گے۔ ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔ اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

موضوع	صفحہ نمبر
سورۂ طور	۱
سورہ طور کے مطالب	۲
اس سورت کی تلاوت کی فضیلت	۲
بھڑکتے ہوئے سمندر کی قسم	۳
اور تمہاری جزا صرف تمہارے اعمال ہیں	۶
ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے	۸
خوف زدگی کا دن اور انتہائی امن کا دن	۱۱
اگر سچ کہتے ہیں تو اسکے مانند کلام لے آئیں	۱۴
سچ سچ بتاؤ تمہاری صحیح بات کونسی ہے؟	۱۷
تو ہماری مکمل حفاظت میں ہے	۲۱
سورہ نجم	۲۵
سورہ نجم کے مطالب و مضامین	۲۶
اس سورہ کی فضیلت	۲۷
دوست کا پہلا دیدار	۳۰
دوسرا دیدار	۳۱
(۱) معراج کا مقصد	۳۲
(۲) معراج کی رات اللہ کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتوں کا ایک گوشہ	۳۳
شفاعت بھی اسی کے اذن سے ہوگی	۳۹
آرزوؤں کے دامن کا پھیلاؤ	۳۹
ظن و گمان ہرگز کسی کو حق تک نہیں پہنچاتے	۴۱
خودستائی نہ کرو وہ تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہے	۴۳
ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے	۴۶
تین اہم اسلامی اصول	۴۸
تمام خطوط اسی تک پہنچتے ہیں	۴۹
کیا یہ سب درس عبرت کافی نہیں ہیں؟	۵۱
سب اس کے لئے سجدہ کرو	۵۲
سورہ قمر	۵۵
سورہ قمر کے مضامین	۵۶
فضیلت تلاوت سورہ قمر	۵۶
چاند شق ہوگیا	۵۷
وہ دن کہ جب سب قبروں سے باہر نکلیں گے	۵۹
قوم نوح کا ماجرا درس عبرت تھا	۶۱
اور اسی طرح قوم عاد کی سرگزشت	۶۴
نیک اور بد دن	۶۵
قوم ثمود کا دردناک انجام	۶۶

موضوع	صفحہ نمبر
قوم لوط زیادہ منحوس صورت حال سے دوچار ہوئی	۶۹
کیا تم گزشتہ اقوام سے افضل و برتر ہو؟	۷۲
مقام صدق میں خداوند مقتدر کے پاس	۷۴
سورہ قمر کا آغاز و اختتام	۷۶
سورۂ رحمٰن	۷۷
سورۂ رحمٰن کا مضمون	۷۷
سورہ رحمٰن کی تلاوت کی فضیلت	۷۸
اللہ کی نعمتوں کا آغاز	۸۰
آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز کیلئے میزان قرار دی	۸۳
انسان کی خلقت ٹھیکری جیسی خاک سے ہوئی ہے	۸۵
سمندر اپنے گراں بہا ذخائر کے ساتھ	۸۷
سب فانی ہیں اور بقا صرف اللہ کے لئے ہے	۸۸
اگر قدرت رکھتے ہو تو آسمان و زمین کی سرحدوں سے آگے نکل جاؤ	۹۰
گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے	۹۳
یہ دونوں جنتیں خوف خدا رکھنے والوں کے انتظار میں ہیں	۹۵
دو اور جنتیں اپنے حیران کن اوصاف کے ساتھ	۹۹
جنت کی بیویوں کا دوسری مرتبہ تذکرہ	۱۰۰

موضوع	صفحہ نمبر
سورہ واقعہ	۱۰۳
سورہ واقعہ کے مضامین	۱۰۴
سورہ واقعہ کی تلاوت کی فضیلت	۱۰۴
عظیم واقعہ	۱۰۶
جنت کی وہ نعمتیں جو مقربین کی منتظر ہیں	۱۰۹
وہ نعمتیں جو اصحاب یمین کو حاصل ہوں گی	۱۱۱
اصحاب شمال کیلئے سزائیں اور دردناک عذاب	۱۱۴
گمراہ مجرموں پر نازل ہونے والا عذاب	۱۱۶
عقیدہ معاد پر سات دلیلیں	۱۱۷
دانوں کو اگانے والا خدا ہے یا تم ہو؟	۱۱۹
یہ پانی اور آگ کس کی طرف سے ہیں؟	۱۲۰
صرف پاکیزہ افراد حریم قرآن تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔	۱۲۲
جس وقت کہ جان گلے تک پہنچ جائے گی	۱۲۴
نیکوکاروں اور بدکاروں کا انجام	۱۲۶
سورۂ حدید	۱۲۸
سورۂ حدید کے مشمولات	۱۲۹
سورۂ حدید کی تلاوت کی فضیلت	۱۲۹
گہری فکر رکھنے والوں کی علامات	۱۳۰
وہ ہمیشہ قدرت پر جلوہ گر ہے	۱۳۲
ایمان و انفاق نجات و خوش بختی کے لئے دو عظیم سرمائے ہیں	۱۳۵

موضوع	صفحہ نمبر
ہمیں اپنے نور سے استفادہ کرنے دو	۱۳۸
غفلت و بے خبری کب تک	۱۴۱
دنیا متاع غرور کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں	۱۴۳
ایک عظیم معنوی مقابلہ	۱۴۵
بعثت انبیاء کا مقصد اعلیٰ	۱۴۷
یکے بعد دیگرے انبیاء کا نزول	۱۴۹
سورہ مجادلہ	۱۵۳
سورۂ ''مجادلہ'' کے مضامین	۱۵۴
سورۂ ''مجادلہ'' کی تلاوت کی فضیلت	۱۵۴
ظہار زمانۂ جاہلیت کا ایک قبیح عمل	۱۵۶
وہ جو اللہ سے دشمنی کرتے ہیں	۱۵۹
مجالس میں پہلے آنے والوں کا احترام	۱۶۴
ایک جاذب توجہ امتحان	۱۶۶
حزب شیطان	۱۶۸
حزب اللہ کامیاب ہے	۱۷۰
سورۂ حشر	۱۷۳
سورۂ حشر کے مضامین	۱۷۴
اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت	۱۷۴
یہود بنی نظیر کی مدینہ میں سازش کا خاتمہ	۱۷۷
ان اموال غنیمت کے بارے میں حکم جو جنگ کے بغیر ہاتھ لگیں	۱۸۰
تین گروہ، مہاجرین، انصار اور تابعین اور ان کے نمایاں اوصاف	۱۸۳
صحابہ قرآن اور تاریخ کی میزان میں	۱۸۵
یہودیوں کی فتنہ انگیزی اور اس میں منافقین کی شمولیت	۱۸۷
شیطان کی بوسیدہ رسیوں کے ساتھ کنویں میں نہ جاؤ	۱۸۹
اگر قرآن پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے	۱۹۲
سورۂ ممتحنہ	۱۹۵
سورہ ممتحنہ کے مضامین	۱۹۶
سورۂ ممتحنہ کی تلاوت کی فضیلت	۱۹۶
اللہ سے دوستی کرنے کا انجام	۱۹۸
ابراہیم علیہ السلام تم سب کیلئے نمونہ ہیں	۲۰۱
ان کفار سے دوستی جو برسرپیکار نہیں ہیں	۱۰۳
مسلمانوں اور کفار کے نقصان کی تلافی	۱۰۶
عورتوں کی بیعت کے شرائط	۲۰۸
اس مغضوب علیہ قوم سے دوستی نہ کرو	۲۰۹
سورۂ صفّ	۲۱۱
سورۂ صفّ کے مضامین	۲۱۲
سورۂ صفّ کی تلاوت کی فضیلت	۲۱۲
صفوں میں وحدت کی ضرورت	۲۱۴
احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت	۲۱۵
وہ نور اللہ کو اپنی پھونکوں سے خاموش کرنا چاہتے ہیں۔	۲۱۶

موضوع	صفحہ نمبر
سود منداور بے نظیر تجارت	۲۱۸
حواریوں کی طرح ہوجاؤ	۲۱۹
حواریین کون ہیں؟	۲۲۰
سورۂ جمعہ	۲۲۱
سورۂ جمعہ کے مضامین	۲۲۲
سورۂ جمعہ کی تلاوت کی فضیلت	۲۲۲
پیغمبر کی بعثت کا مقصد	۲۲۳
ایسا چوپایہ جس پر کتابیں لدی ہوں	۲۲۵
ہفتہ کا عظیم ترین عبادی سیاسی اجتماع	۲۲۸
اسلام میں پہلی نماز جمعہ	۲۲۹
نماز جمعہ کی اہمیت	۲۲۹
نماز عبادی سیاسی جمعہ کا فلسفہ	۲۳۰
سورہ منافقون	۲۳۱
سورہ منافقون کے مطالب	۲۳۲
سورہ منافقون کی تلاوت کی فضیلت	۲۳۲
سرچشمۂ نفاق اور منافقین کی نشانیاں	۲۳۴
منافقین کی دیگر نشانیاں	۲۳۹
مال اور اولاد تمہیں اللہ کی راہ سے غافل نہ کردیں	۲۴۱
سورہ تغابن	۲۴۳
سورہ تغابن کے مضامین و مطالب	۲۴۴
اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت	۲۴۴
وہ دلوں میں چھپے ہوئے اسرار سے آگاہ ہے۔	۲۴۶

موضوع	صفحہ نمبر
تغابن کا دن اور غبن کا اشکار ہونا	۲۴۹
تمام مصائب اسی کے فرمان سے ہیں	۲۵۱
تمہارے اموال و اولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں	۲۵۴
سورۂ طلاق	۲۵۷
سورہ طلاق کے مضامین	۲۵۸
سورۂ طلاق کی تلاوت کی فضیلت	۲۵۸
طلاق اور علیحدگی کی شرائط	۲۵۹
طلاق حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔	۲۶۱
صلح یا علیحدگی	۲۶۲
مطلقہ عورتوں کے احکام اوران کے حقوق	۲۶۵
سرکشوں کا دردناک انجام	۲۶۸
خلقت عالم کا مقصد معرفت ہے	۲۶۹
سورۂ تحریم	۲۷۱
سورۂ تحریم کے مضامین	۲۷۲
سورۂ تحریم کی تلاوت کی فضیلت	۲۷۲
پیغمبر ﷺ کی بعض ازواج کی شدید سرزنش	۲۷۴
صالح مومنین سے کون مراد ہے؟	۲۷۶
اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔	۲۷۷
مؤمن اور کافر عورتوں کے نمونے	۲۸۰
سورۂ ملک	۲۸۳
سورۂ ملک کے مضامین	۲۸۴

موضوع	صفحہ نمبر
سورۂ ملک کی تلاوت کی فضیلت	۲۸۴
تم عالم ہستی میں کسی قسم کا نقص نہیں دیکھو گے۔	۲۸۵
اگر ہم سننے والا کان اور بیدار فکر رکھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔	۲۸۸
کیا جہان کا خالق جہان کے اسرار سے آگاہ نہیں ہے؟	۲۸۹
کوئی مجرم اس کے عذاب وسزا سے امان میں نہیں ہے۔	۲۹۱
اپنے سر کے اوپر ان پرندوں کی طرف دیکھو	۲۹۳
شاہراہِ توحید کے راہی	۲۹۵
جاری پانی تمہارے اختیار میں کون دیتا ہے۔	۲۹۷
سورۂ قلم	۲۹۹
سورۂ قلم کے مضامین	۳۰۰
سورۂ قلم کی تلاوت کی فضیلت	۳۰۰
تیرے اخلاق کتنے عمدہ ہیں۔	۳۰۱
ایسی صفات والوں کی پیروی نہ کرو	۳۰۴
باغ والوں کی عبرت انگیز داستان	۳۰۷
سرسبز باغ کے مالکوں کا دردناک انجام	۳۰۹
مکمل بازپرس	۳۱۱
اس دن سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن قادر نہ ہو سکیں گے۔	۳۱۳
عذاب کا تقاضا کرنے میں جلدی نہ کرو	۳۱۵

موضوع	صفحہ نمبر
وہ تجھے نابود کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے۔	۳۱۷
کیا نظر بد کوئی حقیقت ہے؟	۳۱۷
سورۂ حاقہ	۳۱۹
سورۂ الحاقہ کے مضامین	۳۲۰
سورۂ الحاقہ کی تلاوت کی فضیلت	۳۲۰
سرکشی کرنے والی قوم کے لئے سرکش عذاب	۳۲۱
سننے والے کان کہاں ہیں؟	۳۲۳
سننے والے کان کہاں ہیں؟	۳۲۳
علی علیہ السلام کے فضائل میں سے ایک اور فضیلت	۲۳۴
وہ دن جس میں وہ عظیم واقعہ رونما ہوگا۔	۳۲۵
اے اہل محشر میرا نامۂ اعمال پڑھو	۳۲۷
اے کاش مجھے موت آجاتی	۲۳۸
ایک عبرت انگیز داستان	۳۲۹
اسے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دو۔	۳۳۱
یہ قرآن یقیناً اللہ کا کلام ہے۔	۳۳۳
اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا تو ہم اسے مہلت نہ دیتے۔	۳۳۴
سورۂ معارج	۳۳۷
سورۂ معارج کے مطالب	۳۳۸
سورۂ معارج کی تلاوت کی فضیلت	۳۳۸
فوری عذاب	۳۴۰
پچاس ہزار سال کے برابر دن	۳۴۰

صفحہ نمبر	موضوع
۳۴۲	وہ دن کہ جس میں کوئی مخلص دوست اپنے دوست کی خبرگیری نہیں کرے گا۔
۳۴۴	شائستہ انسانوں کے اوصاف
۳۴۶	بہشتوں کی خصوصیات کا ایک اور حصہ
۳۴۸	کس منہ سے جنت کی طمع؟
۳۵۰	گویا اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں
۳۵۱	سورۂ نوح
۳۵۲	سورہ نوح کے مطالب ومضامین
۳۵۲	سورۂ نوح کی تلاوت کی فضیلت
۳۵۳	نوح علیہ السلام کا پہلا پیغام
۳۵۵	ان کی ہدایت کیلئے ہر طرح سے کوشش کی، مگر......
۳۵۶	ایمان کی دنیاوی جزا
۳۵۸	باغبان ہستی نے تمہیں ایک پھول کی طرح پالا ہے۔
۳۶۰	اللہ کا لطف تجھ سے مدارت کرتا ہے۔
۳۶۲	اس فاسد ومفسد قوم کو چلے جانا چاہیے!
۳۶۳	سورۂ جن
۳۶۴	سورۂ جن کے مضامین ومطالب
۳۶۴	سورۂ جن کی تلاوت کی فضیلت
۳۶۶	ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے
۳۶۸	پہلے چوری چھپے سن لیا کرتے تھے، لیکن......
۳۷۰	ہم نے حق کو سنا اور سر تسلیم خم کر لیا
۳۷۲	ہم تمہیں ان فراواں نعمتوں کے ذریعے آزمائیں گے۔
۳۷۵	کہہ دیجئے! میں کسی کے سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں
۳۷۷	عالم الغیب اللہ ہے
۳۷۹	علم غیب کے بارے میں ایک وسیع تحقیق
۳۸۰	''جن'' کی خلقت کے بارے میں تحقیق
۳۸۳	سورۂ مزمل
۳۸۴	سورۂ مزمل کے مضامین ومطالب
۳۸۴	سورۂ مزمل کی تلاوت کی فضیلت
۳۸۵	اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے کھڑا ہو جا
۳۸۵	ترتیل کا معنی
۳۸۶	نماز شب کی فضیلت
۳۸۷	رات کے وقت کی عبادت کا اثر
۳۹۰	ان مستکبرین کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دے
۳۹۲	جتنا تمہارے لئے ممکن ہے اتنا قرآن پڑھو
۳۹۵	سورۂ مدثر
۳۹۶	سورۂ مدثر کے مطالب مضامین
۳۹۶	سورۂ مدثر کی تلاوت کی فضیلت
۳۹۷	اٹھ اور عالمین کو ڈرا!
۴۰۱	ایک حق شناس مغرور ثروت مند
۴۰۳	ہلاک ہو جائے وہ، اس نے کتنا برا منصوبہ بنایا
۴۰۵	برے راہیوں کی آخری منزل

موضوع	صفحہ نمبر
دوزخ کے مامورین کی یہ تعداد کس لئے ہے؟	۴۰۶
تم اہل دوزخ کیوں ہوگئے؟	۴۱۱
حق سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح شیر سے گدھے	۴۱۴
سورۂ قیامت	۴۱۷
سورہ قیامت کے مضامین	
سورۂ قیامت کی تلاوت کی فضیلت	۴۱۸
قیامت کے دن کی اور ملامت کرنے والے وجدان کی قسم	۴۱۹
عدالت وجدان اور قیامت صغریٰ	۴۲۰
انسان خود اپنے لئے بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے	۴۲۲
قرآن کا جمع کرنا اور اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔	۴۲۴
میدانِ محشر میں کچھ چہرے ہنستے ہوئے ، اور کچھ بگڑے ہوئے ہوں گے	۴۲۵
وہ اللہ جس نے انسان کو ایک ناچیز نطفہ سے پیدا کیا	۴۲۹
سورۂ انسان (الدّہر)	۴۳۱
سورہ انسان (دہر) کے مضامین	۴۳۲
سورۂ انسان (دہر) کی فضیلت	۴۳۲

موضوع	صفحہ نمبر
ہم نے ناچیز نطفہ کو انسان بنا دیا، اور ہدایت کے تمام ذرائع اس کے اختیار میں دے دیئے	۴۳۳
اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کی فضیلت پر ایک عظیم سند	۴۳۵
ابرار کے لئے عظیم اجر	۴۳۶
بہشت کی عظیم جزائیں	۴۴۰
اللہ کے حکم کے اجراء پر موفق ہونے کے لئے پانچ احکام	۴۴۳
یہ ایک تنبیہ ہے اور راستہ کا انتخاب کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔	۴۴۶
سورۂ مرسلات	۴۴۹
سورۂ مرسلات کے مضامین	۴۵۰
سورہ مرسلات کی تلاوت کی فضیلت	۴۵۰
اللہ کے وعدے حق ہیں، وائے ہے تکذیب کرنے والوں کے لئے	۴۵۲
ان تمام مظاہر قدرت کے باوجود پھر بھی تم معاد میں شک رکھتے ہو؟!	۴۵۴
نہ دفاع کرنے کی قدرت ہے نہ فرار کی راہ	۴۵۷
اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو کس بات پر ایمان لائیں گے؟	۴۶۰
سورۂ نباء	۴۶۳
سورہ نباء کے مضامین اور اس کا دائرہ کار	۴۶۴
سورہ نباء کی تلاوت کی فضیلت	۴۶۴

موضوع	صفحہ نمبر
اہم خبر	۴۶۵
آخرکار روزِ موعود آکر رہے گا۔	۴۷۰
جہنم ایک عظیم کمین گاہ ہے۔	۴۷۲
پرہیزگاروں کی عظیم جزا کا ایک حصہ	۴۷۴
کافر کہیں گے کاش ہم مٹی ہوتے	۴۷۶
سورۂ نازعات	۴۷۹
سورۂ نازعات کے مضامین	۴۸۰
سورہ نازعات کی تلاوت کی فضیلت	۴۸۰
ان انتھک فرشتوں کی قسم	۴۸۱
معاد صرف ایک عظیم صیحہ سے رونما ہوگا۔	۴۸۲
فرعون کہتا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا اللہ ہوں	۴۸۴
انسانوں کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کی؟	۴۸۷
وہ جو اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے باز رکھیں	۴۸۹
قیامت کی تاریخ صرف اللہ جانتا ہے۔	۴۹۱
سورۂ عبس	۴۹۳
سورۂ عبس کے مضامین	۴۹۴
سورہ عبس کی تلاوت وفضیلت	۴۹۴
حق طلب نابینا سے بے اعتنائی برتنے پر شدید عتاب	۴۹۶
صرف پاک لوگوں کا ہاتھ قرآن کے دامن تک پہنچتا ہے۔	۴۹۷
انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی غذا کی طرف دیکھے۔	۵۰۰

موضوع	صفحہ نمبر
صیحہ قیامت	۵۰۳
سورۂ تکویر	۵۰۵
سورۂ تکویر کے مضامین	۵۰۶
اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت	۵۰۶
جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا	۵۰۷
لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	۵۰۹
روز قیامت معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں	۵۰۱
وحی الٰہی اس پر نازل ہوئی	۵۱۱
اے غافلو! کہاں جا رہے ہو؟	۵۱۵
سورۂ انفطار	۵۱۷
سورۂ انفطار کے مضامین	۵۱۸
اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت	۵۱۸
جس وقت اس جہان کا نظام زیر وزبر ہو جائیگا	۵۱۹
اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے؟	۵۲۱
وہ دن جس میں کوئی شخص کسی کیلیئے کوئی کام انجام نہیں دے گا	۵۲۳
سورۂ مطففین	۵۲۵
سورۂ مطففین کے مضامین کا دائرہ کار	۵۲۶
اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت	۵۲۶
کم تولنے والوں پر وائے ہے	۵۲۷
تو کیا جانے کہ سجّین کیا ہے؟	۵۲۹
گناہ دلوں کا زنگ ہیں	۵۳۱

صفحہ نمبر	موضوع
۵۳۳	علیین ابرار کے انتظار میں ہے
۵۳۶	اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج......
۵۳۹	سورۂ انشقاق
۵۴۰	سورۂ انشقاق کے مضامین
۵۴۰	سورۂ انشقاق کی تلاوت کی فضیلت
۵۴۱	کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی وکوشش
۵۴۴	وہ جو شرم و حیا کے باعث اپنا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے
۵۴۹	سورۂ بروج
۵۵۰	سورہ بروج کے مضامین
۵۵۰	سورہ بروج کی تلاوت کی فضیلت
۵۵۱	مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے
۵۵۳	اصحاب اخدود کون لوگ تھے؟
۵۵۵	تشدد کرنے والے عذاب الٰہی کے سامنے
۵۵۷	تو نے دیکھا کہ اللہ نے فرعون وثمود کے لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟
۵۵۹	سورۂ طارق
۵۶۰	سورۂ طارق کے مضامین
۵۶۰	سورہ طارق کی تلاوت کی فضیلت
۵۶۱	اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے
۵۶۳	میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہوں
۵۶۵	سورۂ اعلیٰ
۵۶۶	سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کی فضیلت
۵۶۶	خداوند عظیم کی تسبیح کیا کرو
۵۶۸	ہم تجھے ہر اچھے کام کے لئے آمادہ کریں گے۔
۵۷۰	وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے
۵۷۳	سورۂ غاشیہ
۵۷۴	سورۂ غاشیہ کے مضامین
۵۷۴	سورہ غاشیہ کی تلاوت کی فضیلت
۵۷۵	بدنصیب تھکے ماندے
۵۷۶	بدنصیب تھکے ماندے
۵۷۸	اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے۔
۵۸۱	سورۂ فجر
۵۸۲	سورۂ فجر کے مشمولات
۵۸۲	سورہ فجر کی تلاوت کی فضیلت
۵۸۳	تمہاری صبح کی سفیدی کی قسم
۵۸۵	تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے۔
۵۸۸	نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غرور کرو اور نہ سلب نعمت پر مایوس ہو

موضوع	صفحہ نمبر
اس دن بیدار ہوں گے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا۔	۵۹۱
اے صاحب نفس مطمئنہ!	۵۹۳
سورہ بلد	۵۹۵
سورۂ بلد کا مضمون	۵۹۶
سورۂ بلد کی تلاوت کی فضیلت	۵۹۶
اس شہر مقدس کی قسم	۵۹۷
آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت	۵۹۹
دشوار گزار گھاٹی	۶۰۲
سورۃ الشمس	۶۰۵
سورۂ الشمس اور اس کی فضیلت	۶۰۶
تہذیب نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں	۶۰۷
سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام	۶۱۰
سورۂ اللیل	۶۱۳
سورۂ ''اللیل'' کے مضامین	۶۱۴
سورۂ اللیل کی تلاوت کی فضیلت	۶۱۴
شان نزول	۶۱۵
تقویٰ اور خدائی امدادیں	۶۱۶
انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری	۶۱۹
سورہ ضحیٰ	۶۲۱
سورہ ''الضحیٰ'' کے مضامین	۶۲۲
سورہ ضحیٰ کی تلاوت کی فضیلت	۶۲۲
شان نزول	۶۲۳

موضوع	صفحہ نمبر
تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا	۶۲۳
ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو اللہ نے تجھے دی ہیں......	۶۲۶
سورہ الم نشرح	۶۲۹
سورہ ''الم نشرح'' کے مضامین	۶۳۰
سورہ الم نشرح کی تلاوت کی فضیلت	۶۳۰
ہم نے تجھے انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں،	۶۳۱
سورہ التین	۶۳۵
سورہ ''التین'' کے مطالب	۶۳۶
سورہ التین کی تلاوت کی فضیلت	۶۳۶
ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔	۶۳۷
سورہ العلق	۶۴۱
سورہ علق کے مطالب	۶۴۲
سورہ العلق کی تلاوت کی فضیلت	۶۴۲
اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ	۶۴۵
کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تیرے اعمال کو دیکھتا ہے؟	۶۴۷
سجدہ کر اور تقرب حاصل کر!	۶۵۰
سورہ القدر	۶۵۳
سورہ ''قدر'' کے مطالب اور اس کی فضیلت	۶۵۴

شب قدر نزول قرآن کی رات	۶۵۴
شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟	۶۵۵
سورہ البیّنۃ	۶۵۷
سورہ "بینۃ" کے مطالب	۶۵۸
سورہ "بینۃ" کی تلاوت کی فضیلت	۶۵۸
یہ جاودانی دین ہے	۶۵۹
بہترین اور بدترین مخلوق	۶۶۲
علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ خیر البریہ ہیں	۶۶۳
سورہ الزلزال	۶۶۵
سورہ "زلزال" کے مطالب	۶۶۶
سورہ زلزال کی تلاوت کی فضیلت	۶۶۶
جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا	۶۶۷
سورہ العادیات	۶۷۱
سورہ "العادیات" کے مطالب اور اس کی فضیلت	۶۷۲
بیدار مجاہدین کی قسم	۶۷۴
سورۂ القارعۃ	۶۷۷
سورۂ "القارعۃ" کے مطالب	۶۷۸
سورہ "القارعۃ" کی تلاوت کی فضیلت	۶۷۸
چبھنے والا حادثہ	۶۷۹
سورہ التکاثر	۶۸۱
سورۂ "تکاثر" کے مطالب	۶۸۲
سورہ التکاثر کی تلاوت کی فضیلت	۶۸۲
تکاثر و تفاخر کی مصیبت	۶۸۳
تفاخر کا سرچشمہ	۶۸۴
یقین اور اس کے مراحل	۶۸۴
سورۂ والعصر	۶۸۷
سورۂ "والعصر" کے مطالب	۶۸۸
سورہ العصر کی تلاوت کی فضیلت	۶۸۸
نجات کی صرف ایک راہ	۶۸۹
خوش بختی کا چار نکاتی پروگرام	۶۹۰
سورۂ ھمزۃ	۶۹۳
سورۂ ہمزہ کے مطالب	۶۹۴
سورہ ہمزہ کی تلاوت کی فضیلت	۶۹۴
عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لئے وائے ہے	۶۹۵
سورہ الفیل	۶۹۹
سورۂ "فیل" کے مطالب	۷۰۰
سورۂ الفیل کی تلاوت کی فضیلت	۷۰۰
اصحاب فیل کی داستان	۷۰۱
"ابرھہ" سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے	۷۰۴
سورۂ قریش	۷۰۵
"سورۂ قریش" کے مطالب	۷۰۶
سورہ قریش کی تلاوت کی فضیلت	۷۰۶
اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہئے	۷۰۷

سورۂ الماعون ۷۰۹

سورۂ ماعون کے مطالب ۷۱۰

سورہ ماعون کی تلاوت کی فضیلت ۷۱۰

معاد کے انکار کے اثرات بد ۷۱۱

سورۂ الکوثر ۷۱۳

سورۂ کوثر کے مطالب ۷۱۴

سورہ کوثر کی تلاوت کی فضیلت ۷۱۴

ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی۔ ۷۱۵

حضرت فاطمہ علیہا السلام اور ''کوثر'' ۷۱۶

سورۂ الکفرون ۷۱۸

سورۂ ''کافرون'' کے مطالب ۷۱۹

سورہ کافرون کی تلاوت کی فضیلت ۷۱۹

بت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی۔ ۷۲۱

سورۂ نصر ۷۲۳

سورۂ ''نصر'' کے مطالب ۷۲۴

سورہ نصر کی تلاوت کی فضیلت ۷۲۴

جب اصلی کامیابی آن پہنچے ۷۲۵

فتح مکہ اسلام کی عظیم ترین فتح ۷۲۶

سورہ اللھب (تبت) ۷۲۷

سورہ لہب (تبت) کے مطالب ۷۲۸

سورہ لہب کی تلاوت کی فضیلت ۷۲۸

ابولہب کا ہاتھ کٹ جائے ۷۳۰

سورہ اخلاص ۷۳۳

سورہ ''اخلاص'' کے مطالب اور اس کی فضیلت ۷۳۴

وہ یکتا اور بے مثال ہے ۷۳۵

۱۔ توحید کے دلائل ۷۳۷

۲۔ توحید کی اقسام ۷۳۹

۳۔ توحید افعالی کی اقسام ۷۳۹

سورۂ الفلق ۷۴۱

سورہ ''الفلق'' کے مطالب اور اس کی فضیلت ۷۴۲

سورۂ الفلق کی تلاوت کی فضیلت ۷۴۲

میں سپیدۂ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ۷۴۳

سورۂ الناس ۷۴۷

سورہ ''الناس'' کے مطالب ۷۴۸

سورۂ ناس کی تلاوت کی فضیلت ۷۴۸

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ۷۴۹

سورۂ طور

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۴۹ آیات ہیں

سورہ طور کے مطالب

یہ سورہ بھی انہی سورتوں میں سے ہے جس کے مباحث کا زیادہ زور، ایک طرف تو معاد اور نیک اور پاک لوگوں کی تقدیر کے مسئلہ پر ہے، اور دوسری طرف اس عظیم دن مجرموں اور بدی کرنے والوں سے متعلق ہے، اگر چہ کچھ دوسرے مطالب بھی اس میں مختلف اعتقادی سلسلوں میں نظر آتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس سورہ کے مضامین کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔اس سورہ کی پہلی آیات، جو پے در پے قسموں سے شروع ہوتی ہیں۔عذاب الٰہی، قیامت کی نشانیوں، جہنم کی آگ اور کفار کی سزاؤں کے بارے میں بحث کرتی ہیں، (آیت ۱ تا آیت ۱۶)۔

2۔اس سورہ کا ایک دوسرا حصہ بہشت کی نعمتوں اور قیامت میں مواہب الٰہی جو پرہیز گاروں کے انتظار میں ہیں انہیں تفصیل سے بیان کرتا ہے، اور یکے بعد دیگرے ان کی طرف توجہ دلاتا ہے، اور حقیقت میں بہشت کی اکثر نعمتوں کا سورہ کے اسی حصہ میں اشارہ ہوا ہے (آیت ۱۷ تا آیت ۲۸)۔

3۔اس سورہ کا تیسرا حصہ پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، اور ان اتہامات کو جو دشمنوں نے ان پر لگائے تھے بیان کرتا ہے، اور مختصر طور پر ان کا جواب دیتا ہے (آیت ۲۹ تا ۳۴)

4۔چوتھے حصہ میں توحید کے سلسلہ میں گفتگو ہے اور اس مسئلہ کو واضح استدلال کے ساتھ بیان کرتا ہے (آیت ۳۵ تا ۴۳)

5۔سورہ کے اس حصہ میں پھر مسئلہ معاد، اور روز قیامت کی کچھ مخصوص باتوں کی طرف لوٹتا ہے (آیت ۴۴ تا ۴۷)

6۔آخر میں سورہ کے آخری حصہ میں جو دو سے زیادہ آیات نہیں پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کو صبر و استقامت اور پروردگار کی تسبیح و حمد کے احکام اور اللہ کی طرف سے حمایت کے وعدہ کے ساتھ گذشتہ مباحث کو ختم کرتا ہے اور اسطرح سے ایک نظم، جاذب، منطقی اور عاطفی مجموعہ کو تیار کرتا ہے جو سننے والوں کے دلوں کو اپنا مسخر کرتا ہے۔

ضمنی طور پر اس سورہ کا نام "طور" اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

اس سورت کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص سورہ طور کی تلاوت کرے تو اللہ پر لازم ہے کہ اسے اپنے عذاب سے مامون قرار دے، اور اسے اپنی بہشت کی نعمتوں سے بہرہ ور کرے"۔

ایک اور حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

''جو شخص سورہ طور کی تلاوت کرے اللہ دنیا و آخرت کی بھلائی اس کے لئے جمع کر دے گا''۔

واضح رہے کہ یہ سب اجر اور عظیم پاداش دنیا و آخرت میں ان لوگوں کے لئے ہے جو اس تلاوت کو غور و فکر کا وسیلہ اور اس (غور و فکر) کو راہ عمل کے لئے آمادگی کا وسیلہ قرار دے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱)وَ الطُّوۡرِ ۙ	قسم ہے (کوہ) طور کی۔
(۲)وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ	اور اس کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔
(۳) فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ	وسیع اور کشادہ صفحہ پر۔
(۴)وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ	اور بیت المعمور کی قسم۔
(۵)وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ	اور بلند کی ہوئی چھت کی۔
(۶)وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ	اور طوفانی سمندر کی۔
(۷)اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ	کہ تیرے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔
(۸)مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ	اور کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوگی۔

تفسیر

بھڑکتے ہوئے سمندر کی قسم

یہ سورہ ان سوروں میں سے ایک اور سورہ ہے جو قسم سے شروع ہوتے ہیں ایسی قسمیں جو ایک اہم واقعیت کو بیان کرتی ہیں یعنی مسئلہ معاد و قیامت، قبروں سے اٹھنا اور انسانوں کے اعمال کا محاسبہ۔

اس مسئلہ کی اہمیت اس قدر ہے، کہ اللہ نے قرآن کی مختلف آیات میں بہت سے مقدسات کے حصوں کی قسم کھائی ہے تا کہ اس دن کی عظمت اور اس کے حتمی طور پر واقع ہونے کو واضح کرے۔

وہ پانچ قسمیں، جو اس سورہ کے آغاز میں نظر آتی ہیں، ایسے سربستہ اور فکر انگیز معانی رکھتی ہیں کہ مفسرین نے ان کی تفسیر میں

ادھرادھر ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔

فرماتا ہے کہ طور کی قسم۔

اور قسم ہے اس کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔

وسیع اور کشادہ صفحہ پر۔

اور بیت المعمور کی قسم۔

اور بلند کی ہوئی چھت کی۔

اور بھڑکتے ہوئے لبریز سمندر کی۔

کہ تیرے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔

اور کوئی چیز اس سے مانع نہیں ہوگی۔

"طور" لغت میں "پہاڑ" کے معنی میں ہے لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ لفظ قرآن مجید کی آیات میں بیان ہوا ہے جن میں سے ۹ مواقع پر "طور سینا"۔ وہی پہاڑ جہاں موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی۔ سے متعلق گفتگو ہے۔

"کتاب مسطور" یہ تعبیر یا تو تورات کی طرف اشارہ ہے یا سب کتب آسمانی کی طرف۔

"رق" کا لفظ "رقت" کے مادہ سے اصل میں نازک اور لطیف ہونے کے معنی میں ہے اور کاغذ یا اس باریک چمڑے کو بھی کہا جاتا ہے جس پر کوئی مطلب لکھا جائے اور "منشور" پھیلے ہوئے کے معنی میں ہے (بعض کا نظریہ ہے کہ یہ لفظ درخشندگی اور لمعان کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے)۔

اس بنا پر یہ قسم ایسی کتاب کی کھائی گئی ہے جو بہترین صفحات میں سے ایک بہترین صفحہ پر لکھی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کھلی ہوئی اور کشادہ ہے نہ کہ لپٹی ہوئی۔

"بیت المعمور"۔ کعبہ اور زمین میں خانہ خدا جوز وار اور حاجیوں کے ساتھ ہمیشہ معمور اور آباد رہتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ پہلا گھر ہے جو روئے زمین پر عبادت کے لئے بنایا گیا ہے اور آباد ہوا ہے۔

باقی رہا "سقف مرفوع" تو اس سے مراد آسمان ہے کیونکہ سورہ انبیاء کی آیت ۳۲ میں آیا ہے کہ اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا۔

"سقف" کی تعبیر ممکن ہے اس لحاظ سے ہو، کہ ستاروں اور آسمانی کرات نے اس طرح سے سارے آسمان کو ڈھانپ رکھا ہے کہ وہ چھت کی طرح دکھائی دیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اطراف زمین کی فضا کی طرف اشارہ ہو کہ ہوا کے پھیلے ہوئے قشر نے اسے

مضبوط چھت کی طرح اس کے اطراف کو گھیرا ہوا ہے اور اس کی آسمانی پتھروں کے حملوں اور نقصان دہ شعاعوں سے اچھی طرح حفاظت کرتی ہے۔

"مسجور" بھڑ کنے والا جیسا کہ سورہ مؤمن کی آیت ۷۱،۷۲ میں آیا ہے کہ "انہیں جلانے والے پانی میں کھینچیں گے پھر وہ شعلہ ور آگ میں ہوں گے۔ اس سے مراد ہمارے کرہ زمین کے سمندر بھی مراد ہیں جو قیامت کے قریب بھڑک اٹھیں گے اور پھر پھٹ جائیں گے لیکن بعض نے اس کی ان معدنی مادوں کے ساتھ تفسیر کی ہے جو کرہ زمین کے اندر ہیں۔

وہ دونوں تفسیریں ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتیں ہے اور ممکن ہے کہ اوپر والی آیت میں دونوں کی قسم کھائی گئی ہو کیونکہ دونوں اللہ کی آیات اور اس جہان کے عظیم عجائبات میں سے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ مفسرین نے ان پانچوں قسموں کے مفہوم کی ایک دوسرے کے ساتھ ربط کی کیفیت کے بارے میں کوئی خاص بحث نہیں کی ہے لیکن نظر یہ آتا ہے کہ پہلی تین قسمیں تو ایک دوسرے کے ساتھ قریبی ربط رکھتی ہیں کیونکہ وہ سب وحی اور اس کی خصوصیات کی بات کرتی ہیں "کوہ طور" محل نزول وحی تھا اور "کتاب مسطور" بھی آسمانی کتاب کی طرف اشارہ ہے چاہے وہ تورات ہو یا قرآن اور "بیت المعمور" فرشتوں اور اللہ کے پیغام وحی کے آنے جانے کا محل ہے۔

لیکن دوسری دو قسمیں آیات "تکوینی" کی بات کرتی ہیں (پہلی تین قسموں کے مقابلہ میں جو "تشریعی آیات" کی باتیں کرتی ہیں) ان دو قسموں میں سے ایک توحید کی اہم ترین نشانی یعنی باعظمت آسمان کی طرف اشارہ ہے اور دوسری معاد و قیامت کی ایک اہم نشانی ہے جو قرب قیامت میں قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے وقت رونما ہوگی۔

(۹) يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ	(یہ عذاب الٰہی) اس دن آئے گا جب آسمان شدت کے ساتھ ہل رہا ہوگا۔
(۱۰) وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ	اور پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر حرکت کر رہے ہوں گے
(۱۱) فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ	پس وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے
(۱۲) الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ وقف لازم	وہی لوگ جو باطل باتوں میں لہو ولعب میں مشغول ہوں گے۔
(۱۳) يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ	وہ دن جب انہیں زبردستی جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔

(۱۴)هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ	(اوران سے کہا جائے گا) یہی ہے وہ آگ جس کا تم انکار کرتے تھے
(۱۵)اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ	کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے ہی نہیں ہو؟
(۱۶) اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	اس میں داخل ہو جاؤ، اور جلتے رہو، چاہے صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تمہیں صرف تمہارے اعمال کی ہی جزا ملے گی۔

تفسیر

اور تمہاری جزا صرف تمہارے اعمال ہیں

گذشتہ آیات میں قیامت میں عذاب الٰہی کی طرف اجمالی اشارہ ہوا تھا زیر بحث آیات ان معنی کی توضیح وتفسیر ہے پہلے تو قیامت کی بعض خصوصیات کو بیان کرتا ہے اور پھر تکذیب کرنے اور جھٹلانے والوں کے عذاب کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: یہ عذاب الٰہی اس دن آئے گا جب آسمان (آسمانی کرات) شدت کے ساتھ حرکت کر رہے ہوں گے اور ہر طرف آ جا رہے ہوں گے۔

اس طرح سے کرات آسمانی پر حکمران نظام قیامت کے قریب درہم برہم ہو جائے گا وہ اپنے مداروں سے منحرف ہو جائیں گے اور ہر طرف آمد ورفت کریں گے اور پھر انہیں لپیٹ کر تہ کر دیا جائے گا اور ان کی جگہ اللہ کے حکم سے ایک نیا آسمان برپا ہوگا جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۴ میں کہتا ہے: ''وہ دن جس میں آسمان کو طومار کی طرح لپیٹ دیں گے''۔

اور سورہ ابراہیم کی آیت ۴۸ میں یہ آیا ہے۔''وہ دن جس میں یہ زمین دوسری زمین سے اور یہ آسمان دوسرے آسمانوں سے بدل جائیں گے''

(۱۰) اس کے بعد مزید کہتا ہے''اور وہ دن کہ جس میں پہاڑ حرکت میں آ جائیں گے۔

یہ سب اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ یہ دنیا اور اس کی تمام پناہ گاہیں درہم برہم ہو جائیں گی اور ایک نیا جہان نئے نظام کے ساتھ اس کی جگہ لے لے گا اور انسان اپنے اعمال کے نتائج کے روبرو ہوگا۔

(۱۱) لہٰذا اس کے بعد آیت میں مزید کہتا ہے جب ایسا ہے تو پھر اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے وائے ہے۔

ہاں! جب عالم کی دگرگونی سے پیدا ہونے والے اضطراب اور وحشت نے سب کو گھیر رکھا ہوگا اس وقت ایک عظیم وحشت مکذبین کولاحق ہوگی جو کہ عذاب الٰہی ہے چونکہ "ویل" ایک نامطلوب حادثہ کے وقوع پر تاسف واندوہ کا اظہار ہے۔

(۱۲) اس کے بعد ان مکذبین کا تعارف کراتے ہوئے فرماتا ہے وہی لوگ جو باطل باتوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہیں۔

یہ آیات قرآن کو جھوٹ اور پیغمبر کے معجزات کو جادو کہتے ہیں اور ان کے لانے والے کو مجنون شمار کرتے ہیں تمام حقائق کو کھیل تماشا قرار دیتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتے اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔

"خوض" (بروزن حوض) باطل اور غلط باتوں میں وارد ہونے کے معنی میں ہے اور اصل میں پانی میں وارد ہونے اور اس سے عبور کرنے کے معنی میں ہے۔

(۱۳) دوبارہ اس دن کا تعارف اور ان مکذبین کی سرگذشت کے بیان کے لئے ایک دوسری وضاحت کرتے ہوئے مزید کہتا ہے "وہ دن جس میں خشونت اور سختی کے ساتھ جہنم کی آگ کی طرف ہانکے جائیں گے"۔

(۱۴) ان سے کہا جائے گا یہ وہی آگ ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

(۱۵) اور ان سے یہ بھی کہا جائے گا کیا یہ جادو ہے؟ یا تم دیکھتے نہیں ہو؟۔

تم ہمیشہ دنیا میں یہ کہا کرتے تھے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ لایا ہے وہ جادو ہے اس نے جادوگری کے ذریعہ ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تا کہ ہم حقائق کو نہ دیکھیں ہماری عقل کو ختم کر دیا ہے اور کچھ امور کو "معجزہ" کے نام سے تعارف کراتا ہے اور کچھ باتیں "وحی الٰہی" کے عنوان سے ہمارے سامنے پڑھتا ہے لیکن یہ سب چیزیں بے بنیاد ہیں اور جادو کے سوا کچھ نہیں ہیں۔لہٰذا قیامت کے دن سرزنش اور توبیخ کے عنوان سے۔ جب کہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھیں گے اور اس کی حرارت کو محسوس کریں گے۔ان سے کہا جائے گا "کیا یہ جادو ہے"؟ کیا تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈالا گیا ہے؟

(۱۶) اسی طرح ان سے کہا جائے گا "اس آگ میں داخل ہو جاؤ، واراس میں جلتے رہو، چاہے صبر وشکیبائی کرو یا بیتابی اور گڑگڑاؤ تمہارے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

کیونکہ تمارے اعمال کا بدلہ صرف تمہارے اپنے ہی اعمال ہیں۔

ہاں! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جو تمہاری طرف پلٹے ہیں اور تمہارے پاؤں کی زنجیر بن گئے ہیں اس بنا پر گڑگڑانا اور آہ ونالہ اور اضطراب وبے تابی کوئی اثر نہیں رکھتی۔

یہ آیت "تجسم اعمال" کے مسئلہ اور ان کی انسان کی طرف بازگشت پر ایک جدید تاکید ہے اور یہ پروردگار عالم کی عدالت کے

مسئلہ پر بھی ایک تاکید مجدد ہے چونکہ جہنم کی آگ چاہے جتنی بھی جلانے والی ہو اور اس کا عذاب چاہے جتنا دردناک ہو وہ خود انسانوں کے اعمال کے نتیجے اور ان کی تبدیل شدہ شکلوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

(۱۷) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۙ	لیکن پرہیزگار جنت کے باغوں اور فراواں نعمتوں میں ہوں گے۔
(۱۸) فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ	اور جو کچھ ان کے پروردگار نے انہیں دیا ہے اس پر شاد و مسرور ہوں گے اور ان کا پروردگار انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔
(۱۹) كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۙ	(انہیں کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو اور خوش رہو یہ سب کچھ ان اعمال کی وجہ سے ہے جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے۔
(۲۰) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ	ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ قطاروں میں بچھائے گئے تختوں کے اوپر پہلو بہ پہلو تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کی حور العین کے ساتھ تزویج کریں گے۔
(۲۱) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ	اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی میں ایمان قبول کیا تو ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ ملحق کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے اور ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے۔

تفسیر

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں مجرمین کی سزاؤں اور ان کے دردناک عذاب کے بارے میں گزرے ہیں زیر بحث آیات میں ان کے نقطۂ مقابل یعنی فراواں نعمتوں اور بیکراں صلوں کے لئے جو مومنین اور پرہیزگاروں کو عطا کئے جائیں گے اشارہ کرتا ہے تاکہ ایک واضح موازنہ میں ہر ایک کی حیثیت واضح ہو جائے۔

پہلے کہتا ہے: ''پرہیزگار جنت کے باغات میں فراواں نعمتوں میں مقیم ہوں گے''۔ مومنین کے بجائے ''متقین'' کی تعبیر اس

لئے ہے کہ یہ لفظ ایمان کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور عمل صالح کے پہلوؤں کو بھی۔

(۱۸) اس کے بعد بہشتیوں کی روح پران عظیم نعمتوں کے اثر انداز ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے "وہ اس چیز سے جوان کے پروردگار نے انہیں دی ہے شاد و مسرور ہیں اور اس سلسلہ میں دلپذیر باتیں کرتے ہیں۔

ہاں وہ خوشی سے اپنے جامہ میں پھولے نہ سمائیں گے ہمیشہ آپس میں ایک دوسرے سے مزاح کرتے رہیں گے اور ان کے دل ہر قسم کے غم واندوہ سے خالی ہوں گے اور وہ حد سے زیادہ آرام وسکون محسوس کریں گے۔

خاص طور سے یہ بات کہ اللہ نے انہیں عذاب وسزا کی طرف سے مطمئن کر دیا ہے "اوران کے پرودگار نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالیا ہے"۔

اس جملہ کے دو معانی ہوسکتے ہیں پہلا پروردگار کی دوسری نعمتوں کے مقابلہ میں کسی مستقل نعمت کا بیان دوسرے یہ کہ یہ سابقہ کلام کا پچھلا حصہ ہو یعنی جنتی دو چیزوں سے مسرور ہوں گے ایک ان نعمتوں کی وجہ سے جو اللہ نے انہیں دی ہیں اور دوسرے ان عذابوں کی بنا پر جنہیں ان سے دور کر دیا ہے۔

(۱۹) اس اجمالی اور سربستہ اشارے کے بعد جنت میں پرہیز گاروں کی نعمتوں اور سرور وشادمانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے "انہیں کہا جائے گا مزے کے ساتھ کھاؤ اور پیؤ"۔

"یہ سب چیزیں ان اعمال کی وجہ سے ہیں جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے۔

"ھنیئا" کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہشت کی کھانے اور پینے کی چیزوں سے کسی قسم کے نامطلوب عوارض پیدا نہیں ہوتے اور ہو اس جہان کی نعمتوں کے مانند نہیں ہیں جو بعض اوقات مختصر طور پر کم یا زیادہ بیماری اور تکلیف پیدا کر دیتی ہیں علاوہ ازیں ان کے حاصل کرنے کے لئے نہ تو کوئی مشقت کرنے کی ضروت ہے اور نہ ہی ان کے ختم ہونے اور تمام ہو جانے کا کوئی خوف ہے اور اسی بنا پر یہ نعمتیں کامل طور پر گوارا اور مسرور کر دینے والی ہیں۔

مسلمہ طور پر بہشت کی نعمتیں اپنے طور پر گوارا پر لطف اور مزیدار ہوں گی لیکن یہ بات کہ فرشتے جنتیوں سے یہ کہیں گے ،مزے اور لطف اٹھاؤ یہ خود ایک دوسرا لطف اور مزیدار بات ہے۔

(۲۰) دوسری نعمت یہ ہے کہ وہ "قطاروں میں بچھے ہوئے تختوں کے اوپر ایک دوسرے کے ساتھ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے"۔

اور وہ دوسرے دوستوں اور مومنوں کے انس کی لذت سے بہت زیادہ بہرہ ور ہوں گے کیونکہ یہ ایک معنوی لذت ہے جو بہت سی لذتوں سے مافوق ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے گوری گوری، سفید رخ، خوبصورت اور موٹی موٹی آنکھوں والی عورتوں سے ہم ان کی تزویج کریں گے۔

(۲۱) یہ سب کچھ بہشتیوں کی ''مادی'' اور ''معنوی'' نعمتوں کا ایک حصہ ہیں لیکن اللہ صرف انہیں پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ معنوی اور مادی نعمتوں کے ایک اور دوسرے حصہ کا بھی اس پر اضافہ کرے گا ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی میں ایمان اختیار کیا ہے ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ ملحق کر دیں گے اور ہم ان کے عمل میں بھی کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔

یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان اپنی صاحب ایمان اولاد اور اپنے متعلقین کو جنت میں اپنے پاس دیکھے اور ان سے انس کی بنا پر ان سے لذت حاصل کرے اور ان کے اعمال میں سے بھی کسی چیز کی کمی نہ کی جائے۔

آیت کی تعبیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ بالغ اولاد ہے جو ماں باپ کے راستے میں قدم اٹھاتی ہے اور ایمان میں ان کی پیروی کرتی ہے اور دین و مذہب کے لحاظ سے ان سے ملحق ہوتی ہے۔ اسے افراد اگر عمل کے لحاظ سے کچھ کوتاہی اور تقصیرات بھی رکھتے ہوں تو اللہ ان کے صالح آبا و اجداد کے احترام میں انہیں بخشے گا اور ان کے مقام کو بلند کرے گا اور انہیں بھی ان کے درجہ تک پہنچا دے گا اور یہ والدین اور اولاد کے لئے ایک عظیم نعمت ہے۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے ''ہر شخص اپنے اعمال میں گروی ہے اور ان کے ہمراہ ہے''۔

اس بنا پر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پرہیز گاروں کے اعمال اور ان کے صلوں میں سے کسی چیز کی کمی نہ کی جائے کیونکہ یہ اعمال ہر جگہ انسان کے ساتھ ہوں گے اور اگر اللہ متقین کی اولاد کے بارے میں کوئی لطف اور مہر کرے گا اور انہیں جنت میں پرہیزگاروں کے ساتھ ملحق کرے گا تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ان کے اعمال کے بدلے سے کسی چیز کی کمی کر لی جائے گی۔

(۲۲) وَ اَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ	ہمیشہ انواع و اقسام کے پھل اور گوشت جن کی وہ خواہش کریں گے ہم ان کے اختیار میں دے دیں گے۔
(۲۳) يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَ لَا تَاۡثِيۡمٌ	وہ جنت میں شراب طہور سے پر جام، جن میں نہ بیہودگی ہے اور نہ گناہ، ایک دوسرے سے لیں گے۔
(۲۴) وَ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ	اور ہمیشہ ان کے گرد اگرد نوجوان لڑکے ان کی خدمت کے لئے گردش کریں گے جو ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے صدف میں موتی ہوں۔

(۲۵)وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ	اس وقت ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے (ماضی کے بارے میں) سوال کریں گے۔
(۲۶)قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا قَبۡلُ فِیۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِیۡنَ	کہیں گے کہ ہم اپنے گھر والوں کے درمیان خوف وہراس میں تھے۔
(۲۷)فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ	لیکن اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہلاک کرنے والے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھا۔
(۲۸)اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِیۡمُ ۠	ہم پہلے سے اللہ کو نیکوکار اور رحیم کے القاب سے پکارتے تھے اور پہچانتے تھے۔

تفسیر

خوف زدگی کا دن اور انتہائی امن کا دن

گذشتہ آیات میں جنت کی نعمتوں میں سے نو حصوں کی طرف اشارہ ہوا تھا اور زیر بحث آیات میں ان کو جاری رکھتے ہوئے دوسرے پانچ حصوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس طرح ان سب کے مجموعہ سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آرام وآسائش ولذت وسرور کے لئے جو کچھ لازم وضروری ہے وہ سب کچھ ان کے لئے جنت میں فراہم ہوگا۔

پہلے بہشتیوں کی غذاؤں میں دو حصوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ”ہمیشہ انواع واقسام کے پھلوں اور گوشت میں سے جس نوع کی طرف وہ مائل ہوں گے ہم اسے ان کے اختیار میں دیں گے۔

”امددناھم“ امداد کے مادہ سے ادامہ وافزائش اور عطا کرنے کے معنی میں ہے یعنی جنت کے پھل اور کھانے اس قسم کے نہیں ہیں کہ وہ کھانے سے کم ہو جائیں یا وہ دنیا کے پھلوں کے مانند نہیں ہیں جو سال کی فصلوں میں بہت سی تبدیلیاں رکھتے ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان میں ہمیشگی جاودانی اور استمرار اور تسلسل ہے۔

”مما یشتھون“ (وہ جس میں چاہیں گے) کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بہشتی ان پھلوں اور غذاؤں کی نوع مقدار اور کیفیت کے انتخاب میں کامل طور پر آزاد ہوں گے وہ جو بھی چاہیں ان کے اختیار میں ہے۔

البتہ جنت کے کھانے صرف انہیں دو میں منحصر نہیں ہیں لیکن یہ دو اہم غذائیں ہیں **”فاکھہ“** کو **”لحم“** پر مقدم رکھنا اس

بات کی طرف اشارہ ہے کہ پھلوں کو گوشت پر برتری حاصل ہے۔

(۲۳) اس کے بعد بہشتیوں کے خوشگوار اور مزیدار مشروبات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے'' وہ بہشت میں شراب طہور سے پر جام۔ جن میں نہ تو مستی ہوگی اور نہ ہی بیہودہ گوئی اور نہ ہی کوئی گناہ۔ ایک دوسرے سے لیں گے۔

بلکہ وہ ایسی شراب ہے جو خوشگوار و لذت بخش ہے نشاط آفرین اور روح پرور ہے اور اس میں کسی قسم کا نشہ اور عقل کا فساد اور خرابی نہیں ہے اور اس کے پینے سے کسی قسم کی بیہودہ گوئی اور گناہ نہیں ہوگا بلکہ اس میں سراسر ہوش اور جسمانی و روحانی لذت ہے۔

''یتنازعون'' جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہشتی شوخی و مزاح اور سرور و انبساط کی فراوانی کے باعث شراب طہور کے جام ایک دوسرے کے ہاتھ سے چھین چھین کے پیئیں گے۔

(۲۴) اس کے بعد چوتھی نعمت کو۔ جو بہشت میں خدمت گذاروں کے ہونے کی نعمت ہے۔ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''ہمیشہ ان کے گرداگرد نوجوان لڑکے ان کی خدمت کے لئے گردش کریں گے جوان موتیوں کی طرح ہوں گے جو صدف میں ہوتے ہیں۔

''مروارید صدف کے اندر'' اس قدر تازہ صاف شفاف اور خوبصورت ہوتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے اگر چہ صدف کے باہر بھی ان کی خوبصورتی جوں کی توں باقی رہتی ہے لیکن ہوا کا گردوغبار اور ہاتھوں کی آلودگی کچھ نہ کچھ اس کی صفائی میں کمی کر دیتی ہیں جنت کے خدمت گزار اس قدر خوبصورت سفید چہرہ اور باصفا ہوں گے جیسا کہ صدف کے اندر مروارید ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم سے لوگوں نے سوال کیا کہ اگر خدمت گذار صدف میں موجود مروارید کی طرح ہوں گے تو پھر مخدوم یعنی جنت کے مومنین کس طرح ہوں گے تو آپ نے فرمایا:

مخدوم کی وہاں پر خادم پر برتری ایسی ہوگی جیسی کہ چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر برتری ہے۔

(۲۵) اور اس سلسلہ کی آخری نعمت وہی مکمل سکون و آرام اور ہر قسم کے عذاب و سزا سے دلی اطمینان ہے جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے'' اس حالت میں جب کہ وہ ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہوں گے تو گذرے ہوئے دنوں کے حالات کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے'' اور اس کا جنت کے حالات سے موازنہ کرتے ہوئے لذت حاصل کریں گے۔

(۲۶) وہ کہیں گے ہم تو اس سے پہلے اپنے گھر والوں میں خائف و ترساں رہتے تھے۔

باوجود اس کے کہ ہم اپنے گھر والوں کے درمیان رہتے تھے لہٰذا ہمیں تو امن و امان کا احساس کرنا چاہئے تھا مگر پھر بھی ہم خائف ہی تھے ہمیں اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا کہ ناگوار حوادث اور عذاب الٰہی کسی بھی لمحہ آن پہنچے گا اور ہمیں پکڑ لے گا۔

ہم اس بات سے ڈرتے تھے کہ ہماری اولاد اور گھر والے غلط راستے پر چل پڑیں گے اور وادی ضلالت میں گمراہ سرگرداں پھریں گے۔

اور ہمیں اس بات کا بھی خوف تھا کہ سنگدل دشمن ہمیں غفلت میں رکھ کر ہم پر عرصہ حیات تنگ کر دیں گے۔

(۲۷) لیکن اللہ نے ہم پر احسان کیا اور اس کی رحمت واسعہ ہمارے شامل حال ہوئی اور ہمیں ہلاک کرنے والے عذاب سے محفوظ رکھا۔

ہاں! مہربان پروردگار نے ہمیں دنیا کے زندان سے اس کی تمام وحشتوں کے ساتھ نجات بخشی اور اپنی نعمتوں کے مرکز یعنی جنت میں ہمیں جگہ دی۔

(۲۸) اہل جنت اس آخری گفتگو میں جوان کی طرف سے یہاں نقل ہوئی ہے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رحیم ہونے کو وہاں ہر زمانہ سے زیادہ محسوس کرتے ہیں وہ کہیں گے "ہم پہلے سے اللہ کو پکارتے تھے اور اس کو نیک مطلوب اور رحیم کہہ کر تعریف کرتے تھے۔

لیکن ہم یہاں ان صفات کی حقیقت کی تہ تک پہنچ جائیں گے کہ اس نے ہمارے حقیر اعمال کے مقابلہ میں کتنی نیکیاں کی ہیں اور ہماری اس قدر لغزشوں کے باوجود ہمیں اپنی رحمت کا مشمول کیا ہے۔

(۲۹) فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ ؕ	اب جبکہ ایسا ہے تو تم نصیحت کرتے رہو، کیونکہ تم اپنے پروردگار کے لطف سے کاہن ومجنون نہیں ہو
(۳۰) اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ	بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک شاعر ہے جس کی موت کا ہم انتظار کر رہے ہیں۔
(۳۱) قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ؕ	کہدو! کہ تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں (تم میری موت کا انتظار کرو اور میں اپنی کامیابی اور تمہاری نابودی کا انتظار کرتا ہوں)۔
(۳۲) اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ	کیا ان کی عقلیں انہیں ان کاموں کا حکم دیتی ہیں؟ یا وہ سرکش قوم ہیں؟

(۳۳)اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَہٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ	وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کا تو اس نے اللہ پر افتراء باندھا ہے لیکن وہی خود ایمان نہیں رکھتے۔
(۳۴)فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ؕ	اگر وہ سچ کہتے ہیں تو وہ بھی اسی قسم کا کلام لے آئیں۔

شان نزول

ایک روایت میں آیا ہے کہ قریش "دارالندوہ" میں جمع ہوئے تا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کو روکنے کے لئے جوان کے مشروع منافع کے لئے ایک عظیم خطرہ سمجھی جاتی تھی غور وفکر کریں۔

"بنی عبدالدار" کے قبیلہ کے ایک شخص نے کہا ہمیں اس کے مرنے کا انتظار کرنا چاہئے کیونکہ بہر حال وہ ایک شاعر ہے اور عنقریب دنیا سے چل بسے گا جیسا کہ "زہیر" "نابغہ" اور "اعشیٰ" (زمانہ جاہلیت کے تین شاعر) دنیا سے چلے گئے (جن کی بساط لپٹ گئی محمد ﷺ کی بساط بھی اس کی موت کے ساتھ ہی لپٹ جائے گی) یہ کہہ کر وہ پراگندہ ہوگئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور انہیں جواب دیا۔

تفسیر

اگر سچ کہتے ہیں تو اس کے مانند کلام لے آئیں

گذشتہ آیات میں جنت کی نعمتوں اور پرہیزگاروں کی پاداشوں کے ایک قابل توجہ حصہ کو بیان کیا گیا تھا اور ان سے پہلے کی آیات میں بھی دوزخیوں کے دردناک عذاب کا ایک حصہ آیا تھا

پہلی زیر بحث آیت میں گذشتہ آیات سے نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتا ہے "اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو تم نصیحت کرتے رہو اور یاد دلاتے رہو۔

کیونکہ حق طلب لوگوں کے دل ان باتوں کے سننے سے زیادہ آمادہ ہوں گے اور اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تو ان کے لئے حق باتیں بیان کرے۔

اس کے بعد ان اتہامات اور ناروا نسبتوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ہٹ دھرم اور عناد رکھنے والے افراد پیغمبر کو دیا کرتے تھے فرماتا ہے "اپنے پرودگار کے لطف وکرم اور اس کی نعمتوں کی برکت سے تو کاہن و مجنون نہیں ہے"۔

قریش لوگوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس سے ہٹانے کے لئے یہ تہمتیں ان پر لگاتے تھے کبھی تو انہیں کاہن اور کبھی مجنون کہتے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ان دونوں صفات کے تضاد سے بھی واقف نہیں تھے کیونکہ کاہن تو ہوشیار لوگ تھے جو مجنون ہونے کے

برعکس بات ہے اور اوپر والی آیت میں ان دونوں افتراؤں کو جمع کرنا شاید ان کی اسی پراگندہ گوئی کی طرف اشارہ ہو۔

(۳۰) اس کے بعد تیسرے اتہام کو پیش کرتا ہے کہ وہ بھی گذشتہ صفات سے تضاد رکھتا ہے فرماتا ہے'' بلکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک شاعر ہے جس کی موت کا ہم انتظار کر رہے ہیں''۔

جب تک وہ زندہ ہے اس وقت تک اس کے اشعار کی رونق رہے گی اور وہ لوگوں کو اپنی طرف جذب کرتا رہے گا تھوڑی سی دیر کے لئے صبر کرو یہاں تک کہ اس کی موت آجائے اور اس کے اشعار کا دفتر اس کی عمر کے طومار کی طرح لپیٹ دیا جائے اور طاق نسیاں کے سپرد ہو جائے اس دن ہمیں راحت و آرام نصیب ہو جائے گا۔

(۳۱) بہرحال وہ اس چیز سے اپنے دل کو خوش کرتے تھے کہ کوئی حادثہ پیش آئے اور پیغمبر کی عمر کا دفتر لپٹ جائے اور ان کے گمان کے مطابق اس عظیم مشکل سے جو آنحضرت ﷺ کی دعوت نے ان کے سارے معاشرے میں پیدا کر دی تھی انہیں رہائی مل جائے

قرآن ایک پر معنی اور تہدید آمیز جملہ سے ان دل کے اندھے اور عناد رکھنے والے افراد کو جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے'' کہہ دو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

(۳۲) اس کے بعد انہیں شدید طریقہ سے سرزنش و ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے'' کیا ان کی عقلوں نے انہیں ان اعمال کا حکم دیا ہے؟ یا وہ ایک سرکش قوم ہیں''۔

اس بنا پر اس قسم کی تہمتوں اور الزامات کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ ان کی عقل کا فرمان نہیں ہے بلکہ ان سب کا سرچشمہ روح عصیان وسرکشی ہے جو ان افراد پر غالب ہے۔

(۳۳) پھر ایک اور دوسری تہمت کی طرف۔ جو درحقیقت ان اتہامات کے سلسلہ کی چوتھی تہمت شمار ہوتی ہے اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے'' وہ کہتے ہیں اس نے اس قرآن کا اللہ پر افترا باندھا ہے لیکن وہ ایمان نہیں رکھتے۔

(۳۴) لیکن قرآن مجید انہیں ایک دندان شکن جواب دیتا ہے فرماتا ہے'' اگر وہ سچ کہتے ہیں کہ یہ بشر کا کلام ہے اور فکر انسانی کا ساختہ و پرداختہ ہے تو پھر وہ بھی اس قسم کی بات بنا کر لے آئیں۔

تم بھی انسان ہو اور خود اپنے قول کے مطابق تم مکمل ہوش مند ہو اور بیان کی استطاعت اور انواع واقسام کی گفتگو سے آگاہی اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو تمہارے خطیب اور مفکرین اس جیسی بات بنا کر لانے کی طاقت کیوں نہیں رکھتے؟

''فلیاتوا'' (پس لے آؤ) کا جملہ اصطلاح کے مطابق امر تعجیزی ہے اور اس کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں ان کے عجز و ناتوانی کو مقابلہ بالمثل سے ثابت کرے اور یہ وہی چیز ہے جسے علم کلام میں'' تحدی'' اور چیلنج سے تعبیر کرتے ہیں یعنی

مخالفین کومعجزات کے مقابلہ میں معارضہ اور مقابلہ بالمثل کی دعوت۔

بہرحال یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو وضاحت کے ساتھ قرآن کے اعجاز کو روشن و آشکار کرتی ہیں اور اس کا مفہوم پیغمبر کے زمانہ کے لوگوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام ایسے لوگ جو کسی بھی قرن اور زمانہ میں یہ کہتے ہوں کہ قرآن انسان کا کلام ہے اور اللہ پر افترا باندھا گیا ہے وہ بھی اس خطاب کے مخاطب ہیں کہ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو اس جیسا کلام لے آئیں۔

اور جیسا کہ ہم قرآن کی یہ نداا اس آیت میں بھی اور اس کے مشابہ دوسری آیات میں بھی ہمیشہ سے بلند ہے اور چودہ صدیوں کے اندر جو بعثت پیغمبرﷺ کے بعد سے گذر چکی ہیں کوئی بھی اس کا مثبت جواب نہیں دے سکا۔ اور یہ عمومی عجز اس وحی آسمانی کی اصالت کا ایک زندہ گواہ ہے۔

(۳۵)اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ؕ	کیا وہ کسی سبب کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟
(۳۶)اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ؕ	کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین کے طلبگار ہی نہیں ہیں۔
(۳۷)اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ ؕ	کیا ان کے پاس پروردگار کے خزانے ہیں؟ یا وہ عالم کی تمام چیزوں پر غلبہ وتسلط رکھتے ہیں؟
(۳۸)اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡهِ ۚ فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ؕ	کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس کے ذریعہ وہ آسمان کے اوپر چڑھ جاتے ہیں) اور اس کے ذریعہ اسرار وحی کو سنتے ہیں؟ ان میں سے جو بھی کوئی یہ دعویٰ رکھتا ہو تو وہ کوئی واضح دلیل پیش کرے۔
(۳۹)اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَ لَکُمُ الۡبَنُوۡنَ ؕ	کیا اللہ کے حصہ میں تو لڑکیاں ہیں اور تمہارے حصہ میں لڑکے؟
(۴۰)اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ؕ	کیا تو ان سے اجر اور مزدوری کا مطالبہ کرتا ہے جس کے بھاری بوجھ کے نیچے وہ دب گئے ہیں؟

(۴۱) اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ؕ	کیاان کے پاس غیب کے اسرار ہیں جسے وہ لکھ لیتے ہیں؟
(۴۲)اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ؕ	کیا وہ تیرے لئے کوئی شیطانی منصوبہ بنانا چاہتے ہیں؟ لیکن وہ جان لیں کہ ان شیطانی منصوبوں کے جال میں خود کافر ہی گرفتار ہوں گے۔
(۴۳)اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ	یا وہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود رکھتے ہیں (جس نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے) جسے وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں اللہ کی ذات اس سے پاک اور منزہ ہے۔

تفسیر

سچ سچ بتاؤ تمہاری صحیح بات کونسی ہے؟

یہ آیات قرآن نبوت اور پروردگار کی قدرت کے منکرین کے مقابلہ میں اسی طرح سے گذشتہ استدلالی بحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہ اسی آیات ہیں جو سب کی سب ''ام'' کے ساتھ جو یہاں استفہام کے لئے ہے شروع ہوئی ہیں اور ''گیارہ پے در پے سوالوں کی'' ایک عمدہ لڑی کو (استفہام انکاری کی صورت میں) ایک استدلال کے طور پر بیان کرتی ہیں اور زیادہ واضح تعبیر میں ۔۔مخالفین کے سامنے فرار کے تمام راستوں کو بند کررہی ہیں۔اور ان مختصر اور پرنفوذ عبارتوں میں گھیر کر انہیں اس طرح سے ایک تنگ جگہ لے آئی ہیں کہ انسان اس کی عظمت اور انتظام کے سامنے بے اختیار سر تعظیم جھکاتے ہوئے اقرار واعتراف کرتا ہے۔

پہلے مسئلہ خلقت وآفرینش سے شروع کرتے ہوئے کہتا ہے''کیا بغیر کسی سبب کے پیدا ہوئے ہیں یا خود ہی اپنے خالق ہیں''۔

یہ کوتاہ اور مختصر عبارت حقیقت میں علیت کی معروف دلیل کی طرف اشارہ ہے جو فلسفہ اور کلام میں اللہ کے وجود کے اثبات کے لئے بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عالم جس میں ہم رہتے ہیں بلاشک وشبہ حادث ہے(کیونکہ وہ ہمیشہ تغیر وتبدیلی کی حالت میں ہے اور جو چیز تغیر اور دگرگونی کی حالت میں ہو وہ حادث ہوتی ہے اور جو چیز حادث ہو اس کے لئے محال ہے کہ وہ قدیم وازلی ہو)۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اگر عالم حادث ہے تو وہ تین حالتوں سے خالی نہیں ہے۔

1۔ وہ بغیر کسی علت وسبب کے وجود میں آیا ہے

2۔ وہ خود اپنے وجود کی علت ہے

3۔ یہ جہان خداوند واجب الوجود کی مخلوق ہے جس کی ہستی اور وجود خود اسی کی ذات پاک سے ہے۔

پہلے دو احتمالوں کا باطل ہونا معلوم ہے کیونکہ

معلول کا وجود علت کے بغیر محال ہے ورنہ ہر چیز ہر طرح کے حالات میں وجود میں آسکتی ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرا احتمال کہ کوئی چیز خود اپنے آپ کو وجود میں لے آئے یہ بھی محال ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے (غور کیجئے)

اس بنا پر تیسرے احتمال یعنی واجب الوجود کے خالق ہونے کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

(۳۶) یہ آیت ایک اور سوال کو بیان کرتے ہوئے۔ جو نچلے مرحلہ کے دعویٰ کے بارے میں ہے کہتی ہے: کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔

اگر وہ کسی علت کے بغیر وجود میں نہیں آئے اور وہ خود اپنے وجود کی علت بھی نہیں ہیں تو کیا وہ واجب الوجود اور آسمانوں اور زمین کے خالق ہیں اور اگر عالم ہستی کا مبدءنہیں ہیں تو کیا اللہ نے آسمان وزمین کی خلقت کا معاملہ ان کے سپرد کر رکھا ہے؟ اور اس طرح سے وہ ایک ایسی مخلوق ہیں جو خود فرمان خلقت رکھتی ہو؟

مسلمہ طور سے وہ ہرگز اس قسم کا باطل دعویٰ نہیں کر سکتے لہٰذا اس بات کے آخر میں مزید کہتا ہے ''بلکہ وہ ہٹ دھرم ہیں اور یقین وایمان لانا ہی نہیں چاہتے''۔

(۳۷) اور اگر وہ ان امور کے مدعی نہیں ہیں اور امر خلقت میں وہ کوئی حصہ نہیں رکھتے تو ''کیا تیرے پروردگار کے خزانے ان کے پاس ہیں''۔

تاکہ وہ جسے چاہیں نبوت وعلم ودانش کی نعمت یا دوسرے رزق بخشیں اور جس سے چاہیں روک لیں یا پھر یہ بات ہے کہ عالم کی تدبیر کا کام ان کے سپرد کر دیا گیا ہے اور وہ ہر چیز پر تسلط واقتدار رکھتے ہیں۔

وہ ہرگز بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ پروردگا کے خزانہ دار ہیں اور نہ ہی وہ اس جہاں کی تدبیر کے معاملہ میں کوئی تسلط رکھتے ہیں چونکہ ایک حادثہ ایک بیماری یا کسی حقیر سے موذی جانور کے مقابلہ میں ان کا ضعف وناتوانی اور اسی طرح زندگی کے بالکل ابتدائی وسائل کے لئے ان کی ضرورت واحتیاج ان قدرتوں کی ان سے نفی کی بہترین دلیل ہے صرف ہوائے نفس جاہ طلبی، خود خواہی، تعصب اور ہٹ دھرمی ہے جس نے انہیں حقائق سے انکار پر آمادہ کیا ہے۔

"مصیطرون" "ارباب انواع" کی طرف اشارہ ہے جو گذشتہ لوگوں کی خرافات اور بے ہودہ باتوں کا ایک حصہ ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم کی انواع میں ہر نوع کا چاہے وہ انسان ہوں یا حیوانات یا نباتات وغیرہ انواع ایک خاص مدبر و مربی ہوتا ہے جسے وہ اس نوع کا رب النوع کہتے تھے اور اللہ کو "رب الارباب" کا خطاب دیتے تھے یہ شرک آمیز عقیدہ اسلام کی نظر میں مردود ہے۔ اور قرآن کی آیات میں تمام جہان کی تدبیر اللہ ہی کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے اور اس کو ہم "رب العالمین" کہہ کر پکارتے ہیں۔

(۳۸) یہ بات مسلم ہے کہ پیغمبر کی نبوت کے منکر اور زمانہ جاہلیت کے مشرکین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے کوئی بھی اوپر والے پانچ امور کا مدعی نہیں تھا۔ اس لئے بعد والی آیت میں ایک دوسرے مرحلہ کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: "کیا وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے یا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس سے وہ آسمان کے اوپر چڑھ جائیں اور وحی کے اسرار اس ذریعہ سے سن لیں"۔

اور چونکہ یہ ممکن تھا کہ وہ اسرار آسمانی سے آگاہی کا دعویٰ کر دیں لہٰذا قرآن بلا فاصلہ ان سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتا ہے "جو شخص ان میں سے اس قسم کا دعویٰ رکھے اور یہ کہے کہ میں آسمان پر چڑھ کر اسرار الٰہی کو سنتا ہوں تو وہ اپنے اس دعوے کے لئے کوئی واضح دلیل پیش کرے"۔

یقیناً اگر وہ اس قسم کا دعویٰ کرتے تو ایک بھی بات نہ کر سکتے اور اس مطلب پر ہرگز کوئی دلیل پیش نہ کرتے۔

(۳۹) اس کے بعد مزید کہتا ہے کیا یہ ناروا نسبت جو وہ فرشتوں کی طرف دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں قابل قبول ہے؟ کیا اللہ کے حصہ میں بیٹیاں اور تمہارے حصہ میں بیٹے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے باطل عقائد و افکار میں سے ایک یہ تھا کہ بیٹیوں سے شدید نفرت کرتے تھے، اور اگر انہیں خبر ملتی تھی کہ ان کی بیوی نے بیٹی جنی ہے تو ان کا چہرہ غم و اندوہ اور شرم و حیا کی شدت سے سیاہ ہو جاتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

اگر ان کا عالم بالا کے ساتھ کوئی تعلق ہے اور وہ اسرار وحی سے آشنا ہیں تو کیا ان کی وحی کا نمونہ یہی مضحکہ خیز خرافات اور ننگین و شرم آگیں عقائد ہیں؟

یہ بات واضح ہے کہ لڑکی اور لڑکا انسانی قدر و قیمت کے لحاظ سے آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے اور اوپر والی آیت کی تعبیر حقیقت میں طرف مقابل کے باطل عقیدے کے برخلاف استدلال کے قبیل سے ہے۔

(۴۰) پھر اس مرحلہ سے ایک منزل اور نیچے اترا ہے اور ایک دوسری بات کی طرف جو ان کی بہانہ جوئی کا وسیلہ ہو سکتی ہے اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے "کیا تو تبلیغ رسالت کے مقابلہ میں ان سے کسی اجر و صلہ کا مطالبہ کرتا ہے جو ایک بھاری بوجھ کی طرح ان

کے دوش پر رکھا ہے''۔

''مغرم'' (بروزن مکتب)''غرم'' کے مادہ سے اس نقصان کے معنی میں ہے جو بلاسبب انسان کے دامنگیر ہوجاتا ہے اور''غریم'' طلب گار اور مقروض دونوں پر بولا جاتا ہے۔

''مثقل'' اثقال کے مادہ سے تحمل مشقت اور بھاری بوجھ کے معنی میں ہے اس بنا پر جملہ کا معنی اس طرح ہوگا''کیا تو تبلیغ رسالت کے لئے ان سے تاوان کا مطالبہ کرتا ہے جس کو ادا کرنے سے وہ ناتواں ہیں اور اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے''؟

یہ معنی قرآن مجید میں نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں بلکہ بہت سے پیغمبروں کے بارے میں بارہا تکرار سے آئے ہیں کہ انبیاء کی سب سے پہلی باتوں میں سے یہ ہوتی تھی کہ وہ یہ کہتے تھے ہم تم سے دعوت الٰہی کی تبلیغ کے مقابلہ میں کسی قسم کے اجر وصلہ کا مطالبہ نہیں کرتے تاکہ ان کی بے مثالی بھی ثابت ہو اور کسی طمع ولالچ کا نہ ہونا بھی اور بہانہ تلاش کرنے والوں کے لئے کوئی بہانہ بھی باقی نہ رہے۔

(۴۱) ان سے دوبارہ سوال کرتے ہوئے کہتا ہے:''کیا غیب کے اسرار ان کے پاس ہیں اور وہ اس سے لکھ لیتے ہیں''؟

یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغمبر ایک شاعر ہے اور ہم ان کی موت اور شیرازہ زندگی کے بکھر جانے کے انتظار میں ہیں اور اس کی موت سے تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی اور اس کی دعوت نسیان کے سپرد ہو جائے گی۔

انہیں یہ کہاں سے پتہ چل گیا کہ وہ پیغمبر کی وفات کے بعد زندہ رہیں گے؟ یہ غیب انہیں کس نے بتایا؟

(۴۲) اس کے بعد ایک دوسرے احتمال کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے''اگر ان امور میں سے کوئی بھی بات نہیں ہے تو پھر انہوں نے شیطانی منصوبے بنائے ہیں تاکہ پیغمبر کو درمیان سے ہٹا دیں یا اس کے دین سے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، انہیں جان لینا چاہئے کہ کفار خدائی منصوبوں کے مقابلے میں مغلوب ہوں گے اور اللہ کا منصوبہ ان کے منصوبے سے کہیں بلند ہے۔

اوپر والی آیت اس تفسیر کے مطابق سورہ آل عمران کی آیت ۵۴ کی مانند ہے جو کہتی ہے''**ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین**''

(۴۳) آخر میں آخری سوال میں ان سے پوچھتا ہے''کیا ان کا خیال یہ ہے کہ وہ کوئی حامی اور مددگار رکھتے ہیں؟''کیا اللہ کے علاوہ ان کا کوئی اور معبود ہے''۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے وہ پاک اور منزہ ہے اس سے جسے اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

اس بنا پر کوئی شخص ان کی حمایت پر قادر نہیں ہے۔

اس طرح سے وہ ان سے گیارہ عجیب وغریب مسلسل اور پے در پے سوالات کے ذریعہ باز پرس کرتا ہے اور انہیں مرحلہ بہ

مرحلہ ان کے دعوں سے پیچھے ہٹا تا ہے اور نیچے اتارتا چلا جاتا ہے اور اس کے بعد فرار کے تمام راستے ان کے سامنے بند کر دیتا ہے اور انہیں مکمل طور پر محصور کر دیتا ہے۔

(۴۴)وَ اِنۡ یَّرَوۡا کِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡکُوۡمٌ	(ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ) اگر وہ یہ دیکھ لیں کہ پتھر کا کوئی ٹکڑا آسمان سے (ان کے عذاب کے لیے) گر رہا ہے تو وہ کہیں گے یہ تو ایک تہ بہ تہ بادل ہے۔
(۴۵)فَذَرۡہُمۡ حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَہُمُ الَّذِیۡ فِیۡہِ یُصۡعَقُوۡنَ ۙ	(جب ایسا ہے تو اے پیغمبر!) تو انہیں چھوڑ دے یہاں تک کہ ان کی اپنی موت کے دن سے ملاقات ہو جائے۔
(۴۶)یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ؕ	وہ دن جس میں ان کے منصوبے ان کی حالت کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہوں گے اور کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرے گا
(۴۷)وَ اِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	اور ظالموں کے لئے اس سے پہلے بھی ایک عذاب ہے (جو اسی جہان میں ہوگا) لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔
(۴۸)وَ اصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ۙ	اپنے پروردگار کے حکم کی تبلیغ کے راستہ میں صبر و استقامت سے کام لے کیونکہ تو مکمل طور سے ہماری حفاظت میں ہے اور جب تو کھڑا ہو تو اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد وثنا بیان کر
(۴۹)وَ مِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡہُ وَ اِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ۫	(اسی طرح) رات میں اس کی تسبیح کر اور ستاروں کے پشت پھیرنے اور طلوع صبح کے وقت بھی۔

تفسیر

تو ہماری مکمل حفاظت میں ہے

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں مشرکین اور ہٹ دھرم منکرین کے بارے میں آئی ہے جو ایک ایسی بحث تھی کہ ہر حق

طلب انسان کے لئے حقیقت کو واضح کرتی تھی ان آیات میں ان کے تعصب اور ہٹ دھرمی سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے "وہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر وہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ ایک ٹکڑا آسمانی پتھروں کا عذاب الٰہی کے طور پر نیچے گر رہا ہے تو وہ یہ کہیں گے تمہیں مغالطہ ہوا ہے یہ پتھر نہیں ہے یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے جو زمین پر برسنے والا ہے۔

جو لوگ اس قدر ہٹ دھرم ہوں کہ محسوس حقائق کا بھی انکار کر دیں اور آسمانی پتھروں کو تہ بہ تہ بادل کہنے لگیں حالانکہ تمام لوگوں نے بادل کو جب وہ زمین کے قریب ہوتا ہے دیکھا ہے کہ وہ بخارات کے مجموعہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ لطیف بخارات تہ بہ تہ ہو کر پتھر میں کیسے تبدیل ہو سکتے ہیں؟

ان افراد کی حقائق معنوی کے مقابلہ میں تکلیف و ذمہ داری واضح ہے

(۴۵) لہٰذا اس آیت میں مزید کہتا ہے اب جب کہ ایسا ہے تو ان کو چھوڑ دے اور اس ہٹ دھرم گروہ کی ہدایت کے لئے زور نہ دے تا کہ وہ اپنے موت کے دن کی ملاقات کرتے ہوئے اللہ کے عذابوں کو جو ان کے انتظار میں ہیں اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔

"ذرھم" (انہیں چھوڑ دے) کا جملہ ایک تہدید آمیز امر ہے اور اس سے مراد ایسے نا قابل ہدایت افراد کی تبلیغ پر اصرار کو ترک کر دینا ہے اس بنا پر نہ تو پیغمبر کی طرف سے عمومی سطح پر تبلیغ کو جاری رکھنے کے ساتھ منافات رکھتا ہے اور نہ ہی فرمان جہاد کے ساتھ۔

(۴۶) اس کے بعد اس دن کا تعارف کراتے ہوئے کہتا ہے وہی دن جس میں ان کی چارہ جوئی اور منصوبے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے اور فرار کے تمام راستے ان کے سامنے بند ہو جائیں گے اور کسی طرف سے ان کی مدد نہ کی جائے گی۔

ہاں جو شخص مر جاتا ہے اس کی قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے۔ اور وہ جزاؤں اور سزاؤں کے لئے ابتداء ہوتی ہے جن میں سے بعض تو برزخی پہلو رکھتی ہیں اور بعض دوسری قیامت کبریٰ میں یعنی انسانوں کی عمومی قیامت میں انہیں دامنگیر ہوں گی اور ان دونوں مراحل میں نہ تو چارہ جوئیاں مؤثر ہوگی اور نہ ہی ارادہ الٰہی کے مقابلہ میں کوئی ناصر و مددگار ہوگا۔

(۴۷) اس کے بعد مزید کہتا ہے وہ یہ تصور نہ کر بیٹھیں کہ صرف برزخ اور قیامت کا عذاب ہی ہوگا بلکہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم و ستم کیا ہے اور کفر شرک اختیار کیا اس سے پہلے بھی اس دنیا میں ان کے لئے سزا و عذاب ہے اگرچہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

ہاں انہیں اس دنیا میں بھی ان عذابوں کے انتظار میں رہنا چاہئے جیسا کہ گزشتہ اقوام پر ہوئے مثلا صاعقہ، زلزلے، آسمانی پتھر، خشک سالی، قحط یا سپاہ توحید کے مجاہدین کے توانا ہاتھوں سے قتل ہونا جیسا کہ جنگ بدر میں سرداران شرک کے ایک گروہ کے لئے اتفاق ہوا مگر یہ کہ وہ بیدار ہو جائیں توبہ کر لیں اور اللہ کی طرف پلٹ آئیں۔

"ولکن اکثرھم لا یعلمون" (لیکن ان میں سے اکثرنہیں جانتے) کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عام طور پراس عذاب سے جو دنیاو آخرت میں ان پر آنے والا ہے بے خبر ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اقلیت اس معنی سے آگاہ ہے لیکن اس کے باوجود ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے اپنی مخالفت پر اصرار کرتے ہیں۔

(۴۸) اس آیت میں پیغمبر کو ان تمام کارشکنیوں، تہمتوں اور ناسزا باتوں کے مقابلہ میں صبر واستقامت کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے اپنے پروردگار کے حکم کی تبلیغ کی راہ میں صبر واستقامت وشکیبائی اختیار کر۔

اگر وہ تجھے کاہن ومجنون اور شاعر کہتے ہیں تو تو صبر کر اسی طرح اگر وہ آیات قرآنی کو افترا خیال کرتے ہیں جو اللہ پر باندھے گئے ہیں تو تو صبر وشکیبائی اختیار کر، اور اگر وہ ان تمام منطقی دلیلوں کے مقابلہ میں پھر بھی ہٹ دھرمی اور عناد کو جاری رکھتے ہیں تو استقامت اختیار کر کہیں ایسا نہ ہو کہ تو مایوس اور ضعیف وناتواں ہو جائے۔

کیونکہ تو ہمارے علم کی نگاہوں کے سامنے ہے اور ہماری مکمل حفاظت میں ہے۔

اور چونکہ اللہ سے راز ونیاز اور اس کی عبادت وبندگی اور اس کی ذات پاک کی تسبیح وتقدیس انسان کو آرام وسکون اور قوت وطاقت بخشتی ہے لہذا صبر کا حکم دینے کے بعد فرماتا ہے جس وقت تو کھڑا ہو تو اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد بجالا۔

جس وقت تو سحر کے وقت عبادت اور نماز شب کے لئے اٹھے۔

جس وقت تو نیند سے واجب نماز کے لئے اٹھے۔

اور جب بھی تو کسی مجلس ومحفل سے کھڑا ہو تو اس کی حمد وتسبیح کر۔

ہاں اپنی روح اور جان کو اللہ کی حمد وتسبیح کے ساتھ نور وصفا بخش اور اپنی زبان کو اس کے ذکر سے معطر بنا اس کی یاد سے مدد لے اور دشمن کی کارشکنیوں سے مبارزہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت کسی مجلس سے اٹھتے تو فرماتے۔

"سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک"

بعض لوگوں نے عرض کیا اے رسول اللہ یہ کیا کلمات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہے ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یہ وہ کلمات ہیں جن کی جبرئیل نے (اللہ کی طرف سے) مجھے تعلیم دی ہے اور یہ اس چیز کا کفارہ ہے جو مجلس میں واقع ہوتی ہے"

(۴۹) اس کے بعد زیر نظر آخری آیت (جو کہ اس سورہ کی بھی آخری آیت ہے) میں مزید کہتا ہے اسی طرح رات میں اس

کی تسبیح کر اور ستاروں کے پشت پھیرنے کے وقت اور طلوع صبح کے وقت۔

بہر حال عبادت اور تسبیح وحمد خدا رات کے اندر اور طلوع فجر کے آغاز میں ایک اور ہی دوسرا لطف وصفا رکھتی ہیں اور دکھاوے اور ریا کاری سے بہت دور ہوتی ہے اور اس کے لئے روح کی آمادگی اور زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ دن کی زندگی میں مشغول رکھنے والے کاموں سے فراغت ہوتی ہے وار رات کی استراحت نے انسان کو آرام وسکون بخشا ہوا ہوتا ہے اور قیل وقال اور شور وغوغا نہیں ہوتا۔

حقیقت میں یہ وقت وہی وقت ہے جس میں پیغمبر معراج پر گئے تھے اور مقام ''قاب قوسین'' پر راز ونیاز کی خلوت گاہ میں پہنچے تھے اور اپنے خدا کے ساتھ راز ونیاز کی باتیں کی تھیں۔

سورۂ نجم

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اس کی ۶۲ آیات ہیں

سورہ نجم کے مطالب ومضامین

بعض مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورہ وہ سب سے پہلا سورہ ہے جسے پیغمبر نے اپنی دعوت کا اعلان کرنے کے بعد آشکارا اور بلند آواز سے حرم مکہ میں تلاوت کیا اور مشرکین نے اسے غور سے سنا اور اس دن تمام مومنین کے ساتھ مشرکین تک نے بھی سجدہ کیا۔

یہ سورہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق بعثت کے پانچویں سال ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ پہلا سورہ ہے جس میں سجدہ واجب کی آیت نازل ہوئی لیکن اس بات کے پیش نظر کہ مشہور روایت کے مطابق سورہ ''اقراء'' اس سے پہلے نازل ہوا تھا اور اس کے آخر میں آیت سجدہ ہے یہ روایت بعید نظر آتی ہے۔

بہر حال اس سورہ میں مکی ہونے کی بنا پر اصول عقائد کے مباحث خصوصاً نبوت و معاد کے بارے میں بیان ہوئے ہیں اور یہ سرکوبی کرنے والی تہدیدوں اور بار بار کے انذار اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کے باعث کفار کو بیدار کرتی ہے۔

اس سورہ کے مضامین و مطالب کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔اس سورہ کے آغاز میں قرآن ایک پر معنی قسم کے بعد وحی کی حقیقت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور پیغمبر کے ''جبرائیل'' سے براہ راست رابطہ اور تعلق کو واضح و روشن کرتا ہے اور پیغمبر کی ذات اقدس کو اس بات سے کہ وہ وحی الٰہی کے علاوہ کوئی اور بات کرے مبرا قرار دیتا ہے۔

2۔اس سورہ کے دوسرے حصہ میں قرآن پیغمبر کی معراج سے متعلق گفتگو کرتا ہے اور اس کے کچھ گوشوں کو مختصر اور پر معنی عبارتوں کے ساتھ مجسم کرتا ہے کہ وہ بھی وحی کے ساتھ ایک مستقیم رابطہ ہے۔

3۔اس کے بعد بتوں کے سلسلہ میں مشرکین کے خرافات، فرشتوں کی عبادت اور دوسرے امور جو ہوا وہوس کے سوا اور کچھ نہ تھے پیش کرتے ہوئے ان کی سخت مذمت کرتا ہے اور ان کی پرستش سے ڈراتا ہے اور ایک قوی منطق کے ساتھ اس معنی کو ثابت کرتا ہے۔

4۔ایک دوسرے حصہ میں ان منحرفین اور عام گنہگاروں پر توبہ کی راہ کھولتے ہوئے انہیں حق تعالیٰ کی مغفرت واسعہ کی نوید سناتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہے اور کوئی بھی شخص دوسرے کے گناہ کا بار اپنے کندھے پر نہیں اٹھائے گا۔

5۔ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس سورہ کے ایک اور دوسرے حصہ میں مسئلہ معاد، کے کچھ گوشوں کو قرآن منعکس کرتا ہے اور اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ موجود ہے اس سے اس مسئلہ کے لئے ایک واضح دلیل قائم کرتا ہے۔

6۔حسب دستور گزشتہ اقوام کی دردناک سرنوشت کی طرف۔ جو حق سے دشمنی کے طریق میں اصرار ہٹ دھرمی اور عناد رکھتے تھے (جیسے قوم عاد، ثمود، نوح اور لوط)۔۔کچھ اشارے کرتا ہے تاکہ بے خبر غافلوں کو اس طریقہ سے بیدار کرے۔

7۔اورآخرمیں پروردگار کی عبادت اورسجدہ کے امر کے ساتھ سورہ کوختم کرتا ہے۔

اس سورہ کے امتیازات میں سے آیات کا مختصر ہونا اوران آیات کا ایک خاص آہنگ اورطرز پر ہونا ہے جواس کے مفاہیم کو ایک گہرااورعمیق اثر بخشتا ہےاورسوئے ہوئے لوگوں کے دل وروح کو بیدار کرتے ہوئے اپنے ساتھ آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔

ضمنی طور پراس سورہ کا نام ''النجم'' کے ساتھ اس سورہ کی پہلی آیت کی بنا پر ہے۔

اس سورہ کی فضیلت

روایات میں اس سورہ کی تلاوت کے بارے میں کی ایک اہم فضائل بیان ہوئے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم سے منقول ہے:

''جوشخص سورہ نجم کو پڑھے گا اللہ ان لوگوں کی تعداد کے مطابق جو پیغمبر پر ایمان لائے تھےاوران لوگوں کی تعداد کے مطابق جنہوں نے آپ کا انکار کیا دس نیکیاں اسے عطا کرے گا''۔

مسلمہ طور پراتنی عظیم نعمتیں انہیں لوگوں کے لئے ہوں گی جواس سورہ کی تلاوت کوغوروفکراوراس کے بعد عمل کا وسیلہ اور ذریعہ بنالیں اوراس سورہ کی مختلف تعلیمات ان کی زندگی میں سایہ فگن ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱)وَ النَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۙ	قسم ہے ستارے کی جس وقت وہ غروب کرے۔
(۲)مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ	نہ تو تمہارا ساتھی (محمد صلى الله عليه وآله وسلم) منحرف ہوا ہے اور نہ ہی اس نے مقصد کو گم کیا ہے۔
(۳)وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ	اوروہ ہرگز بھی ہوائے نفس سے بات نہیں کرتا۔
(۴)اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ	جو کچھ بھی وہ کہتا ہے وحی کے سوا کچھ نہیں ہے جواس کی طرف وحی ہوئی ہے۔

تفسیر

قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ سورہ (سورہ طور) ''النجوم'' (ستاروں) کے لفظ پرختم ہوئی تھی اور یہ سورہ ''النجم'' (ستاروں) کے لفظ سے شروع ہورہی ہے جس کی اللہ نے قسم کھائی ہے فرماتا ہے ''قسم ہے ستارے کی جس وقت وہ غروب کرتا ہے''۔

آیت کا ظاہر جیسا کہ لفظ ''النجم'' کے اطلاق کا تقاضا ہے آسمان کے تمام ستاروں کی قسم ہے جو اللہ کی عظمت کی ظاہر وآشکار انشانیوں میں سے ہیں اور عالم آفرینش کے عظیم اسرار میں سے ہیں اور پروردگار کی حد سے زیادہ عظیم مخلوقات میں سے ہیں۔

ان کے غروب پر تکیہ کرنا۔ حالانکہ ان کا طلوع زیادہ پرکشش ہوتا ہے اس بنا پر ہے کہ ستاروں کا غروب ان کے حدوث کی دلیل ہے اور ستارہ پرستوں کے عقیدہ کی نفی کی دلیل بھی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کی داستان میں آیا ہے۔

(۲) لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ قسم کس لئے کھائی گئی ہے؟ بعد والی آیت اس طرح سے وضاحت کرتی ہے ''ہرگز تمہارا ساتھی (اور دوست محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منحرف نہیں ہوا ہے اور اس نے اپنے مقصد کو کھویا نہیں ہے'' (ماضل صاحبکم وماغویٰ) وہ ہمیشہ حق کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور اس کے گفتار و کردار میں معمولی سا بھی انحراف نہیں ہے۔

(۳) اس کے بعد اس مطلب کی تاکید کے لئے اور اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے کہ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے اللہ کی طرف سے کہتا ہے ''وہ ہرگز بھی ہوائے نفس کی بنا پر بات نہیں کرتا''۔

یہ تعبیر اسی استدلال سے مشابہ ہے جو گزشتہ آیت میں ضلالت وغوایت کی نفی کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے کیونکہ عام طور پر گمراہیوں کا سرچشمہ ہوائے نفس کی پیروی ہی ہے۔

(۴) اس کے بعد پوری صراحت کے ساتھ کہتا ہے ''وہ جو کچھ لے کر آیا ہے وہ صرف وحی ہے جو خدا کی جانب سے اس کی طرف بھیجی گئی ہے''۔

وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا اور قرآن اس کی فکر کا نتیجہ نہیں ہے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے اور اس دعوے کی دلیل خود اسی میں چھپی ہوئی ہے آیات قرآنی کا اچھی طرح مطالعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ کوئی بھی انسان چاہے وہ کتنا ہی عالم ومفکر ہو۔ کجا وہ انسان جس نے کچھ لکھا پڑھا نہ ہو اور اس نے ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی ہو جو جہالت وخرافات سے پر ہو۔۔ ہرگز بھی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ایسی مطالب سے بھرپور باتیں بیان کرے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی مفکرین کے دماغ کے لئے الہام بخش ہوں اور وہ صالح، سالم، مومن اور پیش رفت کرنے والے معاشرے کے بنانے کی بنیاد بن سکیں۔

ضمنی طور پر اس بات پر توجہ رکھنا چاہئے کہ یہ گفتگو صرف آیات قرآنی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ گزشتہ آیات کے قرینہ سے سنت پیغمبر بھی اس میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی وحی الٰہی کے مطابق ہے یہ آیت صراحت کے ساتھ کہتی ہے کہ وہ ہوا و ہوس سے گفتگو نہیں کرتا وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وحی سے کہتا ہے۔

ذیل کی جالب حدیث اس مدعا کا دوسرا شاہد ہے۔

''سیوطی'' جو اہل سنت کے مشہور علماء میں سے ہے تفسیر درالمنثور میں اس طرح نقل کرتا ہے:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام دروازے جو پیغمبر کی مسجد کے اندر کھلتے تھے (علی علیہ السلام کے گھر کے دروازے کے سوا) بند کر دیئے جائیں۔ یہ امر مسلمانوں پر گراں گزرا، یہاں تک کہ رسول کے چچا حمزہ نے اس بات کا گلہ کیا کہ آپ نے اپنے چچا اور ابوبکر و عمر و عباس کے گھر کا دروازہ کس لئے بند کرایا اور اپنے چچازاد بھائی کے گھر کا دروازہ کھلا کیوں رکھا (اور اس کو دوسروں پر ترجیح کیوں دی)۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ یہ بات ان پر گراں گزری ہے تو آپ نے لوگوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دی اور اللہ کی تحمید و توحید میں ایک بے نظیر خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد مزید فرمایا:

''اے لوگو! نہ تو میں نے دروازوں کو بند کیا ہے اور نہ ہی کھولا ہے نہ ہی میں نے تمہیں مسجد سے نکالا ہے اور نہ ہی میں نے اسے (علی علیہ السلام کو) ساکن کیا ہے (جو کچھ ہوا وہ فرمان الٰہی تھا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کی تلاوت کی **والنجم اذا ھویٰ.....ان ھو الا وحی یوحی**''۔

یہ حدیث جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے تمام امت اسلامی کے درمیان مقام والا کو بیان کرتی ہے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور اقوال ہی وحی کے مطابق ہوتے ہیں بلکہ ان کے اعمال و کردار بھی اسی طرح کے ہیں۔

(۵)عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ	اسے اس ہستی نے تعلیم دی ہے جو عظیم قدرت رکھتی ہے۔
(۶)ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ	وہی ذات جو حد سے زیادہ توانائی اور ہر چیز پر تسلط رکھتی ہے۔
(۷)وَ هُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ	جبکہ وہ افق اعلیٰ میں تھا۔
(۸)ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ	پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور نزدیک ہوا۔
(۹)فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ	یہاں تک کہ اس کا فاصلہ دو کمان یا اس سے بھی کچھ کم ہو گیا۔
(۱۰)فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی ؕ	یہاں اللہ نے جس چیز کی وحی کرنی تھی اپنے بندے کو وحی کی۔

(۱۱)مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى	اس کے دل نے جو کچھ دیکھا اس میں ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔
(۱۲)اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى	کیا تم اس سے اس چیز کے بارے میں جو اس نے دیکھا ہے مجادلہ کرتے ہو۔

تفسیر

دوست کا پہلا دیدار

گزشتہ آیات کے بعد جو پیغمبر اسلام ﷺ پر نزول وحی کی گفتگو کر رہی تھیں ان آیات میں معلم وحی کے بارے میں گفتگو ہے۔

فرماتا ہے: اسے اس ہستی نے تعلیم دی ہے جو عظیم قدرت رکھتی ہے۔

(۶) پھر مزید تاکید کے لئے اضافہ کرتا ہے ''وہی ذات جو حد سے زیادہ توانائی اور ہر چیز پر تسلط رکھتی ہے''۔

(۷) (یہ تعلیم اسے اس وقت دی) جب کہ وہ افق اعلیٰ میں تھا۔

(۸) پھر وہ نزدیک ہوا پھر اور نزدیک ہوا۔

(۹) یہاں تک کہ اس کے اور اس کے معلم کے درمیان کا فاصلہ دو کمان یا اس سے بھی کچھ کم ہو گیا۔

(۱۰) اور یہاں اللہ نے جس چیز کی وحی کرنی تھی وہ اپنے بندے کو وحی کی۔

(۱۱) پیغمبر کے دل نے جو کچھ دیکھا وہ سچ تھا اور اس نے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔

(۱۲) کیا تم اس سے اس چیز کے بارے میں جو اس نے دیکھا ہے جھگڑتے ہو اور یقین نہیں کرتے۔

روایات کے مطابق ان آیات سے مراد اللہ کی پاک ذات کا ایک خاص قسم کا باطنی شہود ہے جو اس نظر میں پیغمبر کو حاصل ہوا تھا اور معراج میں اس کا دوبارہ تکرار ہوا اور رسول اللہ نے اس دیدار سے ایک معنوی جذبہ کا اثر لیا۔

اس تفسیر کے مطابق قرآن پیغمبر پر نزول وحی کی اس طرح تشریح کرتا ہے: پر قدرت اور شدید القویٰ اللہ نے اسے تعلیم دی ہے درحالانکہ وہ مکمل صورت اور حد اعتدال میں آگیا اور افق اعلیٰ میں قرار پایا۔

اس کے بعد وہ نزدیک ہوا اور زیادہ نزدیک ہوا اس طرح سے اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ رہا اور یہ وہ منزل تھی جہاں اللہ نے جو وحی کرنی تھی وہ اپنے بندے پر وحی کی۔

اور چونکہ یہ شہود باطنی ایک جماعت پر گراں گزرا تھا۔ لہٰذا تاکید کرتا ہے کہ پیغمبر کے دل نے جو کچھ دیکھا درحقیقت وواقعتاً

دیکھا اور تمہیں اس بات کے خلاف اس سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان آیات کی تفسیر اللہ کی نسبت پیغمبر کے شہود باطنی کے ساتھ زیادہ صحیح اور روایات اسلامی کے ساتھ زیادہ موافق اور پیغمبر کے لئے ایک برتر فضیلت اور زیادہ لطیف مفہوم ہے۔

ہم اس بحث کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اور حضرت علی علیہ السلام کے ایک ارشاد پر ختم کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا: هل رایت ربک؟ (کیا آپ نے کبھی اپنے پروردگار کو دیکھا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: رایته بفؤادی (میں نے اسے دل کی آنکھ سے دیکھا ہے)۔

اور نہج البلاغہ میں اسی ''ذعلب یمانی'' والے خطبہ کے درمیان آیا ہے کہ اس نے آنحضرت سے سوال کیا هل رایت ربک یا امیر المؤمنین؟ (اے امیر المومنین کیا آپ نے کبھی اپنے اللہ کو دیکھا ہے)۔

آپ نے جواب میں فرمایا: افاعبد مالا اراہ تو کیا میں اس کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے دیکھا نہیں۔

اس کے بعد آپ نے وحی کی تشریح پیش کی جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ یہ شہود باطنی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۳)وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ	اور دوبارہ (پیغمبر نے) اس کا مشاہدہ کیا۔
(۱۴)عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى	(اور یہ مشاہدہ) سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک ہوا۔
(۱۵)عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ؕ	کہ جہاں جنت الماویٰ ہے۔
(۱۶)اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۙ	اس وقت جب کہ ایک چیز (خیرہ کرنے والے نور) نے سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا تھا۔
(۱۷)مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى	نہ تو اس کی آنکھ نے انحراف کیا اور نہ ہی سرکشی کی۔
(۱۸)لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى	اس نے اپنے پروردگار کی چند عظیم آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔

تفسیر

دوسرا دیدار

یہ آیات وحی اور پیغمبر کے اللہ سے ارتباط اور اس کے شہود باطنی کے مسئلہ کے بارے میں اسی طرح سے گزشتہ آیات کی بحث کو

جاری رکھے ہوئے ہیں۔

فرماتا ہے ”ایک مرتبہ پھر پیغمبر نے اس کا مشاہدہ کیا“۔

(۱۴)اور یہ شہود سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حاصل ہو۔

(۱۵)وہی کہ جنت الماویٰ اور بہشت بریں اس کے پاس ہے۔

(۱۶)اس وقت جب کسی چیز نے ”سدرۃ المنتہیٰ کو گھیرا ہوا تھا اور ڈھانپ رکھا تھا۔

(۱۷)یہ وہ واقعات وحقائق تھے جن کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ کیا تھا“ اور اس کی آنکھ نے ہرگز انحراف نہیں کیا تھا اور نہ ہی سرکشی کی تھی اور باطل تصورات کو حق کے لباس میں نہیں دیکھا تھا“۔

(۱۸)اس نے وہاں اپنے پروردگار کی عظیم اور بڑی آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کیا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں وہی ابہام، جس نے شروع میں گزشتہ آیات کو گھیرا ہوا تھا، اسی نے ان آیات پر بھی جو انہیں مطالب کا دوسرا حصہ ہے سایہ ڈالا ہوا ہے۔لہٰذا ان آیات کے مفاد کو واضح کرنے کے لئے ہر چیز سے پہلے ہم مفردات کو بیان کریں گے۔اس کے بعد اس کے مجموعہ پر نظر ڈالیں گے۔

”نزلۃ“ ایک مرتبہ نازل ہونے کے معنی میں ہے اس بنا پر ”نزلۃ اخریٰ“ یعنی ایک مرتبہ اور نازل ہونے کے معنی میں۔

سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں اگرچہ قرآن مجید میں کوئی وضاحت نہیں آئی ہے، لیکن اسلامی روایات اور اخبار میں اس کے بارے میں گوناں گوں توصیفات بیان کی گئی ہیں، اور وہ سب کی سب اس واقعیت اور حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ جیسے درخت ہم زمین پر دیکھتے ہیں ان سے مشابہ درخت ہرگز مراد نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عظیم سائبان کی طرف اشارہ ہے، جو رحمت حق کے قرب وجوار میں واقع ہے، جس کے پتوں پر فرشتے تسبیح کرتے ہیں، اور مختلف امتوں کے نیک اور پاکیزہ لوگ اس کے سایے میں قرار رکھتے ہیں۔

”جنۃ الماویٰ“ اس بہشت کے معنی میں ہے جو جائے سکونت ہے۔وہ برزخی جنت ہے جس میں شہداء اور مومنین کی ارواح وقتی طور پر جائیں گی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ”دوسرے شہود باطنی“ میں آسمانوں کے اوپر معراج کے موقع پر اللہ کی ذات پاک کا مشاہدہ کیا، اور دوسرے لفظوں میں اللہ نے ایک مرتبہ پھر ان کے پاک دل پر نازل فرمایا، اور شہود کامل حاصل ہوگیا، ایسے مقام پر جہاں بندوں کی طرف سے اللہ کی طرف قرب کی انتہا ہوتی ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے قریب، جہاں جنت الماویٰ واقع ہے، ایسی حالت میں کہ سدرۃ المنتہیٰ کو نور کے حجابوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔

دو اہم نکات

(۱)معراج کا مقصد

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہود باطنی تک پہنچنا ایک طرف سے، اور آسمانوں کی وسعتوں میں اسی ظاہری آنکھ سے اللہ کی عظمت کو

دیکھنا دوسری طرف تھا، جس کی طرف یہاں بھی آخری زیر بحث آیت میں اور سورہ اسراء کی ایک آیت میں بھی (لنریہ من ایاتنا) اس کی طرف اشارہ ہوا ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے دوسرے اہم مسائل ....فرشتوں، اہل جنت، دوزخیوں اور ارواحِ انبیاء.......... سے متعلق آگاہی حاصل کی، جو آپ کی عمر مبارک کے سارے عرصہ میں خلق اللہ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے لئے الہام بخش تھی۔

(۲) معراج کی رات اللہ کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باتوں کا ایک گوشہ

کتب حدیث میں ایک روایت امیر المومنین علی علیہ السلام کے واسطہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں آئی ہے جو بہت ہی شرح کے ساتھ ہے اور طولانی ہے، ہم اس کے کچھ گوشوں کو یہاں پیش کرتے ہیں، ایسے مطالب جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس تاریخی رات کی باتیں کس محور پر تھیں، اور انہوں نے آسمانوں کی بلندی جیسی بلندی کس طرح حاصل کی۔

حدیث کے شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج پروردگار عالم سے اس طرح سوال کیا:

''یا رب ای الاعمال افضل؟''

(پروردگار کون سے اعمال افضل ہیں؟)

خداوند تعالیٰ نے فرمایا:

''کوئی چیز میرے نزدیک مجھ پر توکل کرنے، اور جو کچھ میں نے تقسیم کر کے دیا ہے، اس پر راضی ہونے سے، برتر نہیں ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں، میری محبت ان کے شامل حال ہو گی، اور جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے پر مہربان ہیں اور میری خاطر دوستی کے تعلقات رکھتے ہیں، میں انہیں دوست رکھتا ہوں، علاوہ ازیں میری محبت ان لوگوں کے لئے جو مجھ پر توکل کرنے میں فرض اور لازم ہے، اور میری محبت کے لئے کوئی حد، کنارہ اور انتہا نہیں ہے''۔

ایک اور دوسرے حصہ میں یہ آیا ہے۔

''اے احمد! بچوں کی طرح نہ ہونا، جو سبز و سرخ اور زرق برق کو دوست رکھتے ہیں، اور جب انہیں کوئی عمدہ اور شیریں غذا دیتے ہیں تو وہ مغرور ہو جاتے ہیں اور ہر چیز کو بھول جاتے ہیں''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر عرض کیا:

پروردگارا! مجھے کسی ایسے عمل کی ہدایت فرما جو تیری بارگاہ میں قرب کا باعث ہو۔

فرمایا: ''رات کو دن اور دن کو رات قرار دے''۔

عرض کیا: کس طرح؟

فرمایا: ''اس طرح کہ تیرا سونا نماز ہو اور ہرگز اپنے شکم کو پورے طور پر سیر نہ کرنا''۔

ایک اور حصے میں آیا ہے:

''اے احمد! میری محبت فقیروں اور محروموں کی محبت ہے۔ ان کے قریب ہو اور ان کی مجلس کے قریب بیٹھ، تاکہ میں تیرے نزدیک ہوں، اور دنیا پرست ثروت مندوں کو اپنے سے دور رکھ اور ان کی مجالس سے بچتا رہ''۔

ایک اور حصہ میں فرماتا ہے:

''اے احمد! دنیا کے زرق برق اور دنیا پرستوں کو مبغوض شمار کر، اور آخرت اور اہل آخرت کو محبوب رکھ''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عرض کرتے ہیں:

''پروردگارا! اہل دنیا اور اہل آخرت کون ہیں؟''

ارشاد ہوتا ہے:

''اہل دنیا تو وہ لوگ ہیں، جو زیادہ کھاتے ہیں، زیادہ ہنستے ہیں، زیادہ سوتے ہیں، غصہ کرتے ہیں، اور تھوڑا خوش ہوتے ہیں، نہ تو برائیوں کے مقابلہ میں کسی سے عذر چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی عذر چاہنے والے سے اس کا عذر قبول کرتے ہیں، اطاعت اللہ میں سست ہیں اور گناہ کرنے میں دلیر ہیں، لمبی چوڑی آرزوئیں رکھتے ہیں، حالانکہ ان کی موت قریب آپہنچی ہے مگر وہ ہرگز اپنے اعمال کا حساب نہیں کرتے، ان سے لوگوں کو بہت کم نفع ہوتا ہے۔ باتیں زیادہ کرتے ہیں، احساس مسئولیت نہیں رکھتے، کھانے پینے سے غرض رکھتے ہیں۔

اہل دنیا نہ تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور نہ ہی مصائب پر صبر کرتے ہیں۔ زیادہ خدمات بھی ان کی نظر میں تھوڑی ہیں (اور خود ان کی اپنی خدمات تھوڑی بھی زیادہ ہیں) اپنے اس کام کے انجام پانے پر، جو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے، تعریف کرتے ہیں، اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ان کا حق نہیں ہے۔

ہمیشہ اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی بات کرتے ہیں اور لوگوں کے عیوب تو یاد دلاتے رہتے ہیں لیکن ان کی نیکیوں کو چھپاتے ہیں عرض کیا پروردگارا! کیا دنیا پرست اس کے علاوہ بھی کوئی عیب رکھتے ہیں؟

فرمایا: 'اے احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)! ان کا عیب یہ ہے کہ جہل اور حماقت ان میں بہت زیادہ ہے جس استاد سے انہوں نے علم سیکھا ہے وہ اس کی تواضع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو عاقل سمجھتے ہیں حالانکہ وہ صاحبان علم کے نزدیک نادان اور احمق ہیں۔

اس کے بعد اہل آخرت اور بہشتیوں کے اوصاف کو یوں بیان کرتا ہے:

وہ ایسے لوگ ہیں جو با حیا ہیں ان کی جہالت کم ہے۔ان کے منافع زیادہ ہیں لوگ ان سے راحت و آرم میں ہوتے ہیں اور وہ خود اپنے ہاتھوں تکلیف میں ہوتے ہیں اور ان کی باتیں سنجیدہ ہوتی ہیں۔

وہ ہمیشہ اپنے اعمال کا حساب کرتے رہتے ہیں ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہوتے ہیں ان کی آنکھ گریاں ہوتی ہے اور ان کا دل ہمیشہ یاد اللہ میں مصروف رہتا ہے جس وقت لوگ غافلوں کے زمرہ میں لکھے جارہے ہوں وہ اس وقت ذکر کرنے والوں میں لکھے جاتے ہیں۔

نعمتوں کے آغاز میں حمد خدا بجالاتے ہیں اور ختم ہونے پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں ان کی دعائیں بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں اور فرشتے ان کے وجود سے مسرور اور خوش ہیں............(غافل) لوگ ان کے نزدیک مردہ ہیں اور اللہ ان کے نزدیک حیی وقیوم وکریم ہے۔(ان کی ہمت اتنی بلند ہے کہ وہ اس کے سوا کسی اور پر نظر نہیں رکھتے)......................لوگ تو اپنی عمر میں صرف ایک ہی دفعہ مرتے ہیں لیکن وہ جہاد بالنفس اور ہوا وہوس کی مخالفت کی وجہ سے ہر روز ستر مرتبہ مرتے ہیں (اورنئی زندگی پاتے ہیں)........................

جس وقت عبادت کے لئے میرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک فولادی بند اور بنیاں مرصوص کے مانند ہوتے ہیں اور ان کے دل میں مخلوقات کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں انہیں ایک پاکیزہ زندگی بخشوں گا اور عمر کے اختتام پر میں خود ان کی روح کو قبض کروں گا اور ان کی روح کی پرواز کے لئے آسمان کے دورازوں کو کھول دوں گا تمام حجابوں کو ان کے سامنے سے ہٹادونگا اور حکم دوں گا کہ بہشت کو خود ان کے لئے آراستہ کرے!..................

اے احمد! عبادت کے دس حصہ ہیں جن میں سے نو حصہ طلب جلال میں ہیں، جب تیرا کھانا اور پینا حلال ہوگا تو تو میری حفظ وحمایت میں ہوگا............''

ایک اور حصہ میں آیا ہے:

''اے احمد! کیا تو جانتا ہے کہ کونسی زندگی زیادہ گوارا اور زیادہ دوام رکھتی ہے؟

عرض کیا خداوندا نہیں!

فرمایا: گوارا زندگی وہ ہوتی ہے جس کا صاحب ایک لمحہ کے لئے بھی میری یاد سے غافل نہ رہے۔میری نعمت کو فراموش نہ کرے میرے حق سے بے خبر نہ رہے اور رات دن میری رضا کو طلب کرے۔

لیکن باقی رہنے والی زندگی وہ ہے جس میں اپنی نجات کے لئے عمل کرے دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو، اور آخرت بڑی اور بزرگ ہو، میری رضا کو اپنی رضا پر مقدم شمار کرے اور ہمیشہ میری خوشنودی کو طلب کرے میرے حق کو بڑا سمجھے اور اپنی نسبت میری آگاہی کی طرف توجہ رکھے۔

ہر گناہ اور معصیت پر مجھے یاد کرلیا کرے اور اپنے دل کو اس چیز سے جو مجھے پسند نہیں ہے پاک رکھے شیطان اور شیطانی وسوسوں کو مبغوض رکھے اور ابلیس کو اپنے دل پر مسلط نہ کرے اور اسے راہ نہ دے۔

جب وہ ایسا کرے گا تو میں ایک خاص قسم کی محبت کو اس کے دل میں ڈال دونگا اس طرح سے کہ اس کا سارا دل میرے اختیار میں ہوگا۔ اس کی فرصت اور مشغولیت اس کا ہم وغم اور اس کی بات ان نعمتوں کے بارے میں ہوگی جو میں اہل محبت کو بخشتا ہوں۔

میں اس کی آنکھ اور دل کے کان کھول دیتا ہوں تا کہ وہ اپنے دل کے کان سے غیب کے حقائق کو سنے اور اپنے دل سے میرے جلال وعظمت کو دیکھے۔

اور آخر میں یہ نورانی حدیث ان بیدار کرنے والے جملوں پر ختم ہو جاتی ہے۔

اے احمد! اگر کوئی بندہ تمام اہل آسمان اور تمام اہل زمین کے برابر نماز ادا کرے اور تمام اہل آسمان وزمین کے برابر روزہ رکھے، فرشتوں کی طرح کھانا نہ کھائے اور (کوئی فاخرہ) لباس بدن پر نہ پہنے (اور انتہائی زہد اور پارسائی کی زندگی بسر کرے) لیکن اس کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا پرستی یا ریاست طلبی یا زینت دنیا کا عشق ہو تو وہ میرے جاودانی گھر میں میرے جوار میں نہیں ہوگا۔ اور اپنی محبت کو اس کے دل سے نکال دونگا۔ میرا اسلام ورحمت تجھ پر ہو، **والحمد للّٰہ رب العالمین**"

یہ عرشی باتیں............ جو انسانی روح کو آسمانوں کی طرف بلند کرتی ہیں اور معراج الٰہی کی طرف سیر کراتی ہیں اور آستانہ عشق وشہود کی طرف کھینچتی ہیں حدیث قدسی کا صرف ایک حصہ ہے

مزید براں ہمیں اطمینان ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں جو کچھ بیان فرمایا ہے ان کے علاوہ بھی اس شب عشق وشوق اور جذبہ وصال کی شب میں ایسی باتیں، اسرار ورموز اور اشارے آپ کے اور آپ کے محبوب کے درمیان ہوئے ہیں جن کو نہ تو کان سننے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی عام افکار میں ان کے درک کی طاقت ہے۔ اور اسی بنا پر وہ ہمیشہ پیغمبر کے دل وجان کے اندر ہی مکتوم اور پوشیدہ رہے اور آپ کے خواص کے علاوہ کوئی بھی ان سے آگاہ نہیں ہوا۔

(۱۹) اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰى ۙ	مجھے بتاؤ کیا "لات" اور "عزیٰ" بت............

(۲۰)وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی	اور ''منات'' جو ان میں سے تیسرا ہے (اللہ کی بیٹیاں ہیں)؟
(۲۱)اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی	کیا تمہارا حصہ تو بیٹا ہے اور اس (اللہ) کا حصہ بیٹی؟
(۲۲)تِلْکَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی	اس صورت میں تو یہ تقسیم غیر عادلانہ ہے۔
(۲۳)اِنْ هِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَی الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ؕ	یہ تو فقط وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤاجداد نے ان کے رکھے ہیں اور اللہ نے ہرگز کوئی دلیل اور حجت اس پر نازل نہیں کی ہے۔ وہ صرف بے بنیاد گمانوں اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے لئے ہدایت آچکی ہے۔

تفسیر

توحید و وحی و معراج اور آسمانوں میں خدائے یگانہ کی عظمت سے مربوط مباحث کے بیان کے بعد بتوں کے بارے میں مشرکین کے شرک اور بیہودہ عقائد کے بطلان کو پیش کرتا ہے۔

فرماتا ہے: اللہ کی عظمت اور اس کی عظیم آیات اور نشانیوں کو جان لینے کے بعد مجھے بتاؤ تو سہی کیا پھر بھی لات وعزیٰ بت ہی.........................

(۲۰) اور اسی طرح سے ''منات'' جو ان کا تیسرا بت ہے جسے ان کے بعد ذکر کرتے ہو کیا یہ مورتیاں اللہ کی بیٹیاں ہیں اور تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

(۲۱) کیا تمہارا حصہ تو بیٹے ہیں اور اس کا حصہ بیٹیاں۔

حالانکہ تمہارے خیال میں بیٹیاں بیٹوں سے کم قدر و قیمت ہیں یہاں تک کہ جب تم یہ سنتے ہو کہ تمہاری بیویوں نے بیٹی جنی ہے تو تم غم و اندوہ کی شدت اور غصہ سے سیاہ ہو جاتے ہو

(۲۲) اگر اسی طرح ہے تو پھر یہ تقسیم ایک غیر عادلانہ تقسیم ہے جو تم نے خود اپنے اور اللہ کے درمیان روا رکھی ہے۔

کیونکہ اللہ کے حصہ کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہو۔

اس طرح قرآن ان کے گرے ہوئے اور بے ہودہ افکار کا مذاق اڑاتا ہے کہ تم ایک طرف تو بیٹیوں کو زندہ در گور کرتے ہو انہیں ننگ وعیب سمجھتے ہو اور دوسری طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے ہو تم نہ صرف خود ان کی پرستش کرتے ہو، بلکہ ان کے بے روح مجسمے بھی بتوں کی صورت میں تمہاری نظر میں اتنے محترم ہیں۔

اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کم از کم پتھر اور لکڑی کے بہت سے بت جن کی عرب پرستش کیا کرتے تھے ان کے گمان میں فرشتوں کے مجسمے تھے وہ فرشتے جنہیں وہ ''ربا النوع'' اور عالم ہستی کا مدیر و مدبر سمجھتے تھے اور خدا سے ان کی نسبت بیٹی اور باپ کی نسبت خیال کرتے تھے۔

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا ہرگز منشا یہ نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے بیٹی اور بیٹے کے درمیان فرق کے بارے میں اعتقاد کو قبول کرلے بلکہ وہ اس طریقہ سے مدمقابل کے مسلمات کو اس کے خلاف پیش کرنا چاہتا ہے جسے منطق کی اصطلاح میں ''جدل'' کہتے ہیں ورنہ اسلام کی منطق میں انسانی قدر و منزلت کے لحاظ سے نہ تو بیٹے اور بیٹیوں میں کوئی فرق ہے اور نہ ہی فرشتے بیٹی یا بیٹے ہیں اور نہ اصلا وہ اللہ کی اولاد ہیں اور نہ ہی اصولا اللہ اولا د رکھتا ہے۔

(۲۳) آخری زیر بحث آیت میں قرآن قاطعیت کے ساتھ کہتا ہے یہ تو فقط نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا ؤ اجداد نے ان کے رکھے ہوئے ہیں (ایسے نام جو بے معنی اور اسمائے بے مسمی ہیں) اور اللہ نے ہرگز کوئی دلیل اور حجت اس پر نازل نہیں کی ہے۔

نہ تو اس پر تم کوئی عقلی دلیل رکھتے ہو اور نہ ہی وحی کے طریق سے کوئی دلیل تمہارے پاس ہے اور یہ مٹھی بھر اوہام و خرافات اور کھوکھلے الفاظ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

آخر میں مزید کہتا ہے: وہ تو صرف بے بنیاد گمانوں اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں اور یہ موہوم باتیں سب کی سب خیال اور ہوائے نفس کی پیداوار ہیں۔

حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

لیکن وہ آنکھیں بند کر کے اس سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور ان اوہام کی ظلمتوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

اصولی طور پر ہوائے نفس خود ایک عظیم ترین اور خطرناک ترین بت ہے اور دوسرے بتوں کی پیدائش کا سرچشمہ ہے اور بت پرستی کا بازار گرم ہونے کا سبب ہے۔

(۲۴) اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰی ۫ۖ	کیا جو کچھ انسان آرزو رکھتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے؟
(۲۵) فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَ الۡاُوۡلٰی ۠	حالانکہ آخرت بھی اور دنیا بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔

(۲۶)وَ كَمۡ مِّنۡ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِيۡ شَفَاعَتُهُمۡ شَيۡئًا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ يَّاۡذَنَ اللّٰهُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَرۡضٰى	اور کتنے ہی زیادہ فرشتے آسمانوں میں ایسے ہیں جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے بعد کہ خدا............جن کے لئے چاہے اس سے راضی ہوکر (شفاعت کرنے کی) اجازت دے دے۔

تفسیر

شفاعت بھی اسی کے اذن سے ہوگی

یہ آیات اسی طرح سے بت پرستی کی بے ہودگی کو بیان کرتے ہوئے اس کی مذمت کر رہی ہیں اور گزشتہ آیات کے مضمون ہی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پہلے بت پرستوں کی بے بنیاد آرزوؤں اور ان توقعات کو جو وہ بتوں سے رکھتے تھے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ''کیا جو کچھ انسان آرزو رکھتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے''۔

کیا یہ ممکن ہے کہ یہ بے روح اور بے قدر و قیمت اجسام اس کی شفاعت کے لئے بارگاہ خدا میں کھڑے ہوسکیں گے؟ یا اسے دنیا و آخرت کی مشکلات میں پناہ دے سکیں گے۔

(۲۵) حالانکہ دنیا و آخرت صرف اللہ ہی کے لئے ہیں۔

عالم اسباب اس کے ارادے کے محور پر گردش کر رہا ہے اور ہر موجود کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اس کے وجود کی برکت سے ہے شفاعت بھی اسی کی طرف سے ہے اور مشکلات کا حل بھی اسی کے دست قدرت میں ہے۔

اسی طرح سے قرآن مشرکین کو بتوں کی شفاعت اور ان کے وسیلہ سے مشکلات کے حل سے کلی طور پر مایوس اور ناامید کر رہا ہے۔

آرزوؤں کے دامن کا پھیلاؤ

تمنا اور آرزو کا سرچشمہ انسان کی قدرت کا محدود ہونا اور اس کی ناتوانی ہے کیونکہ جب کبھی اسے کسی چیز سے لگاؤ پیدا ہوا اور وہ اسے حاصل نہ کرسکا تو وہ آرزو اور تمنا کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور اگر ہمیشہ کسی چیز کی خواہش کرتے ہی وہ چیز حاصل ہوگئی ہوتی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا وہ اسے فوراً مل گیا ہوتا تو پھر آرزو کوئی معنی نہ رکھتی۔

البتہ بعض اوقات انسان کی تمنائیں سچی بھی ہوتی ہیں اور وہ اس کی بلند روح سے سرچشمہ حاصل کرتی ہیں اور وہ اس کی

حرکت وسعی اور کوشش و جہاد اور سیر تکامل کے لئے ایک عامل بن جاتی ہیں مثلاً انسان اس بات کی آرزو کرے کہ وہ علم و دانش اور تقویٰ و شخصیت میں تمام دنیا جہاں کے لوگوں سے بڑھ جائے۔

لیکن اکثر ایسا بھی ہوتا کہ انسان کی یہ آرزوئیں جھوٹی ہوتی ہیں اور ٹھیک سچی آرزوؤں کے برعکس غفلت، بے خبری، اور پس ماندگی کا سبب ہوتی ہیں مثلاً عمر جاوداں تک پہنچنے کی آرزو، اور زمین پر ہمیشہ رہنے کی تمنا اور تمام اموال اور ثروتوں پر قبضہ جمانا۔

اسی بنا پر اسلامی روایات میں اس بات کا شوق دلایا گیا ہے کہ لوگ اچھی آرزوئیں کریں ایک حدیث میں پیغمبر اسلام ﷺ سے منقول ہے کہ:

''جو شخص کسی ایسی چیز کی تمنا کرے جو رضائے اللہ کا موجب ہے تو وہ دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک وہ پوری نہ ہو جائے''

(۲۶) آخری زیر بحث آیت میں اس مسئلہ پر اور زیادہ تاکید کے لئے مزید ارشاد ہوتا ہے: آسمانوں میں کتنے ہی زیادہ فرشتے ایسے ہیں جن کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی مگر جس کسی کے لئے اللہ چاہے اور اس سے راضی ہو کر اس کی شفاعت کی اجازت دیدے۔

جہاں آسمان کے فرشتے اپنی ساری عظمت کے باوجود اجتماعی صورت میں بھی شفاعت پر قدرت نہیں رکھتے جب تک کہ پروردگار کا اذن اور رضا نہ ہو تو پھر ان بے شعور اور بے قدر و قیمت بتوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے

(۲۷)اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کو (اللہ) کی بیٹی کا نام دیتے ہیں۔
(۲۸)وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ	انہیں ہرگز اس بات کا یقین نہیں ہے وہ تو صرف بے بنیاد گمان کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان ہرگز بھی انسان کو حق سے بے نیاز نہیں کرتا۔
(۲۹)فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ	(اب جبکہ ایسا ہے) تو تم بھی ان لوگوں سے منہ موڑ لو جو ہمارے ذکر سے منہ موڑتے ہیں اور مادی دنیا کے سوا کسی چیز کو طلب نہیں کرتے۔

(۳۰)ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۙ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰی	یہ ان کی آگاہی کی آخری حد ہے تیرا پروردگا ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے گمراہ ہوگئے ہیں اچھی طرح پہچانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو سب سے بہتر طور پر جانتا ہے۔

تفسیر

ظن وگمان ہرگز کسی کو حق تک نہیں پہنچاتے

یہ آیات مشرکین کے عقیدہ کی نفی کے سلسلہ میں اسی طرح گزشتہ آیات کے موضوع کو بیان کررہی ہیں پہلے فرماتا ہے''وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو (اللہ کی) بیٹیاں کہتے ہیں۔

ہاں! یہ قبیح اور بے غیرتی کی گفتگو صرف انہیں لوگوں سے سرزد ہوتی ہے جو حساب وکتاب اور جزائے اعمال کا عقیدہ نہیں رکھتے کیونکہ اگر وہ آخرت کا عقیدہ رکھتے تو اس طرح دیدہ دلیری کے ساتھ گفتگو نہ کرتے ایسی گفتگو جس کے لئے کوئی معمولی سی دلیل بھی ان کے پاس نہیں ہے بلکہ عقلی دلائل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ نہ تو اللہ کے کوئی اولاد ہے اور نہ ہی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں۔

(۲۸)اس کے بعد اس نام رکھنے کے بطلان کی ایک واضح دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید اشارہ ہوتا ہے وہ اس بات کے بارے میں علم ویقین نہیں رکھتے بلکہ وہ بے بنیاد ظن کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان ہرگز انسان کو حق سے بے نیاز نہیں کرتا اور کسی کو حق تک نہیں پہنچاتا۔

ہدایت یافتہ اور صاحب عقیدہ انسان کوئی بات علم وآگاہی کے بغیر نہیں کہتا اور کسی کی طرف کوئی نسبت بغیر دلیل کے نہیں دیتا ظن وگمان اور خیال پر تکیہ کرنا شیطان یا شیطان صفت انسانوں کا کام ہے اور خرافات اور موہومات کو قبول کرنا انحراف اور بے عقلی کی دلیل ہے۔

دوسرا معنی وہ گمان ہیں جو معقول اور پسندیدہ ہیں اور اکثر اوقات واقع کے مطابق اور روزمرہ کی زندگی میں عقلاء کے کاموں کی بنیاد ہوتے ہیں مثلاً محکمہ عدالت میں گواہوں کی گواہی یا اہل خبر کا قول، یا ظاہری الفاظ اور اسی قسم کی دوسری باتیں۔

اس قسم کا ظن حقیقت میں ایک قسم کا عرفی علم ہے نہ کہ گمان وظن۔

(۲۹)اس کے بعد یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ گروہ اہل استدلال ومنطق نہیں ہے اور حب دنیا اور اللہ کی یاد کو بھلادینے نے انہیں ان موہومات اور خرافات کی گندگی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے مزید کہتا ہے جب ایسا ہے تو تم بھی ان لوگوں سے جنہوں نے ہماری یاد سے پہلوتہی کی ہے اور وہ دنیا کی مادی زندگی کے سوا اور کسی چیز کے طالب نہیں ہیں منہ پھیر لو اور ان کی بالکل پروا نہ کرو کیونکہ وہ گفتگو کرنے کے لائق ہی نہیں ہیں۔

یہ تعبیر ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جس میں اللہ کی طرف ہر قسم کی توجہ شامل ہے چاہے وہ توجہ قرآن کے ذریعہ ہو یا دلیل عقل سے ہو چاہے سنت کے طریق سے ہو یا قیامت کی یاد کے ذریعہ ہو۔

شاید یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ اس گروہ سے منہ پھیر لینے کا حکم تبلیغ رسالت کے ساتھ جو پیغمبر کا وظیفہ اصلی ہے ہر گز اختلاف نہیں رکھتا، چونکہ انذار و تبلیغ و بشارت ایسے موقعوں کے ساتھ مخصوص ہیں جہاں اثر کرنے کا کچھ نہ کچھ احتمال ہو جہاں اثر کے نہ ہونے کا یقین ہو وہاں اپنی توانائیوں کو فضول صرف نہیں کرنا چاہئے اور اتمام حجت کے بعد اعراض کر لینا چاہیے۔

۳۰۔ آخری زیر بحث آیت میں اس گروہ کے فکری انحطاط کو ثابت کرنے کے لئے مزید کہتا ہے یہ ہے ان کی معلومات کی آخری حد۔

آخر میں کہتا ہے "تیرا پروردگار ان لوگوں کو جو اس کے راستے سے گمراہ ہو گئے ہیں اچھی طرح سے پہچانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی اچھی طرح سے جانتا ہے۔

"**ذلک مبلغهم من العلم**" کا جملہ ہوسکتا ہے کہ بت پرستی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھنے جیسی خرافات کی طرف اشارہ ہو یعنی اس گروہ کی آخری آ گاہی اور علم یہی موہومات ہیں۔

یا دنیا پرستی اور ان کے مادیات کے چنگل میں اسیر ہونے کی طرف اشارہ ہو یعنی ان کا انتہائی فہم اور شعور یہ ہے کہ انہوں نے خواب و خور، عیش و نوش اور فانی و زود گذر متاع اور زرق برق دنیا پر قناعت کر لی ہے۔

ایک مشہور دعا میں جو ماہ شعبان کے اعمال میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے یہ آیا ہے کہ:

"**ولا تجعل الدنیا اکبر همنا ولا مبلغ علمنا**"

(خداوندا! دنیا کو ہمارے لئے سب سے بڑی فکری مشغولیت اور ہمارے علم و آ گاہی کی انتہا قرار نہ دے)۔

آیت کے اختتام پر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ گمراہوں کو بھی اچھی طرح پہچانتا ہے اور ہدایت یافت لوگوں کو بھی ایک کو اپنے غضب کا مشمول بناتا ہے اور دوسرے کو اپنے لطف کا مشمول قرار دیتا ہے اور قیامت میں ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

(۳۱) وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۙ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۚ	جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ ہی کے لے ہے تاکہ بدکاروں کو ان کے برے اعمال کی بنا پر سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کے اعمال کے عوض اجر و پاداش عطا کرے۔

(۳۲)اَلَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الۡمَغۡفِرَۃِ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِکُمۡ اِذۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَ اِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ٪	وہی لوگ جو گناہان کبیرہ اور برے اعمال سے سوائے صغیرہ کے دوری اختیار کرتے ہیں تیرے پروردگار کی بخشش وسیع ہے وہ تمہاری نسبت سب سے زیادہ آگاہ ہے اس وقت سے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جس وقت کہ تم جنین کی صورت میں اپنی ماؤں کے شکم میں تھے پس تم خودستائی نہ کرو کیونکہ وہ پرہیزگاروں کو بہتر طور سے جانتا ہے۔

تفسیر

خودستائی نہ کرو وہ تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہے

چونکہ گزشتہ آیات میں گمراہوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کی نسبت علم اللہ کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر بحث آیات میں اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا کے لئے ہی ہے۔

علم ہستی میں مالکیت مطلقہ اسی کے لئے ہے اور حاکمیت مطلقہ بھی اسی کے لئے ہے اسی بنا پر عالم ہستی کی تدبیر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور جب یہ بات ہے تو پھر اس کے علاوہ اور کوئی عبودیت وشفاعت کے لائق نہیں ہے۔

اس وسیع مخلوق کی خلقت سے اس کا سب سے بڑا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ انسان یعنی عالم ہستی کے گل سر سبد کو تکوینی اور تشریعی پروگراموں اور انبیاء کی تعلیم وتربیت کے ذریعہ تکامل وارتقاء کی راہ میں آگے لے جائے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں اس مالکیت کے نتیجہ کے عنوان سے فرماتا ہے "غرض ومقصد یہ ہے کہ بدکاروں کو ان کے برے اعمال کی بنا پر سزا اور عذاب دے اور نیکوکاروں کو ان کے اچھے اعمال کے لئے اجر و پاداش عطا کرے۔

(۳۲)اس کے بعد نیکوکاروں کے اس گروہ کی توصیف وتعریف کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے "وہ وہی لوگ ہیں جو گناہان کبیرہ اور برے اعمال سے دوری اختیار کرتے ہیں اور اگر ان سے کوئی گناہ ہوتا بھی ہے تو وہ صرف صغیرہ ہوتا ہے۔

آیت میں موجود قرائن بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ "لمم" ان گناہوں کے معنی میں ہے جو کبھی کبھار انسان سے سرزد ہو جاتے ہوں پھر وہ متوجہ ہو کر انہیں چھوڑ دیتا ہے۔

کیونکہ کبائر سے "لمم" کا استثناء (اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے استثناء کا ظاہر، استثناء متصل ہے) اس معنی پر ایک

گواہ ہے۔

علاوہ ازیں قرآن بعد والے جملہ میں کہتا ہے ”تیرے پروردگا کی بخشش بہت وسیع ہے“۔

یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جس کے لئے پروردگار کے غفران کی ضرورت ہے نہ کہ صرف قصدونیت اور گناہ سے اس کا مرتکب ہوئے بغیر قریب ہونا۔

بہرحال مراد ہے کہ ممکن ہے نیکوکاروں سے کوئی لغزش ہوگئی ہولیکن گناہ ان کی طبیعت اور عادت کے برخلاف ہے ان کی روح اور قلب ہمیشہ پاک رہتے ہیں اور آلودگیاں عارضی قسم کی ہوتی ہیں لہٰذا گناہ کرتے ہی پشیمان ہوجاتے ہیں اور اللہ سے بخشش کی التجا کرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں اجروثواب اور سزاوعذاب کے مسئلہ میں عدالت پروردگار کی تاکید کے لئے اس کے علم بے پایاں کے بارے میں جو تمام بندوں اور ان کے اعمال پر محیط ہے گفتگو کرتا ہے اور فرماتا ہے ”وہ تمہاری نسبت سب سے زیادہ آگاہ ہے اسی وقت سے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جس وقت کہ تم جنین کی صورت میں اپنی ماؤں کے شکم میں تھے“۔

انسان کی زمین سے خلقت یا تو اس کی پہلی خلقت کے اعتبار سے ہے جو حضرت آدم کے طریقہ سے ہوئی کہ وہ مٹی سے پیدا ہوئے تھے یا اس اعتبار سے ہے کہ انسانی وجود کے تشکیل دینے والے تمام مادے زمین سے لئے گئے ہیں جو تغذیہ کے طریق سے نطفہ کی ترکیب بندی میں اور اس کے بعد جنین کی پرورش کے مراحل میں بھی اثر رکھتے ہیں اور بہرحال مقصد یہ ہے کہ اللہ اسی وقت سے جب تمہارے وجود کے ذرات زمین کی مٹی کے درمیان تھے اور اسی دن سے جب کہ تم رحم مادر میں، رحم کے تاریک ظلماتی پردوں کے اندر ایک ناچیز نطفہ تھے تمہارے وجود کے تمام جزئیات سے آگاہ تھا تو ان حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے بے خبر ہو؟

یہ تعبیر ضمنی طور سے بعد والی گفتگو کے لئے ایک مقدمہ ہے جس میں وہ فرماتا ہے ”پس تم خودستائی نہ کرو اور اپنے پاک اور طاہر ہونے کے بارے میں باتیں نہ بناؤ کیونکہ وہ پرہیزگاروں کو سب سے بہتر طور سے جانتا ہے۔

نہ تو اسے تمہارے تعارف کی ضروت ہ اور نہ ہی تمہارے نیک اعمال کی تشریح وتفصیل کی وہ تمہارے اعمال سے بھی آگاہ ہے اور تمہاری نیت کے خلوص کی میزان سے بھی یہاں تک کہ وہ تمہیں خود تم سے بہتر طور پر پہچانتا ہے۔

کبائرالاثم کیا ہے؟

وہ گناہ جس میں ذیل کی شرائط پائی جاتی ہوں گناہ کبیرہ میں شمار ہوگا:

الف: وہ گناہ جن پر اللہ نے عذاب کی دھمکی دی ہے۔

ب: وہ گناہ جو اہل شرع کی نظر میں اور روایات کی زبان میں کبیرہ کہے گئے ہیں۔

ج: وہ گناہ جو بنا بع شرعی میں ان گناہوں سے بڑے شمار ہوئے ہیں جو کبائر کا حصہ ہیں۔

د: اور آخر میں وہ گناہ جن کے کبیرہ ہونے کی معتبر روایات میں تصریح ہوئی ہے۔

اسلامی روایات میں کبائر کی تعداد مختلف بیان کی گئی ہے بعض میں ان کی تعداد سات گناہ ہیں (قتل نفس،عقوق والدین،سود خوری،ہجرت کے بعد دارلکفر کی طرف پلٹ جانا، پاک دامن عورتوں کی طرف زنا کی نسبت دینا،یتیم کا مال کھانا،اور جہاد سے فرار کرنا)۔

بعض راوایات میں اس کی تعداد دس شمار ہوئی ہے اور بعض میں انیس اور بعض میں بہت زیادہ تعداد نظر آتی ہے۔

ایک حدیث میں امام باقر سے زیر بحث آیت (فلا تزکوا انفسکم) کی تفسیر میں آیا ہے۔

تم میں سے کوئی بھی شخص اپنی نماز وروزہ وزکوۃ اور مناسک حج وعمرہ کے زیادہ ہونے پر فخر نہ کرے کیونکہ اللہ تم میں سے پرہیز گاروں کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

(۳۳)اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ تَوَلّٰى ۙ	کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے (اسلام یا انفاق) سے روگردانی کی؟
(۳۴)وَ اَعۡطٰى قَلِيۡلًا وَّاَكۡدٰى	اور تھوڑا سا دیا اور پھر ہاتھ روک لیا
(۳۵)اَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡغَيۡبِ فَهُوَ يَرٰى	کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور اس نے دیکھ لیا ہے۔
(۳۶)اَمۡ لَمۡ يُنَبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰى ۙ	کیا وہ اس سے باخبر نہیں ہوا ہے کہ جو موسیٰ کی کتابوں میں نازل ہوا ہے؟
(۳۷)وَ اِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ۙ	اور اسی طرح ابراہیم کی کتابوں میں جس نے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح سے ادا کیا تھا۔
(۳۸)اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ۙ	کہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر نہیں لے گا۔
(۳۹)وَ اَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ	اور یہ کہ انسان کے لئے اس کی اپنی سعی وکوشش کے علاوہ اور کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۴۰)وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ۪ۖ	اور یہ کہ اس کی سعی وکوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔
(۴۱)ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ۙ	اس کے بعد اسے پوری پوری جزا دی جائے گی۔

شان نزول

اکثر مفسرین نے اوپر والی آیات کے لئے علیحدہ علیحدہ شان نزول نقل کئے ہیں لیکن یہ شان نزول آپس میں ہم آہنگ نہیں ہیں۔ان میں سے جو سب سے زیادہ مشہور ہیں وہ ذیل کی دو شان نزول ہیں۔

(۱)ان آیات میں عثمان کا واقعہ بیان ہوا ہے اس کے پاس بہت زیادہ مال ودولت تھی اور وہ اپنے مال میں سے خرچ کیا کرتا تھا اس کے رشتہ داروں میں سے ایک عبداللہ بن سعد نامی شخص نے کہا اگر تیری یہی حالت رہی تو ایک دن تیرے پاس کچھ بھی باقی نہ بچے گا، عثمان نے کہا میں نے بہت گناہ کئے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس ذریعہ سے خدا کی رضا اور عفو بخشش حاصل کروں عبداللہ نے کہا اگر تو اپنی سواری کا اونٹ اس کے ساز وسامان سمیت مجھے دے دے تو میں تیرے سارے گناہ اپنی گردن پر لے لیتا ہوں عثمان نے ایسا ہی کیا اور اس قرارداد پر گواہ لئے اور اس کے بعد اس نے انفاق کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا، (تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور اس کام کی شدت سے مذمت کی اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ کوئی شخص دوسرے کے بار گناہ کو اپنے کندھے پر نہیں لے سکتا اور ہر شخص کی سعی وکوشش کا نتیجہ خود اسی کو ملے گا۔

(۲) یہ آیت ''ولید بن مغیرہ'' کے بارے میں ہے وہ پیغمبر کے پاس آیا اور دین اسلام سے قربت حاصل کی تو بعض مشرکین نے اسے سرزنش کی اور کہا کہ تو نے ہمارے بزرگوں کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور انہیں گمراہ شمار کرتا ہے اور تو نے یہ گمان کیا کہ وہ جہنم کی آگ میں ہیں اس نے کہا کہ واقعتاً میں خدا کے عذاب سے ڈر گیا ہوں، تو سرزنش کرنے والے نے کہا کہ اگر تو اپنے مال کا کچھ حصہ مجھے دے دے اور شرک کی طرف پلٹ آئے تو میں تیرا عذاب اپنی گردن پر لے لیتا ہوں ولید بن مغیرہ نے ایسا ہی کیا لیکن جو مال دینا تھا اس میں سا تھوڑا حصہ کے سوا ادا نہ کیا تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور ولید کے ایمان سے منہ پھیرنے پر مذمت کی۔

تفسیر

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے

گزشتہ آیات میں اس سلسلہ میں گفتگو تھی کہ اللہ بدکاروں کو ان کے برے کاموں کے بدلے میں سزا اور عذاب کرے گا اور

نیکوکاروں کواجر دے گا چونکہ ممکن ہے بعض یہ تصور کرلیں کہ کسی کو کسی دوسرے کے بدلے میں بھی سزا ہوجاتی ہے یا کوئی دوسرے کے گناہ اپنی گردن پر لے لیتا ہوتو یہ آیات اس توہم کی نفی میں آئی ہیں اوراس اہم اسلامی اصل کی کہ ہر شخص کے اعمال کا نتیجہ صرف اسی کی طرف لوٹتا ہے تشریح کرتی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اسلام (یا انفاق) سے منہ پھرلیا ہے۔

(۳۴)اورتھوڑا سا مال دیا اور انفاق (یا مزید مال دینے سے) ہاتھ روک لیا (اس گمان سے کہ دوسرا اس کے گناہ کے بوجھ کو اپنے کندھے پر اٹھا سکتا ہے)۔

(۳۵) کیا وہ علم غیب رکھتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے اس کے گناہوں کو اپنے کندھے پر لے سکتے ہیں۔

قیامت کے دن سے پلٹ کر کون آیا ہے اوران کے لئے یہ خبر لایا ہے کہ لوگ رشوت لے کر دوسروں کے گناہ اپنی گردن پر لے سکتے ہیں۔

(۳۶)اس شدید اعتراض کے بعد قرآن ایک اصل کلی کو جو باقی آسمانی دینوں میں بھی آئی ہے پیش کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے کہ ’’کیا وہ شخص جس نے ان خیالی وعدوں پر انفاق (یا ایمان) سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ مختصر سا مال ادا کر کے خود کو خدائی عذاب سے رہائی دلائے‘‘ کیا وہ اس سے جو موسیٰ کی کتابوں میں نازل ہوا ہے باخبر نہیں ہوا ہے‘‘؟

(۳۷)اوراسی طرح جو کچھ ابراہیم کی کتاب میں نازل ہوا ہے وہی ابراہیم جس نے اپنی ذمہ داری کو مکمل طور پر پورا کیا ہے۔

وہی عظیم پیغمبر جس نے اللہ کے تمام عہد اور پیمانوں کو پورا کیا اس کے حق رسالت کو ادا کیا اوراس کے دین کی تبلیغ کے سلسلہ میں کسی مشکل تہدید اور آزار سے ہراساں نہیں ہوا۔

ابراہیم جس نے راہ خدا میں اپنا نفس آگ کے حوالے کردیا اوراپنا دل خدائے رحمٰن کے لئے اوراپنا بیٹا قربانی کے لئے اور اپنا مال بھائیوں اور دوستوں کے لئے خرچ کیا۔

(۳۸) کیا اسے یہ خبر نہیں دی گئی کہ ان تمام کتب آسمانی میں یہ حکم نازل ہوا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے دوش پر نہیں لیتا۔

(۳۹) اس کے بعد مزید توضیح کے لئے کہتا ہے کیا اسے اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ان آسمانی کتابوں میں یہ آیا ہے کہ انسان کے لئے اس کی سعی اور کوشش کے علاوہ اور کوئی حصہ نہیں ہے۔

(۴۰)اور کیا اسے اس بات کی خبر نہیں ہے کہ اس کی سعی و کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔

نہ صرف اس سعی و کوشش کے نتائج چاہے وہ خیر کی راہ میں ہوں یا شر کی راہ میں، بلکہ خود اس کے اعمال اس دن اس کے سامنے آشکار ہوں گے جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے۔

وہ دن جس میں ہر شخص ان نیک اعمال کو جنہیں اس نے انجام دیا ہے حاضر پائے گا۔

(۴۱) اس کے بعد اس کے عمل کے لئے اسے پوری پوری جزا دی جائے گی۔

جزاء اوفیٰ سے مراد وہ جزا ہے جو ٹھیک ٹھیک عمل کے مطابق ہو البتہ یہ بات نیک اعمال کے سلسلہ میں تفضّل الٰہی کے ساتھ دس گنا یا کئی سو گنا یا کئی ہزار گنا سے اختلاف نہیں رکھتی۔

تین اہم اسلامی اصول

اوپر والی آیات میں اسلام کے تین مسلم اصولوں کی طرف اشارہ ہوا ہے جو گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی مسلم اصول کے عنوان سے پہچانے گئے ہیں۔

الف: ہر شخص اپنے گناہوں کا مسئول اور جوابدہ ہے۔

ب: آخرت میں ہر شخص کا حصہ اس کی سعی و کوشش ہی ہے۔

ج: اللہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مقابلہ میں پوری پوری جزا دے گا۔

اور اسی طرح قرآن بہت سے اوہام اور خرافات پر جو عام لوگوں میں پائے جاتے ہیں یا بعض مذاہب میں وقتی طور پر ایک عقیدہ کی صورت میں آ گئے ہیں خط بطلان کھینچ رہا ہے۔

(۴۲) وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ۙ	اور یہ کہ تمام امور تیرے پروردگار کی طرف لوٹتے ہیں۔
(۴۳) وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَکَ وَ اَبْکٰی ۙ	اور وہی ہے جو ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی۔
(۴۴) وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا ۙ	اور وہی ہے جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔
(۴۵) وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی ۙ	اور وہی ہے جو دو دو جوڑے مذکر اور مؤنث کے پیدا کرتا ہے۔
(۴۶) مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ۠	اس نطفہ سے جو نکلتا ہے (اور رحم میں گرتا ہے)۔
(۴۷) وَ اَنَّ عَلَیْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰی ۙ	اور یہ کہ اللہ ہی پر ہے دوسرے عالم کا ایجاد کرنا۔
(۴۸) وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی ۙ	اور یہ کہ وہی ہے جو بے نیاز کرتا ہے اور باقی رہنے والا سرمایہ عطا فرماتا ہے۔

(۴۹)وَ اَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۙ	اور یہ کہ وہی ہے ''ستارہ شعریٰ'' کا پروردگار۔

تفسیر

تمام خطوط اسی تک پہنچتے ہیں

یہ آیات خدا کی ان صفات کی تجلی گاہ ہیں جو مسئلہ توحید کو بھی واضح کرتی ہیں اور مسئلہ معاد کو بھی۔

ان آیات میں گزشتہ مباحث کو جاری رکھتے ہوئے جزائے اعمال کے سلسلہ میں فرماتا ہے ''کیا انسان کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ صحف موسیٰ اور ابراہیم میں یہ آیا ہے کہ تمام امور تیرے پروردگار پر منتہی ہوتے ہیں۔

نہ صرف حساب وکتاب، ثواب وعقاب اور جزا وسزا آخرت میں اس کے دست قدرت میں ہے بلکہ اس جہان میں بھی اسباب وعلل کا سلسلہ اس کی پاک ذات تک جا کر منتہی ہوتا ہے اس جہاں کی تمام تدبیریں اس کی تدبیر سے پیدا ہوتی یں اور بالاخر عالم ہستی کی تکیہ گاہ اور اس کی ابتدا وانتہا اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔

بعض روایات میں اس آیت کی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام سے اس طرح آیا ہے۔

''اذا انتھی الکلام الی اللّٰہ فامسکوا''

(جس وقت گفتگو اللہ کی ذات تک پہنچ جائے تو چپ ہو جاؤ)

یعنی اس کی ذات کے بارے میں گفتگو نہ کرو کیونکہ عقلیں اس میں حیران ہیں اور کہیں پہنچ نہیں پاتیں اور ایک غیر محدود ذات کے بارے میں سوچ بچار کرنا محدود عقلوں کے لئے ناممکن ہے کیونکہ جو کچھ تمہاری فکر میں آئے گا وہ بھی محدود ہی ہوگا اور اللہ کے لئے محال ہے کہ وہ محدود ہو جائے۔

البتہ یہ تفسیر اس آیت کے لئے ایک دوسرا بیان ہے جو اس بات سے جو ہم نے بیان کی ہے اختلاف نہیں رکھتی اور دونوں آیت کے معنی جمع ہو سکتے ہیں۔

(۴۳)اس کے بعد امر ربوبیت میں اس کی حاکمیت اور اس جہان کے تمام امور کے اس کی ذات پاک تک منتہی ہونے کو واضح کرنے کے لئے مزید کہتا ہے وہی ہے کہ جو ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی۔

(۴۴)اور وہی ہے جو مارتا بھی ہے اور زندہ بھی کرتا ہے۔

(۴۵)اور وہی ہے جو دو دو جوڑے مذکر اور مؤنث کے پیدا کرتا ہے۔

(۴۶)اس نطفہ سے جو خارج ہوتا ہے اور قرار گاہ رحم میں گرتا ہے۔

یہ چند آیات تمام امور کے پروردگار کی ربوبیت اور تدبیر کی طرف منتہی ہونے والے مسئلہ کے لئے حقیقتاً ایک جامع بیان اور عمدہ وضاحت ہیں کیونکہ کہتا ہے تمہاری موت اور زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے، زوجین کی خلقت کے طریق سے نسل کا جاری رہنا بھی

اسی کی تدبیر سے ہے اسی طرح وہ تمام حوادث جو انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں اس کی طرف سے ہیں وہی رلاتا اور ہنساتا ہے وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور اس طرح سے سررشتہ زندگی آغاز سے لے کر انجام تک اس کی پاک ذات پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں اس آیت کے ہنسنے اور رونے کے مفہوم کو وسعت دی گئی ہے اور اس کی تفسیر میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

''اللہ آسمان کو بارش کے ساتھ رلاتا ہے اور زمین کو نباتات کے ساتھ ہنساتا ہے۔''

(۴۷) ان امور کے ذکر کے بعد جو پروردگار کی ربوبیت اور تدبیر سے مربوط ہیں امر معاد و قیامت کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کیا انسان کو یہ خبر نہیں ہے کہ گزشتہ کتب میں یہ آیا ہے کہ دوسرے عالم کو ایجاد کرنا اللہ پر لازم ہے۔

(۴۸) اس کے بعد مزید کہتا ہے اور وہی تو ہے جو بندوں کو بے نیاز بھی کرتا ہے اور باقی رہنے والے سرمائے ان کے اختیار میں دیتا ہے۔

اللہ نے نہ صرف مادی پہلوؤں میں انسان کی ضروریات اور حاجتوں کو اپنے لطف و کرم سے برطرف کیا ہے بلکہ ہمیشہ رہنے والے سرمائے بھی عطا کئے ہیں کیونکہ معنوی زندگی میں بھی انسانوں کی احتیاجات تعلیم و تربیت اور تکامل و ارتقاء کے سلسلہ میں انبیاء ورسل کے بھیجنے اور آسمانی کتب کے نازل کرنے اور معنوی مواہب و نعمات عطا کرنے کے ذریعہ برطرف کی ہیں۔

(۴۹) آخر میں آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے کیا انسان یہ نہیں جانتا کہ گزشتہ کتب میں یہ آ چکا ہے کہ ستارہ شعری کا پروردگار وہی ہے؟

ستارہ شعری کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس کے علاوہ کہ یہ ستارہ آسمان کے ستاروں میں سب سے زیادہ چمکنے والا ہے جو عام طور پر سحر کے وقت صورت فلکی ''جواز'' کے پاس آسمان میں ظاہر ہوتا ہے توجہ کو مکمل طور سے اپنی طرف کھینچتا ہے اس سبب سے ہے کہ مشرکین عرب کا ایک گروہ اس کی پرستش کرتا تھا قرآن کہتا ہے تم شعری کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ اس کے پیدا کرنے والے پروردگار کی پرستش کرو۔

(۵۰) وَ اَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰى ۙ	اور یہ کہ اللہ نے پہلی قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔
(۵۱) وَ ثَمُوۡدَاۡ فَمَاۤ اَبۡقٰى ۙ	اور اسی طرح ثمود کو اور ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔
(۵۲) وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ وَ اَطۡغٰى	اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی کیونکہ وہ سب سے زیادہ ظالم اور سرکشی کرنے والے تھے۔
(۵۳) وَ الۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۙ	اور (قوم لوط) کے زیر و زبر شدہ شہروں کو زمین پر دے مارا۔
(۵۴) فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى ۚ	اس کے بعد انہیں سنگین عذاب کے ساتھ ڈھانپ لیا۔

(۵۵)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی	پس تو اپنے پروردگار کی کونسی نعمت میں شک رکھتا ہے۔

تفسیر

کیا یہ سب درس عبرت کافی نہیں ہیں؟

یہ آیات اسی طرح مطالب کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ کتب صحف ابراہیم وموسیٰ سے نقل ہوئی ہیں گزشتہ آیات میں دس مطالب دو حصوں میں بیان کئے گئے ہیں پہلا حصہ ہر شخص کے اپنے اعمال کے لئے مسئولیت اور ذمہ داری کے بارے میں ہے اور دوسرا حصہ تمام خطوط کے پروردگار تک منتہی ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور زیر بحث آیات میں جو صرف ایک ہی مطلب کو بیان کر رہی ہے وہ گزشتہ چار اقوام میں سے چار قوموں کے عذاب اور دردناک ہلاکت کی بات کرتی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ایک تنبیہ ہے جو گزشتہ احکام سے روگردانی کرتے ہیں اور مبدء ومعاد پر ایمان نہیں رکھتے۔

پہلے فرماتا ہے" کیا انسان کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ گزشتہ کتب میں یہ آیا ہے کہ اللہ نے پہلی قوم عاد کو ہلاک کر دیا۔

قوم "عاد" کی توصیف "الاولیٰ" (پہلی) کے ساتھ یا تو اس قوم کی قدامت کی بنا پر ہے جیسا کہ عربوں کے درمیان معمول ہے کہ ہر قدیم چیز کو عادی کہتے ہیں اور یا اس بنا پر ہے کہ تاریخ میں عاد نامی دو قومیں ہوئی ہیں اور مشہور قوم جن کے پیغمبر "ہود" تھے وہی پہلی عاد ہے۔

(۵۱)اس کے بعد مزید کہتا ہے اسی طرح اللہ نے قوم ثمود کو ان کی سرکشی کی بنا پر ہلاک کیا اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا۔

(۵۲)اس کے بعد قوم نوح کے بارے میں فرماتا ہے اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی ہم نے ہلاک کیا۔

کیونکہ وہ سب سے زیادہ ظالم اور سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے تھے۔

کیونکہ ان کے پیغمبر نوح نے تمام انبیاء کی نسبت بہت طویل مدت تک انہیں تبلیغ کی تھی لیکن اس کے باوجود تھوڑی سی تعداد کے سوا ان کی دعوت کو کسی نے قبول نہ کیا اور شرک وبت پرستی اور نوح کی تکذیب اور آزار پہنچانے میں حد سے زیادہ سختی کی جیسا کہ تفصیل انشاءاللہ سورہ نوح کی تفسیر میں آئے گی۔

(۵۳)قوم لوط چوتھی قوم ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اللہ نے قوم لوط کے زیر وزبر شدہ شہروں کو زمین پر دے مارا۔

ظاہر میں ایک شدید زلزلہ نے ان آبادیوں کو آسمان کی طرف پھینک دیا اور پھر سرنگوں کر کے زمین پر پٹخ دیا اور روایات کے مطابق جبرئیل نے انہیں خدائی قوت کے ساتھ زمین سے اکھاڑ کر اوندھے منہ زمین پر دے مارا۔

(۵۴)اس کے بعد انہیں ایک سنگین عذاب کے ساتھ ڈھانپ لیا۔

ہاں! آسمانی پتھروں کی ایک بارش ان پر برسی اور ان سارے ڈولتے ہوئے شہروں کو پتھروں کے ایک ڈھیر کے نیچے دفن

کردیا۔

(۵۵)اس بحث کے آخر میں ان نعمتوں کے بارے میں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئی تھیں اشارہ کرتے ہوئے ایک استفہام انکاری کی صورت میں فرماتا ہے تجھے اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کونسی نعمت کے بارے میں شک ہے۔

کیا نعمت حیات میں، یا اصل نعمت خلقت میں یا اس نعمت میں کہ اللہ کسی کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دیتا خلاصہ یہ کہ جو کچھ گزشتہ صحیفوں میں آیا ہے اور قرآن میں بھی اس پر تاکید ہوئی ہے ان میں سے کسی میں تجھے شک ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر کی ذات گرامی ہے لیکن اس کا مفہوم سب کو شامل ہے بلکہ ہدف اصلی زیادہ تر دوسرے افراد ہی ہیں۔

(۵۶)هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۙ	یہ (پیغمبر بھی) پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔
(۵۷)اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۚ	جسے نزدیک ہونا چاہئے وہ (قیامت) نزدیک ہوگئی۔
(۵۸)لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ؕ	اور اللہ کے سوا کوئی شخص اس کے شدائد کو برطرف نہیں کرسکتا۔
(۵۹)اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۙ	کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟
(۶۰)وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ۙ	اور ہنستے ہو اور روتے نہیں؟
(۶۱)وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۙ	اور تم ہمیشہ غفلت اور ہوس رانی میں زندگی بسر کرتے ہو؟
(۶۲)فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۩ السجدة	اب جب کہ ایسا ہے تو تم سب اللہ کے لئے سجدہ کرو اور عبادت کرو۔

تفسیر

سب اس کے لئے سجدہ کرو

گزشتہ آیات کے بعد جو گزشتہ اقوام کی ستمگری اور طغیان کی وجہ سے ان کی ہلاکت کی بات کرنا تھی زیر بحث آیات اپنا روئے سخن مشرکین، کفار اور پیغمبر کی دعوت کے منکرین کی طرف کرتے ہوئے کہتی ہیں ''پیغمبر (یا یہ قرآن) گزشتہ ڈرانے والوں کی طرح ہی ایک ڈرانے والا ہے۔

یہ جو کہتا ہے کہ پیغمبر (یا قرآن) پہلے انذار کرنے والوں اور ڈرانے والوں کی نوع میں سے ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ محمد ﷺ کی رسالت اور ان کی آسمانی کتاب قرآن کوئی نیا موضوع نہیں ہے گزشتہ زمانہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں پس یہ تمہارے لئے باعث تعجب کیوں ہے؟

(۵۷)اس غرض سے کہ مشرکین اور کفار اس خطرے پر جو انہیں درپیش ہے زیادہ توجہ دیں مزید کہتا ہے جسے نزدیک ہونا چاہئے وہ نزدیک ہوگئی ہے۔

اس نام کے ساتھ قیامت کا نام زیر بحث آیت کے علاوہ سورہ مؤمن کی آیت ۱۸ میں بھی آیا ہے اور یہ ایک گویا اور بیدار کرنے والی تعبیر ہے یہی مفہوم ایک دوسری صورت میں سورہ قمر کی پہلی آیت میں بھی بیان ہوا ہے اقترب الساعۃ' قیامت نزدیک ہوگئی ہے'' بہر حال دنیا کی عمر کی کوتاہی کی طرف توجہ کرتے ہوئے قیامت کی نزدیکی قابل ادراک ہے خصوصاً اس چیز کو دیکھتے ہوئے کہ جو شخص مرتا ہے اس کی تو قیامت صغریٰ برپا ہو جاتی ہے۔

(۵۸)اس کے بعد مزید کہتا ہے اہم بات یہ کہ اس دن اللہ کے علاوہ کوئی شخص ان کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس کے شدائد کو برطرف کر سکتا ہے۔

بہر حال حاکم و مالک اور صاحب قدرت اس دن بھی اور (ہمیشہ) اللہ ہی ہے اگر نجات چاہتے ہو تو اس کے لطف کے دامن کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اور اگر آرام و سکون کے طالب ہو تو اس پر ایمان لے آؤ۔

(۵۹)اس آیت میں مزید کہتا ہے'' کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو'' یہ جملہ ممکن ہے کہ قیامت اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کی طرف اشارہ ہو جو گزشتہ آیات میں آیا ہے یا قرآن کی طرف اشارہ ہو (کیونکہ دوسری آیات میں اس کی'' حدیث'' کے لفظ سے تعبیر ہوئی ہے یا وہ باتیں جو گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے بارے میں کہی گئی ہیں یا ان سب کی طرف۔

(۶۰)اس کے بعد مزید کہتا ہے: اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔

(۶۱)اور ہمیشہ غفلت، بے خبری، لہو و لعب اور گناہ آلود سرگرمیوں میں زندگی بسر کرتے ہو۔

حالانکہ یہاں نہ تو ہنسنے کی جگہ ہے اور نہ ہی غفلت اور بے خبر رہنے کی جگہ ہے بلکہ یہ تو ہاتھ سے نکلی ہوئی فرصتوں، ترک شدہ اطاعتوں اور ان گناہوں پر جو تم سے سرزد ہوئے ہیں رونے کی جگہ ہے بیداری اور ان امور کی تلافی کی جگہ ہے جو ہاتھ سے نکل گئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کی اور لطف اللہ کے سائے کی طرف پلٹنے کی جگہ ہے۔

(۵۹)اس سورہ کی آخری آیت میں ان بہت سے مباحث کے بعد جو اثبات توحید اور نفی شرک کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں کہتا ہے: اب جب کہ ایسا ہے تو اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اس کی پرستش کرو۔

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ حق کی صراط مستقیم پر چلو تو صرف اسی کی ذات کو سجدہ کرو جس کی پاک ذات تک تمام عالم ہستی کے خطوط منتہی ہوتے ہیں اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ گزشتہ اقوام کی دردناک سرنوشت میں............ جو شرک و ظلم و ستم کی بنا پر عذاب الٰہی کے چنگل میں گرفتار ہوئی ہیں............ گرفتار نہ ہو صرف اسی کی عبادت کرو۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بہت سی روایات میں یہ نقل ہوا ہے کہ جس وقت پیغمبراس سورہ کی تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو تمام مومنین وکفار جو اسے سن رہے تھے سجدہ میں گر پڑے۔

یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ قرآن نے منکرین کے دلوں میں بھی اثر ڈالا اور انہیں بے اختیار اپنی طرف جذب کرلیا جیسا کہ ولید بن مغیرہ کی داستان میں آیا ہے کہ جس وقت اس نے سورہ حٰم سجدہ (فصلت) کی آیات کو سنا اور جب پیغمبرصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی "فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود" تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور لرزنے لگا اور بال اس کے بدن پر سیدھے کھڑے ہوگئے گھر میں آیا تو اس حالت میں کہ مشرکین نے خیال کیا کہ وہ پورے طور پر محمدصلى‌الله‌عليه‌وآله‌وسلم کے دین میں جذب ہوگیا ہے۔

سورۂ قمر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۵۵ آیتیں ہیں

سورہ قمر کے مضامین

یہ سورہ اپنے اندر مکی سورتوں کی خصوصیتیں یعنی مبداء ومعاد کے عظیم مباحث کی خصوصیات لئے ہوئے ہے یہ سورہ گزشتہ اقوام سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کی بدکاری کو بیان کرتا ہے جو ہٹ دھرمی، عناد، کفر، ظلم اور فساد کے راستے پر چلنے کی وجہ سے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے سرکوبی کرنیوالے پے بہ پے عذاب میں گرفتار ہوکر ہلاک ہوئے ان افراد کے متعلق بیان ہونے والی ہر سرگزشت کے بعد یہ سورہ "ولقد یسرنا القراٰن للذکر فھل من مدکر" ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے والوں کی نصیحت کے لئے آسان کیا ہے تو کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے کی تکرار کرتا ہے تا کہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کے لئے درس عبرت ثابت ہو۔

اس سورہ کے مضامین کو مجموعی طور پر چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔سورہ کے آغاز میں قرب قیامت، شق القمر اور مخالفین کی طرف سے آیات الٰہی کے انکار پر گفتگو کی گئی ہے۔

2۔دوسرے حصہ میں سب سے پہلی سرکش، متمرد اور ہٹ دھرم قوم یعنی قوم نوح اور طوفان نوح کے بارے میں مختصر بحث ہے۔

3۔تیسرا حصہ قوم عاد کی داستان بیان کرتا ہے اور ان پر آنے والے دردناک عذاب کی کیفت پیش کرتا ہے۔

4۔چوتھے حصہ میں قوم ثمود اور ان کی مخالفت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے روا رکھی ناقہ صالح کے معجزہ کا بھی ذکر ہے آخر میں اس عذاب الٰہی کا بیان ہے جو اس گروہ پر آیا۔

5۔اس کے بعد قوم لوط کا ذکر ہے اور ان کے کفر کی جانب اور اخلاق سے انحراف کی طرف ضمنی طور پر مختصر سا اشارہ ہے اور ان پر نازل ہونے والے دردناک عذاب کا بیان ہے۔

6۔ایک اور حصہ میں آل فرعون اور ان پر عذاب وسزا کے بارے میں مختصر سی گفتگو ہے

7۔آخری حصہ میں گزشتہ اقوام، مشرکین مکہ اور مخالفین پیغمبر اسلام کا موازنہ ہے اور مشرکین مکہ کے اس بھیانک مستقبل کا تذکرہ ہے جو وہ اپنی روش کی وجہ سے اپنے لئے متعین کر چکے تھے

اس سورہ کا نام پہلی آیت کی مناسبت سے "قمر" رکھا گیا ہے پہلی آیت شق القمر کو موضوع بحث بناتی ہے

فضیلت تلاوت سورہ قمر

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

"جو شخص سورہ "اقتربت" کو ایک دن چھوڑ کر پڑھے گا وہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کا چہرہ

چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا ہوگا اور جو اسے ہر شب میں پڑھے تو یہ اس سے بھی افضل ہے قیامت میں اسے شخص کے چہرے کی روشنی تمام مخلوق پر برتری رکھتی ہوگی''۔

میدان قیامت میں چہرے کی یہ چمک یقیناً پختہ اور سچے ایمان کی علامت ہوگی یہ چمک اس سورہ کی تلاوت، اس میں غور وفکر اور اس کے مطابق عمل کرنے سے حاصل ہوگی صرف تلاوت سے نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ	قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہوگیا۔
(۲) وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ یَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ	(یہ ہٹ دھرم اور مخالفین) جس وقت نشانی اور معجزہ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ مستقل جادو ہے۔
(۳) وَ کَذَّبُوۡا وَ اتَّبَعُوۡۤا اَہۡوَآءَہُمۡ وَ کُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ	انہوں نے (اللہ کی آیتوں کی) تکذیب کی، اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور ہر امر کے لئے ایک قرارگاہ ہے۔

تفسیر

چاند شق ہوگیا

پہلی آیت میں دو اہم باتوں کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے ایک تو قیامت کا آنا کہ جس کا ورود اس عالم فانی کے لئے اپنے ہمراہ ایک عظیم انقلاب لئے ہوئے ہے دوسرا عنوان ہے ''نئی زندگی کی ابتداء'' وہ ایسی دنیا ہے کہ جس کی عظمت و وسعت اس دنیائے دین میں مقید رہنے والوں کے لئے نا قابل فہم و نا قابل توصیف ہے۔

دوسرا واقعہ ''معجزہ شق القمر'' کا ہے جو خدائے بزرگ و برتر کی ہر شے پر قدرت رکھنے کی دلیل بھی ہے اور اس کے پیغمبر گرامی قدر کی صداقت کی نشانی بھی۔ قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہوگیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ گزشتہ سورہ ''سورہ نجم'' قرب قیامت کو بیان کرنے والے جملوں پر ختم ہوا۔ یہ سورہ بھی اسی معنی ومفہوم سے شروع ہو رہا ہے تاکید ہے اس بات کی کہ قیامت قریب ہے خواہ یہ قرب دنیا کے پیمانے کے اعتبار سے ہزاروں سال ہی کیوں نہ ہو لیکن اس دنیا کی مجموعی عمر کی طرف توجہ کرتے ہوئے اور اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اس دنیا کی تمام عمر قیامت کے مقابلے میں ایسے ایک لمحہ سے زیادہ نہیں جو جلدی سے گزر جائے اس سے مقصود یہ ہے کہ اس تعبیر کا مفہوم واضح ہو جائے۔

مفسرین کی ایک جماعت کے قول کے مطابق ان دونوں حادثوں کا اکٹھا ذکر اس وجہ سے ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ جو کہ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں ان کا ظہور اصولی طور پر خود قریب قیامت کی ایک نشانی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک حدیث ہے آپ نے فرمایا:

"بعثت انا و الساعة کھاتین"

(میرا مبعوث ہونا اور قیامت مثل ان دو کے ہے)

یہ آپ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں

دوسری طرف چاند کا دو ٹکڑے ہونا ستاروں کے نظام کے درہم برہم ہونے کے امکان پر خود ایک دلیل ہے اور ایک چھوٹا سا نمونہ ہے ان عظیم حادثات کا جو قرب قیامت میں ظہور پذیر ہوں گے کیونکہ تمام ستارے بمع زمین ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور ان کی جگہ ایک نئی دنیا معرض وجود میں آجائے گی اسے مشہور روایات کے مطابق کہ جن کے بارے میں بعض راویوں نے متواتر ہونے کا دعوی کیا ہے۔ مشرکین پیغمبر کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ سچ کہتے ہیں اور اللہ کے پیغمبر ہیں تو ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کام کر کے دکھا دونگا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے انہوں نے کہا جی ہاں۔ وہ چودھویں کی رات تھی پیغمبر نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ جو کچھ یہ چاہتے ہیں وہ تو کر۔ چاند اچانک دو ٹکڑے ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ ایک ایک شخص کو آواز دیتے تھے اور فرماتے تھے یہ معجزہ دیکھ لو۔

"شق القمر" کا واقعہ بطور اعجاز ظہور پذیر ہوا ہے اور بعد میں آنے والی آیتیں اس امر پر اپنے اندر واضح شواہد لئے ہوئے ہیں۔

(۲) اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے "ہٹ دھرم اور کج بحثی کرنے والے مخالفین جب تیری تبلیغ کی صداقت کے بارے میں کوئی معجزہ یا نشانی دیکھتے ہیں تو اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ واقعی مستقل جادو ہے"۔ "مستمر" کا لفظ اس لئے کہا کہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف سے پے در پے معجزات دیکھے تھے اور شق القمر اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا وہ ان سب باتوں کو مستقلا جادو قرار دیتے تھے اگرچہ یہ تہمت حق کو تسلیم نہ کرنے کا محض ایک بہانہ تھی۔

(۳) اس آیت میں ان کے مخالفانہ نکتے اور اس مخالفت کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی نحوست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انہوں نے تکذیب کی اور اپنی ہوائے نفس کی پیروی کی اور ہر چیز کی ایک قرار گاہ ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت یا آپ کے دلائل اور معجزات کی تکذیب اور قیامت کے انکار کا سبب ان کی ہوائے نفس کی پیروی تھی۔ تعصب، ہٹ دھرمی اور نفس پرستی انہیں حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرنے دیتی تھی۔

"و کل امر مستقر" سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس جہان میں کوئی چیز ختم نہیں ہوتی اور ہر نیکی اور برائی باقی رہتی ہے یہاں تک انسان اس کی جزا یا سزا پائے۔

اورزیادہ دیر نہیں لگتی کہ حق کا خوبصورت اور باطل کا قبیح چہرہ آشکار ہوجاتا ہے یہ اس دنیا کی ایک مستقل روایت ہے۔

(۴)وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِيۡهِ مُزۡدَجَرٌ ۙ	برائیوں سے عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی خبریں ان تک پہنچی ہیں۔
(۵)حِكۡمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ ۙ	یہ آیات اللہ کی حکمت بالغہ ہیں لیکن ڈرانے والی چیزیں (ہٹ دھرم لوگوں کے لیے) مفید نہیں ہیں۔
(۶)فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ ۘ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ ۙ	اس بنا پر ان سے منہ پھیر لے اور اس دن کو یاد کر جب اللہ کی طرف سے بلانے والا لوگوں کو اعمال کے حساب کے لئے بلائے گا۔
(۷)خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۙ	وہ قبروں سے نکلیں گے اس صورت میں کہ ان کی آنکھیں وحشت کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ منتشر ٹڈی دل کی طرح بلا مقصد ہر طرف دوڑ رہے ہوں گے۔
(۸)مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ	درآنحالیکہ اس بلانے والے کی طرف سر اٹھا کر دیکھیں گے اور کافر کہیں گے کہ آج سخت اور دردناک دن ہے۔

تفسیر

وہ دن کہ جب سب قبروں سے باہر نکلیں گے

اس بحث کے بعد کہ جو گزشتہ آیتوں میں کفار کی ایک ایسی جماعت کے بارے میں کہ جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی تکذیب کی تھی کسی بھی معجزے کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا تھا یہ آیتیں آئیں ان میں اس قسم کے افراد کے بارے میں مزید تفصیل ہے اور یہ کہ قیامت میں دردناک عذاب کی وجہ سے ان کا کیا حال ہوگا۔

پروردگار عالم پہلے ارشاد فرماتا ہے کہ اس طرح نہیں ہے کہ یہ لوگ بے خبر ہوں بلکہ وہ خبریں کہ جو ان کے لئے برائیوں سے اور قبیح چیزوں سے دامن بچانے کا موجب بن سکتی ہیں کافی مقدار میں ان کے پاس آئی ہیں. اللہ کی طرف بلانے والوں کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں تھی بلکہ یہ ان کا بے غیرت پن ہے یہ نہ تو سننے والے کان رکھتے ہیں اور نہ ان میں حق طلبی کی روح ہے ان میں اس حد تک

تقوی بھی موجود نہیں کہ جو انہیں آیات الٰہی میں تحقیق و تدبر کی دعوت دے۔

(۵) اس آیت میں مزید ارشاد فرماتا ہے کہ یہ آیتیں حکمت بالغہ الٰہی ہیں اور اپنے اندر گہرائی رکھنے والی نصیحتیں ہیں لیکن یہ ڈرانے والی چیزیں ان ہٹ دھرم افراد کے لئے مفید نہیں ہیں۔

(۶) اس آیت میں فرماتا ہے اب جبکہ یہ حق سے بیگانہ افراد قبول کرنے کی طرف قطعاً آمادہ نہیں ہیں تو تو انکو ان کی حالت پر چھوڑ دے اور ان سے منہ پھیر لے اور آمادگی رکھنے والوں کو تلاش کر۔

اور اس دن کو یاد کر کہ جس دن اللہ کی طرف بلانے والے ایک وحشت ناک امر کی جانب لوگوں کو بلا رہے ہوں گے یعنی حساب کتاب اور نامہ اعمال کی جانچ پڑتال کی جانب۔

(۷) اس آیت میں اس سلسلہ میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ قبروں سے نکلیں گے اس حالت میں کہ ان کی آنکھیں وحشت کی شدت کے باعث جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ بلا مقصد ٹڈی دل کے مانند ادھر ادھر دوڑ رہے ہوں گے''۔

آنکھوں سے ''خشوع'' کی نسبت اس وجہ سے دی ہے کہ منظر اس قدر ہولناک ہوگا کہ آنکھیں اسے دیکھنے کی تاب نہ رکھتی ہونگی لہذا نگاہیں نیچی ہونگی اور ''پراگندہ ٹڈی دل'' کی تشبیہ اس مشابہت کی وجہ سے ہے کہ دوسرے پرندوں کے برعکس کہ جو اڑتے وقت اپنے اندر ایک طرح کا نظم اور ترتیب رکھتے ہیں ٹڈی دل اپنے اندر کسی قسم کی ترتیب نہیں رکھتا ٹڈیاں درہم برہم رہتی ہیں اور بغیر کسی مقصد ہر طرف چل پڑتی ہیں علاوہ ازیں وہ اس دن ٹڈی دل کی طرح کمزور اور ناتواں ہوں گے جی ہاں یہ دل کے اندھے اور بے خبر لوگ اس طرح وحشت زدہ ہوں گے کہ بدمست افراد کی طرح ہر طرف رخ کرینگے اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔

(۸) اس آیت میں مزید فرماتا ہے ''کہ جس وقت یہ لوگ اس پکار کے بعد قبروں سے نکلیں گے تو شدت وحشت کی وجہ سے پکارنے والے فرشتوں کی طرف گردنیں اٹھا کر دیکھ رہے ہوں گے''۔

یہ وہ دن ہے کہ اس دن برپا ہونے والے سخت حوادث کی وحشت ان کے وجود کو گھیرے گی اسلئے اس آیت کے آخر میں ہے ''کافر کہیں گے کہ آج سخت اور دردناک دن ہے''۔ وہ دن واقعی سخت ہوگا کیونکہ اللہ ان معنوں کی تصدیق کرتا ہے اور سورہ فرقان کی آیت ۲۶ میں فرماتا ہے:

وکان یوما علی الکافرین عسیرا

''وہ کافروں کے لئے سخت دن ہے'' اس تعبیر سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ دن مومنین کے لئے سخت نہیں ہوگا۔

(۹) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ	اس سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (جی ہاں) ہمارے بندے (نوح) کی اور کہا وہ دیوانہ ہے اور انہیں جھڑکیاں دیں
(۱۰) فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ	اس نے بارگاہ پروردگار میں عرض کیا میں اس سرکش قوم سے مغلوب ہوں ان سے میرا انتقام لے۔
(۱۱) فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ زصلے	اس وقت ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے اور بہت زیادہ اور مسلسل پانی برسنے لگا۔
(۱۲) وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ج	اور زمین کو ہم نے شگافتہ کیا اور بہت سے چشمے نکالے اور یہ دونوں قسم کے پانی جس مقدار میں بھی تھے آپس میں مل گئے
(۱۳) وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ لا	اور ہم نے نوح کو ایک سواری (کشتی) پر کہ جو تختوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی سوار کیا۔
(۱۴) تَجْرِیْ بِاَعْيُنِنَا ج جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ	ایسی سواری کہ جو ہماری نگرانی میں چلتی تھی یہ عذاب تھا اس گروہ کے لئے کہ جو اس کا منکر تھا۔
(۱۵) وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ	ہم نے یہ واقعہ نشانی کے عنوان سے امتوں کے درمیان باقی رکھا تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔
(۱۶) فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ	اب دیکھو کہ میرا عذاب اور تخویف دلانیوالے امور کیسے تھے
(۱۷) وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ	ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان قرار دیا تو کیا کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے؟

تفسیر

قوم نوح کا ماجرا درس عبرت تھا

قرآن کی سنت یہ ہے کہ کفار ومجرمین کوخوف دلانے کے بعد گزشتہ قوموں کی سرگزشت اوران کی عبرتناک عاقبت کوتفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ انہیں سمجھائے کہ اگرتم اپنے غلط راستے پر چلتے رہے تو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا اس سورہ میں بھی ان مباحث کے بعد کہ جوگزشتہ آیتوں میں مذکور ہوئے مختصراور پر معنی اشارے گزشتہ اقوام میں سے پانچ قوموں کے متعلق موجود ہیں کہ جن میں سے پہلی قوم قوم نوح تھی۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:''ان سے پہلے قوم نوح نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی'' ''جی ہاں! انہوں نے ہمارے بندے نوح کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ شخص دیوانہ ہے اوراس کے بعد طرح طرح کی ایذارسانیوں کے ذریعہ اسے اپنی پیغام رسانی جاری رکھنے سے منع کیا''۔

''کبھی اس سے کہتے کہ اگرتو اپنے کام سے باز نہ آیا تو ہم تجھے سنگسار کردیں گے''۔

اور کبھی اس کا گلا اس طرح دباتے کہ وہ بے ہوش ہوکرزمین پر گر پڑتا لیکن جب ہوش میں آتا تو کہتا:

''خداوندا میری قوم کوبخش دے یہ نہیں جانتے۔''

(۱۰)اس آیت میں فرماتا ہے:''جس وقت نوح ان کی ہدایت سے کلی طور پر مایوس ہوگئے تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی پروردگارا! یہ باغی اور مجرم گروہ مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ پروردگار!ان سے میرا انتقام لے''انہوں نے دلیل حجت اور برہان کے ذریعہ مجھ پرغلبہ حاصل نہیں کیا بلکہ ظلم، تکذیب، انکاراور مختلف قسم کے دباؤ کے ذریعے مجھ پرغلبہ حاصل کیا ہے تواب یہ قوم باقی رہنے کے قابل نہیں ہے لہٰذا ان سے میرا انتقام لے اور مجھے ان کے مقابلے میں کامیابی عطافرما۔

(۱۱)اس کے بعدان کے عذاب کی کیفیت کی طرف صاف اوردل ہلادینے والا اشارہ کرتے ہوئے ارشادفرماتا ہے''ہم نے نوح کی اس درخواست کے بعد آسمان کے دروازے کھول دیئے پھرشدیداور مسلسل بارش ہونے لگی''۔

آسمان کے دروازوں کوکھول دینے کے الفاظ بہت ہی خوبصورت ہیں کہ جوشدید بارش کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں جیسا کہ ہم اردو میں بھی کہتے ہیں''گویا آسمان کے دروازے کھل گئے اور جتنا پانی تھا سب برس گیا''۔

(۱۲) نہ صرف یہ کہ آسمان سے زیادہ پانی برسنے لگا بلکہ زمین سے بھی ابلنے لگا جیسا کہ آیت میں آیا ہے!''اورہم نے زمین کو شگافتہ کیا اوراس سے زیادہ چشمے نکالے''

ساری زمین سے پانی ابلنے لگا، چشمے نکل آئے، آسمان سے پانی برسنے لگا، یہ دونوں آپس میں مل گئے اورانہوں نے ایک عظیم سمندراورطوفان تشکیل دیا۔

(۱۳) یہاں قرآن نے طوفان کے مسئلہ کوچھوڑ دیا کیونکہ جو کچھ کہنا تھا وہ گزشتہ جملوں میں کہا جاچکا تھا اب نوح کی کشتی نجات کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''ہم نے نوح کوایک سواری پرکہ جوتختوں اورمیخوں سے بنائی گئی تھی سوار کیا۔''

(۱۴)اس کے بعد اللہ اپنی خاص عنایت کے ساتھ نوح کی کشتی نجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ''یہ کشتی ہمارے(علم) کی نظروں کے سامنے موجوں کے سینے کو چیرتی ہوئی ہمارے مشاہدہ اور حفاظت کے ماتحت اپنے سفر کو جاری رکھے رہی''۔

اس کے بعد پروردگار عالم فرماتا ہے: ''یہ تمام سزا تھی ان لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے نوح کی تکذیب کی اور کافر ہوئے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح اللہ کی بڑی مہربانیوں اور نعمتوں میں سے ایک تھے جن کی بے خبر اور جاہل افراد نے تکذیب کی اور کافر ٹھہرے۔

(۱۵) اس کے بعد اس عظیم واقعہ سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے اس واقعہ کو درس عبرت اور امتوں کے درمیان نشانی کے طور پر باقی رکھا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''۔

حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو اہم تھیں اس واقعہ کے ذیل میں بیان کردی گئی ہیں اور ایک بیدار مغز انسان کو جو کچھ سمجھنا چاہئے وہ اس واقعہ سے سمجھ سکتا ہے۔

(۱۶) پروردگار عالم بعد والی آیت میں ایک تہدید آمیز اور پر معنی سوال کے عنوان کے ماتحت ان کافروں کے متعلق کہ جو زمانہ نوح کے کافروں والے راستے پر چل رہے ہیں فرماتا ہے: ''اب بتاؤ کہ میرا عذاب اور تخویف دلانے والے امور کس طرح کے تھے'' کیا وہ حقیقت تھے یا محض ایک افسانہ؟

(۱۷) اس بحث سے متعلق آخری آیت میں اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ:

''ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان قرار دیا تو کیا کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے''

بلا شک وشبہ قرآن میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں ہے تاثیر کی تمام شرائط اس میں جمع ہیں اس کے الفاظ شیریں اور پر کشش ہیں اس کی تعبیریں زندہ اور پر معنی ہیں اس کے خوف اور بشارتیں واضح اور صریح ہیں اس کی داستانیں حقیقت پر مبنی ہیں اس کے دلائل مضبوط ومستحکم ہیں اس کی منطق فصیح وبلیغ ومتین ہے خلاصہ یہ کہ جو کچھ کسی کلام کو پر تاثیر بنانے کے لئے ضروری ہے وہ اس میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی آمادگی رکھنے والا دل اس کی طرف جھکے گا تو وہ اس میں کشش محسوس کرے گا۔

اسلام کی طویل تاریخ میں قرآن کی اس عمیق تاثیر کے بارے میں کہ جو توجہ رکھنے والے دلوں میں موجود تھی اور اس امر (تاثیر) کی واضح شاہد تھی۔

(۱۸) كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ	قوم عاد نے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی تو اب دیکھو کہ میرا عذاب اور تخویف کیسے تھے۔
(۱۹) اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ	ایک منحوس اور طویل دن ہم نے ان کی طرف سرد، تیز اور وحشت ناک آندھی بھیجی۔

(۲۰)تَنۡزِعُ النَّاسَ ۙ کَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ	کہ جس نے لوگوں کو کھجور کے گھن کھائے ہوئے تنوں کی طرح اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکا۔
(۲۱)فَکَیۡفَ کَانَ عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ	(پس دیکھو) کہ میرا عذاب اور تخویف کس طرح کے تھے۔
(۲۲)وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ۬	ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان قرار دیا تو کیا کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے۔

تفسیر

اوراسی طرح قوم عاد کی سرگزشت

دوسری قوم کہ جس کی سرگزشت اس سورہ میں حضرت نوح کی سرگزشت کے بعد آئی ہے،''قوم عاد'' ہے قرآن کافروں اور مجرموں کو خبردار اور متنبہ کرنے کے لئے زیر بحث آیات میں مختصر طور پر اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:''قوم عاد نے بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی''

ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تبلیغ پر جتنا زیادہ زور دیتے اور مختلف طریقوں سے انہیں خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کرتے ان کی کج فہمی اور ہٹ دھرمی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا اپنی دولت وثروت کے غرور اور خواہشات میں مستغرق رہنے کی وجہ سے جو ان میں غفلت آگئی تھی اس کے باعث وہ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھ سے محروم ہو چکے تھے۔

آخرکار اللہ نے انہیں دردناک عذاب کی سزادی اسلئے اس آیت کے آخر میں پروردگار عالم اجمالی طور پر فرماتا ہے''کہ دیکھو میرا عذاب اور تخویف کس طرح کے تھے؟''

(۱۹)اس کے بعد والی آیت میں اس اجمال کی تفصیل پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ:

''ہم نے وحشت ناک، سرد اور تیز آندھی، ایک ایسے منحوس دن کہ جو بہت طویل تھا ،ان کی طرف بھیجی''۔

(۲۰)اس آیت میں اس تیز آندھی کی کیفیت کے بارے میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ''لوگوں کو گھن کھائے ہوئے کھجور کے تنوں کی طرح اکھاڑ دیا اور وہ ان کو ہر طرف پھینکتی تھی''۔

''اعجاز''،جمع ''عجز''، کسی چیز کا نچلا یا پچھلا حصہ ان لوگوں کو کھجوروں کے تنوں کے نچلے حصہ سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ وہ ہوا پہلے ان کے سروں اور ہاتھوں کو جدا کر کے اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی تھی اور اس کے بعد بدن کے باقی حصہ کو بے شاخ وبرگ کھجور کے

تنے کی طرح جاہے جس طرف پھینک دیتی تھی۔

(۲۱) اس کے بعد قرآن تنبیہ کے طور پر کہتا ہے: ''اب دیکھو کہ میرا عذاب اور میری تخویف کس طرح کی تھی'' ہم نے دوسری ایسی قوموں کے ساتھ کہ جنھوں نے تکذیب، کبر وغرور اور گناہ وعصیاں کا راستہ اختیار کیا تھا اس طرح کا سلوک کیا ہے تو تم اپنے بارے میں کیا سوچتے ہو کیونکہ تم بھی تو انہی کے راستے پر چل رہے ہو۔

(۲۲) پھر اس واقعہ کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان قرار دیا تو کیا کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے۔ کیا تم اللہ کی طرف سے آنے والی تنبیہ وتخویف کے لئے کوئی دیکھنے والی آنکھ رکھتے ہو''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ،فیکف کان عذابی ونذر کے جملے کی قوم عاد کے بارے میں تکرار ہوئی ہے یعنی وہ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اک تو اس سرگزشت کے بیان کے آغاز میں اور ایک مرتبہ اس کے آخر میں یہ بات غالباً اس لئے ہے کہ اس گروہ پر آنے والا عذاب دوسری قوموں پر آنے والے عذاب کی نسبت زیادہ شدید اور وحشت ناک تھا اگرچہ سارے عذاب شدید ہی ہوتے ہیں۔

نیک اور بد دن

نیک اور منحوس دن ان حادثات سے متعلق ہونے کی وجہ سے کہ جو ان دنوں میں واقع ہوئے ہیں۔

دنوں کے نیک وبد کی طرف توجہ کرنا نہ صرف یہ کہ انسان کے دل ودماغ کو تاریخی حوادث سے روشناس کراتا ہے بلکہ پروردگار عالم کی ذات والا صفات کے ساتھ توسل کرنے کی توفیق بھی بخشتا ہے نیز اس سے امداد طلبی کا درس دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم ایسی متعدد روایات پڑھتے ہیں کہ وہ ایام جن کو نحس قرار دیا گیا ہے ان میں ہمیں صدقہ دینے، دعا مانگنے اور پروردگار عالم سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم قرآن پاک کی تلاوت کریں، ذات اللہ پر توکل رکھیں صرف اسی صورت میں ہم اپنی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲۳) كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ	قوم ثمود نے بھی تخویف خدا کی تردید کی۔
(۲۴) فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ	اور کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے ہی ایک بشر کی پیروی کریں اور اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم جنون اور گمراہی کا شکار ہوں گے
(۲۵) ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ	کیا ہمارے درمیان صرف اس شخص پر وحی نازل ہوئی ہے؟ نہیں وہ بہت ہی جھوٹا ہے اور ہوس کا شکار ہے۔
(۲۶) سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ	لیکن کل انہیں معلوم ہوجائے گا کہ کون جھوٹا اور خواہش کا پرستار ہے۔

(۲۷)اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَ اصۡطَبِرۡ	ہم ناقہ (اونٹنی) کوان کی آزمائش کے لئے بھیجیں گےتو ان کے انجام کے انتظار میں رہ اورصبر کر۔
(۲۸)وَ نَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ	اور انہیں بتادے کہ بستی کا پانی ان کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے (ایک دن ناقہ کے لئے اور دوسرادن ان کے لیے) اور ہرایک کواپنے مقررہ وقت پرحاضر ہونا چاہئے
(۲۹)فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ	انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو پکارا وہ اس کام کے لئے آیا اور(ناقہ) کی کونچیں کاٹ دیں۔
(۳۰)فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَ نُذُرِ	اب دیکھوکہ میرا عذاب اورتخویف(تنبیہ) کیسے تھے۔
(۳۱)اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوۡا كَهَشِيۡمِ الۡمُحۡتَظِرِ	ہم نے ان کی طرف ایک چیخ بھیجی جس کے بعد وہ سب باڑے والے گھاس کی طرح چور چور ہو گئے
(۳۲)وَ لَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ	ہم نے قرآن کونصیحت کے لئے آسان کیا ہے پس کوئی ہے جونصیحت حاصل کرے؟

تفسیر

قوم ثمود کا دردناک انجام

وہ تیسری قوم کہ جس کی زندگی کی داستان مختصر طور پر درس عبرت کے عنوان سے گزشتہ مباحث کے بعد اس سورہ میں پیش ہوئی قوم ثمود ہے کہ جو سرزمین ''حجر'' میں کہ جو حجاز کے شمال میں واقع ہے رہائش پذیر تھے ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ وہ ہدایت پالیں لیکن ان کی تمام محنت رائگاں گئی۔

پروردگار عالم اس سلسلے میں پہلے فرماتا ہے کہ قوم ثمود نے بھی خدائی تنبیہ کی تکذیب کی اور اس کی طرف سے دئے جانے والے خوف کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

(۲۴)اس کے بعد پروردگار عالم ان لوگوں کی طرف سے جو تکذیب کی گئی اس کی علت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: انہوں نے کہا کیا ہم اپنی نوع کے ایک انسان کی پیروی کریں؟ اگر ایسا کریں تو گمراہی اور جنون میں مبتلا ہوں گے۔

جی ہاں! کبر وغرور، خود بینی وخود پسندی ان کے لئے انبیاء کی دعوت فکر کے مقابلہ میں ایک عظیم حجاب تھے انہوں نے کہا صالح ہم جیسا ہی ایک شخص ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی پیروی کریں یہ وہی اعتراض ہے کہ جو گمراہ امتیں زیادہ تر اپنے پیغمبروں پر کیا کرتی تھیں کہ وہ ہماری طرح کے افراد ہیں لہٰذا اللہ کے پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہیں۔

(۲۵) اس کے بعد وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر بفرض محال وحی الٰہی کسی انسان ہی پر نازل ہوتی ہے تو کیا ہمارے درمیان میں اسی کم حیثیت پر وحی نازل ہوئی ہے حالانکہ زیادہ جانے پہچانے مشہور اور دولت مند افراد مل سکتے تھے۔

حقیقت یہ تھی کہ قوم ثمود کی باتیں مشرکین مکہ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جو کبھی یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ ''پیغمبر کھانا کیوں کھاتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔ فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا جو اس کے ساتھ مل کر تخویف کا فرض انجام دیتا''۔ (فرقان۔۷)

اس کے بعد پروردگار عالم آیت کے آخر میں فرماتا ہے: انہوں نے اس موضوع کو اپنے پیغمبر صالح کے کذب کی دلیل قرار دیا اور کہا کہ وہ بہت جھوٹا، نفس پرست اور متکبر شخص ہے (بل ھو کذاب اشر) وہ اسلئے کہ وہ چاہتا ہے کہ ہم پر حکومت کرے اور ہر چیز اپنے قبضہ میں رکھے اور اپنی خوشی کے مطابق کام کرے۔

(۲۶) لیکن قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے ''کل ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ کونسا شخص جھوٹا اور نفس پرست ہے''۔ وہ وقت کہ جب عذاب الٰہی نازل ہوگا اور ان کی سرکوبی کرے گا اور ان کو ایک مشت خاک میں تبدیل کر دے گا اور ''موت کے بعد کا عذاب'' اس پر مستزاد ہوگا تو یہ سمجھ لیں گے کہ ان باتوں کا تعلق کس قسم کے افراد کے ساتھ ہو سکتا ہے اور یہ پوشاک کس کے جسم سے مناسبت رکھتی ہے۔

(۲۷) اس کے بعد پروردگار عالم صالح کے ناقہ کی جو ایک معجزہ تھا اور ان کی صداقت کی سند کے طور پر بھیجا گیا تھا، داستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''صالح کی طرف ہم نے وحی کی کہ ہم ناقہ کو ان کی آزمائش اور امتحان کے لئے بھیجیں گے لہٰذا آپ ان کے انجام کار کا انتظار کریں اور صبر سے کام لیں'' ''ناقہ'' وہی اونٹنی کہ جو حضرت صالح کے معجزہ کی حیثیت سے بھیجی گئی تھی کوئی عام اونٹنی نہیں تھی بلکہ معجزنما کیفیتوں کی حامل تھی مشہور روایتوں کی رو سے یہ اونٹنی پہاڑ کے ایک پتھر سے برآمد ہوئی تھی تاکہ وہ کج فہم اور ہٹ دھرم منکرین کے لئے ایک منہ بولتا معجزہ ثابت ہو۔

(۲۸) یہ امر بالکل واضح ہے کہ قوم ثمود اب ایک عظیم آزمائش میں ڈالی جانے والی تھی اس لئے بعد والی آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے: ''ہم نے صالح سے کہا کہ انہیں بتادے کہ بستی کا پانی ان کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے (ایک دن ناقہ کے لئے اور ایک دن بستی والوں کے لیے) اس طرح ایک فریق کو اپنے مقررہ دن پانی استعمال کرنا چاہئے اور دوسرے کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے''

اگرچہ قرآن نے اس سلسلہ میں اس سے زیادہ وضاحت نہیں کی لیکن بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ صالح کی اونٹنی کے پانی پینے کا جو دن ہوتا تھا اس دن وہ سارا پانی پی جاتی تھی لیکن بعض دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس کی ہیئت کذائی ایسی تھی کہ جس

وقت وہ پانی کے قریب آتی تو دوسرے جانور بھاگ جاتے تھے اور اس کے پاس نہیں پھٹکتے تھے لہٰذا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ایک دن پانی پینے کا حق اس اونٹنی کو دیا جائے اور دوسرے دن ان لوگوں کے اختیار میں ہو۔

(۲۹) بہر کیف اس سرکش ہٹ دھرم اور مفاد پرست قوم نے یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ ناقہ صالح کو ختم کردیں حالانکہ صالح انہیں خبردار کرچکے تھے کہ اگر انہوں نے ناقہ کوئی اذیت پہنچائی تو جلد ہی ان پر عذاب الٰہی نازل ہوجائے گا لیکن انہوں نے اس امر کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ''اپنے ایک ساتھی کو آواز دی وہ اس کام کے لئے آیا اور اس نے ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں''

(۳۰) اس آیت میں اس سرکش قوم پر آنے والے وحشت ناک عذاب کے ذکر کے لئے ایک تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے: ''اب دیکھو کہ میرا عذاب اور میری تخویف کس طرح کی تھی''۔

(۳۱) اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''ہم نے ان کی طرف ایک چیخ بھیجی جس کے نتیجے میں وہ ایسی خشک اور روندی ہوئی گھاس کی طرح ہوگئے کہ جس کو گڈریا اپنے جانوروں کے لئے باڑہ میں جمع کرتا ہے''۔

وہ مفہوم کہ جو اس آیت میں قوم ثمود پر نازل ہونے والے عذاب کو لئے ہوئے ہے بہت ہی عجیب اور پرمعنی ہے کیونکہ خداوندتعالیٰ نے اس سرکش قوم کو نیست و نابود کرنے کے لئے زمین یا آسمان سے لشکری ہرگز روانہ نہیں کئے صرف ایک آسمانی چیخ سے ایک ایسی آواز سے کہ جو کانوں کے پردے پھاڑ دے ایک پھاڑ دینے والی عظیم موج سے کہ جس نے اپنے راستے کی ہر چیز کو ایک وسیع و عریض چمک کی لپیٹ میں لے لیا ہوا نہیں کوٹ پیس کر رکھ دیا اور ختم کرڈالا۔

مذکورہ صورتحال گزشتہ لوگوں کے لئے ممکن ہے کہ مشکل ہو لیکن اس زمانے کے لوگوں کے لئے جو کسی چیز کے پھٹنے اور دھماکے سے پیدا ہونے والی ان موجوں کے اثرات سے باخبر ہیں جو اپنے دائرہ اثر میں آنے والی ہر چیز کو پیس کر رکھ دیتی ہیں، نہایت آسانی سے قابل فہم ہے ہاں البتہ عذاب الٰہی کی گڑگڑاہٹ کا انسانوں کے بنائے ہوئے بموں کی گڑگڑاہٹ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت کے پیش نظر ان لوگوں پر اس صاعقہ سے نازل ہونے والی مصیبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۳۲) اس آیت میں اس دردناک اور عبرت انگیز سرگزشت کے خاتمہ پر پروردگار عالم دوبارہ فرماتا ہے کہ:

''ہم نے قرآن کو تذکیر کے لئے آسان کیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے''

قرآن کے مفاہیم زندہ اور واضح ہیں اس کے واقعات اور داستانیں زبان حال سے گویا ہیں اور اس کی تخویف و تہدید دل ہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی ہے۔

(۳۳) كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ	قوم لوط نے اپنے پیغمبر کی طرف سے کی گئی تخویف کی پے درپے تکذیب کی۔

(۳۴)اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ نَجَّیۡنٰہُمۡ بِسَحَرٍ ۙ	ہم نے ان پر ایسی آندھی بھیجی کہ جو سنگریزوں کو اڑاتی تھی (اور ہم نے سب کو ہلاک کر دیا) سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ سحر کے وقت ہم نے ان کو نجات دی۔
(۳۵)نِّعۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ کَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ مَنۡ شَکَرَ	یہ نعمت تھی ہماری طرف سے ہم اس طرح شکر گزار کو جزا دیتے ہیں۔
(۳۶)وَ لَقَدۡ اَنۡذَرَہُمۡ بَطۡشَتَنَا فَتَمَارَوۡا بِالنُّذُرِ	اس نے انہیں ہماری سزاؤں سے ڈرایا لیکن وہ ایک تو شک سے کام لیتے تھے دوسرے جھگڑا کرتے تھے۔
(۳۷)وَ لَقَدۡ رَاوَدُوۡہُ عَنۡ ضَیۡفِہٖ فَطَمَسۡنَاۤ اَعۡیُنَہُمۡ فَذُوۡقُوۡا عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ	انہوں نے لوط سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے قبضہ میں دے دیں لیکن ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں اور انہیں نیست و نابود کر دیا (اور کہا کہ) ہمارے عذاب اور تخویف کا مزہ چکھو۔
(۳۸)وَ لَقَدۡ صَبَّحَہُمۡ بُکۡرَۃً عَذَابٌ مُّسۡتَقِرٌّ ۚ	آخر کار صبح کے وقت دن کے پہلے حصہ میں پائیدار اور واقعی عذاب ان پر آ پہنچا۔
(۳۹)فَذُوۡقُوۡا عَذَابِیۡ وَ نُذُرِ	(پھر ہم نے کہا) اب ہمارے عذاب اور تخویف کا مزہ چکھو۔
(۴۰)وَ لَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَہَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ۠	ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

تفسیر

قوم لوط زیادہ منحوس صورت حال سے دوچار ہوئی

ان آیتوں میں واقعہ قوم لوط اور گمراہ اور بے شرم گروہ پر نازل ہونے والے وحشت ناک عذاب کے بارے میں مختصر اور دل

ہلا دینے والے اشارے پائے جاتے ہیں۔

اس سورہ میں گزشتہ اقوام کی سرگزشت کا یہ چوتھا حصہ ہے۔

پروردگار عالم پہلے فرماتا ہے: ''قوم لوط نے اپنے پیغمبر کی پے در پے تخویف کی تردید کی''

(۳۴) اس آیت میں ایک مختصر سے جملے میں ان کے عذاب کے ایک گوشہ اور حضرت لوط کے گھر والوں کی نجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے ان پر وہ تیز آندھی کہ جو سنگریزوں کو اڑاتی تھی بھیجی' اور ان سب کو سنگریزوں کی اس بارش میں دفن کر دیا۔'' سوائے لوط کے خاندان کے کہ ہم نے ان کو سحر کے وقت اس سرزمین بلا سے نجات دی''

قرآن کی دوسری آیتوں میں جہاں قوم لوط پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر ہوتا ہے، اس زلزلے کے علاوہ کہ جس نے ان کے شہروں کو زیر وزبر کر کے رکھ دیا تھا پتھروں کی بارش کا بھی تذکرہ ہوتا ہے چنانچہ سورہ ھود کی آیت ۸۲ میں ہمیں ملتا ہے۔'' جس وقت ہمارا فرمان آگیا تو ہم نے اس شہر کو زیر وزبر کر دیا اور اس پر سخت اور پتھریلی مٹی کے پتھروں کی بارش کی''۔

(۳۵) اس آیت میں تاکید کے لئے ارشاد ہوا ہے۔'' خاندان لوط کی نجات ہماری طرف سے ایک نعمت تھی جی ہاں! اسی طرح اس شخص کو کہ جو شکر گزاری کرے ہم اجر دیتے ہیں''۔

(۳۶) اس آیت میں یہ حقیقت پیش کی گئی ہے کہ لوط نے پہلے سے ان پر اتمام حجت کر دیا تھا اور انہیں عذاب الٰہی سے آگاہ کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کی طرف سے کی جانے والی تنبیہ میں شک کیا اور وہ لڑنے جھگڑنے پر آمادہ رہے۔

(۳۷) انہوں نے لوگوں کے دلوں میں اعتقادات سے متعلق شبہات پیدا کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بدکاری و بے شرمی میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ جس وقت عذاب پر مامور فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں مہمانوں کی حیثیت سے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو یہ بے شرم گروہ ان کے پاس آیا اور جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے۔'' انہوں نے لوط سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے مہمان ان کی تحویل میں دے دیں''۔ حضرت لوط علیہ السلام اس بات پر بے حد پریشان ہوئے اور ان لوگوں سے اصرار کیا کہ وہ ان کی اتنی بے عزتی نہ کریں یہاں تک کہ سورہ حجر کی آیت ۷۱ کے مطابق ان سے وعدہ کیا کہ (ان بداعمالیوں سے توبہ کی صورت میں) اپنی لڑکیوں سے شادی ان سے کر دیں گے۔ یہ چیز اس مظلوم پیغمبر کی انتہائی مظلومیت کو ظاہر کرتی ہے کہ جو اس بے شرم اور بے ایمان قوم کی طرف سے ان کے لئے روا رکھی گئی، تھوڑی ہی دیر میں اس حملہ کرنے والے گروہ نے اپنی پہلی سزا پالی جیسا کہ اللہ اسی آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''ہم نے ان کی آنکھوں کو اندھا ہی نہیں کیا بلکہ غائب کر دیا اور ان سے کہا کہ میرے عذاب اور میری تخویف کا مزہ چکھو''

جی ہاں! یہ وہ مقام تھا کہ قادر مطلق نے اپنی عدالت کا کرشمہ دکھایا اور بعض مفسرین کے بقول جبرئیل کو حکم دیا کہ اپنے شہپر

ان سرکشوں کی آنکھوں پر ماریں جس کے نتیجے میں وہ فوراً نابینا ہوگئے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں بالکل غائب ہوگئیں۔

(۳۸) آخرکار انتہائی عذاب ان پر نازل ہوگیا ایک ایسا تباہ کن زلزلہ آیا کہ جس نے سورج کی پہلی شعاع کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہی ان کی زمین کو متزلزل کر کے رکھ دیا جس کے نتیجے میں ان کے شہر منہدم ہوکر رہ گئے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے اور وہ مٹی کے نیچے دب گئے ان کے سروں پر پتھروں کی شدید بارش ہوئی یہاں تک کہ ان کے ویرانوں کے نشانات بھی باقی نہ رہے جیسا کہ بعد والی آیت میں بڑے اختصار کے ساتھ اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے: ''آخرکار صبح کے وقت پائیدار اور واقعی عذاب ان پر نازل ہوا'' جی ہاں! مختصر سے لحات میں یہ سب چیزیں ختم ہوگئیں اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

(۳۹) اس کے بعد پروردگار عالم فرماتا ہے: اور یہ دوبارہ ان سے کہا گیا ہے: ''اب میرے عذاب اور میری تخویف کا مزہ چکھو'' تاکہ پھر کبھی پیغمبروں کی طرف سے کی ہوئی تنبیہ کو شک کی نظر سے نہ دیکھو۔

(۴۰) آخر میں زیر بحث آیات میں سے سب سے آخری آیت میں درج ذیل پر معنی اور ہوش میں لانے والے جملے کی چوتھی مرتبہ تکرار ہوئی ہے۔

''ہم نے قرآن کو تذکیر کے لئے آسان کیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے'' قوم لوط نے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی نہ تنبیہ سے نہ ابتدائی عذاب سے کیا ایسے دوسرے لوگ کہ جو اس قسم کے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں ان آیات قرآنی کی سماعت کے بعد اپنے ہوش میں آئیں گے اور گناہوں سے توبہ کریں گے؟

(۴۱) وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ	ہماری تنبیہیں آل فرعون کی طرف آئیں۔
(۴۲) كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ	لیکن ان سب نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ پس ہم نے ان کی گرفت کی اور ان پر عذاب نازل کیا۔
(۴۳) اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ	کیا تمہارے کفار ان سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لئے کتب آسمانی میں امان نامہ نازل ہوا ہے؟
(۴۴) اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ	یا یہ کہ وہ کہتے ہیں ہم ایک ایسی جماعت ہیں جو متحد، قوی اور کامیاب ہے۔
(۴۵) سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ	لیکن وہ جان لیں کہ ان کی جماعت عنقریب شکست کھا جائے گی اور وہ فرار کی راہ اختیار کرلیں گے۔

(۴۶)بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَ السَّاعَةُ اَدۡهٰی وَ اَمَرُّ	(اس کے علاوہ) قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت کا عذاب زیادہ ہولناک اور تلخ ہے۔

تفسیر

کیا تم گزشتہ اقوام سے افضل و برتر ہو؟

اس سلسلہ کلام میں پانچویں اور آخری جس قوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے وہ قوم فرعون ہے لیکن چونکہ اس قوم کی سرگزشت قرآن کی مختلف سورتوں میں تفصیلی طور پر آئی ہے لہٰذا یہاں صرف ایک مختصر لیکن بچا تلا اشارہ ان کی عبرت انگیز داستان کی طرف ہوا ہے پروردگا عالم ارشاد فرماتا ہے: ''ہماری تنبیہیں یکہ بعد دیگرے آل فرعون کی طرف آئیں'' آل فرعون سے مراد صرف فرعون کا خاندان اور اس سے وابستہ افراد نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ ان کے تمام پیروکاروں پر حاوی ہے۔

(۴۲) اللہ کے ان دو عظیم پیغمبروں کے مقابلے میں اور ان کی تہدید و تنبیہ کے مقابلے میں آل فرعون کا جو ردعمل ہے اس پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے:

''انہوں نے ہماری سب آیات کی تکذیب کی'' جی ہاں! ان خود پسند مغرور اور ظالم و جابر لوگوں نے بلا استثناء اللہ کی تمام آیتوں کی تکذیب کی ان کو جھوٹ، سحر یا اتفاقی حوادث بتایا۔

اگر انسان حقیقت کا متلاشی ہو تو ان معجزوں میں سے کسی ایک کا پہلے سے خوف محسوس کرتے ہوئے دیکھنا اور اس کے بعد اللہ کے پیغمبر کی دعا کے وسیلے سے مصیبت کا برطرف ہو جانا اس کے لئے کافی ہے لیکن جس وقت انسان بالکل ہی ہٹ دھرم بن جائے تو پھر آسمان و زمین سر سے پاؤں تک آیت اللہ بن جائیں تو بھی مؤثر نہیں ہو سکتے۔ صرف عذاب الٰہی کو آ کر ایسے پرغرور دماغوں کو کچلنا چاہئے چنانچہ زیر بحث آیت کے ذیل میں ہمیں ملتا ہے کہ ''ہم نے ان کی گرفت کی اور انہیں سزا دی۔ گرفت اس کی کہ جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور مقتدر و توانا ہے''

جو مفہوم اس واقعہ کے ذیل میں آیا ہے وہ تمام سرگزشتوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ وہ اس وجہ سے کہ فرعونی اپنی طاقت اور قوت پر سب سے زیادہ فخر و مباہات کرتے تھے اور ان کی اس قوت و طاقت کی ہر جگہ شہرت تھی پروردگار عالم فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی گرفت کی اور گرفت بھی خوب مضبوط تا کہ سب پر واضح ہو جائے کہ یہ عارضی اور مختصر سی طاقت اللہ کی عزت و قدرت کے مقابلہ میں بالکل کھوکھلی ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ باعث تعجب یہ ہے کہ وہی دریائے نیل جو ان کی طاقت و ثروت اور آبادی و تہذیب کا سرچشمہ تھا ان کی بربادی پر مامور ہوا۔ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ نہایت معمولی موجودات ٹڈی دل جوئیں اور مینڈک ان پر مسلط ہوئے اور انہوں نے انہیں اتنا تنگ کیا کہ لاچار کر کے رکھ دیا۔

(۴۳) گزشتہ قوموں کے واقعات اور سرکش و مجرم امتوں پر نازل ہونے والے عذاب کو بیان کرنے کے بعد اس سے اگلی

آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے: ''کیا تمہارے کفار گزشتہ کافروں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں امان نامہ نازل ہو چکا ہے''۔

قوم فرعون ونوح اور لوط وثمود اور تمہارے درمیان فرق کیا ہے۔ اگر وہ کفر، سرکشی، ظلم اور گناہ کی وجہ سے طوفان، زلزلوں اور صاعقوں میں گرفتار ہوئے تو پھر کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تم ایسے مصائب کا شکار نہیں ہو سکتے۔

(۴۴) یا یہ کہ وہ کہتے ہیں: ''کہ ہم متحد، متفق اور طاقتور جماعت ہیں اور ہم اپنے مخالفوں سے انتقام لیں گے اور ان پر کامیابی حاصل کریں گے''۔

(۴۵) اس کے بعد ایک قاطع اور دوٹوک پیشن گوئی کے عنوان سے ان کی باتوں کو رد کرتے ہوئے پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: ''وہ جان لیں کہ عنقریب ان کی جماعت شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوگی''

یہ پیشن گوئی میدان بدر میں اور دوسری جنگوں میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور کفار کا مضبوط اور طاقتور گروہ میدان جنگ سے ہزیمت خوردہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔

(۴۶) زیر بحث موضوع کے متعلق آخری آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے: ''صرف دنیا ہی میں شکست و ناکامی ان کا حصہ نہیں ہے بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور روز محشر کی سزائیں زیادہ سخت اور ہولناک ہیں''۔ اس اعتبار سے انہیں اس دنیا میں بھی شکست کی تلخی کا مزہ چکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور آخرت میں ان کے لئے زیادہ تلخ اور وحشت ناک شکست ہے۔

(۴۷) اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۘ	یقیناً مجرمین گمراہی اور آگ کے شعلوں میں ہیں۔
(۴۸) يَوۡمَ يُسۡحَبُوۡنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ	جس دن وہ جہنم کی آگ میں منہ کے بل گرائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) جہنم کی آگ کا مزہ چکھو۔
(۴۹) اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ	ہم نے ہر چیز کو مقدار اور اندازے کے ساتھ میں پیدا کیا ہے۔
(۵۰) وَ مَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۢ بِالۡبَصَرِ	اور ہمارا فرمان ایک امر سے زیادہ نہیں ہے ایک چشم زدن کی مانند۔
(۵۱) وَ لَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ	ہم نے ان لوگوں کو جو تمہارے مانند تھے ہلاک کیا۔ کیا کوئی ہے جو نصیحت پکڑے؟
(۵۲) وَ كُلُّ شَىۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِى الزُّبُرِ	اور جو کام انہوں نے کیا ان کے نامہ اعمال میں تحریر ہے۔

(۵۳)وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ	اور ہر چھوٹا بڑا کام لکھا جاتا ہے۔
(۵۴)اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ	پرہیز گار جنت کے باغات اور نہروں کے پاس جگہ رکھتے ہیں۔
(۵۵)فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ	وہ صدق کی جگہ میں خدائے مالک وقادر کے ہاں مقام رکھتے ہیں۔

تفسیر

مقام صدق میں خداوند مقتدر کے پاس

ان آیتوں میں قیامت کے دن مشرکین اور مجرموں کی جو کیفیت ہوگی اور جس کی بحث گزشتہ آیتوں میں تھی اسی کے بیان کو جاری رکھا گیا ہے۔گزشتہ آیتوں میں سے آخری آیت نے اس حقیقت کو پیش کیا تھا کہ قیامت کا دن ان کی وعدہ گاہ ہے اور وہ دن مصیبت کا دن ہے اور تلخی لئے ہوئے ہے ایسی تلخی کہ جو دنیا کی مصیبتوں اور شکستوں سے زیادہ تلخ ہوگی زیر بحث آیات میں سے پہلی آیت میں اس امر کی علت کو پیش کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے:

''مجرمین گمراہی اور آگ کے شعلوں میں ہیں''۔

(۴۸)''قیامت کے دن وہ جہنم کی آگ میں اپنے منہ کے بل کھینچے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو وہ دوزخ جس کا تم ہمیشہ انکار کرتے تھے اور اسے محض جھوٹ تصور کرتے تھے''۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ:

''سقر ایک درہ ہے اور یہ متکبر لوگوں کے لئے ہے۔یہ درہ جس وقت سانس لیتا ہے تو جہنم کو جلا دیتا ہے''۔

(۴۹)چونکہ یہ ہوسکتا تھا کہ یہ خیال ہو کہ یہ عذاب ان گناہوں سے متناسب نہیں ہے اس لئے اس آیت میں مزید فرماتا ہے:''ہم نے ہر چیز کو مقدار اور اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے''۔جی ہاں!ان کے اس دنیا کے دردناک عذاب کا بھی حساب کتاب ہے اور ان کو آخرت میں پہنچنے والی سزائیں ہی نہیں بلکہ ہر چیز کو اللہ نے حساب وکتاب کے ماتحت پیدا کیا ہے۔

(۵۰)اس کے بعد فرماتا ہے:'' نہ صرف ہمارے اعمال حکمت کی رو سے ہیں بلکہ انتہائی قدرت وقاطعیت کے ساتھ بھی ہیں کیونکہ ہمارا فرمان ایک امر سے زیادہ نہیں ہے اور وہ اتنی تیزی کے ساتھ تکمیل پاتا ہے جیسے پلک کا ایک مرتبہ جھپکنا''۔

اس بنا پر جس دن ہم قیامت کے برپا ہونے کا فرمان صادر کریں گے تو چشم زدن میں ہر چیز قیامت کی گرفت میں ہوگی اور

جسموں کے ڈھانچوں میں نئی زندگی پھونک دی جائے گی اس طرح جس روز ہم ارادہ کریں کہ مجرموں کو آسمانی بجلی کی چیخ یا زمین کے زلزلوں، طوفانوں اور تیز آندھیوں سے معذب کریں یا ان پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ رکھیں گے تو اس کے لئے ایک حکم سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵۱) اس آیت میں دوبارہ کفار و مجرمین کو مخاطب کرتے ہوئے اور گزشتہ اقوام کے حالات کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے: ''ہم نے گزشتہ زمانے میں کچھ افراد کو جو تمہارے ہی جیسے تھے ہلاک کیا۔ کیا کوئی ہے کہ جو نصیحت حاصل کرے''؟

یہ آیت دوبارہ اس حقیقت کی تاکید کرتی ہے کہ جب تمہارے اعمال، رفتار و گفتار اور عقائد ان کے عقائد وغیرہ مشترک ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تمہارا انجام ان کے انجام سے مختلف ہو۔ بیدار ہو جاؤ اور نصیحت حاصل کرو۔

(۵۲) اس کے بعد اس بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ گزشتہ اقوام کی موت کے ساتھ ان کے اعمال کالعدم نہیں ہو گئے بلکہ ''جو کام انہوں نے انجام دئے ہیں وہ ان کے نامہ اعمال میں مندرج ہیں''۔ اسی طرح تمہارے اعمال بھی مندرج و منضبط ہیں اور روز حساب کے لئے محفوظ ہیں۔

(۵۳) اس کے بعد تاکید مزید کے لئے خداوند فرماتا ہے: ''اور ہر چھوٹا بڑا کام بلا استثناء لکھا جائے گا''۔ اس بنا پر اس روز جو اعمال کا حساب و کتاب ہوگا وہ ایک جامع اور مکمل حساب ہوگا چنانچہ جس وقت مجرموں کا نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں دیا جائے گا تو وہ فریاد کریں گے کہ ''وائے ہو ہم پر یہ کیسی کتاب ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں درج نہ ہو''۔ (سورہ کہف آیت نمبر ۴۹)

(۵۴) قرآن مجید کی سنت یہ ہے کہ اس کے بیانات میں اچھے برے اور نیک و بد افراد ایک دوسرے کے موازنہ اور تقابل سے متعارف ہوتے ہیں اور موازنہ و تقابل کی صورت میں دونوں کا فرق بھی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ یہاں تک بھی کافر مجرموں کے احوال کے تذکرے کے بعد پرہیز گاروں کے مسرت بخش اور روح پرور احوال کی طرف ایک مختصر اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے: ''پرہیز گار جنت کے باغوں میں نہروں کے قریب وسیع فضا اور اللہ کے واضح فیض (کے مقام پر) جگہ رکھتے ہیں''۔

(۵۵) زیر بحث آیات کی آخری آیت نے کہ جو سورہ قمر کی بھی آخری آیت ہے متقین کی رہائش گاہ کی مزید وضاحت کی ہے پروردگار عالم فرماتا ہے: ''وہ جائے صدق و حق اور راستی میں مالک و قادر اللہ کے ہاں قرار و مقام رکھتے ہیں''۔

اس آیت میں پرہیز گاروں کی رہائش گاہ کی کیسی پرکشش اور جاذب توجہ توصیف ہے اس میں دو خصوصیتیں ہیں جن میں تمام امتیازات جمع ہیں پہلی تو یہ کہ وہ صدق کی جگہ ہے وہاں کسی قسم کی بے ہودگی یا باطل کا کوئی گزر نہیں ہے۔ وہ سراسر حق ہے بہشت کے بارے میں اللہ کے سارے وعدے حقیقت کا روپ دھار لیں گے اور ان کی سچائی بالکل واضح اور آشکار ہو گی دوسری خصوصیت یہ کہ وہ

اللہ کے قرب وجوار میں ہے وہی چیز کہ جو"عند" سے ظاہر ہوئی ہے۔ یہ قرب معنوی کی انتہا کی طرف اشارہ ہے۔قرب جسمانی کی طرف نہیں اور پھر اللہ کی نسبت کہ جو مالک بھی ہے اور قادر بھی ہر قسم کی نعمت وموہبت اس کے قبضہ میں ہے اور اس کی حکومت وملوکیت کے زیر فرمان ہے اس بنا پر وہ ان مہمانان گرامی کی پذیرائی میں کوئی کمی نہیں کرے گا وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے ان کے لئے کیا کیا نعمتیں فراہم کی ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان دو آیتوں میں کہ جہاں جنت کی نعمتوں اور جزاؤں کے بارے میں گفتگو ہے ان میں پہلے تذکرہ وسیع باغات اور جاری نہروں کا ہے یہ مادی نعمتیں ہیں پھر ان عظیم معنوی اجر کا ذکر ہے یعنی خدائے مالک وقادر کی بارگاہ میں حضوری کا تذکرہ۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ انسان کو حقائق کی طرف رفتہ رفتہ مائل کرے اس کی روح کو پرواز کرائے۔

سورہ قمر کا آغاز واختتام

قابل توجہ امر یہ ہے کہ سورہ قمر وحشت واضطراب اور قرب قیامت کی تنبیہ کے ساتھ شروع ہوا ہے اور وہ سکون وآرام مطلق کہ جو سچے مومنین کے لئے ملیک مقتدر کے پاس مقام صدق میں ہے اس کو بیان کرتے ہوئے اختتام پذیر ہورہا ہے۔تربیت کا مرحلہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ جو وحشت واضطراب سے شروع ہوتا ہے وار مکمل آرام وسکون پر ختم ہوتا ہے۔وہ افکار پریشاں کو جمع کرنے کے بعد سرکش خواہشات کو رام کرتا ہے انسان کے اندرونی خوف واضطراب سے گمراہی وفنا کے عوامل کو دور کرتا ہے اور اسے پروردگار عالم کے جوار ابدیت اور اس کی بارگاہ رحمت وقرب کے سکون واطمینان سے ہم آغوشی کا شرف بخشتا ہے۔

حقیقی طور پر اس طرف توجہ کرنے سے کہ پروردگار عالم ہستی میں غیر متنازع فیہ مالک اور مختار کل حاکم ہے اور اس پر توجہ کرنے سے کہ وہ صاحب اقتدار ہے اور اس کی قدرت ہر چیز میں نافع ہے، انسان کو بے مثل وبے نظیر سکون واطمینان قلب میسر آتا ہے۔

سورۂ رحمٰن

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ۷۸ آیتیں ہیں

سورۂ رحمٰن کا مضمون

یہ سورہ کلی طور پر اللہ کی ان مختلف مادی ومعنوی نعمتوں کو بیان کرتا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے ارزانی فرمائی ہیں اور انہیں ان میں محصور کیا ہے۔ان نعمتوں کا بیان اس انداز میں ہے کہ اس سورہ کا نام ''سورہ رحمت'' یا ''سورہ نعمت'' رکھا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے یہ سورہ ''الرحمٰن'' سے شروع ہوا کہ جو اللہ کا اسم مبارک ہے اور اس کی رحمت واسعہ کو بیان کرتا ہے اور ختم ہوا خدائے ذوالجلال واکرام پر فبا ی الاء ربکما تکذبان کا جملہ جس کے ذریعے اللہ نے اپنی نعمتوں کا اپنے بندوں سے اقرار لیا ہے اکتیس مرتبہ اس سورہ میں آیا ہے ایک لحاظ سے یہ سارا سورہ خداوند منان کی مختلف نعمتوں کا باہم پیوستہ ایک ہی حصہ ہے لیکن دوسرے لحاظ سے اس کے مضامین کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ : جو سورہ کا مقدمہ اور آغاز ہے یہ خدا کی عظیم نعمتوں، خلقت، تعلیم وتربیت، حساب ومیزان، انسان کے رفاہی وسائل وذرائع اور اس کی جسمانی وروحانی غذاؤں کی گفتگو کرتا ہے۔

دوسرا حصہ : جن وانس کی خلقت کی کیفیت کے مسئلہ کی ایک وضاحت ہے۔

تیسرا حصہ : زمین وآسمان میں جو اللہ کی آیات اور نشانیاں ہیں ان کو بیان کرتا ہے۔

چوتھا حصہ : یہاں دنیاوی نعمتوں سے آگے بڑھ کر دوسرے جہان کی نعمتوں کے بارے میں گفتگو ہے اسمیں دقت نظر اور شیرینی گفتار کے ساتھ جنت کی نعمتوں کی تمام جزئیات، عام اس سے کہ وہ باغات ہوں چشمے، پھل ہوں یا خوبصورت وباوفا ازواج یا انواع واقسام کے لباس، ان سب کی وضاحت کی ہے۔

اس سورہ کے پانچویں اور آخری حصہ میں مجرمین کے انجام کی طرف ایک مختصر اشارہ ہے اور ان کی دردناک سزا کا ذکر ہے چونکہ اس سورہ کی اساس وبنیاد رحمت الٰہی کا بیان ہے اس لئے اس آخری حصہ کی وضاحت نہیں کی گئی۔اس کے برعکس جنت کی نعمتوں کی تفصیل وتشریح اتنی وسعت کے ساتھ ہے کہ اس نے مومنین کے دلوں کو سرور مسرت سے ہمکنار کر دیا ہے اور غم واندوہ کے غبار کو ان کے دلوں سے دھوڈالا ہے اور کشت دل میں نہال شوق کی تخم ریزی کی ہے ''فبا ی الاء ربکما تکذبان'' کی تکرار نے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ہے اس سورہ کو جاذب نظر اور خوبصورت آہنگ بخشا ہے جب اس آہنگ کو اس کے خوبصورت مضامین کے ساتھ ملا دیا جائے تو حیران کن کشش محسوس ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت کوئی تعجب محسوس نہیں ہوتا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ایک حدیث نظر آتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لکل شئی عروس وعروس القراٰن سورہ الرحمن جل ذکرہ)

ہر ایک کے لئے عروس ہے اور عروس القرآن سورہ رحمٰن ہے۔

سورہ رحمٰن کی تلاوت کی فضیلت

چونکہ یہ سورہ نعمتوں کی شکرگزاری کے احساس کو انسانوں میں نہایت عمدہ انداز میں بیدار کرتا ہے اور دنیا و آخرت کے مادی ومعنوی مواہب کے بیان سے انسان کے شوق بندگی واطاعت میں اضافہ کرتا ہے اس لئے اس کی تلاوت کی فضیلتیں بھی بہت زیادہ بیان ہوئی ہیں تلاوت وہ کہ جو انسانی روح کی گہرائیوں میں نفوذ کرے اور احساس حقائق کے لئے تحریک کی باعث ہو نہ کہ صرف زبان تک محدود رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ:

''جو شخص سورہ رحمٰن کو پڑھے تو اللہ نعمتوں کا شکرادا کرنے کے سلسلہ میں اس کی کمزوری پر رحم کرے گا اور نعمتوں کی شکرگزاری کا حق کہ جو اسے عطا کی گئی ہیں، خود ادا کرے گا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

''جو شخص سورہ ''الرحمٰن'' کی تلاوت کرے جب وہ آیت **فبای الاء ربکما تکذبان** پڑھے تو کہے **لا بشئی من الائک رب اکذب** (یعنی خداوندا! میں تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتا) اگر وہ رات کو تلاوت کرے اور اسی شب انتقال کر جائے تو وہ شہید قرار پائے گا، اسی طرح اگر دن کو تلاوت کی ہو اور وہ اسی دن انتقال کر جائے تو بھی شہید قرار پائے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اَلرَّحۡمٰنُ ۙ	خداوند رحمٰن نے
(۲) عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ	قرآن کی تعلیم دی۔
(۳) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ	انسان کو خلق کیا۔
(۴) عَلَّمَهُ الۡبَیَانَ	اور اسے بیان کرنا سکھایا۔
(۵) اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۪	سورج اور چاند منظم حساب کے تحت گردش کرتے ہیں۔

(٦)وَّ النَّجمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدٰن	اورستارے اور درخت اسے سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر

اللہ کی نعمتوں کا آغاز

چونکہ یہ سورہ خدائے عظیم کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو بیان کرتا ہے اس لئے رحمٰن کے اس مقدس نام سے شروع ہوتا ہے کہ جو اس کی رحمت واسعہ کی رمز ہے۔ اگر اس میں رحمانیت کی صفت نہ ہوتی بلا امتیاز دوست ودشمن وہ اس قسم کا خوان نعمت نہ بچھاتا۔ اسی لئے فرماتا ہے: ''خداوند رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی''۔

وہ چیز جو بہت زیادہ قابل توجہ ہے، یہ ہے کہ پروردگار عالم تعلیم قرآن کی نعمت کے بیان ''کو خلقت انسان'' اور ''تعلیم بیان'' ان دونوں سے پہلے بیان فرماتا ہے۔ حالانکہ ترتیب طبعی کے لحاظ سے پہلے ''خلقت انسان'' کا پھر ''تعلیم بیان'' کا اور پھر تعلیم قرآن کی نعمت کا ذکر ہونا چاہئے تھا لیکن عظمت قرآن کا یہ تقاضا تھا کہ ترتیب طبعی کے برخلاف سب سے پہلے تعلیم قرآن کو موضوع گفتگو بنائے یہ آیت مشرکین عرب کے جواب کے طور پر ہے جب پیغمبر اسلام ﷺ نے مشرکین سے کہا کہ خدائے رحمٰن کو سجدہ کریں تو انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ: (وما الرحمن) ''رحمٰن کیا ہے'' (فرقان ٦٠) قرآن کہتا ہے ''خداوند رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی''۔ انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بیان کی تعلیم دی'' بہرکیف رحمٰن کا نام پروردگار عالم کے تمام ناموں کے مقابلہ میں ''اللہ'' کے بعد سب سے زیادہ مفہوم کا حامل ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ اللہ دو قسم کی رحمتوں کا مالک ہے ایک ''رحمت عام''، دوسری ''رحمت خاص'' رحمٰن کا نام اس کی اس رحمت عام کی طرف اشارہ ہے کہ جو اہل ایمان واطاعت کے حال پر ہے اور صرف ان کے لئے مخصوص ہے۔ اس وجہ سے رحمٰن کے نام کا اطلاق کبھی غیر اللہ پر نہیں ہوتا سوائے اس صورت کے کہ وہ فقط عبد کے ساتھ ہو۔ لیکن رحیم کی صفت دوسروں کے لئے بھی بولی جاتی ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی بھی رحمت عامہ کا مالک نہیں ہے۔ جہاں تک رحمت خاص کا تعلق ہے تو وہ کمزور شکل ہی میں سہی لیکن انسانوں اور دوسرے موجودات میں پائی جاتی ہے۔

یہ سوال کہ اللہ نے قران کی تعلیم کسے دی۔ چونکہ یہ سورہ جن وانس پر ہونے والی اللہ کی نعمتوں کو بیان کرتا ہے اس لئے اکتیس مرتبہ ان نعمتوں کے مباحث پیش کرنے کے بعد جن وانس سے سوال کرتا ہے کہ: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔ سب سے مناسب یہی تفسیر ہے کہ اللہ نے اپنے عظیم پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے جن وانس کو قرآن کی تعلیم دی۔

(٣) قرآن کی بے مثال نعمت کے تذکرے کے بعد اہم ترین نعمت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''انسان کو پیدا کیا''۔ یہاں انسان سے مراد نوع انسان ہے نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام۔ دوسری نعمت جو نعمت بیان ہے اور جس کا تذکرہ اس کے بعد ہے وہ بھی اس امر کی شاہد ہے کہ ''الانسان'' سے مراد عالم نوع انسانی ہے۔

''قرآن'' کے بعد ''انسان'' کے نام کا ذکر بھی قابل غور ہے کیونکہ قرآن تدوینی صورت میں اسرار ہستی کا مجموعہ ہے اور انسان تکوینی صورت میں ان اسرار کا خلاصہ ہے اور ان میں سے ہر ایک اس وسیع وعظیم عالم کا ایک نسخہ ''کتاب'' ہے۔

(۴) یہ آیت خلقت انسانی کی نعمت کے بعد ایک اہم ترین نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: ''اللہ نے اسے بیان کی تعلیم دی'' بیان لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایک وسیع معنی رکھتا ہے اور یہ ہر اس چیز کے لئے بولا جا سکتا ہے جو دوسری چیز کی مبتین اور واضح و آشکار کرنے والی ہو۔ اس بناء پر نہ صرف نطق اور سخن کے معنوں میں ہے بلکہ اس سے مراد کتابت، تحریر اور انواع واقسام کے عقلی ومنطقی استدلال بھی ہیں جو مختلف اور پیچیدہ مسائل کے واضح کرنے والے ہیں۔ وہ سب کے سب بیان کے مفہوم میں داخل ہیں اگرچہ معانی کے اس مجموعہ کی طرف اشارہ کرنے والی چیز وہی بات کرنا ہے۔ اگر ہم بیان کے نقوش اور اس کے اثرات، انسانی زندگی کے بتدریج ارتقاء اور تمدنوں کی تخلیق کو پیش نظر رکھیں تو ہم اس بات کا یقین حاصل کر لیں گے کہ بیان کی نعمت نہ ہوتی تو انسان اپنے علوم و تجربات کو آسانی کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل نہ کر سکتا اور وہ علم و دانش، تمدن اور اخلاق کی ترقی کا باعث نہ بنتا۔ اگر کبھی یہ نعمت انسان سے سلب کر لی جائے تو انسانی معاشرہ بڑی تیزی کے ساتھ تنزل کا شکار ہو جائے۔ اگر بیان کو اس کے وسیع معانی میں لیا جائے کہ جو تحریر و کتابت، انواع واقسام کے ہنر اور فنون پر حاوی ہے تو انسانی زندگی میں اس کے اثرات نہایت اہم انداز میں واضح ہو ں گے۔

(۵) اس کے بعد پروردگار عالم نے اپنی نعمتوں میں سے چوتھی نعمت کو موضوع گفتگو بنا کر فرمایا: ''چاند اور سورج ایک منظم حساب کے تحت گردش کرتے ہیں''۔

خود سورج کا وجود انسان کے لئے عظیم ترین نعمت ہے اور وہ اس لئے کہ اس سے حرارت اور نور حاصل کیے بغیر نظام شمسی میں زندہ رہنا غیر ممکن ہے۔ گھاس کا اگنا، بڑھنا، غذائی ذخیرے، بارشیں، ہواؤں کا چلنا، یہ سب اسی نعمت کی برکت کی وجہ سے ہے۔ چاند بھی حیات انسانی کے سلسلہ میں اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ علاوہ اس کے کہ چاند انسان کی تاریک راتوں کا چراغ ہے، وہ قوت جاذبہ کہ سمندروں کے مدوجزر کا سرچشمہ ہے سمندر سے متعلق زندگی کے باقی رہنے کا ایک بڑا سبب ہے اور بہت سے ساحلوں کو سیراب کرنے کا باعث ہے کہ دریا جن کی مجاورت میں سمندر میں گرجاتے ہیں۔

اس سب پر مستزاد یہ کہ یہ طے شدہ ہے کہ چاند اور سورج کی حرکت کا نظام (بالفاظ دیگر چاند کی گردش زمین کے گرد اور زمین کی گردش سورج کے گرد) رات اور دن، مہینے اور سال اور مختلف موسموں کی مرتب ومنظم تخلیق کا باعث ہے اور انسانوں کی زندگی، ان کی صنعتی، زرعی اور تجارتی امور کے لئے پروگرام بنانے کے نظم وضبط کا سبب ہے۔ اگر یہ منظم سفر نہ ہوتا تو انسانی زندگی کا نظام ہرگز تشکیل نہ پاتا۔

نہ صرف یہ کہ ان آسمانی کروں کی حرکت بہت دقیق نظام رکھتی ہے بلکہ ان کے اجسام اور قوت جاذبہ، زمین سے ان کا فاصلہ اور آپس میں ایک دوسرے سے فاصلہ، یہ سب از روئے حساب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ چیزیں ایک دوسرے سے متصادم ہو جائیں تو

نظام شمسی میں عظیم انقلابات برپا ہوجائیں اوراس کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی بھی درہم وبرہم ہوجائے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ سورج اگرچہ نظام شمسی کے وسط میں بظاہر بغیر کسی حرکت کے قائم ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ بھی اپنے تمام چاندستاروں کے ہمراہ اسی کہکشاں کے اندر جس سے وہ تعلق رکھتا ہے، معین نقطہ کی طرف حرکت کررہا ہے اوراس کی یہ حرکت بھی ایک معین تیزی وتنظیم رکھتی ہے۔

(۶) پانچویں عظیم نعمت کے سلسلے میں پروردگار عالم آسمان سے زمین کی طرف رخ کرکے فرماتا ہے: ''گھاس اور درخت اس کے لئے سجدہ کرتے ہیں''۔ نجم کبھی تو ستارہ کے معنی میں آتا ہے اور کبھی ایسی گھاس کے معنی میں آتا ہے جس کا کوئی تنا نہ ہو اور یہاں شجر کے قرینہ سے دسرے معنی ہی مراد ہیں، یعنی وہ گھاس جو تنے کے بغیر ہو۔

ہمیں معلوم ہے کہ انسانوں کا تمام مواد غذائی اس امتیاز کے ساتھ نباتات سے لیا گیا ہے کہ بعض کو تو انسان براہ راست اپنے مصرف میں لاتا ہے اور بعض نباتات اسے جانوروں کی غذا بنتے ہیں جو انسانوں کے غذائی مواد کا جز ہیں۔ یہ معنی دریائی جانوروں کے سلسلہ میں بھی صحیح طور پر منطبق ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی بہت سے ایسے چھوٹے نباتات سے غذا حاصل کرتے ہیں جو کروڑوں کی تعداد میں سمندر کے گوشہ وکنار میں سورج کی روشنی کے پرتو میں اگتے ہیں اور سمندروں کی موجوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ اس طرح نجم مختلف قسم کے چھوٹے اور رینگنے والے نباتات وغیرہ (مثلاً کدو اور کھیرے کے بوٹے) کو کہتے ہیں اور شجر مختلف قسم کے تنہ دار نباتات کو کہتے ہیں جیسے غلے اور میوہ دار درخت وغیرہ۔

اور ''یہ دونوں سجدہ کرتے ہیں'' کا مفہوم قوانین آفرینش کے مقابلہ میں انسانوں کی منفعت کے لئے ان دونوں کا بغیر کسی قید وشرط کے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ ضمنی طور پر یہ ان کے سر وحدت کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ اس طرح کہ نباتات کے ہر پتے اور ہر دانہ پر پروردگار عالم کی عظمت اوراس کے علم کی عجیب وغریب نشانیاں موجود ہیں۔

(۷)وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيزَانَ ۙ	اور (اللہ نے) آسمان کو بلند کیا اور (اس میں) میزان قرار دی۔
(۸)اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ	تم بھی میزان کی رعایت کرواوراس میں سرکشی نہ کرو۔
(۹)وَ اَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ	وزن کو عدل کی بنیاد پر قائم کرو اور میزان کو کم نہ رکھو۔
(۱۰)وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ	اورزمین کولوگوں کے نفع کیلئے پیدا کیا۔
(۱۱)فِيهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ	جس میں پھل اور شگوفوں سے پرنخلستان ہیں۔

(۱۲)وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ	اور ایسے دانے کہ جن میں تنے اور پتے ہیں جو کاہ اور خوشبودار گھاس کی شکل میں نکلتے ہیں۔
(۱۳)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تفسیر

آسمان کو بلند کیا اور ہر چیز کے لئے میزان قرار دی

یہ آیتیں گزشتہ بیان شدہ آیتوں کے ذکر کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ان آیتوں میں پروردگار عالم پانچ ایسی عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اہم ترین ہیں۔ یہاں پہلی آیت میں چھٹی نعمت کی طرف، کہ جو خلقت آسمان ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ نے آسمان کو بلند کیا''۔ آسمان سے اس آیت میں مراد چاہے اس کی اوپر والی جہت ہو چاہے ستارے یا زمین کی فضا کچھ بھی ہو وہ اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کے لئے زندگی گزارنا یا ناقص ہے یا محال ہے۔ جی ہاں! نور وروشنی جو گرمی، ہدایت، حیات اور حرکت کا سبب ہیں آسمان کی طرف سے آئے ہیں۔ بارش آسمان سے آئی ہے۔ نزول وحی بھی آسمان کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد پروردگار عالم ساتویں نعمت کا حوالہ دے کر فرماتا ہے: ''خدا نے میزان قرار دی'' (ووضع المیز ان) میزان ہر قسم کی ناپ تول کے پیمانے کو کہتے ہیں۔ باطل سے حق کا تقابل، ظلم وستم سے عدالت کا تقابل، قیمتوں کا تعین اور مختلف اجتماعی مرحلوں میں حقوق انسانی کا تعین، یہ سب چیزیں میزان ہیں۔ میزان قانون تکوینی اور دستور تشریعی کے معنی بھی رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ سب وسیلہ تقابل وتوازن ہیں۔

(۸) پروردگار عالم بعد والی آیت میں اس موضوع سے ایک پرکشش اور عمدہ نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتا ہے: کتنی پرکشش اور عمدہ تعبیر ہے جو کل عالم ہستی سے انسان کی طرف منتقل ہو رہی ہے اور عالم کبیر پر حکم چلانے والے قانون کو عالم صغیر یعنی انسانی زندگی پر جو حاکم ہیں، ان قوانین سے ہم آہنگ کر رہی ہے۔ یہ حقیقت توحید کہ تمام عالم پر حکومت کرنے والے اصول ایک ہی جیسے ہیں۔

(۹) دوبارہ مسئلہ عدالت اور وزن پر زور دیتے ہوئے فرماتا ہے ''تم وزن کو عدالت کی بنیاد پر قائم کرو اور میزان میں کسی قسم کی کمی نہ رکھو''۔

وزن کے خاص معنی پر زور دیتے ہوئے حکم نافذ کرتا ہے کہ چیزوں کی ناپ تول اور وزن کرتے وقت کسی قسم کی کمی نہ کرو اور کوئی کسر باقی نہ چھوڑو۔

انسانی زندگی میں میزان کی اہمیت اپنے تمام معانی کے اعتبار سے اس طرح ہے کہ محدود ترین مصداق یعنی ترازو چیزوں کے

تبادلے کے سلسلہ میں اگر ایک دن کے لئے درمیان سے ہٹادیں تو ہم جھگڑوں اور قضیوں کے کتنے دردسر میں مبتلا ہو جائیں گے۔اس اعتبار سے اس لفظ میزان کے جو لامحدود مفاہیم ہیں، اگر وہ اپنی جگہ باقی نہ رہیں تو ہمیں لامحدود پریشانیاں لاحق ہو جائیں۔

جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جو بعض روایات میں میزان سے مراد وجود امام لیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کا وجود مبارک حق وباطل کے تقابل وتعین اور تشخیص حقائق کا معیار ہے اور ہدایت کے لئے ایک مؤثر عامل ہے

اسی طرح میزان سے مراد اگر قرآن لیا جائے تو وہ بھی انہی معانی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) اس کے بعد پروردگار عالم آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع بناتا ہے اور فرماتا ہے: ''اللہ نے زمین کو انسانی زندگی کے لئے پیدا کیا ہے''۔

سورہ میں موجود قرائن اور جن وانس سے مخاطبت سے دونوں یہ بتاتے ہیں کہ اس سے یہاں مراد جن وانس ہی ہیں۔

(۱۱) اس آیت میں نویں اور دسویں ان نعمتوں کی طرف جو انسان کے مواد غذائی کے ایک حصہ کو تشکیل دیتی ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''زمین میں پھل اور شگوفوں سے پر نخلستان ہیں''۔

(۱۲) آخر میں اپنی گیارہویں اور بارہویں نعمت کے بارے میں یوں گفتگو فرماتا ہے: ''اور زمین میں دانے ہیں، ڈنٹھل اور پتوں کے ہمراہ جو کاہ کی شکل میں نکلتے ہیں اور اسی طرح خوشبودار گیاہ ونباتات''۔غذائی دانے انسانوں کی خوراک ہیں اور ان کے خشک وتر پتے ان حیوانوں کی خوراک ہیں کہ جو انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔جن کے دودھ، گوشت، کھال اور اون سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔تو اس طرح کوئی بھی چیز بیکار اور پھینک دینے کے قابل نہیں ہے۔دوسری طرف خوشبو، گیاہ اور پھولوں کو بھی زمین سے پیدا کیا ہے کہ جو مشام جاں کو معطر کرتے ہیں اور روح کو سکون ونشاط وآرام وسرخوشی عطا کرتے ہیں اور اس طرح اس نے انسان پر اپنی نعمتیں تمام کی ہیں۔

(۱۳) ان مادی اور معنوی مختلف قسم کی نعمتوں کے ذکر کے بعد آخری آیت میں جن وانس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''۔وہ نعمتیں جن میں سے ہر ایک دوسری سے گراں بہا اور قیمتی ہے اور وہ نعمتیں کہ جنہوں نے تمہاری ساری زندگی کا احاطہ کر رکھا ہے۔ان میں ہر ایک تمہارے پروردگار کی قدرت ولطف وکرم اور مہربانی کی نشانی ہے۔کس طرح ممکن ہے کہ تم اس کی تکذیب کرو۔یہ استفہام، استفہام تقریری ہے جسے اقرار لینے کے وقت زبان پر لاتے ہیں۔ایک روایت، جسے سورہ کی ابتداء میں ہم نے پیش کیا ہے، اس میں حکم دیا گیا ہے کہ اس جملہ کے بعد ہم عرض کریں ''پروردگار ہم تیری نعمتوں میں سے کسی کی تکذیب نہیں کرتے''۔

(۱۴) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ۙ	انسانوں کو ٹھیکری جیسے خشک شدہ گارے سے پیدا کیا
(۱۵) وَ خَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ ۚ	اور جنوں کو آگ کے ملے جلے متحرک شعلے سے۔

(۱۶)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۱۷)رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ	وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہے
(۱۸) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تفسیر

انسان کی خلقت ٹھیکری جیسی خاک سے ہوئی ہے

خدانے گزشتہ نعمتوں کے ذکر کے بعد جن میں انسان کی خلقت بھی تھی اور سربستہ شکل میں پیش کیا گیا تھا، زیر بحث آیات میں پہلے انسان اور جن کی خلقت کے بارے میں تشریح کی ہے۔تشریح بھی ایسی کہ جو اس کی قدرت کاملہ کی نشان دہی بھی ہے اور سب کے لئے درس عبرت بھی۔ پروردگار عالم فرماتا ہے''انسان کو ٹھیکری جیسے خشک شدہ گارے سے پیدا کیا''۔

قرآن میں درج مختلف آیتوں اور ان مفاہیم سے جو انسان کی ابتدائے آفرینش کے موضوع سے تعلق رکھتے ہیں یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ انسان شروع میں خاک تھا(سورہ حج۔۵) پھر اس کی پانی کے ساتھ آمیزش ہوئی اور کیچڑ کی شکل اختیار کرگیا(انعام۔۲)اور پھر''لجن'' بدبودار کیچڑ ہوگیا(حجر۔۲۸)اس کے بعد چپک جانے کی صورت اختیار کی (صافات۔۱۱) پھر منجمد شے کی شکل اختیار کی اور''صلصال کالفخار'' بن گیا۔آیہ زیر بحث ان مرحلوں نے بعد زمانے کے تقاضوں کے مطابق کس قدر طول کھینچا اور انسان نے ہر مرحلہ میں کس قدر توقف کیا اور یہ منتقل ہونے والے حالات کن اسباب وعوامل کے نتیجے میں وجود میں آئے، یہ ایسے مطالب ہیں کہ جو ہمارے علم ودانش سے پوشیدہ ہیں۔

(۱۵)اس کے بعد پروردگار عالم جنات کی خلقت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے''اور جنوں کو آگ کے مخلوط اور متحرک شعلوں سے پیدا کیا''۔

پھر ہمارے لئے یہ بات واضح نہیں ہے کہ''جن'' کی خلقت اس رنگ برنگی آگ سے کسطرح ہوئی جب کہ اس کی دوسری خصوصیتیں''صبح صادق''یعنی قرآن مجید اور وحی الٰہی کے حوالے سے ہم پر ثابت ہوئیں۔مجہولات کے مقابلے میں ہماری معلومات کا محدود ہونا ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ان حقائق کا،اس کے بعد کہ وہ وحی الٰہی سے ثابت ہوجائیں،انکار کریں یا نہیں نظرانداز کریں،خواہ ہمارا علم ان تک رسائی حاصل کرے یا نہ کرے۔

(۱۶) پھر ان نعمتوں کے بعد کے جو خلقت انسان کی ابتداء میں تھیں اس جملہ کی تکرار ہے کہ''اے گروہ جن وانس!تم اپنے

پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''۔

(۱۷)اس کے بعد والی آیت میں ایک اور نعمت کو پیش کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے''وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا پروردگار ہے''۔ یہ درست ہے کہ سورج سال کے ہرروز ایک نقطہ سے طلوع ہوکر دوسرے نقطہ پر غروب ہوتا ہے اور اس ترتیب کے اعتبار سے ایک مشرق اور ایک مغرب ہی بنتی ہے لیکن سورج کے حوالے سے زمین کے شمالی جھکاؤ اور جنوبی جھکاؤ کی حد اکثر کی طرف توجہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ فی الحقیقت دو مشرق ہیں اور دو مغرب اور باقی ان دونوں کے درمیان کا حصہ ہے

یہ نظام کہ جو حقیقت میں چار قسم کے بہت بابرکت موسموں کی خلقت کا سرچشمہ ہے، حقیقت میں ان آیتوں کی تکمیل وتائید ہے کہ جو پہلے آچکی ہیں۔اس مقام پر کہ جہاں چاند اور سورج کی گردش کے متعلق گفتگو ہے اسی طرح آسمانوں کی خلقت میں میزان کے وجود کی بات ہے۔مجموعی اعتبار سے وہ آیتیں زمین، چاند اور سورج کی خلقت اور حرکت کے دقیق نظاموں کے بیان پر مشتمل ہیں۔ ان میں ان نعمتوں اور برکتوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو ان وسائل سے انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

(۱۸)بہرحال اس نعمت کے ذکر کے بعد پھر اس نے جن وانس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ''اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''۔

(۱۹)مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ	دو مختلف سمندروں کو ایک دوسرے کے قریب قرار دیا درآنحالیکہ وہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔
(۲۰)بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ	لیکن دونوں کے درمیان ایک برزخ ہے کہ وہ ایکدوسرے پر غلبہ نہیں کرتے۔
(۲۱)فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟
(۲۲)يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ۚ	ان دونوں میں سے لولو اور مرجان نکلتے ہیں۔
(۲۳)فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟
(۲۴)وَ لَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ	اور اس کے لئے بنی ہوئی کشتیاں ہیں کہ جو پہاڑ کی طرح سمندر میں چلتی ہیں۔

(۲۵)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟

تفسیر

سمندر اپنے گراں بہا ذخائر کے ساتھ

پروردگار عالم اپنی نعمتوں کے تذکرے کی تشریح کو جاری رکھتے ہوئے سمندروں کی بات کرتا ہے لیکن سب سمندروں کی نہیں بلکہ چند سمندروں کی ایک کیفیت خاص کی بات کہ جو ایک عجیب سی چیز ہے اور اللہ کی لامحدود قدرت کی نشانی بھی ہے اور بعض مفید انسانیت چیزوں کے ظاہر ہونے کا وسیلہ بھی۔فرماتا ہے: ''لیکن ان دونوں کے درمیان ایک دیوار ہے جو ایک دوسرے پر غلبہ کی راہ میں رکاوٹ ہے''۔

(۲۰)''بینھما برزخ لایبغیان''''مرج'' بروزن ''فلج'' کا مادہ خلط ملط کرنے یا بھیجنے اور چھوڑنے کے معنی میں ہے اور یہاں ''بینھما برزخ لا یبغیان'' کے جملے کے قرینے سے بھیجنے اور ایک دوسرے کے ساتھ قرار دینے کے معنی میں ہے۔ان دوسمندروں سے مراد،سورہ فرقان کی آیت ۵۳ کی گواہی کے مطابق، میٹھے اور کھاری پانی والے دو سمندر ہیں، جہاں پروردگار عالم فرماتا ہے''وہی ہے کہ جس نے دوسمندر ایک دوسرے کے پاس قرار دیئے جن میں سے ایک کا پانی میٹھا اور دوسرے کا کھاری۔اس نے ان دونوں کے درمیان ایک برزخ قرار دیا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مل نہ جائیں

آب شیریں کے بڑے دریا اور نہریں جس وقت سمندروں میں گرتے ہیں تو عام طور پر ساحل کے قریب آب شیریں کا سمندر تشکیل پاتا ہے اور وہ آب تلخ کو پرے دھکیل دیتا ہے۔تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ دو میٹھے اور کھاری سمندر پتلے اور گاڑھے ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہوائی جہاز کے سفر کے دوران ایسے علاقوں میں کہ جہاں یہ دریا سمندر میں گرتے ہیں ایسے میٹھے اور کھاری سمندروں کا منظر، جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں اور اس کے باوجود ایک دوسرے سے جدا ہیں، بلندی سے صاف طور پر نظر آتا ہے۔

(۲۱)پروردگار عالم ایک مرتبہ پھر اپنے بندوں کو مخاطب کرکے ان نعمتوں کے حوالے سے ان سے سوال کرتا ہے اور فرماتا ہے''پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟''۔

(۲۲)پھر اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے''ان دونوں سمندروں سے لؤلؤ و مرجان نکلتے ہیں''۔

(۲۳)پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟۔

لؤلؤ جسے فارسی میں مروارید کہتے ہیں، وہ صاف وشفاف قیمتی موتی ہوتا ہے کہ جو دریا کی تہہ اور سمندر کی گہرائی میں بطن صدف میں پرورش پاتا ہے۔وہ جتنا موٹا ہو اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

''مرجان'' درخت کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کی مانند ایک زندہ وجود ہوتا ہے جو سمندروں کی گہرائی میں درخت کی طرح اگتا ہے۔ماہرین ایک عرصہ تک اسے ایک قسم کی گھاس سمجھتے رہے لیکن بعد میں واضح ہوا کہ وہ ایک قسم کا جانور ہے۔وہ مرجان جو زیب وزینت کے کام آتا ہے،سرخ رنگ کا ہوتا ہے وہ جتنا زیادہ سرخ ہوا تنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

(۲۴)نعمتوں کی بحث کے اس حصہ کو جاری رکھتے ہوئے کشتیوں کی طرف، کہ جو گزشتہ زمانے میں بھی اور زمانہ حال میں بھی انسانوں کے لئے حمل ونقل کے وسائل میں سب سے اہم ذریعہ ہیں، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے''اور اللہ ہی کے لئے ہیں وہ کشتیاں جو سمندر میں چلتی ہیں اور پہاڑ معلوم ہوتی ہیں''۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ عین اس وقت کہ جب منشات کی تعبیر کے سلسلہ میں انسان کے ہاتھ سے کشتی بنائے جانے کی بات کررہا ہے تو فرماتا ہے (ولہ) ''اللہ کے لئے ہے'' یہ اسطرف اشارہ ہے کہ کشتی کے ایجاد کرنے والے اور بنانے والے اللہ کی عطا کی ہوئی ان مختلف خصوصیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو کشتی سے استفادہ کے لئے ضروری ہیں۔اس طرح وہ دریاؤں اور سمندروں کے سیال ہونے کی خاصیت سے اور ہواؤں کے چلنے کی قوت سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔وہ اللہ ہی ہے جس نے ان چیزوں میں، سمندر میں اور ہوا میں یہ خواص وآثار ودیعت کئے ہیں۔

(۲۵)دوبارہ اسی پر معنی سوال کی تکرار کرتے ہوئے فرماتا ہے''پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟''۔

(۲۶)كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ج صلے	وہ تمام لوگ کہ جو اس زمین پر ہیں فنا ہو جائیں گے۔
(۲۷)وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ج	اور صرف تیرے پروردگار کی ذات ذوالجلال والاکرام باقی رہ جائے گی۔
(۲۸)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟
(۲۹)يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ج	تمام وہ لوگ جو آسمان اور زمین میں ہیں اس سے سوال کرتے ہیں جبکہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔
(۳۰)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟

تفسیر

سب فانی ہیں اور بقا صرف اللہ کے لئے ہے

اپنی نعمت کو جاری رکھتے ہوئے ان آیتوں میں مزید فرماتا ہے:''تمام وہ لوگ کہ جو زمین پر زندگی بسر کررہے ہیں فنا ہو جائیں گے۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسئلہ فنا اللہ کی نعمتوں میں کس طرح شمار ہوسکتا ہے۔ممکن ہے کہ اس اعتبار سے ہو کہ اس فنا

سے مراد فنائے مطلق نہیں ہے بلکہ یہ عالم بقا کے لئے ایک دریچے کا کام دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا دالان اور گزرگاہ ہے کہ جس کو عبور کرنا سرائے تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔

یا پھر فنا کا ذکر اس نقطہ نظر سے کیا گیا ہے کہ گزشتہ نعمتوں کا بیان، ممکن ہے ایک گروہ کے لئے اکل وشرب کی چیزوں، لولوومرجان اور سواریوں میں مستغرق ہونے کا باعث بن جائے۔ لہٰذا یاد دلاتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان چیزوں میں دل لگا بیٹھو اور اپنے رب کی راہ میں ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یہ یاد دلانا بھی بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

(۲۷) اس کے بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: ''صرف تیرے پروردگار کی ذات ذوالجلال والاکرام باقی رہ جائے گی۔ نعمت کے اعتبار سے وجہ کے معنی چہرے کے ہیں۔ کسی شخص سے جب ہمارا آمنا سامنا ہو اور ہم اس سے ملاقات کریں تو ہم اس کے روبرو ہوتے ہیں لیکن جب یہ لفظ اللہ کے لئے استعمال ہو تو پھر مراد اس کی ذات پاک ہی ہوتی ہے۔

باقی رہا ذوالجلال والاکرام کہ جو ''وجهه'' کی صفت ہے اس سے اللہ کی صفات جلال و جمال کی طرف اشارہ ہے۔ ''ذوالجلال'' ایسی صفات کی خبر دیتا ہے کہ جن سے اللہ جل وبرتر ہے (صفات سلبیہ) اور ''اکرام'' ایسی صفتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو کسی چیز کے حسن اور قدر وقیمت کو واضح کرتی ہیں اور وہ اللہ کی صفات ثبوتیہ ہیں، مثلاً اس کا علم، قدرت اور حیات تو اس بنا پر اس مجموعہ کے معنی یہ ہوں گے کہ صرف خدا کی وہ ذات پاک، کہ جو صفات ثبوتیہ سے متصف اور صفات سلبیہ سے مرادمنزہ ہے، اس عالم میں برقرار رہے گی۔

(۲۸) پروردگار عالم پھر ایک مرتبہ اپنی مخلوق کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے''۔

(۲۹) اس سے بعد والی آیت کا نفس مضمون قبل کی آیتوں کا نتیجہ ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے: ''وہ تمام کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اپنی حاجتیں اسی سے طلب کرتے ہیں اور اسی سے سوال کرتے ہیں''۔ ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ وہ سب فنا ہونے والے ہیں اور اللہ باقی ہے۔

اگر ایک لمحے کے لئے وہ اپنا لطف وکرم کائنات سے اٹھالے ''تو سب فنا ہو جائیں''۔ ان حالات میں اس کے علاوہ کوئی ہے کہ جس سے اہل زمین اور اہل آسمان سوال کریں۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اللہ ہر روز ایک نئی شان اور نئے کام میں ہے''۔ جی ہاں اس کی تخلیق دائم و مستمر ہے۔ اور سوال کرنے والوں اور صاحبان حاجات کو جواب دینا بھی اسی طرح ہے اور وہ ہر روز ایک نئی طرح ڈالتا ہے۔ ایک دن وہ کچھ قوموں کو طاقت وقدرت عطا کرتا ہے، دوسرے دن انہیں زوال کا شکار بنا دیتا ہے، ایک روز صحت وسلامتی و جوانی عطا فرماتا ہے دوسرے دن ضعف وناتوانی، ایک دن دل سے غم واندوہ دور کرتا ہے، دوسرے دن غم واندوہ کا سبب پیدا کر دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ ہر روز حکمت و نظام احسن کے مطابق کوئی نئی مخلوق نیا موجود اور نیا حادثہ وجود میں لاتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اگر توجہ کی جائے تو وہ ہم پر یہ واضح کر دینے کے لئے کافی ہے کہ ایک تو ہماری حاجتیں دائمی طور پر اس کی ذات پاک سے وابستہ ہیں۔ دوسرے اس طرح ہمارے دل مایوسی کا

شکار ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ توجہ ہماری غفلت اور غرور کو ختم کرتی ہے۔

(۳۰) پروردگار عالم پھر اس نعمت مستقل اور تمام مخلوقات آسمان و زمین کی حاجتوں کی جواب دہی کے بعد فرماتا ہے: ''تم اللہ کی کس کس نعمت کی تکذیب کرتے ہو''۔

(۳۱) سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۚ	اے گروہ جن وانس عنقریب ہم تمہارا احتساب کریں گے۔
(۳۲) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟
(۳۳) يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ	اگر تم سے ہو سکے تو زمین وآسمان کی سرحدوں سے نکل جاؤ مگر تم ہرگز قدرت نہیں رکھتے مگر سوائے (خدائی) قوت کے ساتھ۔
(۳۴) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟
(۳۵) يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ	وہ دھویں سے خالی آگ کے اور کم رفتار (اور بہت) دھویں والی آگ کے شعلے تمہاری طرف بھیجے گا اور تم کسی سے مدد طلب نہیں کرسکو گے۔
(۳۶) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟

تفسیر

اگر قدرت رکھتے ہو تو آسمان وزمین کی سرحدوں سے آگے نکل جاؤ

جو نعمتیں اب تک اس سورہ میں پیش کی گئی ہیں وہ اسی دنیا سے تعلق رکھتی تھیں لیکن زیر بحث آیتوں میں قیامت کے حساب کتاب اور معاد کی بعض دوسری ضرورتوں کے بارے میں گفتگو ہے جو مجرموں کے لئے تہدید ہے اور مومنین کے لئے نہ صرف تربیت آگاہی اور بیداری کا وسیلہ ہے بلکہ تشویق وحوصلہ افزائی کا ذریعہ بھی ہے۔ اسی بنا پر یہ نعمت شمار ہوتی ہے۔ اس لئے ہر ایک کے بیان کے

بعد،اسی سوال کی کہ جونعمتوں کے بارے میں ہے، پروردگار عالم تکرار کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے۔

''اے جن وانس ہم عنقریب تمہارا حساب کریں گے''۔

جی ہاں! اس دن خداوند قادر جن وانس کے تمام اعمال، گفتار اور نیتوں کا نہایت باریک بینی سے حساب کرے گا اور ان کے لئے مناسب جزا وسزا تجویز کرے گا۔

(۳۲) اس مفہوم کو بیان کرنے کے بعد دوبارہ اس سوال کی تکرار کرتا ہے! ''تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۳۳) گزشتہ آیت کہ جو اللہ کی طرف سے کیے جانے والے احتساب کے مسئلہ کو پیش کرتی ہے۔اس کے بعد پروردگار عالم ایک مرتبہ جن وانس کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''تم چاہو کہ اللہ کی طرف سے دی جانے والی سزا سے بچ سکو تو اگر ایسی قوت رکھتے ہو تو آسمان اور زمین کی سرحدوں سے نکل جاؤ اور اللہ کے احاطہ قدرت سے باہر ہو جاؤ لیکن تم اس کام پر ہرگز قادر نہیں ہو سوائے اس کے کہ خدائی قوت وطاقت تمہیں حاصل ہو اور یہ خدائی قوت تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔اس طرح تم ہرگز اللہ کی عدالت، انصاف اور اس کے حکم سے صادر شدہ سزاؤں سے فرار کی قدرت وتوانائی نہیں رکھتے۔ جہاں کہیں جاؤ گے اللہ کا ملک ملے گا اور جہاں کہیں رہو گے وہ اس کی حکومت کا مقام ہے۔ جی ہاں! یہ ضعیف وناتواں مخلوق قدرت اللہ کے میدان سے بھاگ کر کہاں جا سکتی ہے۔حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام دعائے کمیل میں فرماتے ہیں: **ولا یمکن الفرار من حکومتک۔**

محسوس ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی قیامت میں عدالت الٰہی کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے متعلق ہے۔

ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ

''قیامت کے دن اللہ تمام بندوں کو ایک ہی مقام پر جمع کرے گا اور آسمان اول کے فرشتوں کو حکم دے گا کہ نیچے اتر آؤ۔ وہ فرشتے جو روئے زمین پر بسنے والے جن وانس سے تعداد میں دوگنے ہیں نیچے اتر آئیں گے۔اس کے بعد دوسرے آسمان کے فرشتے بھی کہ جو اتنی ہی تعداد میں ہیں نیچے اتر آئیں گے۔اس طرح سات کے سات آسمانوں کے فرشتے اتر آئیں گے اور سات پردوں کی مانند جن وانس کا چاروں طرف سے احاطہ کرلیں گے۔ یہ وہ مقام ہے کہ منادی ندا دے گا کہ اے جن وانس کی جمعیت اگر ہو سکتا ہو تو آسمانوں اور زمین کے اطراف سے نکل جاؤ۔تم قدرت الٰہی کے بغیر ہرگز نہیں نکل سکتے۔اور تم یہاں دیکھ رہے ہو کہ ان اطراف کو فرشتوں کے ساتھ عظیم گواہوں نے گھیر رکھا ہے۔(اب عدالت کے شکنجے سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے)''۔

(۳۴) یہاں پھر دونوں گروہوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔ یہ ٹھیک

ہے کہ مذکورہ بالا تہدید بظاہر سزا و عذاب الٰہی کے سلسلہ کی بات ہے۔ لیکن چونکہ اس کا ذکر تمام انسانوں کے لئے تنبیہ ہے اور اصلاح و تربیت کا سبب ہے، لہٰذا قدرتی طور پر نعمت ہے۔ بنیادی طور پر حساب و کتاب کا وجود کسی بھی نظام میں ایک نعمت ہی ہے کیونکہ اس کی بنا پر سب کا حساب کتاب ہوگا۔

(۳۵) اس کے بعد والی آیت جن و انس کے عدالت الٰہی کے شکنجے سے فرار کے سلسلہ میں اور ان کے عدم اختیار کے بارے میں، جو کچھ قبل کی آیت میں آیا تھا، اس کی تاکید کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: بغیر دھویں کی آگ اور بہت سا تہہ بہ تہہ دھواں تمہاری طرف بھیجے گا (اور اس طرح سے تمہیں ہر طرف سے گھیر لے گا کہ کوئی راہ فرار نہیں ہوگی)۔ اس وقت تم کسی سے مدد طلب نہیں کر سکو گے۔ ایک طرف تمہارا فرشتوں نے احاطہ کر رکھا ہے اور دوسری طرف آگ کے گرم اور جلانے والے شعلوں اور تیرہ و تار دم گھوٹنے والے دھویں نے اطراف محشر کو گھیرا ہوا ہے اور بھاگنے کے لئے کوئی راہ نہیں ہے۔

(۳۶) پھر ایک مرتبہ فرماتا ہے: اے گروہ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہاں بھی ان آیات کو مبنی بر نعمت کہنا اسی استدلال کی بنا پر ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

(۳۷) فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ	جس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور پگھلے ہوئے روغن کی طرح سرخ ہو جائے گا۔
(۳۸) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟
(۳۹) فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ۚ	اس دن جن و انس میں سے کسی سے اس کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔
(۴۰) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن و انس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟
(۴۱) يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ۚ	بلکہ مجرمین اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے۔ اس وقت ان کے سر کے اگلے بال اور پاؤں پکڑ لئے جائیں گے (اور وہ دوزخ میں پھینک دیے جائیں گے)۔

(۴۲) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟
(۴۳) ھٰذِہٖ جَھَنَّمُ الَّتِیۡ یُکَذِّبُ بِھَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ	(کفار سے کہا جائے گا) یہ وہی دوزخ ہے کہ مجرم جس کا انکار کرتے تھے۔
(۴۴) یَطُوۡفُوۡنَ بَیۡنَھَا وَ بَیۡنَ حَمِیۡمٍ اٰنٍ	آج دوزخ اور اس جلانے والے پانی کے درمیان وہ آمدورفت رکھتے ہیں۔
(۴۵) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	اے گروہِ جن وانس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟

تفسیر

گنہگار اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے

گزشتہ آیتوں کے تتبع میں کہ جو قیامت کے بعض حوادث کو بیان کرتی تھیں یہ آیتیں بھی اسی طرح اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے قیامت کے منظر کی کچھ خصوصیات اور حساب وکتاب کی کیفیت اور عذاب وسزا کے بیان پر مبنی ہیں۔ پروردگار عالم پہلے فرماتا ہے: ''جس وقت کہ آسمان شگافتہ ہوکر پگھلے ہوے روغن کی طرح گلگوں ہوجائے تو ہولناک حوادث واقع ہوں گے جن کے تحمل کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی۔''

قیامت سے تعلق رکھنے والی تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دن دنیا کا موجودہ نظام کلی طور پر درہم وبرہم ہوجائے گا اور دنیا میں بہت ہی ہولناک حوادث رونما ہوں گے۔ ستارے، سیارے، زمین، آسمان سب تلپٹ ہوجائیں گے اور وہ مسائل کہ جن کا تصور آج ہمارے لئے مشکل ہے، درپیش ہوں گے۔ منجمہ ان مسائل کے کہ جو مذکورہ بالا آیات میں آئے ہیں یہ ہے کہ آسمانی کرے شق ہوجائیں گے اور سرخ رنگ کے روغن کی طرح پگھلی ہوئی شکل اختیار کرلیں گے۔

(۳۸) چونکہ میدان قیامت میں یا اس سے پہلے ان ہولناک حوادث کے وقوع کی خبر دینا مجرمین ومومنین کے لئے تنبیہہ ہے لہٰذا الطاف الٰہی میں سے ایک لطف ہے۔ اسی بنا پر سابقہ جملے کی تکرار ہوتی ہے اور پروردگار عالم فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔

(۳۹)اس آیت میں قیامت کے حوادث تکوینی کی وجہ سے اس روز گنہگار انسان کی جو حالت ہوگی اس کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: اس دن جن وانس میں سے کسی شخص سے بھی اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔سوال کیوں نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہر چیز اس دن واضح اور آشکار ہوگی۔وہ یوم البروز ہے۔ ہر انسان کے اعمال اس کے چہرہ سے ظاہر ہوں گے۔

قیامت ایک بہت طویل دن ہے اور انسان کو متعدد مواقف اور گزر گاہوں میں سے گزرنا ہے اور ہر منظر و موقف میں ایک مدت تک ٹھہرنا ہے بعض روایات کے مطابق پچاس مواقف میں۔ان میں سے بعض مواقع میں بالکل سوال نہیں ہوگا۔

(۴۰) پھر اس کے تتبع میں سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے''۔

(۴۱) جی ہاں اس دن سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے۔ایک گروہ ایسا ہوگا کہ جن کے چہرے نورانی اور درخشاں ہوں گے جو ان کے ایمان و عمل صالح پر دلالت کرتے ہوں گے۔دوسرا گروہ سیاہ، تاریک اور قبیح چہروں والا ہوگا جو ان کے کفر اور گناہ کی علامتیں ہیں جیسا کہ سورہ ''عبس'' کی آیت ۳۸ تا ۴۱ میں ہمیں ملتا ہے۔اس دن نورانی اور درخشاں چہرے بھی ہوں گے اور تاریک چہرے بھی کہ جنہیں خاص قسم کی سیاہی نے گھیر رکھا ہوگا۔اس کے بعد فرماتا ہے:''اس کے بعد سر کے آگے کے بال اور پاؤں پکڑے جائیں گے اور انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

مجرموں کے سروں کے اگلے بالوں اور پاؤں کا پکڑنا ہوسکتا ہے کہ حقیقی معافی کے اعتبار سے ہو کہ مامورین من اللہ ان دو چیزوں کو پکڑ کر زمین سے اٹھا کر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیں گے۔یا یہ مجرمین کے انتہائی ضعف و ناتوانی کے ساتھ مامورین من اللہ کی گرفت میں آنے کا کنایہ ہے کیونکہ وہ مجرمین اس گروہ کو انتہائی ذلت سے جہنم کی طرف لے جائیں گے اور وہ منظر کیا ہی دردناک اور وحشت ناک ہوگا۔

(۴۲) کیونکہ معاد کے سلسلہ میں ان چیزوں کا یاد دلانا تنبیہہ ہونے کی وجہ سے سب کے لئے ایک نوازش ہے، لہٰذا سب کو مخاطب کر کے مزید کہتا ہے:''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے''۔

(۴۳)اس کے بعد کی آیت میں فرماتا ہے:''یہ وہی دوزخ ہے کہ جس کا مجرم ہمیشہ انکار کرتے ہیں''۔

(۴۴) دوبارہ جہنم کی تصریح اور اس کے دردناک عذاب کے سلسلہ میں مزید کہتا ہے:''مجرم دوزخ اور جلانے والے پانی کے درمیان آمد و رفت رکھتے ہیں''۔اس طرح ایک طرف تو جہنم کے جلانے والے شعلوں کے درمیان چلیں گے اور پیاسے ہوں گے اور پانی کی تمنا کریں گے۔دوسری طرف انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔(یا ان پر پھینکا جائے گا)۔اور یہ دردناک سزا و عذاب ہے۔

بعض آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ''حمیم'' نامی جلانے والا چشمہ جہنم کے قریب ہے کہ پہلے دوزخیوں کو اس میں لے جائیں گے اور پھر انہیں جہنم کی آگ میں پھینکیں گے۔

(۴۵) پھراس شدید خطرہ سے بیدار کرنے کی حالت کواوراس تنبیہ کو جو بجائے خود ایک لطف پروردگار ہے بیان کرکے کہتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۴۶) وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ	اوراس شخص کے لئے کہ جواپنے پروردگار سے ڈرے جنت کے دو باغ ہیں۔
(۴۷) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۙ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۴۸) ذَوَاتَاۤ اَفۡنَانٍ ۚ	جنت کے ان دو باغوں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور طراوت رکھنے والے درخت ہیں۔
(۴۹) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۵۰) فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ تَجۡرِیٰنِ ۚ	ان میں مسلسل دو چشمے جاری ہیں۔
(۵۱) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۵۲) فِیۡهِمَا مِنۡ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوۡجٰنِ ۚ	ان دونوں باغوں میں ہر پھل کی دو دو قسمیں موجود ہیں۔
(۵۳) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۵۴) مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ وَ جَنَا الۡجَنَّتَیۡنِ دَانٍ ۚ	یہ اس حالت میں ہے کہ وہ ایسے فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں کہ جن کے استر ریشم کے ہیں اوران دونوں باغوں کے پکے ہوئے پھل ان کی دسترس میں ہوں گے۔
(۵۵) فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تفسیر

یہ دونوں جنتیں خوف خدا رکھنے والوں کے انتظار میں ہیں

ان آیتوں میں دوزخیوں کوان کے حال پر چھوڑ کر پروردگار عالم نے جنتیوں کوموضوع گفتگو بنایا ہے۔اس طرح اللہ نے جنت کی دلپذیر اورشوق انگیز نعتوں کا شمار کرایا ہے تاکہ ان نعمتوں کا دوزخیوں پر نازل ہونے والے عذابوں اور سزاؤں سے موازنہ کر

کے دونوں میں سے ہرایک کی اہمیت کوواضح کرے۔وہ فرماتا ہے۔''اس شخص کے لئے کہ جواپنے پروردگار کے مرتبہ سے خائف ہے۔ جنت کے دو باغ ہیں''۔

پروردگار سے خائف ہونے کے مختلف سرچشمے ہیں۔کبھی تو اپنے ناپاک اعمال اور غلط افکار کی وجہ سے خوف خدالاحق ہوتا ہےاور کبھی مقربین بارگہ الٰہی کے لئے ،اس کے قرب کی بنا پر،کبھی چھوٹا سا ترک اولیٰ اور معمولی سی غفلت بھی خوف خدا کا سبب بن جاتی ہے۔کبھی ان سب سے ہٹ کر جب اس کی لامحدود ذات اور لامتناہی عظمت کا تصور کرتے ہیں تو اس کے مقابلے میں اپنی حقارت کا احساس کرنے سے خوف طاری ہوجاتا ہے۔ یہ وہ خوف ہے جو پروردگار کی انتہائی معرفت کے وقت حاصل ہوتا ہےاوراس کی بارگاہ کے مخصوص عارف اور مخلص فرد کولاحق ہوتا ہے۔

(۴۷) پھراس عظیم نعمت کے بعد سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:''پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے

(۴۸)اس کے بعد ان دونوں بہشتوں کی تعریف وتوصیف میں مزید ارشاد فرماتا ہے: وہ انواع واقسام کی نعمتوں اور طراوت رکھنے والے شاخ دار درختوں کی حامل ہیں۔

(۴۹)اس نعمت کے بیان کے بعد پھراسی سوال کی تکرار کہ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

چونکہ ایک سرسبز پرمسرت اور طراوت رکھنے والے باغ میں درختوں کے علاوہ پانی کے چشمے بھی جاری ہونے چاہئیں۔

(۵۰)لہٰذا بعد والی آیت میں کہتا ہے:''ان دو بہشتوں میں دو چشمے ہیں کہ جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔

(۵۱) پھراس نعمت کے مقابلے میں وہی سوال کرتا ہے:''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

(۵۲)اس کے بعد کی آیت میں جب گفتگو بہشتی باغوں کے پھلوں میوں تک پہنچ جاتی ہے تو فرماتا ہے:''ان میں ہرایک پھل کی دو قسمیں موجود ہیں۔ایک وہ قسم جس کا نمونہ دنیا میں انہوں نے دیکھا ہےاور دوسری وہ قسم جن کی مثل ونظیر اس دنیا میں ہرگز نہیں دیکھی۔

(۵۳)اس کے بعد پروردگار عالم پھرفرماتا ہے۔''پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے''۔

(۵۴) گزشتہ آیتوں میں جنت کے ان دونوں باغوں کی خصوصیات کے تین حصہ بیان ہوئے ہیں۔اب ہم اس کی چوتھی خصوصیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پروردگار عالم فرماتا ہے:''یہ اس حالت میں ہیں کہ جنتی فرش پر بیٹھے ہیں اور تکیے لگائے ہوئے ہیں کہ جن کے استر ریشم اوراستبرق کے ہیں۔''

یہ تعبیر بہشتیوں کی روح کی مکمل تسکین وآرام کی نشان دہی کرتی ہے۔

یہاں بہت قیمتی پارچہ جس کا دنیا میں تصور ہوسکتا ہےاس کا ان فرشوں کے استر کے طور پر ذکر ہوا ہے، جواس طرف اشارہ

ہے کہ اس کا اوپر والا حصہ ایسی چیز ہے کہ جس کی لطافت و زیبائی اور جاذبیت تعریف و توصیف سے ماورا ہے۔ آخر میں پانچویں نعمت کے سلسلہ میں اسی بہشتی باغ کی نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان دونوں بہشتوں کے پکے ہوئے پھل ان کی دسترس میں ہوں گے۔ جی ہاں وہ زحمت و تکلیف کہ جو عام طور پر دنیا کے پھلوں کے حاصل کرنے میں ہوتی ہے وہاں کسی بھی طرح نہیں ہے۔

(۵۵) پھر سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۵۶) فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ۚ	جنت کے باغوں میں ایسی خواتین ہیں کہ جو سوائے اپنے شوہروں کے کسی سے محبت نہیں رکھتیں اور اس سے پہلے کسی جن وانس نے انہیں مس نہیں کیا۔
(۵۷) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۵۸) كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ۚ	وہ یاقوت و مرجان کی مانند ہیں۔
(۵۹) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۶۰) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ	کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ کچھ اور ہے؟
(۶۱) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تفسیر

پروردگار عالم فرماتا ہے: بہشت کے محلوں میں ایسی عورتیں ہیں کہ جنہوں نے اپنے شوہروں کے علاوہ کبھی کسی دوسرے مرد کی طرف نہیں دیکھا اور ان کے علاوہ کبھی کسی دوسرے فرد سے محبت نہیں کی۔

''اور کسی جن یا انسان نے اس سے پہلے ان سے ملاقات نہیں کی''۔

اس وجہ سے وہ دوشیزہ ہیں۔ کسی نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ہر لحاظ سے پاک و پاکیزہ ہیں۔ حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ جنت والی بیوی اپنے شوہر سے کہے گی کہ ''مجھے پروردگار کی عزت کی قسم ہے کہ میں جنت میں تجھ سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتی۔ حمد و سپاس مخصوص ہے، اس اللہ کے لئے جس نے مجھے تیری بیوی اور تجھ کو میرا شوہر قرار دیا''۔

(۵۷) پروردگار عالم اس نعمت بہشتی کے بعد پھر فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۵۸) اس کے بعد ان بہشتی عورتوں کی اور تعریف کرتے ہوے فرماتا ہے ''وہ یاقوت و مرجان کی طرح ہیں''۔ سرخی صفائی اور آب وتاب میں یاقوت اور خوبروئی و سفیدی میں مرجان اس وقت کہ جب یہ دونوں رنگ، سفید اور صاف سرخ، آپس میں ملتے ہیں تو ایک نہایت خوبصورت رنگ بنتا ہے۔

(۵۹) بار دگر جنت کی اس نعمت کے بیان کے بعد فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۶۰) اس بحث کے آخر میں فرماتا ہے: ''کیا نیکی کی جزا نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز ہو سکتی ہے''؟

وہ افراد کہ جنہوں نے دنیا میں نیک کام کئے ہیں کیا اللہ کی طرف سے ان کے لئے عمدہ جزا کے علاوہ کسی اور شے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

''احسان'' ایک ایسی شے ہے جو انصاف سے بہتر ہے کیونکہ انصاف یہ ہے کہ انسان جو کچھ اس کے ذمہ واجب ہے، اسے ادا کر دے اور جو اس کا دوسرے پر ہے وہ لے لے لیکن احسان یہ ہے کہ انسان اس سے زیادہ کہ جس کا وہ ذمہ دار ہے عطا کرے اور جتنا اس کا حق ہے اس سے کم لے۔

(۶۱) پروردگار عالم پھر اپنے بندوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔'' وہ اس لئے کہ یہ قانون کہ ''احسان کا بدلہ احسان ہے''۔ بجائے خود ایک عظیم نعمت ہے جو خداوند عظیم کی طرف سے ہے۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ اپنے نیک بندوں سے جو سلوک ہوگا وہ اس کے اپنے کرم کی بنا پر ہوگا نہ کہ ان کے اعمال کے مطابق۔ اب اگر وہ اطاعت کرتے ہیں اور نیک عمل بجا لاتے ہیں تو وہ بھی اس کی دی ہوئی توفیق کی نعمت کی بنا پر ہے۔ اللہ کی برکتیں بندوں ہی کی طرف لوٹتی ہیں۔

(۶۲) وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ	اور ان سے بہت نیچے دو اور باغ ہیں۔
(۶۳) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ	تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۶۴) مُدْهَآمَّتٰنِ ۚ	دونوں مکمل طور پر پر مسرت و سرسبز ہیں۔
(۶۵) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ	تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۶۶) فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۚ	ان میں دو چشمے جوش کی حالت میں ہیں۔
(۶۷) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

(۶۸)فِیۡهِمَا فَاکِهَةٌ وَّ نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ ۚ	ان میں پھل کثرت سے ہیں اور کھجور اور انار کے درخت (بھی) ہیں۔
(۶۹)فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ	تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تفسیر

دو اور جنتیں اپنے حیران کن اوصاف کے ساتھ

گزشتہ بحث کو جاری رکھتے ہوئے جس میں خوف خدا رکھنے والوں کو نصیب ہونے والی عالی قدر بہشتوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ پروردگار عالم ان آیتوں میں دو اور جنتوں کی بات کرتا ہے جو پست درجہ میں ہیں اور قدرتاً ایسے افراد کے لئے ہیں جو کہ ایمان اور خوف الٰہی کی بہت نچلی سطح پر فائز ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ایمان اور عمل صالح کے اعتبار سے مختلف مراتب آتے ہیں۔ پہلے فرماتا ہے:''اور ان سے نیچے دو اور بہشت ہیں۔'' پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تفہیم کے بارے میں فرمایا:

''دو جنتیں جن کی عمارت اور جو اشیاء ان میں ہیں وہ سب کی سب چاندی کی ہیں اور دو جنتیں ایسی ہیں کہ جن کی عمارت اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب سونے کا ہے''۔

(۶۳)اس کے بعد پھر فرماتا ہے:''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے''۔

(۶۴)اس کے بعد ان دونوں جنتوں کی وہ پانچ خصوصیتیں کہ جن میں سے کچھ اس کے ساتھ بہت مشابہت رکھتی ہیں جو سابقہ دو جنتوں کے بارے میں بتائی گئیں اور کچھ ان سے مختلف ہیں اور ان کو بیان کرتے ہوئے کہتا کہ۔''وہ دونوں پر مسرت و سرسبز و شاداب ہیں''۔

(۶۵)اس مقام پر پھر اضافہ کرتا ہے''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے''۔

(۶۶)اس میں ایک اور صفت پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:''ان دونوں جنتوں میں دو چشمے ہیں جو جوش مار رہے ہیں''۔

(۶۷)ایک مرتبہ پھر جن و انس سے استفہام انکاری کی صورت میں پوچھتا ہے۔''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۶۸) یہ آیت ان دونوں جنتوں کے پھلوں کے بارے میں کہتی ہے:'

'ان میں پھل کثرت سے ہیں اور خرما اور انگور کے درخت ہیں''۔

(۶۹) پھر اس سوال کی تکرار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے''۔

(۷۰)فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ	ان بہشت کے باغوں میں اچھے اخلاق والی عورتیں ہیں۔
(۷۱)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کی تکذیب کروگے؟
(۷۲)حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۚ	ایسی حوریں کہ جو جنت کے مستور خیموں میں ہیں۔
(۷۳)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۷۴)لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ۚ	ایسی عورتیں کہ جن سے کبھی پہلے کسی انسان یا جن نے ملاقات نہیں کی۔
(۷۵)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟
(۷۶)مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۚ	یہ اس حالت میں ہے کہ جنتی لوگ تختوں پر تکئے لگائے ہوئے ہیں جن پر بہترین اور خوبصورت ترین سبز رنگ کے فرش بچھائے گئے۔
(۷۷)فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟
(۷۸)تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۧ	بابرکت اور زوال نا آشنا ہے تیرے صاحب جلال و جمال پروردگار کا نام۔

تفسیر

جنت کی بیویوں کا دوسری مرتبہ تذکرہ

ان دونوں جنتوں کی نعمتوں کی تشریح کو جاری رکھتے ہوئے کہ جن کا ذکر سابقہ آیتوں میں ہوا ہے ان آیتوں میں بھی ان

نعمتوں کے ایک اور حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ان دونوں جنتوں میں بھی عورتیں ہیں جو اچھے اخلاق والی اور خوبصورت ہیں۔'' ان روایتوں میں کہ جو اس آیت کی تفسیر میں آئی ہیں، جنت کی بیویوں کی بہت سی خوبیاں گنوائی گئی ہیں جو دنیا کی عالی صفت عورتوں کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے تاکہ وہ تمام عورتوں کے لئے نمونہ بنیں۔ منجملہ دیگر خوبیوں کے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ خوش بیان ہیں۔ ان میں پاکیزگی ہے۔ وہ تکلیف نہیں پہنچاتیں، غیروں کی طرف نہیں دیکھتیں وغیرہ وغیرہ۔

(۷۱) اس نعمت کے تذکرہ کے بعد پر اعادہ کرتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

(۷۲) اس کے بعد بہشت کی ان عورتوں کی تعریف وتوصیف کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ ایسی حوریں ہیں جو جنت کے خیموں میں مستور ہیں۔ ''حور'' جمع ہے ''حوراء'' اور ''احور'' کی۔ اس کے معنی ہیں ایسی عورت جس کی آنکھ سیاہ ہو اور اس کا سفید صاف وشفاف رنگ ہو۔ یہ لفظ بعض اوقات ان عورتوں کے لئے بھی بولا گیا ہے جن کا چہرہ بالکل گورا ہو۔''

(۷۳) پھر اس پر معنی سوال کی تکرار کرتے ہوئے کہتا ہے: ''تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

(۷۴) اس کے بعد کی آیت میں جنت کی حوروں کی تعریف کا ایک اور پہلو ہے۔ البتہ جیسا کہ قرآن کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے وہ عورتیں اور مرد جن کی اس دنیا میں شادی ہوئی ہے اگر دونوں صاحبان ایمان اور جنتی ہوئے تو وہاں ایک دوسرے سے ملحق ہوں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ بہترین حالت وکیفیت میں زندگی بسر کریں گے۔ روایت سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں کا مرتبہ جنت کی حوروں سے زیادہ ہوگا۔ ان اعمال صالح کی بنا پر جو دنیا میں انہوں نے انجام دیئے۔

(۷۵) اس کے بعد فرماتا ہے: ''تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے''۔

(۷۶) جنت کی عورتوں کی آخری توصیف جو ان آیتوں میں ہے وہ یہ ہے کہ: ''اس بہشت کے رہنے والے اس حالت میں ہیں کہ تخت اور پلنگ پر تکئے لگائے ہوئے ہیں جن پر سبز رنگ کے پارچوں کا بہترین فرش بچھایا گیا ہے''۔

(۷۷) اس کے بعد آخری مرتبہ اور اکتیسویں مرتبہ جن وانس کے تمام افراد سے سوال کرتا ہے: ''تم انے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

تم معنوی نعمتوں کے منکر ہو یا مادّی نعمتوں کے؟ اس جہان کی نعمتوں کے منکر ہو یا جنتوں کی نعمتوں کے منکر ہو؟ وہ نعمتیں کہ جنہوں نے تمہارے وجود کا احاطہ کررکھا ہے اور تم ان میں مستغرق ہو اور کبھی غرور وغفلت کی بنا پر ان سب کو فراموش کردیتے ہو اور ان سب نعمتوں کو بخشنے والے اور آئندہ جس کی نعمتوں کے منتظر ہو تم اس کی کون سی نعمتوں کا انکار کرتے ہو۔

(۷۸) اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے کہ: ''بابرکت اور زوال ناپذیر ہے تیرے پروردگار کا نام کہ جو صاحب جلال واکرام ہے۔'' اس سورہ میں چونکہ پروردگار عالم کی انواع واقسام کی نعمتوں کا ذکر ہے، ایسی نعمتیں جو زمین وآسمان میں نوع بشر کی

خلقت اور دنیا وآخرت سے تعلق رکھتی ہیں اور پروردگار عالم کے بابرکت وجود سے ان کا فیضان جاری ہے۔لہٰذا مناسب ترین تعبیر وہی ہے کہ جو اس آیت میں آئی ہے۔ پرکشش بات یہ ہے کہ یہ سورہ اللہ کے نام یعنی لفظ رحمٰن سے شروع ہوا ہے اور ذی الجلال والاکرام پر ختم ہو رہا ہے اور یہ دونوں (آغاز وانجام) سورہ کے تمام مضامین کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

سورہ واقعہ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۹۶ آیتیں ہیں۔

سورہ واقعہ کے مضامین

''تاریخ القرآن میں ابن ندیم سے منقول ہے کہ سورہ ''واقعہ'' چوالیسواں سورہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ اس سے پہلے سورۂ ''طٰہٰ'' اور اس کے بعد سورہ ''شعراء'' نازل ہوا۔ یہ سورہ جیسا کہ اس کے لب و لہجے سے واضح ہے اور مفسرین نے بھی تصریح کی ہے، مکہ میں نازل ہوا۔ اگر چہ بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کی آیت ۸۱،۸۲ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں لیکن اس کے ثبوت کیلئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور مذکورہ بالا آیتوں میں اس دعویٰ کی کوئی علامت بھی نہیں ہے۔ سورۂ واقعہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، قیامت اور اس کی خصوصیات کے مضامین پر مشتمل ہے اور یہ مسئلہ اس سورہ کی ۹۶ آیتوں کا بنیادی موضوع ہے لیکن، ایک لحاظ سے، اس سورہ کے مضامین کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) ظہور قیامت کا آغاز اور اس سے ملحق سخت وحشت ناک حوادث۔

(۲) اس دن انسانوں کی اصحاب الیمین، اصحاب الشمال اور مقربین میں تقسیم۔

(۳) مقامات مقربین کے بارے میں ایک تفصیلی بحث اور جنت میں انواع واقسام کے ثواب اور سزائیں۔

(۴) پہلے گروہ یعنی اصحاب الیمین کے بارے میں تفصیلی بحث اور انواع واقسام کی الٰہی نعمتیں۔

(۵) مسئلہ معاد کے سلسلہ میں مختلف دلائل کا بیان، اللہ کی قدرت اور انسان کی حقیر و ناچیز نطفہ سے خلقت، نباتات میں تجلی حیات، نزول بارش اور آگ کا روشن ہونا کہ یہ سب توحید کی علامتوں کے ذیل میں آتا ہے۔

(۶) اصحاب الشمال کے بارے میں قابل توجہ بحث اور دوزخ میں ان کی دردناک سزائیں۔

(۷) حالت احتضار کی تصویر کشی اور اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف انتقال کہ جو قیامت کے مقدمات میں سے ہے۔

(۸) مومنین کی جزا و ثواب اور کفار کے عذاب پر ایک اجمالی نظر۔ آخر میں سورہ پروردگار کے عظیم نام پر ختم ہو جاتا ہے۔

سورہ واقعہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کے بارے میں اسلامی کتابوں میں بہت سی روایات موجود ہیں۔ ان حدیثوں میں سے ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جو شخص سورہ واقعہ کی تلاوت کرے گا تو اس کے بارے میں لکھا جائے گا کہ یہ غافلین میں سے نہیں ہے''۔

اس سورہ کی آیتیں اس قدر دل ہلا دینے والی اور چونکا دینے والی ہیں کہ ان کے پڑھنے کے بعد پھر انسان کے لئے غفلت کی گنجائش نہیں رہتی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''جو شخص ہر شب جمعہ سورہ واقعہ کی تلاوت کرے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے اور اسے لوگوں کا محبوب بنا دیتا ہے اور وہ دنیا میں ہرگز ناراضی اور تکلیف نہیں دیکھتا اور فقر و فاقہ و آفات دنیا میں سے کوئی آفت اس پر نہیں آئے گی وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے رفقا میں شمار ہوگا''۔

یہ امر بخوبی واضح ہے کہ صرف زبان سے ادا کر لینے سے یہ تمام برکتیں حاصل نہیں کی جا سکتیں بلکہ ضروری ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ تفکر ہو اور تفکر کے ساتھ عمل بھی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۙ	جس وقت قیامت کا عظیم واقعہ رونما ہوگا۔
(۲) لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ	تو کوئی شخص اس کا انکار نہیں کر سکے گا۔
(۳) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ	ایک گروہ کو نیچے لے جائیں گے دوسرے کو اوپر لائیں گے۔
(۴) اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ	یہ اس وقت ہوگا کہ جب زمین میں شدید زلزلہ آئے گا۔
(۵) وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ	اور پہاڑ درہم برہم ہوں گے۔
(۶) فَكَانَتۡ هَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۙ	اور غبار کی شکل میں بکھر جائیں گے۔
(۷) وَّ كُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ	اور تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔
(۸) فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ؕ	پہلا گروہ اصحاب میمنہ، اور اصحاب میمنہ کیا ہیں؟
(۹) وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ	دوسرا گروہ اصحاب شوم ہیں، اور اصحاب شوم کیا ہیں؟
(۱۰) وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۚۙ	اور تیسرا گروہ وہ ہے جو سبقت کرنے والے اور پیش قدمی کرنے والے ہیں۔

(۱۱)اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ	وہی مقرب ہیں۔
(۱۲)فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ	جو بہشت کے پرنعمت باغوں میں رہتے ہیں۔
(۱۳)ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ	بہت سے گروہ پہلی امتوں میں سے ہیں۔
(۱۴)وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ	اور تھوڑے آخری امت میں سے۔

تفسیر

عظیم واقعہ

قیامت سے رابطہ رکھنے والے مسائل قرآن مجید میں عام طور پر عظیم انقلاب بر پا کرنے والے اور سرکوبی کرنے والے حادثات کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اور یہ قرآن کی ان بہت سی صورتوں میں نظر آتے ہیں جو قیامت کے متعلق بحث کرتی ہیں۔اس سورہ واقعہ میں، جس کا مرکزی خیال معاد ہے اس کی ابتدائی آیات میں یہی واضح نظر آتا ہے۔ پروردگار عالم آغاز ہی میں فرماتا ہے۔ ''جس وقت قیامت کا عظیم واقعہ رونما ہوگا۔

(۲) کوئی شخص اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کے رونما ہونے سے پہلے کے حوادث اس قدر شدید اور ہولناک ہوں گے کہ ان کے اثرات دنیا کے ذرہ ذرہ پر نمایاں ہوں گے۔

(۳) بہر حال قیامت نہ صرف یہ کہ کائنات کی تباہی کے ساتھ لازم ہے بلکہ اس کے نتیجے میں انسان بھی درہم و برہم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ بعد کی آیتوں میں پروردگار عالم فرماتا ہے:''ایک گروہ کو نیچے لے جائیں گے اور دوسرے کو اوپر لے آئیں گے۔ تکبر کرنے والے، اکڑنے والے اور صدر نشین ظالم نیچے گرا دیئے جائیں گے اور کمزور مومن اور نیک افراد اوج افتخار پر متمکن ہوں گے ۔خواہ مخواہ بنے ہوئے عزت دار ذلیل ہوں گے اور بلاوجہ محروم کئے گئے افراد عزیز ہوں گے۔ایک گروہ قعر جہنم میں گرے گا۔دوسرا گروہ بہشت کے اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہوگا۔اور یہ خدائی عظیم و وسیع انقلاب کی خصوصیت ہے۔اسی لئے امام زین العابدین علیہ السلام سے منسوب ایک روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا:

> ''قیامت خافضہ ہے کیونکہ اللہ کی قسم وہ دشمنان خدا کو جہنم کی آگ میں گرا دے گی اور رافعہ اللہ کی قسم اولیا اللہ کو بہشت میں لے جائے گی''۔

(۴) اس کے بعد اسی سلسلہ میں توصیف کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:''یہ اس وقت ہوگا کہ جس وقت زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی۔

(۵) یہ زلزلہ اس قدر عظیم وشدید ہوگا کہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔''اور غبار کی شکل میں بکھر جائیں گے۔اب سوچنا چاہئے کہ وہ زلزلہ کس حدتک سنگین ہوگا جو ایسے بڑے بڑے پہاڑوں کو جو اپنے استحکام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں اس طرح تتر بتر کردے گا کہ وہ بکھرے ہوئے غبار میں بدل جائیں گے اور جو آواز اس عظیم دھماکے کی وجہ سے بلند ہوگی وہ اس سے بھی زیادہ وحشت ناک ہوگی۔

(۷) اس عظیم واقعہ یعنی قیامت کے وقوع کے بیان کے بعد اس دن لوگوں کی جو حالت ہوگی اس کو پیش کیا گیا ہے۔سب سے پہلے قرآن انہیں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے:''اس روز تم تین گروہ ہو جاؤ گے''۔پہلے گروہ کے بارے میں فرماتا ہے:''پہلے اصحاب میمنہ'' ہیں، کیا ہیں اصحاب میمنہ''۔اصحاب میمنہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔اور یہ صورت حال قیامت میں نیکوکار، اہل نجات مومنین کی نشانی ہوگی۔کیا کہنے اس خوش قسمت گروہ کے''یہ تعبیر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ ان لوگوں کی خوش قسمتی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(۹) اس کے بعد دوسرے گروہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:''اصحاب شوم اور کیا ہیں اصحاب شوم''۔بدبخت، بےچارہ اور بےنوا گروہ،، ایسے لوگ جن کا نامۂ اعمال ان کے الٹے ہاتھ میں دیا جائے گا، جو ان کی بدبختی اور ان کے جرم کی بجائے خود نشانی ہوگا۔''ما اصحاب المشئمۃ'' کی تعبیر بھی یہاں ان کی بدبختی اور شقاوت کو ظاہر کرتی ہے۔

(۱۰) آخر میں تیسرے گروہ کی اسطرح تعریف کرتا ہے''اور سبقت کرنے والے سابقین''۔

(۱۱)''وہی مقرب ہیں''۔''سابقون'' وہ لوگ ہیں جو نہ صرف ایمان میں پیش قدمی کرتے ہیں بلکہ انسانی صفات اخلاق میں بھی سبقت کرتے ہیں۔وہ لوگوں کیلئے نمونہ ہیں اور مخلوق کیلئے امام و پیشوا ہیں اور اسی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر کے مقربین ہیں۔اور پھر اسلامی روایات میں اگر کبھی''السابقون'' کا مصداق ان چار افراد کو قرار دیا گیا ہے اوّل ہابیل دوسرے مومن آل فرعون، تیسرے حبیب نجار کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی امت کے مقابلے میں پیش قدمی کی ہے اور چوتھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جو مردوں میں سب سے پہلے صاحب ایمان تھے۔یہ ایک واضح اور صحیح مصداق کی نشان دہی ہے اور مصداق آیت کو محدود کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔

(۱۲) اس کے بعد ایک مختصر سے جملے میں مقربین کے مقام بلند کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:''مقربین جنت کے پر نعمت باغات میں ہیں''۔جنات النعیم کے مفہوم میں بہشت کی مادّی و معنوی تمام اقسام کی نعمتیں شامل ہیں۔

(۱۳) اس آیت میں گزشتہ امتوں اور اس امت کے افراد کی تقسیم کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''بہت سے گروہ گزشتہ امتوں میں سے ہیں''۔

(۱۴)''اور ایک چھوٹا سا گروہ آخری امت میں سے ہے۔''ان دونوں آیتوں کے مطابق مقربین کے زیادہ گروہ گزشتہ امتوں میں سے ہیں اور ان میں سے صرف تھوڑے سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں۔

(۱۵)عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَةٍ ۙ	وہ صف کشیدہ اور ایک دوسرے سے پیوستہ پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے۔
(۱۶)مُّتَّکِئِیۡنَ عَلَیۡهَا مُتَقٰبِلِیۡنَ	ان پر تکیہ لگائے ہوئے ایک دوسرے کے روبرو ہوں گے۔
(۱۷)یَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۙ	نوجوانان (شکوہ اور طراوت میں)ہمیشہ ان کے گرد و پیش مصروف خدمت ہوں گے۔
(۱۸)بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۬ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ۙ	پیالوں،کوزوں اور بہشت کی جاری نہروں سے جام لئے ہوئے۔
(۱۹)لَّا یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ۙ	لیکن ایسی شراب کہ نہ جس سے دردسر ہوتا ہے نہ وہ مست ہوتے ہیں۔
(۲۰)وَ فَاکِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ ۙ	اور ہر قسم کے پھل جس کی طرف وہ مائل ہوں گے۔
(۲۱)وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ؕ	اور ہر قسم کے پرندہ کا گوشت جسے وہ چاہیں گے۔
(۲۲)وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ ۙ	اور حورالعین میں سے بیویاں۔
(۲۳)کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ ۚ	صدف میں پنہاں مروارید کی مانند۔
(۲۴)جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	یہ سب جزا ہے ان اعمال کی جنہیں وہ انجام دیتے تھے۔

(۲۵)لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا	بہشت کے ان باغوں میں وہ نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ سے آلودہ باتیں۔
(۲۶)اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا	تنہا وہ چیز جسے وہ سنیں گے سلام ہی سلام ہے۔

تفسیر

جنت کی وہ نعمتیں جو مقربین کی منتظر ہیں

یہ آیتیں انواع واقسام کی نعمتوں کو جو تیسرے گروہ یعنی مقربین کا نصیب ہوں گی، بیان کرتی ہیں، وہ نعمتیں جن میں سے ہر ایک دوسری سے زیادہ شوق انگیز وروح پرور ہے وہ نعمتیں جنہیں سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''وہ صف کشیدہ اور ایک دوسرے سے پیوستہ پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے''۔

(۱۶)ان پر تکیہ لگائے ایک دوسرے کے روبرو محبت اور خوشی سے پر۔

قرآن مجید میں بارہا جنت کے پلنگوں کی اور اہل بہشت کی اجتماعی محفلوں کی نہایت عمدہ تعریف ہوئی ہے، جو بتاتی ہے کہ ان لذتوں میں سے ایک لذت یہی محافل انس ومحبت ہیں۔ رہا یہ کہ وہاں موضوع سخن کیا ہوگا اسے کوئی نہیں بتا سکتا۔

(۱۷)اس کے بعد ان کی دوسری نعمت کے سلسلہ میں فرماتا ہے: ''ایسے نوجوان جو ہمیشہ جوانی کے بانکپن اور اس کی تازگی سے بہرہ ور رہتے ہیں ان کے گرد وپیش مصروف خدمت ہوں گے۔

(۱۸)یہ خوبصورت نوجوان، شراب طہور سے لبریز، ایسے پیالے کوزے اور جام لئے ہوئے ہوں گے جو جنت کی نہروں کے مشروبات سے بھرے ہوں گے۔ یہ اہل بہشت کے گرد پھریں گے اور انہیں سیراب کریں گے۔

(۱۹)لیکن یہ شراب ایسی نہ ہوگی جو ہوش اڑا دے اور مست کر دے جس وقت جنت میں رہنے والے اسے پئیں گے تو انہیں نہ درد سر لاحق ہوگا نہ وہ مست وبے ہوش ہوں گے۔

ان پر صرف ایک ایسے روحانی نشہ کی کیفیت طاری ہوگی جو تعریف وتوصیف سے ماوراء ہے۔ یہ ان کے وجود کو بے مثل لذت سے ہمکنار کرے گی۔

(۲۰)اس کے بعد بہشت میں حاصل ہونے والی مادی نعمتوں کے چوتھے اور پانچویں حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ بہشتی نوجوان ہر قسم کے وہ پھل جن کی طرف اہل بہشت مائل ہوں گے ان کی خدمت میں پیش کریں گے۔

(۲۱)اور ہر قسم کے پرندے کا گوشت جسے وہ چاہیں گے۔ پھل کو گوشت پر مقدم رکھنا اس وجہ سے آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے درختوں کی شاخیں مکمل طور پر اہل بہشت کی دسترس میں ہوں گی، اس طرح کہ وہ ہر قسم کا پھل بہ آسانی حاصل کر کے تناول

کریں گے۔ یہ معنی دوسری بہشتی غذاؤں پر بھی صادق آتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ جس وقت خدمت کار یہ نعمتیں لے کران کے سامنے آئیں گے تو اس کا لطف کچھ اور ہی ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ بہشت میں رہنے والے افراد کا ایک قسم کا احترام ہے اور ان کی محافل انس کی رونق میں اضافہ کا باعث ہے۔

(۲۲) اس کے بعد چھٹی نعمت یعنی پاک و پاکیزہ بیویوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے: ''اور حورالعین میں سے بیویاں رکھتے ہیں''۔

(۲۳) حور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے ''حوراء'' کی جمع ہے اور ''احور'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی آنکھ کی پتلی مکمل طور پر سیاہ ہو اور باقی حصہ کی سفیدی بالکل صاف وشفاف ہو۔

(۲۴) ان چھ مادی نعمتوں کے بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے۔ ''یہ سب کچھ جزا ہے ان اچھے اعمال کی جو انہوں نے انجام دیے ہیں''۔ تا کہ یہ تصور نہ ہو کہ یہ تمام نعمتیں اہل بہشت کو کسی حساب و کتاب کے بغیر دی جائیں گی۔ یا یہ کہ صرف ایمان وعمل صالح کا دعویٰ کرنا ان کے حصول کے لئے کافی ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مسلسل خالص عمل کی ضرورت ہے تا کہ اللہ کی یہ مہربانیاں انسان کو نصیب ہوسکیں۔

(۲۵) ساتویں اور آخری نعمت جو معنوی پہلو رکھتی ہے یہ ہے کہ وہ جنت کے باغات میں لغو، بے ہودہ اور گناہ آلودہ باتیں نہیں سنیں گے۔ نہ وہاں جھوٹ تہمت اور افتراء کا وجود ہے، نہ غیبت ہے، نہ تمسخر، نہ تکلیف دہ گفتگو، نہ تلخ کلمات اور نہ لغو و بے ہودہ اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ وہاں جو کچھ ہے وہ لطف وکرم ہے، خوبصورتی ہے، متانت وادب اور پاکیزگی ہے۔ کیا ہی عمدہ ہوگا وہ ماحول کہ جس میں بری باتیں نہ ہوں۔

(۲۶) اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''واحد بات جو وہاں وہ سنیں گے وہ سلام ہی سلام ہے''۔

اللہ اور اس کے مقرب فرشتوں کا سلام ودوروداور ایک دوسرے کو خود ان کا سلام و درود اور ان پاکیزہ محفلوں میں جو دوستی اور محبت سے معمور ہیں۔

(۲۷) وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ؕ	اور اصحاب یمین، کیا ہیں اصحاب یمین؟
(۲۸) فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۙ	وہ بیری کے بے خار درختوں کے سائے میں مقیم ہوں گے
(۲۹) وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۙ	اور پر برگ درخت طلح کے سائے میں رہتے ہیں۔
(۳۰) وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۙ	اور لمبے اور وسیع سائے میں۔
(۳۱) وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ۙ	اور آبشار (کی مانند پانی)۔

(۳۲)وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ	اور فراواں پھل
(۳۳)لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ	جو کبھی منقطع ہوتے ہیں نہ ممنوع
(۳۴)وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ	اور گراں قدر ہمسران (بیوی یا شوہر)
(۳۵)اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ	ہم نے انہیں نئی تخلیق عطا کی ہے
(۳۶)فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ	اور ہم نے سب کو باکرہ قرار دیا
(۳۷)عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ	ایسی بیویاں جو اپنے شوہروں سے عشق رکھتی ہیں اور ان کی ہم سن ہیں
(۳۸)لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ۬	یہ سب اصحاب یمین کے لئے ہے
(۳۹)ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ	ان کا ایک گروہ پہلی امتوں میں سے ہے
(۴۰)وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ	اور ایک گروہ آخری امت میں سے ہے

تفسیر

وہ نعمتیں جو اصحاب یمین کو حاصل ہوں گی

ان مادی اور معنوی نعمتوں کے بیان کے بعد (جو مقربین بارگاہ الٰہی کو حاصل ہوں گی) بات اصحاب یمین تک جا پہنچی ہے۔ وہ سعادت مند جماعت جن کا نامہ اعمال امتحانات الٰہی میں کامیابی کی علامت کے طور پر ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہاں پروردگار عالم اپنی نعمتوں میں سے چھ کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے: ''مقربین کے لئے جو نعمتیں بیان ہوئیں وہ سات تھیں، یہ چھ ہیں یعنی ایک نعمت کم ہے۔ سب سے پہلے ان کے مرتبہ کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا کہنا اصحاب یمین کا یہ افضل ترین تعریف ہے جو ان کی ہوئی ہے کیونکہ ایسی تعبیر ان مواقع پر ہوتی ہے جب کسی کے اوصاف بیان سے باہر ہوں۔ بہرکیف یہ تعبیر اصحاب یمین کے بلند مرتبہ کو بیان کرتی ہے۔

(۲۸) اس کے بعد کی آیت اس گروہ کو حاصل ہونے والی پہلی نعمت کو اس طرح بیان کرتی ہے کہ ''وہ ایسے بیر کے درخت کے نیچے جگہ پائیں گے جس میں کانٹے بالکل نہیں ہیں۔

(۲۹) دوسری نعمت یہ ہے کہ وہ ''طلح متراکم'' کے درختوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ''طلح'' ایک سبز خوش

رنگ اور خوشبودار درخت ہے۔ایک گروہ کا قول ہے کہ وہ کیلے کا درخت ہے جس کے چوڑے سبز اور خوبصورت پتے ہوتے ہیں اور اس کا پھل خوش ذائقہ اور شیریں ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ، اس امر کے پیش نظر کہ سدر کے درخت کے پتے کافی چھوٹے ہوتے ہیں اور کیلے کے پتے بڑے ہوتے ہیں ان دو درختوں کا ذکر جنت کے تمام درختوں کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے جو ان دونوں درختوں کے درمیان قرار پاتے ہیں۔

(۳۰) تیسری بہشت کی نعمت کو پروردگار عالم اس طرح بیان فرماتا ہے: ''اور طویل وعریض سایہ''۔بعض مفسرین اس سائے بین لطّوعین (طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک) کی حالت سے مشابہ قرار دیتے ہیں جب سایہ ہر جگہ کا احاطہ کے ہوئے ہوتا ہے۔مذکورہ معانی ایک حدیث میں ہے جو روضہ کافی میں ہے پیغمبر اسلام ﷺ سے منقول ہوئے ہیں

مقصود کلام یہ ہے کہ سورج کی گرمی اور اس کی تپش اہل بہشت کو کبھی پریشان نہیں کرے گی۔وہ ہمیشہ پسندیدہ، محبوب، وسیع اور روح پرور سائے میں رہیں گے۔

(۳۱) چوتھے مرحلہ میں جنت کے پانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: اہل بہشت آبشار کی مانند پانی (جو خوبصورت اور دلربا منظر رکھتا ہے) کے پاس رہتے ہیں۔

(۳۲) چونکہ یہ درخت اور آب رواں ہمیشہ اپنے ہمراہ انواع واقسام کے پھل لئے ہوئے ہوتے ہیں اسلئے پانچویں نعمت کے بیان میں مزید فرماتا ہے: اور فراواں پھل۔

(۳۳) جو کبھی منقطع ہوتے ہیں نہ ممنوع ہوتے ہیں'' جی ہاں! وہ پھل اس جہان کے پھلوں کی مانند نہیں ہیں جو صرف اپنی فصل میں آتے ہوں۔

(۳۴) اس کے بعد ایک اور نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: وہ گراں قدر اور ہمسر بیویاں رکھتے ہیں۔

(۳۵) اس کے بعد جنت کی بیویوں کی اور خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے'' ہم نے انہیں نئی خلقت وآفرینش بخشی ہے''۔

''انا انشاناھن انشاء'' اس جملہ سے ممکن ہے اس دنیا کی مومن بیویوں کی طرف اشارہ مقصود ہو جنہیں اللہ قیامت میں نئی خلقت عطا کرے گا اور وہ سب انتہائی شباب کے عالم میں ظاہر و باطنی جمال کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گی۔

(۳۶) ''ہم نے ان سب کو باکرہ قرار دیا ہے''۔شاید یہ صفت ان کے لئے ہمیشہ باقی رہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے، نیز روایات میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔'' مرد سے اختلاط کے باوجود ان کی جسمانی کیفیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی''

(۳۷) ان بیویوں کے بارے میں مزید فرماتا ہے'' وہ اپنے شوہروں سے محبت رکھتی ہیں اور خوش گفتار وفصیح ہیں''

ان کی دوسرے صفت یہ ہے کہ'' وہ اپنے شوہروں کی ہم سن ہیں اور ظاہری و باطنی خوبی اور حسن وجمال میں ایک دوسرے

کے مانند ہیں اوران میں سے ہرایک دوسرے سے بہتر ہے۔

(۳۸)اس کے بعد مزید فرماتا ہے''یہ سب نعمتیں اصحاب الیمین کے لئے ہیں''۔ یہ مذکورہ چھ نعمتوں کے ان کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۳۹)اس گفتگو کے آخر میں فرماتا ہےان میں سے ایک گروہ پہلی امتوں میں سے ہے۔''اورایک گروہ آخری اقوام میں سے ہے''۔''ثلة'' کے معنی پشم کاایک مجتمع ٹکڑا۔اس کے علاوہ یہ اس کثیر جماعت کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو باہم ملی جلی ہو۔تو اس اصحاب الیمین کے عظیم گروہ میں گذشتہ امتوں کے افراد بھی شامل ہیں اوراس میں امت اسلامی کے بھی بہت سے افراد شامل ہیں، کیونکہ اس امت میں بہت سے صالحین ومومنین موجود ہیں۔اگرچہ ملت اسلامی میں ایمان قبول کرنے کے سلسلہ میں سبقت کرنے والے افراد کی تعداد سابقہ امتوں اوران کے انبیاء کی کثرت کی وجہ سے ان کے سابقین کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

(۴۱)وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﻁ	اوراصحاب شمال کیسے اصحاب شمال ہیں(کہ ان کا نامہ اعمال ان کے جرم کی بناپران کے بائیں ہاتھ میں دیاجائے گا)
(۴۲)فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ۙ	وہ مارڈالنے والی ہواؤں اورجلانے والے پانیوں کے درمیان ہوں گے
(۴۳)وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ۙ	اورتہہ بہ تہہ اورآتش زادھویں کے سائے ہیں
(۴۴)لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ	ایساسایہ جونہ ٹھنڈاہوگانہ فائدہ مند
(۴۵)اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ۚۖ	وہ اس سے پہلے دنیامیں مست اورمغرور تھے
(۴۶)وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ۚ	اور بڑے بڑے گناہوں پراصرارکرتے تھے
(۴۷)وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ	اورکہتے تھے کہ ہم جس وقت مرگئے اورمٹی اورہڈی ہوگئے تو کیا پھرقبروں سے نکالے جائیں گے؟
(۴۸)اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ	یاہمارے پہلے آباءواجداد؟
(۴۹)قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ۙ	کہہ دے کہ اولین وآخرین

(۵۰)لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ	سب کے سب معین دن کی وعدہ گاہ میں جمع ہوں گے

تفسیر

اصحاب شمال کیلئے سزائیں اور دردناک عذاب

گروہ مقربین واصحاب الیمین کو حاصل ہونے والی عظیم نعمتوں کے بعد ایک تیسرے گروہ پر نازل ہونے والے دردناک عذاب کا تذکرہ کرتا ہے تاکہ تقابل کی صورت حال کے موجود ہونے کی وجہ سے تینوں گروہوں کی کیفیت اور ان کا حال واضح ہو جائے فرماتا ہے۔''اصحاب الشمال اور کیا ہیں اصحاب الشمال''۔وہی کہ جن کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ گناہگار ہیں، ستمگر ہیں اور اہل دوزخ ہیں۔اور جس طرح ہم نے مقربین اور اصحاب یمین کے بارے میں کہا ہے کہ ''مااصحاب الیمین''کہنے کا یہ انداز بتاتا ہے کہ یہ کسی انتہائی اچھی یا بری حالت کے بیان کے لئے ہے۔مثال کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ سعادت نے ہماری طرف رخ کیا ہے۔کیسی سعادت نے یا مصیبت نے ہماری طرف رخ کیا ہے، کیسی مصیبت نے۔

(۴۲)اس کے بعد ان پر نازل ہونے والی تین سزاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''وہ زہریلی ہواؤں اور جلانے والے پانی کے درمیان رکھے گئے ہیں''۔

(۴۳)اور شدید دھویں اور آگ کے سایہ میں'' جلانے والی زہریلی ہوا ایک جھلسا کر مارنے والا پانی دو اور گرم اور گھونٹنے والا دھواں تین۔یہ تینوں چیزیں انہیں اسطرح جکڑے ہوئے ہیں کہ انہوں نے ان کی قوت چھین لی ہے اور اگر وہ ان تینوں مصیبتوں کے علاوہ کوئی اور مصیبت نہ بھی رکھتے ہوں تو یہی تین مصیبتیں ان کی شامت اعمال کے لئے کافی ہیں۔

(۴۴)اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے:''وہ سایہ جس میں نہ کوئی ٹھنڈک ہے نہ فائدہ''۔

سائبان کبھی انسان کی سورج کی تمازت سے حفاظت کرتا ہے اور کبھی ہوا اور بارش سے یا پھر اور دوسری منفعتیں لئے ہوئے ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ سائبان ان فائدوں میں کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

(۴۵)یہاں سے اصحاب الشمال کی گرفتاری کے دلائل کا ان کی منحوس اور وحشت ناک داستان کے پہلے ہی تین جملوں میں خلاصہ کرتا ہے۔پہلا یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے دنیا میں نعمت حاصل ہونے پر مست اور مغرور تھے۔

''مترف''اس شخص کو کہتے ہیں جسے نعمتوں کی فراوانی نے مست ومغرور کر دیا ہو اور نافرمانی وسرکشی پر ابھارا ہو۔یہ ٹھیک ہے کہ تمام اصحاب الشمال مترفین کے زمرے میں نہیں آتے۔لیکن اس سے قرآن کا مقصود ان کے سرکردہ افراد ہیں جیسا کہ موجودہ زمانے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی معاشروں کا فتنہ وفساد مست ومغرور عیش پرستوں کی وجہ سے ہے جو اپنے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب

بھی ہیں۔تمام لڑائیوں،خوں ریزیوں،مختلف قسم کے جرائم،شہوتوں کے مرکز اور باغیانہ سرگرمیوں کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اسی بنا پر قرآن ہر چیز سے پہلے انہی کی نشان دہی کرتا ہے۔

(۴۶)اس کے بعد ان کے دوسرے گناہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے''وہ بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے''۔اصحاب شمال کی برائی یہی نہیں ہے کہ وہ گناہ کرتے تھے بلکہ بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔گناہ ممکن ہے کہ اصحاب یمین سے بھی بعض اوقات سرزد ہو لیکن وہ اس پر کبھی اصرار نہیں کرتے اور جس وقت توفیق الٰہی شامل حال ہو جاتی ہے فوراً توبہ کر لیتے ہیں۔

(۴۷)ان کا تیسرا غلط کام یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کیا ہم مرنے کے بعد جب محض ہڈیاں رہ جائیں گی اور ہم مٹی میں مل جائیں گے کیا دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے؟۔اصحاب شمال کے دوسرے بہت سے گناہوں میں سے ان کا ایک بڑا گناہ تھا کہ وہ قیامت کے انکار پر مصر تھے۔

دوسرے یہ کہ یہ تین گناہ جن کا تذکرہ مذکورہ آیتوں میں ہوا ہے درحقیقت اصحاب شمال کی طرف سے دین کے تین اصولوں کی نفی کی طرف اشارہ ہے۔آخری آیت میں قیامت کی تکذیب تھی اور دوسری آیت میں توحید کا انکار تھا۔اور پہلی آیت میں جہاں مترفین کی بات ہو رہی تھی انبیاء کی تکذیب کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۸)انہوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اظہار تعجب کے لئے مزید کہتے تھے،کیا ہمارے پہلے آباواجداد جن کا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہا دوبارہ زندہ ہوں گے''۔

(۴۹)اس کے بعد قرآن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان کے جواب میں کہہ دے''نہ صرف تم اور تمہارے آباواجداد بلکہ تمام اولین وآخرین............

(۵۰)''سب معین دن کی وعدہ گاہ میں (قیامت کے دن) جمع ہوں گے''

''لمجموعون الی میقات یوم معلوم'' یہاں ''میقات'' سے مراد قیامت کا مقررہ وقت ہے جس میں تمام انسان میدان محشر میں اپنے حساب وکتاب کے واسطے جمع ہوں گے۔

شاید یاددہانی کی ضرورت نہ ہو کہ قیامت کے معلوم ہونے سے مراد اس کا پروردگار عالم کو معلوم ہونا ہے ورنہ کوئی شخص حتیٰ کہ انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین بھی اس کے برپا ہونے کے وقت سے باخبر نہیں ہیں۔

(۵۱)ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ	پھر تم اے تکذیب کرنے والے گمراہ لوگو!
(۵۲)لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ	تم یقیناً زقوم کے درخت سے کھاؤ گے۔

(۵۳)فَمَالِئُوْنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۚ	اوراپنے اپنے شکم کواس سے پر کروگے۔
(۵۴)فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيۡمِ ۚ	اوراس پر سے جلانے والا پانی پیوگے۔
(۵۵)فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ؕ	یعنی پیاس کی بیماری میں مبتلا اونٹوں کی طرح اس میں سے پیوگے۔
(۵۶)هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ؕ	یہ ہے قیامت میں ان کی پذیرائی کا ذریعہ۔

تفسیر

گمراہ مجرموں پر نازل ہونے والا عذاب

یہ آیتیں اسی طرح اصحاب شمال پر نازل ہونے والے عذاب کے مباحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پروردگار عالم اصحاب شمال کو اسی انداز میں مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:''پھر تم اے گمراہو اور تکذیب کرنے والو''

(۵۲)''زقوم'' کے درخت میں سے کھاؤ گے۔''

(۵۳)''اپنے شکموں کو اس سے پر کروگے۔اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے انہیں بہت تیز بھوک لگے گی ،اتنی تیز کہ وہ اس نہایت ناگوار غذا کو کھالیں گے تو انہیں پیاس لگے گی۔اب وہ پئیں گے کیا؟

(۵۴)اس آیت میں قرآن بتاتا ہے۔''تم اس ناگوار غذا کے بعد جلانے والا پانی پیوگے۔''

(۵۵)''اس حریصانہ انداز میں پیوگے جس طرح وہ اونٹ جو استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہوں''۔اس بیماری میں مبتلا ہونے والا اونٹ بہت پیاس محسوس کرتا ہے اور بار بار پانی پیتا ہے، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوجاتا ہے،جی ہاں یہ ہے بروز قیامت سرگزشت گمراہوں اور تکذیب کرنے والوں کی۔''

(۵۶)آیات میں سے اخری آیت میں ایک مرتبہ پھر اسی کھانے اور پانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''یہ ہے قیامت میں ان کی پذیرائی کا ذریعہ۔'' یہ ایسی حالت ہے کہ جب دوسری طرف اصحاب یمین بہت ہی لطیف وخوشگوار سایہ میں آرام و سکون سے ہیں،بہترین پھل کھاتے ہیں اور شراب طہور وآب خوشگوار پیتے ہیں اور عشق اللہ میں مست ہیں۔

(۵۷)نَحۡنُ خَلَقۡنٰكُمۡ فَلَوۡ لَا تُصَدِّقُوۡنَ	ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے،تو پھر نئی آفرینش کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟
(۵۸)اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ؕ	کیا اس نطفہ سے تم آگاہ ہو جو رحم میں ڈالتے ہو؟

(۵۹)ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ	کیا تم اسے (جنینی دور میں) پے در پے آفرینش دیتے ہو یا ہم خلق کرتے ہیں؟
(۶۰)نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۙ	ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے اور ہم پر کوئی سبقت نہیں رکھتا۔
(۶۱)عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	اس مقصد کیلئے کہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی جگہ لے آئیں گے اور تمہیں اس جہان میں کہ جسے تم جانتے نہیں تمہیں نئی خلقت بخشیں گے۔
(۶۲)وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ	تم نے پہلے عالم کو تو مان لیا، تو کس طرح نہیں سمجھتے (کہ اس کے بعد بھی ایک اور جہان ہے)۔

تفسیر

عقیدہ معاد پر سات دلیلیں

گزشتہ آیتوں میں قیامت کی تکذیب کرنے والوں کے ضمن میں گفتگو تھی۔ بنیادی طور پر اس سورہ میں مسئلہ معاد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور ان آیتوں میں معاد سے متعلق دلیلوں کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ قرآن مجید اس اہم عقیدہ کے ثبوت میں مجموعی طور پر سات دلیلیں پیش کرتا ہے جو ایمان کی بنیادوں کو قوی کرتی ہیں اور انسان کے دل کو اللہ کی طرف سے کئے گئے ان وعدوں کے بارے میں پختہ یقین دلاتی ہیں جو گزشتہ آیتوں میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال کے بارے میں مذکور ہوئے۔ پہلے مرحلے میں پروردگار فرماتا ہے: ''ہم نے تمہیں خلق کیا ہے تو نئی خلقت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔'' تم قبروں سے اٹھنے پر اور بدن کے خاک ہو جانے کے بعد معاد جسمانی پر کیوں تعجب کرتے ہو۔ کیا اس نے پہلی مرتبہ تمہیں مٹی سے پیدا نہیں کیا؟

(۵۸) پروردگار عالم بعد والی آیت میں دوسری دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا اس نطفہ سے جسے تم رحم میں ڈالتے ہو، باخبر ہو۔''

(۵۹) کیا جنینی مراحل کے طول میں تم اسے بار بار خلقت دیتے ہو یا اس کے خالق ہم ہیں۔'' کون ہے کہ جو اس بے قیمت نطفہ کو ہر روز ایک نئی شکل دیتا ہے اور خلقت کے بعد نئی خلقت سے نوازتا ہے۔ حقیقتاً یہ تدریجی تبدیلیاں جو نہایت تعجب انگیز ہیں اور جنہوں نے تمام فکر و دانش کو حیرت زدہ کر دیا ہے، کیا تمہاری طرف سے ہیں یا خدا کی طرف سے۔ کیا وہ ذات جو، ان بار بار کی خلقتوں

پر قدرت رکھتی ہے قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے سے قاصر ہے۔

(۶۰) اس کے بعد تیسری دلیل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا اور کسی نے ہم پر سبقت نہیں کی، جی ہاں ہم کبھی مغلوب نہیں ہوں گے۔ اور اگر موت کو ہم نے مقدر کیا ہے تو اس بنا پر نہیں کہ ہم عمر جاودانی نہیں دے سکتے۔

(۶۱) بلکہ مقصد یہ تھا کہ تم میں سے ایک گروہ کو ہم اٹھالیں گے اور اس کی جگہ دوسرا گروہ لے آئیں اور انجام کار تمہیں ایسے جہان میں کہ جسے تم نہیں جانتے نئی خلقت بخشیں۔ اس استدلال کی اس طرح وضاحت کی جاسکتی ہے۔ خداوند حکیم جس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور باقاعدہ ایک گروہ انتقال کرتا ہے اور دوسرا گروہ اس کی جگہ لے لیتا ہے، اس کا یہ عمل کوئی نہ کوئی مقصد اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر صرف دنیاوی زندگی ہی یہ مقصد ہوتی تو پھر مناسب تھا کہ انسانی زندگی جاودانی ہوتی۔ نہ اس قدر مختصر اور ہزار ہا تکلیف سے لبریز کہ انسان کی آمد و رفت کی قیمت بھی نہیں رکھتی۔ اس بنا پر موت کا قانون بڑی عمدگی سے یہ گواہی دیتا ہے کہ دنیا ایک گزرگاہ ہے منزل نہیں ہے۔ ایک پل ہے نہ کہ ایک مقصد۔ اگر منزل ہوتی تو پھر یہ دوام رکھتی۔ ''تمہیں ہم پیدا کرتے ہیں ایسی صورت و شکل میں جسے تم نہیں جانتے۔''

(۶۲) آخری آیت میں معاد کی چوتھی دلیل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم نشاۃ اولیٰ (اس جہان) کو جان چکے ہو تو کس طرح قائل نہیں ہوتے کہ دوسرا جہان اس کے بعد ہے۔'' اس دلیل کو دو طرح سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ پہلی یہ کہ، مثال کے طور پر، اگر ہم ایک بیابان سے گزریں اور اس میں ایسا محل دیکھیں جو بہت آراستہ و پیراستہ ہو، اس کی عمارت میں عظمت و شکوہ ہو، وہ بہت مضبوط ہو، اس میں نہایت عمدہ سہولتیں موجود ہوں اور وہ بہت وسیع و عریض ہو۔ بعد میں لوگ ہم سے کہیں کہ یہ عظیم عمارت اس مقصد کیلئے ہے کہ صرف ایک چھوٹا سا قافلہ چند گھنٹے اس میں آرام کر کے چلا جائے۔ تو ہم اپنے ذہن میں یہ سوچیں گے کہ یہ کوئی حکیمانہ کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے مقصد کیلئے مناسب یہ تھا کہ چند چھوٹے چھوٹے خیمے نصب کر دیئے جاتے۔ اسی طرح یہ دنیا اتنی عظمت کے ساتھ، یہ تمام کرّے، سورج، چاند اور انواع و اقسام کی زمین میں بسنے والی مخلوقات، یہ تمام چیزیں صرف ایک چھوٹے سے مقصد یونہی انسان کی چند روزہ زندگی کیلئے نہیں بنائی جاسکتیں۔ ورنہ اس جہان کی خلقت فضول اور لاحاصل ہوتی۔ یہ عظیم مقامات انسان جیسے صاحب شرف وجود کیلئے بنائے گئے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر وہ خدائے عظیم کی معرفت حاصل کرے۔ ایسی معرفت جو دوسری زندگی کیلئے اس کا سرمایہ ثابت ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاد کے منظر تم اس دنیا کے ہر گوشہ میں اپنی آنکھ سے دیکھتے ہو۔ ہر سال نباتات کی دنیا میں قیامت کے منظر کی تکرار ہوتی ہے۔ پروردگار عالم مردہ زمینوں کو بارش کے زندگی بخش قطروں کے نزول سے زندہ کرتا ہے جیسا کہ سورۂ حمٓ سجدہ کی آیت ۳۹ میں فرماتا ہے: ''وہ جوان مردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے وہی ہے جو مردوں کو زندہ کریگا۔'' سورہ حج کی آیت ۶ میں بھی ان معانی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

(٦٣)اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ	کیا کبھی اس کے بارے میں غور کیا ہے جو تم کاشت کرتے ہو؟
(٦۴)ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ	کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟
(٦۵)لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ	اگر ہم چاہیں تو اس زراعت کو مٹھی بھر خشک و کوبیدہ گھاس میں اس طرح تبدیل کر دیں کہ تم حیران رہ جاؤ۔
(٦٦)اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ	(اس طرح کہ تم کہو) واقعی ہمیں خسارہ ہوا ہے۔
(٦٧)بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ	بلکہ ہم کلی طور پر محروم ہیں۔

تفسیر

دانوں کو اگانے والا خدا ہے یا تم ہو؟

اس سورہ میں جو سات دلیلیں معاد کے بارے میں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ہم نے اب تک چار دلیلیں پڑھی ہیں۔ زیر بحث آیت اور آگے آنے والی آیات میں تین اور دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن میں سے ہر ایک انسانی زندگی میں اللہ کی قدرت بے پایاں کا نمونہ ہے۔ ان دلیلوں میں سے ایک غذا کے دانوں کی خلقت سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری پانی سے اور تیسری آگ سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے تین بنیادی ارکان کو یہی چیزیں تو تشکیل دیتی ہیں۔ نباتات کے دانے انسانی غذا کا اہم جز شمار ہوتے ہیں۔ پانی اہم ترین مشروب ہے اور آگ غذائی مواد اور دیگر امور زندگی کی اصلاح کا اہم ترین وسیلہ ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے: ''کیا اس میں جسے تم کاشت کرتے ہو کبھی غور کیا ہے''۔

(٦۴) ''کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔'' یہ اللہ ہے جس نے دانہ کے اندر ایک بہت ہی چھوٹا سا زندہ سیل پیدا کیا ہے جو مساعد ماحول میں قرار پاتا ہے تو ابتداء میں خود دانہ میں موجود مواد غذائی سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔ کونپل نکالتا ہے اور جڑ کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر عجیب و غریب تیزی کے ساتھ کے مواد غذائی سے مدد حاصل کرتا ہے اور اس گھاس میں عجیب قسم کی مشینری حرکت میں آجاتی ہے جس سے وہ ایک حشر بپا کرتا ہے، تنے شاخ اور خوشہ بناتا ہے اور کبھی تو ایک بیج میں سے کئی سو یا کئی ہزار دانے نکلتے ہیں۔

(٦۵) اس حقیقت کے پیش نظر کہ، نباتات کی نشو نما کے سلسلہ میں انسان سوائے دانوں کو زمین میں ڈالنے کے کوئی اور کام نہیں کرتا، بعد والی آیت مزید کہتی ہے، ''اگر چاہیں تو اس زراعت کو مٹھی بھر خشک و کوبیدہ گھاس میں اس طرح تبدیل کر دیں کہ تم حیران رہ جاؤ۔ جی ہاں! ہم تیز زہریلی آندھی بھیج سکتے ہیں۔ جو اسے دانوں کے لگنے سے پہلے ہی خشک کر کے درہم و برہم کر دے یا پھر کوئی اور

آفت ومصیبت اس پر مسلط کر دیں جو حاصل ہونے والے سرمایہ کو ختم کر دے ٹڈی دل کا سیلاب اس کی طرف بھیج سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عظیم بجلی کا ایک گوشہ اس پر مسلط کر دیں اس طرح کہ سوائے مٹھی بھر خشک روندی ہوئی گھاس کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے اور تم اس منظر کے مشاہدہ سے حیرت وندامت میں غرق ہو جاؤ۔ اگر حقیقی زراع تم لوگ خود ہوتے تو کیا یہ امور ممکن تھے؟ تو پھر جان لو کہ یہ سب برکتیں کسی اور جانب سے ہیں۔

(٦٦) جی ہاں! تعجب کرتے ہو اور حیرت میں ڈوب کر کہتے ہو۔ ''سچ مچ ہم نے نقصان اٹھایا ہے اور ہم سرمایہ کھو بیٹھے ہیں اور ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔

(٦٧) بلکہ ہم تو کلی طور پر بے چارے اور محروم ہیں۔

(٦٨) اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ؕ	کیا اس پانی پر غور کرتے ہو جسے تم پیتے ہو؟
(٦٩) ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ	کیا تم اسے بادل سے نازل کرتے ہو یا ہم کرنے والے ہیں؟
(٧٠) لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ	اگر ہم چاہیں تو اس خوشگوار پانی کو تلخ کر دیں تو کیوں تم شکر نہیں کرتے؟
(٧١) اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ؕ	کیا اس آگ پر غور کیا ہے جسے تم روشن کرتے ہو؟
(٧٢) ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ	کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟
(٧٣) نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ۚ	ہم نے اس آگ کو سب کے لئے یاد آوری اور مسافروں کے لئے مایۂ زندگی قرار دیا ہے۔
(٧٤) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۠	پس جب ایسا ہے تو اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو

تفسیر

یہ پانی اور آگ کس کی طرف سے ہیں؟

پروردگار عالم سورہ واقعہ کی ان آیتوں میں معاد کی چھٹی اور ساتویں دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ آیتیں اس قدرت و

اختیار کو بیان کرتی ہیں جو اسے ہر چیز پر حاصل ہے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچاتی ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے۔''کیاتم نے اس پانی پر غور کیا ہے جسے تم پیتے ہو'۔

(۶۹) کیاتم اسے بادل سے نازل کرتے ہو یا ہم نازل کرتے ہیں' یہ آیتیں انسان کے وجدان میں سوالات کا ایک سلسلہ قائم کرتی ہیں اوراس سے اقرار لیتی ہیں اور حقیقت کہتی ہیں۔ کیا اس پانی کے بارے میں جو تمہاری زندگی کا باعث ہے اور تم ہمیشہ اسے پیتے ہو کبھی غور کیا ہے؟ اور اگر ہم مندرجہ بالا آیتوں میں دیکھتے ہیں کہ صرف پینے کے پانی پر انحصار کیا گیا ہے اور اس کی تاثیر سے جانوروں اور نباتات کی زندگی کے لئے پانی کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ آیتوں میں زراعت کے معاملہ پر گفتگو ہوئی تھی لہٰذا تکرار کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

(۷۰) آخر کار اس آیت میں اس بحث کی تکمیل کے لئے مزید کہتا ہے۔''اگر ہم چاہیں تو اس میٹھے اور خوشگوار پانی کو کڑوے اور نمکین پانی میں تبدیل کر دیں۔''تو پھر کیوں اس عظیم نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔'' جی ہاں اگر اللہ چاہتا تو پانی میں حل شدہ نمکیت کو اجازت دیتا کہ وہ پانی کے اجزا کے ساتھ بخارات بنے اور اس کے ساتھ آسمان کی طرف چلی جائے اور کڑوے اور نمکین بادلوں کی شکل بنائے اور بارش کے قطرے شور وتلخ سمندر کے پانی کا ذائقہ لئے ہوئے اوپر سے نیچے گریں۔ لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے نمکین پانی کو یہ اجازت نہیں دی۔ نہ صرف پانی کے نمکین حصہ کو بلکہ ایذا رساں، مضر صحت اور تکلیف وہ جراثیم کو بھی یہ اجازت نہیں دی کہ وہ پانی کے بخارات کے ہمراہ آسمان کی طرف بلندی پر جائیں اور بارش کے قطروں کو آلودہ کریں اسی بنا پر بارش کے قطرے، جس وقت فضا آلودہ نہ ہو، زیادہ خالص پاکیزہ اور خوشگوار پانی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(۷۱) انجام کار ہم اسی سلسلہ آیات میں ساتویں اور آخری دلیل تک پہنچتے ہیں۔ وہ ساتویں دلیل آگ کی خلقت ہے۔ آگ جو انسانی زندگی کے آیات واسباب میں سب سے زیادہ اہم ہے اور تمام صنعتوں میں زیادہ موثر ذریعہ ہے اس کو موضوع بنا کر اللہ فرماتا ہے۔ کیا اس آگ کے بارے میں جسے روشن کرتے ہو کبھی تم نے غور وفکر سے کام لیا ہے۔

(۷۲) کیاتم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم نے پیدا کیا ہے۔

(۷۳) اس آیت میں مذکورہ بالا مباحث کی تاکید کے لئے مزید فرماتا ہے:''ہم نے اس آگ کو جو درختوں سے خارج ہوتی ہے اوروں کے لئے یاد دہانی کا ذریعہ اور مسافروں کے لئے زندگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ سبز درختوں میں سے آگ کا ظاہر ہونا ایک طرف بے جان بدنوں میں قیامت کے دن روحوں کے واپس آنے کو یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف آتش دوزخ کا احساس دلاتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث: یہ آگ جو تم جلاتے ہو جہنم کی آگ کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

باقی رہی تعبیر کی تو وہ اس آگ کے دنیاوی فوائد کی طرف ایک مختصر اور پر معنی اشارہ ہے۔

(۷۵)فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۙ	قسم ہے ستاروں کی جگہ اوران کے محل طلوع وغروب کی۔
(۷۶)وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ۙ	اوراگرتم سمجھوتو یہ بہت بڑی قسم ہے۔
(۷۷)اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ۙ	بے شک وہ قرآن کریم ہے۔
(۷۸)فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ۙ	جوایک محفوظ ومکنون کتاب میں ہے۔
(۷۹)لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ؕ	سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی اسے مس نہیں کرسکتا۔
(۸۰)تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	یہ ایسی چیز ہے جو پروردگار عالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔
(۸۱)اَفَبِھٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡھِنُوۡنَ ۙ	کیااس قرآن کو(ان اوصاف کے ساتھ جو بتائے گئے ہیں) کمزوراور چھوٹا سمجھتے ہو؟
(۸۲)وَ تَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ	اور جورزق اس نے تمہیں دیا ہے بجائے شکر کے اس کی تکذیب کرتے ہو؟

تفسیر

صرف پاکیزہ افراد حریم قرآن تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔

ان بہت سے مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں قیامت کے بارے میں سات دلیلوں کے ساتھ آئے ان آیات گفتگو قرآن مجید کی اہمیت کے بارے میں ہے کیونکہ مسئلہ نبوت اور مسئلہ نزول قرآن مبداومعاد کے مسائل کے بعد اہم ترین اعتقادی ارکان کوتشکیل دیتے ہیں۔علاوہ ازیں قرآن مجید توحید ومعاد جیسے دواصولوں کے پس منظر کے لئے عمیق بحث پیش کرتا ہے اور مسئلہ نبوت نزول قرآن کے مرتبہ کا استحکام توحید ومعاد کا استحکام شمار ہوتا ہے۔سب سے پہلے ایک بڑی قسم کے ساتھ گفتگو شروع کرتے ہوئے فرماتا ہے:’’قسم ہے ستاروں کی جگہ کی اوران کے محل طلوع وغروب کی:‘‘

جس وقت ہم اس نکتہ کی طرف توجہ کریں کہ ماہرین کی گواہی کے مطابق صرف ہماری کہکشاں میں تقریبا ایک ہزار ملین ستارے موجود ہیں اور عالم میں اس کے علاوہ اور بہت سی کہکشائیں ہیں جن میں سے ہرایک کی ایک مخصوص سمت ہے،تو ہمیں قرآن کی اس قسم کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۷۶)اسی بنا پر اس آیت میں پروردگار عالم مزید فرماتا ہے''یہ بہت ہی بڑی قسم ہے اگر تم جان لو''۔(اگر تم جان لو) کے الفاظ اچھی طرح گواہی دیتے ہیں کہ انسان کا علم اور اس کی دانش اس زمانے میں اس حقیقت کا مکمل طور پر ادراک نہیں کر سکتے تھے اور یہ خود قرآن کا ایک علمی اعجاز شمار ہوتا ہے کہ ایسے زمانے میں جب کہ شاید ایک گروہ یہ خیال کرتا تھا کہ ستارے چاند کی میخیں ہیں جو آسمان کی چھت میں ٹھونکی گئی ہیں۔اس قسم کا بیان اور وہ بھی ایسے ماحول میں جو فی الحقیقت جہالت و نادانی سے پاک تھا ممکن نہیں تھا کہ ایک عام انسان سے صادر ہو۔

(۷۷)اب ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ عظیم قسم کس مقصد کے لئے بیان ہوئی ہے۔بعد والی آیت اس کے رخ سے پردہ اٹھاتی ہے اور کہتی ہے:''جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ قرآن کریم ہے۔''اور اس طرح ان کج فہم اور ضدی مشرکین کو جن کا ہمیشہ یہ اصرار تھا کہ یہ آیتیں ایک قسم کی کہانت ہیں، یا نعوذ باللہ جنون آمیز باتیں ہیں، یا شعراء کے اشعار کی طرح ہیں یا پھر شیاطین کی طرف سے ہیں، یہ جواب دیتا ہے کہ یہ وحی آسمانی ہے اور ایسا کلام ہے جس کی عظمت کے آثار بالکل نمایاں ہیں اور اس کے موضوعات ومضامین اس کے مبداءِ نزول کی ترجمانی کرتے ہیں۔

جی ہاں! قرآن جس کا کلام ہے وہ بھی کریم ہے اور خود قرآن بھی کریم ہے اور اس کو لانے والا بھی کریم ہے اور اس کے مقاصد بھی کریم ہیں۔

(۷۸)اس کے بعد اس آسمانی کتاب کی دوسری صفت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:''یہ آیات ایک مستور اور پوشیدہ کتاب میں ہیں''۔لوح محفوظ (علم خدا) میں جو ہر قسم کی خطا ولغزش اور تغیر وتبدل سے مصئون ہے۔

(۷۹) تیسری صفت کے سلسلہ میں فرماتا ہے:''اس کتاب کو پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی مس نہیں کر سکتا۔

بہت سے مفسرین نے ان روایات کی پیروی کرتے ہوئے جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول ہیں اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ غسل و وضو کے بغیر قرآن کی تحریر کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔قرآن کے بلند حقائق ومفاہیم کا پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی ادراک نہیں کر سکتا پاکیزگی کی کم سے کم حد، جو حقیقت جوئی کی روح ہے، وہ قرآن کے کمترین ادراک کے لئے لازمی ہے اور جس قدر پاکیزگی وطہارت زیادہ ہوگی موضوعات ومفاہیم قرآن کا ادراک انسان کے لئے اتنا ہی زیادہ ممکن ہوگا۔

(۸۰)پروردگار عالم قرآن مجید کی چوتھی اور آخری توصیف کے سلسلہ میں فرماتا ہے:''یہ قرآن عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

وہ جو تمام اہل جہاں کا مربی ومالک ہے اس نے اس قرآن کو انسانوں کی تربیت کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ دل پر نازل کیا ہے اور جس طرح عالم تکوین میں وہی مالک ومربی ہے عالم تشریع میں بھی جو کچھ ہے اسی کی طرف سے ہے۔

(۸۱)اس کے بعد مزید فرماتا ہے:''کیا اس قرآن کو ان اوصاف کے ساتھ جو بتائے گئے ہیں کمزور اور چھوٹا شمار کرتے ہو۔

آسان ہے تو اس کی تکذیب کرتے ہو“ جب کہ اس سے صدق وحقانیت کی نشانیاں اچھی طرح واضح ہوتی ہیں۔ تو چاہیے کہ تم کلام اللہ کو انتہائی کاوش کے ساتھ قبول کرو اور ایک حقیقت واقع سمجھ کر اس کے سامنے جاؤ۔

(۸۲) آخری آیت میں فرماتا ہے: ”تم بجائے اس کے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں، خصوصاً قرآن جیسی عظیم نعمت کا شکر ادا کرو تم اس کی تکذیب کرتے ہو“۔

(۸۳) فَلَوْ لَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ	پس کیوں جب کہ روح گلے تک پہنچ جائے گی۔ (اسے واپس لوٹانے کی تم توانائی نہیں رکھتے)؟
(۸۴) وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ	اور تم اس حالت میں نظارہ کرو گے۔ (اور کوئی کام تمہارے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گا)۔
(۸۵) وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ	اور ہم اس سے زیادہ نزدیک ہیں تمہاری نسبت لیکن تم دیکھتے نہیں ہو۔
(۸۶) فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ	اگر تمہارے اعمال کی تمہیں بالکل جزا نہ دی جائے۔
(۸۷) تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	تو پھر اس کو لوٹا دو اگر تم سچ کہتے ہو۔

تفسیر

جس وقت کہ جان گلے تک پہنچ جائے گی

منجملہ دیگر حساس لحات کے جو انسان کو بہت زیادہ گہری فکر میں مستغرق کر دیتے ہیں احتضار، یعنی انسانی زندگی کے اختتام کا لحہ ہے۔ یہ وہ لحہ ہے کہ جہاں معاملہ انسان کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اور آس پاس کھڑے ہوئے لوگ جان کنی میں مبتلا فرد کو ناامیدی سے دیکھتے ہیں کہ یہ شمع کی طرح ہے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے اور آہستہ آہستہ بجھ رہی ہے۔ وہ زندگی سے رخصت ہوتا ہے۔ اس وقت اس کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ مباحث کی تکمیل اور منکرین ومکذبین کی جواب دہی میں اس لحے کی گویا تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے: پس کیوں جس وقت جان گلے میں آ جائے گی تو اس کو واپس لوٹانے کی طاقت تم نہیں رکھتے“۔

(۸۴) ”اور تم اس حالت میں نظارہ کرو گے اور تم سے کچھ نہیں ہو سکے گا“۔ یہاں مخاطب وہ لوگ ہیں جو جاں کنی میں مبتلا فرد کے متعلقین ہیں۔ ایک تو وہ اس کی خستہ حالت کو دیکھیں گے، دوسرے اپنی بے چارگی وناتوانی کو محسوس کریں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے اور وہ اس سے بھی باخبر ہیں کہ ان کا اپنا انجام بھی یہی ہونا

ہے۔

(۸۵)اس کے بعد پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: ''حالانکہ تمہاری نسبت ہم اس کے زیادہ قریب ہیں اور ہمارے فرشتے جو اس کی روح قبض کرنے کے لئے آمادہ ہیں، وہ بھی تمہاری نسبت اس کے زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے''۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جاں کنی میں مبتلا شخص کی جان پر کیا گزر رہی ہے اور اس کے وجود کی گہرائی میں کیسا تلاطم برپا ہے اور وہ ہم ہی ہیں جس نے اس کی روح کے قبض کرنے کا معین وقت پر فرمان جاری کیا ہے لیکن تم تو صرف اس کے ظاہری حالات کو دیکھتے ہو اور اس گھر سے دوسرے گھر کی طرف انتقال سے اور ان طوفانوں سے جو اس وقت برپا ہیں، تم بے خبر ہو۔ بہرحال نہ صرف اس موقع پر بلکہ ہر حالت میں اللہ ہر شخص کی نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے یہاں تک کہ وہ خود ہم سے بھی ہم سے زیادہ نزدیک ہے۔

(۸۶)اس کے بعد مزید تاکید کے لئے اور اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے مزید فرماتا ہے: ''اگر تمھیں تمہارے اعمال کی بالکل جزا نہ دی جائے''۔

(۸۷)''تو پھر اس کو واپس لوٹا دو اگر تم سچے ہو''۔ یہ تمہارا ضعف اس بات کی دلیل ہے کہ موت وحیات کا مالک کوئی اور ہے اور جزا و سزا کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہے کہ جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔

(۸۸)فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۙ	(جس پر جان کنی کا عالم طاری ہوتا ہے) اگر وہ مقربین میں سے ہو۔
(۸۹)فَرَوۡحٌ وَّ رَيۡحَانٌ ۙ وَّ جَنَّةُ نَعِيۡمٍ	تو وہ انتہائی راحت و آرام میں ہے اور نعمتوں والی جنت میں اسے جگہ ملے گی۔
(۹۰)وَ اَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۙ	اور اگر اصحاب یمین میں سے ہے۔
(۹۱)فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ؕ	تو اس سے کہا جائے گا تجھ پر سلام ہو تیرے دوستوں کی طرف سے جو اصحاب یمین میں سے ہیں۔
(۹۲)وَ اَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ۙ	لیکن اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہو۔
(۹۳)فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ۙ	تو دوزخ کے جوش دیئے ہوئے پانی سے اس کی تواضع ہوگی۔

(۹۴)وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ	اس کے بعد اس کی سرنوشت یہ ہوگی کہ اس کا دوزخ میں ورود ہوگا۔
(۹۵) اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ ۚ	یہ وہی حق ویقین ہے۔
(۹۶)فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ۠	اب جب کہ ایسا ہے تو اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

تفسیر

نیکوکاروں اور بدکاروں کا انجام

یہ آیات اس سورہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا ایک قسم کا امتزاج ہیں۔ یہ آیتیں جب انسان موت کے آستانے پر ہو تو اس کی حالت سے تغیر کی تصویر کشی کرتی ہیں کہ کس طرح بعض لوگ انتہائی آرام وسکون اور راحت وخوشی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ گروہ ہے جو جہنم کی آگ کے دور سے نظر آنے والے نظارے کی وجہ سے انتہائی اضطراب ووحشت کے عالم میں جان دیتے ہیں۔ پہلے فرماتا ہے: ''جس شخص پر جاں کنی کا عالم طاری ہوتا ہے اگر وہ مقربین میں سے ہو۔ تو وہ انتہائی راحت وآرام میں ہے۔ اسے نعمتوں سے لبریز جنت میں جگہ مل جائے گی۔ روح وریحان انسان کے آرام کے تمام وسائل اور خدائی نعمت وبرکت پر محیط ہیں۔

(۹۰) اس کے بعد پروردگار عالم فرماتا ہے: ''لیکن اگر دوسرے گروہ یعنی اصحاب یمین میں سے ہے (وہی نیک اور صالح مرد اور عورتیں جن کے نامۂ اعمال کامیابی اور قبولیت کی نشانی کے طور پر ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے)۔ تو اس سے کہا جائے گا تجھ کو تیرے ان دوستوں کی طرف سے سلام ہو جو اصحاب یمین میں سے ہیں۔ اس طرح روح قبض کرنے والے فرشتے انتقال کے وقت اس کے دوستوں کا سلام اسے پہنچائیں گے جیسا کہ اس سورہ واقعہ کی آیت ۲۶ میں اہل بہشت کی تعریف وتوصیف میں ہم نے پڑھا ہے۔

(۹۲) اس کے بعد ہم تیسرے گروہ کو عنوان کلام بناتے ہیں جنہیں سورہ کے اوائل میں اصحاب شمال کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے: ''لیکن اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہو''۔ تو اس کی دوزخ کے کھولتے ہوئے اور زہریلے پانی سے ضیافت وپذیرائی ہوگی۔

(۹۳) اور اس کے بعد اس کی قسمت یہ ہے کہ اس کا جہنم میں ورود ہوگا''۔ جی ہاں موت کی آمد پر اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے ابتدائی عذاب وہ چکھیں گے اور قبر وبرزخ میں قیامت کے عذابوں کے تلخ ذائقے، ان کے حصہ میں آئیں گے۔ مکذبین

اور ضالین کا ذکر۔اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی ہوسکتی ہے کہ گمراہوں کے درمیان ایسے مستضعف وجاہل اور قاصر افراد بھی ہیں جوحق سے عناد نہیں رکھتے، نہ ہٹ دھرمی کا شکار ہیں تو اس بات کا امکان ہے کہ ان کے حال پر اللہ کا لطف وکرم ہو۔لیکن ایسے تکذیب کرنے والے جوحق سے عناد رکھتے ہوں اور ہٹ دھرم ہوں ان کا نصیب وہی ہوگا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔

(۹۴) اس گفتگو کے آخر میں مزید فرماتا ہے: ''یہ وہی حق ویقین ہے''۔

(۹۵) اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کر اور اسے منزہ شمار کر''۔ ''فسبح''(پس تسبیح کر) کی تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ ان تین گروہوں کے بارے میں کہا گیا ہے وہ عین عدالت ہے۔لہٰذا اس بنا پر اپنے اللہ کو ہر قسم کے ظلم اور بے انصافی سے پاک ومنزہ شمار کر یا یہ کہ اگر تو چاہتا ہے کہ تیسرے گروہ کی حالت زار سے دوچار نہ ہو تو اللہ کو ہر قسم کے شرک وناانصافی سے، جو انکار قیامت کا لازمہ ہیں، پاک ومنزہ سمجھ۔ بہت سے مفسرین نے آخری آیت کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ اس کے نزول کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو اپنے رکوع میں قرار دو'' (اور سبحان ربی العظیم کہو)۔

سورۂ حدید

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۲۹ آیتیں ہیں۔

سورۂ حدید کے مشمولات

یہ سورہ ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔اس کے مدنی ہونے پر مفسرین کا اجماع ہے۔مدنی سورتوں کی خصوصیات کے طور پر اعتقادی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے علاوہ اس سورہ نے کئی اجتماعی،حکومتی اور عملی احکام پیش کیے ہیں جن کے نمونے انشاءاللہ ہم آیت ۱۰،۱۱اور ۲۵ میں دیکھیں گے۔

1۔اس سورہ کی ابتدائی آیات میں توحیداور صفات اللہ کے بارے میں نہایت مدلل اور دلچسپ بحث ہے۔اللہ کی تقریباً بیس ایسی صفتیں ان میں مذکور ہیں جن کا ادراک انسان کو معرفت اللہ کی ایک بلند منزل پر فائز کرتا ہے۔

2۔دوسرا حصہ قرآن سے متعلق ہے اور اس نور الٰہی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو شرک کی تاریکیوں میں چمکا۔

3۔تیسرا حصہ قیامت میں مومنین اور منافقین کی جو کیفیت ہوگی اس پر مشتمل ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ پہلا گروہ نور ایمان کے سائے میں باغ،فردوس کی طرف گامزن ہوجاتا ہے اور دوسرا گروہ شرک کی ظلمتوں میں محصور رہ جاتا ہے۔اس سورہ میں یہ دونوں مباحث ہیں۔اس طرح،سورہ میں اسلام کے تین بنیادی اصول توحید،نبوت اور قیامت نہایت خوبی سے بیان ہوئے ہیں۔

4۔ایک اور حصہ میں قبول ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور شرک سے دستبردار ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔اس حصہ میں گزشتہ کافر قوموں میں سے ایک قوم کا احوال بھی پیش کیا گیا ہے۔

5۔سورہ کا اہم حصہ یہ ہے کہ اس میں راہ اللہ میں انفاق پر زور دیا گیا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور مال دنیا کے بے قدر و قیمت ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

6۔یہ مختصر سا حصہ ہے لیکن نہایت مدلل ہے۔اس میں عدالت اجتماعی پر گفتگو ہوئی ہے جو انبیاء کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔

7۔آخری حصہ میں رہبانیت اور اجتماعی طور پر گوشہ نشینی اختیار کرنے کے مسئلہ پر بحث کے ساتھ اس کی مذمت کی گئی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر کا اس سے اختلاف واضح کیا گیا ہے۔

ان مباحث کے درمیان کچھ اور نکات بھی بڑی مناسبت کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں اور آخر میں ایک خواب غفلت سے بیدار کرنے والا اور ہدایت بہم پہنچانے والا مجموعہ احکام تشکیل پاتا ہے۔اس سورہ کا نام جو حدید رکھا گیا ہے وہ اس تعبیر کی بناء پر ہے جو آیہ ۲۵ میں آئی ہے۔

سورۂ حدید کی تلاوت کی فضیلت

روایات اسلامی میں اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں قابل ذکر باتیں سامنے آئی ہیں۔تلاوت محض تلاوت نہیں بلکہ ایسی تلاوت جس میں غور وفکر اور تدبر وتفکر کا عنصر شامل ہو اور جو تحریک عمل کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے ہو۔

ایک اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات کی تلاوت فرماتے تھے۔ مسبحات وہ سورتیں ہیں جو سبح للّٰہ یا یسبح للّٰہ سے شروع ہوتی ہیں اور وہ پانچ سورتیں ہیں، سورہ حدید، حشر، صف، جمعہ اور تغابن۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے ''ان فیھن ایة افضل من الف ایة'' ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے افضل وبرتر ہے''۔

ایک اور حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ

''جو شخص مسبحات کی تلاوت کرے تو وہ اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھے گا جب تک حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوجائے اور اگر اس سے پہلے وہ دنیا سے اٹھ گیا تو دوسرے جہان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمسایہ ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ عزیز وحکیم ہے۔
(۲) لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	آسمانوں اور زمین کی مالکیت (وحاکمیت) اس کے لئے ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔
(۳) ہُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاہِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ	اول وآخر اور ظاہر وباطن وہی ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

تفسیر

گہری فکر رکھنے والوں کی علامات

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورہ توحید اور صفات باری تعالٰی کے بیان سے شروع ہوا ہے۔ وہ صفتیں جو بیان ہوئی ہیں وہ تعداد میں بیس ہیں۔ یہ صفات ایسی ہیں کہ ان کی معرفت انسان کی سطح فکر کو بلند کرتی ہے اور وہ اپنے رب سے روشناس ہوجاتا ہے۔ ان صفتوں میں سے ہر ایک پروردگار عالم کی صفات جلال وکمال کے کسی گوشہ کو لئے ہوئے ہے اور صاحبان فکر ونظر اس میں جس قدر غور وفکر کرتے ہیں انہیں نئے حقائق دستیاب ہوتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں امام علی بن الحسین علیہ السلام سے یہ بات سننے میں آئی ہے کہ جس

وقت آپ سے لوگوں نے توحید الٰہی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانے میں کچھ قومیں آئیں گی جو مسائل میں غور و فکر سے کام لیں گی لہٰذا اللہ نے سورہ قل ھواللہ اور سورہ حدید کی ابتدائی آیات علیم بذات الصدور تک نازل فرمائیں۔ پس جو شخص اس سے ہٹ کر کسی اور شے کا طالب ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

بہرحال اس سورہ کی پہلی آیت اللہ کی تسبیح سے شروع ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ ہمیشہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور وہی ایسا قادر ہے جسے کبھی شکست نہیں ہوتی اور وہ حکیم علی الاطلاق ہے۔

(۲) خداوند عالم کی دو صفتیں یعنی عزت اور حکمت کے بعد عالم ہستی میں جو اس کی مالکیت، تدبیر اور تصرف کارفرما ہے اور جو لازماً قدرت ہے۔ اس کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی مالکیت و حاکمیت''۔ ''وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے''۔ ''اور وہ ہر کام پر قدرت رکھتا ہے''۔ عالم ہستی میں اللہ کی مالکیت اعتباری اور تشریعی نہیں ہے بلکہ مالکیت حقیقی و تکوینی ہے یعنی وہ ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے اور سارا جہان اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے ارادہ و فرمان کے ماتحت ہے۔ اسی لئے اس کے بعد زندہ کرنے، مارنے اور ہر چیز پر اختیار رکھنے کی گفتگو درمیان میں آئی ہے۔ عزت اور قدرت میں فرق یہ ہے کہ عزت عام طور پر دفاع کے انتظامات کو درہم برہم کرتی ہے اور قدرت کی توجہ اسباب کو ایجاد کرنے کی طرف ہے اس بنا پر یہ دو مختلف صفتیں شمار ہوتی ہیں، اگرچہ بنیادی طور پر قوت کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں (غور فرمایئے)۔

(۳) اس کے بعد پانچ اور صفتوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ اول ہے اور وہ آخر ہے، ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اول و آخر ہونے کی صفت اس کی ازلیت و ہدایت کی بہت لطیف تعبیر ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ واجب الوجود اور لامتناہی ہے یعنی اس کی ہستی خود اپنی ذات ہی سے ہے نہ کہ خارج سے کہ اس کی کوئی ابتدا ہو اور وہ ختم ہو۔ اس بنا پر وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ عالم ہستی کا سرآغاز ہے اور وہی ہے کہ جو عالم فنا کے بعد بھی ہوگا۔ اس بنا پر اول و آخر کی تعبیر کسی خاص زمانے تک محدود نہیں ہے اور کسی معین مدت تک اشارہ نہیں کرتی ظاہر و باطن کی توصیف بھی تمام چیزوں کی نسبت اس کے احاطۂ وجود کی ایک اور تعبیر ہے۔ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس کے آثار نے ہر جگہ کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے زیادہ مخفی ہے کیونکہ اس کی کہنہ ذات کسی پر آشکار نہیں ہے۔

ان امور کے نتائج میں سے ایک وہی ہے جو آیت کے آخر میں آیا ہے: کیونکہ وہ جو آغاز سے تھا اور آخر تک باقی رہے گا اور جہان کے ظاہر و باطن میں ہے وہ یقیناً ہر چیز سے آگاہ ہے۔

(۵)هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ	وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن (چھ ادوار) میں پیدا کیا اور تخت قدرت پر جلوہ گر ہوا (اور تدبیر عالم کی) جو کچھ زمین میں جذب ہوجاتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو زمین سے خارج ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف صعود کرتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی رہو اور جسے تم انجام دیتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔
(۵)لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ	آسمانوں اور زمین کی ملکیت اسی کے لئے ہے اور ہر چیز اسی کی طرف لوٹتی ہے۔
(٦)یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو دلوں پر حکومت کرتی ہیں۔

تفسیر

وہ ہمیشہ قدرت پر جلوہ گر ہے

ان گیارہ اوصاف کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں پروردگار عالم کی ذات پاک کے بارے میں بیان ہوئے ہیں نو آیتوں میں مزید اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ پہلی زیر بحث آیت میں اللہ کی صفات جمال وجلال میں سے پانچ صفتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ سب سے پہلے خالقیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں خلق کیا ہے''۔ چھ دن میں خلقت کا مسئلہ قرآن مجید میں سات مرتبہ بیان ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورہ اعراف کی آیت ۵۴ میں اور آخری مرتبہ اس زیر بحث آیت میں (سورہ حدید کی آیت ۴)۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ ان آیات میں یوم سے مراد عام دن نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایک دور ہے چاہے وہ دور چھوٹا ہو چاہے بڑا ہو، ہوسکتا ہے وہ کئی ملین سال پر محیط ہو۔

اس کے بعد مسئلہ حکومت اور تدبیر عالم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ نے عالم کو پیدا کرنے کے بعد تخت حکومت پر

استقرار کیا۔اس میں شک نہیں کہ اللہ نہ جسم ہے اور نہ عرش کے معنی تخت سلطنت کے ہیں بلکہ یہ تعبیر اللہ کی حاکمیت مطلقہ اور عالم ہستی میں اس کی تدبیر کے نفوذ کا ایک لطیف کنایہ ہے۔

اس کے بعد اپنے علم بے پایاں کی ایک اور شاخ کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:''جو کچھ زمین میں نفوذ کرتا ہے اور جو کچھ اس سے خارج ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ آسمان کی طرف صعود کرتا ہے وہ اس سب سے واقف و باخبر ہے''۔

آخر میں چوتھی اور پانچویں صفت کے سلسلہ میں ایک حساس نکتہ پر انحصار کرتے فرماتا ہے۔''وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو''۔''جبکہ ایسا ہے تو پھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتا ہے''۔وہ کس طرح ہمارے ساتھ نہ ہو جبکہ ہم نہ صرف اپنے وجود میں بلکہ اپنی بقا کے بارے میں بھی ہر لمحے اس کے محتاج ہیں اور اس سے مدد لیتے ہیں۔وہ عالم ہستی کی روح ہے، جان جہاں ہے بلکہ ہر شے سے بہتر و برتر ہے۔فی الحقیقت یہ احساس کہ وہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے اور نہ صرف ہم کو عظمت و شکوہ بخشتا ہے بلکہ ہمارے نفس کو اعتماد و اطمینان عطا کرتا ہے اور شجاعت و شہامت پیدا کرتا ہے اور اس کے علاوہ اسے یعنی ہمارے نفس کو شدید ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے، کیونکہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور نگراں ہے۔اس کی قربت کا یہ احساس ایک عظیم درس اصلاح احوال ہے۔جی ہاں! یہ اعتقاد انسان کے لئے تقویٰ، پاکیزگی اور کامیابی کا بنیادی سبب ہے۔

(۵)اس کی حاکمیت و تدبیر کے بعد گفتگو سارے عالم ہستی پر اس کی حاکمیت تک جا پہنچتی ہے۔فرماتا ہے:''آسمانوں اور زمین کی مالکیت اسی کے لئے ہے''۔

آخر میں مرجعیت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''اور تمام کاموں کی بازگشت اسی کی طرف ہے''۔جی ہاں جب وہ ہمارا خالق و مالک اور حاکم و مدبر ہے اور ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے تو یقیناً ہم سب کی اور ہمارے امور کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہوگی۔

(٦) آخری زیر بحث آیت میں دو اور صفتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے''۔

جی ہاں بتدریج ایک میں کمی کر دیتا ہے اور دوسرے میں اضافہ کر دیتا ہے۔رات اور دن کے طول میں تغیر کرتا ہے۔وہ تغیر جو سال بھر کی چار فصلوں کے ہمراہ ہے۔ان تمام برکتوں کے ساتھ جو ان فصلوں میں انسان کے لئے چھپی ہوئی ہیں۔

آخر میں مزید کہتا ہے:''اور وہ اس چیز سے جو دلوں پر حاکم ہے باخبر ہے''۔جس طرح سورج کی حیات بخش کرنیں اور دن کی روشنی رات کی تاریکی کی گہرائیوں میں نفوذ کر جاتی ہے اور ہر جگہ کو روشن کر دیتی ہے، اسی طرح پروردگار کا علم بھی انسان کے دل و جان کے تمام اطراف و جوانب میں نفوذ کرتا ہے اور اس کے تمام اسرار کو واضح و روشن کر دیتا ہے۔

(۷)اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ اَنۡفَقُوۡا لَہُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس چیز میں سے جس میں اس نے تمہیں اپنا نمائندہ قرار دیا ہے انفاق کرو (کیونکہ) وہ لوگ جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے انفاق کیا ہے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔
(۸)وَ مَا لَکُمۡ لَا تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ۚ وَ الرَّسُوۡلُ یَدۡعُوۡکُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا بِرَبِّکُمۡ وَ قَدۡ اَخَذَ مِیۡثَاقَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ	تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہو حالانکہ رسول تمہیں پکارتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور تم سے اس نے عہد و پیمان لیا ہے۔ (فطرت و عقل کے مطابق پیمان) اگر پیمان کے لئے آمادہ ہو۔
(۱۰)ہُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبۡدِہٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ بِکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ	وہی ہے جو اپنے بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر آیات بیّنات نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی طرف لے جائے اور یقیناً اللہ تم پر مہربان و رحیم ہے۔
(۱۰)وَ مَا لَکُمۡ اَلَّا تُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لِلّٰہِ مِیۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ قٰتَلُوۡا ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۬	اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ راہ خدا میں انفاق نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ تم میں وہ لوگ جنہوں نے کامیابی و فتح سے پہلے انفاق اور جہاد کیا ہے (اور جنہوں نے بعد میں کیا ہے) وہ برابر نہیں ہیں۔ وہ ان سے بلند مقام رکھتے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق کیا ہے اور جہاد کیا ہے اور اللہ نے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو کام تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے۔

(۱۱)مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَ لَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ	کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے (جو اموال اسے دیئے ہیں ان میں سے انفاق کرے) تاکہ اللہ اس میں اس کے لئے اضافہ کردے اور اس کے لئے اجر فراواں ہے۔

تفسیر

ایمان وانفاق نجات وخوش بختی کے لئے دوعظیم سرمائے ہیں

عالم ہستی میں اللہ کی عظمت کے کچھ دلائل، اور اس کے ایسے اوصاف جلال و جمال جو رجوع الی اللہ کا سبب بنتے ہیں، ان کے بیان کے بعد، ان آیات میں، نتیجہ اخذ کرتے ہوئے سب کو ایمان وعمل کی دعوت دیتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ یہ دعوت فکر ایک عام دعوت فکر ہے جس میں تمام انسان شامل ہیں، مومنین کو زیادہ کامل الایمان اور راسخ الایمان ہونے کی طرف اور غیر مومنین کو اصل ایمان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ یہ ایسی دعوت فکر ہے جو مدلل ہے اور اس کے ثبوت توحید کے بیان پر مشتمل گزشتہ آیات میں گزر چکے ہیں۔ اس کے بعد ایمان کے ایک اہم اثر یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے فرمایا ہے: ''جس میں اللہ نے تمہیں دوسروں کا جانشین قرار دیا ہے اس میں سے انفاق کرو''۔

انفاق کا ایک وسیع مفہوم ہے جو صرف مال ودولت تک محدود نہیں ہے۔ اس میں علم اور ہدایت بھی شامل ہیں اور وہ عزت بھی جو کسی کو معاشرہ میں حاصل ہو۔ اس کے علاوہ دیگر مادی ومعنوی سرمائے بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس کے بعد مزید تشویق کے لئے فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو تم میں سے ایمان لے آئیں اور انفاق کریں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے''۔ اجر کے ساتھ جو لفظ کبیر استعمال ہوا ہے وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی عظمت اور ان کی بے عیب ابدیت کی طرف اشارہ ہے۔ نہ صرف آخرت میں اس دنیا میں بھی اجر کبیر کا ایک حصہ انہیں ملے گا۔

(۸) ایمان وانفاق کے حکم کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک تشریح پیش کرتا ہے جو استدلال کی حیثیت رکھتی ہے۔ سب سے پہلے ایک ایسے استفہام کے انداز میں جو تنبیہ کا پہلو لئے ہوئے ہے ایمان باللہ کے عنوان پر پیغمبر کی طرف سے دی ہوئی دعوت اسلام کو قبول نہ کرنے کا سبب تلاش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا سبب ہوا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لائے حالانکہ اس کا رسول تمہیں تمہارے پروردگار پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور جب کہ اس نے تم سے عہد لیا ہے اگر تم ایمان کے لئے آمادہ ہو''۔ یعنی واقعی اگر تم قبول حق کے لئے آمادہ ہوتے تو اس کے دلائل، فطرت وعقل کے تقاضوں کے مطابق بھی اور دلیل نقلی کے اعتبار سے بھی بالکل واضح اور روشن ہیں۔

(۹) یہ آیت انہی معانی کی توضیح کے سلسلے میں کہتی ہے: ''وہی ہے جس نے واضح آیات اپنے بندہ پر نازل کیں تا کہ وہ

تمہیں شرک و جہالت اور نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان، توحید اور علم کی روشنی کی طرف لے آئے اور اللہ تم پر رؤف و مہربان ہے''۔

(۱۰) اس کے بعد انفاق کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم راہ اللہ میں انفاق کیوں نہ کرو حالانکہ زمین اور آسمانوں کی میراث اسی کے لئے ہے''۔ یعنی آخر کار تم اس جہان اور اس کی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے اور سب کچھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ لہٰذا اب جب کہ تمہارے اختیار میں ہے، تو اپنا حصہ کیوں نہیں حاصل کرتے''۔

چونکہ انفاق فی سبیل اللہ مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے اس لئے بعد والے جملہ میں مزید فرماتا ہے: ''جنہوں نے فتح کے بعد انفاق کیا ہے وہ ان کے برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح سے پہلے انفاق کیا تھا اور جنگ کی ہے''۔

وہ لوگ جو بحران کے مواقع پر جان و مال کے خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، ان افراد سے جو طوفانوں اور آندھیوں کے رکنے کے بعد آگے بڑھے ہیں، افضل و برتر ہیں۔ اسی لئے تاکید مزید کے لئے فرماتا ہے: ''اس گروہ کا مقام برتر ہے ان لوگوں سے جنہوں نے فتح کے بعد انفاق و جہاد کیا ہے''۔

بہرحال چونکہ دونوں گروہ درجات کے فرق کے ساتھ عنایت پروردگار کے مستحق ہیں اس لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ نے دونوں گروہوں سے اچھا وعدہ کیا ہے''۔ یہ ان تمام لوگوں کی ایک طرح کی قدر دانی ہے جنہوں نے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے ''حسنیٰ'' کا یہاں ایک وسیع مفہوم ہے جس سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں۔ چونکہ عمل کی قدر و قیمت خلوص پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ اس سے جسے تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے''۔ اللہ تمہارے اعمال کی کمیت و کیفیت سے باخبر ہے اور تمہاری نیتوں اور معیار خلوص سے بھی آگاہ ہے۔

(۱۱) آخری زیر بحث آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں شوق دلانے کے لئے پھر ایک جاذب نظر اور عمدہ تعبیر کے ذریعے فرماتا ہے: ''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے اور ان اموال میں سے جو اس نے اسے بخشے ہیں انفاق کرے تاکہ اللہ اس کے لئے اس میں بہت سا اضافہ کردے اور بہت سا اجر قرار دے''۔

پروردگار کو قرض دینے سے مراد اس کی راہ میں ہر قسم کا انفاق ہے جس کا ایک اہم مصداق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام المسلمین کی مدد کرنا ہے تاکہ وہ حکومت اسلامی کے قیام و انصرام کے سلسلہ میں اسے ضروری مصارف میں خرچ کرے۔ اسی لئے اصول کافی کی ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اللہ نے اپنے بندوں سے کسی احتیاج کی بنا پر قرض کا مطالبہ نہیں کیا۔ جو اللہ کے حقوق ہیں وہ اس کے ولی اور نمائندہ کے لئے ہیں۔

(۱۲)یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُہُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۚ	یہ عظیم اجر اس دن کا ہے جب تو صاحبان ایمان مردوں اور عورتوں کو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں طرف تیزی سے چل رہا ہوگا۔ (اور ان سے کہیں گے) آج تمہارے لئے بشارت ہو جنت کے ایسے باغوں کی جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔
(۱۳)یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ ۚ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ فَضُرِبَ بَیۡنَہُمۡ بِسُوۡرٍ لَّہٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَ ظَاہِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ ؕ	وہ دن کہ جس میں منافق مرد اور عورتیں مومنین سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر کرو تا کہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ اور کسب نور کرو۔ پھر اس وقت ان کے درمیان دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ جس کے اندر رحمت اور باہر عذاب ہے۔
(۱۴)یُنَادُوۡنَہُمۡ اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تَرَبَّصۡتُمۡ وَ ارۡتَبۡتُمۡ وَ غَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَ غَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ	انہیں پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ وہ کہیں گے ہاں لیکن تم نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور پیغمبر کی موت کے منتظر رہے اور ہر چیز میں شک اور تردد رکھتے تھے اور تمہیں تمہاری لمبی چوڑی آرزوؤں نے دھوکے میں رکھا۔ یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آن پہنچا اور شیطان نے تمہیں اللہ کے مقابلہ میں فریب دیا۔

(۱۵) فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوٰكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلٰكُمْ ۖ وَ بِئْسَ الْمَصِيرُ	اس لئے آج تم سے اور کفار سے کوئی تاوان قبول نہیں کیا جائے گا اور تمہارے رہنے کی جگہ آگ ہے۔ وہ تمہاری سرپرست ہے اور کیا ہی بری جگہ ہے۔

تفسیر

ہمیں اپنے نور سے استفادہ کرنے دو

چونکہ گزشتہ آیتوں میں سے آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے انفاق کرنے والوں کو اجر کریم کی خوشخبری دی تھی، زیر بحث آیت میں وہ یہ معین کرتا ہے کہ یہ اجر کریم کس دن دیا جائے گا۔ فرماتا ہے: ''یہ اس دن پر مقرر ہے کہ جس دن ایماندار مرد اور عورتوں کو تو دیکھے گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف تیزی سے چل رہا ہوگا''۔ اس سے مراد نور ایمان کا مجسم ہونا ہے۔ کیونکہ اس دن انسانوں کے عقائد و اعمال کی تجسیم ہوگی، ایمان جو نور ہدایت ہے، ظاہری نور اور روشنی کی شکل میں مجسم ہوگا اور کفر کہ جو تاریکی مطلق ہے ظاہری تاریکی کی صورت میں مجسم ہوگا۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ان کے احترام کی وجہ سے ملائکہ کی طرف سے ایک آواز آئے گی: ''تمہارے لئے آج کے دن جنت کے باغات کی بشارت ہو جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں''۔ ''اس میں تم ہمیشہ رہو گے اور یہ ایک عظیم کامیابی و رستگاری ہے''۔

(۱۳) باقی رہے وہ منافقین جو کفر و نفاق اور گناہ کی وحشت ناک تاریکی میں مقیم ہوں گے تو اس موقع پر وہ فریاد کریں گے۔ وہ مومنین سے نور حاصل کرنے کی التجا کریں گے لیکن سوائے انکار کے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں پروردگار عالم فرماتا ہے: ''وہ دن جس میں منافق مرد اور عورتیں مومنین سے کہیں گے ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ تاکہ ہم بھی تم تک پہنچ جائیں اور تمہارے نور کے زیر سایہ اپنی راہ تلاش کریں۔ لیکن بہرحال جو جواب انہیں دیا جائے گا وہ یہ ہے کہ اپنے پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ اور کسب نور کرو۔ یہ نور حاصل کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ تمہیں چاہئے تھا کہ یہ نور اس دنیا میں جسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو، ایمان اور عمل صالح کے ذریعے حاصل کرتے۔ اب وقت گزر چکا ہے اور دیر ہو چکی ہے۔ اس وقت اچانک ان کے گرد ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ لیکن اس عظیم دیوار کے دونوں اطراف میں یا اس دروازہ کے دونوں اطراف میں بڑا فرق ہوگا''۔ اس کے اندر رحمت اور باہر عذاب ہے''۔

یہ دروازہ ممکن ہے اس لئے ہو کہ منافقن اس دروازہ سے جنت کی نعمتوں کو دیکھیں اور حسرت وافسوس سے دوچار ہوں۔ یا یہ کہ وہ افراد جن کے گناہ کم ہیں وہ اصلاح کے بعد وہاں سے گزر جائیں اور مومنین کے پاس آجائیں۔

(۱۴) لیکن یہ دیوار اس طرح کی نہیں ہے کہ جس پر سے آواز نہ گزر سکے اس لئے بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: ''انہیں

پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں ہوتے تھے''۔ ہم دنیا میں بھی تمہارے ساتھ ایک ہی معاشرہ میں زندگی بسر کرتے تھے اور یہاں بھی تمہارے ساتھ ہی تھے۔ کیا ہوا کہ تم اچانک ہم سے الگ ہو گئے اور جوار رحمت الٰہی میں پہنچ گئے اور ہمیں عذاب کے چنگل میں چھوڑ گئے۔ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ ہاں ہم اکٹھے ہی تھے۔ ہر جگہ اکٹھے تھے، کوچہ و بازار میں، سفر و حضر میں، کبھی ایک دوسرے کے ہمسائے تھے یہاں تک کہ کبھی ایک ہی گھر میں رہتے تھے لیکن عقیدہ و عمل کے اعتبار سے جدا بنا لیا تھا اور اصول و فروغ میں تم حق سے بیگانہ تھے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

تم بڑی بڑی خطاؤں میں گرفتار تھے منجملہ دیگر خطاؤں کے:

1۔ ''تم نے راہ کفر کے عبور کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو فریب دیا اور ہلاک ہوئے''۔

2۔ ''تم پیغمبر کی موت، مسلمانوں کی فنا اور دین اسلام کی بساط الٹنے کے انتظار میں تھے۔ اس کے علاوہ ہر مثبت کام کے انجام دینے اور ہر حرکت صحیح کے موقع پر صبر اور انتظار کی حالت میں رہتے تھے اور اس کی وجوہات بیان کرتے تھے''۔

3۔ ''ہمیشہ قیامت، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام اور قرآن کی حقانیت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہتے تھے۔

4۔ ''تم ہمیشہ لمبی چوڑی آرزوؤں میں اسیر رہتے، ایسی آرزوئیں جنہوں نے کبھی تمہارا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے تمہاری موت کا فرمان آن پہنچا۔ ہاں ان آرزوؤں نے تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی صحیح غور و فکر کی مہلت نہیں دی۔ تم خواب و خیال کی حالت میں مستغرق تھے اور توہمات کے عالم میں زندگی بسر کر رہے تھے اور مادی مقاصد اور شہوات کے حصول کی آرزو تم پر غالب تھی''۔

5۔ ان تمام چیزوں سے قطع نظر، شیطان فریب کار جس نے تمہارے وجود میں اپنا ٹھکانہ مضبوط طور پر بنا رکھا تھا، اس نے تم کو دھوکہ دیا۔ اس نے وسوسوں کے ذریعے تمہیں مغرور کیا۔ کبھی دنیا کو تمہارے سامنے جاودانی بنا کر پیش کیا اور قیامت کو ایک بھولی ہوئی چیز بتایا۔ کبھی تمہیں رحمت اللہ کے سلسلہ میں مغرور کیا، کبھی وجود پروردگار کو مشکوک بنایا۔

آخر کار مؤمنین ایک صورت حال میں منافقین کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''آج کے دن تم سے کوئی تاوان یا جرمانہ وصول نہیں کیا جائے گا کہ تم عذاب الٰہی سے نجات پاؤ''۔ اس طرح کفار کی قسمت بھی منافقوں جیسی ہے۔ یہ سب کے سب اپنے گناہوں اور بداعمالیوں میں گرفتار ہیں اور ان کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے: ''تمہاری جگہ آگ ہے''۔ ''اور تمہارا مولا اور سرپرست بھی وہی جہنم ہے''۔

''اور کیا ہی بری جگہ ہے''۔ دنیا میں انسان عام طور پر سزاؤں سے بچنے کے لئے یا تو مالی نقصان برداشت کرتا ہے یا پھر کسی مددگار اور سفارش کرنے والے سے اعانت کا طلب گار ہوتا ہے لیکن آخرت میں کفار اور منافقین کے لئے ان دونوں میں سے کچھ نہیں ہے۔ قیامت اصولی طور پر وہ تمام مادی وسائل و اسباب بیکار ہو جائیں گے جو اس دنیا میں حصول مقاصد کے لئے کارآمد ہوتے ہیں، وہاں رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

اس طرح قرآن واضح کرتا ہے کہ اس دن نجات کا واحد ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے، یہاں تک کہ شفاعت کا دائرہ بھی محدود ہے۔شفاعت صرف ان کے لئے ہے جو مذکورہ دونوں صفتوں میں سے کچھ حصہ اپنے پاس رکھتے ہوں نہ کہ وہ لوگ جو ایمان وعمل صالح سے بالکل بیگانہ ہیں اور جنہوں نے اللہ اور اس کے اولیاء سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر رکھا ہے۔

(۱۶)اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوۡنُوۡا كَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَ كَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ	کیا وہ وقت نہیں آیا کہ جب مؤمنین کے دل ذکر اللہ اور جو حق سے نازل ہوا ہے اس سے (خوف کھائیں اور)خشوع اختیار کریں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے آسمانی کتاب دی گئی ہے پھر ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور ان کے دلوں میں قساوت پیدا ہوگئی اور ان میں سے بہت سے گنہگار ہیں۔
(۱۷)اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ	جان لو کہ اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ ہم نے اپنی آیات تمہارے لئے بیان کی ہیں۔شاید تم عقل سے کام لو(اور سوچو)۔
(۱۸)اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمۡ وَ لَهُمۡ اَجۡرٌ كَرِیۡمٌ	انفاق کرنے والے مرد اور عورتیں اور وہ جو اللہ کو قرض حسنہ دیں ان کے لئے وہ رقم کئی گنا ہو جائے گی اور ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

شان نزول

آیت مذکورہ ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس بنا پر کہ ایک دن انہوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے پوچھا ''جو کچھ تورات میں ہے ہم سے اس کی بات کرو کیونکہ تورات میں تعجب خیز مسائل ہیں'' اس طرح وہ چاہتے تھے کہ قرآن کو نظر انداز کر دیں۔اس بنا پر سورہ یوسف کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو سلمان نے ان سے کہا کہ یہ

قرآن احسن القصص ہے اور بہترین واقعات بیان کرتا ہے اور تمہارے لئے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ سود مند ہے۔ انہوں نے ایک مدت تک اپنے سوال کو نہ دہرایا پھر وہ سلمانؓ کے پاس آئے اور اپنی خواہش کی تکرار کی تو اس وقت یہ آیات نازل کیں ''اللہ نے بہترین گفتگو کو نازل کیا ہے ایسی کتاب جس کی آیات (لطف وزیبائی اور معانی کے لحاظ سے) ایک دوسرے کے مانند ہیں۔ اس کی آیات مکرر ہیں۔ (لیکن یہ تکرار شوق انگیز ہے)۔ ان آیتوں کے سننے سے وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں لرزہ براندام ہو جاتے ہیں''۔

پھر انہوں نے ایک مدت تک اپنے سوال کو نہ دہرایا۔ پھر تیسری مرتبہ سلمانؓ کے پاس آئے اور اپنا سوال دہرایا تو اس وقت زیر بحث آیت نازل ہوئی (اور ان کا مواخذہ کیا کہ کیا اس بات کا موقع نہیں آیا کہ تم اللہ سے ڈرو اور ان باتوں سے دستبردار ہو جاؤ)۔

تفسیر

غفلت و بے خبری کب تک

ان تمام سرکوبی کرنے والی تنبیہوں اور گزشتہ آیتوں میں بیدار کرنے والی تخویفوں اور قیامت میں کافروں اور منافقوں کا جو حال ہوگا اس کو بیان کرنے کے بعد پہلی زیر بحث آیت میں پروردگار عالم نتیجہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا اس چیز کا وقت نہیں آیا کہ صاحب ایمان افراد کے دل، ذکر اللہ سے اور جو کچھ حق میں سے نازل ہوا ہے، اس سے خوف کھائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جنہیں گزشتہ زمانے میں آسمانی کتاب دی گئی (مثل یہود و نصاریٰ) پھر ان کے اور پیغمبروں کے درمیان فاصلہ بڑھ گیا۔ انہوں نے طولانی عمر پائی اور اللہ کو فراموش کیا۔ ان کے دلوں میں قساوت پیدا ہوگئی ان میں سے بہت سے فاسق اور گنہگار تھے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اگر اللہ کی یاد انسان کے دل اور اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے اور وہ ان آیات کو سنے جو پیغمبر اللہ پر نازل ہوئی ہیں اور ان میں غور و فکر کرے تو ان آیتوں کو خوف خدا کا سبب بننا چاہئے۔ لیکن قرآن یہاں مؤمنین کے ایک گروہ کو سخت ملامت کرتا ہے کہ وہ ان حقائق کے پیش نظر کیوں خشوع اختیار نہیں کرتے اور بہت سی گزشتہ امتوں کی طرح کیوں غفلت و بے خبری کا شکار ہیں۔ وہی غفلت جس کا نتیجہ قساوت قلبی ہے اور وہی قساوت جس کا ثمر فسق و فجور اور گناہ ہے۔

(۱۷) چونکہ ذکر اللہ سے مردہ دلوں کا زندہ ہونا اور قرآن کے سامنے خضوع اختیار کرنے سے حیات معنوی کا پیدا ہونا، بارش کے حیات بخش قطروں کی برکت سے مردہ زمینوں کے زندہ ہونے کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے اس لئے بعد والی آیت میں

مزید فرماتا ہے۔

''جان لو کہ اللہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے''۔ہم اپنی آیتوں کو آفرینش کے میدان میں اور وحی کے میدان میں تمہارے لئے واضح کرتے ہیں اس خیال سے شاید تم عقل سے کام لو''۔ درحقیقت یہ آیت بھی بارش کے وسیلہ سے زمین مردہ کے زندہ ہونے کی طرف اور ذکر اللہ وقرآن کے وسیلہ سے دل ہائے مردہ کے زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے قرآن وہ ہے جو اللہ کی طرف سے قلب پاک پیغمبر پر نازل ہوا ہے۔ذکر اللہ وقرآن دونوں تدبر وتعقل کے مستحق ہیں۔

(۱۸) بعد والی آیت ایک مرتبہ پھر انفاق، جو شجر ایمان کا ایک پھل ہے، اس کی طرف توجہ دلاتی ہے اور اسے موضوع گفتگو بناتی ہے اور وہی تعبیر جو گزشتہ آیات میں ہم پڑھ چکے ہیں اسے کچھ اضافوں کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

''وہ مرد اور عورتیں جو راہ اللہ میں انفاق کریں اور وہ جو اس طرح اللہ کو قرض حسنہ دیں اللہ اس قرض کو کئی گنا کرتا ہے اور ان مردوں اور عورتوں کے لئے بیش قیمت اجر ہے''۔

قرض حسنہ سے مراد وہی انفاق فی سبیل اللہ ہے اگرچہ بندگان اللہ کو قرض دینا بھی افضل وبرتر اعمال میں سے ہے اور یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

یہ آیت قرآن مجید کی ان لرزہ براندام کردینے والی آیتوں میں سے ہے جو انسان کے دل اور اس کی روح کو مسخر کرتی ہیں اور غفلت کے پردے چاک کرکے پکار پکار کر کہتی ہیں کیا اس کا موقع نہیں آپہنچا کہ ایماندار دل اللہ کے ذکر سے اور جو حق سے نازل ہوا ہے اس کو سن کر اللہ کا خوف اختیار کریں اور ان لوگوں کے مانند نہ ہوں جنہوں نے کتاب آسمانی کی آیات کا ادراک کیا لیکن طول زمان کے زیر اثر ان کے دل قساوت کی طرف مائل رہے۔اس لئے تاریخ کے طویل دور میں ہم بہت سے گنہگار افراد کو دیکھتے ہیں جو اس آیت کو سن کر اس طرح کانپ اٹھتے ہیں کہ ایک ہی لمحے میں اپنے تمام گناہوں کو ترک کردیتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض زاہدوں اور عابدوں میں قرار پائے ہیں۔

(۱۹) وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۧ	وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے وہ صدیقین وشہدا ہیں اپنے پروردگار کے پاس ۔ ان کے (اعمال) کا اجر اور ان کا نور (ایمان) کے لئے ہے اور جو لوگ کافر ہوگئے اور انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ اصحاب جحیم ہیں۔

(۲۰) اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَهۡوٌ وَّ زِیۡنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطَامًا ؕ وَ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ	جان لو کہ زندگانی دنیا صرف کھیل کود، سرگرمی، تجمل پرستی اور تمہارے درمیان تفاخر ہے اور مال واولاد میں اضافہ کا طلب کرنا اس بارش کی طرح جس کا حاصل کسانوں کو تعجب میں ڈال دیتا ہے، پھر وہ (کھیتی) خشک ہو جاتی ہے۔اس طرح کہ تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ خشک بھوسہ کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔(لیکن) آخرت (کا معاملہ دو حالتوں سے خارج نہیں) یا عذاب شدید ہے یا مغفرت ورضائے الٰہی۔بہرحال زندگی دنیا متاع غرور اور فریب کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

تفسیر

دنیا متاع غرور کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں

گزشتہ آیات کی بحث جس میں مومنین اور بارگاہ خدا میں ان کے اجر سے متعلق گفتگو تھی اس کو جاری رکھتے ہوئے پروردگار عالم زیر بحث آیت میں مزید فرماتا ہے:

''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے ہاں صدیقین اور شہداء ہیں۔صدق سے ہے اور صیغہ مبالغہ ہے شہید کی۔ہوسکتا ہے کہ، اعمال کی شہادت کے معنی میں ہو جیسا کہ قرآن کی دوسری آیتوں سے بھی معلوم ہوتا کہ پیغمبر اور انبیاء اپنی اپنی امتوں کے اعمال کے گواہ ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گواہ بھی ہیں اور اپنی امت کے بھی اور مسلمان بھی لوگوں کے اعمال کے شاہد اور گواہ ہیں۔

اس بنا پر شہداء کا مقام (اعمال کے گواہ) ایک بلند مقام ہے جو ایمان دار افراد کو حاصل ہے۔بعض مفسرین نے یہ احتمال تجویز کیا ہے۔کہ یہاں ''شھداء'' انہی شہدائے راہ خدا کے معنوں میں ہے یعنی جو مومن ہے وہ شہیدوں جیسا اجر رکھتا ہے اور بمنزلہ شہداء ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''ان کے لئے ان کے اعمال کا اجر ہے اور ان کے ایمان کا نور''۔یہ تفصیلی تعبیر، عظیم اجر اور ان

کے حد سے زیادہ نور کی طرف اشارہ ہے۔ آخر میں فرماتا ہے: ''لیکن وہ لوگ جو کافر ہو گئے اور انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ اہل دوزخ ہیں۔' تاکہ ان دونوں گروہوں کے تقابل سے، پہلے گروہ کا مقام بلند اور دوسرے گروہ کی پستی آشکار ہو جائے اور چونکہ پہلے گروہ میں ایمان کی بلند سطح مدنظر تھی لہٰذا اس گروہ کا بھی شدید کفر پیش نظر ہے اسی لئے اس گروہ کا ذکر آیات الٰہی کی تکذیب کے عنوان سے ہوا ہے۔

(۲۰) اور چونکہ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرچشمہ ہے اس لئے بعد والی آیت میں دنیا کی کیفیت حیات اور اس کے مختلف مرحلوں کی گویا نمایاں تصویر کشی ہوئی ہے اور ہر مقام پر جو عوامل کارفرما ہیں وہ پیش کئے گئے ہیں۔

پروردگار عالم فرماتا ہے: ''جان لو کہ زندگی دنیا صرف کھیل کود، جوش وخروش، تجمل پرستی، ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کرنا اور مال واولاد میں اضافہ مطالعہ کرنا ہے۔ اس اعتبار سے غفلت، جوش وخروش، تجمل پرستی، تفاخر اور تکاثر انسانی زندگی کے پانچ مرحلوں کو تشکیل دیتا ہے۔

اس کے بعد پروردگار عالم انسانی دنیاوی زندگی اور اس کے آغاز وانجام کی ایک مثال بیان کر کے پوری کیفیت کو نگاہ انسانی کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: ''مثل بارش کے ہے جو آسمان سے زمین کی طرف آتی ہے اور اس طرح زمین کو زندہ کرتی ہے کہ اس پر نمایاں ہونے والے سبزے زراعت کرنے والوں کو تعجب میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خشک ہو جاتے ہیں اور ایسے ہو جاتے ہیں کہ تو انہیں زرد رنگ کا دیکھتا ہے۔ پھر ٹوٹ پھوٹ کر اور چھوٹے چھوٹے تنکے بن کر خشک کٹی ہوئی گھاس میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔''۔

یہاں لفظ کفار بے ایمان افراد کے معنوں میں نہیں ہے بلکہ زراعت کرنے والوں کے معنی میں ہے کیونکہ کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں اور چونکہ کسان بیج چھڑک کر اسے زمین کے اندر چھپا دیتا ہے اس لئے اسے کافر کہتے ہیں۔

اس کے بعد زندگی کے ماحصل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''لیکن آخرت کا معاملہ دو حالتوں سے خارج نہیں ہے۔ یا عذاب شدید ہے یا اس کی مغفرت، رضا اور خوشنودی''۔ آخر کار آیت کو اس جملہ پر ختم کرتا ہے: ''اور زندگی دنیا سوائے متاع غرور اور فریب کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

دنیا متاع غرور ہے کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا فریب کاری کے لئے وسیلے کی مانند ہے، اپنے آپ کو فریب دینے کے لئے بھی اور دوسروں کو فریب دینے کے لئے بھی۔ البتہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو دنیا کو اپنا انتہائی مقصود قرار دیتے ہیں اور اسی میں دل لگا لیتے ہیں اور اسی پر انحصار کرتے ہیں۔ ان کی آخری آرزو یہی ہوتی ہے کہ دنیا حاصل کر لیں۔ لیکن اگر اس دنیا کی نعمتیں بلند اقدار اور سعادت جاودانی کے حصول کا ذریعہ بن جائیں تو پھر وہ ہرگز دنیا نہیں ہے، بلکہ آخرت کی کھیتی۔ عظیم مقاصد تک پہنچنے کا ایک پل ہے۔

(۲۱)سَابِقُوْآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ	ایک دوسرے پر سبقت کرو اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت تک پہنچنے کے لئے جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت جیسی ہے اور تیار کی گئی ہے ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔
(۲۲)مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۚۖ	کوئی مصیبت زمین میں اور تمہارے وجود میں نمودار نہیں ہوتی مگر یہ کہ (وہ تمہاری اور) زمین کی تخلیق سے پہلے سے کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت ہے اور یہ چیز اللہ کے لئے آسان ہے
(۲۳)لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ	یہ اس لئے ہے تاکہ اس پر جو کچھ تم نے گنوایا ہے اس پر غمگین نہ ہونا اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس سے خوش نہ ہونا اور اللہ کسی متکبر فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔
(۲۴)الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ	(مختالِ فخور) وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کی دعوت دیتے ہیں اور جو شخص (اس فرمان سے) روگرداں ہو (وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا) کیونکہ اللہ بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔

تفسیر

ایک عظیم معنوی مقابلہ

دنیا اور اس کی لذتوں کی ناپائیداری کے بیان کے بعد اور اس بیان کے بعد کہ لوگ اس دنیا میں بے قیمت سرمائے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے تفاخر وتکاثر کرتے ہیں لوگوں کو، زیر بحث آیات میں، ان چیزوں کے طریقہ کسب کے لئے جو پائیدار اور ہر قسم کی سعی وکوشش کے لائق ہیں، دعوت فکر دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''اپنے پروردگار کی بخشش، مغفرت اور اس جنت کے حصول کے لئے جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کے مانند ہے اور جو ایسے لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، ایک دوسرے پر سبقت کرو۔'' حقیقت میں پروردگار کی طرف سے عطا کی ہوئی مغفرت، کلید جنت ہے۔ وہ

جنت جو زمین وآسمان کی وسعتوں کو گھیرے ہوئے ہے اور ابھی سے مومنین کی پذیرائی کے لئے آمادہ ہے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ جنت ادھار ہے اور ادھار سے دل نہیں لگانا چاہئے۔

یہ نکتہ بھی لائق توجہ ہے کہ پروردگار کی مغفرت کی طرف سبقت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حصول مغفرت کے اسباب کی طرف توجہ کی جائے جیسے توبہ کا راستہ اختیار کرنا، وہ اطاعتیں جو نظر انداز ہوگئی ہیں ان کی تلافی کرنا اور اصولی طور پر اطاعت پروردگار گناہوں اور معاصی سے پرہیز ہی کا نام ہے۔

آیت کے آخر میں مزید فرماتا ہے: ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم نے یقیناً اس قسم کی وسیع جنت جس میں اتنی عظیم نعتیں ہوں وہ ایسی چیز نہیں ہوتی جو نا چیز اعمال کے ذریعہ انسان کو حاصل ہو جائے۔ یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہے جو قلیل اعمال کے بدلے اتنا بڑا اجر مقرر کیا گیا ہے اور اللہ سے اس کے علاوہ اور کوئی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔ وہ اسلئے کہ اجر ہمیشہ اعمال کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ اجر دینے والے کے کرم کے مطابق ہوتا ہے۔

(۲۲) اس کے بعد دنیا سے عدم دل بستگی، اس کے حصول پر خوش نہ ہونے اور اس کے منہ موڑنے پر غمگین نہ ہونے کے بارے میں تاکید مزید کے لئے فرماتا ہے: ''کوئی مصیبت زمین میں واقع نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ تمہاری اور زمین کی خلقت سے پہلے سے کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت ہے اور یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے''۔ جی ہاں وہ مصیبتیں جو زمین میں پیش آتی ہیں مثلاً زلزلے، طوفان، سیلاب اور انواع واقسام کے دردناک حوادث جن سے انسان دوچار ہوتا ہے، وہ سب پہلے سے طے شدہ ہیں، اور لوح محفوظ میں ثبت ہیں۔ لیکن توجہ کرنی چاہیے کہ وہ مصیبتیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہوا ہے، صرف اسی نوعیت کی ہیں جن سے کسی طرح نہیں بچا جا سکتا اور وہ انسانوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ (ترجمہ میں اشتباہ نہیں)۔

لوح محفوظ سے مراد اللہ کا لامحدود علم ہے یا صفحہ جہان خلقت ہے یا پھر نظام علت ومعلوم جو اللہ کے علم فعلی کا مصداق ہے (غور فرمایئے)۔

(۲۳) ہمیں دیکھنا ہے کہ لوح محفوظ میں ان مصائب کی تقدیر اور پھر قرآن میں اس حقیقت کا بیان دراصل کیا چیز ہے۔ بعد والی آیت اس اہم راز کے چہرے سے پردہ اٹھاتی ہے اور کہتی ہے: ''یہ اس بنا پر ہے کہ کچھ تم نے گنوایا ہے اس پر غمگین نہ ہونا اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس پر خوش نہ ہونا'' یہ دو جملے حقیقت میں فلسفہ آفرینش کے ایک پیچیدہ مسئلہ کو حل کرتے ہیں اس لئے کہ انسان عالم ہستی میں ہمیشہ مشکلات اور حوادث سے دوچار رہتا ہے اور اکثر اوقات اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ، اس کے باوجود کہ اللہ مہربان و کریم ہے، یہ دردناک حوادث کس وجہ سے ہیں قرآن کہتا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ تم اس جہان سے خوش اور اس چمک دمک کے اسیر نہ بن جانا، یہ مصیبتیں غافلوں کے لئے ''ہوشیار ہو'' کی آواز ہیں اور سوئی ہوئی ارواح کے لئے اس جہان کی ناپائیداری کی ایک رمز ہیں۔ اور اس زندگی کے مختصر ہونے کی طرف ایک اشارہ ہیں۔ جی ہاں یہ مصیبتیں اور آفتیں ان لوگوں کو مدہوشی سے محفوظ رکھتی ہیں جو بیداری کی حالت میں ہوں اور ہدایت پانے کے قابل ہوں۔

صاحب ایمان افراد، مذکورہ بالا اصل کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جس وقت اللہ کی جانب سے کوئی نعمت پائیں تو وہ خود کو

نعمت کا امانت دار سمجھتے ہیں۔ وہ نہ اس کے چلے جانے سے غمگین ہوتے ہیں نہ اس کی موجودگی سے مغرور ہوتے ہیں۔

آخری زیر بحث آیت اس چیز کی توضیح وتفسیر ہے جو گزشتہ آیت میں آئی ہے۔ وہ حقیقت میں مختال فخور کا تعارف کراتی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے: ''وہ ایسے افراد ہیں جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کی کی دعوت دیتے ہیں''۔

جی ہاں دنیا کی نعمتوں سے بہت زیادہ دل لگانے کا نتیجہ تکبر وغرور ہے اور تکبر وغرور کا لازمہ بخل کرنا اور دوسروں کو بخل کی دعوت دینا ہے بخل کرنا تو اس بنا پر ہے کہ وہ اموال ہی کو اپنا سرمایہ حیات سمجھتے ہیں جو انہیں حاصل ہے اور کبھی نہیں چاہتے کہ وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ دوسروں کو بخل کی دعوت دینا اس بنا پر ہے کہ اگر کوئی دوسرا سخاوت کرے گا تو یہ ذلیل ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ بخل کو دوست رکھتے ہیں لہٰذا ایسی چیز کے مبلغ ہیں جسے دوست رکھتے ہیں۔ اور اس بنا پر کہ کہیں یہ تصور نہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کا انفاق کے مسئلہ پر اصرار کرنا اور بخل کو ترک کرنے کی تاکید کرنا حتیٰ کہ بندوں سے قرض لینے کی بات کرنا، جیسا کہ گزشتہ آیات میں آیا ہے، اس کی کسی احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے ہے لہٰذا آخر میں فرماتا ہے: ''جو شخص اس حکم سے منہ پھیرے تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا تا اس لئے کہ اللہ بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔ سب اس کے محتاج و نیاز مند ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ سب سے بے نیاز ہے کیونکہ تمام چیزوں کے خزانے اور منابع اس کے قبضہ میں ہیں اور چونکہ وہ تمام صفات کمال کا جامع ہے اس لئے ہر حمد وستائش کے قابل ہے۔

(۲۵) لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ۟	ہم نے اپنے انبیاء کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان پر اپنی کتاب (آسمانی) اور میزان نازل فرمائے تا کہ لوگ عدالت کے ساتھ قیام کریں۔ اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں شدید قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں تا کہ اللہ جان لے کہ کون شخص اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بغیر اس کے کہ وہ اسے دیکھیں، اللہ قوی اور نا قابل شکست ہے۔

تفسیر

بعثت انبیاء کا مقصد اعلیٰ

چونکہ پروردگار کی رحمت، مغفرت اور بہشت کی طرف سبقت کرنا (جس کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے) رہبران الٰہی کی رہبری کا محتاج ہے لہٰذا زیر بحث آیت میں، جو قرآن کی زیادہ مفہوم رکھنے والی آیتوں میں سے ایک آیت ہے، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور انبیا کے بھیجنے کا مقصد اور ان کے دستور العمل کو نہایت باریک بینی کے ساتھ پیش کرتے ہوئے

فرماتا ہے:

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے''۔اور ہم نے ان کے ساتھ آسمانی کتاب اور میزان کو نازل کیا''۔
تاکہ لوگ عدل وانصاف کے ساتھ قیام کریں''۔

اس اعتبار سے انبیا تین چیزیں اپنے ساتھ رکھتے تھے، واضح دلائل، کتب آسمانی اور حق و باطل کی ناپ تول کا معیار اور اس چیز میں کوئی مانع نہیں ہے کہ قرآن مجید ''مبیّنہ'' (معجزہ بھی ہو۔آسمانی کتاب بھی اور احکام وقوانین کو بیان کرنے والا بھی یعنی ایک ہی چیز میں تینوں پہلو موجود ہوں۔ بہر حال ان عظیم افراد (انبیاء) کو پورے ساز وسامان کے ساتھ بھیجنے کا مقصد قسط وعدل کا اجرا ہے۔

لیکن چونکہ ایک انسانی معاشرہ میں بہر حال جس قدر بھی اخلاق، اعتقاد اور تقویٰ کی سطح بلند ہوگی اس میں پھر بھی ایسے افراد پیدا ہوں گے جو طغیان وسرکشی کے لئے آمادہ ہوں اور قیام عدل کی راہ میں روڑے اٹکائیں اس لیئے اس آیت کو برقرار رکھنے اور دوام بخشنے کے لئے فرماتا ہے:''ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں شدید قوت ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں''۔جی ہاں انبیائے اللہ کی تین قوتیں اجرائے عدالت کے لئے اپنے اصلی مقصد کو اس وقت حاصل کرسکتی ہیں جب وہ لوہے جیسی طاقت اور شدید قوت سے بہرور ہوں۔

ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اس جملہ کی تفسیر میں فرمایا۔

''لوہے کو نازل کرنے سے مراد اس کو پیدا کرنا''۔

اس کے بعد ارسال رسل، نزول کتب آسمانی اور لوہے جیسے وسائل کی خلقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:
''مقصد یہ ہے کہ اللہ جان لے کہ کون لوگ اس کی اور اس کے رسول کی اس کے غیب میں مدد کرتے ہیں''۔ یہاں اللہ کے علم سے مراد اس کے علم کی تحقیق عینی ہے یعنی یہ بات واضح ہو جائے کہ کون لوگ اللہ کی اور اس کے مکتب فکر کی مدد کے لئے آمادہ ہوتے ہیں اور قیام بالقسط کرتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جو اس عظیم ذمہ داری سے روگردانی کرتے ہیں۔حقیقت میں اس آیت کا مفہوم اس کے مشابہ ہے جو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۷۹ میں آیا ہے:''ممکن نہیں تھا کہ اللہ مؤمنین کو اس شکل میں جس میں تم ہو چھوڑ دے مگر یہ کہ ناپاک کو پاک سے الگ کردے''۔تو اس طرح انسانوں کی آزمائش اور امتحان کا مسئلہ اور مختلف صفوں کو الگ کرنا اور ان کا تصفیہ کرنا اس دستور العمل کا ایک عظیم مقصد تھا۔اللہ کی مدد کرنے کی جو تعبیر ہے وہ مسلمہ طور پر اس کے دین وآئین اور اس کے نمائندوں کی مدد کرنے اور دین حق اور عدل وانصاف کو پھیلانے کے معنی میں ہے، اس لئے کہ اللہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔سب اس کے نیاز مند ہیں۔اس لئے ان معانی کو ثابت کرنے کے لئے آیت کو اس جملے پر ختم کرتا ہے کہ''اللہ قوی اور ناقابل شکست ہے''۔اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایک ہی اشارے سے سارے جہان کو زیروزبر کرے اور اپنے تمام دشمنوں کو ختم کردے اور اپنے اولیاء کو کامیابی عطا کرے لیکن وہ مقصد اصلی جسے انسان کی تربیت اور اس کا ارتقاء کہا جاسکتا ہے۔اس طرح حاصل نہیں ہوتا۔اس لئے وہ انسان کو دین حق کی مدد کے لئے دعوت عمل دیتا ہے۔

(۲۶)وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الۡكِتٰبَ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ وَ كَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ	ہم نے نوح وابراہیم کو بھیجا اور ان کی ذرّیت میں نبوت و کتاب قرار دی۔بعض ان میں سے ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔
(۲۷)ثُمَّ قَفَّیۡنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اٰتَیۡنٰهُ الۡاِنۡجِیۡلَ ۬ۙ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّ رَحۡمَةً ؕ وَ رَهۡبَانِیَّةَۨ ابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَیۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَ كَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ	پھر ان کے بعد ہم نے دوسرے رسول بھیجے۔ان کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث کیا اور انہیں انجیل عطا کی۔ان لوگوں کے دل میں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہم نے رحمت و رافت پہنچائی جبکہ جس رہبانیت کا انہوں نے اختراع کیا تھا وہ ہم نے ان پر عائد نہیں کی تھی۔اگرچہ خوشنودیٔ خدا ان کا مقصد تھا لیکن اس کے حق کی انہوں نے رعایت نہیں کی۔اس لئے ہم نے ان میں سے جو ایمان لے آئے ان کو اجر دیا اور ان میں کثرت فاسقوں کی ہے۔

تفسیر

یکے بعد دیگرے انبیاء کا نزول

جیسا کہ ہم جانتے ہیں قرآن کا شیوہ یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کے اصول کلّی کے ایک سلسلہ کو بیان کرنے کے بعد گزشتہ قوموں کے حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے تا کہ وہ اس بیان کے سلسلہ میں شاہد کا کام دیں۔اس مقصد کے لئے یہاں بھی گزشتہ مسائل کے بعد ارسال رسل، بینات و کتاب و میزان کے ذکر اور مغفرت و سعادت جاودانی تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرے کے مقابلہ میں سبقت کرنے کے تذکرے کے ساتھ گزشتہ اقوام اور پیغمبروں کے نام لیتا ہے اور اسلام کے اصول کلی کو ان کی زندگی میں ثابت کرتا ہے۔سب سے پہلے سلسلۂ گفتگو نوح علیہ السلام وابراہیم علیہ السلام سے شروع کرتا ہے جو شیخ الانبیاء ہیں اور نمایاں رسولان حق میں سے ہیں اور فرماتا ہے: ''ہم نے نوح علیہ السلام وابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان دونوں کی ذرّیّت میں نبوت و کتاب آسمانی قرار دی''۔ ''لیکن ان لوگوں نے ان عظیم نعمتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

ایک گروہ ان کی تعلیم پر ایمان لایا اور ان میں سے اکثریت گنہگاروں اور بے ایمان لوگوں کی ہے''۔جی ہاں وہ نبوت جس کے ساتھ شریعت اور آئین بھی تھے حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئی اور ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، جو دوسرے اولوالعزم پیغمبر

ہیں، اس شریعت کو دوام بخشا۔ اس کے بعد اجمالی طور پر دوسرے پیغمبروں کے سلسلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کے آخری نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے فرماتا ہے: جو یکے بعد دیگرے آئے اور انہوں نے لوگوں کے راستے میں ہدایت کے چراغ روشن کیے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ ''ہم اس کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو لے آئے''۔ اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی کتاب آسمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''ہم نے اسے انجیل عطا کی''۔ اس کے بعد ان کے پیروکاروں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں، جنہوں نے اس کی پیروی کی، رحمت ورافت قرار دی''۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''ان کے دلوں کو ہم نے رہبانیت کی طرف لگا دیا ہے جو خود ان کی اختراع ہے اور اسے ہم نے ان کے لئے مقرر نہیں کیا تھا۔ ان کا مقصد تھا کہ خوشنودیٔ اللہ حاصل کریں لیکن انہوں نے حق کی رعایت نہیں کی لہٰذا ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے، اجر عطا کیا لیکن ان میں سے بہت سے فاسق وگنہگار ہیں''۔

مندرجہ بالا آیات سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رہبانیت دین مسیح میں موجود نہیں تھی۔ ان کے پیروکاروں نے ان کے بعد اسے اپنی طرف سے دین مسیح میں شامل کیا ہے۔ ابتداء میں ایک قسم کے زہد کی طرف جھکاؤ اچھا لگتا تھا۔ مثال کے طور پر بہت سے مراسم اور سنن حسنہ جو ابھی تک لوگوں میں رائج ہیں اور کوئی شخص بھی ان کو شرعی احکام کے ماتحت نہیں سمجھتا لیکن یہ سنّت اور یہ رسم بعد میں دین حق سے انحراف کی شکل اختیار کر گئی حتیٰ کہ آلودۂ گناہ ہوگئی۔

عیسائیوں کی رہبانیت کے سلسلہ میں دوسری قبیح بدعتوں کے علاوہ ایک بدعت یہ تھی کہ تارک الدنیا مردوں اور عورتوں نے ازدواج کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور دوسری چیز یہ تھی کہ اجتماعی گوشہ نشینی کو جائز سمجھ لیا گیا تھا۔ اس طرح معاشرتی ذمہ داریوں کو ٹھوکر مار کر عبادت کرنے کے ارادہ سے دور دراز کے گرجاؤں کو منتخب کرنا اور معاشرتی ماحول سے دور زندگی بسر کرنا دین کا جزو سمجھا جانے لگا تھا۔ اس طرح گرجاؤں اور رہبانیت کے قائل لوگوں کی زندگی کے مرکزوں سے بہت سے مفاسد وابستہ ہوگئے تھے۔

اسلامی زہد ایک مختلف چیز ہے۔ اس کے معنی ہیں سادہ طور پر زندگی بسر کرنا، عیش وعشرت کو ترک کرنا اور مال ومقام کے چنگل میں نہ پھنسنا۔ اس زہد کا عیسائیت کی رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رہبانیت کے معنی ہیں معاشرتی اور اجتماعی زندگی سے فرار اختیار کرنا جب کہ زہد کے معنی ہیں اجتماعی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا۔ مشہور حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ عثمان بن مظعون کا بیٹا مر گیا تھا تو وہ بہت غمگین ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے گھر کو مسجد بنا لیا اور عبادت میں مشغول ہوگئے اور باقی تمام کام چھوڑ دیے۔ یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کو بلایا اور فرمایا:

''اے عثمان اللہ نے میری امت کے لئے رہبانیت کو تجویز نہیں کیا ہے۔ میری امت کی رہبانیت تو یہ ہے کہ راہ اللہ میں جہاد کیا جائے''۔

(۲۸)يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۚۙ	اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تا کہ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں بخش دے اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دے جس کے سہارے زندگی کی راہ تلاش کرو ، (اللہ) تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ غفور ورحیم ہے۔
(۲۹)لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۠	تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ فضل خدا میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اور فضل (رحمت) سب کا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔

شان نزول

بہت سے مفسرین نے مذکورہ بالا آیت کے لئے ایک شان نزول نقل کی ہے جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعفر ابن ابی طالب کو ستر افراد کے ساتھ نجاشی (حبشہ) کی طرف بھیجا۔ حضرت جعفرؓ نجاشی کے پاس؛ گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی۔ وہ دعوت قبول کر کے ایمان لے آیا۔ حبشہ سے واپسی کے وقت اس ملک کے چالیس افراد نے جو ایمان لا چکے تھے۔ حضرت جعفرؓ سے کہا ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنا اسلام اس کے سامنے پیش کریں۔ پھر وہ حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ آئے۔ جس وقت انہوں نے مسلمانوں کا فقر وفاقہ دیکھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اپنے دیس میں بہت زیادہ مال ومتاع رکھتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے ملک کی طرف پلٹ جائیں اور اپنا مال اپنے ساتھ لے آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی وہ گئے اور اپنا مال لے آئے اور اسے اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی توصیف کی۔

تفسیر

اہل کتاب میں سے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے جب انہوں نے یہ جملہ جو مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں آیا ہے سنا۔ ''وہ اپنا اجر اپنے صبر واستقامت کی بنا پر دو مرتبہ حاصل کریں گے'' تو وہ مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا: اے مسلمانو! جو شخص تمہاری کتاب اور ہماری کتاب دونوں پر ایمان لائے گا اسے دوہرا اجر ملے گا اور جو ہماری کتاب پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے تمہاری طرف صرف ایک اجر ہے۔ اس بنا پر تمہارے اپنے اقرار کے مطابق تم ہم پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے''۔ یہ وہ منزل تھی کہ جس کے پیش

نظر او پر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور اعلان کیا کہ مسلمانوں کو بھی دگنا اجر ملے گا۔ علاوہ خدائی نور اور مغفرت کے اور پھر مزید کہا کہ ''اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل ورحمت میں سے کوئی چیز اپنے ہاتھ میں لینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

چونکہ گزشتہ آیات میں گفتگو عیسائیوں اور اہل کتاب کے بارے میں تھی، زیر بحث آیات اسی کی تکمیل ہیں جو گزشتہ آیات میں آیا ہے پہلے فرماتا ہے: ''اے ایمان لانے والو اللہ کے بارے میں تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آؤ''۔

مخاطب سب مؤمنین ہیں جنہوں نے بظاہر پیغمبر ﷺ کی طرف سے دی ہوئی دعوت اسلام کو قبول کر لیا ہے لیکن وہ ایمان راسخ جو ان کی روح کی گہرائیوں کو روشن کرے اور ان کے اعمال سے ظاہر ہو ابھی ان میں پیدا نہیں ہوا ہے۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں تین ایسی نعمتوں کی طرف جو مضبوط ایمان اور تقویٰ کے سائے میں حاصل ہوتی ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اگر ایسا کرو تو اللہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دو حصے دے گا اور تمہیں روشنی بخشے گا۔ جس کے سہارے زندگی کی راہ تلاش کرو وہ تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور ورحیم ہے''۔

بہر حال ان دو حصوں سے مراد وہی ہے جو سورہ بقر کی آیت ۲۰۱ میں آیا ہے: ''خداوندا! دنیا میں بھی ہم کو نیکی دے اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما''۔ ان کے دوسرے اجر کا مفہوم مطلق اور وسیع ہے جو دنیا کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے اور نہ آخرت کے ساتھ۔ دوسرے معنی میں ایمان اور تقویٰ سبب بنتے ہیں کہ مؤمنین کے دل پر سے حجاب ہٹ جائیں اور وہ حقائق کا چہرہ ویسا ہی دیکھیں جیسا وہ ہے اور اس کے سائے میں انہیں وہ مخصوص نگاہ نصیب ہو جن سے بے ایمان افراد محروم ہیں۔

(۲۹) آخر میں مؤمنین کا تیسرا اجر وہی گناہوں کا بخشنا ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کے لئے کوئی نعمت خوشگوار ثابت نہیں ہو سکتی۔ پہلے اسے عذاب الٰہی سے محفوظ ہونا چاہیے اس کے بعد وہ ایمان اور تقویٰ کے نور سے اپنی راہ روشن کرے اور آخر میں وہ اللہ کی کئی گنا رحمتوں سے فیض یاب ہو۔ بعد والی آیت جو اس سورہ کی آخری آیت ہے اس میں اس دلیل کا بیان ہے جو گزشتہ آیات میں آئی ہے فرماتا ہے: یہ کئی گنا خدائی نعمتیں نورانیت اور مغفرت کے علاوہ اس وجہ سے ہیں تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ فضل اللہ میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل ورحمت سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ عظیم فضل ورحمت کا مالک ہے:

یہ ان کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ (مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق) خداوند اہل کتاب کے اس گروہ کو جو محمد ﷺ پر ایمان لایا ہے دو اجر دے گا تو اس وجہ سے ہم جو ایمان نہیں لائے وہ مسلمانوں کی طرح ایک اجر تو رکھتے ہیں۔ قرآن انہیں جواب دیتا ہے کہ مسلمان عام طور پر دو اجر رکھتے ہیں کیونکہ وہ پیغمبر اسلام اور تمام گزشتہ پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اہل کتاب کا وہ گروہ جو ایمان نہیں لایا وہ کوئی حصہ نہیں رکھتا تھا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ رحمت الٰہی ان کے اختیار میں نہیں ہے کہ جسے چاہے وہ دے سکیں اور جسے چاہے نہ دیں۔

سورہ مجادلہ

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۲۲ آیتیں ہیں۔

سورۂ ''مجادلہ'' کے مضامین

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور مدنی سورتوں کی طبیعت ومزاج کے مطابق زیادہ تر فقہی احکام، اجتماعی نظام زندگی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی روابط کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اس سورہ کے تمام مباحث کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ پہلا حصہ ''ظہار'' کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں ایک قسم کی طلاق اور دائمی جدائی شمار ہوتی تھی۔ اسلام نے اس میں اعتدال پیدا کیا اور اس کی صحیح راہ متعین کی۔

2۔ دوسرے حصہ میں آداب مجالست کے احکام کے بارے میں گفتگو ہے۔ سرگوشی سے منع کیا گیا ہے اور جو نئے لوگ مجلس میں داخل ہوں انہیں جگہ دینے کے بارے میں احکام ہیں۔

3۔ تیسرے اور آخری حصہ میں جو بحث ہے وہ گویا منہ سے بولتی ہوئی بھی ہے، تفصیلی بھی اور سرکوبی کرنے والی بھی۔ منافقین یعنی وہ لوگ جو بظاہر اسلام کا دم بھرتے ہیں لیکن دشمنان اسلام کے ساتھ پوشیدہ طور پر ربط وضبط رکھتے ہیں، ان کے بارے میں گفتگو ہے۔ سچے مسلمانوں کو گروہ شیاطین ومنافقین میں داخل ہونے سے ڈرایا گیا ہے اور انہیں ''حب فی اللہ'' اور ''بغض فی اللہ'' کے پیش نظر حزب اللہ میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

سورۂ ''مجادلہ'' کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں دو روایتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہیں۔ پہلی روایت میں ہے کہ:

''جو شخص سورہ مجادلہ کی تلاوت کرے (اور اس میں غور وفکر کرے اور اس پر کاربند ہو) تو بروز قیامت وہ حزب اللہ میں شمار ہوگا''۔

دوسری حدیث میں ہم پڑھتے ہیں:

''جو شخص سورہ حدید ومجادلہ واجب نمازوں میں پڑھے اور اس کا ورد رکھے تو اللہ اس کی پوری زندگی میں اس پر کوئی عذاب نازل نہیں کرے گا اور وہ اپنی ذات میں اور اپنے اہل خانہ میں کوئی برائی نہیں دیکھے گا، نیز فقر وبدحالی میں گرفتار نہیں ہوگا''۔

ان کو سورتوں کے مضامین کی جو مناسبت مذکورہ بالا اجر اور جزا کے ساتھ ہے وہ واضح ہے اور یہ چیز خود بتاتی ہے کہ تلاوت کا مقصد زندگی میں عملی شکل دینا ہے، ایسی تلاوت نہیں جو غور وخوض اور عمل سے خالی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

(۱)قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِھَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ	اللہ نے اس عورت کا قول سنا جس نے اپنے شوہر کے بارے میں تجھ سے رجوع کیا تھا اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کی تھی۔ اللہ تمہاری گفتگو (اس عورت کا اصرار اس کی مشکل کے حل کے سلسلے میں) سن رہا تھا اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے
(۲)اَلَّذِیۡنَ یُظٰھِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِھِمۡ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّھٰتُھُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَھُمۡ ؕ وَ اِنَّھُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ	تم میں جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (کہتے ہیں تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی مانند ہے) تو وہ ہرگز ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔ وہ (حقیقتاً) بڑی قبیح و باطل بات کرتے ہیں۔ اور اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔
(۳)وَ الَّذِیۡنَ یُظٰھِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِھِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ	جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اور پھر اپنی ہی کہی ہوئی بات سے پلٹ جاتے ہیں تو ان کو ان (بیویوں) کے ساتھ مباشرت کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہئے۔ یہ حکم ہے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔
(۴) فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَھۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	پس جو شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو وہ مباشرت کرنے سے پہلے دو ماہ پے درپے روزے رکھے۔ جو اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ جو ان کی مخالفت کریں اور کافر ہو جائیں ان پر دردناک عذاب ہے۔

شان نزول

اکثر مفسرین نے اس سورہ کی پہلی آیات کے لئے کئی شان نزول نقل کی ہیں جن میں سے ہر ایک کا نفس مضمون اجمالی طور پر ایک ہی ہے اگرچہ جزئیات میں ایک دوسرے سے اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف اس چیز پر جس کے ہم تفسیری بحث میں

ضرورت مند ہیں، اثر انداز نہیں ہوگا۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ گروہ انصار کی ایک عورت جس کا نام ''خولہ'' تھا۔ (دوسری روایات میں اس عورت کے اور بھی نام بیان ہوئے ہیں) وہ قبیلہ ''خزرج'' سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے شوہر کا نام ''اوس بن صامت'' تھا۔ کسی بات پر خولہ کا شوہر اس سے ناراض ہوگیا۔ وہ ایک تند خو اور شدید الحس آدمی تھا۔ اس نے اپنی عورت سے علیحدگی کا مصمم ارادہ کرلیا اور کہا (تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے)۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طلاق کی ایک قسم تھی۔ لیکن یہ طلاق اس طرح کی تھی کہ نہ تو اس میں رجوع ممکن تھا نہ عورت مرد سے آزاد ہوتی تھی کہ اپنے لئے کوئی دوسرا شوہر منتخب کرے۔ یہ بدترین حالت تھی جس سے کوئی شوہر دار عورت دوچار ہوتی تھی۔ وہ شخص جلد ہی پشیمان ہوگیا۔

چونکہ زمانۂ جاہلیت میں ''ظہار'' (مذکورہ بالا جملہ کہنا) ایک ایسی طلاق شمار ہوتا تھا جس میں طرفین ایک دوسرے سے قطعا رجوع نہیں کرسکتے تھے، وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ میرا خیال ہے تو مجھ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ عورت نے کہا ایسا نہ کہہ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا اور اس مشکل کا حل دریافت کر۔ مرد نے کہا مجھے شرم آتی ہے۔ عورت نے کہا میں جاتی ہوں۔ اس نے کہا: کوئی حرج نہیں تو چلی جا۔ وہ عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے شوہر ''اوس بن صامت'' نے مجھ سے شادی کی تھی۔ اس وقت میں صاحب دولت و ثروت تھی اور خوبصورت تھی۔ میرا خاندان بھی اچھا تھا۔ وہ میرا مال اپنے مصرف میں لے آیا۔ اب جب کہ میں جوان نہیں رہی میرا خاندان بھی پراگندہ ہوگیا ہے تو اب اس نے ''ظہار'' کیا ہے۔ لیکن وہ اپنے اس اقدام پر پشیمان ہے۔ تو کیا ایسی صورت ہے کہ ہم ایک دوسرے سے رجوع کرلیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تو اس پر حرام ہوگئی ہے''۔

وہ عورت مسلسل اصرار کرتی تھی اور گڑگڑا کر عرض حال کرتی تھی۔ آخر کار اس عورت نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: پروردگار! میں اپنی بے چارگی اور احتیاج کی شدت تجھ سے عرض کرتی ہوں۔ خداوندا کوئی فرمان اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما اور اس مشکل کا حل کردے۔

اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی حالت طاری ہوئی اور اس سورہ کی ابتدائی آیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں جو ظہار کی مشکل کو حل کرنے کا راستہ بتاتی ہیں۔

تفسیر

ظہار زمانۂ جاہلیت کا ایک قبیح عمل

جو کچھ شان نزول کے سلسلہ میں عرض کیا گیا اسے اور آیات زیر بحث کے نفس مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سورہ کی

ابتدائی آیات کی تفسیر واضح ہوگئی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

''اللہ نے اس عورت کا قول سنا جس نے اپنے شوہر کے بارے میں تجھ سے رجوع کیا تھا اور بحث وتکرار کرتی تھی، اس کی التجا کو قبول کیا''۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''وہ عورت، اس کے علاوہ کہ تجھ سے مجادلہ کرتی تھی، اس نے اللہ کی بارگاہ میں شکایت بھی کی اور حل مشکل کی استدعا بھی کی۔ یہ اس حالت میں تھا کہ جب اللہ تمہاری گفتگو اور اس عورت کے اصرار کو سن رہا تھا۔''تحور'' ''حور'' (بروزن غور) کے مادہ سے گفتگو یا غور وخوض میں رجوع کرنے کے معنوں میں ہے اور محاورہ کا طرفین کی گفتگو پر اطلاق ہوتا ہے۔''اور اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے''۔ جی ہاں! اللہ تمام مسموعات ومبصرات سے، بغیر اس کے کہ بینائی وسماعت کے اعضاء کا محتاج ہو، آگاہ ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے اور ہر چیز کو دیکھتا اور ہر بات کو سنتا ہے۔

(۲) اس کے بعد ظہار کے حکم کی طرف رجوع ہے اور تمہید کلام کے طور پر اس بے ہودہ نظریہ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنے کے لئے مختصر مگر قاطع جملے ارشاد فرماتا ہے: ''تم میں سے وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: ''تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے'' وہ ہرگز ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ ماں اور بیٹا ہونا ایسا نہیں ہے جو صرف الفاظ سے درست ہو جائے۔ وہ تو ایک ظاہر ہونے والی حقیقت واقعی ہے جو کسی سورت میں بھی الفاظ کے ساتھ کھیلنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس بناء پر اگر کوئی انسان سو مرتبہ بھی اپنی بیوی سے کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے تو وہ ماں کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتی۔ یہ محض ایک فضول بات ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''وہ ایک بری اور قبیح بات کہتے ہیں۔ اور ان کا قول باطل و بے بنیاد ہے''۔

اس آیت کے مطابق ظہار ایک منکر اور حرام عمل ہے لیکن چونکہ تکلیف شرعی گزشتہ اعمال سے تعلق نہیں رکھتی اور اس کا اطلاق نزول کے وقت سے ہوتا ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے''۔ اس بناء پر اگر کوئی مسلمان ان آیات کے نزول سے پہلے اس عمل کا مرتکب ہوا ہے تو اسے پریشان نہیں ہونا چاہئے اللہ اسے بخش دے گا۔

(۳) بہر حال کفارے کا مسئلہ اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔ چونکہ یہ قبیح اور تکلیف دہ گفتگو کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے لہٰذا اس کا کفارہ نسبتاً قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کی تکرار کا سدّ باب کیا جائے۔ فرماتا ہے:

''وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں اور پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات سے پلٹتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ مباشرت سے پہلے ایک غلام آزاد کریں''۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''یہ ایک دستور ہے جس کا تمہیں وعظ کیا گیا ہے''۔ یہ گمان نہ کرنا کہ ظہار کے سلسلہ میں اس قسم کا کفارہ غیر معتدل ہے۔ کیونکہ یہ پند ونصیت، بیداری اور تمہارے نفوس کی تربیت کا سبب ہے تاکہ اس قسم کے حرام کاموں کے سلسلہ میں تم اپنے نفوس کو قابو میں رکھ سکو۔ اصولی طور پر تمام کفارے تربیتی پہلو رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ کفارے جو مالی حیثیت رکھتے ہیں ان کی تاثیر تعزیرات کے مقابلہ میں، حق بدنی حیثیت رکھتی ہیں، کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس بات کا امکان تھا کہ بعض افراد مختلف

بہانوں سے کفارے سے جان چھڑائیں گے اور ظہار کے بعد بغیر کفارہ ادا کیے اپنی بیوی سے جنسی آمیزش رکھیں گے آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ اس سے جو تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے''۔ ظہار سے بھی آگاہ ہے اور کفارہ نہ دینے سے بھی اور تمہاری نیتوں سے بھی اور چونکہ ایک غلام کا آزاد کرنا تمام افراد کے لئے ممکن نہیں۔

(۴) یہ بھی ممکن ہے کہ انسان مالی اعتبار سے تو غلام کے آزاد کرنے کی قدرت رکھتا ہو لیکن اسے کوئی غلام دستیاب نہ ہو جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے۔ اس لئے اسلام کے دین جاودانی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ بعد کے مرحلہ میں غلاموں کے آزاد کرنے کا کوئی نعم البدل مذکور ہو۔ اس لئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''جو شخص غلام آزاد کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو جنسی آمیزش سے پہلے دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔ اس قبیح عمل کو روکنے کے لئے یہ کفارہ بھی ایک گہرا اثر رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ روزہ روح کی صفائی اور تہذیب نفس کا باعث ہے لہٰذا اس قسم کے اعمال کے اعادہ کا سدّ باب کر سکتا ہے۔ البتہ ظاہر آیت تو یہ ہے کہ روزے ساٹھ دن تک مسلسل رکھے جائیں۔ بہت سے فقہائے اہل سنت نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے لیکن ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایتوں میں آیا ہے کہ اگر دوسرے مہینے میں سے کچھ دن حتیٰ کہ ایک دن بھی پہلے مہینے کے تسلسل کے ساتھ روزہ رکھ لے تو شہرین متتابعین یعنی مسلسل دو ماہ کا تقاضا پورا ہو جائے گا اور یہ تصریح ظہور آیت پر حاکم ہے۔

اور چونکہ بعض لوگ دوسرے کفارہ سے یعنی مسلسل دو ماہ روزے رکھنے پر بھی قادر نہیں ہیں لہٰذا ایک اور متبادل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''جب کوئی دو ماہ تک مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ''اطعام'' کے معنی یہ ہیں کہ ایک مرتبہ اتنی غذا دے کہ کھانے والا سیر ہو جائے لیکن اسلامی روایات میں ایک مد طعام (ایرانی من کا چوتھا حصہ یا قریبا ۷۵۰ گرام معین ہوا ہے)۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اس قسم کے کفاروں کے اصل مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آؤ''۔ جی ہاں! کفاروں کے ذریعہ گناہوں کی تلافی ایمان کے ستونوں اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرتی ہے اور انسان کو مقدرات الٰہی کا علماً وعملاً پابند کرتی ہے۔ آیت کے آخر میں اس کے پیش نظر کہ تمام مسلمان اس مسئلہ کو ایک پختہ امر کے طور پر قبول کریں، فرماتا ہے: ''یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ احکام الٰہی کو اس لئے حدود کہتے ہیں کہ ان کو عبور کرنا جائز نہیں ہے۔

اسلام نے اس اقدام کو، جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، غلط قرار دیا اور اس کے بارے میں کفارہ کا حکم صادر کیا۔ لہٰذا اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس کی بیوی حاکم شرع سے رجوع کر کے اس مرد سے یا تو طلاق حاصل کر سکتی ہے یا اسے ازدواجی زندگی کی طرف پلٹ جانے کا پابند بنا سکتی ہے۔ لیکن ازدواجی زندگی کو بحال کرنے سے پہلے وہ کفارہ جو مندرجہ بالا آیات میں ہم نے پڑھا ہے اس مرد کو ادا کرنا ہوگا۔

(۵)اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ	وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہوں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ ذلیل وخوار ہوئے۔ ہم نے واضح آیات نازل کر دی ہیں اور کافروں کے لئے خوار کرنے والا عذاب ہے۔
(٦)يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۠	جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا اور ان اعمال سے جو انہوں نے انجام دیئے ہیں انہیں باخبر کرے گا، وہ اعمال جن کا اللہ نے احصا کیا ہے اور وہ (خود) انہیں بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز کا شاہد وناظر ہے۔
(۷) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	کیا تو نہیں جانتا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔ کسی جگہ تین اشخاص آپس میں سرگوشی نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور کہیں پانچ افراد سرگوشی نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔ اور اس سے کم تعداد میں اور نہ اس سے زیادہ تعداد میں مگر یہ کہ وہ ان کے ہمراہ ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا کیونکہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

تفسیر

وہ جو اللہ سے دشمنی کرتے ہیں

کیونکہ گزشتہ آیات کا آخری جملہ سب کے لئے خطرہ کا اشارہ ہے کہ حدودالٰہی کی رعایت کی جائے اور ان سے تجاوز نہ کیا جائے، زیر بحث آیت میں ان لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو نہ صرف یہ کہ ان حدود سے تجاوز کرتے ہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس طرح خدا، اس دنیا میں اور دوسرے جہان میں، ان لوگوں کے انجام کو ظاہر کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''جولوگ اللہ اوراس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرتے ہیں وہ ذلیل وخوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگ ذلیل وخوار ہوئے''۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''ہم نے واضح آیات نازل کیں''۔اس سلسلہ میں کافی اتمام حجت ہوا ہے اور مخالفت کے لئیے کوئی عذر یا بہانہ باقی نہیں رہا۔اس کے باوجود اگر مخالفت کریں تو پھر ان کو سزا ملنی چاہئے اور نہ صرف اس دنیا میں سزا دی جائے گی بلکہ ''کفار کے لئے قیامت میں ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے''۔

(٦) بہرحال یہ خدائی تہدید ان لوگوں کے بارے میں ہے جو پیغمبر اور قرآن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور جنگ بدر وخندق وخیبر وغیرہ میں ذلت وخواری اور شکست سے دوچار ہوئے تھے۔آخرکار فتح مکہ نے ان کے اقتدار کی بساط الٹ دی اور اسلام ہر جگہ کامیاب ہوا۔اس آیت میں ان کے آخری عذاب کے وقوع کے زمانے کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے: یہ ایسے دن ہوگا جب اللہ ان کو قبروں سے اٹھائے گا اور جو اعمال انہوں نے انجام دیے ہیں انہیں ان سے باخبر کرے گا۔

جی ہاں! اللہ نے ان کے تمام اعمال کو شمار کیا ہے اگرچہ وہ خود اسے فراموش کرچکے ہیں۔اور یہ خود ایک دردناک عذاب ہے کہ اللہ ان کے بھولے ہوئے گناہ ان کو یاد دلائے گا اور وہ میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے رسوا ہوں گے۔آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ ہر چیز کا شاہد اور ہر جگہ ناظر ہے''۔

جی ہاں! اللہ کا حضور ہر جگہ اور ہر زمانے میں، خود ہمارے اندر اور باہر، اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نہ صرف اعمال بلکہ وہ ہماری نیتوں اور عقائد کا بھی احصار کرتا ہے اور وہ عظیم دن جو ''یوم البروز'' ہے ان سب باتوں کو کھول دے گا تاکہ خود انسان بھی اور دوسرے بھی جان لیں کہ اگر سخت عذاب نازل ہوا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے۔

(٧) اس کے بعد اللہ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے اور ہر چیز سے آگاہ ہونے کی تاکید کے لئے مسئلہ نجویٰ کو موضوع بنا کر فرماتا ہے: ''کیا تو نہیں جانتا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ اسے جانتا ہے''۔اگرچہ روئے سخن یہاں پیغمبر ﷺ کی طرف ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

درحقیقت یہ مسئلہ ''نجوی'' کے بیان کا دیباچہ ہے۔اس کے بعد مزید فرماتا ہے: کبھی تین افراد آپس میں سرگوشی نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور کبھی پانچ افراد آپس میں باتیں نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔اور نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ تعداد مگر یہ کہ اللہ ان کے ہمراہ ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔پھر قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا کیونکہ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

اللہ چوتھا یا چھٹا ہے سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے ورنہ اس کی پاک ذات نہ مکان رکھتی

ہے اور نہ اعداد کے حوالے سے اس کی تعریف وتوصیف کی جا سکتی ہے۔اس کی یگانگت بھی وحدت عددی نہیں ہے بلکہ اس معنی میں ہے کہ وہ مثل ونظیر اور شبیہ نہیں رکھتا۔

(۸)اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُهُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ بِمَا لَمۡ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ یَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ یَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ	کیا تو نے نہیں دیکھا انہیں جن کو نجویٰ کی ممانعت کی گئی، اس کے بعد اس کام کی طرف جس سے انہیں روکا گیا تھا لوٹ گئے اور گناہ وتعدی اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کو انجام دینے کے لئے سرگوشی کرتے ہیں پھر جس وقت تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے وہ سلام کرتے ہیں جو اللہ نے تجھے نہیں کیا اور دل میں کہتے ہیں کہ اللہ کیوں ہمیں ہماری باتوں پر عذاب نہیں کرتا۔جہنم ان کے لئے کافی ہے۔اس میں وہ وارد ہوں گے اور وہ بری جگہ ہے۔
(۹)یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ	اے ایمان لانے والو! جس وقت سرگوشی کرتے ہو تو گناہ، تعدی اور رسول اللہ کی نافرمانی کے لئے نہ کرو اور اچھے کام اور تقویٰ کے بارے میں سرگوشی کرو اور اس اللہ کی مخالفت سے پرہیز کرو، جس کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔
اِنَّمَا النَّجۡوٰی مِنَ الشَّیۡطٰنِ لِیَحۡزُنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیۡسَ بِضَآرِّهِمۡ شَیۡـًٔا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ(۱۰)	نجویٰ (سرگوشی)صرف شیطان کی طرف سے ہے وہ چاہتا ہے کہ مؤمنین اس سے غمگین ہوں لیکن انہیں اللہ کے حکم کے بغیر کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اس لئے مومنین کو چاہئے کہ وہ اللہ پر توکل کریں۔

شان نزول

پہلی زیر بحث آیت کے بارے میں دو شان نزول نقل ہوئی ہیں جن میں سے ہر ایک آیت کے ایک حصہ سے مربوط

ہے۔ پہلی یہ کہ یہودیوں اور منافقوں کی ایک جماعت مومنین سے علیحدہ آپس میں سرگوشی کرتی اور ایک دوسرے کے کانوں میں باتیں کرتی اور کبھی یہ کہ مومنین کو آنکھوں سے پریشان کن اشارے کرتی۔ جب مومنین یہ منظر دیکھتے تو کہتے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے عزیزون اور رشتہ داروں کے بارے میں جو جہاد پر گئے ہوتے ہیں ان تک کوئی پریشان کن خبر پہنچی ہے۔ یہ اس کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ یہ چیز مؤمنین کے غم واندوہ کا باعث بنتی جب انہوں نے یہ حرکت بار بار کی تو مؤمنین نے رسول خدا ﷺ سے شکایت کی۔ رسول خدا ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص مسلمانوں کے سامنے ایک دوسرے سے سرگوشی نہ کرے تو مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (اور انہیں اس کام پر سختی سے سرزنش کی)۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بہت سی کتب تفسیر نے تحریر کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آیا اور **السلام علیک** کی بجائے **السام علیک** یاابالقاسم کہا۔ (اس کا مفہوم ہے تجھ پر موت یا ملامت و خستگی ہو)۔ پیغمبر ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا: **و علیکم** ''(یہی چیز تم پر ہو)''۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں: کہ میں اس مفہوم کی طرف متوجہ ہوئی اور میں نے کہا: ''تم پر موت وارد ہو۔ اللہ تم پر غضب کرے'' تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

''نرمی سے کام لو اور سختی و بدگوئی سے پرہیز کرو''۔

تو میں نے کہا: کہ آپ نہیں سن رہے تھے کہ کہہ رہے ہیں کہ ''تجھ پر موت ہو'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''کیا تو نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں علیکم کہا ہے''۔

یہ وہ موقع تھا کہ مندرجہ بالا آیات نازل ہوئی کہ ''جس وقت یہ گروہ تمہارے پاس آتا ہے تو ایسا سلام کرتا ہے جیسا سلام اللہ نے تم پر نہیں کیا۔

تفسیر

ان آیات کی بحث اس طرح نجویٰ کے ان مباحث کا تسلسل ہے جو گزشتہ آیتوں میں تھے۔ پہلے فرماتا ہے:

''کیا تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں سرگوشی سے منع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اس کام کی طرف پلٹے جس کی ممانعت کی گئی تھی اور وہ گناہ، تعدی اور رسول خدا ﷺ کی نافرمانی کو انجام دینے کے لئے نجویٰ کرتے ہیں''۔

اس تعبیر سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انہیں خبردار کیا گیا تھا کہ وہ نجویٰ سے پرہیز کریں۔ وہ ایسا کام ہے جو دوسروں میں بدگمانی اور پریشانی پیدا کرتا ہے۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے منافقوں اور یہودیوں کے ایک اور غلط عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا

ہے: ''اور جس وقت وہ تیرے پاس آتے ہیں تو ایسا سلام کرتے ہیں جیسا اللہ نے تجھے نہیں کیا''۔

''تحیت'' کے مادہ سے اصل میں حیات سے لیا گیا ہے اور سلامتی و زندگی تازہ کے لئے دعا کرنے کے معنی میں ہے۔ اس آیت میں تحیت الٰہی سے مراد وہی السلام علیک (یا سلام اللہ علیک) کا جملہ ہے جس سے ملتا جلتا جملہ قرآنی آیتوں میں پیغمبروں اور بہشتیوں کے لئے بارہا آیا ہے۔ منجملہ دیگر آیتوں کے ہم سورۂ صافات کی آیت ۱۸۱ میں دیکھتے ہیں۔ پروردگار کے تمام رسولوں پر سلام۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''وہ نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اس طرح بادہ غرور میں مست ہیں کہ دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارے اعمال برے ہیں اور اللہ جانتا ہے تو ہماری باتوں کی وجہ سے ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں کرتا۔ اس طرح پیغمبر کی نبوت پر اپنے ایمان کے نہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں اور اللہ کے علمی احاطہ پر بھی اپنے ایمان کے نہ ہونے کو پایہ ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن قرآن ایک مختصر سے جملہ میں انہیں اس طرح جواب دیتا ہے۔ ''جہنم ان کے لئے کافی ہے اور کسی اور عذاب کی ضرورت نہیں ہے۔ وہی جہنم جس میں وہ عنقریب داخل ہوں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔'' بہر کیف یہ تعبیر اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ وہ دنیاوی عذاب سے بچ جائیں گے۔

(۹) چونکہ مومنین کبھی کبھی ضرورت اور اپنی دلی خواہش کے ماتحت سرگوشی کرتے تھے، لہٰذا اس آیت میں ردئے سخن ان کی طرف کرتے ہوئے۔ اس خیال کے پیش نظر کہ وہ اس کام میں منافقوں اور یہودیوں جیسے گناہوں میں آلودہ نہ ہوں، فرماتا ہے:

''اے ایمان لانے والو! جس وقت تم نجویٰ کرو تو گناہ تعدی اور رسول خدا ﷺ کی نافرمانی کے لئے نجویٰ نہ کرو تمہارے نجویٰ کا مضمون پاکیزہ ہو اور خوف خدا لئے ہوئے ہو۔ نیک کاموں اور تقوے کے لئے نجویٰ کرو''۔

اور اللہ کی معصیت سے پرہیز کرو تم سب کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے''۔ اس تعبیر سے نجوی معلوم ہو جاتا ہے کہ نجویٰ اگر مومنین کے درمیان ہو تو وہ سوئے ظن اور بدگمانی کے جذبات کو نہ ابھارے پریشانی پیدا نہ کرے اور اس کا نفس مضمون نیکیوں کی وصیت پر مبنی ہو پھر وہ جائز ہو۔

(۱۰) لیکن اگر نفس مضمون بھی شیطانی ہو۔ اس لئے بعد والی آیت میں جو زیر بحث آیتوں میں آخری آیت ہے مزید فرماتا ہے: نجوی صرف شیطان کی طرف سے ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر کہ مومنین پریشان و غمگین ہوں'' لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ شیطان اذن پروردگار کے بغیر مومنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ عالم ہستی میں جو موثر بھی ہے اس کی تاثیر حکم اللہ ہی سے ہے۔ یہاں تک کہ آگ کا جلانا اور تلوار کا کاٹنا بھی اسی کے حکم کے ماتحت ہے۔ اگر جلیل حکم نہ دے تو خلیل کے حکم سے چھری نہیں کاٹتی۔ اسی لئے مومنین کو صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے اور اس کے علاوہ کسی چیز سے نہیں ڈرنا چاہیے اور اس کے غیر سے محبت نہ کی جائے۔ وہ توکل کی روح اور اللہ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اچھی طرح مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں اور شیطان کے پیروکاروں کے منصوبے کو ناکام بنا سکتے ہیں اور ان کی سازشوں کو درہم برہم کر سکتے ہیں۔

(۱۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ	اے ایمان لانے والو! جس وقت تم سے کہا جائے کہ مجلس کو وسعت بخشو (نئے آنے والوں کو جگہ دو) تو اسے وسعت دے دو۔ اللہ تمہارے لئے (جنت کو) وسعت دے گا۔ جب کہا جائے کہ کھڑے ہوجاؤ تو کھڑے ہوجایا کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور علم سے بہرہ ور ہیں عظیم درجات بخشے گا۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

شان نزول

طبرسی نے مجمع البیان میں اور آلوسی نے روح المعانی میں اور دوسرے مفسرین کی ایک جماعت نے تحریر کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جمعہ کو "صفہ" (بڑا سا چبوترہ جو مسجد نبوی کے قریب تھا) پر تشریف فرما تھے اور ایک گروہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور جگہ تنگ تھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب سلام دیا مگر وہ لوگ کھڑے رہے اور منتظر رہے کہ حاضرین انہیں جگہ دیں۔ لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ یہ بات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزری۔ اپنے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کچھ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخ کیا اور فرمایا فلاں فلاں شخص کھڑا ہو جائے۔ اس طرح چند افراد کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھایا تاکہ آنے والے بیٹھ سکیں۔ (یہ ایک قسم کا ایمان اور جہاد میں سبقت کرنے والوں کے بارے میں ادب اور احترام کا درس تھا) لیکن یہ بات ان چند افراد کو ناگوار گزری جو اپنی جگہ سے اٹھے تھے ناراحتی کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے۔ منافقین جو ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے وہ کہنے لگے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصاف سے کام نہیں لیا وہ لوگ جو عاشقانہ انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے انہیں ان لوگوں کی خاطر جو مجلس میں بعد میں وارد ہوئے تھے اٹھادیا۔ اس موقع پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی (اور مجلسوں میں بیٹھنے کے آداب کے کچھ حصہ کی ان کے لئے شرح کی۔)

تفسیر

مجالس میں پہلے آنے والوں کا احترام

اس حکم کے بعد جو گزشتہ آیات میں مجالس میں سرگوشی ترک کرنے اور اسے مخصوص مواقع تک محدود کرنے کے سلسلہ میں آیا

تھا اس آیت میں ایک اور مجلسی ادب کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے ایمان لانے والو! جس وقت تم سے کہا جائے کہ مجلس کو وسعت دو اور نئے آنے والوں کو جگہ دو تو اس کی اطاعت کرو''

اگر ایسا کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ کو جنت میں وسعت بخشے گا اور اس جہان میں بھی تمہارے دل و جان اور رزق میں وسعت دے گا۔ اور چونکہ کبھی مجلسوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ کچھ افراد کے اٹھے بغیر دوسروں کے لئے جگہ نہیں بنتی یا اگر ہو تو ان کی ضرورت کے مطابق نہیں ہوتی لہٰذا آیت کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''جس وقت تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو''

نہ تو بہانے بناؤ اور نہ جس وقت اٹھو اس وقت پریشان ہو۔ کیونکہ بعض اوقات نو وارد افراد بیٹھنے کے تم سے زیادہ حقدار ہوتے ہیں، زیادہ تھکن کی وجہ سے یا ضعیفی کی وجہ سے یا خاص احترام کی بنا پر یا اور کسی ایسے ہی سبب کی بنا پر۔

اس کے بعد اس حکم کے اجر کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''اگر ایسا کرو گے تو اللہ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور علم سے بہرہ ور ہیں عظیم درجات بخشے گا''

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان قوانین کی اطاعت ایمان و علم کی دلیل ہے۔ نیز اس طرف اشارہ ہے کہ اگر پیغمبر اکرم ﷺ نے بعض افراد کو حکم دیا ہے کہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو جاؤ اور نو وارد افراد کو جگہ دے دو تو یہ ایک ایسا مقدس مقصود ہے جس کا حکم اللہ کی طرف سے ہے اور یہ ایمان و علم میں سبقت کرنے والوں کے احترام کی بنا پر ہے ''درجات'' کی تعبیر (نکرہ کی شکل میں اور صیغہ جمع کے ساتھ) عظیم اور بلند مراتب کی طرف اشارہ ہے جو اللہ اس قسم کے افراد کو عطا کرتا ہے جو علم و ایمان دونوں کے حامل ہوں۔ حقیقت میں وہ لوگ جو نو وارد افراد کو اپنے پاس جگہ دیتے ہیں ایک درجہ پر فائز ہوتے ہیں اور جو ایثار سے کام لیں اور اپنی جگہ ان کو دے دیں اور وہ علم و معرفت سے بھی بہرہ ور ہوں تو ان کے لئے بہت سے درجات ہیں۔ اور چونکہ ایک گروہ ان آداب کو خلوص دل سے بروئے کار لاتا ہے لہٰذا آیت کے آخر میں مزید فرماتا ہے: ''اللہ اس سے جسے تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے۔ آیت یہ بتاتی ہے کہ جو چیزیں انسان کے رتبہ کو اللہ کی بارگاہ میں بلند کرتی ہیں وہ دو ہیں، ایک ایمان اور دوسرے علم۔

(۱۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اے ایمان لانے والوں جس وقت تم چاہو کہ رسول اللہ کے ساتھ نجویٰ کرو تو اس سے پہلے (راہ خدا میں) صدقہ دے لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ بات ہے اور اگر استطاعت نہ رکھتے ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

(۱۳)ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَیۡ نَجۡوٰکُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيۡکُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ وَ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۠	کیا ڈر گئے ہو کہ فقیر ہو جاؤ گے جو تم نے سرگوشی سے پہلے صدقہ دینے سے ہاتھ کھینچ لیا؟ اب جب کہ یہ کام تم نے نہیں کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ کو قبول کر لیا، تو نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو۔ نیز (جان لو) کہ اللہ اس کام سے جسے تم انجام دیتے ہو باخبر ہے۔

شان نزول

مرحوم طبرسی مجمع البیان میں اور دیگر مشہور مفسرین کی ایک جماعت نے ان آیات کی شان نزول کے بارے میں یہ تحریر کیا ہے کہ اغنیا کا ایک گروہ محفل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آکر آپ سے نجویٰ کیا کرتا تھا۔ (یہ کام علاوہ اس کے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیمتی وقت کے بے جا صرف کا سبب بنتا، غریبوں کی پریشانی اور امیر لوگوں کے ایک قسم کے امتیاز کا باعث بھی بنتا)۔ اس موقع کے لئے پروردگار عالم نے مندرجہ بالا آیات نازل کیں اور انہیں حکم دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجویٰ کرنے سے پہلے حاجت مندوں کو صدقہ دیا کرو۔ اغنیاء نے جب یہ دیکھا تو نجویٰ سے احتراز برتنے لگے اس پر دوسری آیت نازل ہوئی (انہیں ملامت کی اور پہلے حکم کو منسوخ کیا) اور سب کو نجویٰ کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن نجویٰ صرف وہی جو اطاعت پروردگار کے سلسلہ میں ہو۔

تفسیر

ایک جاذب توجہ امتحان

گزشتہ آیات کے ایک حصہ میں "نجویٰ" کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر بحث آیات اسی مفہوم کو جاری وساری رکھتی ہیں اور اس کی تکمیل کرتی ہیں پہلے فرماتا ہے:

"اے ایمان لانے والو!" "تم جب چاہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجویٰ کرو تو اس سے پہلے راہ خدا میں صدقہ دے دو"۔ جیسا کہ شان نزول میں ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ حکم اس لئے تھا کہ لوگوں کا ایک گروہ خصوصاً اغنیاء پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نجویٰ کرتے اور ان کو مصروف رکھتے۔ یہ ایسا کام تھا جو دوسروں کے لئے غم و اندوہ کا باعث بنتا تھا اور نجویٰ کرنے والوں کے لئے سبب امتیاز ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیمتی وقت کے ضائع ہونے کا سبب بھی بنتا تھا، تو مندرجہ بالا حکم نازل ہوا۔ یہ حکم ان کے لئے ایک آزمائش، حاجت مندوں کے لئے مدد کا باعث اور مذکورہ رحمتوں کے کم کرنے کا ایک موثر ذریعہ تھا۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

"یہ تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے"۔

صدقہ کا اغنیاء کے لئے خیر ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ موجب ثواب تھا اور حاجت مندوں کے واسطے اس لئے کہ ان کی مدد کا ذریعہ تھا۔ باقی رہا اطہر ہونا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اغنیاء کے دلوں سے مال کی محبت کو دھوتا تھا اور حاجت مندوں کے دلوں سے کینے اور پریشانی کو دور کرتا تھا۔ لیکن اگر نجویٰ سے پہلے صدقہ کا وجوب عمومیت رکھتا تو پھر فقراء اہم مسائل یا اپنی ضرورتیں پیغمبرﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے سے قاصر رہ جاتے۔

لہٰذا آیت کے ذیل میں صدقہ کا حکم اس گروہ سے واپس لیتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور اگر استطاعت نہ رکھتے ہوں تو اللہ غفور الرحیم ہے''۔ اس طرح جو لوگ مالی اعتبار سے مضبوط تھے ان کے لئے نجوی سے پہلے صدقہ دینا واجب تھا اور جن کی مالی حالت اچھی نہ تھی وہ صدقہ کے بغیر نجویٰ کر سکتے تھے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا حکم نے ایک عجیب تاثیر پیدا کی اور ایک عمدہ آزمائش پیش کی۔ ایک شخص کے علاوہ سب نے صدقہ دینے اور نجوی کرنے سے پہلوتہی کی اور وہ ایک شخص حضرت علی علیہ السلام تھے۔ یہ وہ مقام تھا کہ جہاں جس چیز کی وضاحت اور اس کے نمایاں ہونے کی ضرورت تھی وہی واضح ہوگئی اور جو کچھ مسلمانوں کو اس حکم سے سمجھنا چاہیے تھا اور درس لینا چاہیے تھا اس کو انہوں نے سمجھا اور درس لیا۔

(۱۳) لہٰذا زیرنظر دوسری آیت نازل ہوئی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم پیش کیا۔ ''کیا تم ڈر گئے کہ فقیر ہو جاؤ گے جس کی وجہ سے نجویٰ سے پہلے صدقہ دینے سے تم نے احتراز کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مال کی محبت تمہارے دل میں پیغمبرﷺ سے نجویٰ کرنے کے لگاؤ سے زیادہ پرکشش اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان سرگوشیوں میں عام طور پر زندگی کے مسائل موضوع گفتگو نہیں ہوتے تھے ورنہ کیا مانع تھا جو لوگ نجویٰ کرنے سے پہلے صدقہ دے دیتے اور پھر نجویٰ کرتے خصوصاً جب کہ صدقہ کے لئے کوئی مقدار بھی مقرر نہیں تھی اور وہ تھوڑی سی رقم سے اس مشکل کو حل کر سکتے تھے پھر مزید فرماتا ہے:

''اب جب کہ تم نے یہ کام نہیں کیا اور خود تم اپنی کوتاہی کو بھانپ چکے ہو اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کر دیا ہے اور تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، تو نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے پیغمبرﷺ کی اطاعت کرو اور جان لو کہ جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

(۱۴) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ	کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے ان افراد کے ساتھ دوستی کر لی ہے جن پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے؟ یہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے، یہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں (کہ وہ تم میں سے ہیں) حالانکہ وہ خود جانتے ہیں (کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں)۔
(۱۵) اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب فراہم کر رکھا ہے کیونکہ جن اعمال کو وہ انجام دیتے ہیں وہ برے ہیں۔

(۱۷)اِتَّخَذُوۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ	انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال قرار دیا ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رکھا ہے لہٰذا ان کے لئے خوار کرنے والا عذاب ہے۔
(۱۷)لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡئًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ	ان کے مال و اولاد کسی طرح بھی انہیں عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں رکھ سکتے وہ اصحاب دوزخ ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔
(۱۸) یَوۡمَ یَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ کَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ	یاد کرو اس دن کو جب اللہ سب کو قبروں سے اٹھائے گا (اور ان سے سوال کرے گا)۔ لیکن وہ اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسم کھائینگے۔ جس طرح (آج) تمہارے سامنے قسم کھاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ (ان جھوٹی قسموں کے ساتھ) کوئی کام انجام دے سکتے ہیں ۔وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔
(۱۹)اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡهِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِکۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ	شیطان ان پر غالب آچکا ہے اور اللہ کی یاد ان کے دلوں سے نکال کرلے گیا ہے۔وہ شیطان کا گروہ ہیں۔ جان لو کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔

تفسیر

حزب شیطان

یہ آیات منافقین کی بعض سازشوں کو بے نقاب کرتی ہیں اور ان کی نشانیوں کے ساتھ مسلمانوں سے ان کا تعارف کراتی ہیں نجویٰ کی آیات کے بعد اس چیز کا عنوان کلام بننا شاید اس مناسبت سے ہے کہ پیغمبر ﷺ سے نجویٰ کرنے والوں میں کچھ منافق افراد بھی تھے جو اس چیز کو اپنی سازشوں پر پردہ ڈالنے اور پیغمبر ﷺ سے اظہار قرب کے لئے استعمال کرتے تھے اور یہی بات سبب بنی کہ قرآن ایک امر کلی کی شکل میں اس کو پیش کرتا ہے۔ پروردگار عالم پہلے فرماتا ہے:

''کیا تو نے ان افراد کو نہیں دیکھا جو ایسی قوم سے دوستی کی طرح ڈالتے ہیں جس پر اللہ نے غضب کیا ہے''

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''یہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے''۔ نہ مشکلات میں اور نہ پریشانیوں میں تمہارے مددگار ہیں، نہ ان کے کوئی جگری دست ہیں بلکہ منافق ہیں جو ہر روز رخ بدل لیتے ہیں اور ہر روز نئی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''تم سے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں لیکن جھوٹی قسم، جسے وہ خود بھی جانتے ہیں۔ یہ منافقین کے طور طریقے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے قبیح اور قابل نفرت چہرہ کو چھپانے کے لئے جھوٹی قسموں کی پناہ لیتے ہیں جب کہ ان کا عمل ان کا بہترین تعارف کراتا ہے۔

(۱۵) اس کے بعد ان ہٹ دھرم منافقین پر نازل ہونے والے عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اللہ نے ان کے لئے عذاب شدید تیار کیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ عذاب عادلانہ ہے کیونکہ وہ برے اعمال بجا لاتے ہیں۔ اس کے بعد ان منافقین کی علامتوں کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے:

(۱۶) ''انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے روکے رکھیں''۔

وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور سوائے اصلاح کے ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے حالانکہ اس قسم کے پردہ کے پیچھے وہ انواع و اقسام کے فساد، تخریبی کاروائیوں اور سازشوں میں مصروف ہیں اور حقیقت میں اللہ کا مقدس نام لے کر راہ اللہ سے روکنے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں مزید فرماتا ہے:

''اس بنا پر ان کے لئے خوار کرنے والا عذاب ہے''۔ وہ چاہتے تھے کہ ان جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنے لئے سامان عزت فراہم کریں لیکن اللہ انہیں ذلیل و خوار کرنے والے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

(۱۷) چونکہ منافقین عام طور پر حل مشکلات کے سلسلہ میں اپنے مال اور اولاد (اقتصادی اور انسانی قوت) پر انحصار کرتے تھے لہٰذا قرآن اس آیت میں کہتا ہے: ''ان کے مال اور اولاد انہیں عذاب الٰہی سے کسی طرح بھی محفوظ نہیں رکھیں گے''۔ بلکہ یہی اموال ان کی گردن میں لعنت کا طوق بن جائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب کا سبب بنیں گے۔ آخر میں اس جملہ کے ساتھ تہدید کرتا ہے۔ ''وہ اصحاب دوزخ ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

(۱۸) تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ منافقین قیامت میں بھی اپنی منافقت سے دست بردار نہیں ہوں گے جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ''یاد کرو اس دن کو جس میں اللہ ان سب کو مبعوث کرے گا اور ان کے اعمال ان کے سامنے پیش کرے گا اور اپنی واد گاہ عدل میں ان سے سوال کرے گا لیکن وہ اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے جیسی کہ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔ قیامت انسان کے اس دنیا کے اعمال اور نیتوں کی تجلی گاہ ہے اور چونکہ منافقین یہی احساسات اپنے ساتھ قبر اور برزخ میں لے کر جائیں گے لہٰذا میدان قیامت میں بھی آشکار ہوں گے۔ پرانی عادات کی بنا پر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''وہ گمان کرتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں سے وہ اپنے لئے کوئی نفع حاصل کر سکتے ہیں یا کسی نقصان کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ ایک واہمہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ آخرکار آیت کو اس جملہ پر ختم کرتا ہے۔ ''جان لو کہ وہ جھوٹے ہیں''۔ اس طرح ان کی رسوائی کا ڈنکا ہر جگہ بج رہا ہے۔

(۱۹) آخری زیر بحث آیت میں ان تاریک دل رکھنے والے منافقین کی حقیقی سرگزشت کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''شیطان ان پر مسلط ہو گیا ہے اور تیزی کے ساتھ ہانکتا ہے اور اس بنا پر ان کے دل سے اللہ کی یاد نکال کر لے گیا ہے۔ اسی دلیل کی رو سے ''وہ گروہ شیطان ہیں''۔

جی ہاں! جھوٹے اور مغرور منافقین باوجود مال و دولت اور مقام و منزلت کے اس کے علاوہ اور کوئی قسمت نہیں رکھتے کہ وہ شیطان کی گرفت اور اس کی خواہشات کے اختیار میں ہوتے ہیں اور وہ اللہ کو کلی طور پر بھول جاتے ہیں اور نہ صرف اللہ سے منحرف ہو جاتے ہیں بلکہ شیطان کے لئے عمل کرنے والے، انصار، مددگار اور لشکر کے زمرہ میں آ کر دوسروں کو گمراہ کرنے والے قرار پاتے ہیں۔

(۲۰) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ	وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ ذلیل ترین افراد کے زمرہ میں ہیں۔
(۲۱) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ	اللہ نے اس طرح مقرر کر رکھا تھا کہ میں اور میرے رسول کامیاب ہوں گے کیونکہ اللہ قوی اور ناقابل شکست ہے۔
(۲۲) لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ؑ	کسی ایسی قوم کو تو نہیں پائے گا جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرے خواہ وہ ان کے آباؤ اجداد، اولاد، بھائی اور رشتہ دار کیوں نہ ہوں وہ ایسے لوگ ہیں جن کے صفحہ دل پر ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعے ان کی تقویت فرمائی ہے۔ انہیں جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ وہ اللہ کا حزب ہیں۔ جان لو کہ اللہ کا حزب ہی کامیاب ہے۔

تفسیر

حزب اللہ کامیاب ہے

گزشتہ آیات میں گفتگو منافقین اور دشمنان خدا کے بارے میں اور ان کی کچھ صفات اور علامتوں سے متعلق تھی۔ اس بحث کو

جاری رکھتے ہوئے ان آیتوں میں جو سورہ مجادلہ کی آخری آیات ہیں ان کی کچھ اور نشانیاں پیش کرتا ہے اور ان کی حتمی سرنوشت جو شکست و بربادی ہے اسے واضح کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ ذلیل ترین افراد کے زمرہ میں ہیں''

(۲۱) یہ آیت حقیقت میں ان معانی کی دلیل ہے فرماتا ہے:

''اللہ نے اس طرح مقرر کیا تھا کہ میں اور میرے پیغمبر ہی کامیاب ہوں گے'' ایسا کیوں نہ ہو اس لئے کہ اللہ قوی اور نا قابل شکست ہے۔ جس قدر اللہ صاحب قوت ہے اتنے ہی اس کے دشمن کمزور اور ذلیل ہیں اور اگر ہم دیکھتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں ''اذلین'' کی تعبیر آئی ہے تو اس کی وجہ یہی تھی۔

تاریخ کے طویل دور میں اللہ کے پیغمبروں اور اس کے بھیجے ہوئے افراد کی کامیابی مختلف صورتوں میں نمایاں ہوئی ہے۔ مختلف عذابوں کی صورت میں مثلاً طوفان نوح علیہ السلام میں، صاعقہ عاد و ثمود میں، قوم لوط کو تباہ برباد کرنے والے زلزلے کی صورت میں اور اسی قسم کی چیزوں میں، مختلف جنگوں میں مثلاً جنگ بدر و حنین، فتح مکہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باقی غزوات میں۔ ان سب سے زیادہ اہم شیطانی مکاتب فکر اور حق و عدالت کے دشمنوں پر ان کی منطقی کامیابی تھی۔

(۲۲) آخری زیر بحث آیت جو سورہ مجادلہ کی آخری اور آیات قرآنی میں سب سے زیادہ سرکوبی کرنے والی آیت ہے مومنین کو باخبر کرتی ہے کہ اللہ کی محبت اور ''دشمنان اللہ کی محبت'' کو ایک ہی دل میں جمع کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کریں۔ اگر واقعی وہ مومن ہیں تو انہیں دشمنان خدا کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہئے ورنہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کریں پروردگار عالم فرماتا ہے:

''کسی ایسے گروہ کو جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو نہیں پائے گا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کریں چاہے وہ ان کے آباؤ اجداد، اولاد یا رشتہ دار ہوں۔''

آباؤ اجداد، اولاد اور رشتہ داروں کی محبت بہت اچھی چیز ہے اور انسان کے جذبہء کرم کے زندہ ہونے کی نشانی ہے لیکن جب اس محبت کا مقابلہ اللہ کی محبت سے ہو تو پھر یہ محبت اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتی ہے۔

اس کے بعد پروردگار عالم اس گروہ کے عظیم اجر کو پیش کرتا ہے جس کے دل مکمل طور پر عشق اللہ کے قبضہ میں ہیں اور پانچ موضوعات کو بیان کرتا ہے جن میں سے بعض امداد اور توفیق کی شکل میں ہیں اور بعض نتیجے اور انجام کار کی صورت میں پہلے اور دوسرے حصہ کے سلسلے میں فرماتا ہے:'

'وہ ایسے لوگ ہیں کہ خدا نے ایمان کا خط ان کے دلوں کے صفحے پر کھینچ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعے ان کو تقویت پہنچائی ہے۔''

تیسرے مرحلے میں فرماتا ہے:

''اللہ انہیں جنت کے باغات میں داخل کرے گا جن کے درختوں اور محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ان میں

رہیں گے۔"

چوتھے مرحلے میں فرماتا ہے: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ قیامت کے مادّی انعامات یعنی حور وقصور کے مقابلے میں یہ عظیم روحانی اجر ہے جو مومنین کے اس گروہ کو دیا جائے گا۔ یہ گروہ احساس کرے گا کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ ان کے معبود کی یہ رضامندی کہ اس نے انہیں قبول کرلیا ہے اور اپنی عنایت سے انہیں نوازا ہے اور اپنی بساط قرب پر انہیں بٹھایا ہے بہترین لطف دینے والا احساس ہے جو انہیں حاصل ہوگا۔ آخری مرحلے میں ایسے عمومی اعلان کی شکل میں، جو ایک اور نعمت کی ترجمانی کرتا ہے فرماتا ہے:

"وہ اللہ کی جماعت ہیں اور جان لو کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے"۔ نہ صرف انہیں دوسرے جہان میں کامیابی اور قیامت میں انواع اقسام کی مادّی ومعنوی نعمتیں حاصل ہوں گی بلکہ جیسا کہ گزشتہ آیات میں بھی آیا ہے وہ اس دنیا میں بھی اللہ کی مہربانی سے دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کریں گے اور اس دنیا کے اختتام پر بھی حق وعدالت کی حکومت ان کے قبضہ میں ہوگی۔

سورۂ حشر

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۲۴ آیتیں ہیں

سورۂ حشر کے مضامین

یہ سورہ زیادہ تر مسلمانوں اور یہود بنی نظیر سے متعلق بیان پر مشتمل ہے اور آخر کار ان کے مدینہ سے اخراج یعنی ان کے وجود سے اس مقدس سرزمین کے پاک ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے، اس لئے یہ قرآن مجید کے بیدار کرنے والی اور جھنجھوڑنے والی اہم سورتوں میں سے ایک ہے اور یہ گزشتہ سورہ کی آخری آیات سے بہت مشابہت رکھتا ہے جن میں حزب اللہ سے کامیابی کا وعدہ کیا گیا ہے اور فی الحقیقت یہ کامیابی کا ایک واضح نمونہ ہے۔

اس سورہ کے مشمولات کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلے حصے میں صرف ایک آیت ہے جو اس سورہ کے مختلف مباحث کے لئے دیباچہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں پروردگار علیم وحکیم کی اس تسبیح کے بارے میں گفتگو ہے جو تمام موجودات بجالاتے ہیں۔دوسرے حصہ میں دو سے لے کر دس تک کل نو آیتیں ہیں۔وہ مسلمانوں کی مدینہ کے عہد شکن یہودیوں سے لڑائی کے واقعہ کو بیان کرتی ہیں۔تیسرا حصہ جو آیت گیارہ سے لیکر سترہ تک محیط ہے، منافقین کے بارے میں ہے جو اس اقدام میں یہودیوں سے ساز باز رکھتے تھے۔چوتھا حصہ جو چند آیتوں سے زیادہ نہیں تمام مسلمانوں کیلئے پند ونصائح کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے اور درحقیقت مندرجہ بالا واقعہ سے نتیجہ اخذ کرنے کے مترادف ہے۔پانچویں حصہ میں صرف ایک آیت ہے۔اس میں قرآن کی توصیف بلیغ ہے اور پاکبازی میں روح کی تاثیر کا بیان ہے۔چھٹے اور آخری حصہ میں بائیس سے لے کر چوبیس تک تین آیتیں ہیں۔اس میں اللہ کے اوصاف جلال و جمال اور اس کے اسمائے حسنٰی کے اہم حصہ کا بیان ہے۔یہ حصہ اللہ کی معرفت کے سلسلہ میں انسان کی نہایت عمدہ انداز میں مدد کرتا ہے۔

اس سورہ کا نام اس کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے جس میں مدینہ سے یہودیوں کے کوچ کر جانے کیلئے جمع ہونے والے اور مسلمانوں کے اس امر کیلئے جمع ہونے کا ذکر ہے کہ یہودیوں کو مدینہ سے نکالا جائے۔یہاں سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس حشر (جمع ہونے) کا قیامت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔بعض مفسرین نے اس سورہ کا نام بنی نظیر بتایا ہے کیونکہ اس کا زیادہ حصہ انہی کے بارے میں ہے۔بالآخر یہ سورہ بھی مسبحات میں سے ایک ہے۔یعنی ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اللہ کی تسبیح سے شروع ہوتی ہیں اور یہ ایک حسن اتفاق ہے کہ اس سورہ کا اختتام بھی تسبیح الٰہی پر ہوا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔منجملہ دیگر فضیلتوں کے ایک فضیلت کے بارے میں پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک حدیث ملتی ہے:

''جو شخص سورہ حشر پڑھے تو جنت و دوزخ، عرش و کرسی، حجاب، ساتوں آسمان، ساتوں زمین، حشرات الارض، ہوائیں، پرندے، درخت، چلتے پھرتے ہوئے جاندار چاند اور سورج اور ملائکہ سب اس کیلئے دعائے مغفرت کریں گے

اور وہ اگر اس دن یا اس رات فوت ہو جائے تو شہید شمار ہو گا۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱)سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے۔
(۲)هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ	وہی ہے جس نے اہل کتاب کفار کو مسلمانوں سے پہلے مقابلہ میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تم گمان نہیں کر سکتے تھے کہ وہ خارج ہوں گے اور وہ خود بھی گمان کرتے تھے، ان کو آلیا۔ اور ان کے دل میں خوف ڈال دیا، اس طرح سے کہ وہ اپنے گھروں کو خود بھی ویران کرتے اور مومنین بھی ان کو ویران کرتے تھے۔ پس اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔
(۳)وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِی الدُّنۡیَا ؕ وَ لَهُمۡ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ	اور اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے جلاوطنی ان کیلئے مقرر کر دی تھی تو وہ ان پر اس دنیا میں عذاب نازل کرتا اور ان کے لئے آخرت میں بھی آگ کا عذاب ہے۔
(۴)ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ۚ وَ مَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ	یہ اس بنا پر ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کی۔ اور جو اللہ کے ساتھ دشمنی کرے تو عذاب الٰہی اس کیلئے شدید ہے۔

(۵)مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّيۡنَةٍ اَوۡ تَرَكۡتُمُوۡهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوۡلِهَا فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَ لِيُخۡزِىَ الۡفٰسِقِيۡنَ	کھجور کا ہر قیمتی درخت جو تم نے قطع کیا، یا اسے اس کی جگہ برقرار رکھا، سب کچھ اللہ کے فرمان سے تھا، تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

شان نزول

مفسرین ومحدثین وارباب تاریخ نے ان آیات کے بارے میں ایک مفصّل نزول بیان کی ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔ مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنی نظیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع، کہا جاتا ہے کہ وہ اصلاً اہل حجاز نہ تھے لیکن چونکہ اپنی مذہبی کتب میں انہوں نے پڑھا تھا کہ ایک پیغمبر مدینہ میں ظہور کرے گا، لہٰذا انہوں نے اس سرزمین کی طرف کوچ کیا اور وہ اس عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں تھے۔ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ عدم تعرض کا عہد باندھا، لیکن ان کو جب بھی موقع ملا انہوں نے یہ عہد توڑا۔

دوسری عہد شکنیوں کے علاوہ یہ کہ جنگ احد کے بعد (جنگ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع ہوئی) کعب ابن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ پہنچا۔ وہ اور اس کے ساتھی سب قریش کے پاس گئے اور ان سے عہد کیا کہ سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف جنگ کریں۔ اس کے بعد ابو سفیان چالیس مکی افراد کے ساتھ اور کعب بن اشرف ان چالیس یہودیوں کے ساتھ مسجد الحرام میں وارد ہوئے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس اپنے عہد و پیمان مستحکم کیا۔ یہ خبر بذریعہ وحی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مل گئی۔ دوسرے یہ کہ ایک روز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند بزرگ اصحاب کے ساتھ قبیلہ ء بنی نضیر کے پاس آئے۔ یہ لوگ مدینہ کے قریب رہتے تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ بنی عامر کے دو مقتدیوں کی دیت ادا کرنے کے سلسلے میں جو عمر بن امیہ (ایک صحابی) کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے، ان سے مدد قرض لیں، غالباً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا مقصد حقیقی یہ تھا کہ آپ اس طرح بنو نظیر کے حالات قریب سے دیکھنا چاہ رہے تھے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو مسلمان غفلت کا شکار ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہود کے قلعہ کے باہر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعب بن اشرف سے اس سلسلے میں بات کی۔ اسی دوران یہودیوں کے درمیان سازش ہونے لگی۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ایسا عمدہ موقع اس شخص کے سلسلہ میں دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب جب کہ یہ تمہاری دیوار کے پاس بیٹھا ہے ایک آدمی چھت پر جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس پر پھینک دے اور ہمیں اس سے نجات دلا دے۔ ایک یہودی، جس کا نام عمر بن حجاش تھا، نے آمادگی ظاہر کی۔ وہ چھت پر چلا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذریعہ وحی باخبر ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر مدینہ آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کوئی بات نہیں کی۔ ان کا خیال تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹ کر مدینہ آ جائیں گے۔ ان کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ گئے۔ چنانچہ وہ بھی مدینہ پلٹ آئے۔

یہ وہ منزل تھی کہ جہاں پیغمبر اسلام ﷺ پر یہودیوں کی پیماں شکنی واضح وثابت ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کیلئے تیار ہوجانے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ بنی نظیر کے ایک شاعر نے پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجو کہی اور آپ ﷺ کے بارے میں بدگوئی بھی کی۔ ان کی پیمان شکنی کی یہ ایک اور دلیل تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس وجہ سے کہ ان پر پہلے سے ایک کاری ضرب لگائیں، محمد بن مسلمہ کو جو کعب بن اشرف رئیس یہود سے آشنائی رکھتا تھا، حکم دیا کہ وہ کعب کو قتل کردے۔ اس نے کعب کو قتل کردیا۔ کعب بن اشرف کے قتل ہوجانے نے یہودیوں کو متزلزل کردیا۔ اس کے ساتھ ہی پیغمبر اسلام ﷺ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان اس عہد شکن قوم سے جنگ کرنے کیلئے چل پڑے۔ جس وقت وہ اس صورتحال سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اپنے مضبوط و مستحکم قلعوں میں پناہ لی اور دروازے بند کرلئے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حکم دیا کہ وہ چند کھجوروں کے درخت جو قلعوں کے قریب ہیں کاٹ دیئے جائیں یا جلا دیئے جائیں۔ یہ کام غالباً اس مقصد کے پیش نظر ہوا کہ یہودی اپنے مال واسباب سے بہت محبت رکھتے تھے، وہ اس نقصان کی وجہ سے قلعوں سے باہر نکل کر آمنے سامنے جنگ کریں گے۔

مفسرین کی طرف سے یہ احتمال بھی تجویز کیا گیا ہے کہ کاٹے جانے والے کھجوروں کے یہ درخت مسلمانوں کی تیز نقل وحرکت میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ لہٰذا انہیں کاٹ دینا چاہیئے۔ بہرحال اس پر یہودیوں نے فریاد کی، انہوں نے کہا: ''محمد ﷺ! آپ ﷺ تو ہمیشہ اس قسم کے کاموں سے منع کرتے تھے۔ یہ کیا سلسلہ ہے؟''۔ تو اس سورہ کی مندرجہ بالا آیات میں سے پانچویں آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا کہ یہ ایک مخصوص حکم الٰہی تھا۔ محاصرین نے کچھ دن طول کھینچا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے خوں ریزی سے پرہیز کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ مدینہ کو خیر باد کہہ دیں اور کہیں دوسری جگہ چلے جائیں۔ انہوں نے اس بات کو قبول کرلیا۔ کچھ اپنا سامان لے لیا اور کچھ چھوڑ دیا۔ ایک اور جماعت ''اذرعات'' شام کی طرف ایک اور مختصر سی تعداد خیبر کی طرف چلی گئی۔ ایک گروہ حیرہ کی طرف چلا گیا۔ ان کے چھوڑے ہوئے اموال، زمینیں، باغات اور گھر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔

تفسیر

یہود بنی نظیر کی مدینہ میں سازش کا خاتمہ

یہ سورہ اللہ کی تسبیح وتنزیہ اور اس کی عزت وحکمت کے بیان سے شروع ہوتا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ عزیز وحکیم ہے''۔

یہ درحقیقت یہود بنی نظیر کی سرگزشت کے بیان کی تمہید ہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کی صفات کی معرفت کے سلسلہ میں انواع و اقسام کی تحریفوں کا شکار تھے یہ درحقیقت یہود بنی نظیر کی سرگزشت کے بیان کی تمہید ہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کی صفات کی معرفت کے

سلسلہ میں انواع واقسام کی تحریفوں کا شکار تھے۔ زمین وآسمان کے موجودات کی عمومی تسبیح ، عام اس سے کہ تسبیح کرنے والے فرشتے ہوں یا انسان یا حیوانات وجمادات ونباتات ،ممکن ہے کہ زبان قال کے ساتھ ہو یا پھر زبان حال کے ساتھ،اس لئے کہ حیران کن نظام جو ہر ذرہ کی تخلیق میں مصروف کار ہے وہ زبان حال سے اللہ کے علم وقدرت اوراس کی عظمت کو بیان کرتا ہے۔ پھر علماء کی ایک جماعت کے نظریہ کے مطابق ہر موجود اپنے وجود میں عقل وادراک وشعور کا ایک حصہ رکھتا ہے اگر چہ ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام وجود اپنی زبان سے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اگر چہ ہمارے کان ان کے سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

(۲) اس تمہید کو بیان کرنے کے بعد مدینہ کے بنونظیر کے نکلنے کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کفار کو مسلمان کے مقابلہ میں پہلے اجتماع میں ہی ان کے گھروں سے نکالا'' یہاں اس سے مراد مسلمانوں کا اجتماع اور مدینہ سے یہودیوں کے قلعوں کی طرف چل پڑنا ہے یا یہودیوں کا مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اکھٹا ہونا ہے۔ چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ پہلا اجتماع تھا، لہٰذا قرآن میں اسے ''لا ول الحشر'' کا عنوان دیا گیا اور یہ خود ایک لطیف اشارہ ہے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''تم ہرگز یہ گمان نہ کرتے تھے کہ وہ اس مقام سے چلے جائیں گے اور وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ ان کے مستحکم قلعے شکست اور عذاب الٰہی سے انہیں محفوظ رکھیں گے۔ وہ اس طرح مغرور اور اپنی ذات سے رضا مند تھے کہ ان کی تکیہ گاہ ان کے مضبوط قلعے اور ان کی ظاہری قوت تھی۔ لیکن چونکہ اللہ چاہتا تھا کہ سب پر واضح کردے کہ اس کے ارادہ کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی ، یہاں تک کہ جنگ واقع ہوئے بغیر انہیں سرزمین سے نکال دیا۔ اس لئے اس آیت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے:

''لیکن اللہ نے جہاں سے انہیں گمان نہیں تھا، ان کو آلیا اور ان کے دل میں خوف ڈالا، اس طرح سے کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں ویران کرتے تھے''۔

جی ہاں! اللہ نے اس غیر مرئی (نظر نہ آنے والا) لشکر یعنی خوف کے لشکر کو جسے بہت سی جنگوں میں مومنین کی مدد کے لئے بھیجتا تھا ان کے دلوں پر مسلط کیا اور ان سے ہر قسم کے مقابلہ کی طاقت چھین لی۔ انہوں نے اپنے آپکو بیرونی لشکر کے مقابلہ کے لئے تیار کیا تھا۔ وہ اس سے بے خبر تھے کہ اللہ ان کے اندر سے ایک لشکر ان کے لئے بھیجے گا۔

آیت کے آخر میں ایک مجموعی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''پس عبرت حاصل کرواے آنکھوں والو''۔

(۳) یہ آیت کہتی ہے: ''اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ان کے لئے مقرر کر رکھا تھا کہ جلاوطن ہو جائیں اور اس جگہ کو چھوڑ دیں تو ان پر اسی دنیا میں عذاب نازل کرتا''

اس میں شک نہیں کہ جلاوطنی اور ان عمدہ سرمایوں کا چھوڑ جانا جن کے جمع کرنے میں انہوں نے ایک عمر صرف کی تھی، خود ان کے لئے ایک دردناک عذاب تھا۔ اسی بنا پر اوپر والے جملہ سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ عذاب ان کے لئے مقدر نہ کیا گیا ہوتا تو دوسرا

عذاب ان پر نازل ہوتا یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوتے اور قتل ہو جاتے۔ اللہ چاہتا تھا کہ وہ دنیا میں دربدر مارے مارے پھریں اور یہ دربدر ہونا ان کے لئے بسا اوقات زیادہ دردناک تھا اس لئے کہ جس وقت وہ اپنے ان تمام قلعوں، سجے سجائے گھروں، کھیتوں اور باغات کو یاد کرتے، جواب دوسروں کے قبضہ میں تھے اور وہ خود عہد شکنی اور پیغمبر خدا ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے دوسرے علاقوں میں محروم و سرگرداں تھے تو وہ بہت زیادہ تکلیف اور روحانی عذاب میں گرفتار ہوتے تھے۔

لیکن یہ صرف ان کا دنیاوی عذاب تھا، اس لئے آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''اور ان کے لئے آخرت میں بھی جہنم کا عذاب ہے۔''

یہ ہے دنیا و آخرت ان لوگوں کی جو حق و انصاف کو ٹھکرا دیتے ہیں اور غرور و خود پرستی کے رہوار پر سوار ہوتے ہیں۔ چونکہ اس واقعہ کا بیان، علاوہ اس کے کہ پروردگار کی قدرت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقانیت کا بیان ہے، تمام لوگوں کو تنبیہ کرتا ہے جو یہود بنی نظیر جیسے اعمال کے حامل ہیں تاکہ مسئلہ انہی تک محدود نہ رہے۔

(۴) لہٰذا اس آیت میں ایک بامقصد تعلیم دیتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''یہ دنیا و آخرت کا عذاب اس بناء پر ان پر نازل ہوا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن بن گئے۔ اور جو شخص اللہ کی دشمنی اختیار کرے تو وہ اس پر عذاب نازل کرتا ہے، اس لئے کہ وہ شدید العقاب ہے''

(۵) زیر بحث آیات کی آخری آیت میں خداوند عالم ایک اعتراض کا جواب پیش کرتا ہے جو بنو نظیر کے یہود نے جیسا کہ ہم شان نزول میں بھی کہہ چکے ہیں اس موقعہ پر پیغمبر ﷺ اسلام پر کیا تھا جب آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ یہودیوں کے قلعوں کے پاس کی کھجوروں کے کچھ درخت کاٹ دیئے جائیں (تاکہ جنگ کے لئے جگہ کھلی ہو جائے یا اس لئے کہ یہودی پریشان ہوں اور قلعوں سے باہر نکل کر جنگ کریں) انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کیا وہ آپ ہی نہیں تھے جو اس قسم کے کاموں سے منع کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی اور کہا: کھجور کے جس قیمتی درخت کو تم نے کاٹا تھا یا اسے اپنی حالت پر رہنے دیا ہے یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا مقصد یہ تھا کہ فاسقین کو ذلیل و رسوا کرے۔

(٦) وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	اور جو کچھ اللہ اپنے رسول کو ان یہود سے لوٹا دے تو وہ ایسی چیز ہے جس پر قبضہ کرنے کے لئے (تم نے کوئی زحمت نہیں اٹھائی) نہ تم نے (اس کے لئے) گھوڑے دوڑائے، نہ کوئی اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۷)مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ	جو کچھ اللہ ان آبادیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹائے وہ خدا، رسول، ذوی القربیٰ، یتیموں، مسکینوں اور ابن السبیل (راستہ میں عاجز ہوکر رہ جانے والوں) کے لئے ہے تاکہ (یہ عظیم مال) دست بدست تمہارے دولت مندوں کے درمیان گردش نہ کرے۔ جو کچھ اللہ کا رسول تمہارے لئے لایا ہے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ کی مخالفت سے پرہیز کرو کیونکہ اللہ کا عذاب شدید ہے۔

شان نزول

چونکہ یہ آیتیں گزشتہ آیتوں کی تکمیل ہیں جو یہود بنی نظیر کی شکستوں کو بیان کر رہی تھیں، لہٰذا ان کی شان نزول بھی اسی شان نزول کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ بنی نظیر کے یہودیوں کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد ان کے باغات، زمینیں، زراعتیں، گھر اور دوسرے مال کا کچھ حصہ مدینہ میں رہ گیا۔ مسلمانوں کے سرداروں کی ایک جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور زمانۂ جاہلیت کے قانون کے مطابق جو بات ان کے دل میں تھی وہ انہوں نے عرض کی اور وہ یہ کہ اس مال غنیمت کا منتخب حصہ اور باقی کی ایک چوتھائی آپ لے لیجئے اور باقی ہمیں دے دیجئے تاکہ اسے ہم اپنے درمیان تقسیم کرلیں۔ اس پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں اور صراحت کے ساتھ کہا کہ چونکہ ان اموال غنیمت کے لئے جنگ نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے کوئی زحمت و مشقت برداشت نہیں کی، لہٰذا یہ تمام مال و اسباب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہیں۔ جس طرح ان کی مصلحت ہوگی وہ تقسیم کریں گے اور جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اموال ان مہاجرین کے درمیان، جو مدینہ میں مال دنیا نہ رکھتے تھے، اور انصار کی وہ تھوڑی سی تعداد جنہیں مال کی شدید احتیاج تھی، ان کے درمیان تقسیم کر دیے۔

تفسیر

ان اموال غنیمت کے بارے میں حکم جو جنگ کے بغیر ہاتھ لگیں

یہ آیتیں جیسا کہ ہم نے کہا ہے، بنو نظیر کے اموال غنیمت کے بارے میں جو حکم ہے اسے پیش کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمام اموال غنیمت کے سلسلہ میں ایک قانون کلی کو بھی واضح کرتی ہیں جو مال بغیر کسی زحمت و مشقت کے اسلامی معاشرہ کو ملے

اسے فقہ اسلامی میں ''فے'' کہتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

''جو کچھ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف ان سے پلٹا یا وہ ایسی چیز ہے جس کے حصول کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ''۔

''اس طرح نہیں کہ کامیابیاں ہمیشہ تمہاری جنگوں کا نتیجہ ہوں لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے تسلط عطا کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ جی ہاں یہود بنی نظیر جیسے قوی دشمن پر کامیابی اللہ کی مدد کے نتیجے میں ممکن ہوئی تا کہ تم جان لو اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور چشم زدن میں ایک طاقتور قوم کو زبوں حال بنا سکتا ہے اور ایک گروہ کو ان پر مسلط کر سکتا ہے اور پہلے گروہ کے تمام امکانات و وسائل دوسرے گروہ کو منتقل کر سکتا ہے۔ یہ وہ منزل ہے کہ مسلمان اس قسم کے میدانوں میں اللہ کی معرفت کا درس بھی لے سکتے ہیں اور پیغمبر ﷺ کی حقانیت کی نشانیاں بھی دیکھ سکتے ہیں اور ذات پاک اللہ سے خلوص اور اسی پر انحصار کو مشعل اللہ کی معرفت کا درس بھی لے سکتے ہیں اور پیغمبر ﷺ کی حقانیت کی نشانیاں بھی دیکھ سکتے ہیں اور ذات پاک اللہ سے خلوص اور اسی پر انحصار کو مشعل راہ بنا سکتے ہیں۔

(۷) یہ آیت وضاحت کے ساتھ ''فے'' کا مصرف بتاتی ہے جو گزشتہ آیت میں آیا تھا۔ خداوند عالم ایک قاعدہ کلی کے طور پر فرماتا ہے:

''جو کچھ اللہ نے ان آبادیوں والے لوگوں سے اپنے رسول ﷺ کی طرف پلٹایا ہے۔ وہ خدا، رسول ﷺ، اس کے ذوی القربیٰ یتیموں، مسکینوں اور راستوں میں درماندہ لوگوں کے لئے ہے۔ یعنی مسلح جنگ کے اموال غنیمت کی مانند نہیں جن کا صرف پانچواں حصہ پیغمبر ﷺ اور دوسرے حاجت مندوں کے اختیار میں ہے، باقی چار حصہ جنگجو افراد کے لئے ہیں۔ نیز اگر گزشتہ آیت میں کہا گیا ہے کہ وہ تمام کا تمام رسول خدا ﷺ سے متعلق ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ سارے کا سارا اپنے شخصی اور ذاتی مصارف میں صرف کریں بلکہ اس لئے کہ وہ اسلامی حکومت کے سربراہ ہیں اور خصوصاً حاجت مندوں کے حقوق کے محافظ ہیں لہٰذا وہ اس کا زیادہ حصہ ان پر خرچ کریں گے۔

اس کے بعد اس حساب شدہ تقسیم کے فلسفہ کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''یہ اس بنا پر ہے کہ یہ عظیم اموال تمہارے امیر لوگوں کے درمیان دست بدست گردش نہ کرتے رہیں اور حاجت مندان سے محروم نہ ہوں۔

یہ آیت اقتصاد اسلامی کے ایک بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے اقتصادی نظام کا مزاج یہ ہے کہ باوجود شخصی اور خصوصی مالکیت کے احترام کے سلسلہ کار ایسا رکھا جائے کہ مال و دولت ایک مخصوص گروہ میں محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔ اور ایسا نہ ہو کہ صرف انہیں کے درمیان گردش کریں۔

خداوند تعالیٰ آیت کے آخر میں فرماتا:

''جو کچھ اللہ کا رسول ﷺ تمہارے لئے لایا ہے اسے لے لو اور جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے اس سے باز رہو اور تقویٰ اختیار کرو، اس لئے کہ اللہ شدید العقاب ہے''۔

یہ جملہ اگرچہ بنونظیر کے اموال غنیمت کے بارے میں نازل ہوا ہے لیکن یہ مسلمانوں کے تمام کاروبار زندگی میں ایک حکم عمومی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ چیز سنت پیغمبر ﷺ کے حجت ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس اصول اساسی کے پیش نظر تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اوامر ونواہی کو گوش دل سے سنیں اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، خواہ وہ حکومت اسلامی سے تعلق رکھنے والے مسائل کے بارے میں ہوں یا اقتصادی مسائل سے متعلق ہوں یا حقوق بندگان کے بارے میں ہوں یا ان سے علیحدہ ہوں۔

(۸)لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَ اَمۡوَالِهِمۡ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانًا وَّ يَنۡصُرُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۚ	یہ اموال ان مہاجرین کے لئے ہیں جو اپنے گھر بار اور اموال سے باہر نکالے گئے ہیں اور وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔
(۹)وَ الَّذِيۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِيۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَيۡهِمۡ وَ لَا يَجِدُوۡنَ فِيۡ صُدُوۡرِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ يُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ وَ لَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۚ	اور ان لوگوں کے لئے جو دار الہجرۃ (مدینہ) اور ایمان کے گھر میں مہاجرین سے پہلے سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں اس طرح ہیں کہ ہر اس مسلمان کو جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے، دوست رکھتے ہیں اور اپنے دل میں اس چیز کے لئے جو مہاجرین کو دی گئی ہے کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، وہ مہاجرین کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود بہت زیادہ فقیر ہوں اور جن لوگوں کو اللہ نے بخل اور اپنے نفس کی حرص سے بچا رکھا ہے وہی نجات پانے والے ہیں۔

(۱۰)وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ؑ	اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ہیں اور کہتے ہیں پروردگارا! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو، جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی ہے، بخش دے اور ہمارے دلوں میں مومنین کی نسبت حسد و کینہ قرار نہ دے۔ پروردگار تو مہربان اور رحیم ہے۔

تفسیر

تین گروہ، مہاجرین، انصار اور تابعین اور ان کے نمایاں اوصاف

یہ آیتیں گزشتہ آیتوں کے مباحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو مال فی کے چھ مصارف کے بارے میں تھیں اور جو حقیقت میں یتیموں، مسکینوں اور درماندہ مسافروں کی تفسیر ہیں اور سب سے زیادہ ابن السبیل کی تفسیر ہیں کیونکہ مہاجرین کی زیادہ تر تعداد انہی پر مشتمل تھی جو اپنے وطن اور شہر میں تو مسکین نہیں تھے لیکن ہجرت کی بنا پر تہی دست ہو گئے تھے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

''یہ اموال ان مہاجرین کے لئے ہیں جو اپنے گھروں سے باہر نکالے گئے ہیں''۔

''وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور وہ سچے ہیں''۔

یہاں مہاجرین کے تین اہم اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو اخلاص، جہاد اور صدق پر منحصر ہیں۔

(۹) اس آیت میں ان اموال کے ایک اور مصرف کو پیش کرنے کے ضمن میں گروہ انصار کی ایک بہت ہی جاذب توجہ، عمدہ اور بلیغ توصیف پیش کرتا ہے اور وہ بحث جو گزشتہ آیت میں مہاجرین سے متعلق تھی اس کی تکمیل کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور وہ لوگ جو دارالہجرۃ میں (مدینہ میں) اور ایمان کے گھر میں مہاجرین سے پہلے سکونت پذیر تھے''۔ قابل توجہ امر ہے کہ ''تبوؤ''۔ یہ تعبیر ایک لطیف کنایہ ہے نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے ظاہری گھروں کو مہاجرین کی پذیرائی کے لئے آمادہ کیا بلکہ اپنے خانہ دل کو اور شہر کے ماحول کو بھی جتنا ہو سکتا تھا مہاجرین کے استقبال کے لئے سازگار بنایا''۔

اس کے بعد تین اور ایسے اوصاف جو انصار کے جذبات و احساسات کو بیان کرتے ہیں، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ لوگ اس طرح ہیں جو ہر اس مسلمان کو، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے، دوست رکھتے ہیں''۔ اور اس سلسلہ میں ان کی نظر میں تمام مسلمان برابر ہیں بلکہ ان کے نزدیک ایمان و ہجرت اہم مسئلہ ہے۔ یہ دوست رکھنا ان کی ایک مستقل خصوصیت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے سینہ میں اس کے بارے میں جو مہاجرین کو دیا گیا ہے، کسی قسم کی احتیاج محسوس نہیں کرتے۔ نہ ان اموال غنیمت پر ان کی آنکھ ہے جو انہیں دیے گئے ہیں اور نہ وہ ان سے حسد کرتے ہیں، حتیٰ کہ جو چیزیں مہاجرین کو عطا ہوئی ہیں ان کے متعلق اپنے دل میں کوئی احتیاج محسوس نہیں کرتے۔ یہ چیز انصار کی انتہائی عظمت اور بلند نظری پر دلالت کرتی ہے تیسرے مرحلہ میں مزید فرماتا ہے:

''وہ مہاجرین کو خود پر مقدم سمجھتے ہیں اور انہیں ترجیح دیتے ہیں اگر چہ وہ خود بہت زیادہ فقر میں مبتلا ہیں''۔

اس صورت حال کے پیش نظر انصار کی تین نمایاں خصوصیات ہیں۔ ایک محبت، دوسرے بلند نظری اور تیسرے ایثار۔ مفسرین نے اس آیت کی شان نزول میں متعدد داستانیں بیان کی ہیں۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ:

''پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے بنی نظیر کے یہودیوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کے دن انصار سے فرمایا:

''اگر پسند کرو تو اپنے مال اور گھر مہاجرین میں تقسیم کردو اور ان اموال غنیمت میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ اور اگر چاہو تو تمہارے اموال اور گھر تمہارے ہی رہیں اور ان اموال میں سے تمہیں کوئی چیز نہ دی جائے''

اس پر انصار نے کہا:

''ہم اپنے اموال اور گھر بھی مہاجرین میں تقسیم کر دیتے ہیں اور اموال غنیمت میں سے بھی کچھ نہیں لیتے۔ ہم مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں''۔ اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی اور ان کے اس اعلیٰ جذبہ کی تعریف کی''۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لئے مذکورہ اوصاف کریمہ کی بنا پر اور نتیجے کے بیان کے طور پر مزید فرماتا ہے: ''وہ لوگ جن کو اللہ نے بخل اور حرص سے روکا وہی رستگار ہیں''۔

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک صحابی سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ ''شحیح'' کون ہے؟

اس نے جواب میں عرض کیا: **هو البخیل**

تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

''شح بخل سے زیادہ سخت ہے۔ بخیل وہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہو اس کے متعلق بخل کرے لیکن شحیح وہ ہے جو اس کے بارے میں بھی بخل کرتا ہو جو لوگوں کے پاس ہو اور جو کچھ اس کے اپنے پاس ہو اس میں بھی۔ یہاں تک کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے وہ آرزو کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ آجائے چاہے حلال طریقہ سے ہو چاہے حرام سے اور جو رزق اسے اللہ نے دیا ہے اس پر کبھی قناعت نہیں کرتا''۔

(۱۰) آخری زیر بحث آیت مسلمانوں کے تیسرے گروہ کے بارے میں گفتگو کرتی ہے جو قرآن مجید کے الہام و ہدایت کی بنا پر ہمارے درمیان تابعین کے نام سے معروف ہیں۔ وہ مہاجرین و انصار کے بعد جن کے متعلق گزشتہ آیات میں گفتگو آئی تھی مسلمانوں کے تیسرے عظیم گروہ کو تشکیل دیتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

''اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں پروردگارا! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جنہوں نے ایمان میں ہم پر سبقت حاصل کی ہے بخش دے اور ہمارے دلوں میں مومنین کی نسبت حسد و کینہ قرار نہ دے''۔

پروردگارا! ''تو مہربان و رحیم ہے''۔

اس اعتبار سے اپنی شخصیت کی تعمیر، ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کا احترام اور کینہ و حسد سے دوری ان کی خصوصیات

ہیں۔''اخوان'' (بھائی) کی تعبیر اور آیت کے آخر میں خداوند رؤف ورحیم سے مدد طلب کرنا روح محبت وصفا ہے اور اخوت کا ترجمان ہے جسے سارے اسلامی معاشرہ پر فرماں روا ہونا چاہئے۔ اور جو شخص کسی نیکی کو چاہتا ہے وہ صرف اپنے لئے نہ چاہے بلکہ تمام کوششیں اجتماعی شکل میں سب کے لئے انجام پانی چاہئیں اور ہر قسم کا کینہ، بغض، عداوت، دشمنی، بخل، حرص اور حسد سینوں سے دھودینا چاہئے۔

صحابہ قرآن اور تاریخ کی میزان میں

یہاں بعض مفسرین ان اوصاف کی طرف توجہ کیے بغیر، جو مہاجرین وانصار اور تابعین میں سے ہر ایک کے لئے مندرجہ بالا آیت میں آئے ہیں، اصرار رکھتے ہیں کہ تمام صحابہ کو بغیر کسی استثناء کے پاک ومنزہ شمار کریں اور وہ غلط کام جو بعض اوقات خود زمانہ پیغمبرﷺ میں یا آپﷺ کے بعد ان میں سے بعض سے سرزد ہوئے ہیں، ان سے چشم پوشی کی جائے اور جو شخص بھی مہارین و انصار وتابعین کی صف میں قرار پایا ہے، آنکھیں بند کرکے اسے مقدس ومحترم سمجھیں۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیت ان افراد کو دندان شکن جواب دیتی ہے اور سچے مہاجرین وانصار وتابعین کے ضوابط وقواعد کو باریک بینی کے ساتھ معین کرتی ہے۔ مہاجرین میں پروردگار عالم اخلاص جہاد اور صدق بتاتا ہے۔ اور انصار میں مہاجرین کی بہ نسبت محبت، ایثار اور ہر قسم کے بخل وحرص سے پرہیز کی نشان دہی کرتا ہے اور تابعین میں شخصی تعمیر، ایمان میں سبقت کرنے والوں کا احترام اور ہر قسم کے کینہ وحسد سے پرہیز جیسی صفات کو بیان کرتا ہے۔

اس بناء پر خط ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے ایمان کے معاملے کو پیغمبرﷺ کے زمانے کے حوالے سے اور ان شدید طوفانوں میں جو آپ کے بعد اسلامی معاشرہ کو لاحق ہوئے، ان کے حوالے سے باریک بینی اور دقت نظر کے ساتھ زیر مطالعہ رکھیں گے اور ان معیاروں کی بنیادوں پر جو قرآن کی آیات سے ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ان کے بارے میں فیصلہ کریں گے اور اپنا تعلق ان کے ساتھ مستحکم رکھیں گے جو اپنے عہد وپیماں پر قائم رہے ہیں اور ان سے جنھوں نے پیغمبرﷺ کے زمانہ میں یا آنحضرتﷺ کے بعد اپنا رابطہ آپﷺ سے توڑ لیا، ہم رشتہ توڑ لیں گے۔ یہ ہے صحیح اور محکم قرآن وعقل سے ہم آہنگ منطق۔

(۱۱) اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَ لَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ	کیا تو نے منافقین کو نہیں دیکھا جو اہل کتاب میں سے اپنے کافر بھائیوں سے کہتے تھے جس وقت تمہیں (وطن سے) باہر کریں تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور تمہارے معاملہ میں کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

(۱۲)لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَهُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ	اگر انہیں باہر نکال دیں تو یہ ان کے ساتھ باہر نہیں جائیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر مدد کریں بھی تو میدان سے فرار کریں گے پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔
(۱۳)لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ	تمہاری وحشت ان کے دلوں میں اللہ کے خوف سے زیادہ ہے یہ اس بنا پر کہ وہ نادان گروہ ہے۔
(۱۴)لَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ جَمِیۡعًا اِلَّا فِیۡ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاۡسُهُمۡ بَیۡنَهُمۡ شَدِیۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِیۡعًا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ۚ	وہ کبھی بھی تمہارے ساتھ مجموعی صورت میں جنگ نہیں کریں گے مگر مضبوط قلعوں کے اندر سے یا دیواروں کے پیچھے سے۔ ان کی جنگ آپس میں شدید ہے۔ (لیکن تمہارے مقابلہ میں کمزور ہیں) ان کے ظاہر کی طرف تو دیکھتا ہے تو انہیں متحد پاتا ہے۔ جب کہ ان کے دل پراگندہ ہیں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ وہ بے عقل قوم ہیں۔

شان نزول

مندرجہ بالا آیت کے لئے بعض مفسرین نے ایک شان نزول بیان کی ہے جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔ منافقین مدینہ کے ایک گروہ عبداللہ بن ابی وغیرہ نے پوشیدہ طور پر کسی کو بنی نظیر کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم آرام سے بیٹھے رہو۔ اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اپنے قلعوں کو مستحکم کرلو۔ ہمارے پاس دو ہزار افراد ہیں جو آخر دم تک تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔ بنی قریظہ اور تمہارے حلیف قبیلہ غطفان کے لوگ بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہی وہ محرک تھا جس نے بنی نظیر کے یہودیوں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر ابھارا۔ لیکن اسی دوران بنی نظیر کے ایک سردار، جس کا نام سلام تھا، اس نے حی ابن اخطب سے، جو بنی نظیر کے لائحہ عمل کا نگران خاص تھا، کہا تو عبداللہ بن ابی کا اعتبار نہ کر وہ چاہتا ہے کہ تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارے اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور تجھے مصیبتوں کے حوالے کردے۔ حیَ نے کہا: ''ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دشمنی اور اس سے جنگ کرنے کے علاوہ اور کسی چیز کو نہیں جانتے''۔ سلام نے اس کے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمیں آخر کار اس سرزمین سے نکلنا پڑے گا اور ہمارا مال و دولت، شرف و بزرگی یہ سب برباد ہوں گے۔ ہمارے

بچے قیدی بنائے جائیں گے اور ہمارے جوان قتل کردیے جائیں گے۔

مندرجہ بالا آیات اس واقعہ کو بیان کرتی ہیں:

بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ آیات بنونظیر کے واقعہ سے پہلے نازل ہوئیں اور اسکے بعد کے حوادث کو بیان کرتی ہیں اوراس وجہ سے انہیں قرآن کے اخبارغیب میں شمار کرتے ہیں۔آیات کا لب ولہجہ جوفعل مضارع کی شکل میں ہے۔اگر چہ اس نظریہ کی تائید کرتا ہے لیکن گزشتہ آیات سے ان آیات کا جوڑ یہ بتاتا ہے کہ یہ بنونظیر کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہیں۔کیونکہ گزشتہ آیات بنونظیر کی شکست کے واقعہ اوران کی جلاوطنی کے بعد نازل ہیں۔کیونکہ گزشتہ آیات بنونظیر کی شکست کے واقعہ اور ان کی جلاوطنی کے بعد نازل ہوئی تھیں۔فعل مضارع کا استعمال حکایت حال کے طور پر ہے۔(غور فرمائیے)۔

تفسیر

یہودیوں کی فتنہ انگیزی اوراس میں منافقین کی شمولیت

گزشتہ آیات میں یہود بنی نظیر کے واقعہ کو بیان کرنے اور مومنین کے تین گروہ یعنی مہاجرین، انصار اور تابعین کے حالات کی ہرایک خصوصیت کو تشریح کے ساتھ پیش کرنے کے بعد پروردگار عالم زیر بحث آیات میں ایک اور گروہ یعنی منافقین اوران کی اس واقعہ سے متعلق کارکردگی کو پیش کرتا ہے تاکہ تمام افراد کے حالات کی کیفیت ایک دوسرے کے موازنہ کے ساتھ واضح کردے۔اور یہ قرآن کا طریق کار ہے کہ وہ مختلف گروہوں کے تعارف کے لئے انہیں ایک دوسرے کے تقابل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔پہلے روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

کیا تو نے منافقین کو نہیں دیکھا جو اپنے بھائی اہل کتاب کفار سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تمہیں تمہارے وطن سے نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے اور تمہارے بارے میں ہم کسی کی اطاعت نہیں کریں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔اس طرح اس گروہ منافقین نے طائفہ یہود سے تین باتوں کا وعدہ کیا۔جب کہ وہ ہر بات میں جھوٹے تھے۔

اسی بنا پر قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے:

''اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں''۔اور زیادہ تر جھوٹے منافق ہوتے ہیں۔اس کے بعد ان کی دروغ گوئی کے متعلق مزید وضاحت کے لئے اضافہ کرتا ہے:۔

اگر یہودیوں کو نکال دیں تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے''۔اور اگر ان کے ساتھ جنگ ہو تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔اور بالفرض اگر اپنے قول پر عمل کریں اور ان کی مدد کے لئے آمادہ ہو بھی جائیں تو جلد ہی میدان سے فرار کر جایں گے۔''اور اس کے بعد ان کی مدد نہیں کی جائے گی''۔

(۱۲)اس آیت میں اس شکست کے اسباب کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''تمہارا خوف ان کے دلوں میں اللہ کے خوف سے زیادہ'' ۔ چونکہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتے لہٰذا ہر چیز سے وحشت وخوف رکھتے ہیں۔ ''یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک نادان گروہ ہے''۔

(۱۳)اس کے بعد اس اندرونی خوف کی واضح نشانی کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''وہ سوائے محکم قلعوں میں رہ کر یا پس دیوار ہو کر تم سے کبھی منظّم ہو کر جنگ نہیں کر سکیں گے۔ وہ تمہارے سامنے آنے سے گھبراتے ہیں''۔

جی ہاں چونکہ وہ ایمان اور توکل علی اللہ کی پناہ گاہ سے باہر ہیں لہٰذا سوائے دیواروں اور قلعوں کی پناہ کے مومنین سے جنگ کرنے کی جرأت شدید ہوتی ہے''۔

(۱۴)اسی آیت کو جاری رکھتے ہوئے ان کی شکست اور ناکامی کے ایک اور سبب کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''تو ان کے ظاہر کی طرف دیکھے تو انہیں متفق ومتحد تصور کرے گا حالانکہ ان کے دل پراگندہ ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہیں جو عقل سے محروم ہیں''۔

اس طرح بے ایمان افراد کا ظاہری اجتماع، ان کے آپس کے معاہدے اور فوجی واقتصادی وحدت سے ہمیں کبھی دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ ان باہمی معاہدوں اور نعروں کے پیچھے وہ دل ہوتے ہیں جو انتشار کا شکار ہوں۔ اس کی دلیل بھی واضح ہے وہ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مادی مفاد کا محافظ ہوتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ مادی منفعتوں میں ہمیشہ ٹکراو ہوتا ہے۔ جب کہ مومنین کی وحدت اور ان کا اجتماع ایسے اصول کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جس میں تضاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کی وحدت کا اصول اصل ایمان، توحید اور الٰہی اقدار پر مبنی ہوتا ہے۔

(۱۵) كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَ بَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ	یہودیوں کے اس گروہ کا کام ان لوگوں کی طرح ہے جو ان سے کچھ پہلے تھے۔ انہوں نے اپنے کام کا تلخ مزہ چکھا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
(۱۶) كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	ان کا کام مثل شیطان کے ہے جس نے انسان سے کہا کافر ہو جا۔ (تاکہ تیری مشکلات حل ہو جائیں)۔ لیکن جب وہ کافر ہو گیا تو اس نے کہا میں تجھ سے بیزار ہوں۔ میں اس اللہ سے جو عالمین کا پروردگار ہے ڈرتا ہوں۔

(۱۷)فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خٰلِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ	انجام ان کا یہ ہوا کہ وہ دونوں جہنم کی آگ میں ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ ستم گروں کی سزا ہے۔
(۱۸)يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اے ایمان لانے والو! اللہ کی مخالفت سے پرہیز کرو۔ اور ہر انسان کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے اپنے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو اس لئے کہ اللہ جس کام کو تم انجام دیتے ہو اس سے آگاہ ہے۔
(۱۹)وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ	اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو فراموش کر دیا اور اللہ نے بھی انہیں خود فراموشی کا شکار کیا۔ اور وہ فاسق و گنہگار رہیں۔
(۲۰)لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ	ہرگز اصحاب دوزخ اور اصحاب بہشت یکساں نہیں ہیں۔ صرف اصحاب جنت ہی کامیاب ہیں۔

تفسیر

شیطان کی بوسیدہ رسیوں کے ساتھ کنویں میں نہ جاؤ

یہ آیات اسی طرح یہود بنی نظیر اور منافقین کی داستان کے بارے میں بحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان دونوں گروہوں کی حیثیتوں کو عمدہ تشبیہوں کے ساتھ مشخص کرتی ہیں۔ خداوند عالم پہلے فرماتا ہے:

''بنو نظیر کے یہودیوں کی داستان ایسے لوگوں کی داستان کی مانند ہے جو ماضی قریب میں ان سے پہلے تھے۔ وہی جنہوں نے اس دنیا میں اپنے کام کا تلخ انجام دیکھا تھا اور قیامت میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

رہی یہ بات کہ وہ کون سا گروہ تھا جس کی بنو نظیر کے واقعہ سے پہلے عبرت ناک سرگزشت تھی۔ بہت سے مفسرین اسے یہود بنی قینقاع کے واقعہ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں جو بدر کے واقعہ کے بعد ہوا اور یہود کے اس گروہ کے مدینہ سے نکالے جانے پر ختم ہوا۔ یہود بنی قینقاع بھی یہود بنی نظیر کی مانند دولت مند، جنگ جو اور مغرور افراد تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ اور مسلمانوں کو اپنی قوت و طاقت کی بنا پر دھمکیاں دیتے تھے۔ نکات کے زیر عنوان ہم انشاء اللہ اس کی تشریح پیش کریں گے۔ انہیں آخر کار رسوائے بدبختی، دربدری اور آخرت کے عذاب الیم کے اور کچھ نہ ملا۔

(۱۶)اس کے بعد منافقین کے متعلق ایک تشبیہ پیش کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے:

''ان کی داستان شیطان کی داستان جیسی ہے جس نے انسان سے کہا کافر ہو جا تاکہ میں تیری مشکلات کو حل کروں لیکن جب وہ کافر ہو گیا تو اس نے کہا میں تجھ سے بیزار ہوں، میں اس اللہ سے جو عالمین کا پروردگار ہے ڈرتا ہوں''۔

اس آیت میں انسان سے مراد مطلق طور پر انسان ہیں جو شیطان کے زیر اثر آجاتے ہیں، اس کے جھوٹے دعوؤں سے دھوکہ کھاتے ہیں اور راہ کفر اختیار کرتے ہیں اور شیطان آخر کار انہیں تنہا چھوڑ کر ان سے بیزاری اختیار کرتا ہے۔

(۱۷)جی ہاں! منافقین کی یہی حالت ہے وہ اپنے دوستوں کو جھوٹے وعدوں کا سہارا دے کر اور مکر و فریب سے کام لے کر میدان جنگ میں بھیج دیتے ہیں۔ پھر انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اس لئے کہ نفاق میں وفاداری نہیں ہوتی۔ بعد والی آیت میں ان دونوں گروہوں یعنی ''شیطان اور اس کے پیروکار'' اور ''منافقین اور ان کے کافر دوست'' کے انجام کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''ان کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہنم کی آگ میں ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے ظالموں کی سزا۔

یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ کفر و نفاق اختیار کرنے اور شیطان اور اس کے ساتھیوں کے شریک کار بننے کا انجام شکست و ناکامی سے دوچار ہونا ہے۔ عذاب دنیا و آخرت اس پر مستزاد ہے، جب کہ مومنین اور ان کے دوستوں کا مستقل طور پر شریک کار بننا کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے اور دونوں جہان میں رحمت اللہ جیسی عظیم نعمت سے انسان کو سرفراز کرتا ہے۔

(۱۸)اس آیت میں خداوند عالم مومنین کو خطاب کر کے بنی نظیر، منافقین اور شیطان کے منحوس اور دردناک واقعہ سے ایک نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے ایمان لانے والو اللہ کی مخالفت سے ڈرو اور ہر انسان کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے قیامت کے دن کے لئے کیا چیز آگے بھیجی ہے''

اس کے بعد دوبارہ تاکید کے لئے فرماتا ہے:

''اللہ سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اس کام سے جسے تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے'' (واتقو اللہ خبیر بما تعملون) جی ہاں! تقویٰ اور خوف خدا سبب بنتے ہیں کہ انسان روز قیامت کے لئے اپنے اعمال کو پاک و پاکیزہ کرے۔

(۱۹)اس آیت تقویٰ اور معاد کی طرف توجہ کے امر کے بعد یاد اللہ کی تاکید کرتے ہوئے کہتی ہے:

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے اور اللہ نے بھی انہیں خود فراموشی کا شکار بنا دیا ہے''۔ اصولی طور پر تقویٰ کی اصل حقیقت اور بنیاد دو چیزیں ہیں:

1۔ایک تو اللہ کی یاد یعنی اللہ کی دائمی مراقبت اور اس کے ہر جگہ اور ہر حال میں حاضر و ناظر ہونے کا یقین اور یہ احساس کہ اللہ عادل ہے۔

2۔دوسرے اعمال کی طرف توجہ کہ کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہے جو نامہ اعمال میں مندرج نہ ہو۔ اس بنا پر یہی دو باتیں،

مبداء اور معاد کی طرف توجہ، انبیا و اولیاء کے تربیتی لائحہ عمل کا عنوان قرار پاتی ہیں اور ان کی تاثیر فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح اور تزکیہ کی مکمل طور پر نگراں ہے۔

اصولی طور پر انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور مصیبت خود فراموشی ہے، اس لئے کہ وہ اپنی اس ذاتی قدر و قیمت، استعداد اور لیاقت کو جسے اللہ نے اس کے وجود میں پوشیدہ رکھا ہے اور اسے باقی مخلوق سے ممتاز قرار دیا ہے، فراموشی کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ اقدام اپنی انسانیت کو فراموش کر دینے کے مترادف ہے۔ اس قسم کا انسان ایک درندہ کی سطح تک گر جاتا ہے اور اس کا مقصد سوائے کھانے پینے، سونے جاگنے اور شہوت رانی کے اور کچھ نہیں رہتا ہے۔ یہ باتیں فسق و فجور کا بنیادی سبب ہیں بلکہ یہ فراموشی فسق کا اور اطاعت اللہ کے حلقہ سے نکل جانے کا بنیادی سبب ہے۔ اسی بنا پر آیت کے آخر میں فرماتا ہے:

''اس قسم کے فراموش کرنے والے انسان فاسق ہیں''۔

(۲۰) آخری بحث میں ان دونوں گروہوں (مومنین، صاحب تقویٰ اور مبداء کی طرف متوجہ افراد اور اللہ کو فراموش کرنے والے افراد جو خود فراموشی کا شکار ہوئے ہیں) کے موازنہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اصحاب دوزخ اور اصحاب بہشت یکساں نہیں ہیں''۔

اس دنیا میں اور اس کے معارف میں طرز فکر میں انفرادی و اجتماعی طرز زندگی میں، اس کے مقاصد میں، آخرت اور اس کے عذاب و ثواب میں ان دونوں گروہوں کا خط عمل ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ ایک یاد خدا، قیامت، بلند انسانی اقدار کے تصورات میں محو اور زندگانی جاودانی کے لئے ذخائر حسنات جمع کرنے میں مصروف ہے اور دوسرا مادی خواہشات میں غرق اور ہر نیکی کی فراموشی میں گرفتار اور ہر ہوا و ہوس کا قیدی ہے۔

اس طرح انسان دوراہے پر نظر آتا ہے، یا پہلے گروہ سے ملحق ہو جائے یا دوسرے سے وابستہ ہو جائے۔ درمیان میں تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ آیت کے آخر میں ایک حکم قاطع کی شکل میں فرماتا ہے:

''صرف اصحاب جنت ہی کامیاب ہیں''۔

نہ صرف قیامت میں رستگار و کامیاب ہیں بلکہ دنیا میں بھی کامیابی، آرام و سکون اور نجات انہی کے لئے ہے اور شکست دونوں جہانوں میں ان کا مقدر ہے جو اللہ کو فراموش کرنے والے ہیں۔

(۲۱) لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ	اگر اس قرآن کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تو دیکھتا کہ وہ (پہاڑ) اس کے سامنے خشوع سے پیش آتا اور خوف خدا سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ یہ مثالیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور کریں۔

(۲۲)هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ	اللہ وہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔وہ پوشیدہ وآشکار سے آگاہ ہے اور وہ رحمٰن ورحیم ہے۔
(۲۳)هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ	اللہ وہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اصلی حاکم اور مالک وہی ہے ہر عیب سے منزہ ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، مومنین کو امنیت بخشتا ہے، ہر چیز کا نگہبان ہے، اسے شکست نہیں ہوتی، طاقتور ہے، عظمت کے لائق ہے اور اس سے منزہ ہے جسے اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔
(۲۴)هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۠	وہ خداوند ہی خالق اور بے سابقہ پیدا کرنے والا ہے۔وہ (بے نظیر) صورت کشی کرنے والا ہے۔اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اس کی تسبیح کرتا ہے اور وہ عزیز وحکیم ہے۔

تفسیر

اگر قرآن پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے

گزشتہ آیتوں کے بعد جو مختلف طریقوں سے انسانوں کے دلوں میں نفوذ کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں اور جنھوں نے ان کے تقدیر ساز مسائل زندہ شکل میں پیش کیے، ان آیات میں، جو سورہ حشر کی آخری آیات ہیں اور عام آیات قرآنی پر روشنی ڈالتی ہیں، اس حقیقت کو منکشف کیا گیا ہے کہ قرآن کا نفوذ اس قدر گہرا ہے کہ اگر یہ پہاڑوں پر نازل ہوتا تو انہیں ہلا کر رکھ دیتا۔لیکن تعجب ہے اس سنگ دل انسان پر کہ وہ اسے سنتا تو ہے مگر اس پر لرزہ بھی طاری نہیں ہوتا۔خداوند عالم پہلے فرماتا ہے:

''اگر قرآن کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو مشاہدہ کرتا کہ وہ اس کے سامنے خشوع کر رہا ہے اور خوف خدا سے اس میں شگاف پڑ گئے ہیں''۔اور یہ ضرب الامثال جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ لوگ انمیں غور وفکر کریں''۔

بعض مفسرین نے اس کے ظاہر پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ اس جہان کے تمام موجودات جن میں پہاڑ بھی شامل ہیں، اپنے اندر ایک قسم کا ادراک وشعور رکھتے ہیں اور اگر یہ آیات پہاڑوں پر نازل ہوتیں تو وہ یقیناً ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ان معانی پر سورہ بقرہ کی آیت ۷۴ کو گواہ قرار دیتے ہیں۔

''پھر تمہارے دل اس واقعہ کے بعد پتھر کی طرح سخت ہوگئے یا اس سے بھی زیادہ سخت، کیونکہ کچھ پتھر ایسے ہیں جن میں شگاف پڑ جاتے ہیں اور انمیں سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن میں شگاف پڑ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی ٹپکنے لگتا ہے اور بعض خوف خدا کے باعث نیچے گر جاتے ہیں''۔

لیکن بعد میں آنے والی آیات میں اللہ کے اوصاف جلال و جمال میں سے ایک اہم حصہ کا تذکرہ ہے جس کی طرف توجہ کرنا تربیت نفوس اور تہذیب قلوب کے لئے بڑا پر تاثیر ہے۔ پروردگار عالم ان آیتوں میں سے تین آیات میں پندرہ صفتیں اور دوسرے الفاظ میں اٹھارہ اوصاف اپنی صفات عظیمہ میں سے بیان کرتا ہے اور ہر آیت توحید الٰہی اور اللہ کے مقدس نام کے بیان سے شروع ہوتی ہے اور انسان کی حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کے نورانی عالم کی طرف رہنمائی کرتی ہے فرماتا ہے:

''اللہ وہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہں، جو غیب و شہود سے آگاہ ہے اور رحمٰن و رحیم ہے''۔ یہاں ہر چیز سے پہلے مسئلہ توحید جو تمام اوصاف جلال و جمال کی روح ہے' اللہ کی معرفت کو اس پر مبنی قرار دیتا ہے اور غیب و شہود کے بارے میں اللہ کے علم دانش پر انحصار کرتا ہے''

اس کے بعد اس کی رحمت عام پر، جو تمام مخلوقات کے شامل حال ہے لفظ رحمٰن کے حوالے سے اور اس کی رحمت خاص پر جو مومنین کے لئے مخصوص ہے، لفظ رحیم کے حوالہ سے انحصار ہوا ہے تا کہ وہ انسان کو امید دلائے اور اسے معرفت اللہ اس طولانی راستے میں مدد دے جو اس کو در پیش ہے۔

اس صفت توحید کے علاوہ اس کی عظیم صفتوں میں سے اس آیت میں تین عظیم صفتیں بیان کی ہیں۔فرماتا ہے:

''اللہ وہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔''حاکم و مالک اصلی وہی ہے''۔ ہر عیب سے پاک و منزہ ہے''۔

کسی پر کسی قسم کا ظلم و ستم روا نہیں رکھتا اور اس کی طرف سے سب سلامتی میں ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

''وہ اپنے دوستوں کو تحفظ بخشتا ہے اور ایمان عطا فرماتا ہے''۔

''ہر چیز کا نگہبان ہے''۔

''وہ ایسا صاحب قدرت ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوگا''۔''وہ اپنے نفوذ والے ارادہ کے ساتھ ہر چیز کی اصلاح کرتا ہے'' اس کے بعد مزید فرماتا ہے۔

''وہ بزرگی اور عظمت کے لائق ہے اور کوئی چیز اس سے برتر و بالا نہیں ہے'' اور چونکہ بزرگی وعظمت صرف اللہ کو زیبا ہے، لہٰذا یہ لفظ اپنے ممدوح معنی میں صرف اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور جب اس کے غیر کے لئے استعمال ہو تو مذموم معانی رکھتا ہے۔ آیت کے آخر میں دوبارہ مسئلہ توحید پر، جس سے ابتداء ہوئی تھی، زور دیتے ہوئے فرماتا ہے:

''اللہ اس سے منزہ ہے جسے اس کا شریک قرار دیتے ہیں''۔

آخری زیر بحث آیت میں ان صفات کی تکمیل کے لئے چھ اور اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''

''وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا''۔''وہ اللہ جس نے مخلوقات کو بے کم وکاست اور بغیر کسی سابقہ نمونہ کے خلق کیا ہے''

وہ خالق وآفریدگار جس نے ہر چیز کو ایک مخصوص شکل وصورت بخشی ہے (المصور) اور پھر چونکہ اللہ کے اوصاف لامحدود ہیں بلکہ وہ اس کی رفعت وبلندی کی طرح لامتناہی ہیں لہٰذا مزید فرماتا ہے:

''اس کے لئے اچھے نام ہیں''۔اسی وجہ سے وہ ہر قسم کے عیب اور نقص سے مبرہ ومنزہ ہے اور وہ تمام موجودات جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسے ہر عیب ونقص سے پاک شمار کرتے ہیں۔آخر کار تاکید مزید کے لئے نظام آفرینش پر اس کی صفتوں میں سے دو صفتوں کی طرف، جن میں سے ایک پہلے آچکی ہے۔اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ عزیز وحکیم ہے''۔پہلی صفت ہر چیز پر کمال قدرت رکھنے اور ہر مانع پر غالب ہونے کی نشانی ہے۔دوسری نظام آفرینش، امر خلقت اور تدبیر کے معاملہ میں مسئلہ توحید کے علاوہ جس کی دو مرتبہ تکرار ہوئی ہے۔اللہ کے اوصاف میں سے سترہ صفتیں آئی ہیں اور ان کی ترتیب یہ ہے۔

۱.عالم الغیب و الشھادہ	۲.رحمٰن	۳.رحیم	۴.ملک	۵.قدوس
۶.سلام	۷.مؤمن	۸.مھیمن	۹.عزیز	۱۰.جبار
۱۱.متکبر	۱۲.خالق	۱۳.باری	۱۴.مصوّر	۱۵.حکیم

۱۶.اسمائے حسنٰی کا مالک ۱۷.عالم کے تمام موجودات جس کی تسبیح کرتے ہیں

اس طرح یہ آیات مغفرت اللہ کی راہ طے کرنے والوں کا ہاتھ پکڑ کر ان کو منزل بہ منزل آگے لے جاتی ہیں۔اس کی ذات پاک سے ابتداء کرتی ہیں اور پھر عالم خلقت کی طرف لے آتی ہیں اور پھر اسی ''سیر ابی اللہ'' میں مخلوق سے خالق کی طرف لے جاتی ہیں۔دل کو اللہ کے اسماء وصفات کا مظہر اور انوار ربانی کا مرکز قرار دیتے ہوئے ان معارف وانوار کے سلسلہ میں اس کی اصلاح وتربیت کرتی ہیں اور تقویٰ کے شگوفہ اس کی شاخ وجود پر ظاہر کر کے اسے خدا کے قرب وجوار کے قابل بناتی ہیں۔

اس سورہ کی آخری آیات، جو اسماء وصفات الٰہی کے اہم حصہ پر مشتمل ہیں، حد سے زیادہ الہام بخش اور باعظمت آیات ہیں۔

ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ملتا ہے۔

''جو شخص سورہ حشر کے آخر کو پڑھے تو اس کے گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیے جائیں گے''۔

سورۂ ممتحنه

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اور اس کی ۱۳ آیات ہیں

سورہ ممتحنہ کے مضامین

حقیقت میں اس سورہ کے دو حصے ہیں:

پہلے حصے میں ''حب فی اللہ اور بغض فی اللہ'' کے مسئلہ اور مشرکین سے دوستی کرنے سے ممانعت کا بیان ہے۔

مسلمان کو اللہ کے عظیم پیغمبر ﷺ سے ہدایت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں کچھ اور خصوصیات کا بیان ہے۔ یہ مضمون جس طرح سورہ کی ابتداء میں آیا ہے اسی طرح سورہ کے اختتام پر بھی اس کی تکرار اور تائید ہوئی ہے۔

دوسرے حصے میں: مہاجر عورتوں، ان کی آزمائش اور امتحان کے مسئلہ کی وجہ سے ہے جو آیت ۱۰ میں آیا ہے۔

اس سورہ کے لئے ایک اور نام بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ سورہ مودت ہے کہ جو اس سورہ کی پہلی آیت میں مشرکین سے مودت کرنے سے منع کرنے کی وجہ سے ہے۔

سورۂ ممتحنہ کی تلاوت کی فضیلت

رسول خدا ﷺ سے ایک حدیث میں آیا ہے۔

''جو شخص سورہ ممتحنہ کی تلاوت کرے گا۔ تمام مومنین و مومنات قیامت کے دن اس کے شفیع ہوں گے''

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ یہ تمام فضیلتیں اور اعزاز اس شخص کے لئے ہیں جو صرف بے روح تلاوت اور علم و عمل کے بغیر پڑھنے پر اکتفا نہیں کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع ہے اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے
(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡهُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ	اے ایمان لانے والو! تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے لئے محبت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اس سے کافر ہو گئے ہیں۔ وہ رسول خدا کو اور تمہیں اس وجہ سے تمہارے شہر سے نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم نے میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی ہے (تو تم ان سے دوستی کا رشتہ قائم نہ کرو) تم مخفی طور پر ان سے دوستی کا رابطہ قائم کر رہے ہو حالانکہ جو کچھ تم پنہاں و آشکارا کرتے ہو، میں اس سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔ اور تم میں سے جو بھی یہ کام کرے وہ راہ راست سے گمراہ ہو گیا ہے۔

(۲)اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ وَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ	اگر وہ تم پر مسلط ہو جائیں تو وہ تم سے دشمنی ہی کریں گے اور تمہارے ساتھ اپنے ہاتھ اور زبان سے بدی ہی کریں گے اور تمہیں کفر کی طرف پلٹانے کی کوشش کریں گے۔
(۳)لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ	تمہارے عزیز واقربا اور تمہاری اولاد تمہیں ہرگز کوئی نفع نہیں دیں گے۔ وہ قیامت کے دن تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

شان نزول

اکثر مفسرین نے تصریح کی ہے کہ یہ آیات (یا پہلی آیت) کے بارے میں نازل ہوئی ہیں (البتہ مختصر سے فرق کے ساتھ) مرحوم طبرسی نے جو کچھ مجمع البیان میں ذکر کیا ہے ہم اسے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک عورت جس کا نام ''سارہ'' تھا اور وہ مکہ کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، مکہ سے مدینہ میں پیغمبرﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی پیغمبرﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم مسلمان ہوکر آئی ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو مہاجرت کے عنوان سے آئی ہے؟ اس نے کہا نہیں!

آپ نے فرمایا: پھر تم کیوں آئی ہو؟ اس نے عرض کیا: آپ ہماری اصل اور عشیرہ وقبیلہ تھے۔ میرے سارے کے سارے سرپرست چل دیئے ہیں اور میں سخت محتاج ہوگئی ہوں میں اس لئے آپ کے پاس آئی ہوں تاکہ آپ مجھے کچھ عطا کریں اور لباس اور سواری سے نوازیں۔

آپ نے فرمایا: مکہ کے جوان کہاں چلے گئے؟ (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عورت گانے والی تھی اور جوانوں کے لئے گانے گایا کرتی تھی۔)

اس نے کہا: جنگ بدر کے بعد کسی نے مجھ سے گانے کی خواہش نہیں کی (اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ بدر کی ضرب مشرکین مکہ پر کتنی سخت تھی۔)

آنحضرتﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو حکم دیا تو انہوں نے اسے لباس، سواری اور زادراہ دیا، یہ اس موقع کی بات ہے جب آپ فتح مکہ کے لئے تیاری کررہے تھے۔

اس موقعہ پر ''حاطب بن ابی بلتعہ'' (ایک مشہور مسلمان جو جنگ بدر و بیعت رضوان میں شریک تھا) سارہ کے پاس آیا اس نے ایک خط لکھ کر اسے دیا اور کہا یہ اہل مکہ کو دے دینا اس نے دس دینار اور بقولے دس درہم اسے دیے اور ایک یمنی کپڑا بھی اسے دیا۔

''حاطب'' نے اہل مکہ کو خط میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری طرف آنے کی تیار کر رہے ہیں۔ لہٰذا تم اپنے دفاع کے لئے تیار رہو''۔ سارہ نے خط لیا اور مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑی۔

جبرئیل نے اس واقعہ کی اطلاع پیغمبر کو پہنچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی و عمار و عمر و زبیر و طلحہ و مقداد و ابو مرثد کو حکم دیا کہ وہ سوار ہو کر مکہ کی طرف جائیں۔ ان سے یہ بھی فرمایا کہ تمہیں راستہ کے درمیان ایک منزل پر ایک عورت ''سارہ'' نامی ملے گی۔ جو مشرکین مکہ کے لئے ''حاطب'' کا ایک خط لے کر جا رہی ہے تم اس سے وہ خط لے لو۔

وہ وہاں سے چل پڑے اور اسی جگہ اس تک جا پہنچے جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس قسم کھائی کہ اس کے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ انہوں نے اس کے سامان سفر کی تلاشی لی، لیکن انہیں کوئی چیز نہیں ملی، اور سب نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن علی علیہ السلام نے فرمایا: نہ تو ہمارے پیغمبر نے جھوٹ کہا ہے اور نہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے تلوار سونت لی اور فرمایا: خط نکالو ورنہ اللہ کی قسم! میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ سارہ نے جب مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ لیا تو خط جو اس نے اپنے گیسوؤں میں چھپایا ہوا تھا باہر نکالا اور وہ لوگ اس خط کو لے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو بھیج کر ''حاطب'' کو بلوایا اور فرمایا: یہ خط پہچانتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم نے یہ کام کس لئے کیا ہے؟

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم جس دن سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، ایک لحہ کے لئے کافر نہیں ہوا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ابھی مہاجرین کے کچھ لوگ مکہ میں ہیں جو مشرکین کے مقابلے میں ان کے گھر والوں کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر میں ان کے درمیان اجنبی ہوں اور میرے گھر والے ان کے چنگل میں گرفتار ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس طرح سے اپنا ایک حق ان کی گردن پر رکھ دوں تا کہ وہ میرے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ آخر کار اللہ انہیں شکست دے گا اور میرا خط انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا عذر قبول کر لیا۔

اس موقعہ پر اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور ان میں مسلمانوں کو مشرکین اور دشمنان خدا سے ہر قسم کی دوستی ترک کرنے کے سلسلے میں اہم درس دیے گئے۔

تفسیر

اللہ سے دوستی کرنے کا انجام

جیسا کہ ہم شان نزول کے ذریعے جان چکے ہیں ایک مسلمان سے ایک حرکت صادر ہوئی جو اگر چہ جاسوسی ارادہ سے نہیں تھی لیکن دشمنان اسلام سے اظہار محبت شمار ہوتی تھی۔ لہٰذا اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو یہ تنبیہہ کی گئی کہ آئندہ اس قسم کے کاموں سے پرہیز کریں۔

پہلے فرماتا ہے: اے ایمان لانے والو! تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔

یعنی وہ صرف اللہ ہی کے دشمن نہیں بلکہ وہ تم سے بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ کس طرح بڑھاتے ہو؟

اس کے بعد مزید کہتا ہے: تم ان کے لئے محبت کا اظہار کرتے ہو، حلانکہ وہ اس حق (اسلام وقرآن) سے جو تمہارے لئے آیا ہے کافر ہو گئے ہیں۔ وہ رسول خدا ﷺ کو اور تمہیں، تمہارے شہر و دیار سے اس وجہ سے باہر نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو۔

وہ عقیدہ میں بھی تمہارے مخالف ہیں اور عملی طور پر جنگ کے لئے کھڑے ہیں۔ اس کام کو جو تمہارے لئے عظیم ترین اعزاز و افتخار ہے۔ یعنی پروردگار پر ایمان، اسے انہوں نے تمہارے لئے بہت ہی بڑا گناہ شمار کیا ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے تمہیں تمہارے شہر و دیار سے نکالا ہے۔ ان حالات میں کیا اس اس بات کی گنجائش ہے کہ تم ان کے لئے محبت کا اظہار کرو۔ اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے اضافہ کرتا ہے: اگر تم نے راہ جہاد میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی کے حصول کے لئے ہجرت کی ہے تو تم ان سے دوستی کا رشتہ قائم نہ کرو۔

اگر واقعتاً تم خدا کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اسی کی خاطر تم نے اپنے شہر اور گھروں سے ہجرت کی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہیے ہو تو یہ بات دشمنان خدا کی دوستی کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے اضافہ کرتا ہے: ''تم مخفی طور پر ان سے دوستی کا رابطہ قائم کر رہے ہو، حالانکہ جو کچھ تم پنہاں و آشکارا کرتے ہو میں اس سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔

اس بناء پر اللہ کے غیب و شہود کا عالم ہوتے ہوئے اخفاء کاری کا کیا فائدہ ہے۔

اس آیت کے آخر میں قاطع تہدید کے عنوان سے فرماتا ہے: ''تم میں سے جو شخص بھی اس قسم کا کام کرے گا وہ سیدھے راستے سے منحرف اور گمراہ ہو جائیگا۔

وہ اللہ کی معرفت کے راستہ سے بھی ہٹ گیا، کیونکہ اس نے یہ گمان کر لیا کہ کوئی چیز اللہ سے مخفی رہ جاتی ہے۔ وہ ایمان اخلاص اور تقویٰ کی راہ سے بھی ہٹ گیا۔ جبھی تو اللہ کے دشمنوں سے دوستی کی بنیاد رکھی ہے۔ اس نے اپنی زندگی کی ضرورتوں پر بھی کلہاڑی ماری ہے کہ اپنے دشمن کو اپنے اسرار سے باخبر کر دیا ہے۔ یہ وہ بدترین انحراف ہے جو مومن آدمی کو سرچشمہ ایمان تک پہنچنے کے بعد عارض ہوسکتا ہے۔

بعد والی آیت میں مزید تاکید و توضیح کے لئے فرماتا ہے: ''تم ان کے ساتھ دوستی کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ اگر وہ تم پر مسلط ہو جائیں تو وہ تم سے دشمنی ہی کریں گے اور تمہارے ساتھ اپنے ہاتھ اور زبان سے بدی ہی کریں گے''۔

تم ان کے ساتھ ہمدردی کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے اتنے پکے دشمن ہیں کہ اگر وہ تم پر مسلط ہو جائیں تو وہ کسی بھی کام میں کوئی فروگذاشت نہ کریں گے ارو تمہیں اپنے ہاتھ اور زبان سے ہر قسم کا آزار اور تکلیف پہنچائیں گے۔ کیا ایسے لوگوں کے ساتھ

ہمدردی کرنا مناسب ہے؟

سب سے بری بات یہ ہے کہ ''وہ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اسلام سے کفر کی طرف پلٹا دیں'' اور اپنے سب سے بڑے افتخار ، یعنی گوہر ایمان کو کھو بیٹھو۔

آخری زیر بحث آیت میں'' حاطب بن ابی ملبتہ جیسے افراد کو جواب دیتا ہے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ تو نے مسلمانوں کے اسرار مشرکین مکہ کے پاس کیوں پہنچائے؟ تو اس نے یہ جواب دیا تھا: میرے عزیز و اقارب مکہ میں ہیں کہ جو کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ انہیں آزار پہنچائیں گے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اس طریقے سے ان کی حفاظت کروں۔ اللہ فرماتا ہے: تمہارے عزیز و اقرباء اور تمہاری اولاد ہرگز تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اللہ قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔

اہل ایمان جنت کی طرف اور اہل کفر دوزخ کی طرف جائیں گے۔

آیت کے آخر میں ایک دفعہ پھر سب کو خبر دار کرتا ہے کہ ''جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' وہ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے اور ان اعمال سے بھی جو تم پوشیدہ طور پر انجام دیتے ہو۔ اگر کچھ موارد میں وہ تمہارے اسرار کو'' حاطب بن ابی بلتعہ کی طرح فاش نہیں کرتا تو وہ کچھ مصالح کی بناء پر ہے، نہ یہ کہ وہ واقف اور آگاہ نہیں ہے۔

(۴) قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ الَّذِيۡنَ مَعَهٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِهِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَ بَدَا بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَ الۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗۤ اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيۡكَ تَوَكَّلۡنَا وَ اِلَيۡكَ اَنَبۡنَا وَ اِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ	تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی ایک اچھا نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی مشرک قوم سے کہا: ہم تم سے اور جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، ان سے بھی بیزار ہیں۔ ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کی دشمنی ہو چکی ہے اور یہ حالت اس وقت تک جاری رہے گی حتیٰ کہ تم خدائے یگانہ پر ایمان لاؤ سوائے اس بات کے جس کا ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے لئے طلب بخشش کروں گا، لیکن اس کے باوجود میں اللہ کے مقابلہ میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، پروردگار! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا ہے، تیری ہی طرف لوٹے ہیں اور سب کی بازگشت تیری ہی طرف ہے۔

(۵)رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	پروردگارا! ہمیں کافروں کیلئے گمراہی کا سبب قرار نہ دے اور ہمیں بخش دے، اے ہمارے پروردگار! بے شک تو عزیز وحکیم ہے۔
(۶)لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۠	ان کی زندگی میں تمہارے لئے ایک اچھا نمونہ تھا، ان کے لئے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو شخص روگردانی کرے گا (تو خود اپنے آپ کو ہی ضرر پہنچائے گا کیونکہ) اللہ تو بے نیاز ہے اور ہر قسم کی تعریف وستایش کے قابل ہے۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام تم سب کیلئے نمونہ ہیں

چونکہ قرآن مجید بہت سے موارد میں اپنی تعلیمات کی تکمیل کیلئے ایسے اہم نمونے جو جہان انسانیت میں موجود ہیں، گواہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس لئے زیر بحث آیات میں بھی دشمنان خدا سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرنے کے بعد، ابراہیم علیہ السلام اور ان کے طریقہ کار کے بارے میں ایک ایسے عظیم پیشوا کے عنوان سے جو تمام اقوام کیلئے اور خاص طور پر قوم عرب کیلئے احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔''

(جو لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے) کی تعبیر سے مراد وہ مومنین ہیں جو اس راہ میں ان کے پیرو اور ساتھی رہے۔ اگرچہ وہ قلیل تعداد میں تھے۔

اس کے بعد اس معنی کی وضاحت کیلئے مزید کہتا ہے: ''جب انہوں نے اپنی مشرک اور بت پرست قوم سے کہا: ہم تم سے اور جن غیر اللہ کی تم پرستش کرتے ہو، ان سے بھی بیزار ہیں''۔

ہم نہ تو تمہیں اور نہ ہی تمہارے دین ومذہب کو قبول کرتے ہیں۔ ہم تم سے اور تمہارے بے قدر وقیمت بتوں سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

دوبارہ تاکید کیلئے فرماتا ہے: ہم نے تم سے کفر اختیار کرلیا۔

البتہ یہ کفر وہی برائت وبیزاری ہے کہ جس کیطرف بعض روایات میں کفر کی پانچ اقسام کے شمار میں اشارہ ہوا ہے۔

پھر تیسری مزید تاکید کیلئے اضافہ کرتا ہے: ''ہمارے اور تمہارے درمیاں ہمیشہ ہمیشہ کی دشمنی ہو چکی ہے''۔

اور یہ وضع وکیفیت اسی طرح جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ تم خدائے یگانہ پر ایمان لاؤ۔

اس طرح سے انہوں نے کسی بھی طرح کی لگی لپٹی کے بغیر دوٹوک طریقے سے دشمنان خدا سے جدائی اور بیزاری کا اعلان

کر دیا اور صراحت کے ساتھ کہا کہ جدائی کسی قیمت پر بھی واپسی اور تجدید نظر کے قابل نہیں ہے۔ یہ ابد تک جاری رہے گی، مگر یہ کہ وہ اپنی راہ بدل لیں اور کفر کو چھوڑ کر ایمان کی طرف آ جائیں۔

لیکن چونکہ یہ کلی اور عمومی قانون ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ایک استثناء رکھتا تھا جو بعض مشرکین کی ہدایت کیلئے صورت پذیر ہوا تھا، لہٰذا اس کے بعد فرماتا ہے: انہوں نے کافروں سے ہر قسم کا رابطہ منقطع کر لیا اور ان سے کوئی بھی محبت آمیز بات نہیں کی: ''سوائے اس بات کے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (چچا آذر) سے کی تھی کہ میں اللہ سے تمہارے لئے طلب مغفرت کروں گا، لیکن اس کے باوجود میں اللہ کے مقابلے میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں اور بخشش تو صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔''

لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں بارگاہ خدا میں تیرے لئے استغفار کروں گا اور اس وعدہ پر آپ نے عمل بھی کیا۔ لیکن آذر ایمان نہ لایا۔ جب ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ دشمن اللہ ہے اور ہرگز ایمان نہیں لائے گا تو پھر اس کیلئے استغفار نہیں کیا اور اس سے قطع تعلق کر لیا۔

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکار پوری قوت کے ساتھ بت پرستوں کے مخالف تھے، لہٰذا ہمیں اس سبق کو اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔ آذر کے واقعہ میں کچھ خاص حالات تھے اور اگر وہ ہمارے لئے پیدا ہو جائیں تو وہ ہمارے لئے بھی پیروی کے لائق ہیں۔

چونکہ دشمنان خدا کے ساتھ ایسی صراحت اور قاطعیت کے ساتھ مبارزہ، خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ وہ قدرت ظاہری رکھتے تھے، اللہ کی ذات پر توکل کئے بغیر ممکن نہیں ہے، لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: پروردگارا! ہم نے تجھ پر توکل کیا ہے، تیری طرف رخ کیا ہے اور انجام کار سب کا آخری اور اصلی رجوع تیری طرف ہی ہوتا ہے۔

بعد والی آیت میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ایک درخواست کی طرف جو اس سلسلے میں حساس اور جاذب ہے اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''پروردگارا! ہمیں کافروں کی گمراہی کا سبب نہ بنانا۔''

یہ تعبیر ممکن ہے ایسے اعمال کی طرف ہو جو بعض بے خبر لوگوں سے سرزد ہو جاتے ہوں جیسا کہ ''حاطب بن ابی بلتعہ'' کا عمل تھا۔ یعنی وہ لوگ ایسا کام کر بیٹھتے ہوں جو گمراہوں کی تقویت کا سبب بن جاتا ہے حالانکہ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''پروردگارا! اگر ہم سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو ہمیں بخش دینا'' تو عزیز و حکیم ہے۔ تیری قدرت شکست ناپذیر ہے اور تیری حکمت ہر چیز میں نافذ ہے۔

پھر آخری زیر بحث آیت میں دوبارہ اسی مطلب کو بیان کر رہا ہے جو پہلی آیت میں بیان کیا گیا تھا۔ فرماتا ہے: ان کی زندگی تم مسلمانوں کیلئے ایک اچھا نمونہ تھے ان لوگوں کیلئے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔

نہ صرف بت پرستوں اور کفر کے طریقہ سے ان کی برأت اور بیزاری بلکہ بارگاہ خدا میں ان کی دعائیں اور تقاضے بھی تمام مسلمانوں کیلئے دستور العمل ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس تاسی کا نفع سب سے پہلے خود مسلمانوں کو ہی پہنچتا ہے۔ اسی لئے آخر میں مزید کہتا ہے: ''جو شخص

روگردانی کرے گا اور دشمنان خدا سے دوستی کی بنیاد ڈالے گا، وہ خود اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچائے گا اور اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ سب سے بے نیاز اور ہر قسم کی حمد وستائش کے لائق ہے۔''

کیونکہ دشمنان خدا کے ساتھ دوستی انہیں تقویت پہنچاتی ہے، اور ان کی قوت خود تمہاری شکست کا باعث ہے۔ اگر وہ تم پر مسلط ہو گئے تو پھر وہ کسی چھوٹے بڑے پر رحم نہیں کرینگے۔

ہمیشہ عظیم نمونے اور دستور العمل ہی انسانوں کی زندگی میں ان کی تربیت کا موثر ذریعہ رہے ہیں۔ اسی بناء پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہدایت کی اہم ترین شاخ کی اپنے عمل سے نشان دہی کیا کرتے تھے۔

(۷) عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	امید ہے کہ اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان (اسلام کے ذریعے) رشتۂ محبت قائم کر دے گا، اور اللہ قادر، بخشنے والا اور مہربان ہے۔
(۸) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ	خدا نے تمہیں ان لوگوں سے جنہوں نے امر دین میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے شہر اور دیار سے باہر نہیں نکالا، نیکی کرنے اور عدالت کی رعایت کرنے سے منع نہیں کیا، کیونکہ اللہ عدالت کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
(۹) اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے امر دین میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے باہر نکالا تھا یا تمہارے باہر نکالنے میں (دشمنوں کی) مدد کی ہے اور جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہی ظالم و ستم گر ہیں۔

تفسیر

ان کفار سے دوستی جو برسر پیکار نہیں ہیں

ان آیات میں ان مباحث کو جاری رکھا گیا ہے جو گزشتہ آیات میں ''حب فی اللہ'' اور ''بغض فی اللہ'' اور مشرکین سے قطع تعلق کرنے کے سلسلہ میں آئے تھے، چونکہ یہ قطع تعلق مسلمانوں کی ایک جماعت کیلئے قرابت داری میں ایک قسم کا خلا پیدا کرتا تھا، اس کے باوجود سچے مومنین اور صحابہ رسول نے اس راہ میں ثابت قدمی دکھائی تھی۔ لہٰذا اللہ ان کی جزاء کے لئے اور اس کمی کو دور کرنے کے

لئے انہیں بشارت دیتا ہے کہ: ''تم غم نہ کھاؤ۔ یہ حالت ہمیشہ اسی طرح نہیں رہے گی۔'' فرماتا ہے:

''امید ہے کہ اللہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان (اسلام قبول کرنے کے ذریعے) دوستی کا رشتہ قائم کردے گا''۔

انجام کار یہ وعدہ پورا ہوگیا، ہجرت کا آٹھواں سال آیا اور مکہ فتح ہوگیا۔ اہل مکہ کے مصداق گروہ در گروہ مسلمان ہو گئے، دشمنی وعناد کے سیاہ بادل ان کی زندگی کے آسمان سے چھٹ گئے اور آفتاب ایمان۔ محبت دوستی کی گرمجوشی کے ساتھ چمکنے لگا۔

بہرحال اگر وہ لوگ جو مسلمانوں کے عزیز و رشتہ دار ہیں، ان کے مذہب سے جدا ہو جائیں تو انھیں ان کے اسلام کی طرف لوٹنے سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی ہے جو دلوں کو متبدل کرسکتا ہے اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی خطاؤں اور گناہوں کو بخشتا ہے، لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے۔ ''اللہ قادر و توانا اور غفور و رحیم ہے۔

بعد والی آیات میں مشرکین سے دوستی کے رابطے ترک کرنے کے مسئلہ کی تشریح و توضیح ہے۔ فرماتا ہے: ''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نیکی کرنے اور عدالت کرنے کے بارے میں، جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں اپنے گھر بار سے باہر نکالا ہے۔ منع نہیں کرتا''۔

کیونکہ اللہ عدالت اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ کی اور تمہں تمہارے گھر اور شہر سے باہر نکالا، یا تمہیں باہر نکالنے میں مدد کی ہے۔ ہاں! اللہ تمہیں ان سے ہر قسم کے تعلق اور دوستی سے منع کرتا ہے۔

''اور جو شخص انہیں دوست رکھے وہ ظالم و ستمگر ہے''۔

بہرحال ان آیات سے مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ رابطے کی کیفیت کی ''ایک بنیادی اور کلی اصل'' کا پتہ چلتا ہے جو نہ صرف اس زمانہ کے لئے بلکہ آج کے اور آئندہ زمانے کے لئے بھی ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر ایسا گروہ، جماعت اور ملک جو ان سے دشمنی رکھتا ہو، اسلام اور مسلمانوں کے مخالف ہو یا دشمنان اسلام کی مدد کرتا ہو، اس کے خلاف سختی کے ساتھ مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور ان سے ہر قسم کی دوستی کا رشتہ منقطع کرلیں۔

لیکن اگر وہ کافر ہونے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غیر جانبدار ہوں یا ان کی طرف مائل ہوں تو پھر مسلمان ان کے ساتھ دوستانہ روابط رکھ سکتے ہیں، البتہ اس حد تک نہیں جو وہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ، رکھتے ہیں اور نہ ہی اس حد تک کہ وہ مسلمانوں میں نفوذ پیدا کرلیں۔

(۱۰) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِهِنَّ ۚ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡهُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡهُنَّ اِلَی الۡكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمۡ وَ لَا هُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ اَنۡ تَنۡكِحُوۡهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ وَ اسۡئَلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ وَ لۡیَسۡئَلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللّٰهِ ؕ یَحۡكُمُ بَیۡنَكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ	اے ایمان لانے والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو تم ان کی آزمائش کر لیا کرو۔ اللہ تو ان کے ایمان سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ پھر جب تم انہیں مومنہ پاؤ تو انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ کہ نہ تو وہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ ہی کفار ان کے لئے حلال ہیں۔ اور جو کچھ ان کے شوہروں نے (ان سے ازدواج کرنے میں) خرچ کیا ہے وہ انہیں دے دو۔ اب تمہارے لئے ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جبکہ تم ان کا مہر انہیں ادا کر دو، اور تم بھی کافرہ بیویوں کو ہرگز اپنی زوجیت میں نہ رکھو (اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی کافرہ ہو جائے اور وہ کافروں کے شہر کی طرف بھاگ جائے) تو تم حق رکھتے ہو کہ جو حق مہر تم نے ادا کیا ہے اس کا مطالبہ کرو جس طرح وہ حق رکھتے ہیں کہ جن عورتوں سے وہ جدا ہو گئے ہیں، ان کے حق مہر کا تم سے مطالبہ کریں، یہ اللہ کا حکم ہے جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔
(۱۱) وَ اِنۡ فَاتَكُمۡ شَیۡءٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ اِلَی الۡكُفَّارِ فَعَاقَبۡتُمۡ فَاٰتُوا الَّذِیۡنَ ذَهَبَتۡ اَزۡوَاجُهُمۡ مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ	اگر تمہاری بیویوں میں سے بعض تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں (اور کفار کی طرف پلٹ جائیں) پھر تم جنگ میں ان پر کامیابی حاصل کر لو اور مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے، تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ ان کو اتنا مہر دے دو جتنا انہوں نے دیا ہے اور اس اللہ کی مخالفت سے پرہیز کرو جس پر تم سب ایمان رکھتے ہو۔

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے ان آیات کے شان نزول میں اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ جو شخص اہل مکہ میں سے مسلمانوں کے ساتھ آملے اور اسے واپس کر دیں گے۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر مکہ کی طرف پلٹ جائے تو وہ اسے واپس نہیں

کرینگے۔

اسی دوران ایک عورت جس کا نام ''سبیعہ'' تھا اس نے اسلام قبول کرلیا اور اسی سرزمین حدیبیہ میں مسلمانوں سے آملی۔

تب اسی کا شوہر پیغمبر ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: یا محمد! میری بیوی مجھے پلٹا دو، کیونکہ ہمارے معاہدہ کی ایک شق یہ بھی ہے اور ابھی اس کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔ اس پر اوپر والی آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ مہاجر عورتوں کا امتحان کرلیا کرو۔ (ابن عباس کہتے ہیں کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ ان سے قسم لی جائے کہ ان کی ہجرت جور سے بعض وکینہ یا نئی زمین سے لگاؤ یا کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کی ہجرت صرف اسلام کی وجہ سے ہے۔

اس عورت نے قسم کھائی کہ ایسا ہی ہے تو اس موقع پر پیغمبر ﷺ نے وہ حق مہر جو اس کے شوہر نے اس کو دیا تھا، اور تمام خرچہ جو اس کے شوہر نے کیا تھا، اس کے شوہر کو ادا کر کے فرمایا: ''قرارداد معاہدہ کی اس شق کے مطابق عورتوں کو نہیں صرف مردوں کو لوٹانا ہے۔

تفسیر

مسلمانوں اور کفار کے نقصان کی تلافی

گزشتہ آیات میں ''بغض فی اللہ'' اور دشمنان خدا سے قطع تعلق کے بارے میں گفتگو تھی، لیکن زیر بحث آیات میں ''حب فی اللہ'' اور ان لوگوں سے۔ جو کفر سے جدا ہو کر ایمان کے ساتھ تعلق قائم کریں رشتہ جوڑنے کے بارے میں گفتگو ہے۔

پہلی آیت میں مہاجر عورتوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اس آیت میں مجموعی طور پر سات احکام وارد ہوئے ہیں جو زیادہ تر مہاجر عورتوں کے بارے میں ہیں اور ان کا ایک حصہ کافر عورتوں کے بارے میں بھی ہے۔

1۔ پہلا حکم: ''مہاجر عورتوں'' کی آزمائش کے بارے میں ہے۔'' روئے سخن مومنین کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے ایمان لانے والو! جب مومنہ عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو تم انہیں واپس نہ کیا کرو بلکہ ان کا امتحان کرلیا کرو۔''

باقی رہا امتحان کا طریقہ تو جیسا کہ ہم نے بیان کیا وہ اسی طرح سے تھا کہ انہیں قسم دلاتے تھے کہ ان کی مہاجرت اسلام قبول کرنے کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے نہیں تھی۔

انہیں چاہیے کہ وہ پیغمبر ﷺ کی اس بات پر بیعت کریں کہ وہ راہ شرک اختیار نہیں کریں گی۔ اور وہ چوری، منافی عفت اعمال، اولاد کو قتل کرنے اور اس قسم کے اعمال کی مرتکب نہ ہوں گی اور رسول اللہ کے فرمان کو کامل طور سے تسلیم کریں گی۔

البتہ ممکن ہے کہ کچھ افراد اس قسم اور بیعت میں بھی غلط بیانی سے کام لیں، لیکن اس زمانہ میں بہت سے لوگوں حتیٰ کہ مشرکین کا مسئلہ بیعت اور اللہ کی قسم کے لئے متصید ہونا اس بات کا سبب بنا کہ بہت کم افراد جھوٹ بولیں۔ اس طرح سے مذکورہ امتحان اگرچہ ہمیشہ ان کے ایمان واقعی کی دلیل تو نہیں ہوتا تھا، لیکن عام طور پر اس واقعیت کو بیان کرنے والا ہوسکتا تھا۔

لہٰذا بعد کے جملہ میں مزید کہتا ہے: ''اللہ ان کے دل کی اندرونی کیفیت اور ان کے ایمان کے متعلق سب سے زیادہ آگاہ

ہے"۔

2۔اس کے بعدوالے حکم میں فرماتا ہے:"جب وہ اس امتحان میں پوری اتر جائیں اورتم نے واقعی انہیں مومنہ جان لیا تو پھرانہیں کفار کی طرف نہ پلٹاؤ"

3۔تیسرے مرحلہ میں جوحقیقت میں گزشتہ حکم کی ایک دلیل ہے۔مزید کہتا ہے:"نہ تو یہ عورتیں کافروں پرحلال ہیں اور نہ ہی وہ کافرمردان ایماندارعوتوں پرحلال ہیں۔ کیونکہ ایمان وکفرایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اورازدواج کا مقدس پیمان مومن وکافر کے درمیان رابطہ قائم نہیں کرسکتا۔

4۔چونکہ عربوں میں معمول یہ تھا کہ وہ اپنی عورتوں کا حق مہر پہلے دے دیتے تھے۔لہٰذا چوتھے حکم میں مزید کہتا ہے:"ان کے کافرشوہروں نے جوکچھ اس ازدواج میں خرچ کیا ہے وہ ان کودے دو"۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان کے شوہر کافر ہیں۔لیکن چونکہ جدائی اورعلیحدگی کا اقدام ایمان لانے کی بناء پرعورت کی طرف سے شروع ہوا ہے۔لہٰذاعدالت اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ اس شوہر کے خسارے پورے کیے جائیں۔

البتہ یہ حق مہر کا ادا کرنا ایسے مشرکین کے بارے میں تھا جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ حدیبیہ یا دوسرے مواقع پرترک مخاصمت کا عہد کیا تھا۔

5۔ایک اورحکم جواوپروالے احکام کے بعد آیا، وہ یہ ہے کہ فرماتا ہے:"اگرتم ان کے ساتھ نکاح کرلوتو تم پرکوئی گناہ نہیں ہے جبکہ تم ان کا حق مہرادا کردو۔

توجہ رکھنا چاہیے کہ یہاں عورت اپنے کافرشوہر سے طلاق کے بغیر الگ ہوجائے گی لیکن عدت پوری کرنا پڑے گی۔

6۔لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو، یعنی شوہراسلام قبول کرلے اورعورت کفرپرباقی رہے تو یہاں بھی زوجیت کا رابطہ ٹوٹ جائے گا اورنکاح فسخ ہوجائیگا۔جیسا کہ اسی آیت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے:"کافربیویوں کواپنی زوجیت میں نہ روکے رکھو"۔

7۔آخری حکم جوآیت میں بیان ہوا ہے اس میں ان عورتوں کے حق مہر کے بارے میں گفتگو ہے جواسلام سے علیحدگی اختیار کرکے اہل کفر سے جاملیں،فرماتا ہے:"اگرتمہاری عورتوں میں سے کوئی اسلام سے الگ ہوجائے توتم حق رکھتے ہوکہ جوحق مہرتم نے ادا کیا ہے اس کا مطالبہ کرو،جیسا کہ وہ حق رکھتے ہیں کہ اپنی عورتوں کے مہر کا مطالبہ کریں۔جوان سے جدا ہوکراسلام سے وابستہ ہوگئی ہیں۔اور یہ عدالت اور برابرحقوق کا تقاضا ہے۔

جوکچھ بیان ہوچکا،آیت کے آخر میں ان پرتاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:"یہ اللہ کے وہ احکام ہیں جن کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے اوراللہ علیم وحکیم ہے"۔

یہ ایسے احکام ہیں جن کا سرچشمہ علم الٰہی ہے، یہ حکمت کی آمیزش رکھتے ہیں، ان میں تمام افراد کے حقوق نظر میں رکھے گئے ہیں اور یہ اصل اسلامی عدالت وانصاف کے ساتھ کامل طور پر ہم آہنگ ہیں۔ ان احکام کے اجراء کیلئے عظیم ترین ضمانت شمار ہوتا ہے۔

دوسری اور آخری زیر بحث آیت میں اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے: ''اگر تمہاری بیویوں میں سے بعض تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہوں اور اسلام کو چھوڑ کر کفار سے جا ملی ہوں۔ اس کے بعد تمہیں جنگ میں ان پر کامیابی حاصل ہو جائے اور کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ لگ جائے تو ان افراد کو جو اپنی بیویاں ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں، جتنا مہر انہوں نے ادا کیا ہوا ہے اتنا غنائم میں سے انہیں دے دو''۔

آیت کے آخر میں تمام مسلمانوں کو تقویٰ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''جس اللہ پر تم سب ایمان لائے ہو اس سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو''۔

ممکن ہے یہاں تقویٰ کا حکم اس بناء پر ہو کہ عام طور پر حق مہر کی تشخیص میں بیوی اور شوہر کے قول پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ثبوت کا طریقہ ان کے قول کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ شیطانی وسوسے مقدار واقعی سے زیادہ کا دعویٰ کرنے کا سبب بن جائیں اسی لئے انہیں تقویٰ کی وصیت اور نصیحت کرتا ہے۔

(۱۲) یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْجُلِھِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	اے پیغمبر! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں اور تجھ سے ان شرائط پر بیعت کریں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیں گی۔ چوری نہیں کریں گی۔ زنا سے آلودہ نہ ہوں گی۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی افتراء اور بہتان نہیں باندھیں گی، اور کسی شائستہ کام میں تیرے حکم کی مخالفت نہیں کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بارگاہ خدا میں طلب بخشش کرو، بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

عورتوں کی بیعت کے شرائط

گزشتہ آیات کے بعد کہ جن میں مہاجر عورتوں کے احکام کا بیان تھا، زیر بحث آیت میں پیغمبر ﷺ سے عورتوں کے بیعت

کرنے کے حکم کی تشریح کرتا ہے۔

جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر قیام فرمایا اور مردوں سے بیعت لی، بعد میں مکہ کی وہ عورتیں جو ایمان لے آئی تھیں بیعت کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور ان کی بیعت کی تفصیل بیان کی۔

روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں اور ان شرائط پر تجھ سے بیعت کریں کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا سے آلودہ نہیں ہوں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی افتراء اور بہتان نہیں باندھیں گی اور کسی شائستہ حکم میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی، تو تم ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بخشش طلب کرو، بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

بیعت کی کیفیت کے بارے میں بعض نے یہ لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک برتن لانے کا حکم دیا اور اپنا ہاتھ پانی کے اس برتن میں رکھ دیا۔ عورتیں اپنے ہاتھ برتن کے دوسری طرف رکھ دیتی تھیں۔ بعض نے کہا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس کے اوپر سے بیعت لیتے تھے۔

(۱۳) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۠	اے ایمان لانے والو! وہ قوم جس پر اللہ نے غضب کیا ہے اس سے دوستی نہ کرو۔ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں مدفون کفار مایوس ہیں۔

تفسیر

اس مغضوب علیہ قوم سے دوستی نہ کرو

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس سورہ کا آغاز، دشمنان خدا سے قطع تعلق کرنے کے مسئلہ سے ہوا ہے اور اب اسی چیز پر اس کا اختتام ہو رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سورہ کا اختتام اس کے آغاز کی طرف ایک بازگشت ہے، فرماتا ہے: ''اے ایمان لانے والو! وہ قوم جس پر اللہ نے غضب کیا ہے اس سے دوستی نہ کرو''۔

تمہیں ان سے دوستی نہیں کرنی چاہیے اور اپنے اسرار اور بھیدوں کو ان تک نہیں پہنچانا چاہیے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس آیت کی تعبیرات ایک وسیع مفہوم رکھتی ہیں جو تمام کفار و مشرکین کو شامل ہیں، کیونکہ

قرآن مجید میں غضب کی تعبیر ''یہود'' میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہی تعبیر منافقین کے بارے میں بھی آئی ہے۔(سورہ فتح ٦٠)۔

اس کے بعد ایک اور مطلب کو بیان کرتا ہے جو اس نہی کی دلیل کے طور پر بیان ہوا ہے۔فرماتا ہے:''وہ آخرت میں نجات سے کلی طور پر مایوس ہیں جیسا کہ قبروں میں مدفون کفار مایوس ہیں۔

کیونکہ کفار میں سے جو مر چکے ہیں وہ یہ عالم برزخ میں اپنے کاموں کے نتائج دیکھ رہے ہیں اور تلافی کے لئے واپسی کی کوئی راہ نہیں ہے،لہٰذا وہ کلی طور پر مایوس ہیں۔یہ زندوں کا گروہ بھی گناہ سے اس قدر آلودہ ہے کہ ہرگز اپنی نجات کی امید نہیں رکھتا،اور یہ ٹھیک کفار کے مردوں کی طرح ہے۔

سورۂ صفؑ

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا
اور اس کی ۱۴ آیات ہیں

سورۂ صفّ کے مضامین

یہ سورہ درحقیقت دو بنیادی محوروں کے گرد گھومتا ہے۔ اولاً اسلام کی تمام آسمانی ادیان پر برتری اور اللہ کی طرف سے اس کی بقاء و دوام کی ضمانت اور ثانیاً اس دین کی حفاظت اور ترقی کے لئے جہاد کا لازم ہونا۔

لیکن تفصیلی نظر سے اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

ا: سورہ کا آغاز جو خداوند عزیز و حکیم کی تسبیح سے ہوا ہے اور بعد کے امور و حقائق کو قبول کرنے کے لئے دلوں میں آمادگی پیدا کرتا ہے۔

۲: گفتار و کردار میں ہم آہنگی اور بلا عمل باتوں سے پرہیز کی دعوت۔

۳: عزم راسخ اور اتحاد کامل کے ساتھ جہاد کی دعوت۔

۴: بنی اسرائیل کی پیمان شکنی کی یاد آوری اور ظہور اسلام کے بارے میں مسیح علیہ السلام کی بشارت۔

۵: دین اسلام کی تمام ادیان پر فتح مندی کی ضمانت۔

۶: جہاد کی طرف مؤثر دعوت اور مجاہدین راہ حق کی دنیاوی اور اخروی جزاؤں کا بیان۔

۷: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کی زندگی کے بارے میں ایک مختصر سا اشارہ اور ان سے ہدایت کا سبق حاصل کرنا۔

لیکن جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس سورہ کا اصلی محور اسلام اور جہاد ہی ہے۔

سورہ کے لئے ''صف'' کے نام کا انتخاب اس تعبیر کی بناء پر ہے جو اس سورہ کی چوتھی آیت میں آیا ہے، لیکن بعض اوقات یہ سورہ ''عیسیٰ'' یا سورہ حواریین کے نام سے بھی موسوم ہے۔

مشہور قول ہے کہ یہ سارا سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے اور اس سورہ میں آیات جہاد کا ہونا بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مکہ میں جہاد کی تشریح قطعاً نہیں ہوئی تھی۔

سورۂ صفّ کی تلاوت کی فضیلت

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص سورۂ عیسیٰ (سورۂ صفّ) کو پڑھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے لئے دعائے رحمت کریں گے جب تک وہ دنیا میں زندہ ہے اس کے لئے استغفار کریں گے اور قیامت میں وہ ان کا رفیق اور ساتھی ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے
(۱)سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں،اور وہ صاحب قدرت اور حکیم ودانا ہے۔
(۲)یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ	اے ایمان لانے والو! تم ایسی بات کیوں کرتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔
(۳)کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ	اللہ کے ہاں یہ بات بہت ہی غضب کا موجب ہے کہ تم ایسی بات کرو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔
(۴)اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ	اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر قتال کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

شان نزول

مسلمانوں کی ایک جماعت کہا کرتی تھی: ''اے کاش! اللہ ہمیں بہترین اعمال کی نشاندہی کرتا کہ ہم ان پر عمل کرتے''۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اللہ نے انہیں یہ خبر دی کہ ''افضل اعمال، ایمان خالص اور جہاد ہے''۔ لیکن یہ خبر انہیں اچھی نہ لگی اور لیت ولعل کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سرزنش کی۔

تفسیر

اس سورہ کی ابتداء بھی اللہ کی تسبیح کے ساتھ ہے، اسی بناء پر مفسرین نے اس سورہ کو بھی ''مسبحات'' (وہ سورتیں جو تسبیح اللہ سے شروع ہوتی ہیں) میں شمار کیا ہے۔ فرماتا ہے: ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں''۔

اس کی تسبیح کیوں نہ کریں اور اسے ہر عیب ونقص سے منزہ شمار کیوں نہ کریں، جبکہ ''وہ شکست ناپذیر قادر ہے، اور ہر چیز سے آگاہ ہے''۔

اس کے بعدان افراد سے جواپنی کہی ہوئی باتوں پرعمل نہیں کرتے ، ملامت وسرزنش کے عنوان سے فرماتا ہے:''اے ایمان لانے والو!تم ایسی بات کیوں کہتے ہو،جس پرعمل نہیں کرتے''؟

اس کے بعداسی گفتگوکوجاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے:''یہ فعل اللہ کے نزدیک عظیم غضب کا موجب ہے کہ تم ایسی باتیں کہوجن پرعمل نہیں کرتے۔

اوپروالی آیت ہرقسم کے عہدوپیمان اوروعدہ سے تخلف ، یہاں تک کہ بعض کے قول کے مطابق نذرکوبھی شامل ہے۔

ایک حدیث امام صادق علیہ السلام سے آئی ہے:

''مومن کا اپنے بھائی سے وعدہ کرنا ایک قسم کی نذر ہے،اگرچہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔جوشخص وعدہ کے خلاف کرے گا اس نے اللہ کی مخالفت کی ہے اورخودکواس کے غضب کا مستحق بنادیا ہے۔یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں قرآن کہتاہے'':**یا ایها الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون''**

بعدوالی آیت میں اصل مسئلہ کہ جو جہاد ہے،اسے سامنے لاتے ہوئے فرماتا ہے:''اللہ ان لوگوں کودوست رکھتا ہے جواس کی راہ میں اس طرح سے جہادکرتے ہیں،جیسے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو''۔

اس بناء پرمحض جنگ کرنا اہم نہیں اہم بات یہ ہے کہ وہ جنگ ''فی سبیل اللہ ہواوروہ بھی مکمل اتحاد،نظم وضبط کے ساتھ۔جیسے کہ فولادی دیوارہو''۔

صفوں میں وحدت کی ضرورت

میدان جنگ میں نظم وضبط اورصفوں کا ملے ہوئے رہنا دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی کے اہم عوامل میں سے ہے۔نہ صرف فوجوں کی جنگ میں بلکہ سیاسی اوراقتصادی جنگ میں بھی وحدت کے بغیرکوئی کام نہیں بن سکتا۔

(۵)وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ	اس وقت کو یاد کرو جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا:''اے میری قوم تم مجھے اذیت کیوں دیتے ہو،حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوارسول ہوں۔جب وہ حق سے منحرف ہوگئے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کوٹیڑھا کردیا۔اوراللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(٦)وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ	اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ میں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے بھیجی گئی، یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہے۔ لیکن جب وہ (احمد) معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ ان کی طرف آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔

تفسیر

احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت

اس چیز کی طرف توجہ کرتے ہوئے جو سورۂ احزاب کی آیت ٦٩ میں وارد ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اذیت وآزار ان ناروا نسبتوں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف دیں۔

لیکن یہ عمل سزا کے بغیر نہ رہا جیسا کہ زیر بحث آیت کے آخر میں آیا ہے: ''جب وہ حق سے منحرف ہوگئے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو منحرف کردیا اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت وضلالت اگرچہ اللہ کی طرف سے ہے، لیکن اس کے اسباب اور عوامل خود انسان کی طرف سے ہوتے ہیں۔

(٦) اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور اس کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی کارشکنی اور تکذیب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے کہا: ''اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جبکہ میں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے بھیجی گئی (یعنی تورات) کی تصدیق کرنے والا ہوں''۔

''اور میں اس رسول کی بشارت دینے والا بھی ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے''۔

اس بناء پر میں وہ حلقۂ اتصال ہوں جو امت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کو آنے والے پیغمبر (پیغمبر اسلام) کی امت اور ان کی کتاب سے ملانے والا ہوں۔

اگرچہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ اس موعود نبی پر ایمان لے آیا، لیکن ان کی ایک بہت بڑی جمعیت نہایت سختی کے ساتھ اس

کے مقابلہ میں کھڑی ہوگئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے واضح معجزات کا بھی انکار کردیا۔ اس لئے آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے:

''جب وہ (احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے پاس معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ آیا تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے''۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ گروہ یہود، مشرکین عرب سے پہلے اس پیغمبر کو پہچانے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے شوق دیدار کے لئے ترک وطن کیا اور ان کے کئی قبائل سرزمین مدینہ میں آکر آباد ہوگئے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بہت سے بت پرستوں نے تو اس پیغمبر موعود کو پہچان لیا اور اس پر ایمان لے آئے، لیکن اکثر یہودی ہٹ دھرمی، عناد اور انکار پر ڈٹے رہے۔

(۷) وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہے، اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔
(۸) يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ	وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں لیکن اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، چاہے کافروں کو پسند نہ آئے۔
(۹) هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۠	وہی تو ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے۔

تفسیر

وہ نور اللہ کو اپنی پھونکوں سے خاموش کرنا چاہتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ مخالف اور ہٹ دھرم گروہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں گزشتہ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے باوجود اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے ''بینات''، واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ قوی ہونے کے باوجود کس طرح مقابلہ اور انکار کے لئے کھڑا ہوگیا۔ زیر بحث آیات میں ان لوگوں کے انجام کار اور ان کی سرنوشت کی تشریح کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ حالانکہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہے''۔

ہاں! ایسا آدمی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو جھوٹ، ان کے معجزات کو جادو اور ان کے دین کو باطل شمار کرے، وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہے۔ کیونکہ وہ راہ نجات و ہدایت کو اپنے لئے اور دیگر بندگان اللہ کے لئے بھی روک دیتا ہے اور انہیں اس خدائی

سرچشمۂ فیض سے محروم کردیتا ہے، جوان کی سعادت ابدی کا ضامن ہے۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''اللہ ستمگر قوم کو ہدایت نہیں کرتا''۔

(۸)اس کے بعد یہ بتلانے کے لئے کہ دشمنان حق اس کے دین کو ختم کرنے پر قادر نہیں ہیں ایک عمدہ تشبیہ کے ضمن میں فرماتا ہے: ''وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں، لیکن اللہ اپنے نور کو کامل کرکے رہے گا، چاہے یہ بات کافروں کو پسند نہ آئے''۔

لیکن جس طرح اللہ نے ارادہ کیا تھا، یہ نورالٰہی روز بروز پھیل رہا ہے اور ہر زمانے میں اسلام کا دامن پہلے سے وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔ اعداد وشمار بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کی جمعیت، صیہونیوں، صلیبیوں اور مشرق کے مادہ پرستوں کی مشترکہ کوششوں کے باوجود بڑھتی ہی جارہی ہے۔

(۹) آخری زیر بحث آیت میں مزید تاکید کے لئے صراحت کرتے ہوئے کہتا ہے: ''وہی ہے کہ جس نے اپنے رسول؛ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے، چاہے مشرکین کو برا ہی لگے''۔

انجام کار اسلام عقل ومنطق اور عملی پیش رفت کے لحاظ سے بھی دوسرے ادیان ومذاہب پر غالب آ گیا۔ اس نے دشمنوں کو دنیا کے وسیع حصوں سے پیچھے دھکیل کر ان کی جگہ لے لی اور اس وقت بھی بڑھتا ہی جارہا ہے۔

لیکن اس پیش رفت کا اصلی مرحلہ ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت امام مہدی علیہ السلام ارواحنا فداہ کے ظہور کے ساتھ پورا ہوگا اور یہ آیات بھی خود اس عظیم ظہور کی ایک دلیل ہیں۔

(۱۰)یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ	اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی طرف رہبری نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے رہائی بخشے۔
(۱۱)تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُجَاهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے ہر چیز سے بہتر ہے اگر تم جانو۔
(۱۲)یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ وَ یُدۡخِلۡکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ وَ مَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۙ	اگر تم یہ کام کروگے تو اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہیں اس جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جس کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں اور بہشت جاودانی کے مساکن میں تمہیں جگہ دے گا، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

(۱۳)وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَهَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	اور ایک دوسری نعمت تمہیں بخشے گا جسے تم دوست رکھتے ہو، اور اللہ کی مدد و نصرت اور قریب کی فتح ہے اور مومنین کو بشارت دے دو۔

تفسیر

سودمند اور بے نظیر تجارت

جیسا کہ ہم اس سورہ کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں اس آیت کے اہم مقاصد میں سے ایک ایمان اور جہاد کی دعوت ہے۔ زیر بحث آیات میں بھی انہی دونوں باتوں کی تاکید ایک ایسی لطیف مثال سے کی گئی ہے جو انسان کے دل و جان میں حرکت الٰہی کے جذبے کو وجود میں لاتی ہے۔ وہ جذبہ جو تمام دینوں پر دین اسلام کے غلبے کی شرط ہے۔ اس کی طرف گزشتہ آیات میں بھی اشارہ ہوا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی طرف رہبری نہ کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے''؟

پھر اس سودمند تجارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور وہ یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کرو''۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ کو اس سودمند تجارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے نفع کا کلی تعلق صرف مومنین کے ساتھ ہے، اسی لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''یہ تمہارے لئے ہر چیز سے بہتر ہے، اگر تم جانو''۔

بہر حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان، اللہ پر ایمان سے الگ نہیں ہے، جیسا کہ جان کے ساتھ جہاد، مال کے ساتھ جہاد سے جدا نہیں ہوسکتا۔

اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مالی جہاد کو مقدم رکھا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جانی جہاد سے زیادہ اہم ہے۔ بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کا مقدمہ شمار ہوتا ہے، کیونکہ جہاد کے آلات و اسلحہ مالی امدادوں کے ذریعے ہی فراہم ہوتے ہیں۔

یہاں تک اس عظیم اور بے نظیر تجارت کے تین ارکان مشخص ہوئے ہیں: ''خریدار'' اللہ ہے۔ ''بیچنے والے'' صاحب ایمان لوگ ہیں، اور ''متاع'' ان کی جانیں اور مال ہیں۔ اب چوتھے رکن کی نوبت آتی ہے جو اس بڑے سودے کی قیمت ہے۔

فرماتا ہے: ''جب تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں جنت کے باغوں میں جس کے درختوں کے نیچے

نہریں جاری ہیں اور بہشت جاودانی کے پاکیزہ مسکنوں میں جگہ دے گا۔ اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے''۔

اخروی اجر کے مرحلہ میں پہلے گناہوں کی بخشش کی بات کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کو زیادہ تر فکر و پریشانی اپنے گناہوں سے ہوتی ہے۔ جب مغفرت اور بخشش یقینی ہو جائے تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تعبیر بتلاتی ہے کہ اس کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لئے پہلا ہدیہ خداوندی یہ ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

بعد والی آیت میں دنیا میں مواہب الٰہی کی بھی دو شاخیں آئی ہیں:۔

جہاں فرماتا ہے: ''اور دوسری وہ نعمت تمہیں عنایت کرے گا جسے تم دوست رکھتے ہو اور تمہیں جس سے بہت لگاؤ ہے اور وہ اللہ کی مدد و نصرت اور نزدیک کی فتح ہے''۔

کتنی سودمند اور برکت والی تجارت ہے جو سراسر فتح و کامیابی اور نعمت و رحمت ہے اور اسی وجہ سے اس کو فوز عظیم اور بہت بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔

اسی وجہ سے بعد میں مومنین کو اس عظیم تجارت کے بارے میں مبارکباد کے ساتھ بشارت دیتا اور مزید کہتا ہے: ''اور مومنین کو بشارت دے دو''۔

(۱۴) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۠	اے ایمان لانے والو! اللہ کے ناصر و مددگار ہو جاؤ، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا۔ اللہ کی طرف کون میرا یار و مددگار بنے گا؟ تو حواریوں نے جواب دیا تھا ہم اللہ کے یار و مددگار ہیں۔ اس موقع پر بنی اسرائیل کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر ہو گیا، ہم نے ان لوگوں کی جو ایمان لائے تھے، ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کی، اور انجام کار وہ ان پر غالب ہوئے۔

تفسیر

حواریوں کی طرح ہو جاؤ

سورہ صف کی اس آخری آیت میں امر جہاد پر دوسری مرتبہ تاکید کی گئی ہے کہ جو اس سورہ کا محور اصلی ہے۔ البتہ اس مسئلے کو ایک دوسرے طریقہ سے بیان کیا اور بہشت اور بہشت کی نعمتوں سے بھی زیادہ ایک اہم مطلب کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے ایمان لانے والو! اللہ کے ناصر و مددگار بن جاؤ''۔

ہاں! اللہ کے مددگار، وہ اللہ جو تمام قدرتوں اور طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

اس کے بعد ایک تاریخی نمونہ کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ یہ راستہ نہ تو راہ نورد کے بغیر تھا اور نہ ہے۔فرماتا ہے:

جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا تھا: ''اللہ کی طرف میری مدد کرنے والا کون ہے''۔

اور حواریین نے بڑے فخر کے ساتھ جواب دیا: ''ہم اللہ کے انصار ہیں''۔

اور اسی راہ میں دشمنان خدا کے ساتھ مبارزہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ تو ایمان لے آیا (اور حواریوں کے ساتھ مل گیا) اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔

اس موقع پر ہماری نصرت اور مدد ان کی کمک کے لئے آ پہنچی۔ ''ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے تھے دشمنوں کے مقابلے میں تقویت دی اور انجام کار وہ غالب آ گئے''۔

تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری ہو اور اس اعزاز کے ساتھ متفخر ہو کہ اللہ کے انصار ہو جاؤ، جیسا کہ عیسیٰ کے حواری دشمنوں پر غالب آ گئے تھے، تم بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ تمہیں اس جہان میں اور دوسرے جہان میں بھی سربلندی اور افتخار نصیب ہوگا۔

حواریین کون ہیں؟

قرآن مجید میں پانچ مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بارے میں ذکر آیا ہے، ان میں سے دو مرتبہ تو اسی سورہ میں ہے۔ یہ تعبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخصوص بارہ اصحاب کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے نام موجودہ اناجیل (انجیل متی و لوقا باب ۶) میں ذکر ہوئے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عقبہ میں اہل مدینہ کی اس جماعت سے ملے جو بیعت کے لئے آئی تھی تو آپ نے فرمایا:

''اپنے میں سے بارہ افراد کو منتخب کر کے ان کا مجھ سے تعارف کراؤ تاکہ وہ اپنی قوم کے نمائندے ہوں جیسا کہ حواریین کی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے نسبت تھی۔

یہ بات ان بزرگواروں کے مقام و مرتبہ کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

سورۂ جمعہ

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا
اوراس کی گیارہ آیات ہیں

سورۂ جمعہ کے مضامین

یہ سورہ حقیقت میں دواصلی اور بنیادی محوروں پر گردش کرتی ہے:

1۔ توحید، صفات خدا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ہدف اور مسئلۂ معاد کی طرف توجہ۔

2۔ نماز جمعہ کا اصلاحی نقشہ اور اس عظیم عبادت کی بعض خصوصیات۔

سورۂ جمعہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ چاہے اسے مستقل طور پر پڑھا جائے یا یومیہ نمازوں کے ضمن میں پڑھ جائے۔

''جو شخص سورہ جمعہ کی تلاوت کرے، اللہ اسے بلاد مسلمین میں سے ان لوگوں کی تعداد سے جو نماز جمعہ میں شرکت کرتے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد سے جو اس میں شرکت نہیں کرتے، دس گنا حسنہ بخشے گا''۔

باوجود اس کے کہ قرأت نماز میں سورہ توحید اور کافرون سے عدول جائز نہیں ہے، لیکن نماز جمعہ میں خصوصیت سے یہ استثناء ہوا ہے۔ یعنی ان دونوں سورتوں سے سورہ جمعہ اور منافقین کی طرف عدول جائز بلکہ مستحب شمار کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے رحمٰن ورحیم ہے
(۱) یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ ہمیشہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، (اس اللہ کی) جو مالک اور حاکم ہے اور ہر عیب ونقص سے مبرا اور عزیز وحکیم ہے۔
(۲) ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ	وہ وہی ہے کہ جس نے امیین میں، خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا، تاکہ وہ اس کی آیات کی ان پر تلاوت کرے، انہیں پاک کرے اور کتاب وحکمت کی انہیں تعلیم دے، اگرچہ وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے۔
(۳) وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	اور وہ ان دوسرے لوگوں کے لئے بھی رسول ہے جو ابھی ان سے ملحق نہیں ہوئے، اور وہ عزیز وحکیم ہے۔

(۴)ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ	یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے (اور لائق دیکھے) اسے عطا کردے، اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے۔

تفسیر

پیغمبر کی بعثت کا مقصد

یہ سورہ بھی اللہ کی تسبیح وتقدیس سے شروع ہورہا ہے اور اس کے صفات جمال وجلال کے ایک حصہ اور اس کے اسماء حسنیٰ کی طرف اشارہ کررہا ہے، جو حقیقت میں آئندہ کے مباحث کے لئے ایک مقدمہ ہے۔

فرماتا ہے: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ہمیشہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور زبان حال وقال کے ساتھ اس کو تمام نقائص اور عیوب سے پاک شمار کرتے ہیں''۔

''وہی اللہ جو مالک وحاکم ہے، اور ہر عیب ونقص سے مبرا ہے''۔

''وہ اللہ جو عزیز وحکیم ہے''۔

اور اس طرح سے پہلے اس کی ''مالکیت اور حاکمیت'' کی اور پھر ہر قسم کے ظلم وستم اور نقص وعیب سے اس کے منزہ ہونے کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ ملوک اور بادشاہوں کے بے حساب مظالم کی طرف توجہ کرتے ہوئے لفظ ''ملک'' سے غیر مقدس معانی کا گمان ہوتا ہے جو لفظ ''قدوس'' سے پاک وپاکیزہ ہوجاتا ہے۔

اس مختصر اور پر معنی اشارہ کے بعد، جو مسئلہ توحید اور صفات اللہ کی طرف ہوا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور اس عظیم رسالت کے ہدف کو، جو اللہ کے عزیز وحکیم اور قدوس ہونے کے ساتھ مربوط ہے، بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: ''وہی ہے کہ جس نے امیین میں انہیں میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا، تاکہ وہ ان کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کرے''۔

اور اس تلاوت کے ذریعہ ''انہیں ہر قسم کے شرک، کفر، انحراف، فساد اور خرابی سے پاک وپاکیزہ کردے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے''۔

''اگرچہ وہ اس سے پہلے ضلال مبین اور واضح گمراہی میں تھے''۔

''پیغمبر اسی گروہ اور ان پڑھ طبقہ میں سے مبعوث ہوا ہے تاکہ اس کی رسالت کی عظمت کو واضح کرے اور یہ چیز اس کی حقانیت کی دلیل بنے۔ کیونکہ قرآن جیسی کتاب، ایسے عمیق وعظیم مطالب اور اسلام جیسی ثقافت کے ساتھ، محال ہے کہ یہ کسی بشر کی فکر کا ثمرہ ہو۔ وہ بشر بھی ایسا بشر کہ جس نے نہ تو خود کسی کے سامنے تعلیم کے لئے زانوئے ادب تہ کیا ہو اور نہ ہی علم ودانش کے ماحول میں اس نے پرورش پائی ہو۔ یہ ایک ایسا نور ہے جو ظلمت کی سرزمین سے اٹھا ہے، اور ایک سرسبز باغ ہے جو شورزار سے نکلا ہے، اور یہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت کا ایک واضح معجزہ اور ایک روشن سند ہے۔

اوپر والی آیت میں اس بعثت کے مقصد کا تین چیزوں میں خلاصہ کیا ہے، جن میں سے ایک تو تمہیدی پہلو رکھتی ہے، اور وہ آیات الٰہی کی تلاوت ہے اور دوسرے دو حصے، یعنی ''تہذیب وتزکیۂ نفوس'' اور ''تعلیم کتاب وحکمت'' دو اصلی اور اہم مقاصد ہیں۔

ہاں! پیغمبر اسی لئے آئے ہیں کہ علم ودانش کے سلسلہ میں اور اخلاق وعمل کے بارے میں بھی انسان کی تربیت کریں تاکہ وہ ان دونوں پروں کے ذریعے آسمان سعادت کی بلندی پر پرواز کریں اور خدائی راستہ کو اختیار کر کے اس کے مقام قرب کو حاصل کریں۔

لیکن چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اسی امی قوم کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی دعوت پورے عالم کے لئے تھی، اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''اور وہ ان دوسرے مومنین کے لئے بھی رسول ہے، جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہوئے''۔

اس طرح سے اوپر والی آیت، عرب وعجم میں ان تمام اقوام کو شامل ہے جو صحابۂ پیغمبر کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

چونکہ ان تمام امور کا سرچشمہ اللہ کی قدرت وحکمت ہے، لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''وہ عزیز وحکیم ہے''۔

اس کے بعد اس عظیم نعمت، یعنی پیغمبر گرامی اسلام کی بعثت اور ان کے ذریعے تعلیم وتربیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ ''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے (اور لائق دیکھے اسے) عطا کردے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے''۔

(۵)مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىةَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ	جو لوگ تورات کے مکلّف قرار دیئے گئے، پھر انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا (اس پر عمل نہ کیا)، وہ اس گدھے کی مانند ہیں جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ جس قوم نے آیات الٰہی کو جھٹلایا وہ بری مثال رکھتے ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔
(٦)قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	کہہ دیجئے: اے یہودیو! اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو، تو پھر موت کی تمنا کرو، اگر تم سچ کہتے ہو۔
(٧)وَ لَا یَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ	لیکن وہ ان اعمال کی وجہ سے جو وہ آگے بھیج چکے ہیں ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(۸)قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؑ	کہہ دیجئے کہ یہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، آخر کار تم سے ملاقات کر کے رہے گی۔ اس کے بعد تمہیں اس کے پاس لے جایا جائے گا جو پنہاں و آشکار سے باخبر ہے اور وہ تمہیں ان باتوں سے آگاہ فرمائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر

ایسا چوپایہ جس پر کتابیں لدی ہوں

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے: اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث برسالت ہوا ہے تو اس کی رسالت ہمارے لئے نہیں ہے۔ اس لئے پہلی زیر بحث آیت ان کے گوش گزار کر رہی ہے کہ اگر تم نے اپنی آسمانی کتاب کو غور سے پڑھا ہوتا اور اس پر عمل کیا ہوتا تو یہ بات نہ کرتے، کیونکہ اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت آئی ہے۔

فرماتا ہے: ''وہ لوگ جن پر توارت نازل ہوئی اور وہ اس کے مکلّف قرار دیئے گئے، لیکن انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا اور اس کی آیات پر عمل نہیں کیا، وہ اس گدھے کی مانند ہیں جو اپنی پشت پر کتابیں اٹھائے ہوئے ہو''۔

وہ کتاب سے سوائے اس کے بوجھ کے اور کسی چیز کا احساس نہیں کرتا اور اس کے لئے کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ پشت پر پتھر اور لکڑی اٹھائے ہوئے ہے، یا ایسی کتابیں جن میں آفرینش کے دقیق ترین اسرار اور زندگی کے مفید ترین ضابطے درج ہیں۔

یہ خود پسند قوم جس نے صرف تورات کے نام یا اس کی تلاوت پر قناعت کی ہوئی ہے اور اس کے مضامین پر غور و خوض کر کے اس پر عمل نہیں کرتے، وہ اسی جانور کے مانند ہیں جو حماقت اور نادانی میں ضرب المثل اور مشہور خاص و عام ہے۔

اس کے بعد اسی مثال کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ قوم جس نے آیات الٰہی کی تکذیب کی یقیناً وہ بری مثال رکھتی ہے''۔

آیت کے آخر میں ایک مختصر اور پر معنی جملہ میں فرماتا ہے: ''اللہ ستمگر قوم کو ہدایت نہیں کرتا''۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہدایت کرنا اللہ کا کام ہے لیکن اس کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید کی ضرورت ہے، اور اس کا مقدمہ جو حق طلبی اور حق جوئی کی روح ہے اسے انسانوں کی طرف سے فراہم ہونا چاہئے اور ستمگر اس مرحلہ سے بہت دور ہیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہودی اپنے آپ کو برگزیدہ اور منتخب امت اور اصطلاح کے مطابق ''تافتہ ای جدا بافتہ'' (یعنی سب

سے الگ مخلوق) سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی تو وہ یہ دعویٰ کرتے کہ ''وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کبھی اپنے آپ کو اللہ کے مخصوص دوست بتلاتے، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۱۸ میں آیا ہے۔

قرآن ان بے دلیل بلند پروازیوں کے مقابلہ میں، وہ بھی ایسے گروہ کی طرف سے جو کتاب الٰہی کے حامل ہونے کے باوجود اس پر عامل نہیں تھے، کہتا ہے: ''ان سے کہہ دیجئے، اے یہودیو! اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو، تو پھر موت کی تمنا کرو، اگر تم سچ کہتے ہو''۔

کیونکہ دوست تو ہمیشہ کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ قیامت میں پروردگار کی معنوی ملاقات ہوگی۔

اگر تم سچ کہتے ہو، اور اس کے دوست خاص ہو، تو پھر دنیا کی زندگی کے ساتھ اس قدر کیوں چمٹے ہوئے ہو؟ موت سے اتنا کیوں ڈرتے ہو؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنے اس دعویٰ میں سچے نہیں ہو۔

اس کے بعد ان کے موت سے ڈرنے کی اصل وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ اپنے ان اعمال کی وجہ سے، جو انہوں نے آگے بھیجے ہوئے ہیں ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے''۔

''لیکن اللہ ظالموں کو اچھی طرح سے پہچانتا ہے''۔

حقیقت میں انسان کا موت سے خوف دو عوامل میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا تو وہ موت کے بعد کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتا اور موت کو فنا و نیستی کا ایک ہیولا اور عدم کا ظلمت کدہ خیال کرتا ہے۔ یہ ایک طبعی اور فطری امر ہے کہ انسان نیستی اور عدم سے گریز کرے۔

اور یا وہ موت کے بعد والے عالم کا عقیدہ تو رکھتا ہے لیکن وہ اپنے نامہ اعمال کو ایسا تاریک و سیاہ دیکھتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس عظیم دادگاہ اور عدالت میں حاضر ہونے سے ڈرتا ہے۔

اور چونکہ یہودی معاد اور موت کے بعد کے جہاں کا عقیدہ رکھتے تھے، لہٰذا طبعی طور پر ان کے موت سے ڈرنے کا عامل دوسری چیز تھی۔

لیکن مسلمہ طور پر یہ وحشت و اضطراب کسی مشکل کو حل نہیں کرتا۔ موت ایک ایسا اونٹ ہے جو تمام گھروں کے دروازے پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے: ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دیجئے کہ یہ موت جس سے تم بھاگتے ہو آخر کار تم سے ملاقات کرے گی''۔

اس کے بعد تمہیں اس کے پاس لے جایا جائے گا جو پنہاں و آشکار سے باخبر ہے۔ اور تم جو کچھ عمل کیا کرتے تھے وہ تمہیں اس کی خبر دے گا''۔

موت کا قانون اس عالم کے قوانین میں سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اللہ کے عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

مقرب فرشتے سب مر جائیں گے اور اللہ کی پاک ذات کے سوا اس جہاں میں کوئی باقی نہیں رہے گا''۔

موت اور وادگاہ عدل الٰہی میں حاضر ہو کر حساب دینا بھی اس عالم کے مسلمہ قوانین میں سے ہے اور اللہ بندوں کے تمام اعمال سے واقعاً آگاہ بھی ہے۔

اس بناء پر اس خوف و دہشت کے ختم ہونے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ اعمال کی پاکیزگی اور گناہ کی آلودگی سے دل کو پاک صاف کرنا ہے۔ کیونکہ جس کا حساب پاک صاف ہو اسے محاسب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۹) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	اے ایمان لانے والو! جمعہ کے دن کی نماز کے لئے پکارا جائے تو ذکر خدا (خطبہ و نماز) کی طرف دوڑ کر آؤ اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔
(۱۰) فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ	پس جب نماز ختم ہو جائے تو تم آزاد ہو۔ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل طلب کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔
(۱۱) وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا اِنْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَ تَرَکُوْکَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَ مِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ؑ	اور جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا کی چیز کو دیکھتے ہیں تو ادھر کو چل کھڑے ہوتے ہیں اور تمہیں (حالت خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

شان نزول

ان آیات کے شان نزول میں خصوصاً ''واذا راوا تجارۃ'' کے بارے میں مختلف روایات نقل ہوئی ہیں۔ جو سب کی سب ایک ہی مطلب کی خبر دیتی ہیں کہ: ایک سال مدینہ کے لوگ خشک سالی، قحط اور اجناس کے نرخ کی زیادتی میں گرفتار تھے تو وحیہ ایک قافلہ کے ساتھ شام سے یہاں آن پہنچا، وہ اپنے ساتھ غذائی اشیاء لے کر آیا تھا۔ اس روز جمعہ کا دن تھا اور پیغمبر ﷺ جمعہ کے خطبہ میں مشغول تھے کہ انہوں نے معمول کے مطابق قافلہ کے ورود کے اعلان کے لئے طبل بجایا اور

دوسرا آلات موسیقی بھی بجائے تو لوگ تیزی کے ساتھ بازار میں پہنچ گئے۔اس موقع پر جو مسلمان مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوئے ہوتے تھے، انہوں نے خطبہ سننا چھوڑ دیا اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے بازار کی طرف چل پڑے، صرف بارہ مرد اور ایک عورت مسجد میں باقی رہ گئے۔(تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور جانے والوں کی سخت مذمت کی) پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ چھوٹا سا گروہ بھی چلا جاتا تو ان سب پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوتی۔

تفسیر

ہفتہ کا عظیم ترین عبادی سیاسی اجتماع

گزشتہ آیات میں توحید، نبوت، معاد اور دنیا پرست یہودیوں کی مذمت کے بارے میں مختصر مباحث آئی تھیں، زیر بحث آیات ایک اہم ترین اسلامی فریضہ کے بارے میں ہیں جو ایمان کی بنیادوں کی تقویت کے لئے حد سے زیادہ تاثیر رکھتا ہے اور ایک لحاظ سے سورہ کا ہدف اصلی یہی ہے، یعنی نماز جمعہ، اور یہ آیات اس کے احکام کو بیان کرتی ہیں۔

سب سے پہلے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے تو ذکر اللہ (خطبہ و نماز) کی طرف جلدی سے آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو''

اس طرح سے جس وقت نماز جمعہ کی اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کاروبار کو چھوڑ کر نماز کی طرف دوڑ کر آئیں کہ جو اہم ترین ذکر اللہ ہے۔

البتہ خرید و فروخت کو ترک کرنا ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جو ہر مزاحم کام کو شامل ہے۔

ذکر اللہ سے مراد پہلے تو نماز ہی ہے۔لیکن ہم جانتے ہیں کہ نماز جمعہ کے خطبات بھی کہ جن میں خدا ہی کا ذکر ہوتا ہے حقیقت میں نماز جمعہ کا ایک حصہ ہیں، اس بناء پر ان خطبوں میں شرکت کے لئے بھی دوڑ کر آنا چاہیے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''جب نماز ختم ہو جائے تو پھر تم آزاد ہو، زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت بہت یاد کرو تا کہ تم نجات پاؤ۔

زیر بحث آخری آیت میں ان لوگوں کو جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جمعہ کے وقت چھوڑ دیا اور آنے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لئے بازار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے، شدت کے ساتھ ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشہ کی بات دیکھتے ہیں تو پراگندہ ہو جاتے ہیں اور آپ کو (نماز جمعہ کا خطبہ پڑھنے کے دوران) کھڑا ہوا چھوڑ کر چل دیتے ہیں''۔

لیکن ان سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو لعب اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

نماز جمعہ میں حاضر ہونے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ و نصائح سننے سے جو خدائی اجر و ثواب اور برکتیں اور معنوی و روحانی تربیت تمہیں حاصل ہوتی ہے۔ان سے برکات کا کسی دوسری چیز کے ساتھ مقابلہ نہیں ہوسکتا۔اگر تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ تمہاری روزی منقطع ہو جائے گی تو تم غلطی پر ہو۔اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

لہو کی تعبیر، طبل اور ان تمام دوسرے آلات لہو کی طرف اشارہ ہے جو وہ لوگ مدینہ میں کسی نئے قافلہ کے وارد ہونے کے وقت بجایا کرتے تھے۔یہ ایک طرح سے ان کے آنے کی خبر اور اعلان بھی ہوتا تھا اور مال ومتاع کو بیچنے کے لئے تشہیر بھی۔

اسلام میں پہلی نماز جمعہ

بعض اسلامی روایات میں آیا ہے کہ مدینہ کے مسلمانوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے باہم مل کر بات کی اور کہا کہ یہودی ہفتہ میں ایک دن (بروز ہفتہ) اجتماع کرتے ہیں اور عیسائی بھی اجتماع کے لئے (اتوار کا) ایک دن رکھتے ہیں۔لہٰذا ہم بھی ایک دن مقرر کر لیتے ہیں تا کہ اس میں جمع ہو کر ذکر اللہ کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔انہوں نے ہفتہ سے پہلے کا دن کہ جسے اس زمانہ میں ''یوم العروبہ'' کہتے تھے اس مقصد کے لئے منتخب کیا اور (بزرگان مدینہ میں سے ایک شخص) اسعد بن زرارہ کے پاس گئے۔اس نے ان کے ساتھ مل کر جماعت کی صورت میں نماز ادا کی اور انہیں وعظ و نصیحت کی۔پس وہی دن ''روز جمعہ'' کے نام سے موسوم ہو گیا کیونکہ وہ مسلمانوں کے اجتماع کا دن تھا۔

یہ پہلا جمعہ تھا جو اسلام میں پڑھا گیا۔

لیکن وہ پہلا جمعہ جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھا وہ اس وقت پڑھا گیا جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے تو اس دن پیر کا دن بارہ ربیع الاول اور ظہر کا وقت تھا۔حضرت چار دن تک ''قبا'' میں رہے اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی، پھر جمعہ کے دن مدینہ کی طرف روانہ ہوئے (قبا اور مدینہ کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم ہے اور موجودہ وقت میں قبا مدینہ کا ایک داخلی محلّہ ہے) اور نماز جمعہ کے وقت آپ محلّہ ''بنی سالم'' میں پہنچے۔وہاں نماز جمعہ ادا فرمائی اور یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا جو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کیا۔جمعہ کی اس نماز میں آپ نے خطبہ بھی پڑھا۔جو مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خطبہ تھا۔

نماز جمعہ کی اہمیت

سب سے پہلے تو اس عظیم اسلامی فریضہ کی بہترین دلیل اسی سورہ کی آیات ہیں جو تمام مسلمانوں اور اہل ایمان کو یہ حکم دیتی ہیں کہ جمعہ کی اذان سنتے ہی اس کی طرف دوڑ پڑیں۔ہر قسم کے کاروبار اور رکاوٹ ڈالنے والے کام چھوڑ دیں۔یہاں تک کہ اگر کسی

سال لوگ غذائی اشیاء کی کمی میں گرفتار ہوں اور کوئی ایسا قافلہ آجائے جو ان کی ضرورت کی چیزیں ساتھ لے کر آیا ہو تو وہ اس کی طرف نہ جائیں اور نماز جمعہ کے اعمال کو جاری رکھیں۔

اسلامی روایات میں بھی اس سلسلہ میں بہت سی تاکیدی روایات وارد ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک خطبہ ہے کہ جسے موافق و مخالف سب نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی سے نقل کیا ہے۔اس میں آیا ہے:

''اللہ نے نماز جمعہ تم پر واجب کی ہے۔اگر کوئی شخص اسے میری زندگی میں یا میری وفات کے بعد استخفاف یا انکار کے طور پر ترک کرے تو اللہ اسے پریشان حال کردے گا اور اس کے کسی کام میں برکت نہیں دے گا۔ جان لو کہ اس کی نماز قبول نہیں ہے اس کی زکوۃ قبول نہیں ہے اور جان لو کہ اس کے نیک اعمال قبول نہیں ہیں جب تک کہ اپنے اس عمل سے توبہ نہ کرے۔

البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ شدید مذمتیں نماز جمعہ کے ترک کرنے کے بارے میں آئی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب نماز جمعہ واجب عینی ہو۔

نماز عبادی سیاسی جمعہ کا فلسفہ

نماز جمعہ ہر چیز سے پہلے ایک عظیم اجتماعی عبادت ہے اور عبادات کی عمومی تاثیر کو جو روح و جان کو لطیف بنانا، دل کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کرنا اور دل سے معصیت کے زنگ کو اتارنا ہے وہ،اس میں موجود ہے۔لیکن اجتماعی اور سیاسی لحاظ سے یہ ایک عظیم ہفتہ وار کانفرنس ہے جو حج کی سالانہ کانفرنس کے بعد بزرگ ترین اسلامی کانفرنس ہے۔اسی وجہ سے اس روایت میں جو پہلے ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نقل کرچکے ہیں، یوں آیا ہے کہ جمعہ ان لوگوں کا حج ہے جو مراسم حج میں شراکت کی قدرت نہیں رکھتے

حقیقت میں اسلام تین عظیم اجتماعوں کو اہمیت دیتا ہے:

1۔ روزانہ کے اجتماعات جو نماز جماعت میں حاصل ہوتے ہیں۔

2۔ ہفتہ وار اجتماع جو نماز جمعہ کے اعمال سے حاصل ہوتا ہے۔

3۔ حج کا اجتماع جو خانۂ اللہ کے پاس ہر سال ایک مرتبہ انجام پاتا ہے۔

ان سب میں سے نماز جمعہ کا اثر بہت ہی اہم ہے۔خاص طور پر یہ بات کہ نماز جمعہ کے خطبہ میں خطیب کا ایک موضوع اہم سیاسی اجتماعی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں ہوتا ہے۔

سورہ منافقون

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۱۱ آیات ہیں

سورہ منافقون کے مطالب

سورہ ءمنافقون ایسے مطالب ومضامین سے بھرے ہوئے سوروں میں سے ہے جن کے مباحث کا اصلی محور ''منافقین'' سے مربوط حساس مسائل ہیں ۔لیکن اس سورہ کے ذیل میں کچھ آیات مختلف سلسلوں میں مسلمانوں کے پند ونصائح کے عنوان سے بھی آئی ہیں۔

مجموعی طور پراس کے مضامین کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ منافقین کی نشانیاں جوخودکئی حساس عنوانوں پر مشتمل ہیں۔

2۔ مومنین کو منافقین سے ہوشیار رہنے کی تلقین اوراس سلسلے میں ہمیشہ نگرانی کی ضرورت۔

3۔ مومنین کو تنبیہہ کہ دنیا کی مادی نعمتیں انہیں ذکراللہ سے غافل نہ کردیں۔

4۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے موت کے آنے اورانسان کی جان میں حسرت کی آگ بھڑکنے سے پہلے اموال سے فائدہ اٹھانے کی وصیت ونصیحت۔

سورہ منافقون کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''جوشخص سورہ منافقون کو پڑھے وہ ہرقسم کے نفاق سے پاک ہوجاتا ہے''۔

ایک اورحدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''ہمارے شیعوں میں سے ہرمومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ شب جمعہ میں ''سورہ ءاعلیٰ'' پڑھے اور جمعہ کے دن نمازظہر میں ''سورۂ جمعہ''اور''سورۂ منافقون''پڑھے''۔

اس کے بعدآپ علیہ السلام نے مزید فرمایا:

''جب وہ ایسا کرے گا تو گویا اس نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو انجام دیا اوراس کی جزااورثواب اللہ کے

ہاں جنت ہے''۔

ہم نے ہر سورہ کے فضائل کے ذکر کے بعد بار ہا یہ کہا ہے کہ یہ اہم فضائل و آثار، فکر و عمل سے خالی صرف تلاوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ مذکورہ بالا روایات بھی اس بات کی گواہ ہیں کہ زندگی کا طریقہ اس کے مطابق بنائے بغیر اس سورہ کا پڑھنا انسان میں سے روح نفاق کو ہرگز خارج نہیں کرتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
(۱) اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشۡهَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۚ	جب منافقین تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے، اللہ جانتا ہے کہ تو یقیناً اس کا رسول ہے۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔
(۲) اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے تا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ بیشک وہ بہت ہی برے کام انجام دیتے ہیں۔
(۳) ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَفۡقَهُوۡنَ	یہ اس بنا پر ہے کہ وہ پہلے تو ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے۔ لہٰذا ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اور وہ حقیقت کو درک نہیں کرتے۔
(۴) وَ اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُهُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِهِمۡ ؕ کَاَنَّهُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ؕ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡهِمۡ ؕ	جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کا جسم اور حلیہ تمہیں تعجب میں ڈال دیتا ہے اور اگر وہ کوئی بات کرتے ہیں تو تو ان کی باتوں کو کان دھر کے سنتا ہے۔ حالانکہ وہ ایسی خشک لکڑیاں ہیں جنہیں دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا گیا ہو۔ جو آواز بھی کہیں سے بلند ہوتی ہے اسے وہ اپنے برخلاف خیال کرتے ہیں۔

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں ۔تم ان سے بچتے رہو۔ اللہ انہیں ہلاک کرے، وہ حق سے کس طرح منحرف ہوجاتے ہیں۔

تفسیر

سر چشمۂ نفاق اور منافقین کی نشانیاں

ان آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے ایک مقدمہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ نفاق اور منافقین، اسلام میں پہلی مرتبہ اس وقت سامنے آیا جب پیغمبرؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور اسلام کی بنیادیں قوی اور کامیابی آشکار ہوگئی۔ ورنہ مکہ میں تقریباً کوئی منافق موجود نہیں تھا کیونکہ دشمن اسلام کے برخلاف جو چاہتے کھلم کھلا کہتے اور کرتے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ انہیں منافقانہ طرز عمل کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

لیکن جب مدینہ میں اسلام کے نفوذ اور پھیلاؤ نے دشمنوں کو ضعیف و ناتوں بنادیا تو اب مخالفت کا اظہار کھلے عام کرنا مشکل اور بعض اوقات ناممکن تھا۔ لہٰذا شکست خوردہ دشمنوں نے اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری وساری رکھنے کے لئے اپنے چہرے بدل لئے۔ وہ ظاہراً مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہوگئے۔ لیکن مخفیانہ طور پر اپنے برے مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہے۔

اصولی طور پر ہر انقلاب کی طبیعت و مزاج یہی ہے کہ نمایاں کامیابی کے بعد اسے منافقین کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کل سخت ترین دشمن آج کے بااثر افراد کی صورت میں ظاہری دوستوں کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہیں یہی وہ مقام ہے جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ منافقین سے مربوط یہ تمام آیات مدینہ میں کیوں نازل ہوئیں اور مکہ میں کیوں نازل نہ ہوئیں۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ نفاق اور منافقین کا مسئلہ پیغمبرؐ کے زمانہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ ہر معاشرہ اور خصوصاً انقلابی معاشرے، اس سے دوچار ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن کی تحلیلوں تجزیوں اور موشگافیوں کو ایک تاریخی مسئلہ کے عنوان سے نہیں ایک بالفعل نیاز وامتیاز کے عنوان سے مورد تحقیق و تدقیق قرار دیا جانا چاہیے۔ اس سے موجودہ وقت کے اسلامی معاشروں میں روح نفاق اور منافقین کے طریقوں سے مبارزہ کرنے کے لئے ہدایت حاصل کرنی چاہیے۔

نفاق کی نشانیاں جنہیں قرآن نے شرح بسط سے بیان کیا ہے، وقت کے ساتھ ان کو بھی پہچاننا چاہیے اور ان نشانیوں کے ذریعے منافقوں کے طور طریقوں اور منصوبوں کی تہ تک پہنچ جانا چاہیے۔

ایک وہ سرا اہم نکتہ یہ کہ منافقین کا خطرہ ہر معاشرے کے لئے ہر دشمن کے خطرے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو ان کی شناخت عام طور پر آسان نہیں ہوتی اور دوسری طرف وہ داخلی دشمن ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ معاشرے کے تانے بانے میں اس

طرح سے نفوذ کرتے ہیں کہ انہیں الگ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔تیسری طرف سے ان کے باقی ارکان کے معاشرہ سے مختلف روابط ان سے مبارزہ کے کام کو دشوار بنادیتے ہیں۔

چنانچہ اسی وجہ سے اسلام نے اپنی طویل تاریخ میں زیادہ تر منافقین ہی کے ہاتھوں چوٹ کھائی ہے۔اسی وجہ سے قرآن نے اپنے سخت ترین حملے منافقین ہی پر کئے ہیں اور جس قدر ان کی سرکوبی کی ہے اپنے کسی بھی دشمن کے لئے روا نہیں رکھی۔

اس مقدمہ پر توجہ کے ساتھ اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف لوٹتے ہیں۔

پہلی بات جو قرآن یہاں منافقین کے بارے میں پیش کرتا ہے ان کا وہی جھوٹے ایمان کا اظہار ہے کہ جو نفاق کی اصل بنیاد ہے۔فرماتا ہے: جس وقت منافقین تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ کا رسول ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے۔''اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں:

اس سے نفاق کی پہلی نشانی واضح ہوجاتی ہے اور وہ ظاہر و باطن کا متفاوت ہوتا ہے۔یعنی وہ تاکید کے ساتھ زبان سے تو اظہار ایمان کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں ایمان کی کوئی رمق نہیں ہوتی۔یہ دروغ گوئی اور یہ اندر اور باہر کی دورنگی ہی نفاق کے اصلی محور ہیں۔

بعد والی آیت میں ان کی دوسری نشانی بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے۔انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے باز رکھیں''۔

''وہ بہت ہی برے کام انجام دیتے ہیں''۔

کیونکہ ظاہر میں تو وہ ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور باطن میں کفر کرتے ہیں۔یوں دین حق کی طرف لوگوں کی ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ہاں تو اس سے بدتر اور قبیح تر عمل اور کیا ہوگا۔

یہ تعبیر اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ منافق ہمیشہ مومنین کے ساتھ جنگ و جدال کی حالت میں ہیں۔لہٰذا ان کی ظاہر داری اور چرب زبانی سے ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔کیونکہ ڈھال کا انتخاب جنگ کے میدانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

بعد والی آیت میں اس قسم کے ناروا اعمال کی علت اصلی کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے۔''اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو وہ ایمان لائے اور اس کے بعد کافر ہوگئے ہیں۔اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی اور وہ حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے۔''

حقیقت میں منافقین کے دو گروہ ہیں۔ایک گروہ تو وہ ہے جن کا ایمان پہلے سے ہی نمائشی اور ظاہری تھا۔دوسرا گروہ وہ ہے جو ابتدا میں تو حقیقتاً ایمان لے آیا لیکن بعد میں اس نے ارتداد و نفاق کی راہ اختیار کرلی۔زیر بحث آیت کا ظاہر دوسرے گروہ کی بات کرتا ہے۔

بہر حال یہ ان کی تیسری نشانی ہے کہ وہ واضح حقائق کے ادراک سے عام طور محروم ہیں۔

بعد والی آیت ان کی مزید نشانیاں بتاتے ہوئے کہتی ہے:

''جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کا جسم اور صورت تمہیں تعجب میں ڈال دے گا۔''

ان کا ظاہر آراستہ اور ان کی شکل وصورت بڑی عمدہ نظر آتی ہے۔

علاوہ ازیں وہ ایسی شیریں اور پرکشش باتیں کرتے ہیں کہ ''جب وہ گفتگو شروع کرتے ہیں تو تم بھی ان کی باتوں کو کان دھر کے سنتے ہو''۔

جہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہراً ان کی باتوں کی کشش سے متاثر ہو جائے وہاں دوسروں کا معاملہ تو اور بھی آگے جاتا ہے۔

یہ تو ظاہری لحاظ سے ہے، لیکن باطنی طور پر: ''وہ ایسی خشک لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا گیا ہو''۔

وہ ایسے جسم ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ بے معنی شکلیں اور اندر سے خالی ہیکل ہیں۔ نہ خود سے کوئی استقلال رکھتے ہیں، نہ باطن میں کوئی نور صفائی نہ کوئی محکم ارادہ ہے اور نہ ہی اس میں کچھ ایمان ہے۔ وہ ٹھیک خشک لکڑیوں کی طرح ہیں جنہیں دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا ہو۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''وہ اس طرح اندر سے کھوکھلے، اللہ پر توکل اور اپنے نفس پر اعتماد سے محروم ہیں کہ وہ ہر آواز کو چاہے وہ جہاں سے بھی بلند ہو، اپنے برخلاف سمجھتے ہیں''۔

ایک عجیب قسم کا خوف اور دہشت ہمیشہ ان کے دل وجان پر چھائی رہتی ہے۔ ایک بدظنی اور جانکاہ بدبینی کی حالت نے ان کی روح کو سرتا سر گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

آیت کے آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار کرتا ہے کہ ''یہ لوگ واقعی تمہارے دشمن ہیں۔ لہٰذا ان سے بچے رہو۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''اللہ انہیں ہلاک کرے۔ وہ حق سے کس طرح منحرف ہوتے ہیں:؟''۔

(۵)وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَ رَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَ هُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ	جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ (تم رسول اللہ کے پاس) آؤ تا کہ رسول تمہارے لئے (استہزاء، تکبر اور غرور سے) استغفار کریں، تو وہ اپنے سروں کو ہلانے لگتے ہیں اور تم دیکھو گے کہ وہ تمہاری باتوں سے اعراض کرتے ہوئے تکبر کر رہے ہیں۔

(٦)سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ	تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو، ان کے لئے کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ کیونکہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔
(٧)هُمُ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰى مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنۡفَضُّوۡا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَفۡقَهُوۡنَ	وہ تو ایسے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو رسول خدا کے پاس ہیں کچھ خرچ نہ کرو تاکہ وہ سب کے سب پراگندہ ہو جائیں اور (وہ اس بات سے غافل ہیں کہ) آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں، لیکن منافقین نہیں سمجھتے۔
(٨)يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَ لِرَسُوۡلِهٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ لٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۟	وہ یہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ گئے تو عزت دار لوگ ذلیلوں کو باہر نکال دیں گے، حالانکہ عزت اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ لیکن منافق نہیں جانتے۔

شان نزول

تاریخ، حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں اوپر والی آیات کے لئے ایک مفصل شان نزول بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

غزوۂ بنی المصطلق کے بعد (یہ جنگ ہجرت کے چھٹے سال سرزمین ''قدید'' میں واقع ہوئی)۔ مسلمانوں میں سے دو افراد کے درمیان جن میں سے ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے تھا۔ کنوئیں سے پانی لینے کے لئے وقت اختلاف ہوگیا۔ ایک نے انصار کو اور دوسرے نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ مہاجرین میں سے ایک شخص اپنے ساتھی

کی مدد کے لئے آیا اور ''عبداللہ بن ابی'' جو منافقین کے مشہور سرغنوں میں سے تھا، وہ انصاری کی مدد کے لئے آگے بڑھا اور تب ان دونوں کے درمیان شدید تو تکار ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سخت غصہ میں آ گیا جب کہ اس کی قوم کے کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ اس نے کہا: ''ہم نے اس گروہ مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد کی لیکن ہمارا معاملہ اس ضرب المثل کی مانند ہے جو کہتی ہے: (اپنے کتے کو موٹا کر دے تا کہ وہ تجھے کاٹ کھائے)۔ ''اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ پلٹ گئے تو عزت دار ذلیلوں کو باہر نکال دیں گے'' یہاں عزت داروں سے اس کی مراد وہ خود اور اس کے پیروکار تھے، اور ذلیلوں سے مراد مہاجرین تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھ والوں سے کہا: یہ اس کام کا نتیجہ ہے جو تم نے اپنے سروں پر تھوپ لیا ہے۔ تم نے انہیں اپنے شہر میں جگہ دی اور اپنے مال ان میں تقسیم کئے۔ اگر تم اپنی بچی ہوئی غذا اس جیسوں کو (اس مد مقابل مہاجر کی طرف اشارہ ہے) نہ دیتے تو یہ تمہاری گردن پر سوار نہ ہوتے۔

اس موقع پر ''زید بن ارقم'' نے جو اس وقت ایک نوخیز جوان تھا ''عبداللہ بن ابی کی طرف منہ کر کے کہا: اللہ کی قسم: ذلیل اور کمینہ تو ہی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کی عزت اور مسلمانوں کی محبت میں ہیں۔ عبداللہ نے چلا کر کہا: ''اے لڑکے خاموش رہ۔ تو اپنے کھیل کود سے کام رکھ'' زید بن ارقم حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو عبداللہ کے پاس بھیج کر اسے بلایا اور فرمایا:

''یہ کیا بات ہے جو مجھ سے بیان کی گئی ہے''؟

عبداللہ نے کہا: ''اس اللہ کی قسم ہے جس نے آپ پر آسمانی کتاب نازل کی ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور زید جھوٹ بولتا ہے''۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سارا دن اور ساری رات لشکر چلتا رہے۔

آخر کار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں وارد ہوئے۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں شدت غم اور شرم کے مارے گھر کے اندر ہی رہا اور باہر نہ نکلا۔ اس موقع پر سورہ منافقون نازل ہوئی کہ جس نے زید کی تصدیق اور عبداللہ کی تکذیب کی۔ پیغمبر نے زید کا کان پکڑ کر فرمایا: ''اے جوان! اللہ نے تیری بات کی تصدیق کر دی۔

جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں اور عبداللہ کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو بعض لوگوں نے اس سے کہا:

''تیرے بارے میں شدید تر آیات نازل ہوئی ہیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا تا کہ وہ تیرے لئے استغفار کریں ''۔ اس پر عبداللہ نے اپنے سر کو ہلاتے ہوئے نازیبا باتیں کیں۔

اس موقع پر آیت'' **واذا قیل لھم تعالوا** '' نازل ہوئی۔

تفسیر

منافقین کی دیگر نشانیاں

ان آیات میں منافقین کے اعمال اوران کی گوناگوں نشانیوں کا بیان اسی طرح سے جاری ہے۔فرماتا ہے:۔

''جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنے سروں کواستہزاء اور کبرو نخوت کے ساتھ ہلاتے ہیں۔اورتو دیکھے گا کہ وہ تیری باتوں سے اعراض کرتے ہوئے تکبر کررہے ہیں۔''

یہ بارت واضح ہے کی روح اسلام حق کے سامنے سرتسلیم خم کرنا ہےاور کبروغرور ہمیشہ اس تسلیم میں رکاوٹ ہے۔اسی بناء پر منافقین کی ایک نشانی، بلکہ اسی غرور،خودخواہی اورخود کو برتر سمجھنے ہی کونفاق کا ایک سبب شمار کیا جاسکتا ہے۔

بعدوالی آیت میں ہرقسم کے ابہام کودور کرنے کے لئے اس سلسلہ میں مزید کہتا ہے:''بالفرض اگروہ تیرے پاس آئیں اورتو ان کے لئے استغفار بھی کرلےتو ان میں بخشش کے اسباب موجود ہی نہیں ہیں۔اس بناء پراس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ توان کے لئے یا نہ کرے،اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا''

اس کی وجہ یہ ہے کہ''اللہ فاسق قوم کوہدایت نہیں کرتا۔دوسرے لفظوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استغفار صرف اسی صورت میں اثر کرتی ہے جبکہ موافق اسباب اورضروری قابلیت فراہم ہو۔اگروہ واقعتاً توبہ کرلیں،اپنی راہ کو بدل لیں،کبروغرور کی سواری سے اتر آئیں اورحق کے سامنے سرتسلیم خم کردیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استغفار یقیناً موثر ہے۔اس صورت کے علاوہ کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اس کے بعد کی ایک بہت ہی بری بات کی طرف جوان کے نفاق کی واضح ترین نشانی شمار ہوتی ہے،اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں ان افراد پر جو رسول اللہ کے پاس ہیں خرچ نہ کرواوراپنے مال اورامکانات کوان کے اختیار میں نہ دوتا کہ وہ پراگندہ ہوجائیں''

''وہ اس بات سے غافل ہیں کہ آسمانوں اورزمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے لیئے ہیں،لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں''۔

یہ بدبخت نہیں جانتے کہ ہرشخص کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے اورتمام بندے اسی کے خوان سے روزی کھاتے ہیں۔اگر انصار،مہاجرین کو پناہ دے سکتے ہیں اورانہیں اپنے مال میں حصہ داراورشریک بنا سکتے ہیں تو یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو انہیں نصیب ہے۔لہٰذا انہیں نہ صرف یہ کہ احسان نہیں جتانا چاہئے بلکہ اللہ کا اس عظیم توفیق پرشکرادا کرنا چاہیے۔

اس کے بعدان کی ایک اورنفرت انگیز بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:

''وہ یہ کہتے ہیں اگرہم مدینہ کی طرف لوٹ گئے تو عزت دارلوگ ذلیلوں کو باہرنکال دیں گے''

یہ وہی گفتگو ہے جو عبداللہ بن ابی کے آلودہ دہن سے نکلی اور اس کی مراد یہ تھی کہ ہم مدینہ کے رہنے والے رسول اللہ ﷺ اور مومن مہاجرین کو مدینہ سے باہر نکلال دیں گے۔

اس کے بعد قرآن انہیں دندان شکن جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''عزت تو اللہ، رسول اور مومنین کے لئے مخصوص ہے لیکن منافقین نہیں جانتے''۔

یہ صرف مدینہ کے منافقین ہی نہیں تھے کہ جنھوں نے مومن مہاجرین کے مقابلہ میں یہ بات کہی، بلکہ اس سے پہلے سرداران قریش بھی مکہ میں یہی بات کہا کرتے تھے: اگر ہم مسلمانوں کے اس چھوٹے سے فقیر گروہ کا اقتصادی محاصرہ کرلیں یا انہیں مکہ سے باہر نکال دیں تو معاملہ ختم ہو جائے گا۔

موجودہ زمانہ میں بھی استعماری اور سامراجی حکومتیں اس خیال سے کہ آسمان و زمین کے خزانے ان کے پاس ہیں، یہ کہتی ہیں کہ وہ قومیں جو ہمارے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتیں ان کا اقتصادی محاصرہ کرنا چاہیے تاکہ ان کی عقل ٹھکانے آجائے اور وہ سر تسلیم خم کر دیں۔

ان تاریخ کے اندھوں کو جن کا شیوہ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے، اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ کے ایک ہی اشارہ پر ان کی تمام ثروت اور امکانات تباہ ہو جائیں گے اور ان کی عارضی اور ظاہری عزت قانون فنا کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگی۔

بہر حال یہ طرز فکر (کہ اپنے آپ کو عزت دار سمجھنا اور دوسروں کو ذلیل، اپنے آپ کو ولی نعمت شمار کرنا اور دوسروں کو محتاج) ایک منافقانہ طرز فکر ہے۔

(۹) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ	اے ایمان لانے والو! تمہارے مال اور اولاد تمہیں یاد خدا سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کریں گے وہ خسارے میں رہیں گے۔
(۱۰) وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ	ہم نے تمہیں جو روزی دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آپہنچے اور وہ یہ کہنے لگے۔ پروردگار! تو نے میری موت میں تھوڑی سی تاخیر کیوں نہ کی تاکہ میں صدقہ دیتا اور صالحین میں سے ہو جاتا۔

(۱۱)وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۠	جب کسی کی اجل آ پہنچتی ہے تو اللہ ہرگز کسی کی موت کو تاخیر میں نہیں ڈالتا اور اللہ تمہارے ان اعمال سے جنہیں تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے۔

تفسیر

مال اور اولاد تمہیں اللہ کی راہ سے غافل نہ کردیں

چونکہ نفاق کا ایک اہم عامل حب دنیا اور مال واولاد سے بہت زیادہ لگاؤ ہے، لہٰذا سورہ منافقوں کی ان آخری آیات میں مومنین کو اس قسم کے اندھے لگاؤ سے باز رکھتے ہوئے کہتا ہے: اے ایمان لانے والو! تمہارے مال اور اولاد تمہیں یاد اللہ سے غافل نہ کردیں''۔

''اور جو ایسا کریں گے وہ خسارے میں رہیں گے''۔

یہ ٹھیک ہے کہ اموال اور اولاد عطیات خداوندی میں سے ہیں، لیکن اس حد تک کہ اللہ کی راہ اور سعادت کے حصول کے لئے ان سے مدد لی جائے۔ لیکن اگر ان کے ساتھ اتنا زیادہ لگاؤ ہو جائے کہ وہ انسان اور اللہ کے درمیان رکاوٹ بن جائیں تو پھر وہ سب سے بڑی بلا شمار ہوں گے۔

اس کے بعد مومنین کو اس شدید خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے راہ اللہ میں انفاق کرنے کا حکم صادر کرتے ہوئے فرماتا ہے:
''اور جو روزی ہم نے تمہیں دی ہوئی ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آ پہنچے۔ اور وہ یہ کہنے لگے: پروردگارا! تو میری موت میں تھوڑی سی تاخیر کیوں نہیں کرتا تا کہ میں انفاق کروں اور وہ یہ صالحین میں سے ہو جاؤں''۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ آیت کے ذیل میں کہتا ہے:''میں انفاق کروں اور صالحین میں سے ہو جاؤں۔'' یہ تعبیر انسان کے صالح ہونے میں، انفاق کی گہری اور عمیق تاثیر کو بیان کرتی ہے۔

بہر حال بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس وقت جبکہ وہ برزخی آنکھ سے دیکھنے لگتے ہیں اور خود کو زندگی کے آخری لمحات میں قیامت کی چوکھٹ پر دیکھتے ہیں، غفلت کے پردے اور بے خبری کے حجاب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ انہیں اموال اور سرمایوں کو چھوڑ کر جانا پڑے گا اور اب وہ اس میں سے اس طولانی سفر کے لئے کوئی زاد راہ بھی نہیں لے سکتے تو وہ پشیمان ہوتے ہیں اور حسرت کی آگ ان کی جان میں لگ جاتی ہے۔ پھر وہ زندگی کی طرف لوٹنے کا تقاضا کرتے ہیں، چاہے وہ لوٹنا کتنا ہی مختصر اور جلدی سے گذر جانے والا ہی کیوں نہ ہوتا کہ وہ تلافی کرسکیں۔ لیکن ان کی اس التجا کو ٹھکرا دیا جائے گا کیونکہ سنت الٰہی یہ

ہے کہ موت کے راستے میں بازگشت نہیں ہوتی۔

اسی لئے آخری آیت میں پوری قاطعیت کے ساتھ فرماتا ہے: ''جب کسی کی اجل آ پہنچتی ہے تو اللہ ہرگز کسی کی موت کو تاخیر میں نہیں ڈالتا''۔

یہاں تک کہ ایک لمحہ کے لئے بھی آگے یا پیچھے نہیں ہوگی۔ جیسا کہ قرآن کی کئی دوسری آیات میں بھی اس امر کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ سورہ اعراف کی آیات ۳۴ میں آیا ہے: ''جب ان کی اجل آجائے گی تو وہ نہ تو ایک ساعت کے لئے تاخیر کر سکیں گے اور نہ ہی پیش قدمی ہو سکے گی۔

انجام کار آیت کو اس جملہ کے ساتھ ختم کرتا ہے۔ ''جو عمل بھی تم انجام دیتے ہو، اللہ اس سے آگاہ ہے''۔

ان سب اعمال کو جزا وسزا کے لئے ثبت کر لیا گیا ہے اور تمہیں ان سب کا بدلہ ملے گا۔

سورہ تغابن

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا
اور اس کی ۱۸ آیات ہیں۔

سورہ تغابن کے مضامین ومطالب

اس بارے میں کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا ہے یا مکہ میں، مفسرین کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ اگرچہ اس کا مدنی ہونا مشہور ہے جبکہ بعض اس کو سارا مکی بعض اس کو صرف تین آخری آیات کو مدنی اور باقی سورہ کو مکی جانتے ہیں۔

یقیناً اس سورہ کی آخری آیات کا لب ولہجہ مدنی سورتوں کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔لیکن اس کا درمیانی حصہ مکی سورتوں کے ساتھ زیادہ موافق ہے۔ بہر حال ہم اسے مجموعی طور پر اس کی شہرت کے مطابق مدنی قرار دیتے ہیں۔

''ابوعبداللہ زنجانی'' اپنی نفیس کتاب ''تاریخ القرآن'' میں فہرست ''ابن ندیم'' سے نقل کرتا ہے کہ سورہ تغابن تیسواں سورہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوا۔لیکن اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ مدنی سورتیں کل اٹھائیس ہیں یہ کہنا پڑے گا کہ یہ ان آخری سورتوں میں سے ہے جو پیغمبرﷺ پر نازل ہوئیں۔

تاہم مضامین ومطالب کے لحاظ سے صفات وافعال سے بحث کرتا ہے۔

1۔سورہ کا آغاز، جو توحید اور اللہ کی صفات وافعال سے بحث کرتا ہے۔

2۔اس کے بعد، یہ سورہ علم اللہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنے پوشیدہ اور آشکار اعمال کے نگران رہیں اور گزشتہ اقوام کی سرنوشت کو فراموش نہ کریں۔

3۔سورہ کا تیسرا حصہ معاد کے بارے میں گفت گو کرتا ہے۔ گویا کہ روز قیامت، روز ''تغابن'' یعنی ایک گروہ کے خسارے میں ہونے اور ایک گروہ کے بڑھ جانے کا دن ہے۔ (سورہ کا نام بھی اسی سے لیا گیا ہے)

4۔ایک حصہ میں اللہ اور پیغمبرﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا اور اس طرح اصل نبوت کی بنیادوں کو استحکام بخشتا ہے۔

5۔سورہ کا آخری حصہ لوگوں کو راہ اللہ میں خرچ کرنے کا شوق دلاتا اور مال، اولاد اور بیویوں کے فریب میں آنے سے ڈراتا ہے۔ پھر سورہ کو اللہ کے نام اور اس کی صفات پر ختم کرتا ہے جیسا کہ آغاز کیا تھا۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

> ''جو شخص سورہ تغابن کو اپنی واجب نماز میں پڑھے گا وہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کرے گی اور اس ہستی کے سامنے ایک ایسی شاہد عادل ہوگی جس نے اس کی شفاعت کی اجازت لی ہے پھر اس سے الگ نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے''۔

ظاہر ہے کہ اس تلاوت کو غور وفکر سے تو عام ہونا چاہیے۔ ایسی فکر جو اس کے مضامین ومطالب و عمل میں منعکس کرے تاکہ قاری پر یہ تمام آثار وبرکات مرتب ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔
(۱) یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ مالکیت اور حکومت بھی اسی کے لئے ہے اور حمد و ستائش بھی اسی کے لئے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۲) ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ	اسی نے تم کو پیدا کیا ہے (اور تمہیں آزادی اور اختیار دیا ہے) پس تم میں سے ایک گروہ تو کافر ہے اور ایک گروہ مومن اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔
(۳) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ	اس (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمہیں صورت عطا کی اور تمہاری بہترین صورت بنائی اور آخر میں سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔
(۴) یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اسے جانتا ہے اور جو کچھ تم پنہاں یا آشکار کرتے ہو وہ اس سے باخبر ہے اور جو کچھ دل میں ہے اللہ اس سے آگاہ ہے۔
(۵) اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَ بَالَ اَمۡرِہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	کیا ان (کافر) لوگوں کی خبر جو تم سے پہلے تھے تم تک نہیں پہنچی کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا مزہ کس طرح چکھا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
(۶) ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا	یہ اس بناء پر ہوا کہ ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے تھے، لیکن انہوں نے کہا: کیا افراد بشر ہمیں ہدایت کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح سے وہ کافر ہو گئے، اور انہوں نے روگردانی کی۔

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ	اور اللہ (ان کی اطاعت سے) بے نیاز تھا، اور اللہ غنی اور لائق حمد وستائش ہے۔

تفسیر

وہ دلوں میں چھپے ہوئے اسرار سے آگاہ ہے۔

اس سورہ کا بھی تسبیح اللہ سے آغاز ہوتا ہے۔ وہ اللہ جو کل جہان ہستی کا مالک اور اس پر حاکم ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے فرماتا ہے: ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: مالکیت اور حاکمیت اسی کے لئے ہے:

''اور (اسی بناء پر) تمام حمد وستائش کی بازگشت اسی کی پاک ذات کی طرف ہے''۔

''اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

چونکہ ہم تمام موجودات عالم کی تسبیح عمومی کے بارے میں بارہا بیان کر چکے ہیں اور متعدد تفاسیر، جو اس موضوع کے بارے میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم نقل کر چکے ہیں اس لئے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تسبیح اور حمد حقیقت میں اس کے ہر چیز پر قادر ہونے اور ہر چیز کے اس کی مالکیت ہونے کا لازمہ ہے، کیونکہ اس کے تمام اوصاف جمال وجلال انہیں دو امور میں چھپے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امر خلقت وآفرینش کی طرف، جو قدرت کا لازمہ ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے''۔

اور تمہیں آزادی اور اختیار کی نعمت عطا کی۔ اس لئے ''تم میں سے ایک گروہ مومن اور ایک گروہ کافر ہو گیا''

اس طرح سے خدائی امتحان اور آزمائش کا بازار گرم ہو گیا، اور اس اثناء میں ''جو عمل بھی تم انجام دیتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے''۔

اس کے بعد مسئلہ ''خلقت'' کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اور خلقت وآفرینش کے ہدف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے''۔

اس کی خلقت میں بھی حق اور ایک دقیق نظام ہے اور اس میں حکیمانہ ہدف اور حق پر مبنی مصلحتیں بھی ہیں۔ چنانچہ سورہ ''ص'' کی آیت ۲۷ میں بھی فرماتا ہے: ''ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ کافروں

کا گمان ہے''۔

اس کے بعد انسان کی خلقت کو بیان کرتے ہوئے اور ہمیں سیر آفاقی سے سیر انفسی کی طرف دعوت دیتے ہوئے مزید کہتا ہے۔''اس نے تمہیں صورت عطا کی اور تمہاری بہترین تصویر بنائی''۔

اس انسان کو جس کا ظاہر آراستہ اور باطن پیراستہ ہے، ایک روشن عقل اور قوی شعو عطا کیا اور جو کچھ پورے عالم ہستی میں ہے اس کے نمونے اس کے وجود میں پیدا کئے۔

لیکن جیسا کہ آیت کے آخر میں فرماتا ہے:''انجام کار ہر چیز کی بازگشت اسی کی طرف ہے''۔

چونکہ انسان کو ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسے ہمیشہ پروردگار کی نگرانی میں رہنا چاہیے۔ پروردگار جو اس کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ اس لئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:''اللہ اسے بھی جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اس سے بھی باخبر ہے جسے تم پنہاں یا آشکارا کرتے ہو۔ وہ ان عقائد اور نیتوں سے بھی آگاہ ہے جو تمہارے سینوں کے اندر ہیں''۔

یہ آیت اللہ کے بے پایاں علم کی تین مرحلوں میں تصویر کشی کرتی ہے:

اول: اس کا علم آسمانوں اور زمین کے تمام موجودات کے بارے میں۔

دوئم: اس کا علم انسانوں کے اعمال کے بارے میں چاہے وہ چھپا کر کرتے ہوں یا آشکارا کرتے ہوں۔

سوئم: خصوصیت کے ساتھ عقائد باطنی، نیتوں کی کیفیت کو اور جو کچھ انسان کے دل و جان پر حکم فرما ہے، اسے بھی جانتا ہے۔

مسلمہ طور پر اس حقیقت کی طرف توجہ انسان کی اصلاح و تربیت میں حد سے زیادہ موثر ہے۔ یہ ایسی تعلیمات ہیں جو انسان کو مقصد خلقت اور قانون تکامل تک پہنچنے کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔

چونکہ وسائل تربیت اور انذار کے طریقوں میں سے ایک موثر ترین ذریعہ، گزشتہ اقوام اور امتوں کی سرنوشت کی طرف توجہ دلانا ہے، لہٰذا بعد والی آیت ان کی زندگی پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے انسان کو مخاطب کر کے کہتی ہے:''کیا تم تک ان کافروں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے۔ انہوں نے کس طرح اپنے گناہان کبیرہ کا تلخ ذائقہ چکھا اور ان کے لئے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے''۔

تم شام اور دوسرے علاقوں کی طرف جاتے ہوئے ان کے عذابی اور ویران شہروں کے قریب سے گزرتے ہو اور ان کے کفر، ظلم اور گناہوں کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ ہاں! ان کی خبروں کو تم تاریخ میں پڑھتے ہو۔

یہ تو ان کا دنیاوی عذاب تھا، لیکن آخرت میں بھی ایک دردناک عذاب ان کا منتظر ہے۔

بعد والی آیت اس دردناک سرنوشت کے منشاء اصلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: ''اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے انبیاء ورسل واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ ان کی طرف آئے۔ لیکن وہ لوگ کبرو غرور کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے: ''کیا انسان ہماری ہدایت کریں گے؟ کیا یہ بات ممکن ہے؟''

اس بیہودہ گفتگو کے ساتھ وہ ان کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، ''یوں وہ کافر ہو گئے اور انہوں نے حق قبول کرنے سے روگردانی کی''۔

''حالانکہ اللہ ان کے ایمان اور ان کی اطاعتوں سے بھی بے نیاز تھا''۔

اگر انہیں ایمان، اطاعت اور پرہیز گاری کے لئے مکلّف فرمایا ہے تو وہ صرف ان کی منفعت یعنی اس جہان میں اور دوسرے جہان میں ان کی سعادت اور نجات کے لئے تھا۔

ہاں! اللہ بے نیاز ہے اور ہر قسم کی حمد وستائش کے لائق ہے''۔

اگر ساری کائنات کافر ہو جائے تو اس کے دامن کبریائی پر کوئی گرد نہیں بیٹھتی۔ اسی طرح اگر تمام مخلوقات مومن اور اس کی مطیع فرمان ہو جائے تو اس کے جلال میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ہم ہی ہیں جو اس قسم کے تربیتی، اصلاحی اور تکامل وارتقاء کے اصول وقوانین کے محتاج ہیں۔

(۷)زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ	کافروں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ انہیں ہرگز زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائیگا۔ کہہ دیجئے ہاں! مجھے اپنے پروردگار کی قسم ہے۔ تم سب ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ اس کے بعد جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے اس کی وہ تمہیں خبر دے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔
(۸)فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ	اب جبکہ یہ بات ہے تو اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تمہارے ان اعمال سے آگاہ ہے جنہیں تم انجام دیتے ہو۔

(۹)يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	یہ وہ وقت ہوگا جب وہ تم سب کو اس ''اجتماع کے دن'' جمع کرے گا۔ وہ تغابن کا دن ہوگا۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اور عمل صالح انجام دے تو وہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور وہ اس کو اس جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا جس کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔
(۱۰)وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۧ	لیکن وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے، وہ دوزخ والے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ان کا انجام بہت ہی برا ہے۔

تفسیر

تغابن کا دن اور غبن کا آشکار ہونا

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں خلقت کے با مقصد ہونے کے بارے میں آئے تھے ان آیات میں معاد اور قیامت کے مسئلہ کو پیش کرتا ہے جو انسان کے مقصد خلقت کی بحث کی ایک تکمیل ہے۔

پہلے منکرین قیامت کے دعوائے بے دلیل سے شروع کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''کافروں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ وہ ہرگز مبعوث نہیں ہوں گے۔''

بہر حال قرآن اس گفتگو کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کو حکم دیتا ہے:''کہہ دیجئے، ہاں! مجھے میرے پروردگار کی قسم ہے، تم سب کے سب (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے۔ اس کے بعد جو کچھ تم نے عمل کیا ہے تمہیں اس کی خبر دیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔''

جب کام خداوند قادر متعال کے ہاتھ میں ہے تو پھر کوئی مشکل نہیں ہے۔

بعد والی آیت میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے:''اب جبکہ قیامت یقینی طور پر برپا ہوگی تو تم سب کے سب اللہ اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا ہے''۔

''اور جان لو کہ اللہ تمہارے ان اعمال سے آگاہ ہے جنہیں تم انجام دیتے ہو''۔

اس طرح سے یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قیامت کے لئے ایمان اور عمل صالح کے طریق سے آمادہ کریں۔ تین اصولوں پر ایمان ''اللہ''''رسول''اورقرآن''جس میں دوسرے اصول بھی درج ہیں۔

بعد والی آیت قیامت کے دن کی توصیف کرتے ہوئے کہتی ہے:''یہ بعث ونشوراور حساب و جزاءاس دن ہوگا جب وہ اجتماع کے دن تمہیں اکٹھا کرے گا''۔

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام''یوم الجمع''بھی ہے۔جس کی طرف آیات قرآنی مختلف تعبیروں کے ساتھ بارہا اشارہ ہوا ہے۔منجملہ ان کے سورہ واقعہ کی آیت ۴۹،۵۰ میں آیا ہے: کہہ دیجئے تمام اولین وآخرین ایک معین دن کی میقات میں جمع ہوں گے''۔اوراس سے اچھی طرح معلوم ہوجاتا ہے کہ تمام انسانوں کی قیامت ایک ہی دن ہے۔اس کے بعد مزید کہتا ہے:''دن تغابن کا دن ہے''۔

وہ ایسا دن ہے کہ جس میں''غابن''(سبقت کرنے والا)اور''مغبون''(ہارجانے والا)پہچانا جائے گا۔وہ دن جس میں یہ واضح ہوجائے گا کہ کون کون لوگ اپنی تجارت میں عالم دنیا میں غبن،زیان اورخسارے میں گرفتار ہوئے ہیں۔

اس طرح سے قیامت کا ایک نام''یوم التغابن''غبنوں کے ظہور کا دن ہے۔اس کے بعد اس دن میں مومنین کی حالت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:۔

''جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور اعمال صالح انجام دے گا۔اللہ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے انہیں ختم کر دے گا۔وہ انہیں جنت کے ایسے باغوں میں وارد کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں،وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے''۔

اس طرح سے جب دو اصل شرطیں یعنی ایمان اور عمل صالح حاصل ہوجائیں گی تو یہ عظیم نعمتیں اسے حاصل ہوں گی:

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''لیکن وہ لوگ جو کافر ہوگئے اور ہماری آیات کی تکذیب کی بیشک وہ اصحاب نار یعنی دوزخ والے ہیں۔وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اوران کا انجام بہت ہی برا ہے''۔

یہاں بھی دو چیزیں بدبختی کی عامل شمار ہوئی ہیں:''کفر''آیات الٰہی کی تکذیب''جو ایمان''اور''عمل صالح''کی ضد ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہاں بہشت جاددانی کے بارے میں اور یہاں ہمیشہ کے دوزخ کے بارے میں گفتگو ہے۔وہاں فوز عظیم اور یہاں بس''المصیر''اورمرگبار انجام ہے۔

(۱۱)مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ	کوئی مصیبت رونمانہیں ہوتی مگراللہ کے اذن سےاور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہےتو اللہ اس کے دل کی ہدایت فرمادیتاہےاوراللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
(۱۲)وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ	اورتم اللہ کی اطاعت کرواورپیغمبر کی اطاعت کرو۔اوراگر تم روگردانی کرو گے(تو وہ تمہیں مجبور نہیں کرے گا) کیونکہ ہمارے رسول کا وظیفہ تو صرف واضح طور پر احکام پہچا دیناہے۔
(۱۳)اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	اللہ وہی ہےاوراس کے سوااورکوئی اللہ نہیں پس مومنین کو اسی پر توکل کرنا چاہیئے۔

تفسیر

تمام مصائب اسی کے فرمان سے ہیں

پہلی زیر بحث آیت میں اس جہان کے دردناک مصائب اورحوادث کے بارے میں ایک اصلی کلی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شایداس وجہ سے کہ اس جہان میں مصائب کا وجود کفار کے لئے ہمیشہ نفی عدالت کے بارے میں ایک دستاویز رہاہے۔یااس لحاظ سے کہ ایمان اورعمل صالح کی انجام دہی کی راہ میں ہمیشہ مشکلات موجود رہتی ہیں۔جن کے مقابلہ میں مقاومت کے بغیر مومن کچھ بھی نہیں کرسکتا۔اس طرح سے ان آیات کا رابطہ گذشتہ آیات سے واضح ہوجاتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے:''کوئی مصیبت رونمانہیں ہوتی مگراللہ کے اذن سے''۔

البتہ یہاں''اذن'' سے مراد وہی اللہ کا ارادہ تکوینی ہے نہ کہ ارادہ تشریعی۔

وہ تمام آیات جو مصائب کے سلسلہ میں قرآن مجید میں آئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصائب دوقسم کے ہیں۔

1۔ایسے مصائب جوانسانی زندگی کی طبیعت میں اورمزاج میں رچے بسے ہوئے ہیں اورانسان کے ارادہ کا ان میں معمولی سا بھی دخل نہیں ہے۔مثلاً موت اور کچھ دوسرے طبعی اوردردناک حوادث۔

2۔وہ مصائب جن میں انسان کا کسی نہ کسی طرح دخل ہے۔

قرآن پہلی قسم کے مصائب کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ سب اذن اللہ سے رونما ہوتے ہیں۔دوسری قسم کے بارے میں

کہتا ہے کہ وہ خود تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں دامنگیر ہوتے ہیں۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں مومنین کو بشارت دیتا ہے۔ ''جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت کرتا ہے (اس طرح سے کہ وہ مصائب کے مقابلے میں گھٹنے نہ ٹیکے، مایوس نہ ہو اور شور و بیتابی نہ کرے)

یہ خدائی ہدایت جب انسان کے پاس آتی ہے تو وہ نعمتوں میں شاکر، مصیبتوں میں صابر اور قضائے الٰہی کے مقابلے میں سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

آیت کے اخر میں فرماتا ہے ''اللہ ہر چیز کو جانتا ہے''۔

ممکن ہے اس تعبیر میں مصائب اور بلاؤں کے فلسفہ کی طرف اجمالی اشارہ ہو کہ اللہ اپنے علم اور اپنی بے پایاں آگاہی کی وجہ سے بندوں کی تربیت، بیدار باش کے اعلان اور ہر قسم کے غرور و غفلت سے مبارزہ کے لئے کبھی کبھی ان کی زندگانی میں مصائب کو ایجاد کر دیتا ہے تا کہ وہ سوئے نہ رہیں۔ دنیا میں اپنی حیثیت کو بھول نہ جائیں اور طغیان و سرکشی کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں۔

چونکہ مبدء و معاد کی مغفرت، جن کی گزشتہ آیات میں بنیاد رکھی گئی ہے، اس کا حتمی اثر، اللہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عین اطاعت کے لئے سعی و کوشش ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے۔ ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو''۔

یہ بات واضح ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت کا ہی ایک شعبہ ہے۔ کیونکہ رسول اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں کہتا، یہاں ''اطیعو'' کی تکرار اسی چیز کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے عرض میں نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ایک دوسری سے قوت حاصل کرتی ہے۔ اس سے قطع نظر اللہ کی اطاعت۔ اصول و قوانین اور تشریع الٰہی سے مربوط ہے۔ اس بناء پر ان میں سے ایک اصل ہے اور دوسری اس کی فرع ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ''اگر تم راہ گرداں ہو جاؤ اور اطاعت نہ کرو تو وہ تمہیں مجبور کرنے پر مامور نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے رسول کا وظیفہ اور ذمہ داری تو صرف واضح طور پر احکام پہنچا دینا ہے''۔

ہاں وہ پیغام حق پہنچانے کا ذمہ دار ہے اور بس یہی اس کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد تمہارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے یہ تعبیر ایک قسم کی پختہ اور اجمالی تہدید ہے۔

بعد والی آیت میں توحید در عبودیت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو وجوب اطاعت کے لئے ایک دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فرماتا ہے۔ ''اللہ وہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں''۔

پھر جب یہ بات ہے تو مومن کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ کوئی بھی عبودیت کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ مالکیت، قدرت اور علم سب ہی کے لئے ہیں۔ دوسروں کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ اسی وجہ سے انہیں اس کے علاوہ کسی غیر کے سامنے سر تسلیم و تعظیم خم نہیں کرنا چاہیے۔ ہر قسم کی

مشکل کے حل کے لئے اسی سے مدد مانگنی چاہیے اور صرف اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

(۱۴) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	اے ایمان لانے والو! تمہاری ازواج اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے بچ کے رہو، اور اگر معاف کردو اور صرف نظر کرلو اور بخش دو (تو اللہ تمہیں بخش دے گا) کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
(۱۵) اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ	تمہارے اموال واولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں اور عظیم جزا خدا ہی کے پاس ہے۔
(۱۶) فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	اس لئے جہاں تک ہو سکے تقویٰ اختیار کرو اور کان دھر کے سنو اور اطاعت کرو اور انفاق کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو لوگ اپنے بخل سے بچ جائیں وہی رستگار و کامیاب ہیں۔
(۱۷) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ۙ	اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لئے کئی گنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ قدر دان اور بردبار ہے۔
(۱۸) عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۠	وہ پنہاں و آشکار سے باخبر ہے اور وہ عزیز و حکیم ہے۔

شان نزول

ایک روایت میں امام باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے آیت کے بارے میں فرمایا:

''اس سے مراد یہ ہے جس وقت بعض مرد ہجرت کرنا چاہتے تو ان کا بیٹا اور بیوی ان کا دامن پکڑ لیتے اور کہتے تھے: ''اور تجھے اللہ کی قسم کہ ہجرت نہ کر۔ کیونکہ اگر تو چلا گیا تو ہم تیرے بعد بے سرپرست رہ جائیں گے۔'' پھر بعض

اس بات کو قبول کر لیتے اور وہ رہ جاتے تھے۔ لہٰذا اوپر والی آیت نازل ہوئی اور انہیں اس قسم کی گزارشات کو قبول کر لینے اور اس سلسلہ میں اولاد اور بیویوں کی اطاعت کرنے سے ڈرایا، لیکن کچھ ایسے افراد بھی تھے جو بالکل پروانہ کرتے اور چلے جاتے تھے لیکن وہ اپنے گھر والوں سے یہ کہتے تھے: ''اللہ کی قسم! اگر تم ہمارے ساتھ ہجرت نہیں کرو گے اور بعد میں (دارالہجرت) مدینہ میں ہمارے پاس آؤ گے تو ہم بالکل تمہاری پروانہیں کریں گے۔ چنانچہ انہیں حکم دیا گیا کہ جس وقت ان کے گھر والے ان سے آملیں تو گذشتہ امور کو فراموش کر دیں اور ''وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللّٰہ غفور رحیم'' کا جملہ اسی معنی کو بیان کر رہا ہے۔

تفسیر

تمہارے اموال واولاد تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں

چونکہ گزشتہ آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم بلا کسی قید وشرط کے آیا تھا اور اس راستہ کے اہم موانع میں سے ایک اموال وازواج واولاد کے ساتھ زیادہ لگاؤ ہے۔ لہٰذا زیر بحث آیات میں مسلمانوں کو اس سلسلہ میں خبردار کرتے ہوئے پہلے کہتا ہے: ''اے ایمان لانے والو! تمہاری ازواج اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے بچ کے رہو۔

یقیناً اس عداوت کی نشانیاں کم نہیں ہیں، جب تم یہ چاہتے ہو کہ ہجرت جیسے کسی مثبت کام کو انجام دو تو وہ تمہارا دامن پکڑ لیتے ہیں اور اس فیض عظیم میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ نیز بعض اوقات تمہاری موت کا انتظار کرتے رہتے ہیں تاکہ تمہاری دولت کے مالک بن جائیں اور اسی قسم کی دوسری باتیں بھی ہیں۔

البتہ یہ دشمنی کبھی دوستی کے لباس میں اور خدمت کے گمان میں ہوتی ہے۔ کبھی سچ مچ بری نیت اور عداوت ودشمنی کے ارادہ سے انجام پاتی ہے یا اپنے منافع کی غرض سے ہوتی ہے۔

چونکہ یہ ممکن ہے کہ یہ حکم آباؤاجداد۔ شوہروں اور ازواج کی طرف سے خشونت، انتقام جوئی اور افراط کا بہانہ بن جائے، لہٰذا اسی آیت کے ذیل میں بلا فاصلہ ان کے اعتدال میں رہنے کے لئے فرماتا ہے: ''اور اگر تم معاف کر دو۔ صرف نظر کر لو اور بخش دو تو اللہ بھی تمہیں اپنے عفو ورحمت کا مورد قرار دے گا۔ کیونکہ اللہ غفور ورحیم ہے''۔

اس بناء پر اگر وہ اپنے عمل سے پشیمان ہو جائیں اور عذر خواہی کریں یا ہجرت کے بعد تم سے آملیں تو انہیں اپنے آپ سے دور نہ کرو، اور عفو درگزر کو اختیار کرو جیسا کہ تم توقع رکھتے ہو کہ اللہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے۔

بعد والی آیت میں ایک اور اصل کلی کی طرف یعنی اموال اور اولاد کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''تمہارے اموال اور اولاد تمہاری آزمائش کا ایک ذریعہ ہیں''

اگر تم اس آزمائش کے میدان میں کامیاب ہو جاؤ تو ''اللہ کے ہاں (تمہارے لئے) عظیم اجر و پاداش ہے۔

گزشتہ آیت میں انسان کے لئے صرف ''بعض'' بیویوں اور اولاد کی عداوت کی گفتگو تھی، جو اپنے اللہ کی اطاعت کے راستے سے منحرف کر کے گناہ اور بعض اوقات کفر کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔لیکن یہاں تمام اولاد اور اموال کی بات ہو رہی ہے کہ وہ انسان کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہیں۔

یہ دونوں موضوع دوسری ہر چیز سے زیادہ امتحان کا ذریعہ ہیں۔اسی بناء پر امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔

''تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ خداوندا! میں تجھ سے امتحان و آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ ہر شخص کے پاس آزمائش کا ذریعہ ہوتا ہے (اور کم از کم اس کے پاس مال و اولاد ہوتے ہیں۔اور اصولی طور پر دنیا کی زندگی کا مزاج، آزمائش اور امتحان کی کھٹالی ہے) لیکن جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ سے پناہ لے تو وہ گمراہ کرنے والے امتحانوں سے پناہ لے کیونکہ اللہ کہتا ہے: ''جان لو کہ تمہارے اموال و اولاد آزمائش کا ایک ذریعہ ہیں''۔

بعد والی آیت میں نتیجہ کے عنوان سے فرماتا ہے: ''اب جبکہ ایسا ہے تو جتنا بھی تم سے ہو سکتا ہے تقویٰ الٰہی اختیار کرو، اس کے فرامین کو سنو اور اطاعت کرو اور اس کی راہ میں انفاق کرو۔یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

پہلے گناہوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیتا ہے (کیونکہ تقوی کی زیادہ تر نظر گناہ سے اجتناب کرنے کی طرف ہے) اس کے بعد اطاعت کرنے کا حکم اور سننے کا فرمان جو اطاعت کا مقدمہ ہے۔پھر اطاعتوں میں سے خصوصیت کے ساتھ، مسئلہ انفاق پر تکیہ کرتا ہے جو اللہ کی اہم ترین آزمائشوں میں سے ہے۔انجام کار کہتا ہے کہ ان سب باتوں کا فائدہ خود تمہیں کو ہے۔

اس آیت کے آخر میں مسئلہ انفاق پر تاکید کے عنوان سے فرماتا ہے: ''جو لوگ اپنے بخل اور حرص سے بچ جائیں وہی رستگار و کامیاب ہیں''

یہ دو صفات رذیلہ، انسان کی نجات کے سخت ترین مانع اور انفاق اور کار خیر کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام شام سے صبح تک خانہ اللہ کا طواف بجالاتے اور یہ فرماتے رہتے تھے:

''خداوندا! مجھے میرے حرص و بخل سے بچا''

آپ کے اصحاب میں سے ایک نے عرض کیا: ''میں آپ پر قربان جاؤں۔آج رات میں نے اس دعا کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا کوئی اور دعا بھی کیجئے۔آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''نفس کے بخل اور حرص سے بڑھ کر اور کون سی چیز زیادہ خطرناک ہے جبکہ اللہ فرماتا ہے''۔

اس کے بعد انفاق کرنے کی تشویق اور نفس کو بخل و شح سے روکنے کے لئے فرماتا ہے: ''اگر تم خدا کو قرض حسنہ دو گے تو وہ

اسے کئی گنا کردے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ قدر دان اور بردبار ہے''۔

کتنی عجیب تعبیر ہے کہ جسے قرآن مجید میں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے بارے میں بار ہا دہرایا گیا ہے۔ وہ اللہ جو ہمارے وجود کی اصل وفرع کا پیدا کرنے والا، تمام نعمتوں کا بخشنے والا اور تمام ملکیتوں کا مالک ہے وہ ہم سے قرض طلب کرتا ہے پھر اس کے مقابلے میں اجر مضاعف اور بخشش کا وعدہ دیتا اور ہمارا شکریہ بھی ادا کرتا ہے۔ اس سے بالاتر کسی لطف ومحبت کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔

آخر آیت میں فرماتا ہے: ''وہ پنہاں وآشکار سے آگاہ اور قادر وحکیم ہے۔ وہ بندوں کے اعمال اور خصوصاً ان کے پنہاں و آشکار انفاق سے باخبر ہے۔ اگر وہ ان سے قرض کا تقاضا کرتا ہے تو یہ احتیاج ونیاز اور عدم قدرت کی وجہ سے نہیں، بلکہ کمال لطف ومحبت کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ ان کے انفاق کے مقابلہ میں ان تمام اجروں اور ثوابوں کا وعدہ دیتا ہے تو یہ بھی اس کی حکمت کا مقتضی ہے۔

سورۂ طلاق

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا
اوراس کی بارہ آیات ہیں۔

سورہ طلاق کے مضامین

اہم ترین مسئلہ جواس سورہ میں پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ اس سورہ کے نام سے ظاہر ہے، وہ مسئلۂ طلاق، اس کے احکام و خصوصیات اوراس کے نتائج ہیں۔اس کے بعد مبداء ومعاد، پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی نبوت اور بشارت ونذارت کے مباحث بیان کئے گئے ہیں۔

اس طرح اس سورہ کے مضامین کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا حصہ: اس سورہ کی پہلی سات آیات ہیں، جو طلاق اوراس سے مربوط مسائل کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ان میں اس مسئلہ کی جزئیات کو مختصر اور پرمعنی عبارتوں میں دقیق اور لطیف انداز میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ انسان انہیں دیکھ کر خود کو اس موضوع میں پُورے طور پر مستغنی سمجھتا ہے۔

دوسرا حصہ: جو حقیقت میں پہلے حصہ کے اجراء کا سبب ہے، اللہ کی عظمت، اس کے رسول صلى الله عليه وآله وسلم کے مقامِ عظمت' صالحین کے اجرا وثواب اور بدکاروں کی سزا وعذاب کے بارے میں بحث کرتا ہے۔نیز اس اہم اجتماعی مسئلہ کے اجراء کی ضمانت کے طور پر ایک منظّم مجموعہ قواعد پیش کرتا ہے۔ضمناً یہ سورہ ایک دوسرا نام بھی رکھتا ہے اور وہ سورہ نساء قصریٰ (بروزن ومعنی صغریٰ) مشہور سورہ نساء کے مقابلہ میں ہے، جو'نساء کُبریٰ' ہے۔

سورۂ طلاق کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ طلاق کو پڑھے (اور اسے اپنی زندگی کے امور میں اپنائے اوراس پر کاربند رہے) وہ دنیا سے سنت پیغمبر پر جائے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے

(۱) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا	اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے زمانہ میں طلاق دو۔ اور عدت کا حساب رکھو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے۔ نہ تو تم انہیں ان کے گھروں سے باہر نکالو اور نہ وہ (عدت کے دوران) باہر جائیں۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ ظاہر بظاہر کوئی برا کام انجام دیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص حدود الٰہی سے تجاوز کرتا ہے تو وہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتا ہے۔ تو نہیں جانتا، شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور نئی وضع اور اصلاحی ذریعہ فراہم کردے۔

تفسیر

طلاق اور علیحدگی کی شرائط

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سورہ کی اہم ترین بحث وہی طلاق کے بارے میں ہے کہ جو اس کی پہلی آیت سے شروع ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے عظیم پیشوا اور رہبر کے عنوان سے روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی طرف کیا، اور اس کے بعد ایک عمومی حکم جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو انہیں عدت کے زمانہ میں طلاق دو''۔

یہ ان پانچ احکام میں سے پہلا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ صیغۂ طلاق ایسے زمانہ میں جاری کیا جائے جب عورت اپنی ماہانہ عادت سے پاک ہوگئی ہو اور اپنے شوہر سے اس کی نزدیکی نہ ہوئی ہو۔

اس کے بعد دوسرے حکم کو، جو عدت کا حساب رکھنے کا مسئلہ ہے، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "عدت کا حساب رکھو۔"

غور کے ساتھ ملاحظہ کیجئے کہ عورت تین مرتبہ اپنی پاکیزگی کے دن ختم کرے اور ماہانہ عادت دیکھے، جب تیسرا دور پاکیزگی ختم ہو اور تیسری ماہانہ عادت میں داخل ہو تو اس کے ایام عدت کی مدت آخر کو پہنچی اور ختم ہوئی۔

قابل توجہ بات یہ ہے: عدت کا حساب رکھنے کے مخاطب مرد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفقہ اور مسکن کا مسئلہ ان کے ذمہ ہے۔ اسی طرح 'حق رجوع' بھی انہیں کو حاصل ہے۔ ورنہ عورتیں بھی موظف ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کے واضح ہونے کے لئے پورے غور کے ساتھ عدت کا حساب رکھیں۔

اس حکم کے بعد تمام لوگوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''اس اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے

اورتقویٰ اختیار کرو''۔

وہ تمہارا پروردگار اور مُربی ہے اور اس کے احکام تمہاری سعادت کے ضامن ہیں۔اس بناء پر اس کے فرامین پر کار بند ہو جاؤ،اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔خصوصاً طلاق اور عدت کا حساب رکھنے میں دقت سے کام لو۔

اس کے بعد تیسرے اور چوتھے حکم کے بارے میں، جن میں سے ایک شوہروں اور دوسرا بیویوں سے مربوط ہے۔فرماتا ہے:''تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو،اور وہ بھی عدت کے دوران گھروں سے باہر نہ نکلیں''۔

اگرچہ بہت سے بے خبر اس حکم اسلامی کو طلاق کے وقت اصلاً جاری نہیں کرتے اور محض صیغۂ طلاق کے جاری ہوتے ہی مرد بھی خود کو آمادہ کرتا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکال دے اور عورت بھی اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیتی ہے کہ شوہر کے گھر سے نکل کر اپنے عزیزوں کے گھر واپس چلی جائے۔لیکن یہ اسلامی حکم بہت ہی اہم فلسفہ کا حامل ہے، کیونکہ یہ عورت کے احترام کے علاوہ عام طور پر شوہروں کی طلاق سے بازگشت اور رشتۂ زوجیت کے استحکام کے لئے بھی اسباب فراہم کرتا ہے۔

اس اہم اسلامی حکم کو نظر انداز کر دینے سے، جو قرآن کے متن میں آیا ہے، بہت سی طلاقیں دائمی جدائی کا سبب بن جاتی ہیں۔حالانکہ اگر اس حکم کا اجرا ہوتا تو یہ اکثر زوجین کی صُلح اور نئے سرے سے بازگشت پر منتہی ہوتا۔

لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ طلاق کے بعد عورتوں کو گھر میں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔لہٰذا پانچویں حکم کا استثناء کی صورت میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے:''سوائے اس صورت کے کہ وہ عورتیں واضح بُرے کام کو انجام دیں۔''

مثلاً وہ شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ اس قدر ناسازگاری، بدخلقی اور بدزبانی کرلے کہ اسے گھر میں رکھنا زیادہ مشکلات کا باعث بن جائے۔

ان احکامات کے بیان کرنے کے بعد پھر تاکید کے عنوان سے مزید کہتا ہے:''یہ خدائی حدُود ہیں اور جو شخص حدود الٰہی سے تجاوز کرے تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔''

کیونکہ یہ قوانین اور احکام الٰہی خود مکلفین کے مصالح کے ضامن ہے، اور ان سے تجاوز کرنے سے، چاہے وہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے، خود ان کی سعادت پر ضرب لگتی ہے۔

آیت کے آخر میں عدت کے فلسفہ اور عورت کے گھر اور اصلی اقامت گاہ سے باہر نہ نکلنے کی علت کی طرف ضمناً اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''تو نہیں جانتا کہ اللہ اس واقعہ کے بعد نئی وضع اور اصلاح کا ذریعہ فراہم کردے''۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غیظ وغضب کا وہ طوفان رک جائے گا جو عام طور پر طلاق و جدائی کے معاملہ میں ناگہانی فیصلوں کا موجب بن جاتا ہے۔چنانچہ عدت کی مُدّت میں عورت کا ہر وقت مرد کے ساتھ ہونا، نیز خصوصاً جہاں اولاد کا معاملہ بھی

درمیان میں ہوا ایسے میں ایک دوسرے سے محبت کا اظہار رجوع کرنے کا سبب بن جاتا ہے امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔

''مطلقہ عورت اپنی عدت کے دوران آرائش کرے، آنکھ میں سرمہ لگائے، اپنے بالوں کو رنگین کرلے، اپنے آپ کو معطر کرلے اور ہر وہ لباس جو اسے پسند ہو پہنے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے: شاید اللہ اس واقعہ کے بعد کوئی نئی کیفیت فراہم کر دے اور ممکن ہے کہ اس طریقہ سے عورت دوبارہ شوہر کے دل کو مسخر کرے اور مرد رجوع کرے''۔

طلاق حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے۔

اس بناء پر اصل مسئلہ طلاق ایک ضرورت ہے، لیکن ایک ایسی ضرورت جسے ایک ممکن حد تک کم ہونا چاہیے، اور جب تک زوجیت کو برقرار رکھنے کی راہ ہو کوئی اس پر عمل نہ کرے۔

اسی بناء پر اسلامی روایات میں شدت کے ساتھ طلاق کی مذمت کی گئی۔

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس سے زیادہ قابل نفرت نہیں ہے کہ اسلام میں کسی گھر کی بنیاد جدائی (یعنی طلاق) کے ساتھ ویران ہو''

''نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق عرش خدا کو لرزا دیتی ہے''

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے۔

''حلال امور میں سے کوئی چیز اللہ کی بارگاہ میں طلاق سے زیادہ مبغوض نہیں ہے''۔

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ طلاق، عورتوں، مردوں، خاندانوں اور خصوصاً اولاد کے لے بہت سی مشکلات پیدا کردیتی ہے۔

(۲) فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِکُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ کَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ؕ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ	جب ان کی عدت ختم ہو جائے تو پھر یا تو شائستہ طور پر انہیں روک دو یا شائستہ طریقہ سے ان سے جدا ہو جاؤ اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنالو، اور اللہ کے لئے شہادت کو قائم کرو۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو شخص تقویٰ الٰہی اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی نجات کی راہ فراہم کردیتا ہے۔

(۳) وَّ يَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَ مَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا	اور اسے ایسی جگہ سے روزی عطا فرماتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو اللہ اس کے امر کی کفایت کرتا ہے۔ اللہ اپنے امر کو انجام تک پہنچا کر رہتا ہے۔ لیکن اللہ نے ہر چیز کے لئے اندازہ مقرر کر دیا ہے۔

تفسیر

صلح یا علیحدگی

طلاق سے مربوط مباحث جو گزشتہ آیات میں آئے ان کو جاری رکھتے ہوئے پہلی زیر بحث آیت میں چند مزید احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلے فرماتا ہے۔ ''جب ان کی عدت کی مدت آخر کو پہنچ جائے تو انہیں شائستہ طور پر، رجوع کے طریق سے، روک لو یا شائستہ طور پر ان سے الگ ہو جاؤ۔''

''بلوغ اجل'' (مدت کے آخر کو پہنچنے) سے مراد یہ نہیں ہے کہ عدت کی مدت پورے طور پر ختم ہو جائے بلکہ مراد مدت کا آخری دنوں تک پہنچنا ہے۔ ورنہ عدت کے ختم ہو جانے پر رجوع کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ انہیں روک رکھنا عقد جدید کے صیغہ ذریعہ ہو، جس طرح مشترک زندگی کو صحیح اصول، انسانی طرز اور شائستہ اور مناسب طور پر ہونا چاہئے، اس کی طرح سے جدائی بھی ہر قسم کے نزاع اور جھگڑے، بدگوئی اور ناسزا کہنے، ظلم وستم اور حقوق ضائع کرنے سے خالی ہونی چاہیے۔ اہم بات یہ ہے یہ مرد اور عورت مستقبل میں دوبارہ مشترک زندگی کی سوچ لیں لیکن جدائی کے وقت بدسلوکیاں ان کے دلوں کی فضا کو اس طرح سے تیرہ و تاریک بنا دیتی ہیں کہ بازگشت کی راہ ان کے لئے بند کر دیتی ہیں اور بالفرض اگر وہ نئے سرے سے ازدواج کرنا بھی چاہیں تو مناسب فکری اور عاطفی ذریعہ موجود نہیں ہوتا۔ دوسری طرف آخر وہ مسلمان ہیں اور ایک ہی معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا مخاصمت اور ناشائستہ طریقے سے جدائی نہ صرف انہیں میں اثر انداز ہو گی، بلکہ دونوں کے خاندانوں میں بھی نقصان دہ اثرات چھوڑے گی۔ اور بعض حالات میں آئندہ کے لئے بھی ان کی ہمکاریوں کا سلسلہ کلی طور پر برباد کر دے گی۔

اس کے بعد دوسرے حکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے ''تم طلاق اور جدائی کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے شاہد و گواہ بنا لو''۔

تا کہ اگر آئندہ کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو طرفین میں سے کوئی انکار نہ کر سکے۔

تیسرے حکم میں گواہوں کی ذمہ داری کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''شہادت کو اللہ کے لئے قائم کرو''۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا دونوں میں سے ایک طرف قلبی میلان، حق کی شہادت سے مانع ہو جائے۔

آیت کے آخر میں تاکید کے عنوان سے تمام گزشتہ احکام کے متعلق مزید کہتا ہے: ''صرف وہ لوگ جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اس وعظ و نصیحت سے سبق حاصل کرتے ہیں''۔

چونکہ بعض اوقات آئندہ کی معیشت اور زندگی سے مربوط مسائل یا دوسری گھریلو مجبوریاں، اس بات کا سبب بن جاتی ہیں کہ میاں بیوی طلاق کے وقت یا رجوع کے وقت یا دونوں گواہ شہادت دینے کے وقت حق و عدالت کی راہ سے منحرف ہو جائیں۔ لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''جو شخص اللہ سے ڈرے اور گناہ کو ترک کر دے تو اللہ اس کے لئے نجات کی راہ قرار دے دیتا ہے اور اس کی زندگی کی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔''

''اور اس کو ایسی جگہ سے جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا روزی دے گا''۔

''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اور اپنا امر اس کے سپرد کر دے تو اللہ اس کی کفایت کرتا ہے''۔

''کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کا فرمان ہر چیز میں نافذ ہے۔ اور جس کام کا وہ ارادہ کرے اسے انجام دے دیتا ہے۔''

''لیکن اللہ نے ہر کام اور ہر چیز کے لئے ایک اندازہ اور حساب قرار دیا ہے۔''

اس طرح سے وہ مردوں، عورتوں اور گواہوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ حق کی مشکلات سے نہ گھبرائیں اور عدالت کو جاری کریں۔ پھر اپنے مشکل کاموں کی کشائش اللہ سے چاہیں کہ اللہ نے یہ ضمانت لی ہے کہ وہ پرہیزگاروں کی مشکل کو حل کرے گا۔

یہ آیات اللہ کی طرف سے تمام پرہیزگاروں اور توکل کرنے والوں کے لئے ایک امید بخش وعدہ ہے کہ انجام کار لطف الٰہی انہیں اپنی پناہ میں لے لے گا، انہیں مشکلات کے پیچ و خم سے گزار دے گا، سعادت کے تابناک افق کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، معیشت کی سختیوں کو برطرف کر دے گا اور مشکلات کے تیرہ و تاریک بادلوں کو ان کی زندگی کے آسمان سے ہٹا دے گا۔

ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''اللہ پرہیزگاروں کو دنیا کے شبہات، موت کی سختی اور روز قیامت کے شدائد سے رہائی بخشے گا۔''

(۴) وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا	تمہاری عورتوں میں سے جو ماہانہ عادت سے ناامید ہیں، اگر تمہیں ان کی وضع میں (حاملہ ہونے کے لحاظ سے) شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح وہ عورتیں جنہوں نے ابھی ماہانہ عادت نہیں دیکھی ہے۔اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں۔اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ اس پر کام آسان کردے گا۔
(۵) ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَیْکُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا	یہ اللہ کا فرمان ہے جو اس نے تم پر نازل کیا ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا اور اس کے اجر و ثواب کو بڑھا دے گا۔
(٦) اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰی ؕ	جہاں تم سکونت رکھتے ہو اور جو تمہارے اختیار میں ہے، وہاں ان (مطلقہ عورتوں) کو سکونت دو، اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ کہ معاملے کو ان پر تنگ نہ کردو (اور وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں) اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو یہاں تک کہ وہ وضع حمل کریں اور اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو تم اس کی اجرت دو اور بچوں کے بارے میں معاملے کو شائستہ مشورے کے ذریعے انجام دو، اور اگر تم میں باہم موافقت نہ ہو تو بچے کو دودھ پلانے کا کام دوسری عورت اپنے ذمہ لے گی۔

(۷) لِيُنفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۠	جن لوگوں کے پاس وسیع ذرائع ووسائل ہیں وہ تو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کریں۔ لیکن جو تنگ دست ہیں تو جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کریں اللہ کسی شخص کو اس توانائی سے زیادہ جو اس نے اسے دی ہے، تکلیف نہیں دیتا۔ اللہ عنقریب سختی کے بعد آسانی قرار دے گا۔

تفسیر

مطلقہ عورتوں کے احکام اور ان کے حقوق

منجملہ ان احکام کے جو گزشتہ آیات سے معلوم ہوئے ہیں، طلاق کے بعد عدت پوری کرنے کا ضروری ہونا ہے۔ چونکہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں عدت کے مسئلہ میں ان عورتوں کا حکم واضح ہو گیا ہے جو ماہانہ عادت دیکھتی ہیں کہ انہیں تین بار پاکیزہ ہو کر ماہانہ عادت دیکھنی چاہیے۔ جب وہ تیسری مرتبہ ماہانہ عادت میں وارد ہوں۔ تو ان کی عدت ختم ہو جائے گی، لیکن انہیں میں سے کچھ ایسی عورتیں بھی ہیں جو کئی اسباب کی بناء پر ماہانہ عادت نہیں دیکھتیں یا وہ حاملہ ہوتی ہیں، تو اوپر والی آیات ان عورتوں کے حکم کو واضح کرتے ہوئے عدت کی بحث کی تکمیل کر رہی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: ''تمہاری عورتوں میں سے جو ماہانہ عادت سے ناامید ہوگئی ہیں اگر ان کی وضع و کیفیت میں (حاملہ ہونے کے لحاظ سے) شک کرو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔''

اور اسی طرح سے وہ عورتیں بھی جنہوں نے ماہانہ عادت دیکھی ہی نہیں وہ بھی تین ماہ عدت رکھیں''۔

اس کے بعد تیسرے گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں''۔

اس طرح سے اوپر والی آیت میں عورتوں کے دوسرے تین گروہوں کے لئے حکم مشخص ہو گیا ہے۔ یعنی دو گروہوں کو تو تین ماہ تک عدت رکھنی چاہیے اور تیسرے گروہ، یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے چاہے وہ طلاق کے ایک لمحہ بعد یا آٹھ ماہ بعد وضع حمل کریں۔

'' ان ارتبتم'' (اگر تمہیں شک اور تردّد ہو) سے مراد وجود ''حمل'' میں احتمال اور شک ہے، اس معنی میں کہ اگر سن یاس (عام عورتوں میں پچاس سال کے سن اور قرشی عورتوں میں ساٹھ سال کے سن) کے بعد عورت وجود حمل کا احتمال ہو تو اسے عدت گزارنی چاہیے۔ اگرچہ اس بات کا کم اتفاق ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات ایسا ہوا ہے۔

پھر آیت کے آخر میں نئے سرے سے مسئلہ تقوای پر تکیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور جو شخص تقویٰ الٰہی اختیار کر لے گا، اللہ معاملے کو اس پر آسان کر دے گا۔''

وہ اس کی مشکلات کو اس جہاں میں اور دوسرے جہاں میں بھی چاہے وہ علیحدگی، مسئلہ طلاق اور اس کے احکام سے مربوط ہوں اور چاہے دوسرے مسائل سے تعلق رکھتی ہوں اپنے لطف وکرم سے حل کردے گا۔

نیز بعد والی آیہ میں تاکید کے لئے ان احکام کے بارے میں جو طلاق اور عدت کے سلسلے میں گزشتہ آیات میں آئے ہیں، مزید کہتا ہے: ''یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تم پر نازل کیا ہے''۔

''اور جو شخص الٰہی تقویٰ کو اختیار کرلے گا اور اس کے فرمان کی مخالفت سے پرہیز کرے گا اللہ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور اس کے اجر وثواب کو بہت بڑھا دے گا''۔

بعد والی آیت طلاق کے بعد عورت کے حقوق کے بارے میں 'مسکن' اور 'نفقہ' کے لحاظ سے اور دوسرے جہات سے بھی وضاحت کرتی ہے۔

پہلے مطلقہ عورتوں کے مسکن کی کیفیت کے بارے میں فرماتا ہے: ''جہاں تم سکونت رکھتے ہو اور تمہارے وسائل تقاضا کرتے ہیں انہیں بھی وہیں سکونت دو''۔

اس کے بعد ایک دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: ''انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤ کہ معاملے کو ان پر ایسا تنگ کردو کہ وہ تمہارے مکان کو چھوڑنے اور نفقہ کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں''

کہیں ایسا نہ ہو کہ کینہ پروری، عداوت اور نفرت تمہیں حق اور عدالت کے راستہ سے منحرف کردے، تم انہیں ان کے مسلمہ حقوق مسکن ونفقہ سے محروم کردو اور ان پر اتنا دباؤ پڑے کہ وہ ہر چیز کو چھوڑ کر نکل کھڑی ہوں۔

تیسرے حکم میں حاملہ کے بارے میں کہتا ہے: ''اور اگر وہ حاملہ ہوں تو جب تک وہ وضع حمل نہ کرلیں ان کے اخراجات دیتے رہو'' کیونکہ جب تک انہوں نے وضع حمل نہیں کیا وہ حالت عدت میں ہیں اور ان کا نفقہ اور مسکن شوہر پر واجب ہے۔

چوتھے حکم میں دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارے میں فرماتا ہے: ''اگر وہ علیحدگی کے سبب بچوں کو دودھ پلانے پر رضامند ہو جائیں تو ان کی اجرت انہیں دے دو''

اتنی اجرت جو عرف وعادت کے لحاظ سے دودھ پلانے کی مقدار اور وقت کے ساتھ مناسب رکھتی ہو۔ چونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد شوہر اور بیوی میں نوزاد بچے کے سلسلے میں مصالحت کرنے پر اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں، لہٰذا پانچواں حکم میں اس سلسلے میں ایک قاطع حکم صادر فرماتے ہوئے کہتا ہے: ''اولاد کی سرنوشت کے سلسلے میں ایک دوسرے کے مشورے سے شائستہ فیصلہ کرو''

کہیں ایسا نہ ہو کہ شوہر اور بیوی کے اختلاف بچوں کے منافع پر ایسی ضرب لگائیں کہ جس سے وہ جسمانی وظاہری لحاظ سے خسارے میں گرفتار ہو جائیں یا عاطفی لحاظ سے ضروری محبت اور شفقت سے محروم رہ جائیں۔ والدین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کو نظر میں رکھیں اور دفاع نہ کرسکنے والے نومولود کو اپنے اختلاف اور اغراض پر قربان نہ کردیں۔

چونکہ بعض اوقات طلاق کے بعد بچے کے مصالح اور اسے دودھ پلانے کے سلسلے میں بیوی اور شوہر میں ضروری لازمی

موافقت پیدا نہیں ہوتی، لہٰذا چھٹے حکم میں فرماتا ہے: ''اور اگر تم ایک دوسرے کے لئے سخت ہو جاؤ اور موافقت نہ کرو، تو پھر کوئی دوسری عورت بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری لے سکتی ہے۔ تاکہ کشمکش جاری نہ رہے''

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اختلافات طول پکڑ جائیں تو اپنے آپ کو معطل نہ رکھو اور بچے کو کسی دوسری عورت کے سپرد کر دو۔

بعد والی آیت اس سلسلے میں ساتوں اور آخری حکم کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: ''وہ لوگ جو وسیع وسائل رکھتے ہیں وہ اپنے وسائل اور امکانات کے مطابق خرچ کریں، لیکن جو تنگ دست ہیں تو جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے خرچ کریں۔ خدا کسی شخص کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا کہ جو اس کو عطا کیا ہوا ہے۔

یہ حکم، یعنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا ان عورتوں سے مربوط ہے جو طلاق کے بعد بچوں کو دودھ پلانے کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہیں اور عدت کے دنوں کے ساتھ بھی مربوط ہے کہ جس کی طرف گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر اشارہ ہوا یا یہ دونوں کے ساتھ مربوط ہے؟

بہر حال جن لوگوں میں کافی طاقت اور توانائی ہے انہیں تنگ دلی اور سخت گیری نہیں کرنی چاہیے جن میں کچھ زیادہ مالی طاقت نہیں ہے وہ اپنی توانائی سے زیادہ پر مامور نہیں اور عورتیں ان پر اعتراض نہیں کر سکتیں۔

معشیت کی تنگ دستی لوگوں کے حق وعدالت کے راستہ سے خارج ہونے کا سبب نہ بنے اور کوئی بھی شخص شکایت کے لئے زبان نہ کھولے۔ اس بناء پر آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''اللہ عنقریب سختی کے بعد راحت اور آسانی قرار دے گا۔''

یعنی غم نہ کھاؤ، بیتابی نہ کرو، دنیا ایک حالت پر باقی نہیں رہتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ منقطع ہو جانے والی اور جلدی سے گزر جانے والی مشکلات تمہارے صبر و شکیبائی کے رشتہ کو توڑ کر پارہ پارہ نہ کر دیں۔

(۸) وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہَا وَ رُسُلِہٖ فَحَاسَبۡنٰہَا حِسَابًا شَدِیۡدًا وَّ عَذَّبۡنٰہَا عَذَابًا نُّکۡرًا	کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی ہیں جن کے رہنے والوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کے فرمان سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان کا حساب شدت کے ساتھ چکایا اور انہیں بہت ہی برے عذاب میں گرفتار کر دیا۔
(۹) فَذَاقَتۡ وَ بَالَ اَمۡرِہَا وَ کَانَ عَاقِبَۃُ اَمۡرِہَا خُسۡرًا	انہوں نے اپنے کردار و عمل کا وبال (وعذاب) چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ اور نقصان تھا۔

(۱۰) اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا	اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب فراہم کیا، پس اے صاحبانِ ایمان وعقل! تم اللہ کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو، (کیونکہ) اللہ نے تم پر وہ چیز نازل کی ہے جو تمہارے لئے ایک نصیحت ہے۔
(۱۱) رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا	تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو اللہ کی واضح آیات کی تم پر تلاوت کرتا ہے، تاکہ ان لوگوں کی، جو ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیتے ہیں، تاریکیوں سے نور کی طرف ہدایت کرے۔ پس جو شخص اللہ پر ایمان لاتا، اور عمل صالح انجام دیتا ہے، اللہ اسے جنت کے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ نے ان کے لئے اچھی روزی قرار دی ہے۔

سرکشوں کا دردناک انجام

قرآن کا شیوہ ہے کہ اکثر مواقع پر عملی احکام کے ایک سلسلے کو بیان کرنے کے بعد گذشتہ امتوں کے حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے، تاکہ مسلمان ان کی سرگذشت میں اطاعت وعصیاں کا نتیجہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور یہ مسئلہ بطور خود ایک حسی صورت اختیار کر لے۔ اسی لئے اس سورہ میں بھی طلاق وعلیحدگی کے موقع پر مردوں اور عورتوں کے وظائف اور

ذمہ داریاں بیان کرنے کے بعد اسی مطلب کو پیش کر کے گنہگاروں اور سرکشی کرنے والوں کو خبردار کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''کتنے ہی شہر اور آبادیاں ایسی تھیں جن کے رہنے والوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کے فرمان سے فرار کی راہ اختیار کی تو ہم نے بھی ان کا حساب شدت کے ساتھ چکایا اور انہیں بہت ہی برے عذاب میں گرفتار کر دیا''۔

لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''انہوں نے اپنے کفر وگناہ کا عذاب چکھا اور ان کا انجام کار خسارہ اور نقصان تھا۔''

اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہوگا کہ وہ خداداد سرمایہ کو ہاتھ سے گنوا بیٹھے اور اس دنیا کے بازار تجارت سے نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی مال ومتاع نہیں خریدا بلکہ انجام کار عذاب الٰہی سے نابود ہو گئے۔

اس کے بعد ان کے اخروی عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ نے ان کے لئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

ایک دردناک، شدید، وحشت انگیز، ذلیل کرنے والا اور رسوا کرنے والا عذاب اور ان کے لئے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی

جگہ ابھی سے فراہم ہے۔

جب یہ بات ہے تو "اے صاحبان عقل وخرد اور اے ایمان لانے والو! اللہ کے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو"۔

ایک طرف سے غور وفکر اور دوسری طرف سے ایمان اور آیات الٰہی تمہیں خبردار کرتی ہیں کہ تم سرکش اور روگردانی کرنے والی قوموں کی سرنوشت کو دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کی صف میں جا کھڑے ہو۔

اس کے بعد غور وفکر کرنے والے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "اللہ نے تم پر ایسی چیز نازل کی ہے جو تمہارے لئے باعث نصیحت ہے:"

"اور ایک رسول تمہاری طرف بھیجا ہے، جو اللہ کی واضح آیات کی تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے تا کہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح بجالانے والوں کی تاریکیوں سے نور کی طرف ہدایت کرے:"

بہرحال اس رسول کے بھیجنے اور اس کتاب آسمانی کے نازل کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ انہیں آیات الٰہی کی تلاوت کے ذریعے کفر وجہالت، معصیت اور اخلاقی فساد کی تاریکیوں سے باہر نکالتے ہوئے ایمان، توحید اور تقویٰ کے نور کی رہنمائی کرے۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کے اجر وثواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو ایمان وعمل صالح رکھتے ہیں مزید کہتا ہے: "جو شخص اللہ پر ایمان لائے، عمل صالح بجالائے اور اسی راستے پر چلتا رہے، تو اللہ اسے جنت کے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ وہیں پر رہے گا، اور اللہ نے اس کے لئے اچھی روزی قرار دی ہے:"

"رزقاً کی تعبیر" ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو آخرت میں ہر قسم کی خدائی نعمت، یہاں تک کہ دنیاوی موہبت کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے، کیونکہ ایمان وتقویٰ کا نتیجہ صرف آخرت کے ساتھ مربوط نہیں بلکہ مومن و پرہیزگار لوگ اس دنیا میں بھی پاکیزہ تر، آرام دہ اور زیادہ لذت بخش زندگی رکھتے ہیں۔

(۱۲) اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ۪	اللہ نے ہی ساتوں آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اتنی ہی زمینیں (پیدا کی ہیں) اس کا حکم ہمیشہ ان کے درمیان نازل ہوتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کا علم ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے۔

تفسیر

خلقت عالم کا مقصد معرفت ہے

سورۃ طلاق کی یہ آخری آیت آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں اللہ کی قدرت کی عظمت اور اس خلقت کے مقصد اصلی کی

طرف ایک پر معنی اور واضح اشارہ ہے۔ نیز یہ ان مباحث کی تکمیل کر رہا ہے جن میں پرہیزگار مومنین کے لئے ثواب عظیم کے وعدے کے سلسلے میں اور اسی طرح ان وعدوں کے سلسلے میں جوان کی مشکلات کی گرہ کھولنے کے بارے میں کیے تھے۔ یہ بات واضح ہے کہ وہ اللہ جو اس عظیم خلقت پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ اس جہان میں بھی اور دوسرے جہان میں بھی ان وعدوں کو پورا کرنے کی طاقت اور قوت رکھتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''اللہ وہی ہے جس نے ساتوں آسمان پیدا کئے''۔

''اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں''۔

یعنی جس طرح آسمان سات ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں۔

یہ قرآن مجید کی واحد آیت ہے جو سات زمینوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

سورۂ صافات کی آیت ۶ ''ہم نے نزدیکی آسمان (پہلے آسمان) کو کواکب اور ستاروں سے زینت بخشی ہے''۔ کی طرف توجہ کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اور انسانی علم و دانش جس پر احاطہ رکھتی ہے وہ سب کچھ پہلے آسمان سے مربوط ہے۔ لیکن ان ثوابت و اشارات کے علاوہ اور بھی چھ عالم موجود ہیں جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہیں۔

سات زمینوں کے بارے میں تو ممکن ہے کہ یہ کرّہ زمین کے مختلف طبقات کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اس وقت یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ زمین طرح طرح کے پردوں اور تہوں سے بنی ہے۔ یا یہ زمین سات برّ اعظموں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ آج کے زمانے میں اور گزشتہ زمانے میں بھی کرّہ زمین کو سات منطقوں میں تقسیم کرتے تھے۔

اس کے بعد اللہ کے حکم و فرمان کے ذریعے اس عظیم عالم کی تدبیر کے مسئلہ کی طرف شارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اس کا حکم و فرمان ہمیشہ ان کے درمیان نازل ہوتا رہتا ہے''۔

آخر میں اس عظیم خلقت کے ہدف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ سب کچھ اس بناء پر ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم و آگہی ہر چیز پر محیط ہے۔''

انسان کو یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ اس کے وجود کے تمام اسرار پر احاطہ رکھتا ہے اور اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ نیز اسے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ معاد و قیامت، جزا و سزا اور مومنین کی کامیابی کے بارے میں اللہ کے وعدوں میں کسی تخلّف کا شائبہ تک نہیں ہے۔

سورۂ تحریم

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اور اس کی ۱۲ آیات ہیں۔

سورۂ تحریم کے مضامین

اس سورہ کے بنیادی طور پر چار حصے ہیں:

پہلا حصہ: یہ پہلی آیت سے پانچویں آیت تک ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی بعض بیویوں کے ایک واقعہ سے مربوط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال غذاؤں میں سے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تو مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان بیویوں کو ملامت ہوئی کہ جس کی تفصیل انشاء اللہ شان نزول میں بیان ہوگی۔

دوسرا حصہ: یہ آیت ۶ سے شروع ہو کر آیت ۸ تک جاتا ہے، اور تمام مومنین سے ایک کلی خطاب ہے۔ یہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں نگران رہنے اور گناہوں سے توبہ کے ضروری ہونے کے بارے میں ہے۔

تیسرا حصہ: یہ صرف ایک ہی آیت ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار و منافقین سے جنگ اور جہاد کرنے کے بارے میں خطاب ہوا ہے۔

چوتھا حصہ: یہ سورہ کا آخری حصہ ہے جو آیت ۱۰ سے آیت ۱۲ تک ہے۔ اس میں اللہ نے گزشتہ بحث کو واضح کرنے کے لئے دو صالح اور نیک خواتین (مریم علیہا السلام اور آسیہ زوجۂ فرعون) اور دو غیر صالح خواتین (زوجۂ نوح علیہ السلام اور زوجۂ لوط علیہ السلام) کے حالات کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ اس میں درحقیقت تمام مسلمانوں کی بیویوں اور خصوصیت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ خود کو پہلے گروہ (مریم علیہا السلام و آسیہ زوجۂ فرعون) سے ہم آہنگ کریں، دوسرے گروہ کے ساتھ نہیں۔

سورہ تحریم کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ طلاق و تحریم کو واجب نماز میں پڑھے گا، اللہ اسے قیامت میں خوف و ہراس سے پناہ دے گا، جہنم کی آگ سے رہائی بخشے گا، اور اسے اس سورہ کی تلاوت اور اس پر مداومت کی بناء پر جنت میں داخل کرے گا، کیونکہ یہ دونوں سورتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے
(۱) یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ	اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے اسے اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لئے اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو اور اللہ غفور ورحیم ہے۔
(۲) قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ ۚ وَ اللّٰہُ مَوۡلٰکُمۡ ۚ وَ ھُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ	اللہ نے (ایسے موقعوں کے لئے) تمہاری قسموں کے کھولنے کی راہ کو واضح کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔
(۳) وَ اِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِہٖ حَدِیۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِہٖ وَ اَظۡھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیۡہِ عَرَّفَ بَعۡضَہٗ وَ اَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ھٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ	اس وقت کو یاد کرو کہ جب پیغمبر نے اپنا ایک راز اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا، لیکن جب اس نے اس راز کو افشاء کر دیا تو اللہ نے پیغمبر کو اس سے آگاہ کر دیا اور پیغمبر نے اس کا ایک حصہ تو اس (بیوی) سے بیان کیا اور ایک حصہ بیان نہ کیا۔ جب پیغمبر نے اپنی بیوی کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا کہ آپ کو اس بات سے کس نے آگاہ کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ علیم وخبیر اللہ نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے۔
(۴) اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا ۚ وَ اِنۡ تَظٰھَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوۡلٰہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَھِیۡرٌ	اگر تم دونوں اپنے فعل سے توبہ کر لو (تو اس میں تمہارا نفع ہے) کیونکہ تمہارے دل حق سے پھر گئے ہیں، اور اگر تم دونوں نے اس (پیغمبر) کے برخلاف اتفاق کر لیا تو (بھی تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گی) کیونکہ اللہ اس کا مددگار ہے۔ اور اسی طرح جبرئیل اور صالح مومنین اور ان کے علاوہ تمام فرشتے اس کے پشتیبان ہیں۔

(۵)عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا	اگر وہ (پیغمبر) تمہیں طلاق دے دے تو قریب ہے کہ اس کا پروردگار تمہاری جگہ اس کے لئے تم سے اچھی بیویاں قرار دے جو مسلمان، مومن، متواضع، توبہ کرنے والیاں، عبادت گذار اور ہجرت کرنے والیاں اور بیوہ اور باکرہ ہوں گی۔

شان نزول

پیغمبرﷺ بعض اوقات (اپنی ایک بیوی) زینب بنت جحش کے پاس جاتے تو زینب آپ کو بٹھا لیتیں اور جو شہد ان کے پاس موجود ہوتا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتیں یہ بات 'بی بی عائشہ' کے کانوں تک پہنچی تو ان پر بہت گراں گزری، وہ کہتی ہیں: میں نے حفصہ (پیغمبر کی دوسری بیوی) کے ساتھ یہ طے کیا کہ جب بھی پیغمبرﷺ ہمارے قریب آئیں تو ہم فوراً یہ کہیں کیا آپ نے ''مغافیر'' کھائی۔ (مغافیر ایک گوند تھی جو حجاز کے ایک درخت 'عرط' (بروزن ہرمز) سے نکلتی تھی اور اس کی بو خوشگوار نہیں تھی) پیغمبرﷺ اس بات کے پابند تھے کہ آپ کے دہن مبارک یا لباس سے ہرگز کوئی نامناسب بو نہ آئے بلکہ اس کے برعکس آپ پابندی کیساتھ خوشبو لگاتے اور معطر رہتے تھے۔

اسی طرح ایک دن پیغمبرﷺ حفصہ کے پاس آئے تو اس نے پیغمبرﷺ سے یہی بات کہی۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا۔ ''میں نے مغافیر نہیں کھائی بلکہ زینب بنت جحش کے ہاں سے شہد نوش کیا ہے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس کے بعد وہ شہد نہیں پیوں گا۔ (ممکن ہے کہ شہد کی مکھّی نامناسب نباتات یا شاید مغافیر پر ہی بیٹھی ہو) لیکن تم یہ بات ان سے نہ کہنا۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات لوگوں کے کانوں تک پہنچے تو وہ کہیں کہ پیغمبرﷺ نے ایک حلال غذا کو اپنے اوپر حرام کیوں کر لیا ہے؟ یا وہ اس سلسلے میں یا اس سے مشابہ امور کے بارے میں پیغمبرﷺ کے اس عمل کی پیروی کرنے لگیں، یا یہ بات زینب کے کان تک پہنچ جائے تو وہ شکستہ دل ہو)

لیکن انجام کار یہ راز اس نے فاش کر دیا اور بعد میں معلوم ہوگیا کہ اصل میں یہ معاملہ تو ایک سازش تھی۔ اس پر پیغمبرﷺ کو بہت رنج ہوا تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور اس ماجرے کو اس طرح سے ختم کیا گیا کہ پھر پیغمبرﷺ کے گھر میں اس قسم کے امور کا تکرار ہوا۔

تفسیر

پیغمبرﷺ کی بعض ازواج کی شدید سرزنش

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اسلامﷺ جیسے عظیم انسان صرف اپنی ذات سے ہی تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا تعلق پورے اسلامی معاشرے اور عالم انسانیت سے تھا۔ اس بناء پر اگر ان کے گھر کے اندر ان کے خلاف سازشیں ہوں، چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی اور

معمولی کیوں نہ ہوں، تو اُن کے قریب سے آسانی کے ساتھ نہیں گزر جانا چاہیے ۔یعنی پیغمبرؐ کی حیثیت ومقام کی حفاظت کے لئے ایک قطعی اور دوٹوک فیصلہ ہے۔

سب سے پہلے خود پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے اسے اپنی بیویوں کو خوش رکھنے کے لئے اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔''

معلوم ہے کہ یہ شرعی تحریم نہیں تھی بلکہ جیسا کہ بعد والی آیات سے معلوم ہوتا ہے، پیغمبرؐ کی طرف سے قسم کھائی گئی تھی اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض مباح چیزوں کو ترک کرنے کی قسم کھانا کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس بناء پر '' **لم تحرم**'' (اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو) کا جملہ عتاب اور سرزنش کے عنوان سے نہیں بلکہ ایک قسم کی ہمدردی اور شفقت کا اظہار ہے۔

بالآخر آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''اللہ غفور رحیم ہے''۔

یہ عفو ورحمت کی بات ان بیویوں کے بارے میں ہے جنہوں نے اس واقعہ کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اگر واقعی وہ توبہ کرلیں تو وہ اس کی مشمول ہوں گی۔

بعد والی آیت میں اضافہ کرتا ہے: ''اللہ نے (ایسے موقعوں کے لئے) تمہاری قسموں کے کھولنے کی راہ کو واضح کردیا ہے۔'' لیکن بہتر ہے کہ کفارہ بھی دیا جائے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اللہ تمہارا مولا اور تمہارا محافظ ومددگار ہے اور وہ علیم وحکیم ہے:''

اسی لئے اس نے اس قسم کی قسموں سے نجات کی راہ تمہارے لئے ہموار کردی ہے اور اپنے علم وحکمت کے مطابق تمہارے لئے مشکل کشائی کی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد ایک غلام آزاد کیا، اور جو کچھ اپنے اوپر قسم کی وجہ سے حرام کیا ہوا تھا، اسے حلال کرلیا۔

بعد والی آیت میں اس واقعہ کے سلسلے میں مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اس وقت کو یاد کرو جب پیغمبر نے اپنا ایک راز اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا، لیکن اس نے راز داری نہ کی اور دوسری کو خبر دے دی، اللہ نے پیغمبر کو اس افشائے راز سے آگاہ کیا تو پیغمبر نے اس کا ایک حصہ تو اس سے بیان کیا اور ایک حصہ بیان نہ کیا''۔

یہ راز کیا تھا جو پیغمبرؐ نے اپنی بیویوں میں سے بعض کو بتلایا تھا اور اس نے راز داری نہ کی۔ مذکورہ شان نزول کے مطابق یہ راز مطالب پر مشتمل تھا، ایک اپنی بیوی زینب بنت جحش کے پاس شہد کا پینا اور دوسرا آئندہ کے لئے اس کے پینے کو اپنے اوپر

حرام کرلینا۔اس آیت میں اس بیوی سے مراد بی بی حفصہ تھی جو راز داری نہ کرسکی اور اس نے یہ بات سن کر بی بی عائشہ سے بیان کردی۔

بہرحال جب پیغمبرﷺ نے بی بی حفصہ کو اس افشائے راز کی خبر دی تو اس نے کہا: ''آپ کو اس بات سے کس نے آگاہ کیا؟''

آپ نے فرمایا ''علیم وخبیر اللہ نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا ہے۔''

اس تمام آیت سے مجموعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرﷺ کی بیویوں میں سے بعض' نہ صرف انہیں اپنی باتوں سے دکھ پہنچاتی تھیں' بلکہ راز داری کا مسئلہ جو ایک باوفا بیوی کی اہم ترین خوبیوں میں ہے، وہ بھی ان میں نہیں تھا۔

اس کے بعد ان دو بیویوں کی طرف' جو اوپر والی سازش میں شریک تھیں' روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اگر تم اپنے فعل سے توبہ کرلو اور پیغمبر کو دکھ دینے اور آزار پہنچانے سے دستبردار ہو جاؤ تو یہ بات تمہارے فائدہ میں ہے، کیونکہ تمہارے دل اس عمل کی بناء پر حق سے منحرف اور گناہ سے آلودہ ہو چکے ہیں۔''

ان دو بیویوں سے مراد بالاتفاق مفسرین شیعہ و اہل سنت بی بی حفصہ اور بی بی عائشہ ہیں جو بالترتیب عمر بن خطاب اور ابوبکر بن قحافہ کی بیٹیاں تھیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اگر تم دونوں نے اس (پیغمبرﷺ) کے برخلاف اتفاق کرلیا تو بھی کچھ نہ کرسکو گی۔ کیونکہ خدا اس کا مولا و مددگار ہے، اسی طرح جبرئیل، صالح مومنین اور ان کے علاوہ تمام فرشتے اس کے پشتیبان ہیں۔

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس ماجرے نے پیغمبرﷺ کے پاک دل اور عظیم روح میں کس حد تک منفی اثر چھوڑا تھا، یہاں تک کہ خود اللہ کو ان کا دفاع کرنا پڑا۔ نیز باوجود اس کے کہ اس کی قدرت ہر لحاظ سے کافی ہے۔ جبرئیل، صالح المومنین اور دوسرے فرشتوں کی حمایت کا بھی اعلان کررہا ہے۔

آخری زیر بحث آیت میں اللہ تمام ازواج پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے تہدید آمیز لب و لہجہ میں فرماتا ہے: ''اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو امید ہے کہ پروردگار تمہاری جگہ اس کے لئے تم سے اچھی بیویاں قرار دے۔ ایسی بیویاں جو مسلمان، مومن، متواضع، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، اللہ کی اطاعت شعار، غیر باکرہ اور باکرہ عورتیں ہوں گی۔''

صالح مومنین سے کون مراد ہے؟

''صالح المومنین'' ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو تمام صالح باتقویٰ اور کامل الایمان مومنین کو شامل ہے۔

لیکن اس بارے میں کہ یہاں اس کا اتم دائمی مصداق کون ہے؟ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔

اس طرح انہیں خبردار کرتا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ پیغمبر تمہیں ہرگز طلاق نہیں دے گا، اور یہ بھی تصور نہ کرنا کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو تمہاری جگہ آنے والی بیویاں تم سے بہتر نہیں ہوں گی۔

(٦) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ	اے ایمان لانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس (جہنم کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بہت ہی سخت گیر اور تند و تیز ہیں۔ وہ کبھی بھی اللہ کی مخالفت نہیں کرتے اور اس کے احکام و فرامین پوری پوری تعمیل کرتے۔
(٧) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۧ	اے کافرو! آج عذر خواہی نہ کرو، کیونکہ تمہیں تو صرف تمہارے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔
(٨) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	اے ایمان لانے والو! توبہ کرو۔ اللہ کے حضور خالص توبہ، امید ہے کہ تمہارا پروردگار اس کی وجہ سے تمہارے گناہ بخش دے گا، اور تمہیں جنت کے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ اللہ اس دن پیغمبر کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ذلیل و خوار نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب چل رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے، پروردگار! ہمارے نور کو کامل کر دے اور ہمیں بخش دے، بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں کو خبردار کرنے اور انہیں سرزنش کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں روئے سخن تمام مومنین کی

طرف کرتے ہوئے بیوی، اولاد اور گھر والوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں کچھ احکام دیتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ''اے ایمان لانے والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

خود کو بچانا تو گناہوں کو ترک کرنے اور سرکش خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کے ساتھ ہے، اور گھر والوں کو بچانا تعلیم و تربیت اور امر بالمعروف و نہی از منکر کرنا نیز گھر اور گھرانے کی فضا میں ایک پاک اور ہر قسم کی آلودگی سے مبرا ماحول فراہم کرنا ہے۔

یہ وہ طریقہ کار ہے جو گھرانے کے سنگ بنیاد، یعنی ازواج کے مقدمات سے اور اس کے بعد بچے کی پیدائش کے پہلے لمحہ سے شروع ہونا چاہئے۔ ان تمام مراحل میں صحیح لائحہ عمل ترتیب دے کر پورے انہماک سے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس آگ پر ایسے فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جو بہت ہی سخت اور تند و تیز ہیں۔ وہ ہرگز اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ انہیں جو بھی حکم دیتا ہے، اس کی بے چون و چرا تعمیل کرتے ہیں۔''

اس طرح نہ تو بھاگنے کی ہی کوئی راہ ہے اور نہ ہی گریہ وزاری، التماس و التجا اور جزع و فزع ہی موثر ہے۔

بعد والی آیت میں کفار کو مخاطب کر کے اس دن کی وضع و کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے کافرو آج عذر و معذرت نہ کرو، کیونکہ تمہیں تو صرف تمہارے اعمال ہی کی جزا دی جائے گی۔''

بعد والی آیت حقیقت میں جہنم کی آگ سے نجات کا راستہ بتاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اے ایمان لانے والو! اللہ کی طرف لوٹ آؤ اور توبہ کر لو، خالص توبہ۔''

ہاں! نجات کے لئے پہلا قدم گناہ سے توبہ ہے، ایسی توبہ جو ہر لحاظ سے خالص ہو، ایسی توبہ جس کا محرک حکم اللہ اور خوف گناہ ہو۔

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی ﷺ سے آیا ہے کہ جب 'معاذ بن جبل' نے توبۂ نصوح کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

> ''توبہ نصوح'' یہ ہے کہ توبہ کرنے والا شخص پھر کسی طرح بھی گناہ کی طرف نہ لوٹے، جیسا کہ دودھ کبھی پستان کی طرف نہیں لوٹتا۔

اس کے بعد توبۂ نصوح کے آثار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے ''امید ہے کہ اس کام کی وجہ سے تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو بخش دے اور ان کی پردہ پوشی کر لے۔''

''اور تمہیں اس جنت کے باغات میں داخل کر لے جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔''

''یہ کام اس دن ہوگا جس دن اللہ پیغمبرﷺ اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں (انہیں) ذلیل وخوار نہیں کر لے گا۔''

''یہ اس حال میں ہوگا کہ ان کا (ایمان اور عمل صالح کا) نوران کے آگے آگے اور اک کی دائیں جانب چل رہا ہوگا، وہ عرصہ محشر کو روشن کردے گا اور بہشت کی طرف ان کی راہ کھول دے گا۔''

یہ وہ منزل ہے کہ جہاں وہ اللہ کی بارگاہ کی طرف رخ کر کے کہیں گے:''پروردگار! ہمارے نور کو مکمل کردے اور ہمیں بخش دے کیونکہ تو ہر کام پر قدرت رکھتا ہے۔''

(۹) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ	اے پیغمبر! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور وہ بری جگہ ہے۔
(۱۰) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ	اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے ایک مثال دی ہے۔نوح کی بیوی کی مثال اور لوط کی بیوی کی مثال۔وہ ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں۔لیکن ان دونوں سے انہوں نے خیانت کی،اور ان دونوں (پیغمبروں) کے ساتھ ان کا تعلق (عذاب الٰہی کے مقابلہ میں) انہیں کوئی نفع نہ دے سکا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ،آگ میں داخل ہو جاؤ۔
(۱۱) وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۙ	اور اللہ نے مومنین کے لئے بھی ایک مثال بیان کی ہے وہ فرعون کی بیوی کی مثال ہے، جب اس نے کہا پروردگار! میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم قوم سے رہائی بخش دے۔

(۱۲) وَ مَرۡيَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ صَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ ؏	اور اسی طرح سے مریم بنتِ عمران کی مثال بیان کی ہے جس نے اپنے دامن کو پاک رکھا اور ہم نے اپنی روح میں سے اس میں پھونکا، اس نے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔

تفسیر

مؤمن اور کافر عورتوں کے نمونے

چونکہ منافقین پیغمبر ﷺ کے گھر کے اندر کے رازوں کے فاش ہونے اور آپ کی بیویوں کے درمیان جھگڑے اور اختلافات کے ظاہر ہونے پر جن کی طرف گزشتہ آیات میں ارشاد ہوا تھا، خوش تھے بلکہ انہیں اور ہوا دیتے تھے، شاید اسی مناسبت سے پہلی زیر بحث آیت میں ان کے بارے میں شدت عمل کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''اے پیغمبر! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔''

یہ جہاد کفار کے مقابلہ میں تو ممکن ہے کہ مسلح یا غیر مسلح ہو، لیکن منافقین کے مقابلہ میں شک نہیں کہ یہ مسلح جہاد نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بھی تاریخ میں نقل نہیں ہوا کہ پیغمبر ﷺ نے منافقین کے ساتھ مسلح جنگ کی ہو۔

اس بناء پر ان کے ساتھ جہاد کرنے سے مراد وہی توبیخ، سرزنش، انذار، ڈرانا اور انہیں رسوا کرنا ہے۔ یا بعض موارد میں ان کی تالیف قلوب کرنا ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد خصوصاً امیر المومنین منافقین سے مسلح جنگ کے لئے کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد دوبارہ پیغمبر ﷺ کی بیویوں کے ماجرے کی طرف لوٹتا ہے۔ اس بناء پر کہ انہیں عملی اور زندہ سبق دے، دو غیر متقی عورتوں کی سرنوشت جو دو بزرگ پیغمبروں کے گھر میں تھیں، اور دو مومن و ایثار گر خواتین کی سرنوشت بیان کرتا ہے، جن میں سے ایک تاریخ کے جابر ترین شخص کے گھر میں تھی۔

پہلے فرماتا ہے: ''اللہ نے کافروں کے لئے مثال بیان کی ہے۔ نوح کی بیوی کی مثال اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال۔''

''وہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی۔''

''لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انہیں کوئی نفع نہیں دیا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

اس طرح سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو بیویوں کو جنہوں نے افشاء راز کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف و آزار پہنچایا تھا خبر دار کرتا ہے کہ وہ یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ صرف پیغمبر کی بیوی ہونا انہیں عذاب سے بچالے گا۔

ضمنی طور پر یہ تمام طبقات کے مومنین کو ایک تنبیہ ہے کہ وہ گناہ وعصیان کی صورت میں اولیاء اللہ کے ساتھ اپنے رشتوں اور تعلقات کو عذاب الٰہی سے مانع نہ سمجھ بیٹھیں۔

بہر حال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جادۂ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا، کیونکہ پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے:

''کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی۔''

اس کے بعد با ایمان افراد کے لئے دو مثالیں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اللہ نے مومنین کے لئے ایک مثال بیان کی ہے: یہ فرعون کی بیوی کی مثال ہے، جس وقت اس نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: میرے پروردگار! میرے لئے اپنے نزدیک جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے کاموں سے نجات دے اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما''۔

مشہور یہ ہے کہ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ اور اس کے باپ کا نام مزاحم تھا۔ کہتے ہیں کہ جب اس نے جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھا تو اس کے دل کی گہرائیوں نور ایمان سے روشن ہوگئیں، وہ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ وہ ہمیشہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتی تھی۔ لیکن ایمان اور اللہ کا عشق ایسی چیز نہیں ہے جسے ہمیشہ چھپایا جاسکے۔ جب فرعون کو اس کے ایمان کی خبر ہوئی تو اس نے اسے بارہا سمجھایا اور منع کیا اور یہ اصرار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دین سے دست بردار ہوجائے اور اس کے اللہ کو چھوڑ دے، لیکن یہ با استقامت خاتون فرعون کی خواہش کے سامنے ہرگز نہ جھکی۔

آخر کار فرعون نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں میخوں کے ساتھ باندھ کر اسے سورج کی جلتی ہوئی دھوپ میں ڈال دیا جائے اور ایک بہت بڑا پتھر اس کے سینہ پر رکھ دیں۔ جب وہ خاتون اپنی زندگی کے آخری لمحے گزار رہی تھی تو اس کی دعا یہ تھی:

''پروردگار! میرے لئے جنت میں اپنے جوار رحمت میں ایک گھر بنادے۔ مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے رہائی بخش اور مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔''

اللہ نے بھی اس پاکباز اور فداکار مومنہ خاتون کی دعا قبول کی اور اسے مریم علیہا السلام جیسی دنیا کی بہترین خاتون قرار دیا جیسا کہ وہ ان آیات میں مریم علیہا السلام کے ہم ردیف قرار پائی ہے۔

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''اہل جنت میں افضل ترین اور برترین عورتیں چار ہیں۔ خویلد کی بیٹی خدیجہ علیہا السلام، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ علیہا السلام اور

عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام اور مزاحم کی بیٹی 'آسیہ علیہا السلام' جو فرعون کی بیوی تھی۔''

اس کے بعد دوسری باشخصیت خاتون کی طرف' جو صاحب ایمان لوگوں کے لئے نمونہ شمار ہوتی ہے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور اللہ نے مریم بنت عمران کی مثال بھی بیان کی ہے جس نے اپنے دامن کو پاک رکھا۔''

''اور ہم نے اپنی روح میں سے اس میں پھونکا۔''

اور اس نے اللہ کے حکم سے شوہر کے بغیر بچہ جنا جو پروردگار کا اولوالعزم پیغمبر بنا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس نے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور ان سب پر ایمان لائی۔''

''اور وہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے والوں میں سے تھی۔''

وہ ایمان کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبے پر تھی۔ تمام آسمانی کتابوں اور اوامر الٰہی پر ایمان رکھتی تھی اور عمل ے لحاظ سے ہمیشہ احکام الٰہی کی میطع تھی۔ وہ اللہ کی ایک ایسی کنیز تھی جو اپنی جان و دل ہتھیلی پر لئے ہوئے آنکھ اس کے حکم پر اور کان اس کے فرمان پر لگائے رکھتی تھی۔

سورۂ ملک

یہ سورہ مکہّ میں نازل ہوا

اوراس کی ۳۰ آیتیں ہیں۔

سورۂ ملک کے مضامین

یہ سورہ جو قرآن مجید کے پارہ ۲۹ کی ابتداء ہے ان سوروں میں ہے جو مشہور قول کے مطابق سارے کے سارے مکہ میں نازل ہوئے، جیسا کہ اس پارہ کی زیادہ تر سورتیں مکّی ہی ہیں۔ بلکہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق تو اس پارے کی تمام کی تمام سورتیں مکی ہیں۔ گزشتہ پارہ کی سورتوں کے برعکس کہ جو مدنی تھیں لیکن جیسا کہ ہم بیان کریں گے کہ سورہ دہر (یا سورۃ انسان) اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

سورہ ملک جس کا دوسرا نام 'منجیه' (نجات بخشنے والی) اور تیسرا نام 'داقیه' یا مانعه' ہے (کیونکہ وہ اپنے تلاوۃ کرنے والے کو عذاب الٰہی یا عذاب قبر سے محفوظ رکھتی ہے) قرآن کی بہت ہی بافضیلت سورتوں میں سے ہے۔ اس میں بہت سے مسائل پیش ہوئے ہیں جو زیادہ تر تین محوروں کے گرد گردش کرتے ہیں۔

ا۔ مبدأ، اللہ کی صفات، خلقت کا شگفت انگیز نظام، خصوصا! آسمانوں اور ستاروں کی خلقت، زمین کی خلقت اور اس کی نعمتیں اور اسی طرح پرندوں کی خلقت، جاری ہونے والے پانی، نیز کان، آنکھ، اور آلات شناخت کی خلقت کے بارے میں بحث ہے۔

۲۔ معاد و قیامت، دوزخ کا عذاب اور دوزخیوں کے ساتھ عذاب کے فرشتوں کی گفتگو اور اسی قسم کے امور سے متعلق مباحث۔

۳۔ کافروں اور ظالموں کو دنیا وآخرت کے انواع واقسام کے عذابوں سے انذار وتہدید، بعض کے قول کے مطابق تمام سورہ کا محور اصلی وہی اللہ کی مالکیّت وحاکمیت ہے جو پہلی آیت میں آئی ہے۔

سورۂ ملک کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام محمد بن علی الباقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''سورہ ملک سورہ مانعہ ہے، یعنی عذاب قبر سے بچاتی ہے اور تورات میں اسی نام کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔ جو شخص اس کو رات کے وقت پڑھے تو اس نے بہت کچھ پڑھا اور خوب پڑھا۔ وہ غافلین میں شمار نہیں ہوگا''۔

البتہ یہ سب عظیم آثار فکر وعمل کے بغیر پڑھنے سے مربوط نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد ایسا پڑھنا ہے۔ جس میں عمل کے لئے ہدایت ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)تَبٰرَكَ الَّذِىۡ بِيَدِهِ الۡمُلۡكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرُ	برکتوں والی (اور زوال ناپذیر) ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں سارے عالم ہستی کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۲) اۨلَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡغَفُوۡرُ	وہی وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا، تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے، اور وہ شکست ناپذیر اور بخشنے والا ہے۔
(۳) الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ	وہی جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا۔تم خدائے رحمٰن کی مخلوق میں کوئی تضاد اور کسی قسم کا عیب نہیں دیکھو گے۔ پھر نظر دوڑا کر دیکھو۔ کیا تمہیں کوئی شگاف یا خلل نظر آتا ہے؟
(۴) ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ	پھر دوبارہ (عالم ہستی کی طرف) نظر اٹھا کر دیکھو، انجام کار تیری نظر (خلل ونقص کی جستجو میں ناکام ہوکر) تیری طرف پلٹ آئے گی اور تھکی ہوئی ہوگی۔
(۵) وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِيۡرِ	ہم نے نچلے آسمان کو روشن چراغوں سے زینت دی ہے اور انہیں شیاطین کے لئے (شہب) تیر قرار دیا ہے، اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب فراہم کیا ہے۔

تفسیر

تم عالم ہستی میں کسی قسم کا نقص نہیں دیکھو گے۔

یہ سورہ اللہ کے مالکیت وحاکمیت اور اس کی ذات پاک کے دوام اور ہمیشگی جیسے اہم مسئلہ سے شروع ہوتا ہے جو حقیقت میں

اس سورہ کے تمام مباحث کی کلید ہے۔

فرماتا ہے: ''برکتوں والی اور زوال ناپذیر ہے وہ ذات، جس کے قبضۂ قدرت میں عالم ہستی کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

بعد والی آیت میں انسان کی موت و حیات کی خلقت، جو اللہ کی مالکیت و حاکمیت کے شئون میں سے ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہی تو ہے کہ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہترین عمل کون کرتا ہے۔''

اللہ کی آزمائش سے مراد ایک قسم کی تربیت ہے اس معنی میں کہ وہ انسانوں کو میدان عمل کی طرف کھینچتی ہے تاکہ تجربے اور آزمائش میں پاک و پاکیزہ ہو کر قرب اللہ کے لائق ہو۔

اس طرح یہ دنیا تمام انسانوں کے لئے ایک عظیم آزمائش کا میدان ہے۔ آزمائش کا ذریعہ موت و حیات ہے اور اس عظیم آزمائش کا ہدف حسن عمل تک پہنچنا ہے۔ جس کا مفہوم تکامل معرفت' اخلاص نیت اور ہر کار خیر کو انجام دینا ہے۔

چونکہ اس عظیم آزمائش کے میدان میں انسان بہت سی لغزشوں میں گرفتار ہو جاتا ہے' یہ لغزشیں اسے مایوس نہ کر دیں اور اس کی سعی و کوشش سے اسے باز نہ رکھیں۔ لہٰذا آیت کے آخر میں بندوں کو مدد اور بخشش کا وعدہ دیتے ہوئے کہتا ہے: ''اور وہ شکست ناپزیر اور بخشنے والا ہے''۔

موت و حیات کے نظام کو بیان کرنے کے بعد عالم کے نظام کلّی کو پیش کرتے ہوئے انسان کو مجموعہ عالم ہستی کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اس طریقہ سے اپنے آپ کو اس عظیم آزمائش کے لئے آمادہ کر لے، فرماتا ہے: ''وہی اللہ جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''تم خدائے رحمٰن کی مخلوق میں کوئی تضاد اور کسی قسم کا عیب نہیں دیکھو گے۔''

عالم ہستی اس ساری عظمت کے باوجود جو کچھ بھی ہے وہ نظم ونسق، استحکام و انسرام، نپی تلی اور ٹھیک ٹھیک حساب شدہ ترکیبات اور دقیق قوانین ہیں۔ اگر اس عالم کے کسی گوشہ میں بے نظمی واقع ہو جاتی تو وہ اسے نابود کر کے رکھ دیتی۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے: ''پھر نظر دوڑا کر دیکھو اور اس عالم کو غور سے دیکھو، کیا تمہیں اس میں کوئی شگاف یا خلل اور اختلاف نظر آتا ہے؟''

مراد یہ ہے کہ انسان عالم آفرینش میں چاہے جتنا بھی غور کرے، کم سے کم خلل اور ناموزونیت بھی اس میں نہیں دیکھے گا۔

اسی لئے بعد والی آیت میں اس معنی کی تاکید کے لئے مزید کہتا ہے: ''پھر دوبارہ عالم ہستی کی طرف آنکھ کھول کر دیکھ، انجام

کار تیری نظر خلل و نقص کی جستجو میں ناکام ہو کر اور تھک ہار کر تیری طرف پلٹ آئے گی۔"

آخری زیر بحث آیت نے صفحۂ آسمان پر نگاہ ڈالی ہے جو خوبصورت اور چمکنے والے ستاروں کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے:

"ہم نے نچلے آسمان کو چمکدار اور روشن ستاروں سے زینت بخشی ہے اور انہیں ہم نے شیاطین کے لئے تیر قرار دیا ہے، اور ان کے لئے جہنم کی آگ کا عذاب فراہم کیا ہے۔"

یہ آیت دوبارہ اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ وہ تمام ستارے جنہیں ہم دیکھ رہے ہیں، سب پہلے آسمان کا حصہ ہیں۔ وہ آسمان جو سات آسمانوں میں ہم سے زیادہ قریب ہے۔ اسی بناء پر اسے السماء النیا (نزدیک اور نچلے آسمان) کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(٦) وَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ	اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا، جہنم کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔
(٧) اِذَاۤ اُلۡقُوۡا فِيۡهَا سَمِعُوۡا لَهَا شَهِيۡقًا وَّ هِىَ تَفُوۡرُ ۙ	جس وقت وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس میں سے ایک وحشت ناک آواز سنیں گے اور وہ ہمیشہ جوش مار رہی ہوگی۔
(٨) تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلۡقِىَ فِيۡهَا فَوۡجٌ سَاَلَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَذِيۡرٌ	قریب ہے کہ وہ شدت غضب سے پارہ پارہ ہو جائے۔ جس وقت اس میں کوئی گروہ ڈالا جاتا ہے تو دوزخ کے نگران (فرشتے) ان سے سوال کرتے ہیں کیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔
(٩) قَالُوۡا بَلٰى قَدۡ جَآءَنَا نَذِيۡرٌ ۙ فَكَذَّبۡنَا وَ قُلۡنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۖۚ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ كَبِيۡرٍ	وہ کہیں گے، ہاں! ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلایا اور یہ کہا کہ اللہ نے بالکل کوئی چیز نازل نہیں کی ہے اور تم ایک بہت بڑی گمراہی میں ہو۔
(١٠) وَ قَالُوۡا لَوۡ كُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا كُنَّا فِىۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ	اور (یہ بھی) کہیں گے کہ اگر (ان کی بات) سنتے یا سمجھتے تب تو (آج) دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

(۱۱) فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ ۚ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ	اس موقع پر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں گے، دوزخی اس کی رحمت سے دور رہیں۔

تفسیر

اگر ہم سننے والا کان اور بیدار فکر رکھتے تو دوزخ میں نہ ہوتے۔

گذشتہ آیات میں اللہ کی عظمت وقدرت کی نشانیوں اور عالم آفرینش میں ان کے دلائل کے بارے میں گفتگو تھی۔ لہٰذا قرآن زیر بحث آیات میں ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنہوں نے ان دلائل کی پرواہ نہیں کی، انہوں نے کفر وشرک کی راہ اختیار کرلی اور شیاطین کی طرح عذاب الٰہی خرید بیٹھے۔

پہلے فرماتا ہے: ''ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا عذاب جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

اس کے بعد اس وحشتناک عذاب کے ایک گوشہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''جس وقت کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ اس میں سے ایک وحشتناک صدا سنیں گے اور وہ ہمیشہ جوش مارنے کی حالت میں رہتی ہے۔''

ہاں! جس وقت انہیں انتہائی ذلّت وحقارت کے ساتھ اس میں پھینکا جائے گا تو جہنم کی وحشتناک اور طولانی صدا بلند ہوگی جو ان کے تمام وجود کو وحشت میں غرق کردے گی۔

اس کے بعد 'دوزخ' کے غیظ وغضب کی شدت کو مجسم کرنے کے لئے مزید کہتا ہے: ''قریب ہے کہ وہ شدت غضب سے پارہ پارہ ہوجائے۔''

ٹھیک اس عظیم برتن کی طرح جسے حد سے زیادہ تیز حرارت والی آگ کے اوپر رکھا ہوا ہو اور وہ اس طرح جوش مارتا ہوا اوپر نیچے ہو رہا ہو کہ ہر لمحہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کا خوف لگا رہتا ہو، یا اس غصہ میں گھرے ہوئے انسان کی طرح جو چیخ چلا رہا ہو اور اس طرح کی آوازیں نکال رہا ہو جیسے ابھی پھٹ پڑے گا۔

پھر وہی بات جاری ہے۔ ''جس وقت کافروں کا کوئی گروہ اس میں پھینکا جائے گا تو دوزخ کے نگہبان تعجب اور سرزنش کے طور پر اس سے سوال کریں گے۔'' کیا تمہارا کوئی رہبر وراہنما نہیں تھا؟ کیا اللہ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟ پھر تم اس بدبختی میں کیوں آن پڑے ہو؟''

لیکن وہ جواب میں کہیں گے: ''ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا اور ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہا کہ اللہ نے ہرگز کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اور اللہ نے وحی نہیں بھیجی ہے تاکہ ہم اپنی خواہش نفس کو جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ ہم نے ان سے کہا کہ تم عظیم

گمراہی میں مبتلا ہو۔''

نہ صرف یہ کہ ہم نے ان کی تصدیق نہیں کی اور ان کے حیات بخش پیغام پر کان نہیں دھرا، بلکہ ان کی مخالفت کے لئے کھڑے ہوگئے،ان روحانی طبیبوں کو گمراہ کہہ کر اپنے سے دور کر دیا۔

اس کے بعد اپنی بدبختی اور گمراہی کی اصل دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے:''اگر ہم سننے والے کان رکھتے اور اپنی عقل کو کام میں لاتے تو ہرگز دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔''

ہاں!اس موقع پر وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے۔دور ہوں دوزخی اللہ کی رحمت سے۔''

ایک طرف تو اللہ نے سننے والے کان اور عقل وہوش عطا کیا اور دوسری طرف واضح دلائل کے ساتھ اپنے پیغمبر بھیجے۔اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں تو انسان کی سعادت کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

لیکن اگر انسان کان تو رکھتا ہے مگر ان سے سنتا نہیں' آنکھیں رکھتا ہے مگر ان سے دیکھتا نہیں' اور عقل رکھتا ہے مگر اس سے سوچتا نہیں' تو اب اگر اللہ کے تمام کے تمام پیغمبر اور آسمانی کتابیں اس کے پاس آجائیں تو اس پر کچھ اثر نہیں ہوگا۔

(۱۲) اِنَّ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَيۡبِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ	وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے پوشیدہ طور سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔
(۱۳) وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَكُمۡ اَوِ اجۡهَرُوۡا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ	اپنی گفتگو کو پوشیدہ رکھو یا آشکار کرو (کچھ فرق نہیں ہے) وہ (اللہ) دلوں کی باتوں سے آگاہ ہے۔
(۱۴) اَلَا يَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ ۠	کیا وہ ہستی کہ جس نے تمام موجودات کو پیدا کیا ہے ان کے حالات سے آگاہ نہیں ہے؟ جب کہ وہ دقیق اسرار سے باخبر اور ہر چیز کا عالم ہے۔

تفسیر

کیا جہان کا خالق جہان کے اسرار سے آگاہ نہیں ہے؟

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں قیامت کے روز کفار اور ان کی سرنوشت کے بارے میں بیان ہوئے تھے، زیر بحث

آیات میں قرآن مومنین اوران کی عظیم جزاؤں کو بیان کررہا ہے۔

پہلے فرماتا ہے:

''وہ لوگ جواپنے پروردگار سے پنہاں طور پرڈرتے ہیں،ان کے لئے مغفرت اوراجرعظیم ہے۔''

اس کے بعد تاکید کے لئے مزید کہتا ہے:''اگرتم اپنی گفتگو پنہاں طور پر یا آشکار کرو، اللہ دلوں کی باتوں سے آگاہ ہے۔''

بعض مفسرین نے ابن عباس سے اس آیت کی ایک شان نزول کی ہے کہ کفار یا منافقین کی ایک جماعت پیغمبر اللہ ﷺ کے پس پشت ناروا باتیں کرتی تھی، جبرئیل علیہ السلام آکر پیغمبر ﷺ کو خبر دے دیا کرتے تھے،تب ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کہا:'' اسروا قولکم'' اپنی باتیں پوشیدہ طور پر کیا کروتا کہ محمد ﷺ کا اللہ نہ سن لے''تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور کہا:''چاہے آشکارا باتیں کرو یا پوشیدہ طور پر،اللہ ان سے آگاہ ہے۔''

بعد والی آیت اس چیز کے لئے جو گزشتہ آیت میں بیان ہوئی ہے ایک دلیل کے طور پر آئی ہے۔فرماتا ہے:''کیا وہ ذات جس نے موجودات کو پیدا کیا ہے ان کے حالات سے آگاہ نہیں؟ جبکہ وہ دقیق ترین اسرار سے باخبر اور ہر چیز کا عالم ہے۔''

(۱۵) هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ ؕ وَ اِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ	وُہی تو ہے کہ جس نے زمین کوتمہارے لئے تسخیر کر دیا۔اس کے دوش پر چلو پھرواور اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے کھاؤ اور تم سب کی بازگشت اسی (اللہ ہی) کی طرف ہے۔
(۱۶) ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ۙ	جو آسمان پر حاکم ہے کیا تم اس کے عذاب سے خود کو امان میں سمجھتے ہو یا زمین اس کے حکم سے پھٹ جائے اور تمہیں نگل لے اور مسلسل لرزتی اور کانپتی رہے۔
(۱۷) اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ	یا تم خداوند آسمان کے عذاب سے اپنے آپ کوامان میں سمجھتے ہوکہ وہ ایسی آندھی تم پر بھیج دے جو سنگریزوں سے بھری ہوئی ہواورتم جلدی ہی جان لوگے کہ میری دھمکیاں کیسی ہیں۔

(۱۸) وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ	وہ لوگ جوان سے پہلے تھے انہوں نے (آیات الٰہی کی) تکذیب کی تھی، لیکن (دیکھو) میرا عذاب کیسا تھا؟

تفسیر

کوئی مجرم اس کے عذاب وسزا سے امان میں نہیں ہے۔

ان مباحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوزخیوں، جنتیوں، کافروں اور مومنوں کے بارے میں گزرے ہیں، زیر بحث آیات میں جنتیوں کی صفوں میں جا ملنے کی ترغیب وتشویق اور دوزخیوں کی راہ ورسم سے بچنے کے لئے چند خدائی نعمتوں کا ذکر اور پھر اس کے عذابوں کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فرماتا ہے۔ ''وہی تو ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کر دیا ہے۔''

''پس تم زمین کے دوش پر چلو پھرو، اور پروردگار کی روزیوں میں سے کھاؤ اور جان لو کہ سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔''

''ذلول'' رام ہونے کے معنی میں ایک جامع ترین تعبیر ہے جو زمین کے بارے میں ممکن ہوسکتی ہے کیونکہ یہ تیز رو سواری بہت ہی تیز اور متعدد حرکات رکھنے کے باوجود ایسی پر سکون نظر آئی ہے گویا کہ مطلقاً ساکن ہے۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ زمین چودہ قسم کی مختلف حرکتیں رکھتی ہے۔ جن میں سے تین اقسام یعنی اس کی اپنے محور پر حرکت، سورج کے گرد حرکت اور منظومہ شمسی کے ہمراہ کہکشاں کے اندر حرکت ہے، یہ حرکات جو بہت ہی زیادہ تیز ہیں ایسی نرم اور ملائم ہیں کہ جب تک زمین کی حرکت پر قطعی دلائل قائم نہیں ہوئے تھے، کوئی شخص باور ہی نہیں کرتا تھا کہ اس میں کوئی حرکت ہے۔

دوسری زمین نہ تو اس طرح کی سخت ہے کہ قابل زندگی ہی نہ ہو اور نہ ہی اس طرح کی ڈھیلی اور نرم ہے کہ قرار وآرام نہ پکڑتی ہو۔ بلکہ یہ مکمل طور پر انسانی زندگی کے لئے رام ہے۔

تیسری طرف اس کا فاصلہ سورج سے نہ تو اتنا کم ہے کہ تمام چیزیں گرمی کی شدت سے جل جائیں اور نہ ہی اتنا زیادہ ہے کہ ہر چیز سردی سے خشک ہو جائے۔ زمین پر ہوا کا دباؤ اس طرح سے ہے جو انسان کو سکون وآرام مہیا کرتا ہے، وہ نہ تو اس قدر زیادہ ہے کہ انسان کا گلا گھونٹ دے اور نہ اس قدر کم ہے کہ وہ پارہ پارہ ہو جائے۔ زمین کی قوت جاذبہ نہ اس قدر زیادہ ہے کہ وہ ہڈیوں کو توڑ دے اور نہ ہی اس قدر کم ہے کہ ایک ہی حرکت سے انسان اپنی جگہ سے اکھڑ جائے اور فضا میں جا پڑے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تک تم قدم نہ اٹھاؤ گے اور سعی وکوشش نہ کرو گے، زمین کی روزیوں سے بہرہ مند نہ ہو پاؤ گے۔

لیکن جان لو کہ یہ تمہاری خلقت کا مقصد اصلی نہیں ے۔ یہ سب کے سب تو تمہارے ''نشور'' قیامت اور حیات ابدی کی راہ کے لئے وسائل وذرائع ہیں۔

اس تشویق اور بشارت کے بعد تہدید وانذار کی بات کرتا ہے۔مزید کہتا ہے: ''جو آسمان پر حاکم ہے، کیا تم اس کے عذاب سے اپنے آپ کوامان میں سمجھتے ہو کہ زمین اس کے حکم سے پھٹ جائے، وہ تمہیں اپنے اندر نگل لے اور ہمیشہ لرزتی اور کانپتی رہے۔''

ہاں! اگر وہ حکم دے تو یہ مطیع وساکن زمین سرکش ہو جائے اور وحشی جانور کی صورت اختیار کر لے، زلزلے آنے شروع ہو جائیں، زمین میں شگاف پڑ جائیں اور وہ تمہیں، تمہارے گھروں اور شہروں کو نگل جائے اور پھر بھی لرزتی اور کانپتی رہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''ضروری نہیں ہے کہ حتمی طور پر زلزلے ہی تمہاری طرف آئیں، بلکہ وہ یہ فرمان تند آندھیوں کو دے سکتا ہے۔کیا تم اپنے آپ کوامان میں سمجھتے ہو کہ آسمانوں کا حاکم اللہ ایسی تیز آندھی جو سنگریزوں سے پر ہو تم پر بھیج دے اور تمہیں اس پہاڑ کے نیچے دفن کر دے؟''

''اور تم جلدی ہی جان لو گے کہ میری تہدیدیں (اور دھمکیاں) کیسی ہیں''۔(فستعلمون کیف نذیر)

حقیقت میں اوپر والی آیات اس معنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ عذاب قیامت کے عذاب میں منحصر نہیں ہے۔اس دنیا میں اللہ زمین کی مختصر سی حرکت یا آندھیوں کے چلنے سے ان کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔اس امکان کی بہترین دلیل گزشتہ امتوں میں ان امور کا واقع ہونا ہے۔

لہٰذا آخری زیر بحث آیت میں کہتا ہے:

''وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی لیکن دیکھو میری دی ہوئی سزا اور عذاب ان کے حق میں کیسا تھا؟''

ایک گروہ کو تباہ کرنے والے زلزلوں سے، کچھ قوموں کو بجلیوں سے اور ایک جماعت کو طوفان یا تیز آندھیوں کے ذریعہ سزا دی، اور ان کے تباہ شدہ خاموش شہروں کو ہم نے درس عبرت کے طور پر باقی رہنے دیا۔

(۱۹) اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقۡبِضۡنَ ۘؕ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍۢ بَصِيۡرٌ	کیا انہوں نے ان پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، جو ان کے سروں کے اوپر کبھی اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں؟ خدائے رحمٰن کے سوا کوئی انہیں آسمان کی بلندی پر روکے ہوئے نہیں ہوتا۔کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔
(۲۰) اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّـكُمۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡكٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِىۡ غُرُوۡرٍ ۚ	کیا وہ جو تمہارا لشکر ہے وہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہے؟ لیکن کافر تو صرف دھوکہ میں ہیں۔

(۲۱) اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ	کیا وہ جو تمہیں روزی دیتا ہے اگر وہ اپنی روزی روک لے (تو تمہاری ضروریات کون پوری کرسکتا ہے) لیکن وہ تو سرکشی اور حقیقت سے فرار کرتے ہوئے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔

تفسیر

اپنے سر کے اوپر ان پرندوں کی طرف دیکھو

اس سورہ کی ابتدائی آیات میں جب اللہ کی قدرت اور مالکیت کے بارے میں بحث تھی تو ساتوں آسمانوں، ان کے ستاروں اور کواکب کے بارے میں گفتگو تھی۔ لیکن یہاں پہلی زیر بحث آیت میں اسی مسئلہ قدرت کو عالم ہستی بظاہر ایک چھوٹے سے موجود کے ذکر کے ذریعہ بیان کیا جارہا ہے۔ فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے ان پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو ان کے سروں کے اوپر کبھی اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں؟''

یہ سنگین جسم قانون جاذبہ کے برخلاف زمین سے اٹھتے ہیں اور آرام کے ساتھ آسمان کی بلندی پر گھنٹوں تک اور بعض اوقات ہفتوں اور مہینوں تک مسلسل اپنی سریع اور نرم حرکت کو جاری رکھتے ہیں' اور انہیں اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

ان کے جسم کو کس نے اس طرح سے پیدا کیا ہے کہ وہ آرام وسکون کے ساتھ فضا میں سیر کرتے ہیں؟ ان کے پروں کو یہ قدرت کس نے عطا کی؟

لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''خدائے رحمٰن کے سوا کوئی انہیں آسمان کی بلندی پر روکے ہوئے نہیں ہوتا، کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر مخلوق کی نیاز اور حاجت کو جانتا ہے۔''

وہی تو ہے کہ جس نے انہیں پرواز کے لئے مختلف وسائل اور استعدادیں عطا کی ہیں۔ ہاں! خدائے رحمٰن جس کی رحمت عامہ نے تمام موجودات کو گھیرا ہوا ہے، اسی نے پرندوں کو بھی ان کی ضرورت کی چیزیں بخشی ہیں۔ جو ہستی آسمان اور فضا میں پرندوں کو روکے ہوئے ہے، وہی زمین اور دوسری موجودات کی بھی نگہدار ہے جب وہ ارادہ کرلے تو نہ پرندہ پرواز کرسکتا ہے اور نہ ہی زمین اپنے سکون کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کفار اللہ کی قدرت کے مقابلہ میں کسی قسم کا کوئی یار و مددگار نہیں رکھتے، فرماتا ہے: ''کیا وہ جو تمہارا لشکر ہے، وہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرسکتا ہے؟''

نہ صرف یہ کہ وہ مصیبتوں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے بلکہ اگر وہ چاہے تو انہیں کو تمہارے عذاب اور نابودی پر مقرر کر دے۔

لیکن کافر صرف دھوکہ، فریب اور غفلت میں گرفتار ہیں۔''

گو کہ، فریب اور جہالت کے پردے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ تاریخ کے صفحات پر یا اپنی زندگی کے گوشہ و کنار میں یہ درس عبرت دیکھیں۔

پھر مزید تاکید کے لئے کہتا ہے: ''کیا وہ ہستی جو تمہیں روزی دیتی ہے، اگر وہ اپنی روزی تم سے روک لے تو تمہیں کون بے نیاز کر سکتا ہے۔؟''

اگر وہ آسمان کو حکم دے دے کہ وہ بارش نہ برسائے اور زمین سبزہ نہ اگائے یا مختلف قسم کی نباتی آفات پھلوں کو نابود کر دیں تو کس میں یہ طاقت ہے کہ تمہارے لئے کوئی غذا مہیا کر دے؟ نیز اگر وہ مصنوعی روزیاں اور آسمانی وحی تم سے منقطع کر لے تو کس میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری راہنمائی کر لے؟

یہ واضح حقائق ہیں، لیکن ہٹ دھرمی اور گستاخی انسان کے ادراک اور شعور کے آگے ایک حجاب بن جاتی ہے۔ اس لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے۔

''لیکن وہ تو سرکشی اور حقیقت سے فرار کرتے ہوئے ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں''۔

(۲۲) اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرا ہوا چل رہا ہو ہدایت کے زیادہ نزدیک ہے یا وہ شخص جو راست قامت صراط مستقیم پر گامزن ہے؟
(۲۳) قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ	کہہ دیجئے وہی تو ہے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل قرار دیئے، لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔
(۲۴) قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ	کہہ دیجئے کہ وہی تو ہے کہ جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا، اور اسی کی طرف تم لوٹ جاؤ گے۔

(۲۵) وَ يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ قیامت کا وعدہ کب پُورا ہوگا۔
(۲۶) قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور میں تو صرف واضح و آشکار ڈرانے والا ہوں۔
(۲۷) فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ	جس وقت اس وعدۂ الٰہی کو قریب سے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے قبیح اور سیاہ ہو جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا، یہ وہی چیز ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔

تفسیر

شاہراہِ توحید کے راہی

گذشتہ آیات کے بعد پہلی زیر بحث آیت میں ومومنین کے ان دونوں گروہوں کی حالت کی کیفیت ایک عمدہ مثال کے ضمن میں منعکس کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرا ہوا چل رہا ہے، ہدایت کے زیادہ نزدیک ہے یا وہ شخص جو راست قامت صراط مستقیم پر قدم رکھتے ہوئے بڑھ رہا ہے۔''

یہاں بے ایمان، ظالم، ہٹ دھرم اور فریبی لوگوں کو ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو نا ہموار اور پیچ وخم سے پر راہ سے گزر رہا ہو، وہ منہ کے بل گرا ہوا ہو، اور ہاتھ پاؤں سے یا سینہ کے بل ہل رہا ہو، نہ ٹھیک طرح سے راستہ دیکھ سکتا ہو اور نہ ہی اپنے اوپر نظر کر سکتا ہو، نہ رکاوٹوں سے باخبر ہو اور نہ ہی سرعت اور تیزی سے چل سکتا ہو، تھوڑا سا رستہ چلتا ہو اور پھر تھک جاتا ہو۔

لیکن مومنین کو ایسے راست قامت افراد سے تشبیہ دیتا ہے جو ہموار، صاف اور سیدھے راستے پر سرعت قدرت اور پوری آگاہی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہوں۔

کتنی عمدہ اور دقیق تشبیہ ہے۔ جس کے آثار ان دونوں گروہوں میں مکمل طور پر نمایاں ہیں اور ہم اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔

بعد والی آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے مزید کہتا ہے: ''کہہ دیجئے، وہی تو ہے کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل قرار دیئے ہیں لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔''

اللہ نے مشاہدے اور تجربے کا ذریعہ اور وسیلہ (آنکھ) بھی تمہارے اختیار میں قرار دی۔ دوسروں کے اظہار سے آگاہی کا ذریعہ اور علوم عقلیہ میں غور وفکر کرنے کا ذریعہ (قلب) بھی دیا۔ خلاصہ یہ کہ سب قسم کے عقلی ونقلی علوم سے آگاہی کے لئے تمام ضروری آلات تمہارے اختیار میں دے دیئے ہیں۔ لیکن ان تمام عظیم نعمتوں کا بہت کم لوگ شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ شکر نعمت یہ ہے کہ ہر نعمت کو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے۔

پھر دوبارہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے اور اسی کے پاس تم جمع ہوگے۔''

حقیقت میں پہلی آیت راستے کو مشخص کرتی ہے اور دوسری آیت کام کے آلات و وسائل کو اور یہ آیہ ہدف ومقصد کو کہ اسلام و ایمان کے سیدھے راستہ اور صراط مستقیم میں قدم آگے بڑھاؤ، معرفت اور شناخت کے تمام آلات سے فائدہ اٹھاؤ اور جاددوانی زندگی کی طرف چل پڑو۔

اسکے بعد اسی رابطہ میں منکرین معاد کی گفتگو اور ان کا مطالبہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ استہزاء کے طور پر کہتے ہیں: اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ قیامت کا وعدہ کس وقت پورا ہوگا۔''

بعد والی آیت میں انہیں اس طرح جواب دیتا ہے: ''کہہ دیجئے اس موضوع کا علم اور آگاہی تو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور میں تو صرف واضح و آشکار انداز کرنے والا اور ڈرانے والا ہوں۔''

اور ایسا ہونا بھی چاہیے، کیونکہ اگر قیامت کی تاریخ معلوم ہوتی تو اس کا عرصہ اور فاصلہ زیادہ ہوتا تو لوگ غفلت میں پڑ جاتے اگر وہ عرصہ کم ہوتا تو اضطرار جیسی حالت پیدا کر لیتے اور دونوں حالتوں میں تربیتی اہداف نامکمل رہ جاتے۔

آخری زیر بحث آیت میں مزید کہتا ہے: ''جس وقت اس وعدۂ الٰہی اور عذاب کو قریب سے مشاہدہ کریں گے تو کافروں کے چہرے قبیح اور سیاہ ہو جائیں گے۔'' جیسا کہ غم واندوہ کے آثار ان سے برس رہے ہیں۔

اور ان سے کہا جائے گا: ''یہ وہی چیز ہے جس کا تم تقاضا کیا کرتے تھے۔''

(۲۸) قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَهۡلَکَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنۡ مَّعِیَ اَوۡ رَحِمَنَا ۙ فَمَنۡ یُّجِیۡرُ الۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ	کہہ دیجئے: اگر اللہ مجھے اور ان تمام لوگوں کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو بھی کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟

(۲۹) قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	کہہ دیجئے: وہ (اللہ) رحمٰن ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے، اور عنقریب تم جان لو گے کہ کون شخص واضح گمراہی میں ہے۔
(۳۰) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۠	کہہ دیجئے: مجھے بتاؤ اگر تمہاری (سرزمین کے) پانی زمین کے اندر چلے جائیں تو کون تمہارے لئے جاری پانی لاسکتا ہے؟

تفسیر

جاری پانی تمہارے اختیار میں کون دیتا ہے۔

اوپر والی آیات جو سورۃ ملک کی آخری آیات ہیں اور وہ سب لفظ 'قل' سے، جو پیغمبرﷺ کو خطاب ہے شروع ہوتی ہیں' انہیں باتوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں جو گزشتہ آیات میں کفار کے ساتھ ہوئی ہے اور ان کے دوسرے پہلو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں کہ جو غالباً پیغمبرﷺ اور ان کے اصحاب کی موت کے انتظار میں تھے۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ کی وفات سے آپ کا دین ختم ہو جائے گا اور باقی کچھ نہ رہے گا۔ (عام طور پر شکست خوردہ دشمن سچے رہبروں کے بارے میں ہمیشہ یہی توقع رکھتے ہیں) فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے اگر اللہ مجھے اور ان تمام کو جو میرے ساتھ ہیں ختم کر دے یا ہم پر رحم کرے تو بھی کفار کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟''

بعض روایات میں آیا ہے کہ کفار مکہ پیغمبرﷺ اسلام اور مسلمانوں کے لئے بددعا (نفرین) کیا کرتے اور ان کی موت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، ان کا گمان یہ تھا کہ اگر آنحضرتﷺ دنیا سے چلے جائیں تو آپ کی دعوت بھی ختم ہو جائے گی، تب اوپر والی آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا۔

اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''ان سے کہہ دیجئے کہ وہ خداوند رحمٰن ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے، اور عنقریب تم جان لو گے کہ واضح گمراہی میں کون ہے۔''

یعنی اگر ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں اور اسے اپنا ولی، وکیل اور سرپرست سمجھا ہے تو اس کی دلیل واضح ہے، وہ خدائے

رحمٰن ہے، اس کی رحمت عمومی ہر جگہ پہنچی ہوئی ہے اور اس کے انعام کے فیض نے دوست اور دشمن سب کو گھیر رکھا ہے کہ عالم ہستی اور صفحۂ زندگی پر مختصر سی نگاہ اس مدّ عا کی شاہد ہے۔ لیکن تمہارے معبودوں نے کون سا کام کیا ہے؟

آخری آیت میں اللہ کی رحمت عامہ کے ایک مصداق کے ذکر کے عنوان سے کہ جس سے لوگ غافل ہیں، کہتا ہے: ''کہہ دیجئے: مجھے بتاؤ وہ پانی جس سے تم استفادہ کررہے ہو، اگر وہ زمین کے اندر دور تہ میں چلا جائے تو کون تمہارے لئے جاری پانی لاسکتا ہے۔''

جو روایات کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ہم تک پہنچی ہیں، ان میں اس آخری آیت کی حضرت مہدیؑ کے ظہور اور ان کے وسیع عالمی عدل کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔

یہ سب تطبیق کے طور پر ہیں دوسرے لفظوں میں آیت کا ظاہر تو جاری پانی کے ساتھ ہی مربوط ہے جو زندہ موجودات کی حیات و زندگی کا باعث ہے مگر آیت کا باطن امام کے وجود اور ان کے وسیع علم و عدالت کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ وہ بھی انسانی معاشرے کی حیات کا سبب ہے۔

سورۂ قلم

یہ سورہ مکہّ میں نازل ہوا

اوراس کی ۵۲ آیات ہیں۔

سورۂ قلم کے مضامین

سورہ کالب ولہجہ اور آیات کا مضمون مکمل طور پر ''مکی'' سورتوں سے ہم آہنگ ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوّت اور ان دشمنوں سے مبارزہ، جو آپ کو مجنون کہتے تھے، صبر واستقامت کی دعوت اور مخالفین کو عذاب الٰہی سے انذاز وتہدید کے مسئلہ کے محور پر ہی گردش کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس سورہ کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی مخصوص صفات کے ایک حصہ کے ذکر، خصوصاً آپ کے عمدہ اخلاق کو پیش کرتا ہے اور ان کی موکد قسموں کے ساتھ تاکید کرتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد آپ کے دشمنوں کی قبیح صفات اور مذموم اخلاق کے ایک حصہ کو پیش کرتا ہے۔

۳۔ ایک اور حصہ میں '' اصحٰب الجنة'' کی داستان، جو حقیقت میں قبیح سیرت مشرکین کے لئے ایک تنبیہ ہے، بیان کرتا ہے۔

۴۔ ایک اور حصہ میں قیامت اور اس دن کفار کے عذاب سے متعلق گوناگوں مطالب بیان ہوئے ہیں۔

۵۔ ایک اور حصہ میں مشرکین کے لئے انذار اور تہدید وتخویف کا بیان ہے۔

۶۔ ایک اور حصہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ کٹر دشمنوں کے مقابلہ میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں۔

۷۔ پھر سورہ کے آخر میں بھی قرآن کی عظمت اور پیغمبر ﷺ کے خلاف دشمنوں کی مختلف سازشوں کے بارے میں گفتگو ہے۔

اس سورہ کے لئے قلم کے نام کا انتخاب اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔ بعض نے اس کا نام سورہ ''نٓ'' بھی ذکر کیا ہے۔ بعض روایات، جو اس سورہ کی فضیلیت میں آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کا نام ن والقلم ہے۔

سورۂ قلم کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر گرامی ﷺ سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جو شخص سورۂ ن والقلم کی تلاوت کرلے گا، اللہ اس کو ان لوگوں کا ثواب دے گا جو حسن اخلاق کے حامل ہیں۔''

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورۂ ن والقلم کو واجب یا مستحب نماز میں پڑھے گا اللہ اسے ہمیشہ کے لئے فقر وفاقہ سے امان میں رکھے

گا اور جب وہ مرے گا تو انشاء اللہ اسے فشارِ قبر سے امان دے گا۔''

اس قدر ثواب کا سورہ کے مضامین کے ساتھ خاص تناسب ہے۔ اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہاں مقصود وہ تلاوت ہے جو علم و آگہی کے ساتھ ہو اور اس کے بعد اس پر عمل بھی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے
(۱) نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ	ن، قسم ہے قلم کی اور اس کی جو کہ وہ قلم سے لکھتے ہیں۔
(۲) مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ	اپنے پروردگار کی عنایت سے تو (ہرگز) مجنون نہیں ہے۔
(۳) وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ	اور تیرے لئے عظیم اور ہمیشہ رہنے والا (اور ختم نہ ہونے والا) اجر و ثواب ہے۔
(۴) وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ	اور تو اخلاق کے عظیم درجہ پر فائز ہے۔
(۵) فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ	اور عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔
(۶) بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ	کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔
(۷) اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ	تیرا پروردگار ہر شخص سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ سے کون شخص گمراہ ہوا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی بہتر طور پر جانتا ہے۔

تفسیر

تیرے اخلاق کتنے عمدہ ہیں۔

یہ واحد سورہ ہے جو حرف مقطع ''نٓ'' سے شروع ہوا ہے۔

اس کے بعد انسانی زندگی کے مسائل میں سے دو اہم موضوعات کی قسم کھاتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''قسم ہے قلم کی اور اس کی

جس کے ساتھ وہ لکھتے ہیں۔''

کیسی عجیب وغریب قسم ہے؟ حقیقت میں وہ چیز جس کی یہاں قسم کھائی گئی ہے، ظاہراً ایک چھوٹا سا موضوع ہے۔ سرکنڈے کا ایک ٹکڑا یا اس کے مشابہ کوئی چیز اور کچھ سیاہ رنگ کا مادہ اور اس کے بعد وہ سطریں جو معمولی کاغذ کے صفحہ پر لکھی جاتی ہیں۔

لیکن حقیقت میں یہ وہی چیز ہے جو تمام انسانی تمدنوں کی پیدائش، علوم کی پیش رفت، افکار کی بیداری، مذاہب کے تشکیل پانے کا سرچشمہ اور نوع بشر کی آگاہی اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ یہاں تک کہ انسانی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کر دیتا ہے۔ '' تاریخی دور'' اور '' تاریخ سے پہلے کا دور'' تاریخ بشر کا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے خط اور تحریر ایجاد ہوئے اور انسان اپنی زندگی کے واقعات کو صفحات پر نقش کرنے کے قابل ہوا ہے۔

اس قسم کی عظمت اس وقت زیادہ آشکار ہوتی ہے جب ہم اس بات کی طرف توجہ کریں کہ جس دن یہ آیات نازل ہوئیں، اس وقت لکھنے والے اور اہل قلم اس ماحول میں موجود نہ تھے۔ اگر کچھ تھوڑے بہت لوگ لکھنے پڑھنے کی کچھ آگاہی اور علم رکھتے بھی تھے تو ان کی تعداد سرزمین مکہ میں، جو حجاز کا عبادتی، سیاسی اور اقتصادی مرکز تھا، بیس افراد تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ ہاں ایسے ماحول میں قلم کی قسم کھانا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس چیز کو، جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ '' اپنے پروردگار کی نعمت سے تو مجنون نہیں ہے۔''

دیوانے تو وہ ہیں جو عقل کل کے مظہر کو جنون کے ساتھ متہم کرتے ہیں اور انسانوں کے رہبر و رہنما کو اس ناروا نسبت کے ذریعہ اپنے سے دور کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: '' تیرے لئے عظیم اور ہمیشہ رہنے والا اجر و ثواب ہے۔''

'' ممنون '' '' من '' کے مادہ سے '' منقطع '' ہونے کے معنی میں ہے۔ معنی ایسا اجر و پاداش جو ہرگز منقطع نہیں ہوگا اور ہمیشہ باقی رہے گا۔

بعد والی آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور صفت کے بارے میں کہتی ہے: '' تو عظیم اور عمدہ اخلاق کا حامل ہے۔''

ایسے اخلاق جن کے مقابل عقل حیران ہے، بے نظیر لطف ومحبت، بے مثل صفا و صمیمیت اور توصیف سے باہر صبر و استقامت اور تحمل حوصلہ۔

اگر تو لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے تو سب سے زیادہ عبادت بھی کرتا ہے۔ اگر برے کام سے روکتا ہے تو سب سے پہلے خود اس کام سے رکتا ہے، وہ تجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور تو پند و نصیحت کرتا ہے وہ تجھے برا بھلا کہتے ہیں اور تو ان کے لئے دعا کرتا

ہے، وہ تیرے جسم پر پتھر مارتے ہیں اور گرم مٹی تیرے سر پر پھینکتے ہیں لیکن تو ان کی ہدایت کے لئے بارگاہ خدا میں ہاتھ اٹھاتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔''

مستقبل میں تیری تحریکیں اور طریق کار اور ان کے سایہ میں اسلام کی پیش رفت اور سریع نفوذ بھی اس بات کی نشان دہی کر دے گا کہ تو عقل و درایت کا ایک عظیم منبع ہے۔ دیوانے تو وہ چمگادڑ ہیں جو اس آفتاب کے نور سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

پھر قیامت میں تو یہ حقائق یقینی طور پر اور بھی زیادہ روشن اور زیادہ واضح و آشکار ہو جائیں گے۔

نیز مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے: ''تیرا پروردگار سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ سے کون شخص گمراہ ہوا ہے اور ہدایت پانے والوں کو بھی بہتر طور پر جانتا ہے۔''

کیونکہ یہ راستہ اسی کا راستہ ہے اور وہ اپنی راہ کو ہر شخص سے بہتر پہچانتا ہے۔ گویا اس طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ سے زیادہ اطمینان دلاتا ہے کہ وہ ہدایت کے راستہ پر ہیں اور ان کے دشمن ضلالت و گمراہی کی راہ پر ہیں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاقی فضائل کی تکمیل کروں''

''مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے اس شخص کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو راتوں کو عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور دنوں میں روزے رکھتا ہے۔''

(۸) فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ	اب جب کہ یہ بات ہے تو تکذیب کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو۔
(۹) وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ	وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کچھ نرمی اختیار کرو تاکہ وہ بھی کچھ نرمی کریں۔
(۱۰) وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۙ	اور ہر پست اور بہت زیادہ قسمیں کھانے والے آدمی کی اطاعت نہ کرو۔
(۱۱) هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۭ بِنَمِيمٍ ۙ	جو بہت ہی زیادہ عیب جو اور چغل خور ہے۔

(۱۲) مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ۙ	نیک کاموں میں بہت زیادہ رکاوٹیں ڈالنے والا، تجاوز کرنے والا اور گنہگار ہے۔
(۱۳) عُتُلٍّۢ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ۙ	اور ان سب باتوں کے علاوہ کینہ پرور، پرخور، سخت مزاج اور حرام زادہ ہے۔
(۱۴) اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ؕ	کہیں ایسا نہ ہو کہ صاحبِ مال اور زیادہ اولاد ہونے کی وجہ سے اس کی پیروی کرنے لگو۔
(۱۵) اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ	جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کے بے فائدہ افسانے ہیں۔
(۱۶) سَنَسِمُہٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ	ہم عنقریب اس کی ناک پر ننگ و عار کا داغ لگا دیں گے۔

تفسیر

ایسی صفات والوں کی پیروی نہ کرو

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم اخلاق کا ذکر کرنے کے بعد جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے، ان آیات میں ان کے دشمنوں کے اخلاق کو بیان کر رہا ہے تا کہ ان میں موازنہ کرنے سے ان دونوں کا فرق کامل طور سے آشکار ہو جائے۔

پہلے فرماتا ہے: ''ان تکذیب کرنے والوں کی، جو خدا، پیغمبر، قیامت کے دن اور اللہ کے دین کی تکذیب کرتے ہیں اطاعت اور پیروی نہ کرو۔''

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ ملانے اور اپنی طرف مائل کرنے کی ساز باز میں ان کی کوششوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کچھ نرمی اختیار کر لو تا کہ وہ بھی کچھ نرمی کریں۔''

اس کے بعد دوبارہ ان کی اطاعت سے منع کرتے ہوئے نو مذموم صفات کو جن میں سے ہر ایک اکیلی ہی اطاعت اور پیروی کرنے سے مانع ہو سکتی ہے، ان کو شمار کرتا اور فرماتا ہے: ''اور ایسے لوگوں کی جو پست اور بہت زیادہ قسمیں کھانے والے ہوں اطاعت

نہ کرو۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے۔''وہ شخص بہت ہی زیادہ عیب جو اور چغل خور ہے۔''

پانچویں چھٹی اور ساتویں صفت میں کہتا ہے:''وہ شخص جو نیک کاموں میں بہت زیادہ رکاوٹیں ڈالنے والا، تجاوز گر اور گنہگار ہے۔''

نہ صرف خود کوئی اچھا کام نہیں کرتا اور اچھائی کا راستہ نہیں دکھاتا، بلکہ دوسروں کی خیر و برکت کے مقابلہ میں بھی ایک رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک ایسا انسان ہے جو حدود الٰہی اور ان حقوق سے جو اللہ نے ہر انسان کے لئے متعین کر دی ہیں، تجاوز کرنے والا ہے۔ ان صفات کے علاوہ ہر قسم کے گناہ میں بھی آلودہ ہے، اس طرح کہ گناہ اس کی طبیعت اور مزاج کا جز بنا چکا ہے۔

آخر کار ان کی آٹھویں صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''وہ ان سب باتوں کے علاوہ پرخور و بدنام ہے۔''

وہ اس طرح سے واضح کرنا چاہتا ہے کہ اسلام و قرآن کے مخالفین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے مخالفین خود کس قسم کے لوگ تھے۔ جھوٹے، پست، عیب جو، چغل خور، حد سے تجاوز کرنے والے، گنہگار اور بے اصل و نسب افراد اور واقعاً اس قسم کے افراد کے علاوہ اور کسی سے اس قسم کے عظیم مصلح کی مخالفت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

بعد والی آیت میں خبردار کرتا ہے:''کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ زیادہ مال اور اولاد رکھتے ہیں، اس بناء پر تم ان کے مقابلہ میں نرم پڑ جاؤ اور سر تسلیم خم کر کے ان کی اطاعت کرنے لگو''۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر ہرگز ان کی اطاعت و پیروی نہ کرتے، لیکن یہ آیات حقیقت میں اس امر پر ایک تاکید ہیں تاکہ آپ کے مکتب کی راہ اور عملی روش سب پر آشکار ہو جائے اور دوست و دشمن میں سے کوئی بھی شخص اس قسم کی توقع نہ رکھے۔

بعد والی آیت میں اس قسم کی پست صفات کے حامل افراد کا آیات الٰہی کے مقابلہ میں عکس العمل دکھاتے ہوئے کہتا ہے:'' جب ہماری آیات اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو گذرے ہوئے لوگوں کے بے فائدہ افسانے ہیں''۔

وہ اس بہانے سے اور اس قبیح نسبت کی وجہ سے آیات اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

آخری زیر بحث آیت، اس گروہ کی ایک سزا سے پردہ اٹھاتے ہوئے مزید کہتی ہے:''ہم عنقریب اس کی ناک پر ننگ و عار کا داغ اور نشانی لگا دیں گے۔''

یہ ان کو انتہائی ذلیل کرنے کے لئے ایک منہ بولتی تعبیر ہے۔ کیونکہ اول تو ناک کی خرطوم سے تعبیر جو صرف خنزیر اور ہاتھی کے لئے بولی جاتی ہے، ان کے لئے ایک واضح تحقیر و تذلیل ہے۔ دوسرے لغت عرب میں نام عام طور پر بزرگی اور عزت سے کنایہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فارسی میں بھی جس وقت ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی ناک کو مٹی میں رگڑ دو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عزت کو برباد کر

دو۔(اردو میں ناک کا کٹنا بے عزتی کے معنی میں آتا ہے) تیسرے نشان وعلامت لگانا جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن جانوروں میں بھی ان کے چہروں خصوصاً ان کے ناک پر علامت لگائی جاتی، اور اسلام میں بھی اس کام سے روکا گیا ہے۔ یہ سب چیزیں واضح بیان کے ساتھ کہتی ہیں کہ اللہ اس قسم کے طغیان گر، خودخواہ، متجاوز اور سرکش افراد کو اس طرح ذلیل کرتا ہے اور ہر جگہ ان کی رسوائی کا ڈھنڈورا پٹوا دیتا ہے تا کہ سب کے لئے عبرت ہو۔

(۱۷) اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ	ہم نے انہیں آزمایا جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی جب انہوں نے یہ قسم کھائی کہ باغ کے پھلوں کو صبح کے وقت (حاجت مندوں کی نگاہوں سے بچا کر) چنیں گے۔
(۱۸) وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ	اوران میں چیز کا استثناء نہ کریں گے۔
(۱۹) فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ	لیکن تیرے پروردگار کا ایک گھیر لینے والا عذاب ان کے سارے باغ پر نازل ہو گیا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔
(۲۰) فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ	اور وہ ہرا بھرا باغ تاریک رات کی مانند ہو گیا۔
(۲۱) فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ	صبح کے وقت انہوں نے ایک دوسرے کو صدا دی۔
(۲۲) اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ	اگر تمہارا ارادہ پھلوں کو توڑنے کا ہو تو اپنے کھیت اور باغ کی طرف چلو۔
(۲۳) فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ	وہ چل پڑے اور ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے۔
(۲۴) اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ	اس بات کا خیال رکھو کہ ایک بھی فقیر تمہارے پاس نہ آنے پائے۔

(۲۵) وَّ غَدَوۡا عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ	انہوں نے صبح کے وقت یہ مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ پوری قوت کے ساتھ حاجت مندوں کو روکیں گے۔

تفسیر

باغ والوں کی عبرت انگیز داستان

اس بحث کی مناسبت سے جو گزشتہ آیات میں مغرور وخودخواہ دولت مندوں کے بارے میں تھی اور وہ مال اور اولاد کی زیادتی کی وجہ سے ہر چیز کو ٹھکرا دیتے تھے، ان آیات میں پہلے زمانہ کے کچھ دولت مندوں کے بارے میں کہ جو ایک سرسبز وشادات باغ کے مالک تھے اور آخرکار وہ خودسری کی بناء پر نابود ہوگئے تھے، ایک داستان بیان کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے۔"ہم نے انہیں آزمایا، جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی"

اس کا قصہ یہ ہے کہ یہ باغ جس میں ایک بوڑھے مرد مومن کی ملکیت تھی۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا کرتا اور باقی مستحقین اور حاجت مندوں کو دے دیتا تھا۔لیکن جب اس نے دنیا سے آنکھ بند کرلی (اور مرگیا) تو اس کے بیٹوں نے کہا ہم اس باغ کی پیداوار کے زیادہ مستحق ہیں، چونکہ ہمارے مال واطفال زیادہ ہیں۔لہٰذا ہم اپنے باپ کی طرح عمل نہیں کرسکتے۔اس طرح انہوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ ان تمام حاجت مندوں کو جو ہر سال اس سے فائدہ اٹھاتے تھے محروم کردیں۔لہٰذا ان کی سرنوشت وہی ہوئی جو ان آیات میں بیان ہوئی۔

کہتا ہے:"ہم نے انہیں آزمایا، جب انہوں نے یہ قسم کھائی کہ باغ کے پھلوں کو صبح کے وقت حاجت مندوں کی نظریں بچا کر چنیں گے۔"

"اور اس میں کسی قسم کا استثناء نہ کرینگے اور حاجت مندوں کے لئے کوئی چیز بھی نہ رہنے دیں۔"

ان کا یہ ارادہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ یہ کام ان کے بخل اور ضعف ایمان کی وجہ سے تھا۔کیونکہ انسان چاہے کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو، اگر وہ چاہے تو کثیر پیداوار والے باغ میں سے کچھ نہ کچھ حصہ حاجت مندوں کے لئے مخصوص کرسکتا ہے۔

اس کے بعد اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے:"رات کے وقت جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے، تیرے پروردگار کا ایک گھیر لینے والا عذاب ان کے سارے باغ پر نازل ہوگیا۔"

جلانے والی آگ اور مرگ بار بجلی اس طرح سے اس کے اوپر مسلط ہوئی کہ وہ سرسبز وشاداب باغ رات کی مانند سیاہ اور تاریک ہوگیا اور مٹھی بھر راکھ کے سوا کچھ بھی باقی نہ بچا۔"

بہر حال باغ کے مالکوں نے اس گمان سے کہ یہ لدے پھندے درخت اب تیار ہیں کہ ان کے پھل توڑ لئے جائیں: ''صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو پکارا''۔

انہوں نے کہا: ''اگر تم اپنے باغ کے پھلوں کو توڑنا چاہتے ہو تو اپنے کھیت اور باغ کی طرف چلو۔''

''اسی طرح سے وہ اپنے باغ کی طرف چل پڑے اور وہ آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔''

''کہ اس بات کا خیال رکھو کہ ایک بھی فقیر تمہارے پاس نہ آنے پائے۔''

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان کے باپ کے سابقہ نیک اعمال کی بناء پر فقراء کا ایک گروہ ایسے دنوں کے انتظار میں رہتا تھا کہ باغ کے پھل توڑنے کا وقت شروع ہو تو اس میں سے کچھ حصہ انہیں بھی ملے۔ اسی لئے یہ بخیل اور ناخلف بیٹے اس طرح سے مخفی طور پر چلے کہ کسی کو یہ احتمال نہ ہو کہ اس قسم کا دن آپہنچا ہے۔

''اس طرح سے وہ صبح سویرے اپنے باغ اور کھیت میں جانے کے ارادے سے حاجت مندوں اور فقراء کو روکنے کے لئے پوری قوت اور پختہ ارادے کے ساتھ چل پڑے''

(۲۶) فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ	پس (جب باغ میں وارد ہوئے اور) اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔
(۲۷) بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ	بلکہ ہم محروم ہو گئے ہیں۔
(۲۸) قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ	ان میں سے ایک (جو سب سے زیادہ عقلمند تھا) نے کہا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟
(۲۹) قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ	انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک و پاکیزہ اور منزہ ہے، یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔
(۳۰) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ	پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف رخ کیا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

(۳۱) قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ	اور کہا: وائے ہو ہم پر ہم ہی طغیان گر اور سرکش تھے۔
(۳۲) عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ	ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار (ہمیں بخش دے اور) اس کے بجائے اس سے بہتر ہمیں دے دے، کیونکہ اب ہم اس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔
(۳۳) كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	اللہ کا عذاب (دنیا میں) اسی طرح سے ہوتا ہے۔ تاہم اگر وہ جانتے تو آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔

تفسیر

سرسبز باغ کے مالکوں کا دردناک انجام

یہ آیات انہیں باغ والوں کی داستان کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔ وہ باغ والے اس امید پر کہ باغ کی فراواں پیداوار کو چنیں اور مساکین کی نظر سے بچا کر اسے جمع کر لیں اور یہ سب کچھ اپنے لئے خاص کر لیں، یہاں تک کہ اللہ کی نعمت کے اس وسیع دسترخوان پر ایک بھی فقیر نہ بیٹھے۔ یوں صبح سویرے چل پڑے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ رات کے وقت جب کہ وہ پڑے سو رہے تھے ایک مرگبار ساعقہ نے باغ کو ایک مٹھی بھر خاکستر میں تبدیل کر دیا ہے۔

''جب انہوں نے اپنے باغ کو دیکھا تو اس کا حال اس طرح سے بگڑا ہوا تھا کہ انہوں نے کہا یہ ہمارا باغ نہیں ہے۔ ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔''

پھر انہوں نے مزید کہا: ''بلکہ ہم تو حقیقت میں محروم ہیں۔''

ہم چاہتے تھے کہ مساکین اور ضرورت مندوں کو محروم کریں لیکن ہم تو خود سب سے زیادہ محروم ہو گئے ہیں، مادی منافع سے بھی محروم ہو گئے ہیں اور معنوی برکات سے بھی۔

''اس اثناء میں ان میں سے ایک جو سب سے زیادہ عقل مند تھا، اس نے کہا: ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟''

اس آیت سے معلوم ہے کہ ان میں ایک مرد مومن تھا جو انہیں بخل اور حرص سے منع کیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ اقلیت میں تھا لہٰذا کوئی بھی اس کی بات پر کان نہیں دھرتا تھا۔

وہ بھی ایک لمحہ کے لئے بیدار ہو گئے اور انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا: ''انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار پاک اور منزہ ہے۔ یقیناً ہم ہی ظالم وستمگر تھے۔ ہم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور دوسروں پر بھی۔''

لیکن مطلب یہیں پر ختم نہیں ہو گیا؟: ''انہوں نے ایک دوسرے کی طرف رخ کیا اور ایک دوسرے کو ملامت وسرزنش کرنے لگے۔

احتمال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی خطا کے اعتراف کے باوجود اصلی گناہ کو دوسرے کے کندھے پر ڈالتا اور شدت کے ساتھ اس کو سرزنش کرتا تھا۔

ہاں! تمام ظالموں کی سرنوشت کہ جو عذاب الٰہی کی چنگل میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ے کہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بوجوہ ہر ایک کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بدبختی کا عامل دوسرے کو شمار کرے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ جب وہ اپنی بدبختی کی انتہاء سے آگاہ ہوئے تو ان کی فریاد بلند ہوئی اور انہوں نے کہا: ''وائے ہو ہم پر کہ ہم ہی سرکشی وطغیان کرنے والے تھے''

انہوں نے پہلے مرحلہ میں تو ظلم وستم کا اعتراف کیا اور یہاں طغیان وسرکشی کا اعتراف ہے۔ حقیقت میں طغیان ظلم سے بالاتر ایک مرحلہ ہے۔

انجام کار انہوں نے اس بیداری، گناہ کے اعتراف اور اللہ کی طرف بازگشت کے بعد اس کی بارگاہ کی طرف مراجعہ کیا اور کہا۔ ''امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہوں کو بخش دے گا اور ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے گا۔''

'' کیونکہ ہم نے اس کی طرف رخ کر لیا ہے اور اس کی پاک ذات کے ساتھ لو لگا لی ہے۔ لہٰذا اس مشکل کا حل بھی اسی کی بے پایاں قدرت سے طلب کرتے ہیں۔''

آخری زیر بحث آیت میں کلی طور پر نتیجہ نکالتے ہوئے سب کے لئے ایک درس کے عنوان سے فرماتا ہے: ''اللہ کا عذاب اس طرح کا ہوتا ہے اور اگر وہ جانیں تو آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔''

اگر تم بھی مال وثروت اور مادی وسائل کی بناء پرمست ومغرور ہو گئے، ذخیرہ طلبی کی روح نے تم پر غلبہ کرلیا، ہر چیز کو اپنے لئے ہی طلب کرنے لگو اور حاجت مندوں کو محروم کر دو تو تمہاری سرنوشت بھی ان سے بہتر نہیں ہوگی۔

(۳۴) اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ	پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس جنت کے پرنعمت باغات ہیں۔

(۳۵) اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ ؕ	کیا ہم مومنین کو مجرمین کی طرف قرار دے دیں؟
(۳۶) مَا لَکُمْ ٝ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ۚ	تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کس قسم کے فیصلے کرتے ہو؟
(۳۷) اَمْ لَکُمْ کِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ۙ	کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے کہ جس سے تم درس پڑھتے ہو؟
(۳۸) اِنَّ لَکُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ۚ	کیا جسے تم انتخاب کرتے ہو وہ تمہارے لئے ہی مخصوص ہے؟
(۳۹) اَمْ لَکُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ ۚ	یا تم نے قیامت کے دن تک کے لئے کوئی تاکیدی عہد و پیمان لے لیا ہے کہ جو کچھ تم اپنے نفع کے لئے اختیار کرو گے وہ اسے تمہارے ہی لئے قرار دے گا؟
(۴۰) سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِکَ زَعِیْمٌ ۚۛ	ان سے پوچھ لیجئے ان میں سے کون اس قسم کی چیز کی ضمانت لیتا ہے؟
(۴۱) اَمْ لَهُمْ شُرَکَآءُ ۚۛ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَکَآئِهِمْ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ	یا ان کے ایسے معبود ہیں جو اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے؟ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو اپنے معبودوں کو سامنے لائیں۔

تفسیر

مکمل باز پرس

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کی روش اور طریقہ یہ ہے کہ بروں اور اچھوں کے حالات زندگی کو ایک دوسرے کے مقابل لاتا ہے تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ میں بہتر طور پر پہچانے جائیں۔ یہ طریقہ تربیتی لحاظ سے بہت ہی موثر ہے۔

اسی روش کے مطابق " اصحاب الجنۃ" (سرسبز وشاداب باغ والوں) دردناک سرنوشت کے ذکر کے بعد، جو گزشتہ آیات میں گزری ہے، پرہیزگاروں کا حال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے پاس جنت کے پر نعمت باغ ہیں۔"

جنت کے ایسے باغات جن میں ہر وہ نعمت جس کا تصور کیا جائے، اس کی کامل ترین نوع موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہ نعمتیں بھی ہوں گی جو کسی انسان کے خواب وخیال میں بھی نہ آئی ہوں گی۔

چونکہ مشرکین اور ثروت مندوں کی ایک جماعت خودخواہ تھی، جن کا دعوٰی یہ تھا کہ جس طرح دنیا میں ہماری حالت بہتر اور اعلیٰ ہے اسی طرح قیامت میں بھی بہت اچھی ہوگی۔ اللہ نے بعد والی آیت میں ان کا شدت کیساتھ مؤاخذہ کیا ہے کہ فرماتا ہے: "کیا ہم مومنین کو جو حق وعدالت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں، مشرکین اور مجرمین کی مانند قرار دیں گے۔"

تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ تم کس طرح کے فیصلے کرتے ہو"؟

کیا کوئی عقلمند انسان یہ باور کرلے گا کہ عادل وظالم، مطیع ومجرم، ایثارگر اور انحصار طلب کی سرنوشت ایک جیسی ہوگی؟ وہ بھی اللہ کی بارگاہ میں اس کے بعد مزید کہتا ہے: "اگر عقل وخرد نے اس قسم کے حکم میں تمہاری رہنمائی نہیں کی ہے تو کیا اس پر کوئی "نقلی" دلیل تمہارے پاس ہے؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے کہ جس سے تم درس لیتے ہو؟"

"کہ جسے تم انتخاب کرتے ہو اور اس کی طرف میلان رکھتے ہو وہ تمہارے لئے مخصوص ہے۔"

تم یہ توقع رکھتے ہو کہ تم جیسے مجرم بھی مسلمانوں کے ہم پلہ ہو جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ جن کا نہ عقل حکم کرتی ہے اور نہ ہی کسی معتبر کتاب میں آئی ہے۔

بعد والی آیت میں بات کو اس طرح جاری رکھے ہوئے ہے:

"اگر تمہارے پاس عقل ونقل سے کوئی مدرک اپنے دعوے کے لئے نہیں ہے تو کیا تم نے کوئی تاکیدی عہد وپیمان ہم سے لے لیا ہے جو قیامت تک برقرار رہے گا کہ تم جو کچھ بھی اپنے نفع میں فیصلہ کرلو۔ اسے وہ تمہارے لئے قرار دے دے گا۔"

کون شخص یہ دعوٰی کرسکتا ہے کہ اس نے اللہ سے یہ عہد وپیمان لے لیا ہے کہ وہ جو چاہیں گے اللہ اسے تسلیم کرلے گا۔

پھر انہیں سوالات کو جاری رکھتے ہوئے، جو ہر طرف سے ان پر راستوں کو بند کر رہے ہیں، مزید کہتا ہے:

"ان سے پوچھ لیجئے کہ ان میں سے کون اس بات کا ضامن ہے کہ مجرمین اور مومنین برابر ہیں، جو کچھ وہ چاہتے ہیں اللہ ان کے اختیار میں دے دے گا۔"

آخری مرحلہ میں ان سے ایک عجیب سوال کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یا ان کے ایسے معبود جو اللہ کے ہاں ان کی شفاعت و حمایت کریں گے۔ اگر وہ سچ کہتے ہیں تو ان کو سامنے لائیں اور ان کا تعارف کرائیں۔"

کیا ان کے پاس کوئی معمولی سے معمولی دلیل ہے کہ یہ بےقدر وقیمت اور بےشعور جمادات اللہ کے شریک ہیں اور اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے ہیں۔

(۴۲) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	اس دن کو یاد کرو جس میں پاؤں کی پنڈلی وحشت سے برہنہ ہو جائے گی اور انہیں سجدے کی دعوت دی جائے گی لیکن وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔
(۴۳) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ	حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں (شرمساری کی شدت سے) نیچے ہوں گی اور ذلت وخواری نے ان کے وجود کو گھیر رکھا ہوگا۔ انہیں اس سے پہلے بھی جبکہ وہ صحیح وسالم تھے سجدے کی دعوت دی جایا کرتی تھی۔
(۴۴) فَذَرْنِیْ وَ مَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ	جو لوگ اس بات کی تکذیب کرتے ہیں، مجھے ان کے لئے رہنے دے۔ ہم انہیں ایسی جگہ سے جسے وہ نہیں جانتے تدریجاً عذاب کی طرف لے جائیں گے۔
(۴۵) وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ	اور میں انہیں ڈھیل دیتا رہوں گا، کیونکہ میرے منصوبے محکم اور دقیق ہیں۔

تفسیر

اس دن سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن قادر نہ ہوسکیں گے۔

گزشتہ آیات کے بعد جن میں مشرکوں اور مجرموں سے سخت باز پرسی کی گئی تھی، زیر بحث آیات میں قیامت میں ان کی سر نوشت کے ایک گوشہ کی نشان دہی کر رہا ہے، تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ خود خواہ اور بڑے بڑے دعوے کرنے والا گروہ کس قدر ذلیل وخوار ہوگا۔

فرماتا ہے: ''اس دن کو یاد کرو جس دن پنڈلیاں خوف ووحشت سے برہنہ ہو جائیں گی اور انہیں سجدہ کی دعوت دی جائے گی لیکن وہ اس پر قادر نہیں ہوں گے۔''

ہاں! اس دن سب کو پروردگار کے سامنے سجدہ اور خضوع کی دعوت دی جائے گی۔ مومنین تو سجدے میں گر پڑیں گے لیکن مجرموں میں سجدہ کی قدرت نہ ہوگی۔

بعد والی آیت کہتی ہے۔ ''حالت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں شدت ندامت وشرمساری سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت وخواری نے ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا۔''

مجرم افراد کے خلاف جب کسی عدالت میں فیصلہ ہو جاتا ہے تو عام طور پر وہ اپنا سر نیچے کر لیتے ہیں اور ذلت وخواری ان کے سارے وجود کو گھیر لیتی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''انہیں اس سے پہلے دار دنیا میں جبکہ وہ صحیح وسالم تھے سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی۔''

لیکن انہوں نے بالکل سجدہ نہ کیا اور استکبار، سرکشی اور روگردانی کی روح کو اپنے ساتھ ہی میدان قیامت تک لے آئے، اس حالت میں ان میں سجدہ کرنے کی قدرت کیسے ہوگی۔

اس کے بعد روئے سخن پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے: ''مجھے اس بات (یعنی قرآن) کی تکذیب کرنے والوں کے لئے رہنے دے۔ میں ان سب کا حساب کتاب چکا لوں گا۔''

یہ خداوند قادر وقہار کی طرف سے ایک شدید اور سخت تہدید ہے کہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا ہے تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان ہٹ دھرم، سرکش اور جھٹلانے والوں کے لئے مجھے ہی رہنے دے تاکہ وہ جس چیز کے مستحق ہیں میں وہ انہیں دے دوں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''ہم عنقریب انہیں ایسی جگہ سے جسے وہ نہیں جانتے تدریجاً عذاب کی طرف لے جائیں گے۔''

''اور میں انہیں مہلت دیتا رہوں گا اور ان کے عذاب میں جلدی نہ کروں۔ کیونکہ میرے منصوبے مستحکم اور دقیق ہیں اور میرا عذاب شدید ہے۔''

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''بعض اوقات جب سرکش بندے گناہ کرتے ہیں تو اللہ انہیں نعمت دیتا ہے اور وہ اپنے گناہ سے غافل ہو جاتے اور توبہ کو بھول جاتے ہیں۔ یہی استدراج اور تدریجی بلا وعذاب ہے۔''

جب انسان گناہ کرتا ہے تو وہ تین حالتوں سے باہر نہیں ہوتا، یا تو وہ خود ہی متوجہ ہو جاتا ہے اور واپس پلٹ آتا ہے، یا اللہ اسے ابتلاء کا تازیانہ لگاتا ہے تاکہ وہ بیدار ہو جائے،، یا وہ اس میں ان دونوں کے لئے کسی میں بھی شائستگی نہیں ہوتی اور اللہ بلاء و مصیبت کی بجائے اسے نعمت بخشتا ہے۔ پس یہ وہی ''عذاب استدراج'' ہے جس کی طرف آیات قرآنی میں اس تعبیر کے ساتھ یا دوسری تعبیروں کے ساتھ اشارہ ہوا ہے۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ خدائی نعمتوں کے فراوانی کے موقع پر یہ دیکھے کہ کہیں امر جو ظاہر میں نعمت ہے، ''عذاب استدراج'' ہی نہ ہو۔ اسی وجہ سے بیدار مغز مسلمان ایسے موقعوں پر سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے اعمال کی دیکھ بھال کرتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام صادق کے اصحاب میں سے ایک نے عرض کیا: میں نے اللہ سے مال طلب کیا تو اس نے مجھے مال عطا کیا۔ میں نے اس سے اولاد طلب کی تو اس نے مجھے اولاد بخشی میں نے اس سے گھر طلب کیا تو اس نے مجھے گھر مرحمت فرمایا۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ استدراج ہو۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔

''اگر یہ سب کچھ حمد و شکر الٰہی کے ساتھ ہو تو پھر یہ استدراج نہیں ہے۔ (نعمت ہے)''

(۴۶) اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ۚ	یا تو ان سے کچھ اجرت مانگتا ہے کہ جس کا ادا کرنا ان کے لئے سنگین ہے؟
(۴۷) اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ	یا ان کے پاس غیب کے اسرار ہیں کہ جنہیں وہ لکھتے رہتے ہیں۔
(۴۸) فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنۡ كَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰى وَ هُوَ مَكۡظُوۡمٌ ؕ	اب جبکہ ایسا ہے تو تم صبر کرو اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہو اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ بنو جب کہ اس نے اللہ کو پکارا اور وہ غم واندوہ کی حالت میں تھا۔
(۴۹) لَوۡ لَاۤ اَنۡ تَدٰرَكَهٗ نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَ هُوَ مَذۡمُوۡمٌ	اگر اللہ کی رحمت اس کی مدد کے لئے نہ آتی تو (مچھلی کے پیٹ سے) اس حال میں باہر پھینکا جاتا کہ وہ مذموم ہوتا۔
(۵۰) فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	لیکن اس (یونس) کے پروردگار نے اس کو برگزیدہ کرلیا اور صالحین میں سے قرار دیا۔

تفسیر

عذاب کا تقاضا کرنے میں جلدی نہ کرو

وہی باز پرس جو گزشتہ آیات میں مشرکین اور مجرموں سے ہوئی تھی اسے جاری رکھتے ہوئے ان آیات میں دو اور سوالوں کا

اضافہ کرتا ہے۔ پہلے کہتا ہے: ''یا تو ان سے کچھ اجرت مانگتا ہے کہ جس کا ادا کرنا ان کے لئے سنگین ہے؟''

اگر ان کا بہانہ یہ ہے کہ تیری دعوت کو سننے کے لئے مال کی ضرورت ہے۔ انہیں اس کے مقابلہ میں بہت اجرت دینا پڑے گی اور ان میں اتنی طاقت نہیں ہے، تو یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور تو ان سے بالکل کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی اور پیغمبر نے اجرت کا مطالبہ کیا ہے۔

اس کے بعد اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''یا ان کے پاس غیب کے اسرار ہیں کہ جنہیں وہ لکھتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں۔

چونکہ مشرکین اور دشمنان اسلام کی سختی اور بدعقلی بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو ایسا دکھ پہنچاتی تھی کہ ممکن تھا آپ ان کے لئے بددعا اور نفرین کر دیں۔ لہٰذا اللہ نے بعد والی آیت میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور انہیں صبر و شکیبائی کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرماتا ہے: ''صبر کرو اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہو''۔

منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تیری اور تیرے اصحاب کی کامیابی اور تیرے دشمنوں کی شکست کے اسباب فراہم کر دے۔ تم ان کے عذاب کے لئے ہرگز جلدی نہ کرنا۔ جان لو کہ یہ مہلت جو انہیں دی جا رہی ہے ایک قسم کا عذاب استدراج ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جس نے اپنی قوم کے عذاب کے لئے جلدی کی اور ترک اولیٰ کی سزا میں گرفتار ہو گیا تھا۔''

''جب اس نے مچھلی کے پیٹ کے اندر سے اللہ کو پکارا اور وہ محبوس تھا اور اس کا سینہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا تھا۔''

ندا سے مراد وہی ہے جو سورۂ انبیاء کی آیت ۸۷ میں آیا ہے: ''اس نے تاریکیوں کے درمیان سے پکارا کہ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ تو منزہ ہے۔ بیشک میں ستمگاروں میں سے تھا۔ اس طرح اپنے ترک اولیٰ کا اعتراف کیا اور اللہ سے عفو و بخشش کا تقاضا کیا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''اگر اس کے پروردگار کی نعمت اور رحمت اس کی مدد کے لئے آگے نہ بڑھتی تو وہ مچھلی کے پیٹ سے اس حال میں باہر جاتا کہ وہ قابل مذمت ہوتا۔''

نعمت سے مراد وہی توبہ کی توفیق اور رحمت الٰہی کا مشمول ہونا ہے۔

اسی لئے بعد والی آیت میں فریاتا ہے: ''اس کے پروردگار نے اسے چن لیا اور اسے صالحین میں سے قرار دیا۔''

اس کے بعد انہیں نئے سرے سے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مامور کیا۔ وہ ان کی طرف آئے وہ سب ایمان لے آئے۔

(۵۱) وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِہِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ۘ	قریب ہے کہ کفار آیات کو سن کر تجھے اپنی آنکھوں سے ہلاک کر دیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔
(۵۲) وَ مَا ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ٪	درآنحالیکہ یہ (قرآن) عالمین کے لئے پیام بیداری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

وہ تجھے نابود کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کر سکتے۔

اوپر والی دونوں آیات جو سورۂ قلم کی آخری آیات ہیں حقیقت میں اسی چیز کو بیان کر رہی ہیں جو اس سورہ کے آغاز میں دشمنوں کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جنون کی نسبت کے سلسہ میں آئی تھی۔

پہلے فرماتا ہے: ''قریب ہے کہ کفار آیات قرآن کو سن کر تجھے اپنی آنکھوں سے ہلاک کر دیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو دیوانہ ہے۔''

وہ جس وقت قرآنی آیات کو سنتے ہیں تو اس قدر منذوب ہو جاتے ہیں اور اس پر تعجب کرتے ہیں ہ چاہتے ہیں تجھے نظر لگائیں (کیونکہ نظر لگانا عام طور پر ایسے امور کے بارے میں ہوتا ہے جو بہت زیادہ تعجب میں ڈالنے والے ہوتے ہیں) لیکن اس کے باوجود کہتے ہیں کہ تو دیوانہ ہے۔ یہ واقعاً بڑی تعجب خیز بات ہے۔ دیوانہ اور پراگندہ باتیں کہاں اور یہ حیرت انگیز، جاذب اور پر اثر آیات کہاں؟

انجام کار آخری آیت میں مزید کہتا ہے: ''یہ قرآن عالمین کے لئے بیداری کا ذریعہ ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

اس کے معارف روشنی بخشنے والے اس کے انذار آگاہ کرنے والے۔ اس کی مثالیں پر معنی، اس کی تشویقیں اور بشارتیں روح پرور، سوئے ہوئے لوگوں کے لئے بیداری کا سبب اور غافلوں کے لئے یادآوری کا موجب' ان حالات میں اس کے لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کیسے دی جاسکتی ہے؟''

کیا نظر بد کوئی حقیقت ہے؟

بہت سے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بعض آنکھوں میں ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کی طرف توجہ کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں تو ممکن ہے کہ اسے نابود کردیں یا درہم برہم کردیں۔ اور اگر کوئی انسان ہے، تو اسے بیمار یا دیوانہ کردیں۔

یہ مسئلہ عقلی لحاظ سے کوئی امر محال نہیں ہے۔

اسلامی روایات میں بھی ایسی بہت سی مختلف تعبیریں نظر آتی ہیں جو اس امر کی اجمالاً تائید کرتی ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے لئے ایک تعویز بنایا اور آپ نے یہ دعا پڑھی:

''میں تمہیں تمام کلمات اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ کے، موت، موذی جانوروں کے شر اور ہر بری آنکھ اور حسد کرنے والے کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے، سپرد کرتا ہوں'' اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام و اسحٰق علیہ السلام کے لئے اسی طرح سے تعویذ بنایا تھا۔''

سورۂ حاقہ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۵۲ آیات ہیں۔

سورۂ الحاقہ کے مضامین

اس سورہ کے مباحث تین محوروں پر گردش کرتے ہیں:

پہلا محور: جو اس سورۂ کی بحث کا اہم ترین موضوع ہے وہ قیامت سے مربوط مسائل اور اس کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ اسی لئے قیامت کے تین نام حاقہ، قارعۃ اور واقعہ، اس سورہ میں آئے ہیں۔

دوسرا محور: وہ مباحث ہیں جو گزشتہ کافر اقوام خصوصاً قوم عاد، ثمود اور قوم فرعون کی سرنوشت کے بارے میں ہیں۔ جو تمام کفار اور منکرین قیامت کے لئے قوی اور مؤکد اندازوں پر مشتمل ہیں۔

تیسرا محور: وہ مباحث ہیں جو قرآن کی عظمت، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام نیز تکذیب کرنے والوں کی سزا اور عذاب کے بارے میں ہیں۔

سورۂ الحاقہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے۔

''جو شخص سورہ حاقہ کی تلاوت کرے گا اللہ قیامت میں اس کے حساب کو آسان کر دے گا''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) اَلۡحَآقَّۃُ ۙ	وہ دن جو یقیناً واقع ہوگا۔
(۲) مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ	اور یہ واقع ہونے والا دن کیا ہے؟
(۳) وَ مَاۤ اَدۡرٰکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ	اور تجھے کیا معلوم کہ وہ واقع ہونے والا دن کیا ہے؟
(۴) کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ عَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ	قوم ثمود و عاد نے (اللہ کی طرف سے) سرکوبی کرنے والے عذاب کا انکار کیا۔
(۵) فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُہۡلِکُوۡا بِالطَّاغِیَۃِ	پس قوم ثمود تو سرکش عذاب سے ہلاک ہوئی۔
(۶) وَ اَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ۙ	اور قوم عاد طغیانی کرنے والی ٹھنڈی اور زوردار تیز آندھی سے ہلاک ہوئی۔

(۷)سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ	(اللہ نے) بنیادوں کو اکھاڑنے والی اس تیز آندھی کو سات راتوں اور آٹھ دنوں تک پے در پے ان پر مسلط رکھا (اگر تو وہاں ہوتا) تو دیکھتا کہ وہ قوم بوسیدہ تنوں اور کھجور کے کھوکھلے درختوں کی مانند اس تیز آندھی کے درمیان زمین پر پڑی ہے اور ہلاک ہوگئی ہے۔
(۸)فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ	کیا ان میں سے تو کسی کو باقی دیکھتا ہے؟

تفسیر

سرکشی کرنے والی قوم کے لئے سرکش عذاب

یہ سورۂ مسئلہ قیامت سے اور وہ بھی ایک نئے عنوان کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے۔

''وہ تحقق پانے والا دن''

''وہ تحقق پانے والا دن کیا ہے''

''اور تقریباً تمام مفسرین نے ''حاقہ'' کی قیامت کے دن کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا دن ہے قطعی اور یقینی طور پر واقع ہوگا، جیسا کہ سورہ ''واقعہ'' میں ''الواقعة'' کی تعبیر ہے۔ یہی تعبیر اسی سورہ کی آیت ۱۶ میں بھی آئی ہے اور یہ سب اس عظیم دن کے یقینی ہونے کی حکایت بیان کرتی ہیں۔

" ما الحاقه" کی تعبیر، اس دن کی عظمت کے بیان کے لئے ہے

" ما ادرک ما الحاقة" کی تعبیر دوبارہ اس عظیم دن کے حوادث کی عظمت پر مزید تاکید ہے یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہوتا ہے کہ تو نہیں جانتا وہ دن کس قسم کا ہے؟

اس کے بعد ان قوموں کی سرنوشت کو بیان کرتا ہے جنہوں نے قیامت کے دن (یا دنیا میں عذاب الٰہی کے نزول) کا انکار کیا۔ لہٰذا مزید کہتا ہے۔ ''قوم عاد و ثمود نے اللہ کے سرکوبی کرنے والے عذاب کا انکار کیا''

''پس قوم ثمود تو سرکش عذاب کے ذریعہ ہلاک ہوئی''

ثمود وہ قوم تھی جو حجاز و شام کے درمیان کوہستانی علاقہ میں آباد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے لیکن وہ

ہرگز ایمان نہ لائے اور ان سے مبارزہ کے لئے تیار ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو وہ عذاب جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اسے نازل کردے۔ اس وقت ایک تباہ کرنے والی بجلی ان پر مسلط ہوگئی جس نے چند لمحوں کے اندر ان کے مضبوط گھروں اور مستحکم محلوں میں لرزہ پیدا کر دیا۔ ان سب کو تہس نہس کر دیا اور ان کے بے جان جسم زمین پر پڑے رہ گئے۔

اس کے بعد قوم عاد کی سرنوشت بیان کرتا ہے وہ قوم جو سرزمین احقاف (جزیرہ نمائے عرب یا یمن میں آباد تھے ان کے قدوقامت طویل، بدن قوی، شہر آباد، زمینیں سرسبز وشاداب اور ہرے باغات تھے۔ ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے۔ ان لوگوں نے بھی اپنے طغیان وسرکشی کو اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ اللہ نے ایسے دردناک عذاب کے ساتھ، جس کی تشریح انہیں آیات میں آئی ہے، ان کی زندگی کے دفتر کو لپیٹ دیا۔ پہلے فرماتا ہے: ''باقی رہی قوم عاد تو وہ ایک تیز، سرکش، زناٹے دار، اونچی آواز والی سرد اور زہریلی آندھی کے ذریعہ ہلاک ہوگئی''

اس کے بعد اس تیز سرکوبی کرنے والی آندھی کی ایک دوسری توصیف کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اللہ نے اس کو اس قوم پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان کی بنیادیں اکھاڑنے کے لئے مسلط کیے رکھا''

نتیجہ وہ ہوا کہ قرآن کہتا ہے: ''اگر تو وہاں ہوتا تو مشاہدہ کرتا کہ وہ ساری کی ساری قوم منہ کے بل گری پڑی ہے'' کتنی عمدہ تشبیہ ہے جو ان کے طویل قد وقامت کو بھی مشخص کرتی ہے، ان کے جڑ سے اکھڑ جانے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور اللہ کے عذاب کے مقابلہ میں ان کے اندر سے خالی ہونے کو بھی بیان کرتی ہے۔ اس طرح کہ وہ تیز آندھی جدھر چاہتی ہے انہیں آسانی کے ساتھ لے جاتی ہے۔

آخری آیت میں مزید کہتا ہے: ''کیا تم ان میں سے کسی کو باقی دیکھتے ہو'' ہاں! آج نہ صرف قوم عاد کا کوئی نام ونشان باقی نہیں بلکہ ان کے آباد شہروں اور پرشکوہ عمارتوں کے کھنڈرات اور ان کے سرسبز کھیتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں ہے۔

(۹) وَ جَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَ مَنۡ قَبۡلَهٗ وَ الۡمُؤۡتَفِكٰتُ بِالۡخَاطِئَةِ ۚ	پھر فرعون اور وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے (قوم لوط) بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے۔
(۱۰) فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً	انہوں نے اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول کی مخالفت کی اور اللہ نے بھی انہیں شدید عذاب میں گرفتار کیا۔

(۱۱) اِنَّا لَمَّا طَغَی الْمَآءُ حَمَلْنٰکُمْ فِی الْجَارِیَۃِ ۙ	پس ہم نے اس وقت، جب پانی میں طغیانی آئی، تو تمہیں کشتی میں سوار کردیا۔
(۱۲) لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ	تا کہ ہم اسے تمہارے لئے تو تذکرہ کا وسیلہ قرار دیں اور سننے والے کان اسے یاد رکھتے ہیں۔

تفسیر

سننے والے کان کہاں ہیں؟

قوم ثمود کی سرگزشت کے ایک گوشہ کو بیان کرنے کے بعد دوسری اقوام جیسے قوم نوح اور قوم لوط کی طرف توجہ کرتا ہے تا کہ ان کی زندگی سے بیدار دل افراد کو ایک اور درس عبرت دے فرماتا ہے فرعون اور وہ لوگ جو اس سے پہلے تھے اور تہ و بالا ہونے والے شہروں کے لوگ (قوم لوط) بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''وہ اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے انہیں شدید عذاب میں گرفتار کر لیا فرعونی، موسیٰ اور ہارون کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سدوم کے شہروں میں رہنے والوں نے لوط علیہ السلام کی مخالفت کی اور دوسری اقوام نے بھی اپنے پیغمبروں کے فرمان سے روگردانی کی۔ ان سرکشوں میں سے ہر گروہ ایک خاص قسم کے عذاب میں گرفتار ہوا۔ فرعونی نیل کی موجوں میں، جو ان کی حیات و آبادی اور ملک کی برکت کا سبب تھا، غرق ہو گئے اور قوم لوط کے لوگ شدید زلزلہ اور اس کے بعد پتھروں کی بارش سے تباہ برباد اور نابود ہو گئے۔

آخر میں قوم نوح کی سرنوشت اور ان کے دردناک عذاب کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ہم نے اس وقت جب پانی میں طغیانی آئی تو تمہیں کشتی میں سوار کر دیا''

پانی کی طغیانی اس طرح تھی کہ تیرہ و تاریک بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسی بارش ہوئی کہ گویا آسمان کی طرف سے سیلاب کر رہا ہے اور زمین سے بھی چشمے ابلنے لگے۔ پھر یہ دونوں طرف کے پانی ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اور ہر چیز پانی میں ڈوب گئی، پس باغات، کھیتیاں اور سرکش قوم کے محلات اور مکانات سب غرقاب ہوء گئے۔ جن لوگوں نے نجات پائی ان میں صرف وہ مومنین تھے جو نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔

''حملنا کم'' (تمہیں کشتی میں سوار کیا) کی تعبیر ہمارے اسلاف اور بڑوں سے کنایہ ہے، کیونکہ اگر انہوں نے نجات

حاصل نہ کی ہوتی تو آج ہم موجود نہ ہوتے

اس کے بعد ان سزاؤں کے ہدف اصلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''مقصد یہ تھا کہ اسے تمہاری یاد آوری اورتذکر کے لئے وسیلہ قرار دیں''

''اور سننے والے کان اس کی حفاظت کریں''

ہم ہرگز ان سے انتقام لینا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ہدف انسانوں کی تربیت اور راہِ کمال میں ان کی ہدایت، راستہ دکھانا اور مطلوب تک پہنچانا تھا۔

علی علیہ السلام کے فضائل میں سے ایک اور فضیلت

بہت سی مشہور اسلامی کتابوں میں، چاہئے وہ تفسیر کی ہوں یا حدیث کی، یہ آیا ہے کہ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر والی آیہ (وتیھا اذن واعیة) کے نزول کے وقت فرمایا:

'' سالت ربی ان یجبلھا اذن علی علیہ السلام''

''میں نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ علی علیہ السلام کے کان کو ان سننے والے حقائق کو محفوظ رکھنے والے کانوں میں سے قرار دے''

اس کے بعد امام علی علیہ السلام فرماتے تھے۔

''میں نے رسول اللہ سے کوئی چیز نہیں سنی جسے بھول گیا ہوں، بلکہ وہ ہمیشہ میرے حافظہ میں رہی ہے۔

''غنیۃ المرام'' میں اس سلسلہ میں سولہ احادیث شیعہ اور اہل سنت کے طرق سے نقل ہوئی ہیں، اور محدث کجرانی نے تفسیر 'البرہان' میں محمد بن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں تیس احادیث عامہ اور خاصہ کے طرق سے نقل ہوئی ہیں۔

ہاں! یہ اسلام کے عظیم پیشوا اور امام علی علیہ السلام کی ایک عظیم فضیلت ہے کہ وہ اسرار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خزینہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم کے وارث ہیں۔ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان مشکلات میں جو اسلامی معاشرے کو پیش آتی تھیں، موافق ومخالف بھی لوگ آپ کی پناہ لیتے، اور آپ سے ہی مشکل کا حل چاہتے تھے۔ یہ واقعات کتب تواریخ میں تفصیل کے ساتھ آئے ہیں۔

(۱۳) فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ	پس جونہی کہ ایک مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔
(۱۴) وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ	اور زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھالئے جائیں گے، اور وہ یکا یک ٹکرا کر پارہ پارہ ہوجائیں گے۔

(۱۵) فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ	پس اس دن (یہ عظیم امر) واقع ہوگا۔
(۱۶) وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ	آسمان پھٹ جائیں گے اور کمزور ہو کر گر پڑیں گے۔
(۱۷) وَّ الْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ؕ	فرشتے آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔اور اس دن تیرے پروردگار کے عرش کو آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھالیں گے۔

تفسیر

وہ دن جس میں وہ عظیم واقعہ رونما ہوگا۔

اس سورہ کی ابتدائی آیات کو جاری رکھتے ہوئے جو معاد اور قیامت کے مسئلہ کو بیان کرتی تھیں، زیر بحث آیات اس عظیم قیامت کے حوادث کے مباحث کو پیش کرتی ہیں، ایسی ہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی تعبیروں کے ساتھ جو انسان کو ان وقائع کی عظمت سے آشنا کرتی ہیں جو اسے درپیش ہوں گے۔

پہلے فرماتا ہے: ''جب ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا'' جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔کہ اس جہان کے اختتام اور دوسرے جہان کے آغاز میں، ناگہاں اور اچانک ایک عظیم صدا پیدا ہوگی، جسے نفخۂ صور (ناقوس میں پھونکنے سے) تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک چیز کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ نفخۂ صور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا ہے دو نفخے ہیں، ''موت کا نفخہ'' اور ''حیات جدید کا نفخہ'' اس بارے میں کہ زیر بحث آیت میں جو نفخہ آیا ہے۔وہ اختتام جہاں کا نفخہ ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور جب زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی ضرب کیساتھ درہم برہم اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے'' اس طرح کہ ایک ہی دفعہ میں ریزہ ریزہ ہو کر ہموار ہو جائیں۔

اس کے لئے مزید کہتا ہے: ''اس دن جہان میں واقعہ عظیم رونما ہوگا اور قیامت برپا ہوگی۔''

نہ صرف زمین اور پہاڑ بکھر کر پراگندہ ہو جائیں گے بلکہ ''آسمانوں اور زمینوں میں بھی شگاف پڑ جائیں گے اور وہ کمزور اور غیر محکم ہو جائیں گے''۔

عظیم آسمانی کرّے بھی اس ہولناک اور وحشت ناک حادثہ سے بچ کر نہیں رہ سکتے، وہ بھی شگافتہ اور پراگندہ ہو کر بکھر

جائیں گے۔

''اور فرشتے آسمانوں کی طرفوں اور کناروں پر ہوں گے''۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ''اور اس دن آٹھ فرشتے اپنے پروردگار کا عرش اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

عرش سے مراد جہان ہستی کے مجموعہ کے معنی میں ہے جو اللہ کی حکومت کا عرش ہے۔ پس ان فرشتوں کے ذریعہ، جو اللہ کے حکم وفرمان کو جاری کرتے ہیں، اس کا ارادہ وتدبیر کی جاتی ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے قیامت میں عرش اللہ کے اٹھانے والے اور افراد اولین میں سے اور چار آخرین میں سے ہوں گے۔ اولین میں سے تو نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسی علیہ السلام ہوں گے اور آخرین میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام، حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام ہوں گے۔

یہ تعبیر ممکن ہے ان حضرات کے اولین وآخرین میں مقام شفاعت کی طرف اشارہ ہو، لیکن یہ شفاعت ایسے افراد کے بارے میں ہوگی جو شفاعت کے لائق ہوں گے۔ بہر حال یہ تعبیر 'عرش' کے مفہوم کی وسعت کو بتاتی ہے۔

(۱۸) یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَةٌ	اس دن تم سب کے سب بارگاہ خداوندی میں پیش کیے جاؤ گے اور تمہارے کاموں میں سے کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی۔
(۱۹) فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۚ	لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا، (وہ فرط مسرت سے) کہے گا کہ (اے اہل محشر) لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔
(۲۰) اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ	مجھے یقین تھا کہ (قیامت آکے رہے گی اور) میرے اعمال کا حساب ہوگا۔
(۲۱) فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ	وہ ایک کامل پسندیدہ زندگی میں قرار پائے گا۔
(۲۲) فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ	ایک عالی جنت میں۔
(۲۳) قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ	جس کے پھل دسترس میں ہوں گے۔

(۲۴) كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ	(اوران سے کہا جائیگا) مزے مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تم نے گذشتہ ایام میں انجام دیا تھا۔

تفسیر

اے اہل محشر میرا نامۂ اعمال پڑھو

گذشتہ آیات کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے کہ " نفخِ صور" دو مرتبہ رونما ہوگا۔ پہلی دفعہ سب ذی روح مرجائیں گے اور نظام زندگی بکھر کر رہ جائے گا۔ دووسری مرتبہ ایک نیا جہان اور ایک نیا عالم برپا ہوگا، انسان اور فرشتے ایک نئی زندگی حاصل کریں گے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ان آیات کا آغاز تو پہلے نفخہ کی اور ان کا آخر دوسرے نفخہ کی خبر دیتا ہے۔

اسی مطلب کو جاری رکھتے ہوئے زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: ''اس دن تم سب بارگاہِ خداوندی میں پیش کئے جاؤ گے اور تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔''

انسان اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس دنیا میں بھی ہمیشہ اس کے سامنے ہیں۔ لیکن یہ بات قیامت میں زیادہ سے زیادہ نمایاں اور ظاہر ہوگی۔

نہ صرف انسانوں کے مخفی اعمال، بلکہ ان کے صفات، جذبات، اخلاق اور نیتیں، سب کھل کر سامنے آجائیں گی۔ یہ ایک عظیم حادثہ ہے اور بعض مفسرین کے مطابق پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے اور آسمانوں کے کروں کے پھٹ جانے سے زیادہ عظیم، بدکاروں کی عظیم رسوائی اور مومنین کی بے مثال سربلندی کا دن ہے۔

لہٰذا اس کے بعد کہتا ہے: ''لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا وہ فرطِ مسرت میں پکار اٹھے گا، لو آؤ اور میرا نامۂ اعمال پڑھو۔''

اس کے بعد اپنے عظیم ترین افتخار کو اس کلمہ میں خلاصہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''مجھے یقین تھا کہ قیامت آ کے رہے گی اور مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔''

مجھے جو کچھ نصیب ہوا ہے۔ وہ اس دن پر ایمان کی وجہ سے ہے۔ واقعاً بات یہی ہے کہ حساب و کتاب پر ایمان، انسان کو تقوی اور پرہیزگاری کی روح عطا کرتا ہے، تعہد اور مسئولیت کا احساس پیدا کرتا ہے اور انسان کی تربیت کا اہم ترین عامل ہے۔

بعد والی آیت میں اس قسم کے افراد کے اجر و ثواب کے ایک گوشہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ ایک کامل اور پسندیدہ زندگی میں قرار پائے گا۔''

اگرچہ اس نے اسی ایک جملہ کے ساتھ تمام کہنے کی باتیں کہہ دی ہیں لیکن مزید وضاحت کے لئے کہتا ہے: ''وہ عالی مرتبہ بہشت میں ہوگا۔''

وہ بہشت جو اتنی بلند و بالا اور رفیع و والا قدر ہے کہ نہ کسی شخص نے دیکھی ہے نہ سنی ہے اور نہ ہی کبھی اس کا تصور کیا ہے۔

ایسی بہشت جس کے پھل دسترس میں ہوں گے۔''

نہ پھلوں کو توڑنے کی زحمت اٹھانا پڑے گی، نہ ہی اس کے لدے پھندے درختوں کے قریب ہونے میں کوئی مشکل ہوگی اور اصولی طور پر اس کی تمام نعمتیں بغیر کسی استثناء کے دسترس میں ہوں گی۔

آخری زیر بحث آیت میں، ان بہشتیوں کے لئے اللہ کے محبت آمیز خطاب کو اس طرح بیان کیا ہے: ''مزے مزے سے کھاؤ اور پیو، یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تم نے گذشتہ ایام میں انجام دیا تھا۔''

ہاں! یہ عظیم نعمتیں بے حساب نہیں ملیں گی۔ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جنہیں تم نے دنیا میں آج کے لئے ذخیرہ کیا اور آگے بھیجا ہے، لیکن یہ ناچیز اعمال جب فضل و رحمت الٰہی کے افق میں قرار پائے ہیں تو اس قسم کے ثمرات و نتائج تک منتہی ہوئے ہیں۔

(۲۵) وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۚ	لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: اے کاش میرا نامۂ اعمال مجھے ہرگز نہ دیا جاتا۔
(۲۶) وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۚ	اور میں یہ نہ ہی جانتا کہ میرا حساب کیا ہے؟
(۲۷) یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۚ	اے کاش! مجھے تو موت ہی آجاتی۔
(۲۸) مَاۤ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ	میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا۔
(۲۹) هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ	میری قدرت بھی میرے ہاتھ سے نکل گئی۔

تفسیر

اے کاش مجھے موت آجاتی

گذشتہ آیات میں گفتگو 'اصحاب الیمین' اور امن مومنین کے بارے میں تھی کہ جن کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ فخریہ اہل محشر کو پکاریں گے اور نہیں اپنے اعمال کو پڑھنے کی دعوت دیں گے۔ اس کے بعد بہشتِ جاوداں میں پہنچ جائیں

گے۔

لیکن زیر بحث آیات ٹھیک ان کے نقطۂ مقابل یعنی 'اصحاب شمال' کو پیش کرتی ہیں اور ایک موازنہ میں ان دونوں کی کیفیت کو کامل طور پر واضح کر دیتی ہیں۔ پہلے فرماتا ہے: ''لیکن جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش میرا نامۂ اعمال کبھی بھی مجھے نہ دیا جاتا۔''

ہاں! اس عظیم عدالت میں وہ دل سے پے در پے آہِ سوزاں کھینچے گا۔ ایسی آہ جو حسرت بار ہوگی اور ایسا نالہ جو شرر بار ہوگا۔ وہ یہ آرزو کرے گا کہ اس کا اپنے ماضی سے کلی طور پر رابطہ ختم ہو جائے جیسا کہ سورۃ نباء کی آیت ۴۰ میں بھی آیا ہے: ''کافر اس دن یہ کہے گا، اے کاش! میں مٹی ہوتا اور ہرگز انسان نہ بنتا۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''یہ گنہگار مجرم اعتراف کرتے ہوئے کہے گا: ''میرے مال و دولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور آج کی مصیبت میں جو میری بیچارگی کا دن ہے، میرے کچھ کام نہ آیا۔''

نہ صرف میرے مال و دولت نے مجھے بے نیاز نہیں کیا اور میری مشکل کو حل نہیں کیا'' بلکہ میری قدرت و سلطنت بھی نابود ہوگئی اور ہاتھ سے چلی گئی۔''

خلاصہ یہی ہے کہ نہ تو مال ہی کام آیا اور نہ ہی مقام و منصب، آج خالی ہاتھ، انتہائی ذلت و شرمساری کے ساتھ دادگاہِ عدلِ الٰہی میں حاضر ہوں۔ نجات کے تمام اسباب منقطع ہوگئے ہیں، میری طاقت و قدرت برباد ہوگئی ہے اور میری امید ہر جگہ سے ختم ہو چکی ہے۔

ایک عبرت انگیز داستان

یہاں بہت سے واقعات نقل ہوئے ہیں جو سب کے سب اوپر والی آیات کے مضمون پر ایک تاکید اور ان لوگوں کیلئے ایک درس عبرت ہیں جنہوں نے مال و مقام اور منصب پر تکیہ کیا اور سرتاپا غرور و غفلت اور گناہ میں آلودہ ہیں، منجملہ:

'سفینۃ البحار' میں کتاب نصائح سے اس طرح سے نقل ہوا ہے۔ ''خراسان میں جب ہارون الرشید کی بیماری شدید ہوگئی تو اس نے طوس سے کسی طبیب کو بلانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اس کا پیشاب دوسرے چند بیماروں اور کچھ صحیح و سالم افراد کے پیشاب کے ساتھ طبیب کے سامنے پیش کیا جائے۔ طبیب ان شیشیوں کو یکے بعد دیگرے دیکھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ ہارون الرشید کے پیشاب والی شیشی تک پہنچ گیا۔ چنانچہ یہ جانے بغیر کہ یہ شیشی کس کی ہے اس نے کہا: اس شیشی والے سے کہہ دیں کہ وہ اپنی وصیت کر دے۔ کیونکہ اس کی طاقت و قوت مضمحل ہو چکی ہیں اور اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ ہارون الرشید طبیب کی اس بات کو سن کر اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا، اور یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔

ان الطبیب بطبه و دوائه

لا یستطیع دراع نحب قد أتی

ما للطبیب یموت الداء الذی

اد کان یبیرء مثله فیما مضی

''طبیب اپنی طبابت اور دواؤں کے ذریعے اس موت کا دراع کرنے کی قدرت نہیں
رکھتا جو آپہنچتی ہے۔اگر وہ یہ قدرت رکھتا ہوتا تو پھر وہ خود اسی بیماری سے کیوں مرتا کہ
جس کا وہ پہلے علاج کیا کرتا تھا۔''

اس اثناء میں اسے خبر ملی کہ لوگوں نے اس کی موت کی خبر پھیلادی ہے۔اس شہرت کو ختم کرنے کے لئے اس نے ایک سواری لانے کا حکم دیا اور کہا کہ مجھے اس پر سوار کردو، لیکن اچانک اس جانور کا زانو کمزور ہوگیا۔تب اس نے کہا:''مجھے سواری سے اتارو کیونکہ اس خبر کو اڑانے والے سچ کہتے ہیں۔''

اس کے بعد اس نے وصیت کی کہ اس کے لئے کئی کفن لائے جائیں۔ان میں سے اس نے ایک کو پسند کرکے رکھ لیا اور کہا۔''میرے بستر کے قریب ہی میری قبر تیار کرو۔'' پھر اس نے قبر کی طرف دیکھا اور ان آیات کی تلاوت کی:

''ما اغنیٰ عنی مالیه . هلک عنی سلطانیه'' اور اسی دن دنیا سے رخصت ہوگیا۔

(۳۰) خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ	اسے پکڑو اور طوق وزنجیر میں جکڑ دو۔
(۳۱) ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۙ	پھر اسے جہنم میں پھینک دو۔
(۳۲) ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۭ	اس کے بعد اسے ایسی زنجیر میں باندھ دو جو ستر ہاتھ لمبی ہے۔
(۳۳) اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۙ	کیونکہ وہ ہرگز خداوند عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا۔
(۳۴) وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۭ	اور نہ ہی مساکین کو کھانا کھلانے کی لوگوں کو تشویق کرتا تھا۔

(۳۵) فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ۙ	لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی مہربان اور یارو یاور نہیں ہے۔
(۳٦) وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ۙ	اور نہ ہی پیپ اور خون کے علاوہ کوئی اور کھانا ہے۔
(۳۷) لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِئُوۡنَ ۠	ایسی غذا جسے خطا کاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں کھاتا۔

تفسیر

اسے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دو۔

گذشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے جو اصحابِ شمال کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں کہ ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، ان کے آہ و نالہ کی فریاد بلند ہوگی اور وہ موت کی آرزو کریں گے۔ زیر بحث آیات میں ان کے عذاب کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اس وقت عذاب کے فرشتوں کو حکم دیا جائے گا: ''اسے پکڑ لو اور طوق و زنجیر میں جکڑ لو۔''

اس کے بعد کہا جائے گا: ''اس کو جہنم کی آگ میں داخل کر دو۔''

''پھر اسے اتنی لمبی زنجیر میں جکڑ دو جو ستر ہاتھ ہے۔''

ذراع کہنی سے لے کر انگلیوں کی نوک تک کے فاصلہ کے معنی میں ہے (جو تقریباً آدھا میٹر ہوتا ہے) اور یہ عربوں کے نزدیک ایک ہی طول تھا جو ایک طبیعی پیمانہ ہے لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ عام ذراع سے مختلف ہے۔ اس طرح کہ اس کی ایک ذراع بہت زیادہ فاصلوں کو گھیر لیتی ہے اور سارے کے سارے دوزخیوں کو اسی ایک زنجیر کے ساتھ باندھ دیں گے۔

بعد کی دو آیات میں اس سخت و شدید عذاب کی اصلی علت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیونکہ وہ خدائے عظیم پر ایمان نہ لانے پر مصر تھا۔''

انبیاء و اولیاء اور پروردگار کے رسول اسے جس قدر اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے وہ اسی قدر انکار کرتا اور قبول نہیں کرتا تھا۔ اس طرح اپنے خالق سے اس کا رشتہ کلی طور پر منقطع ہو گیا تھا۔

''اور وہ لوگوں کو، مساکین کو کھانا کھلانے کی تشویق نہیں کرتا تھا۔''

اس طرح سے اس نے مخلوق سے بھی اپنا رشتہ توڑا ہوا تھا۔

اس بناء پر اس کی بدبختی کا سب سے بڑا عامل خالق و مخلوق سے رابطہ کا منقطع ہونا تھا۔

اس بناء پر اس کی بدبختی کا سب سے بڑا عامل خالق و مخلوق سے رابطے کا منقطع ہونا تھا۔

اس تعبیر سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ عمدہ اطاعتوں، عبادتوں اور شرعی احکام کو انہیں دو اعمال میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے، نیز " **اطعام مساکین**" کا "ایمان" پر عطف، اس عظیم انسانی عمل کی حد سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: "چونکہ اس کا کوئی عقیدہ و عمل ایسا نہ تھا، لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی مہربان اور مددگار نہیں ہے۔" اس سے واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اعمال مجسم ہو کر عامل کی مدد کریں گے۔

اور نہ ہی پیپ اور خون کے علاوہ اس کے لئے کوئی اور کھانا ہے۔"

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان کی جزا اور عمل کامل طور پر ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں خالق سے رشتہ توڑنے کی وجہ سے وہاں ان کا کوئی گرم جوش اور گہرا دوست نہیں ہوگا۔ نیز فقراء اور مساکین کو کھانا نہ کھلوانے کی وجہ سے، پیپ اور خون کے سوا اور کوئی کھانے کی چیز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، کیونکہ وہ سالہا سال تک لذیز ترین کھانے کھاتے رہے تھے جبکہ بے نوا اور بے کس لوگوں کے پاس خونِ دل کے سوا اور کوئی کھانا نہیں تھا۔

آخری زیر بحث آیت میں تاکید کے لئے مزید کہتا ہے: "اس غذا کو خطا کاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔"

جو جانتے بوجھتے عمداً طغیان و سرکشی کے عنوان سے شرک و کفر اور بخل کی راہ پر چلتے ہیں۔

(۳۸) فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ	قسم کھاتا ہوں میں اس کی جسے تم دیکھ رہے ہو۔
(۳۹) وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ	اور اس کی جسے تم نہیں دیکھتے۔
(۴۰) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚۙ	کہ یہ قرآن، ایک بزرگوار رسول کی زبان سے نکلا ہوا کلام ہے۔
(۴۱) وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ	اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔
(۴۲) وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ	اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ لیکن تم بہت ہی کم متذکر ہوتے ہو۔

(۴۳) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	(یہ) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

تفسیر

یہ قرآن یقیناً اللہ کا کلام ہے۔

ان مباحث کے بعد جو گذشتہ آیات میں قیامت اور مومنین و کفار کی سرنوشت کے بارے میں بیان ہوئے تھے، ان آیات میں قرآن مجید اور نبوّت کے بارے میں ایک فصیح و بلیغ بحث کرتا ہے تاکہ ''نبوۃ'' اور ''معاد'' کی بحث ایک دوسرے کی تکمیل کریں۔

پہلے فرماتا ہے: ''قسم کھاتا ہوں میں اس کی جسے تم دیکھتے ہو۔''

''اور اس کی جسے تم نہیں دیکھتے۔''

ما تبصرون و ما لا تبصرون کا جملہ سارے عالمِ ''شہود'' اور ''غیب'' کو شامل ہے۔

اس کے بعد والی آیہ میں اس عظیم و بے نظیر سوگند و قسم کے نتیجہ اور جواب کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یہ قرآن ایک بزرگوار رسول کی گفت گو ہے۔''

''رسول'' سے مراد یہاں بلا شک و شبہ اسلام کے پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں نہ کہ جبریل۔ رسول جو کچھ لاتا ہے وہ بھیجنے والے کی بات ہوتی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''یہ شاعر کا قول نہیں ہے۔ لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔''

اور یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں ہے۔ اگرچہ تم بہت ہی کم متذکر ہوتے ہو۔''

حقیقت میں یہ دونوں آیات ان ناروا نسبتوں کی نفی ہیں، جو مشرکین اور مخالفین ذاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ وہ شاعر ہے۔ اور یہ آیات اس کے اشعار ہیں، کبھی کہتے کہ وہ کاہن ہے اور یہ آیات اس کی کہانت ہیں۔

''شعر'' عام طور پر تخیلات کی پیداوار اور برافروختہ احساسات و عاطفی ہیجانات کو بیان کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں نشیب و فراز اور اٹھنے اور گرنے کا عمل زیادہ ہوتا ہے، جبکہ قرآن زیبائی اور جاذبیت کے باوجود، کامل طور پر استدلالی، منطقی اور عضلاتی مضامین کا حامل ہے۔ اگر بعض اوقات یہ آئندہ کی پیش گوئیاں کرتا ہے تو یہ پیش گوئیاں قرآن کی اصلیت نہیں ہیں، نیز یہ کاہنوں کی خبروں کے برخلاف سب کی سب سچی ہوتی ہیں۔

آخری زیرِ بحث آیت میں تاکید کے عنوان سے صراحت کے ساتھ کہتا ہے: ''یہ قرآن عالمین کے پرودگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

اس بناء پر قرآن نہ شعر ہے نہ کہانت، نہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن کی پیداوار اور نہ ہی جبریل کا کلام ہے، بلکہ وہ اللہ کا کلام ہے جو بیشک وحی کے ذریعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک دل پر نازل ہوا ہے۔

(۴۴) وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ	اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا۔
(۴۵) لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ	تو ہم اسے پوری قدرت کے ساتھ پکڑ لیتے۔
(۴۶) ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۫ۖ	اس کے بعد ہم اس کے دل کی رگ کو کاٹ دیتے۔
(۴۷) فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ	اور تم میں سے نہ کوئی ہمیں روک سکتا، نہ اس کی حمایت کرتا۔
(۴۸) وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ	یہ یقیناً پرہیزگاروں کے لئے ایک تذکر ونصیحت ہے۔
(۴۹) وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ	اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کی تکذیب کرتے ہیں۔
(۵۰) وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	اور یہ کافروں کے لئے مایۂ حسرت ہے۔
(۵۱) وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ	اور وہ خالص یقین ہے۔
(۵۲) فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۧ	(اب جبکہ ایسا ہے تو) تم اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔

تفسیر

اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا تو ہم اسے مہلت نہ دیتے۔

قرآن سے مربوط مباحث کو جاری رکھتے ہوئے ان آیات میں اس اصالت پر ایک واضح دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اگر وہ ہم پر جھوٹ باندھتا۔''

''تو ہم پوری قدرت کے ساتھ اس کو پکڑ لیتے۔''

''پھر ہم اس کے دل کی رگ کو کاٹ دیتے۔''

''اور تم میں سے کوئی بھی اس کام میں مانع نہ ہوتا اور نہ ہی اس کی حمایت کرتا۔''

بعد والی آیت میں تاکید اور یادآوری کے لئے فرماتا ہے: ''یہ قرآن یقینی طور پر پرہیزگاروں کے لئے ایک نصیحت ہے۔''

ان کے لئے جو اپنے آپ کو گناہ سے پاک کرنے کے لئے تیار ہوں، راہِ حق کو طے کرنے پر آمادہ ہوں، ان کے لئے جو جستجو میں لگے رہتے ہیں، حقیقت کے طالب ہیں، قرآن ان کے لئے ذکر اور نصیحت ہے۔ لیکن جو لوگ تقویٰ کی یہ حد نہیں رکھتے وہ یقیناً قرآنی تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اس لحاظ سے قرآن جو گہری، عمیق اور حد سے زیادہ تاثیر رکھتا ہے وہ اس کی حقانیت کی ایک اور دلیل ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے: ''اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے ایک گروہ اس کی تکذیب کرتا ہے۔

لیکن ہٹ دھرم جھٹلانے والوں کا وجود ان کے حق پر نہ ہونے کی دلیل میں رکاوٹ نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ پرہیزگار اور حقیقت کے طالب ہی اس سے متذکر ہوتے ہیں۔ وہ اس میں حق کی نشانیاں دیکھتے اور راہِ اللہ میں قدم رکھ دیتے ہیں۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''اور یہ قرآن کافروں کے لئے حسرت کا باعث ہے۔''

آج یہ اس کی تکذیب کر رہے ہیں لیکن کل جو'' **یوم الظهور** '' اور'' **یوم البروز** '' ہونے کے ساتھ ساتھ'' **یوم الحسرت** '' بھی ہے وہ سمجھ لیں گے کہ انہیں نے ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے کتنی عظیم نعمت کو ہاتھ سے دے دیا ہے اور کیسے کیسے دردناک عذاب اپنے لئے خرید لئے ہیں۔

اس بناء پر کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ منکرین کا شک وتر دید یا تکذیب، قرآن کے مفاہیم کے ابہام کی وجہ سے ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے۔ ''یہ قرآن یقین خالص اور حق یقین ہے۔''

یعنی قرآن پاک ایک خالص یقین ہے یا دوسرے لفظوں میں یقین کے کئی مراحل ہوتے ہیں۔

کبھی وہ دلیل کلی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم دھوئیں کو دور سے دیکھتے ہیں تو اس سے آگ کے وجود کا یقین حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ ہم نے آگ کو نہیں دیکھا، اس کو ''علم الیقین'' کہتے ہیں۔

بعض اوقات ہم اور نزدیک جا کر آگ کے شعلوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے ہیں اس سے یقین اور زیادہ محکم ہو جاتا ہے اور اس کو عین الیقین کا نام دیتے ہیں۔

بعض اوقات ہم اس سے بھی زیادہ نزدیک چلے جاتے ہیں، آگ کے پاس یا آگ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور اس کی سوزش کو اپنے ہاتھ سے لمس کرتے ہیں۔ یقیناً یہ یقین کا بالاتر مرحلہ ہے اور اس کی حق الیقین کہتے ہیں۔

اوپروالی آیت کہتی ہے کہ قرآن یقین کے اس قسم کے مرحلہ میں ہے۔لیکن اس کے باوجود دل کے اندھے اس کا انکار کرتے ہیں۔

پھرآخری زیر بحث آیت جوسورۂ حاقہ کی آخری آیت ہے،اس میں فرماتا ہے:''اب جبکہ ایسا ہے،تو اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کراوراس کو ہرقسم کے عیب ونقص سے منزہ شمار کر۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس آیت اوراس سے پہلے والی آیت کا مضمون تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ سورہ واقعہ کے آخر میں بھی آیا ہے،فرق صرف یہ ہے کہ یہاں گفتگوقرآن مجید کے بارے میں ہےاوراس کی توصیف''حق الیقین'' کے ساتھ ہوئی ہے، لیکن سورہ واقعہ کے آخرمیں قیامت میں نیکوکاروں کے مختلف گروہوں کے بارے میں گفتگو ہے۔

سورۂ معارج

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۴۴ آیات ہیں۔

سورۂ معارج کے مطالب

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ سورہ معارج مکی سورتوں میں سے ہے اور ''فہرست ابنِ ندیم'' و ''کتاب نظم الدرر'' و ''تناسق الایات والسور'' کی بنیاد پر، اب عبداللہ زنجانی کی ''تاریخ القرآن'' کے مطابق، یہ سورہ (۷۷) ستتر ہواں سورہ ہے جو مکہ میں نازل ہوا۔ لیکن چیز اس سے مانع نہیں ہے کہ اس کی بعض آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور یہ بات سورہ معارج پر ہی منحصر نہیں ہے کیونکہ قرآن کے بہت سے سورے ایسے ہیں جو مکی ہیں لیکن ان میں ایک یا کئی آیات ایسی ہیں جو مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اسی طرح اس کے برعکس بعض مدنی سورتوں میں مکی آیات موجود ہیں۔

اس موضوع کے بہت سے نمونے ''علامہ امینی'' نے ''الغدیر'' میں پیش کئے ہیں۔

اس بات کی دلیل کی اس سورہ کی ابتدائی آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، وہ بہت سی روایات ہیں جو ان شاءاللہ ان آیات کی تفسیر میں بیان کی جائیں گی۔

بہرحال مکی سورتوں کی خصوصیات، مثلاً اصولِ دین کے بارے میں بحث، خاص طور پر معاد اور مشرکین ومخالفین کو ڈرانے کے بارے میں سورہ میں کامل طور پر نمایاں ہے اور مجموعی طور سے یہ سورہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ: اس شخص کے لئے جلدی ہونے والے عذاب کی بات کرتا ہے جس نے پیغمبر کے بعض ارشادات کا انکار کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ اگر یہ بات حق ہے تو مجھ پر عذاب نازل فرما اور عذاب نازل ہوگیا۔ (آیہ ۱ تا ۳)

دوسرا حصہ: قیامت کی بہت سی خصوصیات اور اس کے مقدمات، اور اس دن کفار کے حالات کے بارے میں آیا ہے۔ (آیہ ۴ تا ۱۸)

تیسرا حصہ: اچھے اور برے انسانوں کی صفات کے ان حصوں کو بیان کرتا ہے جو اسے جنتی اور دوزخی بنا دیتے ہیں۔ (آیہ ۱۹ تا ۳۴)

چوتھا حصہ: مشرکین ومنکرین کو ڈرانے والی باتوں پر مشتمل ہے اور پھر دوبارہ مسئلہ قیامت کی طرف لوٹتا اور سورہ کو ختم کرتا ہے۔

سورۂ معارج کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ'' سال سائل'' کو پڑھے تو اللہ اسے ان لوگوں کو ثواب دے گا جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی

حفاظت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ بات جو انسان کو ان سب عظیم ثوابوں کا مشمول قرار دیتی ہے، وہ ایسی تلاوت ہے جو عقیدہ وایمان کے ساتھ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہو، نہ یہ کہ وہ آیات اور سورہ کو تو پڑھے لیکن اس کی روح اور فکر وعمل میں کسی قسم کا انعکاس نہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے
(۱) سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ	ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہو گیا۔
(۲) لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ	یہ عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی بھی شخص اسے دفع نہیں کرسکتا۔
(۳) مِّنَ اللّٰهِ ذِى الۡمَعَارِجِ ؕ	یہ ذی المعارج اللہ کی طرف سے ہے۔

شان نزول

بہت سے مفسرین اور محدثین نے ان آت کی ایک شان نزول بیان کی ہے، جس کا ماحصل اس طرح ہے:

''جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو ''غدیر خم'' کے دن خلافت پر نصب فرمایا تو ان کے بارے میں یہ ارشاد کیا من کنت مولاہ فعلی مولا'' جس کا میں مولیٰ وولی ہوں، اس کے علی مولیٰ وولی ہیں'' زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ یہ بات سارے شہروں اور بستیوں میں پھیل گئی۔ نعمان بن حارث فہری، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم یہ گواہی دیں کہ اللہ واحد و یگانہ ہے اور آپ اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہم نے گواہی دی۔ اس کے بعد آپ نے ہمیں جہاد، حج، روزہ، نماز اور زکواۃ کا حکم دیا ہم نے ان سب کو قبول کرلیا لیکن آپ ان سب چیزوں پر راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ اس جوان کو (علی کی طرف اشارہ کیا) اپنی جانشین اور خلافت پر نصب فرمایا اور کہا کہ ''من کنت مولا فعلی مولا'' کیا یہ بات خود آپ نے اپنی طرف سے کہی ہے یا یہ اللہ کی جانب سے ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: '' قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا اور کوئی اللہ نہیں ہے۔ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔'' نعمان نے منہ پھیر لیا اور یہ کہتا جاتا تھا:

خداوندا! اگر یہ بات حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو آسمان سے ہم پر پتھر برسا۔''

اسی وقت ایک پتھر آسمان سے اس کے سر پر گرا اور اسے مار ڈالا، اس موقع پر آیہ ''سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِينَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ'' نازل ہوئی۔

تفسیر

فوری عذاب

سورۂ معارج یہاں سے شروع ہوتی ہے: ''ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا تقاضا کیا جو واقع ہو گیا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''یہ عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہے اور کوئی بھی اسے نہیں روک سکتا۔''

بعد والی آیت میں اس ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس کی طرف سے یہ عذاب ہے، کہتا ہے: ''یہ عذاب اس اللہ کی طرف سے ہے، جو ان آسمانوں کا مالک ہے جن کی طرف فرشتے صعود کرتے ہیں۔

اور چونکہ اللہ نے فرشتوں کے لئے مختلف مقامات قرار دیئے ہیں کہ وہ مراتب کے لحاظ سے قرب خدا کی طرف پیش رفت کرتے ہیں، لہٰذا اللہ کی ''ذی المعارج'' کے ساتھ توصیف کی گئی ہے۔

ہاں فرشتے ہی کافروں اور مجرموں کے عذاب پر مامور ہوتے ہیں اور وہ بھی فرشتے ہی تھے جو ابراہیم خلیل پر نازل ہوئے تھے اور انہیں یہ خبر دی تھی کہ ہم قوم لوط کی بربادی پر مامور ہوئے ہیں اور صبح کے وقت انہوں نے اس آلودۂ جرائم قوم کے شہروں کو تہ و بالا کر دیا۔ وہی فرشتے دوسرے مجرموں پر عذاب نازل کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

(۴) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ	فرشتے اور روح (مخصوص فرشتے) اس دن جس کی لمبائی پچاس ہزار سال ہوگی۔ اس کی طرف عروج کریں گے۔
(۵) فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا	اس بناء پر صبر جمیل اختیار کرو۔
(۶) اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ	کیونکہ وہ تو اس دن کو دور سمجھتے ہیں۔
(۷) وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ	اور ہم اسے نزدیک سمجھتے ہیں۔

تفسیر

پچاس ہزار سال کے برابر دن

ایک شخص کے دنیاوی عذاب کے واقعہ کو بیان کرنے کے بعد جس نے عذاب الٰہی کا تقاضا کیا تھا۔ معاد اور مجرموں کے اس دن کے آخروی عذابوں کے مباحث کا بیان شروع کرتا ہے، پہلے فرماتا ہے: وہ فرشتے اور روح، اس دن، جس کی مقدار پچاس ہزار

سال ہوگی، اس (خدا) کی طرف عروج کریں گے۔

مسلمہ طور ''فرشتوں کے عروج'' سے مراد جسمانی عروج نہیں ہے بلکہ اس سے مراد روحانی عروج ہے، یعنی وہ اللہ کے مقامِ قرب کی طرف بڑھیں گے، اور اس دن، جو قیامت کا دن ہے، فرمان خداوندی کو حاصل کرنے اور اس کے اجراء کے لئے آمادہ ہوں گے۔

''روح'' سے مراد وہی ''روح الامین'' ہے جو سب فرشتوں سے بزرگ ہے اور جس کی طرف سورہ ''قدر'' میں بھی اشارہ ہوا ہے۔

اب رہی پچاس ہزار سال کی تعبیر تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ زیر بحث دن دنیا کے سالوں کے حساب سے اتنا طولانی ہوگا اور یہ بات اس چیز سے کہ جو سورۂ سجدہ کی آیہ ۱۵ میں آئی ہے کہ اس کی مقدار ایک ہزار سال ہے، اختلاف نہیں رکھتی، کیونکہ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے قیامت میں پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ایک ہزار سال کی مقدار کے برابر ہوگا۔

بعد والی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''صبر جمیل اختیار کر اور ان کے استہزاء، تکذیب اور آزار کے مقابلہ میں صبر سے کام لے۔

''صبر جمیل'' کا معنی خوبصورت اور قابل توجہ صبر و شکیبائی ہے اور وہ وہی صبر و استقامت ہے جس میں دوام و استمرار ہو، جس میں یاس و ناامیدی نہ ہو، اور وہ بے تابی، جزع و فزع و شکوہ اور آہ و نالہ سے توام نہ ہو، اس صورت کے علاوہ وہ جمیل نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''کیونکہ وہ اس قسم کے دن تو بعید اور دور سمجھتے ہیں''۔

اور ہم اسے قریب اور نزدیک سمجھتے ہیں۔

وہ بالکل باور ہی نہیں کرتے کہ اس قسم کا دن بھی ہوگا جس میں تمام مخلوق کا حساب لیا جائے گا اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی گفتار و رفتار کا بھی محاسبہ ہوگا۔ وہ بھی ایسے دن میں جو پچاس ہزار سال طولانی ہوگا لیکن حقیقت میں ایسے لوگوں نے اللہ کو پہچانا نہیں اور وہ اس کی قدرت میں شک اور تردد رکھتے ہیں۔

(۸) يَوۡمَ تَكُوۡنُ السَّمَآءُ كَالۡمُهۡلِ ۙ	اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہو جائے گا۔
(۹) وَ تَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ ۙ	اور پہاڑ رنگین بکھری ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے۔
(۱۰) وَ لَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا ۚۖ	اور کوئی مخلص دوست اپنے دوست کی خبر گیری نہیں کرے گا۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ (۱۱)	وہ انہیں دکھائے جائیں گے (لیکن ہر شخص اپنی مشکل میں گرفتار ہوگا) گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلے میں اپنی اولاد کو فدا کر دے۔
(۱۲) وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۙ	اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی (کو بھی)۔
(۱۳) وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۙ	اور اپنے اس قبیلہ کو بھی جو ہمیشہ اس کی حمایت کرتا تھا۔
(۱۴) وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ	اور روئے زمین کے تمام لوگوں کو بھی، تاکہ وہ اس کی نجات کا سبب بن جائیں۔
(۱۵) كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ	لیکن ہرگز ایسا نہیں ہوگا، آگ کے جلانے والے شعلے ہوں گے۔
(۱۶) نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚۖ	جو ہاتھ پاؤں اور سر کے چمڑے کو اکھاڑ کر لے جائیں گے۔
(۱۷) تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۙ	اور وہ ان لوگوں کو، جنہوں نے حکم خدا کی طرف سے روگردانی کی تھی، پکاریں گے۔
(۱۸) وَجَمَعَ فَاَوْعٰى	اور انہیں بھی کہ جنہوں نے مال کو جمع کیا اور ذخیرہ کیا۔

تفسیر

وہ دن کہ جس میں کوئی مخلص دوست اپنے دوست کی خبر گیری نہیں کرے گا۔

ان آیات میں، قیامت کے بارے میں، گزشتہ مباحث کو، مزید تشریح و توضیح کے ساتھ جاری رکھا گیا ہے، فرماتا ہے:

''اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کے مانند ہو جائے گا۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی مانند ہو جائیں گے۔

ہاں! اس دن آسمان ایک دوسرے سے جدا ہو کر پگھل جائیں گے اور پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور پھر تیز آندھی سے فضا میں بکھر جائیں گے، اس اون کی طرح جسے تیز ہوا اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی ہے، اور چونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس لئے انہیں رنگین اون سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس ویرانی کے بعد، ایک نیا عالم ایجاد ہوگا اور انسان اپنی

حیات نو کو نئے سرے سے حاصل کرے گا۔

جب اس جہانِ نو میں قیامت بر پا ہوگی تو اس طرح سے حساب و کتاب اور اعمال کی جانچ پڑتال کی کیفیت وحشت ناک ہوگی، اور ہر شخص کو اپنی ہی فکر ہوگی، کوئی دوسرے کی خاطر نہیں لے گا اور کوئی گہرا اور مخلص اپنے دوست کا حال نہیں پوچھے گا۔

سب کے سب اپنے کام میں مشغول ہوں گے، ہر ایک کو اپنی ہی نجات کی فکر ہوگی، جیسا کہ سورۂ عبس کی آیہ ۳۷ میں آیا ہے: ''**لکل امری منهم یو میذ شان یغنیه**'' (اس دن ان میں سے ہر ایک اس طرح گرفتار ہوگا کہ اسے صرف اپنی ہی فکر ہوگی)۔

ایسا نہیں ہوگا کہ دوست وہاں پر دوستوں کو پہچانیں گے نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ ''ان کے دوست انہیں دکھائے جائیں گے، لیکن اس کے باوجود ہر شخص اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوگا۔''

مسئلہ یہ ہے کہ ہول و وحشت اس سے کہیں زیادہ ہوگی کہ کوئی دوسرے کی فکر کر سکے۔

گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اور اس وحشت ناک منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: حالت یہ ہوگی کہ مجرم و گنہگار یہ چاہے گا کہ اپنی اولاد کو اس دن کے عذاب کے بدلے میں فدا کردے

نہ صرف اپنی اولاد کو، بلکہ وہ یہ چاہے گا کہ ''اپنی بیوی کو بھی اور اپنے بھائی کو بھی فدا کردے

اور اسی بناء پر اس خاندان اور قبیلہ کو بھی جو اس سے تعلق رکھتا تھا اور اس کی حمایت کیا کرتا تھا۔

بلکہ تمام لوگوں کو جو روئے زمین میں ہیں، سب کو فدا کردے تا کہ اس کی نجات ہو جائے۔

ہاں! اس دن اللہ کا عذاب اتنا ہولناک ہوگا، کہ انسان یہ چاہے گا کہ وہ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں کو جن کا یہاں چار گروہوں (اولاد، بیویاں، بھائی اور قریبی رشتہ دار جو اس کے یار و مددگار تھے) میں خلاصہ کیا گیا ہے۔ اپنی نجات کے لئے قربان کر دے، نہ صرف انہیں کو، بلکہ وہ تو اس بات کے لئے بھی تیار ہوگا کہ روئے زمین کے تمام انسان اس کی عذاب سے رہائی کے لئے قربان ہو جائیں۔

لیکن ان تمام تمناؤں اور آرزوؤں کے مقابلہ میں فرماتا ہے: ''ہرگز ایسا نہیں ہوگا'' کوئی فدیہ اور قربانی قبول نہیں کی جائے گی۔ ''وہ تو آگ کے جلانے والے شعلے ہیں''

ہمیشہ اس کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں اور جو چیز بھی اس کے پاس یا اس کی راہ میں آتی ہے اسے جلا دیتی ہے۔ ''ہاتھ، پاؤں اور سر کے چمٹے کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔''

اس کے بعد ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، جو اس قسم کی آگ کا لقمہ ہیں، فرماتا ہے: ''یہ جلانے والا شعلہ ان لوگوں کو، کہ جنہوں نے حکمِ اللہ سے پشت پھیری اور اس کی اطاعت سے روگردانی کی، آواز دیتا ہے اور اپنی طرف بلاتا ہے''۔

اور انہیں بھی، کہ جنہوں نے مال جمع کئے اور ان کا ذخیرہ کیا، اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا۔ اس طرح سے یہ جلانے والی آگ، زبانِ حال سے، اور اس مخصوص کشش کے ساتھ، جو وہ مجرموں کے لئے رکھتی ہے، یا زبانِ قال سے جو اللہ نے اسے دی ہے،

مسلسل انہیں آواز دیتی ہے، اور انہیں اپنی طرف بلاتی ہے،

(۱۹) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا	انسان حریص اور کم طاقت پیدا کیا گیا ہے۔
(۲۰) اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا	جب اسے کوئی برائی پہنچے تو بے تابی کرتا ہے۔
(۲۱) وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا	اور جب اسے کوئی بھلائی پہنچے تو دوسروں سے دریغ کرتا ہے (اور منع کرتا ہے)۔
(۲۲) اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ	سوائے نماز پڑھنے والوں کے۔
(۲۳) الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ	جو نماز کو بلا ناغہ ہمیشہ بجالاتے ہیں۔
(۲۴) وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ	اور (سوائے ان لوگوں کے) جن کے مال میں حق معلوم ہے۔
(۲۵) لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ	سوال کرنے والوں اور محروموں کے لئے۔
(۲۶) وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ	اور وہ لوگ جو جزا کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔
(۲۷) وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ	اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔
(۲۸) اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ	کیونکہ وہ اپنے آپ کو پروردگار کے عذاب سے ہرگز امان میں نہیں سمجھتے۔

تفسیر

شائستہ انسانوں کے اوصاف

قیامت کے عذابوں کے ایک گوشہ کا ذکر کرنے کے بعد، بے ایمان افراد کے اوصاف، اور ان کے مقابلہ میں سچے مومنین کے اوصاف بیان کرتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک گروہ اہل عذاب کیوں ہے اور ایک گروہ اہل نجات کیوں ہے؟

پہلے فرماتا ہے: ''انسان حریص اور کم طاقت پیدا کیا گیا ہے۔''

جب اسے کوئی برائی پہنچے تو جزع وفزع اور بیتابی کرتا ہے۔

اور جب سے کوئی بھلائی پہنچے تو دوسروں سے دریغ کرتا ہے (اور روکتا ہے)۔

اس کے بعد شائستہ اور لائق انسانوں کا بیان ایک استثنائی صورت میں نو (۹) عمدہ صفات کے ضمن میں یہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

''مگر نماز پڑھنے والے''

وہی نماز گزار جو اپنی نمازوں کو دوام بخشتے ہیں۔

یہ ان کی پہلی خصوصیت ہے، جو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل اور دائمی طور پر ارتباط نماز کے ذریعے پورا ہوتا ہے۔ وہ نماز جو انسان کو فحشاء ومنکر سے روکتی ہے، وہ نماز جو انسان کی روح اور جان کی پرورش کرتی ہے، اور اس کو ہمیشہ اللہ کی یاد دلاتی رہتی ہے، اور یہ مسلسل اور دائمی توجہ، غفلت وغرور اور دریائے شہوات میں ڈوب جانے، اور شیطان اور ہوائے نفس کے چنگل میں اسیر ہونے سے باز رکھتی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ نماز پر مداومت سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ حالت نماز میں رہے بلکہ مراد یہ ہے، کہ وہ معین اوقات میں نماز کو انجام دیتے ہیں۔

بہر حال نماز کے ذکر کے بعد جو بہترین عمل اور مومنین کی بہترین حالت ہے ان کی دوسری خصوصیت پیش کرتے ہوئے م، زید کہتا ہے: ''وہ لوگ کہ جن کے اموال میں ایک حق معلوم ہے۔''

''سوال کرنے والوں اور محروموں کے لئے''

اس طرح سے وہ خالق سے اپنے ارتباط کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ اور مخلوق خدا کے ساتھ بھی اپنے رشتہ اور تعلق کو برقرار رکھتے ہیں۔

''حق معلوم'' سے مراد زکات کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، جسے انسان اپنے اوپر لازم قرار دیتا ہے کہ وہ حاجت مندوں کو دے گا۔

سائل تو اس شخص کو کہتے ہیں، جو اپنی حاجت پیش کر کے تقاضا اور سوال کرتا ہے اور ''محروم'' وہ شخص ہے جسے شرم وحیا، سوال و تقاضا کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

بعد والی آیت ان کی تیسری خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتی ہے: ''وہ لوگ جو روزِ جزا پر ایمان رکھتے ہیں''

اور چوتھی خصوصیت میں کہتا ہے: ''اور وہ لوگ جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں''

''کیونکہ وہ کسی شخص کو پروردگار کے عذاب سے امان میں نہیں سمجھتے۔''

(۲۹) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ	اور وہ لوگ جو اپنے دامن کو بے عفتی سے محفوظ رکھتے ہیں۔
(۳۰) اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ	اور اپنی بیویوں اور کنیزوں کی نسبت کہ جن سے فائدہ اٹھانے میں انہیں کسی قسم کی ملامت نہیں ہوگی۔
(۳۱) فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ	اور جو لوگ اس سے زیادہ طلب کریں تو وہ تجاوز کرنے والے ہیں۔
(۳۲) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ	اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی رعایت کرنے والے ہیں۔
(۳۳) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِشَہٰدٰتِہِمۡ قَآئِمُوۡنَ ۙ	اور وہ لوگ جو شہادتِ حق کے ادا کرنے کے لئے قیام کرتے ہیں۔
(۳۴) وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ؕ	اور وہ لوگ جو نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔
(۳۵) اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ؕ٪	یہی لوگ جنت کے باغات میں عزت وتکریم سے رہیں گے۔

تفسیر

بہشتوں کی خصوصیات کا ایک اور حصہ

گذشتہ آیات مومنین اوران لوگوں کو، جو قیامت میں اہل جنت ہوں گے، مخصوص اوصاف میں سے چار صفات کا بیان ہوا تھا اوران آیات میں دوسری پانچ صفات کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو مجموعی طور پر نو صفات ہو جاتی ہیں۔

پہلی توصیف کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو اپنی عفت کی حفاظت کرتے ہیں''

''مگر اپنی بیویوں اور کنیزوں کی نسبت، جن سے فائدہ اٹھانے میں انہیں کسی قسم کی ملامت اور سرزنش نہیں ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ خواہش جنسی انسان کی سرکش خواہشات میں سے ہے اور بہت سے گناہوں کا سرچشمہ ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ تمام اہم جرائم کے اعمال ناموں میں، اسی خواہش کا اثر نظر آتا ہے، اس لئے اس پر کنٹرول کرنا اور

اس کے حدود کی حفاظت کرنا، تقویٰ و پرہیز گاری کی اہم نشانیوں میں سے ہے، اسی بناء پر نماز، ضرورت مندوں کی مدد، قیامت کے دن پر ایمان اور عذاب الٰہی سے خوف کے ذکر کے بعد، اسی خواہش پر کنٹرول کا ذکر ہوا ہے۔

بعد والی آیت میں اس موضوع پر مزید تاکید کے لئے اضافہ کرتا ہے: ''اور جو لوگ اس کے علاوہ طلب کریں وہ تجاوز کرنے والے، اور خدائی حدود سے خارج ہیں''۔

اور اس طرح اس اسلام ایک ایسے معاشرے کی داغ بیل ڈالتا ہے کہ جس میں فطری غرائز وخواہشات کا جواب بھی مل سکے اور وہ فحشاء و فساد جنسی اور اس سے پیدا ہونے والے مفاسدے بھی آلودہ نہیں ہے۔

اس کے بعد ان کے دوسرے اور تیسرے اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں''

البتہ ''امانت'' کا ایک وسیع معنی ہے، جو نہ صرف لوگوں کی ہر قسم کی مادی امانتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، بلکہ اللہ پیغمبروں اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی امانتوں کو بھی شامل ہے۔ اللہ کی نعمتوں میں سے ہر نعمت اس کی ایک امانت ہے،

''عھد'' بھی ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، جو لوگوں کے عہد اور پیمانوں کو بھی شامل ہے اور اللہ کے عہد اور پیمانوں کو بھی۔

چوتھی صفت کے بارے میں مزید کہتا: ''وہ لوگ جو شہادت حق کی ادائیگی کے لئے قیام کرتے ہیں'' کیونکہ عادلانہ شہادت کو قائم کرنا اور اس کو نہ چھپانا انسانی معاشرے میں قیام عدالت کی اہم ترین بنیادوں میں سے ہے۔

آخری صفت میں جو حقیقت میں اس مجموعۂ صفات کی نویں صفت ہے، پھر دوبارہ نماز کے مسئلہ کی طرف لوٹتا ہے، جیسا کہ ان کا آغاز بھی نماز ہی سے ہوا تھا، فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں''

البتہ پہلی صفت میں نماز کے ہمیشہ قائم رکھنے کی طرف اشارہ تھا، لیکن یہاں اس کے آداب وشرائط، ارکان وخصوصیات کی حفاظت کے متعلق گفتگو ہے، ایسے آداب جو نماز کے ظاہر کو بھی اس چیز سے کہ جو باعث فساد ہے، محفوظ رکھتے ہیں اور روح نماز بھی جو حضور قلب ہے۔ تقویت دیتے ہیں اور اخلاقی رکاوٹوں کو بھی جو اس کی قبولیت کی راہ میں مانع ہوتے ہیں، دور کر دیتے ہیں، تو اس بناء پر یہ ہرگز شمار نہیں ہوگا۔ اور اس گفتگو کے آخر میں، ان اوصاف والوں کی اصلی راہ کو بیان کرتا ہے، جیسا کہ گزشتہ آیات میں مجرموں کی اصلی راہ کی تشریح کی تھی یہاں ایک مختصر اور پر معنی جملہ میں فرماتا ہے: ''وہ لوگ جو ان اوصاف کے حامل ہیں، ان کا ٹھکانا جنت کے باغات ہیں اور انہیں ہر لحاظ سے عزت کیساتھ رکھا جائے گا۔ وہ محترم اور معزز کیوں نہ ہوں؟ جبکہ وہ اللہ کے مہمان ہیں اور خدائے قادر ورحمٰن نے، تمام ضروری وسائل ان کے لئے فراہم کر دیتے ہیں،

(٣٦) فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۙ	ان کفار کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ جلدی جلدی تیرے پاس آتے ہیں۔

(۳۷) عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ	دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی (جنت کی طمع رکھتے ہیں)۔
(۳۸) اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ۙ	کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں والی جنت میں داخل ہو جائے۔
(۳۹) كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ	ہرگز ایسا نہیں ہوگا، ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے، جس کا انہیں خود علم ہے۔
(۴۰) فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ	مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم، ہم اس بات پر قادر ہیں۔
(۴۱) عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۙ	کہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو دے دیں، جو ان سے بہتر ہیں اور ہم ہرگز مغلوب نہیں ہوں گے۔

تفسیر

کس منہ سے جنت کی طمع؟

اس سورہ کی گزشتہ آیات میں، مومنین اور کفار کی نشانیوں اور ان دونوں گروہوں کی سرنوشت کے بارے میں مختلف مباحث آئے ہیں، اوپر والی آیات میں پھر کفار کی وضع و کیفیت اور مقدسات اسلام کے بارے میں ان کے استہزاء اور تمسخر کی تفصیل کی طرف لوٹتا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات مشرکین کے ان گروہوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، اس وقت جبکہ پیغمبر معاد کی آیات کو مسلمانوں کے سامنے پڑھتے تھے، تو وہ ہر گوشہ و کنار سے آجاتے تھے اور یہ کہتے تھے، کہ اگر معاد ہوئی تو ہماری وضع و کیفیت اس عالم میں بھی، ان افراد سے جو تجھ پر ایمان لائے ہیں، بہتر ہوگی، جیسا کہ اس دنیا میں بھی ہماری وضع و کیفیت ان سے بہتر ہے۔ قرآن ان کے جواب میں اس طرح کہتا ہے:

''ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے، جو سرعت کے ساتھ تیرے پاس آتے ہیں''۔

دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی گروہ در گروہ آتے ہیں اور جنت کی طمع رکھتے ہیں''

''کیا ان میں سے ہر ایک یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں والی جنت میں داخل ہو جائے گا''

یہ کون سے ایمان اور کون سے عمل کی بناء پر اپنے لئے اس قسم کی شائستگی اور لیاقت کے قائل ہیں؟!

یہاں قرآن ان کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے: ''ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ وہ بہشت میں داخل ہوجائیں، کیونکہ ہم نے انہیں جس چیز سے پیدا کیا ہے، اس کا انہیں خود علم ہے''۔

درحقیقت اللہ یہ چاہتا ہے کہ پہلے تو اس جملہ کے ذریعہ ان کا غرور اور تکبر توڑ دے، کیونکہ وہ کہتا ہے: تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کس چیز سے پیدا کیا ہے''؟ ایک بے قدر و قیمت نطفہ سے، ایک گندے اور پست پانی سے، تو پھر یہ اتنا غرور و نخوت کس بناء پر ہے؟

دوسرے معاد کا مذاق اڑانے والوں کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر تم معاد و قیامت کے بارے میں شک رکھتے ہو، تو جاؤ اور نطفہ کی حالت کی تحقیق کرو اور دیکھو کہ ہم ایک بے قدر و قیمت پانی کے قطرے سے کس طرح ایک نیا اور عمدہ وجود پیدا کردیتے ہیں، جو جنین کی صورت میں ہر روز ایک نئی خلقت اختیار کرتا ہے۔

تو کیا نطفہ سے انسان کو پیدا کرنے والا، اس بات پر قادر نہیں ہے، کہ وہ مٹی ہوجانے کے بعد، انسان کے بدن پر لباس حیات پہنادے۔

اس کے بعد اس مطلب کی تاکید کے لئے مزید کہتا ہے: ''مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی قسم ہم اس بات پر قادر ہیں............''

''کہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو دے دیں جو ان سے بہتر ہیں، اور ہم ہرگز بھی اس کام میں مغلوب نہیں ہوں گے''

یہ جملہ ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہم نہ صرف اس بات پر قادر ہیں کہ انہیں مٹی ہوجانے کے بعد نئی زندگی اور حیات کی طرف پلٹادیں، بلکہ ہم انہیں ایک زیادہ کامل اور بہتر موجودات میں بھی تبدیل کرسکتے ہیں،

یا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہمارے لئے کوئی مانع نہیں ہے کہ ہم تمہیں تمہارے کیفر کردار کی بناء پر نابود کریں اور شائستہ، آگاہ اور مومن افراد کو تمہارا جانشین بنادیں، تاکہ وہ ہمارے پیغمبر ﷺ کے یار و مددگار ہوں، ہمیں اس کام سے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔

(۴۲) فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَ يَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۙ	انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے، تاکہ وہ اپنے باطل میں غوطہ زن رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے یوم موعود سے ملاقات کریں۔
(۴۳) يَوۡمَ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمۡ اِلٰى نُصُبٍ يُّوۡفِضُوۡنَ ۙ	وہی دن جب وہ اپنی قبروں سے تیزی کے ساتھ نکلیں گے، گویا وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔

(۴۴) خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۧ	درآنحالیکہ ان کی آنکھیں شدت وحشت سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت وخواری کے پردہ نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی دن ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

تفسیر

گویا اپنے بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں

ان آیات میں جو سورہ معارج کی آخری آیات ہیں۔ ہٹ دھرم، ٹھٹھہ کرنے والے اور سخت کافروں کو انذار وتہدید کے عنوان سے فرماتا ہے: ''انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے، تاکہ وہ اپنے باطل مطالب میں ڈوبے رہیں۔ اور کھیل کود میں لگے رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے یوم موعود سے ملاقات کریں''

اس سے زیادہ استدلال اور موعظہ کی ضرورت نہیں ہے، وہ نہ تو اہل منطق ہیں اور نہ ہی بیدار ہونے کے لئے آمادگی رکھتے ہیں، چھوڑ و انہیں وہ اپنی باطل اور بے ہودہ باتوں میں غوطہ زن ہیں اور بچوں کی طرح کھیل کود میں لگے رہیں، یہاں تک کہ ان کا موعود دن، قیامت کا دن آن پہنچے اور وہ ہر چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔

اس کے بعد اس ''موعودون'' کا تعارف کراتے ہوئے اس وحشت ناک اور ہولناک دن کی نشانیاں بیان کرتا ہے، اور فرماتا ہے: وہی دن جس میں وہ اپنی قبروں سے تیزی کے ساتھ خارج ہوں گے اور اس طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے، گویا کہ وہ اپنے بتوں کی طرف جارہے ہیں۔''

حقیقت میں یہ ان بے ہودہ عقائد کے بارے میں، جو وہ دنیا میں رکھتے تھے، ایک تمسخر اور استہزاء ہے۔

اس کے بعد دوسری نشانیاں پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''یہ اس حالت میں ہوگا کہ ان کی آنکھیں ہول اور وحشت کی وجہ سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ خضوع کے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے۔''

''اور ذلت وخواری کے پردہ نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔''

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: ''یہ وہی دن ہے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔''

ہاں! یہ وہی موعود دن ہے، جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور بعض اوقات یہ کہا کرتے تھے: فرض کریں کوئی ایسا دن ہو بھی تو پھر بھی ہماری حالت مومنین سے بہتر ہوگی،

سورۂ نوح

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اسکی ۲۸ آیات ہیں

سورہ نوح کے مطالب ومضامین

یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، نوح پیغمبر کی سرگزشت بیان کرتی ہے، قرآن مجید کی کئی سورتوں میں اس عظیم پیغمبر کی سرگزشت کی طرف اشارہ ہوا ہے، ان میں سے سورۂ شعراء، مومنون، اعراف اور انبیاء ہیں، اور سب سے زیادہ تفصیل سورہ ہود میں آئی ہے،

لیکن سورۂ نوح میں جو کچھ آیا ہے، وہ ان کی زندگی کا ایک خاص حصہ ہے، جو دوسری جگہ پر اس طرح سے نہیں آیا، اور یہ حصہ ان کی توحید کی طرف دعوت دینے، اس کی کیفیت، اس دعوت کے عناصر، اور ان جزئیات کے بارے میں جو اس اہم مسئلہ میں بروئے کار آئے ہیں۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس زمانہ کے تھوڑے سے مسلمان، نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے زمانہ کے حالات سے مشابہ حالات رکھتے تھے، انہیں بہت سے مسائل کی تعلیم دیتا ہے۔

۱۔ انہیں یہ بتاتا ہے کہ منطقی استدلال کی طریق سے جو دشمنوں کے ساتھ محبت اور مکمل دلسوزی سے توام ہو، کس طرح تبلیغ کریں۔

۲۔ انہیں یہ سکھاتا ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کی راہ میں ہرگز نہ تھکیں۔

۳۔ انہیں یہ سبق دیتا ہے کہ ایک طرف تو شوق دلانے کے وسائل ہوں اور دوسری طرف ڈرانے کے عوامل، اور دعوت کرنے کے لئے دونوں طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۴۔ اس سورہ کی آخری آیات، ہٹ دھرم مشرکین کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ اگر وہ حق کے سامنے نہ جھکے اور اللہ کے سامنے انہوں نے گردن خم نہ کی، تو ان کا انجام بہت دردناک ہوگا۔

دوسرے لفظوں میں یہ سورہ، حق و باطل کے طرف داروں میں دائمی مبارزہ کے بیان اور ان پروگراموں کی، جن پر حق کے طرف داروں کو اپنی راہ میں کاربند ہونا چاہیے، تصویر کشی کرتا ہے۔

سورۂ نوح کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص ''سورۂ نوح'' کو پڑھے گا، وہ ان مومنین میں سے ہو جائیگا جنہیں نوح کی دعوت کی شعاع ڈھانپ لیتی ہے۔''

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ اس کی تلاوت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ اس عظیم پیغمبر کے طور طریقوں، اور حق کی طرف دعوت کی راہ میں، ان کے یار و انصار کے صبر و استقامت سے ہدایت حاصل کرے اور اس کی دعوت کی شعاع سے روشنی حاصل کرے، نہ کہ ایسا پڑھنا کہ جس میں غور و فکر نہ ہو۔ اور نہ ہی ایسا غور و فکر کہ جس میں عمل نہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا رحمٰن ورحیم ہے
(۱) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ (اور ہم نے ان سے کہا:) اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کی طرف آئے، اپنی قوم کو ڈراؤ۔
(۲) قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ	نہوں نے کہا: اے قوم! میں تمہارے لئے ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔
(۳) اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ	کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرو، اور میری اطاعت کرو۔
(۴) یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ	اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک معین وقت تک کے لئے تمہیں زندہ رکھے گا، لیکن جب خدائی اجل آ گئی تو پھر تاخیر نہیں ہوگی، اگر تم سمجھو۔

تفسیر

نوح علیہ السلام کا پہلا پیغام

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورۂ نوح کے حالات کے اس حصہ کو بیان کرتا ہے، جو ان کی دعوت سے مربوط ہے، اور وہ راہ حق کے تمام راہ رووں کو، خصوصاً ہٹ دھرم قوموں کے مقابلہ میں، حق کی طرف دعوت کے سلسلہ میں، بہت سے عمدہ نکات سکھاتی ہے۔

سب سے پہلے ان کی بعثت کے مسئلہ کو شروع کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، اور ہم نے اس سے کہا: اس سے پہلے کہ دردناک عذاب ان کی طرف آئے تم اپنی قوم کو ڈراؤ''۔

یہ دردناک عذاب، ممکن ہے دنیا کا عذاب ہو، یا آخرت کا عذاب ہو، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ دونوں مراد ہوں، اگرچہ اس سورہ کی آخری آیات کے قرینہ سے زیادہ تر مراد دنیا کا عذاب ہے۔

نوح ایک ''اولوالعزم'' پیغمبر، جو پہلی شریعت اور دین الٰہی کے حامل تھے، عالمی دعوت رکھتے تھے، یہ فرمان حاصل کرنے کے بعد اپنی قوم کی طرف آئے اور ان سے کہا: ''اے میری قوم! میں تمہارے لئے ایک واضح ڈرانے والا ہوں''۔

ہدف و مقصد یہ ہے کہ تم اللہ ئے یکتا و یگانہ کی پرستش کرو، اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اسے دور پھینک دو، تقویٰ اختیار کرو اور

میرے احکام کی جواللہ کے احکام ہیں اطاعت کرو۔

اس کے بعد انہیں شوق دلاتے ہوئے، اور اس دعوت کوقبول کرنے کے اہم نتائج کو دومختصر سے جملوں میں بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔اگر تم میری دعوت کوقبول کرلوتو اللہ تمہارے گناہوں کوبخش دے گا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: اور تمہیں ایک معین زمانہ تک ''تاخیر میں ڈالتا ہے اور تمہاری عمر کوطولانی کر کے تم سے عذاب کودور رکھتا ہے۔

''کیونکہ جب اللہ کی طرف سے اصلی اور آخری اجل آجاتی ہے، تو اس میں تاخیر نہیں ہوتی، اگر تم جانتے ہو۔''

اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ''اجل'' اورانسانی عمر کی مدت دوقسم کی ہے۔''

پہلی قسم کی عمر کی مدت تو وہ ہے جو قابل تغیر ہے اور وہ انسان کے غلط اعمال کے نتیجے میں ممکن ہے کہ بہت جلدی آجائے جن میں سے ایک خدائی عذاب بھی ہے اور اس کے برعکس تقویٰ نیکوکاری اور تدبیر کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ بہت پیچھے اور تاخیر میں پڑ جائے۔

لیکن عمر کی اصلی اور آخری مدت کسی طرح بھی قابل تغیر نہیں ہے۔

روایات اسلامی میں بھی اس پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے، ان میں سے ایک پر معنی حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''وہ لوگ جو گناہ کے اثر سے مرتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں، جو خدائی موت سے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، اور وہ لوگ جو نیکوکاری کی بناء پر طولانی عمر پاتے ہیں، ان سے بہت ذیادہ ہیں، جن کی عمر طبیعی عوامل کی بناء پر زیادہ ہوتی ہے۔

(۵) قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ	''نوح'' نے کہا، پروردگارا! میں نے اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) دعوت دی۔
(۶) فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا	لیکن میری دعوت نے حق سے فرار کے علاوہ ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔
(۷) وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ	میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئیں تاکہ تو انہیں بخش دے، تو انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، اور اپنے لباس سے چہروں کوڈھانپ لیا، اور مخالفت پر اصرار کیا، اور شدت کے ساتھ استکبار کیا۔

(۸) ثُمَّ اِنِّیْٓ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ	اس کے بعد میں نے انہیں ظاہر بظاہر دعوت دی۔
(۹) ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ	پھر میں نے علی الاعلان بھی اور پوشیدہ طور پر بھی انہیں تیری طرف بلایا۔

تفسیر

ان کی ہدایت کیلئے ہر طرح سے کوشش کی، مگر......................

ان آیات میں، جو اپنی قوم کو دعوت دینے کے لیے، نوح علیہ السلام کی رسالت اور ماموریت کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے، خود انہیں کی زبان سے کچھ باتیں نقل ہوئی ہیں، جو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں شکایت کے طور پر کی تھیں، جو بہت ہی سبق آموز ہیں۔

نوح علیہ السلام کی باتیں ایسی باتوں کے سلسلہ میں ہیں، جو تمام مبلغین کے لئے رہنما بن سکتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے: ”نوح“ نے کہا: پرودگارا! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف دعوت دی ہے۔

اور ان کی ہدایت وتبلیغ میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوتاہی نہیں کی۔

لیکن میری اس دعوت وارشاد نے، حق سے فرار کرنے کے سوا، ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا

اور یہ عجیب بات ہے کہ کسی چیز کی دعوت، اسی سے بھاگنے کا سبب بن جائے، لیکن اس بات کی طرف توجہ کرنے سے، کہ دعوتوں کی تاثیر، ایک قسم کی آمادگی اور کشش متقابل کی محتاج ہے، تعجب کی کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ غیر آمادہ دلوں میں معکوس اور منفی اثر ڈالے

اس کے بعد نوح علیہ السلام اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں ”خداوندا! میں نے جب بھی انہیں دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئیں اور تو انہیں بخش دے، تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں، اپنے لباسوں کو اپنے اوپر لپیٹ لیا اور مخالفت کرنے اور ایمان نہ لانے پر اصرار کیا اور شدت کے ساتھ استکبار کیا“ کانوں میں انگلیاں ڈالنا اس لئے تھا کہ حق کی آواز کو نہ سنیں، اور ان کا اپنے اوپر لباس لپیٹ لینا، یا تو اس معنی میں تھا کہ وہ لباس کو سر پر ڈال لیتے تھے تاکہ وہ کانوں میں ڈالی ہوئی انگلیوں کو ڈھانپ لیں اور آواز کی معمولی سے معمولی لہر بھی کانوں کے پردے سے نہ ٹکرائے، اور وہاں سے کوئی پیغام دماغ کی طرف منتقل نہ ہو، یا وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں اس بزرگ پیغمبر نوح علیہ السلام کے ملکوتی چہرے پر جا پڑیں۔ حقیقت میں انہیں یہ اصرار تھا، کہ نہ تو وہ اپنے کانوں سے ان کی کوئی بات نہیں، اور نہ ہی اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھیں۔

اور ضمنی طور پر اس بات کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ ان کی بدبختی کا ایک اہم عامل استکبار اور غرور تھا۔

یہ کبر وغرور ہمیشہ ہی حق کی راہ میں ایک اہم رکاوٹ رہا ہے اور ہم نے بشر کی تمام تاریخ میں اس کا شوم ومنحوس نتیجہ، بے ایمان افراد کی زندگی میں مشاہدہ کیا ہے نوح علیہ السلام باتوں کو پرورد گار کی بارگارہ میں جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”خداوندا! میں نے انہیں

آشکارا اور ظاہر طور پر تیری توحید اور عبادت کی طرف دعوت دی میں نے انہیں عمومی جلسوں میں اور بلند آواز کے ساتھ ایمان کی طرف بلایا۔

اس پر ہی قناعت نہیں کہ۔'' آشکارا و پنہاں، توحید و ایمان کی حقیقت ان سے بیان کی ہے یہ عجیب وغریب حوصلہ اور اتنی عجیب دلسوزی اور بے نظیر استقامت اور کام کی لگن، دین حق کی راہ میں دعوت کے لئے ان کا سرمایہ تھی۔ اور سب سے بڑھ کر تعجب انگیز بات یہ ہے کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے نوسو پچاس سال کی طویل مدت میں، تقریباً اسی (۸۰) افراد آپ پر ایمان لائے ایک شخص کی ہدایت کے لئے اوسطاً تقریباً ۱۲ سال تبلیغ کی۔

(۱۰) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ	میں نے ان سے کہا: اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو، وہ بہت بخشنے والا ہے۔
(۱۱) يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ	(اگر ایسا کرو گے تو) وہ آسمان کی پر برکت بارشیں پے در پے تم پر بھیجے۔
(۱۲) وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ	اور تمہارے مال و اولاد میں زیادتی فرمائے گا، اور تمہارے لئے سرسبز باغات اور نہریں جاری کرے گا۔
(۱۳) مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ	تم اللہ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟
(۱۴) وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا	حالانکہ اس نے تمہیں مختلف مرحلوں میں پیدا کیا ہے۔

تفسیر

ایمان کی دنیاوی جزا

نوح علیہ السلام ہٹ دھرم اور سرکش قوم کی ہدایت کے لیے، اپنے موئثر بیانات کو جاری رکھتے ہوئے، اس مرتبہ بشارت وتشویق پر تکیہ کرتے ہیں اور انہیں تاکید کے ساتھ یہ وعید دیتے ہیں کہ اگر وہ شرک وگناہ سے توبہ کر لیں، تو اللہ ان پر اپنی رحمت کے دروازے ہر طرف سے کھول دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: ''خداوندا میں نے ان سے کہا ہے کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو وہ بہت ہی بخشنے والا ہے۔

اگر تم ایسا کرو تو وہ تم پر آسمان سے برکت والی بارشیں پے در پے نازل کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی معنوی رحمت کی بارش بھی، اور مادی برکت پر برکت بارش بھی تم پر نازل ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ''اور تمہارے مال واولاد میں زیادتی کرے گا۔''

''اور تمہارے لئے سرسبز وشاداب باغ، اور رواں پانی کی نہریں قرار دے گا''

اس طرح سے انہیں ایک عظیم معنوی نعمت، اور پانچ عظیم مادی نعمتوں کی وعید دی ہے معنوی عظیم نعمت تو گناہوں کی بخشش اور کفر وعصیان کی آلودگی سے پاک ہونا ہے۔ باقی رہی مادی نعمتیں تو وہ مفید، برموقع اور پر برکت بارشوں کا نازل ہونا، مال کی زیادتی، اولاد کی فراوانی، (انسانی سرمایہ) پر برکت باغات اور جاری پانی کی نہریں۔

ہاں قرآن مجید کی گواہی کے مطابق، ایمان وتقویٰ، دنیا کی آبادی کا سبب بھی ہے اور آخرت کی آبادی کا موجب بھی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ ڈرانے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں: ''تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں اور اللہ کی عظمت کے قائل کیوں نہیں ہوتے''

''حالانکہ اللہ نے تمہیں گونا گوں طریقے کی خلقتیں دی ہیں''

پہلے تم ایک بے قدر و قیمت ''نطفہ'' تھے، زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ تمہیں ''علقہ'' بنا دیا اور اس کے بعد ''مضغہ'' کی صورت میں لے آیا، اس کے بعد اس نے تمہیں روح اور حس وحرکت دی، نہ صرف جسمانی لحاظ سے تم مختلف شکلیں بدلتے ہو بلکہ تمہاری روح اور جان بھی ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک ایک نئی استعداد رکھتا ہے، اور ہر سر میں ایک نیا ذوق اور ہر دل میں ایک نیا شوق ہے اس طرح وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے اور ہر قدم پر تمہاری رہبری اور ہدایت کرتا ہے اور اس کے اس سارے لطف وعنایت کے باوجود یہ کفران اور بے حرمتی کس بناء پر ہے؟

(۱۵) اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ	کیا تم دیکھتے نہیں، کہ اللہ نے سات آسمانوں کو، ایک دوسرے کے اوپر کس طرح سے خلق کیا ہے؟
(۱۶) وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا	اور چاند کو آسمانوں کے درمیان روشنی کا باعث اور سورج کو چراغ فروزاں قرار دیا۔
(۱۷) وَ اللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ۙ	اور اللہ نے تمہیں نباتات کی طرح سے زمین سے اگایا ہے۔
(۱۸) ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَ يُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا	پھر تمہیں اسی زمین کی طرف لوٹائے گا اور پھر تمہیں دوبارہ نکال کھڑا کرے گا۔

(۱۹) وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ	اور اللہ نے زمین کو تمہارے لئے بچھا ہوا فرش قرار دیا ہے۔
(۲۰) لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۧ	تا کہ تم اس وسیع راستوں اور درّوں سے گزرو (اور جہاں جانا چاہو چلے جاؤ)۔

تفسیر

باغبان ہستی نے تمہیں ایک پھول کی طرح پالا ہے۔

حضرت ''نوح علیہ السلام'' ہٹ دھرم مشرکین کے مقابلہ میں، اپنے گہرے اور استدالی بیانات کے ذریعہ، پہلے تو ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کے وجود کی گہرائیوں میں لے گئے، تا کہ وہ آیات انفسی کا مشاہدہ کریں۔ (جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد، جیسا کہ زیر بحث آیات میں بیان ہوا ہے، انہیں خلقت و آفرینش کے عالم بزرگ میں اللہ کی نشانیوں کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ اور انہیں آفاق کی سیر کی طرف لے جاتے ہیں۔

''پہلے آسمان سے شروع کرتے ہوئے کہتا ہے: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر کس طرح سے پیدا کیا''

ساتواں آسمان ایک دوسرے کے اوپر قرار پائے ہیں، اور ساتواں آسمانوں کی تفسیر میں جس طور پر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، ایک قابل توجہ تفسیر یہ ہے کہ وہ تمام ثوابت و سیار ستارے، جنہیں ہم خوردبینوں کے ذریعے یا بغیر خوردبینوں کے آنکھ سے دیکھتے ہیں، وہ سب کے سب پہلے آسمان کا حصہ ہیں اور دوسرے چھ عالم اس کے بعد ایک دوسرے کے اوپر قرار پاتے ہیں، جو موجودہ زمانہ کے انسان کی پہنچ سے باہر ہیں اور ممکن ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں انسان یہ لیاقت و استعداد پیدا کرے کہ وہ ان عجیب اور وسیع عوالم کو بھی ایک دوسرے کے بعد معلوم کرے۔

''اس کے بعد مزید کہتا ہے: اللہ نے چاند کو سات آسمانوں کے درمیان، تمہارے لئے روشنی کا سبب اور سورج کو چراغ فروزاں قرار دیا ہے''

اس کے بعد دوبارہ انسان کی خلقت کی طرف لوٹتا ہے اور مزید کہتا ہے: ''اللہ نے تمہیں نباتات کی طرح زمین سے اگایا ہے'' انسان کے بارے میں ''انبات'' کی تعبیر اس بناء پر ہے کہ اولاً انسان کی پہلی خلقت مٹی سے ہے اور ثانیاً وہ تمام غذائیں جو انسان کھاتا ہے اور جن کی وجہ سے نشوونما پاتا ہے، وہ سب زمین سے ہیں۔ یا تو وہ براہ راست زمیں سے ہوتی ہیں جیسے سبزیاں، غلے اور پھل یا غیر مستقیم طور پر مثلاً جانوروں کے گوشت اور ثالثاً انسان اور نباتات کے درمیان بہت زیادہ مشابہت ہے اور بہت سے ایسے قوانین جو

نباتات کی غذا، تولید مثل اور نشو و نما میں کارفرما ہیں وہ انسان پر بھی لاگو ہیں۔

اس کے بعد مسئلہ معاد کی طرف، جو مشرکین کے لئے پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے، متوجہ ہوتا ہے اور فرماتا ہے "اس کے بعد وہ تمہیں اسی زمین کی طرف، جس سے اس نے تمہیں اگایا تھا، دوبارہ پلٹا دے گا اور پھر دوبارہ تمہیں اس سے نکال کھڑا کرے گا۔ ابتداء میں بھی تم مٹی ہی تھے، پھر دوبارہ مٹی کی طرف لوٹ جاؤ گے اور وہی ذات جس میں یہ قدرت تھی کہ تمہیں ابتداء میں مٹی سے پیدا کرے، یہ قدرت رکھتی ہے کہ دوبارہ مٹی ہو جانے کے بعد، تمہارے جسم پر دوبارہ لباس حیات پہنا دے۔

اس کے بعد پھر نئے سرے سے آیات آفاقی اور عالم کبیر میں توحید کی نشانیوں کی طرف لوٹتا ہے اور زمین کے وجود کی نعمت کے متعلق گفتگو کرتا ہے، فرماتا ہے: "اللہ نے زمین کو تمہارے لئے بچھا ہوا فرش قرار دیا۔

یہ نہ تو ایسی سخت ہے کہ اس پر آرام اور آمد ورفت ہی نہ کر سکو اور نہ ایسی نرم کہ تم اس میں دھنس جاؤ اس پر چل پھر ہی نہ سکو اس کے علاوہ وہ ایک ایسا وسیع آمادہ تیار فرش ہے۔ جس میں تمہاری زندگی کی تمام ضروریات موجود ہیں۔ نہ صرف ہموار زمینیں ہی فرش کی طرح بچھی ہوئی ہیں بلکہ پہاڑ بھی، ان دروں اور شگافوں کی وجہ سے، جو ان کے درمیان موجود ہیں اور عبور کرنے کے قابل ہیں، بچھے ہوئے فرش ہی ہیں۔ "ہدف و مقصد یہ ہے کہ تم ان وسیع راستوں اور دروں سے، جو اس زمین میں موجود ہیں، گزر سکو اور جس علاقہ میں جانا چاہو جا سکو"

لیکن نہ تو پہلے انذاروں، بشارتوں اور تشویقوں نے اس ہٹ دھرم قوم کے سیاہ دل میں کوئی اثر کیا اور نہ ہی کسی منطقی استدلال نے۔

(۲۱) قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّهُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَ اتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ	نوح نے عرض کیا: پروردگارا! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی، جن کے مال اور اولاد نے خسارے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔
(۲۲) وَ مَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا ۚ	اور (ان گمراہ راہبروں نے) ایک عظیم مکر کیا۔
(۲۳) وَ قَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَکُمۡ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّ لَا یَغُوۡثَ وَ یَعُوۡقَ وَ نَسۡرًا ۚ	اور انہوں نے یہ کہا کہ: اپنے خداؤں اور بتوں سے دستبردار نہ ہونا، خصوصاً "ود" "سواع" "یغوث" "یعوق" "نسر" کو نہ چھوڑنا۔

(۲۴) وَ قَدۡ اَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا	اور انہوں نے بہت سے گروہوں کو گمراہ کر دیا۔ خداوندا! ظالموں میں ضلالت اور گمراہی کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہ فرمانا۔
(۲۵) مِمَّا خَطِیۡٓـٰٔتِہِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۬ۙ فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡصَارًا	(ہاں!) آخرکار) وہ سب کے سب اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق ہو گئے اور جہنم کی آگ میں داخل ہوئے اور انہیں اپنے لئے اللہ کے سوا اور کوئی یار و مددگار نہ ملا۔

تفسیر

اللہ کا لطف تجھ سے مدارت کرتا ہے۔

جب نوح نے سینکڑوں سال تک اپنی پوری پوری کوشش کر کے دیکھ لی اور وہ قوم ایک چھوٹے سے گروہ کے سوا اسی طرح کفر بت پرستی، گمراہی اور فساد پر ڈٹی رہی، تو وہ ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے اور بارگاہ خدا کی طرف رخ کیا، اور ایک استدلالی مناجات کے ضمن میں اللہ سے ان کے لئے عذاب کا تقاضا کیا، جیسا کہ زیر بحث آیت میں آیا۔

نوح نے کہا: پروردگارا! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے شخص کی پیروی کی جس کے مال واولاد نے خسارے کو سوا اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس قوم کے رہبر ایسے لوگ ہیں، جن کا امتیاز مال واولاد کی زیادتی ہے اور وہ مال واولاد بھی ایسے جو فساد وخرابی کے سوا کسی کام نہیں آتے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے "ان گمراہ رہبروں نے مکر عظیم کیا"۔

لوگوں کو گمراہ کرنے اور نوح کی دعوت کو قبول کرنے سے روکنے کے لئے بہت عظیم اور وسیع شیطانی منصوبے بنا رکھے تھے۔

احتمال یہ ہے کہ وہی بت پرستی کا مسئلہ ہوگا۔ کیونکہ بعض روایات کے مطابق، بُت پرستی نوح سے پہلے موجود نہیں تھی۔ بلکہ نوح علیہ السلام کی قوم نے ہی اسے ایجاد کیا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ بعد والی آیت اس مطلب کی گواہ ہو۔ کیونکہ اس عظیم مکر کی طرف ایک اجمالی اشارہ کرنے کے بعد مزید کہتا ہے: "ان کے رؤسا نے کہا، اپنے خداؤں اور بتوں سے دستبردار نہ ہو۔"

اور خدائے یگانہ کے بارے میں نوح علیہ السلام کی دعوت ہرگز قبول نہ کرنا، وہ اللہ جو نہ تو دکھائی ہی دیتا ہے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ چھونے کے قابل ہے۔

انہوں نے خصوصیت کے ساتھ انہیں پانچ بتوں کے بارے میں تاکید کی اور کہا: ''دو''، ''سواع''، ''یغوث''، ''یعوق'' اور ''نسر'' کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ان کے دامن کو چھوڑنا''

قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچوں بت کچھ خاص امتیازات رکھتے تھے اور وہ گمراہ قوم ان کی طرف خاص طور پر متوجہ تھی اور اسی بناء پر ان کے فرصت طلب رہبر بھی ان کی عبادت پر تکیہ کرتے تھے۔

اس کے بعد نوح مزید کہتے ہیں: ''خداوند! ان گمراہ اور خودغرض رہبروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔''

''خداوند! ظالموں میں ظلالت وگمراہی کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہ کر''

ظالموں اور ستم گروں میں ضلالت وگمراہی کو زیادہ کرنے سے مراد وہی ان سے توفیق الٰہی کا سلب ہونا ہے جو ان کی بدبختی کا سبب بن جاتا ہے جسے وہ اپنے ظلم کی وجہ سے پاتے ہیں، کیونکہ اللہ نور ایمان کو ان سے چھین لیتا ہے اور کفر کی تاریکی کو اس کا جانشین بنا دیتا ہے۔

آخر کار آخری زیر بحث آیت میں، اس سلسلہ میں آخری بات اللہ یہ فرماتا ہے: ''وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق ہو گئے اور انہیں آگ میں داخل کر دیا گیا اور انہیں اللہ کے سوا اور کوئی یار و مددگار نہ ملا۔ جو اس کے خشم وغضب سے ان کا دفاع کرے''

آیت کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ غرق ہونے کے بعد بلا فاصلہ آگ میں داخل کر دیئے گئے اور یہ عجیب بات ہے کہ پانی میں سے فوراً آگ میں داخل ہوں، اور یہ آگ وہی برزخ والی آگ ہے، چونکہ قرآن مجید کی آیات کی گواہی کے مطابق ایک گروہ کو موت کے بعد عالم برزخ میں سزا ملے گی اور بعض روایات کے مطابق ''قبر'' یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۲۶) وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا	نوح نے عرض کی: پروردگار! روئے زمین پر کفار میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ رہنے دے۔
(۲۷) اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا	کیونکہ اگر تو انہیں رہنے دے گا۔ تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ایک فاجر و کافر نسل کے سوا کچھ وجود میں نہیں لائیں گے۔

(۲۸) رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ۧ	پروردگار! مجھے بخش دے، اور اسی طرح میرے ماں باپ کو اور ان تمام لوگوں کو، جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ وارد ہوئے، اور تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کو بخش دے، اور ظالموں میں ہلاکت کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ فرما۔

تفسیر

اس فاسد ومفسد قوم کو چلے جانا چاہیے!

یہ آیات اسی طرح سے، نوح کی گفتگو اور اللہ کی بارگاہ میں قوم کی شکایت اور ان کے بارے میں بددعا اور نفرین کو جاری رکھے ہوئے ہیں، فرماتا ہے: ''پروردگار! کفار میں سے کسی کو روئے زمین پر زندہ نہ رہنے دے''

یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب وہ مکمل طور پر ان کی ہدایت سے مایوس ہو گئے تھے اور اپنی آخری کوشش ان کے ایمان لانے کے سلسلہ میں کر چکے تھے، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور صرف تھوڑے سے لوگ ان پر ایمان لائے

" علی الارض" (صفحہ زمین پر) کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام کی دعوت بھی عالمی اور جہانی تھی اور وہ طوفان اور عذاب بھی جو بعد میں آیا عالمی تھا۔

اس کے بعد نوح علیہ السلام اپنی نفرین اور بددعا کرنے کے بارے میں استدلال کرتے ہیں اور مزید کہتے ہیں: ''کیونکہ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور فاجر و کافر نسل کے سوا اور کچھ وجود میں نہیں لائیں گے۔''

یہ گفتگو اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انبیاء کی نفرین و بددعا، جن میں نوح بھی ہیں، غیض وغضب، انتقام جوئی اور کینہ پروری کی بناء پر نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ ایک منطقی حساب کی صورت میں ہوتی تھی۔

آخر میں نوح علیہ السلام اپنے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ان پر ایمان لائے تھے اس طرح دعا کرتے ہیں: ''پروردگارا! مجھے بخش دے اور اسی طرح میرے ماں باپ اور ان تمام لوگوں کو جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہوئے تھے اور تمام مؤمنین و مومنات کو بھی بخش دے اور ظالموں کے لئے ہلاکت کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہ کر''

یہ طلب مغفرت اس لئے ہے کہ نوح علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ میں نے صدہا سال مسلسل تبلیغ کی ہے، اور اس راہ میں ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت جھیلی ہے، لیکن چونکہ ممکن ہے کہ اس مدت میں مجھ سے کوئی ترک اولیٰ سرزد ہو گیا ہو، تو میں اس کے بارے میں بھی عفو و بخشش کا تقاضا کرتا ہوں، اور تیری بارگاہ مقدس میں ہرگز خود کو بری قرار نہیں دیتا۔

سورۂ جن

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۲۸ آیات ہیں۔

سورۂ جن کے مضامین ومطالب

یہ سورہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، زیادہ تر ایک دکھائی نہ دینے والی مخلوق کے بارے میں گفتگو کرتی ہے جسے ''جن'' کہتے ہیں۔ یہ گفتگوان کے پیغمبرﷺ پر ایمان لانے، قرآن مجید کے مقابلہ میں خضوع کرنے، معاد پران کے ایمان واعتقاد، ان کے درمیان مومن وکافر گروہ کے وجوداوراسی قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق ہے۔سورہ کا یہ حصہ اٹھائیس آیات میں سے انیس آیات میں پھیلا ہوا ہے۔اور''جن'' کے بارے میں بہت سے بے ہودہ عقائد کی اصلاح کرتا ہے، اورانہیں باطل قرار دیتا ہے۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں توحید ومعاد کے مسئلہ کے بارے میں اشارہ آیا ہے۔

اوراس سورہ کے آخری حصہ میں علم غیب کے مسئلہ کے متعلق گفتگو ہے، کہ کوئی بھی شخص اس سے آگاہ نہیں ہے، سوائے اس قدر جس کا اللہ نے ارادہ کرلیا ہے۔

سورۂ جن کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے۔

''جو شخص سورۂ جن کو بکثرت پڑھے، تو وہ دنیا کی زندگی میں، ہرگز جنوں کی نظر بد، ان کے دادو، سحراور مکروفریب سے نقصان نہیں اٹھائے گا، اوروہ محمدﷺ کے ہمراہ ہوگا اور کہے گا:''پروردگارا! میں اس کی بجائے کسی اورکونہیں چاہتا اورنہ ہی اس سے کسی دوسرے کی طرف مائل ہوتا ہوں۔''

البتہ یہ تلاوت، اس سورہ کے مضامین ومطالب پر آگاہ ہونے، اور پھراس پرعمل کرنے کا ایک مقدمہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جورحمٰن ورحیم ہے
(۱) قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ	(اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ ''جنوں'' کی ایک جماعت نے کان دھر کے میری باتیں سنیں تو انہوں نے کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔
(۲) یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ	جو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے پروردگار کا شریک قرارنہیں دیتے۔

(۳) وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۙ	اور بے شک ہمارے باعظمت پروردگار کا مقام بلند ہے، اور اس نے ہرگز اپنے لئے بیوی اور اولاد کا انتخاب نہیں کیا ہے۔
(۴) وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ	اور بے شک ہمارے بیوقوف لوگ اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کیا کرتے تھے۔
(۵) وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ	اور ہم نے تو یہ گمان کر لیا تھا کہ جن اور انسان ہرگز اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتے۔
(۶) وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ	اور بے شک انسانوں میں سے کچھ لوگ، جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے، اور وہ ان کی گمراہی اور طغیان میں زیادتی کا سبب بنا کرتے تھے۔

شان نزول

سورۂ احقاب کی آیہ ۲۹ تا ۳۲ کی تفسیر میں کچھ شان نزول ہو چکی ہیں، جو زیر بحث سورہ (سورہ جن) کے مطالب سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں، اور وہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں، کہ دونوں سورتوں کی آیات ایک ہی واقعہ سے مربوط ہیں۔ وہ شان نزول مختصر طور پر اس طرح ہے:

۱۔ پیغمبر ﷺ مکہ سے طائف کے بازار ''عکاظ'' کی طرف آئے تا کہ اس عظیم مرکز اجتماع میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں، لیکن کسی نے آپ کی دعوت کا کوئی مثبت جواب نہ دیا، واپسی پر آپ ایک ایسی جگہ پہنچے جسے ''وادی جن'' کہتے تھے، رات آپ وہیں رہے اور قرآن کی آیات کی تلاوت فرماتے رہے، جنوں کے ایک گروہ نے سنا تو وہ ایمان لے آئے اور تبلیغ کے لئے اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے۔

۲۔ 'ابن عباس'' کہتے ہیں۔ '' پیغمبر ﷺ صبح کی نماز میں مشغول ہوئے اور اس میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، جنوں کا ایک گروہ آسمانی خبروں کے ان سے منقطع ہو جانے کی علت کی تحقیق کر رہا تھا، انہوں نے محمد ﷺ سے قرآن کی تلاوت کی آواز سنی تو انہوں نے کہا کہ آسمانی اخبار کے ہم سے منقطع ہو جانے کی علت یہی ہے لہٰذا وہ اپنی قوم کی

طرف پلٹ گئے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ لیکن یہاں ایک اور شان نزول بھی بیان کی گئی ہے، جو ان سب سے مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے ''عبداللہ بن مسعود'' سے پوچھا: کیا تم اصحاب پیغمبرؐ میں سے، کوئی شخص ''جن'' والی رات کے واقعہ میں، پیغمبر کی خدمت میں تھا، اس نے کہا، کہ ہم میں سے کوئی نہیں تھا، ہم نے ایک رات مکہ میں پیغمبر کو نہ پایا، اور جس قدر ہم نے جستجو اور تلاش کی، آپ کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ہم ڈرے کہ کہیں پیغمبرؐ کو دشمنوں نے قتل نہ کر دیا ہو، ہم پیغمبرؐ کو تلاش کرتے ہوئے مکہ کے دروں کی طرف گئے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ آپ کوہ ''حرا'' کی طرف سے آ رہے ہیں۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ کہاں تھے؟ ہم سخت پریشان تھے اور کل رات ہماری زندگی کی بدترین رات تھی، آپ نے فرمایا: جنوں کی طرف سے ایک دعوت کرنے والا میرے پاس آیا تھا اور میں ان کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے گیا تھا۔

تفسیر

ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے

اب جو کچھ بیان ہو چکا، اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے، آیات کی تفسیر کی طرف لوٹتے ہیں۔

پہلی آیت میں فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی ہوئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے میری باتوں کو کان لگا کر سنا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔''

یہ آیت، اچھی طرح سے، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ گروہ ''جن'' صاحبان عقل و شعور، فہم و ادراک والے اور تکلیف و مسئولیت کے حامل ہیں، اور زبان سے آشنائی اور اعجاز آمیز کلام میں فرق کو سمجھتے ہیں، اور اسی طرح سے خود کو تبلیغ حق کا ذمہ دار جانتے ہیں۔ اور قرآن کے خطاب کے مخاطب بھی ہیں۔

انہیں اس بات کا حق تھا کہ وہ قرآن کو ایک عجیب بات شمار کریں، کیونکہ اس کا لب و لہجہ اور طرز و آہنگ بھی عجیب ہے اور اس کا نفوذ کرنا اور قوت جاذبہ بھی۔ اس کے مضمون و مطالب اور اس کی تاثیر بھی عجیب ہے اور اس کا لانے والا بھی کہ جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور وہ ''امیین'' سے مبعوث ہوا تھا۔

انہوں نے اس جملہ کے بعد کچھ اور باتیں بھی اپنی قوم سے کہیں، جنہیں قرآن نے بعد والی آیات میں بارہ جملوں میں بیان کیا ہے جن میں سے ہر ایک ''ان'' کے ساتھ شروع ہوتا ہے، جو تاکید کی نشانی ہے۔

پہلے فرماتا ہے: انہوں نے کہا: ''یہ قرآن سب کو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے پروردگار کا شریک قرار نہیں دیتے۔''

ایمان کے اظہار اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے بعد، انہوں نے صفات اللہ کے بارے میں اپنی گفتگو کو اس طرح جاری رکھا: ''ہمارے پروردگار کا باعظمت مقام (مخلوق کے ساتھ مشابہت اور ہر قسم کے عیب ونقص سے) بلند ہے اور اس نے اپنے لئے بیوی اور اولاد کا ہرگز انتخاب نہیں کیا۔

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: ''اب ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگ اللہ کے بارے میں ناروا اور حق سے دور بات کیا کرتے تھے''۔

یعنی ہمارے سفہاء اور بے وقوف لوگ اللہ کے لئے بیوی اور اولاد کے قائل تھے، اور انہوں نے شبیہ وشریک بنالیا تھا اور راہ حق سے منحرف ہو کر فضول اور بے ہودہ باتیں کہا کرتے تھے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں ''سفیہ'' ابلیس کی طرف اشارہ ہے جس نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کرنے کے بعد، اس کی ساحت مقدس کی طرف بہت سی ناروا نسبتیں دیں۔

چونکہ ''ابلیس'' ''جن'' تھا۔ لہٰذا مومنین اس سے نفرت کا اظہار کررہے ہیں، اور اس کی بات کو فضول اور حق سے دور کہہ رہے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: ''ہم یہ گمان کیا کرتے تھے کہ انسان اور جن ہرگز اللہ پر جھوٹ نہیں باندھیں گے''۔

ان کی یہ بات ممکن ہے اس اندھی تقلید کی طرف اشارہ ہو جو یہ گروہ اس سے پہلے دوسروں کی کیا کرتا تھا اور اس بناء پر وہ اللہ کا شریک بناتے تھے اور اس کے لئے بیوی اور اولاد کے قائل تھے، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ان مسائل کو دوسروں سے بغیر کسی دلیل کے قبول کرلیا تھا تو وہ غلط فہمی کی بہاء پر تھا۔ ہمیں یہ خیال ہی نہیں آیا کہ انسان اور جن اتنی جرأت کریں گے کہ اتنا بڑا جھوٹ اللہ پر باندھیں گے، لیکن اب جبکہ ہم نے اس بات کی تحقیق کرلی ہے اور حق کو معلوم کرلیا ہے اور اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم اب اس ناروا تقلید کو سمجھتے ہیں، اور اس طرح اپنی غلطی اور مشرکین جن کے انحراف کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے کہا: جنوں اور انسانوں کے انحرافات میں سے ایک یہ تھا کہ ''انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ کی پناہ لیا کرتے تھے۔ اور وہ ان کی گمراہی، گناہ اور طغیان وسرکشی کی زیادتی کا سبب بنتے تھے۔''

لیکن آیت کا مفہوم بہرحال ایک وسیع مفہوم ہے، جو انسانوں کی جنوں سے ہر قسم کی پناہ لینے کو شامل ہے اور اوپر والی فضول اور بیہودہ بات اس کا ایک مصداق ہے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عربوں کے درمیان کاہن بہت تھے، جن کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ جنوں کے ایک گروہ کے ذریعہ بہت سی مشکلات کو حل کرتے ہیں اور آنے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔

(۷) وَّ اَنَّھُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ	انہوں نے بھی یہی گمان کرلیا تھا، جیسا کہ تم گمان کرتے تھے، کہ اللہ ہرگز کسی کو (نبوت پر) مبعوث نہیں کرے گا۔
(۸) وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰھَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِیۡدًا وَّ شُھُبًا ۙ	اور ہم نے آسمان میں جستجو کی، تو ہم نے سب کو قوی محافظوں اور شہاب کے تیروں سے پر پایا۔
(۹) وَّ اَنَّا کُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡھَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ یَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ یَجِدۡ لَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا ۙ	اور ہم اس سے پہلے چوری چھپے باتیں سننے کے لئے آسمانوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے، لیکن اب اگر کوئی چوری چھپے سننا چاہتا ہے، تو وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا۔
(۱۰) وَّ اَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِھِمۡ رَبُّھُمۡ رَشَدًا ۙ	اور اب (ان حالات میں) ہم نہیں جانتے کہ اہل زمین کے بارے میں ان کے پروردگار نے کسی شر اور برائی کا ارادہ کیا ہے، یا ان کی ہدایت کا ارادہ کیا ہے۔

تفسیر

پہلے چوری چھپے سن لیا کرتے تھے، لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ آیات اسی طرح سے ''جن مومنین'' کے بیان کو جاری رکھے ہوئے ہیں، جو اپنی قوم کو تبلیغ کرتے وقت بیان کر رہے تھے، اور مختلف طریقوں سے انہیں اسلام اور قرآن کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ پہلے کہتے تھے: ''انسانوں کا ایک گرہ، تمہاری طرح ہی یہ گمان کرتا تھا، کہ اللہ کسی بھی انسان کو (موسیٰ علیہ السلام و مسیح کے بعد) نبوت کے ساتھ مبعوث نہیں کرے گا''

اور وہ قرآن کے انکار اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن ہم نے جب غور سے اس کتاب آسمانی کی آیات کو سنا، تو ہم نے اس کی حقانیت کا واضح طور پر ادراک کرلیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی مشرک انسانوں کی طرح کافر ہو جاؤ اور انہیں جیسی سرنوشت میں گرفتار ہو جاؤ۔

یہ تعبیر مشرکین کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ وہ جان لیں کہ جب جنوں کی منطق یہ ہے اوران کا فیصلہ یہ ہے تو پھر وہ بیدار ہو جائیں اور قرآن اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے متمسک ہو جائیں۔

اس کے بعد مومنین جن، اپنی گفتگو کی صداقت کی ایک نشانی کی طرف............ جو عالم طبیعت میں تمام جنوں کے لئے قابل ادراک ہے............ اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہم نے آسمانوں میں جستجو کی، تو ہم نے ان سب کو نگہبانوں اور قوی محافظوں اور شہاب کے تیروں سے بھر پور پایا۔

ہم اس سے پہلے چوری چھپے باتیں سننے کے لئے آسمانوں میں جا کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور وہاں سے کچھ خبریں معلوم کر لیا کرتے تھے۔ اور اپنے دوستوں کو ان کی اطلاع دے دیا کرتے تھے، لیکن اب معاملہ ایسا ہو گیا ہے کہ اب اگر کوئی چوری چھپے کچھ سننا چاہتا ہے تو وہ اپنی گھات میں ایک شہاب کو پاتا ہے جو اس کو نشانہ بنالیتا ہے۔''

تو کیا یہ نئی وضع وکیفیت اس حقیقت کی دلیل نہیں ہے کہ اس پیغمبر کے ظہور اور اس کی کتاب آسمانی کے نزول سے عالم میں ایک عظیم تغیر پیدا ہو گیا ہے؟ آخر پہلے تم میں چوری چھپے سننے کی طاقت کیوں تھی اور اب تم میں سے کوئی بھی اس کام پر قدرت کیوں نہیں رکھتا؟

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا کہ ان اوضاع وحالات میں ہم نہیں جانتے، کہ کیا یہ چوری چھپے سننے کی ممنوعیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین پر رہنے والے لوگوں کے لئے کسی شر اور برائی کا ارادہ ہوا ہے، یا کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ انہیں اس طریقہ سے ہدایت کرے۔

دوسرے لفظوں میں ہم نہیں جانتے کہ کیا یہ امر اللہ کی طرف سے نزول عذاب وبلا کا مقدمہ ہے یا ان کی ہدایت کی تمہید ہے۔

لیکن مومنین جن کو اصولی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چوری چھپے سننے کی ممانعت، جو پیغمبر اسلام کے ظہور کے قریب ہوئی، انسانوں کی ہدایت کا مقدمہ ہے اور کہانت کے اداروں اور اس جیسی خرافات کے ختم ہونے کی تمہید ہے۔

لیکن چونکہ ''جن'' چوری چھپے سننے کے مسئلہ سے ایک خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ ابھی یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ یہ محرومیت ایک قسم کی خیر وبرکت ہے۔ ورنہ یہ بات واضح ہے کہ زمانہ جاہلیت کے کاہن اسی چوری چھپے سننے کے مسئلہ پر تکیہ کرتے ہوئے ،لوگوں کے ایک بہت بڑے حصہ کو گمراہ کیا کرتے تھے۔

(۱۱) وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ ؕ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ	اور یہ کہ ہمارے درمیان صالح اور غیر صالح افراد ہیں اور ہم مختلف گروہ ہیں۔

(۱۲) وَ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰہَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَہٗ ھَرَبًا ۙ	اور یہ کہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم زمین میں ہرگز اللہ کے ارادہ پر غالب نہیں آسکتے، اور نہ ہی اس کے دست قدرت سے فرار کرسکتے ہیں۔
(۱۳) وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْھُدٰٓی اٰمَنَّا بِہٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَھَقًا ۙ	اور یہ کہ جب ہم نے قرآن کی ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، اور جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے پھر وہ نہ تو نقصان سے ڈرتا ہے اور نہ ہی ظلم سے۔
(۱۴) وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا	اور یہ کہ ہم میں سے ایک گروہ تو مسلمان ہے اور ایک گروہ ظالم ہے اور جو اسلام کو اختیار کرلیں، انہوں نے سیدھی راہ کو انتخاب کرلیا ہے۔
(۱۵) وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَھَنَّمَ حَطَبًا ۙ	اور ظالم تو ہیں ہی دوزخ کا ایندھن۔

تفسیر

ہم نے حق کو سنا اور سر تسلیم خم کرلیا

یہ آیات اسی طرح سے جن مومنین کی باتوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں، یعنی وہ باتیں جو انہوں نے اپنی گمراہ قوم کو تبلیغ کرتے وقت کہی تھیں، پہلی آیت میں ان کی زبانی کہتا ہے: ''ہمارے درمیان صالح اور غیر صالح افراد ہیں اور ہم میں مختلف گروہ ہیں''

احتمال یہ ہے کہ انہوں نے اس جملہ کو اس لئے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ''ابلیس'' کا قبیلہ ''جن'' میں سے ہوتا، ان میں سے ایک گروہ کے دل میں یہ توہم پیدا نہ کردے، کہ جن کی طبیعت اور مزاج شر اور فساد، شیطنت پر ہے اور نور ہدایت ان کے دل میں ہرگز نہیں چمکتا۔

مومنین جن اس گفتگو سے واضح کر رہے ہیں کہ اس اختیار اور آزادی ارادہ ان پر بھی حکم فرما ہے، اور صالح اور غیر صالح دونوں قسم کے افراد ان میں موجود ہیں۔ اس بناء پر ہدایت کی استعداد ان میں بھی موجود ہے اور اصولی طور پر تبلیغ کی تاثیر کے عوامل میں

سے ایک طرف مقابل کی شخصیت کو اجاگر کر کے اسے ہدایت وکمال کی استعداد کے موجود ہونے کی طرف توجہ دلانا ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ جن مومنین نے، چوری چھپے سننے کے مسئلہ سے، سوء استفادہ کے موضوع سے، برائت کے لئے کہی ہو۔ یعنی اگر چہ ہم میں سے بعض، وہ اخبار جو وہ چوری چھپے سنا کرتے تھے، انہیں شریر انسانوں کے پاس پہنچا کر گمراہی کا سبب بنے تھے۔ لیکن ہم میں سے تمام جن ایسے نہیں تھے۔

یہ آیت ضمنی طور پر جنوں کے بارے میں ہم انسانوں کی ذہنیتوں کی بھی اصلاح کرتی ہے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے تصور میں لفظ ''جن'' شیطنت، فساد اور گمراہی کی ایک قسم کے ساتھ ہے۔ یہ آیت کہتی ہے کہ وہ بھی مختلف گروہ ہیں، صالح اور غیر صالح۔

جن مومنین اپنی باتوں کو جاری رکھتے ہوئے دوسروں کو خبردار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''ہمیں یقین ہے کہ ہم زمین میں، اللہ کے ارادہ پر ہرگز غالب نہیں آسکتے، اور نہ ہی اس کے پنجہ قدرت سے فرار کر سکتے ہیں۔''

اس بناء پر، اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تم اللہ کے عذاب سے بھاگ کر زمین کے کسی گوشہ میں یا آسمانوں کے کسی مقام میں نجات پا جاؤ گے۔ تو تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔

جن مومنین اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہم نے جب قرآن کی ہدایت کو سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔''

اور اگر ہم تمہیں قرآن کی ہدایت کی طرف بلاتے ہیں تو ہم نے خود پہلے اس پروگرام پر عمل کیا ہے۔ اس بناء پر ہم دوسروں کو کسی ایسی چیز کی دعوت نہیں دے رہے ہیں، جسے ہم نے خود چھوڑ رکھا ہو۔

اس کے بعد ایمان کے نتیجہ کو ایک مختصر سے جملہ میں بیان کوتے ہوئے کہتے ہیں: ''جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تو اسے نہ تو نقصان کا کوئی ڈر ہے اور نہ ہی ظلم کا۔''

بعد والی آیت میں مومنوں اور کافروں کی سرنوشت کے بارے میں زیادہ وضاحت کے لئے کہتا ہے: ''ہم قرآن کی ہدایت کے ذریعہ یہ جانتے ہیں کہ ہم میں سے ایک گروہ مسلمان ہے اور ایک گروہ ظالم و بیدادگر ہے۔

لیکن جو اسلام کو اختیار کر لیں تو انہوں نے راہ راست کو انتخاب کیا ہے اور اللہ کی ہدایت اور ثواب کی طرف قدم اٹھایا ہے۔

''باقی رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔''

(۱۶) وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۙ	اور اگر وہ (جن وانس) ایمان کے طریقہ پر استقامت اختیار کریں، تو ہم انہیں فراواں پانی سے سیراب کریں۔

(۱۷) لِّنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِؕ وَ مَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ يَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ	مقصد یہ ہے کہ ہم انہیں اس فراواں نعمت کے ذریعہ آزمائیں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا، تو وہ اسے شدید اور روزافزوں عذاب میں گرفتار کرے گا۔
(۱۸) وَّ اَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ	اور یہ کہ مساجد اللہ ہی کے لئے ہیں، ان مساجد میں اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو۔
(۱۹) وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ يَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِ لِبَدًا ؕؑ	اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ (محمد ﷺ عبادت کے لئے) کھڑا ہوتا اور اسے پکارتا، تو کچھ لوگ بڑی شدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جاتے۔

تفسیر

ہم تمہیں ان فراواں نعمتوں کے ذریعے آزمائیں گے۔

یہ آیات ظاہراً جن مومنین کی اپنی قوم سے گفتگو کو جاری رکھے ہوئے ہیں (اگرچہ کچھ مفسرین نے اسے اللہ کا کلام سمجھا ہے، جو جملہ معترضہ کے طور پر جنوں کی گفتگو کے درمیان آیا ہے)۔ لیکن چونکہ اس کا جملہ معترضہ ہونا خلاف ظاہر ہے اور آیات کی تعبیر گزشتہ آیات کے لب ولہجہ سے زیادہ مشابہ ہے، جو جن مومنین کی گفتگو تھی، لہٰذا اس کا جنوں کا کلام نہ ہونا بعید ہے۔

بہرحال گزشتہ آیات میں، قیامت میں مومنین کے لئے اجروثواب کے بارے میں گفتگو تھی، اور ان آیات میں ان کے دنیاوی اجروثواب کی گفتگو ہے، فرماتا ہے: ''اگر وہ (جن وانس) ایمان کے طریقہ پر استقامت کریں، تو ہم انہیں فراواں پانی سے سیراب کریں گے۔''

ہم ان پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کریں گے، اور حیات بخش پانی کے منابع اور چشمے ان کے اختیار میں دے دیں گے اور جہاں پانی کی فراوانی ہوتی ہے، وہاں پر ہر چیز کی فراوانی ہوتی ہے، لہٰذا اس طرح سے ہم انہیں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازیں گے۔

قرآن مجید نے اس مطلب پر کئی بار تکیہ کیا ہے، کہ ''ایمان وتقویٰ'' نہ صرف معنوی برکات کا سرچشمہ ہیں، بلکہ مادہ ارزاق کی زیادتی، نعمتوں کی کثرت، آبادی وعمران اور مادی برکت کی زیادتی کا موجب بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ایک تفصیلی بحث، جلد ۱۴ میں سورۂ نوح کی آیہ ۱۲ کے ذیل میں ''ایمان وتقویٰ کا عمران وآبادی سے رابطہ'' کے عنوان کے تحت کر چکے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس بیان کے مطابق، وہ چیز جو نعمت کی زیادتی کا سبب بنتی ہے، ایمان پر استقامت ہے، نہ کہ اصل ایمان۔

بعد والی آیت میں اسی سلسلہ میں ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''مقصد یہ ہے کہ ہم انہیں وفور نعمت کے ذریعہ آزمائیں۔''

اور یہاں سے واضح ہوجاتا ہے کہ خدائی امتحان کے اہم اسباب میں سے ایک وفور نعمت ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ نعمت کے ذریعہ جو آزمائش ہوتی ہے، وہ عذاب کے ذریعہ ہونے والی آزمائش سے زیادہ سخت اور زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔ کیونکہ نعمت کی زیادتی کا مزاج، سستی، کاہلی، غفلت اور لذائذ وشہوات میں غرق ہوتا ہے، اور یہ ٹھیک ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اللہ سے دور کر دیتی ہے، اور میدان کو شیطان کی فعالیت کے لئے آمادہ کر دیتی ہے۔ صرف وہی لوگ وفور نعمت کی زیادتی کے غیر مطلوب عوارض سے امان میں رہ سکتے ہیں، جو ہمیشہ اللہ کی یاد میں رہیں۔

لہٰذا اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا، تو وہ اسے شدید اور روز افزوں عذاب میں گرفتار کر دے گا۔

بعد والی آیت میں جن مومنین کی زبانی، دوسروں کو توحید کی طرف دعوت دینے کے موقع پر اس طرح کہتا ہے: ''مساجد اللہ کے لئے ہیں، ان مساجد میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو''

اس سے مراد وہ مکان اور جگہیں ہیں کہ جن میں اللہ کے لئے سجدہ ہوتا ہے۔ جس کا مصداق اکمل، مسجد الحرام ہے اور اس کا دوسرا مصداق باقی مساجد میں ور زیادہ وسیع مصداق وہ تمام جگہیں ہیں جہاں انسان نماز پڑھتا ہے اور اللہ کے لئے سجدہ کرتا ہے، اور پیغمبر کی معروف حدیث کے مطابق، جس میں آپ نے فرمایا:

''تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور (تیمّم کرنے کے لئے) طہارت کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔''

اس میں ہر جگہ شامل ہے اور اس طرح سے یہ مشرکین عرب، اور ان جیسے لوگوں کے اعمال کا، جنہوں نے خانہ کعبہ کو بُت کدہ بنا رکھا تھا، ایک جواب یہ ہے، اور منحرف عیسائیوں کے اعمال کا بھی، جنہوں نے ''تثلیث'' کو اپنا لیا تھا اور اپنے گرجوں میں تین خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ قرآن کہتا ہے: تمام عبادت گاہیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور ان عبادت گاہوں میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ

نہیں کیا جاسکتا اور اس کے غیر کی پرستش ممنوع ہے۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے، قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ کی عبادت کی، حد سے زیادہ تاثیر کو بیان کرنے کے لئے مزید کہتا ہے: ''جس وقت اللہ کا بندہ..........محمد ﷺ..........عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور اللہ کو پکارتا ہے تو جنوں کا ایک گروہ شدت سے اس کے اطراف میں جمع ہو جاتا ہے۔''

''لبد'' (بروزن پدر) اس چیز کے معنی میں ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے کے اوپر تہ بہ تہ رکھے گئے ہوں، اور یہ تعبیر اس پہلی ملاقات میں، قرآن سننے کے لئے، جن مومنین کے عجیب و غریب ہجوم کو بیان کرتی ہے، اور اسی طرح پیغمبر ﷺ کی نماز کے حد سے زیادہ قوت جذب کو بیان کرتی ہے۔

(۲۰) قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَ لَاۤ اُشۡرِکُ بِہٖۤ اَحَدًا	کہہ دیجئے: میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور کسی کو بھی اس کا شریک قرار نہیں دیتا۔
(۲۱) قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا	کہہ دیجئے! میں تمہارے لئے کسی نقصان یا ہدایت کا مالک نہیں ہوں۔
(۲۲) قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ۙ	کہہ دیجئے! (اگر میں بھی اس کے حکم کے خلاف کروں گا تو) کوئی بھی مجھے اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے گا۔ اور اس کے علاوہ مجھے اور کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔
(۲۳) اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ	میری ذمہ داری تو صرف اللہ کی طرف سے ابلاغِ رسالت اور اس کے پیغاموں کو پہنچانا ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ وہ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

(۲۴)حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا	(کفار کی یہ کارشکنی اسی طرح جاری رہے گی) جب تک کہ وہ اسے دیکھ نہ لیں، جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار زیادہ ضعیف ہیں اور کس کی جمعیت بہت ہی کم ہے۔

تفسیر

کہہ دیجئے! میں کسی کے سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں

ان آیات میں توحید کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کے لئے ۔۔۔ جس کی طرف گزشتہ آیات میں بھی اشارہ ہوا تھا ۔۔۔ پہلے پیغمبر کو حکم دیا جاتا ہے: ''کہہ دیجئے میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں، اور کسی کو بھی اس کا شریک قرار نہیں دیتا۔''

اس کے بعد حکم ہے: ''کہہ دیجئے میں تمہارے لئے سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں اور ہدایت دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔''

پھر مزید کہتا ہے: ''کہہ دیجئے اگر میں بھی اللہ کے حکم کے خلاف کام کروں گا تو کوئی بھی مجھے اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے گا، اور میں اس کے علاوہ کوئی اور ملجاء اور پناہ گاہ نہیں پاؤں گا۔''

اس طرح سے نہ تو کوئی مجھے پناہ دے سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی چیز میری پناہ گاہ بن سکتی ہے۔ یہ باتیں ایک طرف تو اللہ کی بارگاہ میں مکمل عبودیت کا اعتراف ہے، اور دوسری طرف سے پیغمبر کے بارے میں ہر قسم کے غلو کی نفی کرتی ہیں اور تیسری طرف سے یہ بتاتی ہیں کہ نہ صرف بتوں سے ہی کوئی کام نہیں پاتا بلکہ خود پیغمبر بھی اس عظمت کے باوجود عذاب اللہ کے مقابلہ میں ملجاء اور مستقل پناہ نہیں ہو سکتے، اور چوتھی طرف سے ان بہانہ جوئیوں اور بے محل توقعات کو ۔۔۔ جو ہٹ دھرم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رکھتے تھے، اور ان سے خدائی کاموں کے تقاضے کرتے تھے ۔۔۔ ختم کرتی ہیں اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ توسل اور شفاعت بھی اذن اللہ سے ہی ہے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''میرا وظیفہ تو صرف اللہ کی طرف سے ابلاغ اور اس کے پیغامات کو پہنچانا ہے۔''

یہ تعبیر اسی چیز کے مشابہ ہے جس کی طرف آیت قرآنی میں بار بار اشارہ ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیہ ۹۲ میں آیا ہے:

''پیغمبر کے ذمہ تو صرف واضح طور پر ابلاغ کرنا (اور پہنچا دینا) ہے۔

اور سورہ اعراف کی آیہ ۱۸۸ میں آیا ہے:

''کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے لئے بھی سود وزیاں کا مالک نہیں ہوں، وراگر میں غیب کی خبر رکھتا ہوتا تو اپنے لئے بہت سے سا نفع جمع کر لیتا اور کوئی بھی خرابی مجھے نہ پہنچتی۔ میں تو صرف اس گروہ کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں، ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔''

بہرحال آیت کے آخر میں خبردار کرتا ہے کہ ''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی معصیت اور نافرمانی کرے گا، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اور وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔''

یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد ہر گنہگار نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد مشرکین اور کافرین ہیں، کیونکہ ہر گنہگار ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہنے کا مستحق نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: کفار و مشرکین کی یہ وضع و کیفیت، کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کا استہزاء کرتے اور انہیں ضعیف اور کمزور شمار کرتے ہیں اس وقت تک یونہی جاری رہے گی، جب تک کہ وہ اس چیز کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت وہ جانیں گے کہ کس کے مددگار زیادہ ہیں، اور کس کی جمعیت کم ہے۔''

آیت کا لب و لہجہ بتاتا ہے کہ دشمنان اسلام اپنے افراد کی قدرت اور کثرت پر ناز کیا کرتے تھے اور انہیں ضعیف و ناتواں شمار کرتے تھے، قرآن اس ذریعہ سے مومنین کو تسلی دیتے ہوئے اور ان کی دلداری کرتے ہوئے انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ آخر کار ان کی کامیابی اور دشمنوں کی شکست و ناتوانی کا دن آپہنچے گا۔

(۲۵) قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا	کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے، یا میرا پروردگار اس کے لئے کوئی وقت قرار دے گا۔
(۲۶) عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۙ	عالم الغیب وہی ہے اور وہ کسی شخص کو بھی اپنے غیب کے اسرار پر آگاہ نہیں کرتا۔
(۲۷) اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا ۙ	مگر ان رسولوں کو، جنہیں اس نے منتخب کر لیا ہے، اور وہ ان کے لئے، ان کے آگے بھی اور پیچھے بھی نگران مقرر کر دیتا ہے۔

(۲۸) لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا	تا کہ وہ جان لے کہ اس کے پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اس پر احاطہ رکھتا ہے اور اس نے ہر چیز کا حساب کر رکھا ہے۔

تفسیر

عالم الغیب اللہ ہے

چونکہ گزشتہ آیات میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا تھا کہ اس گروہ کا استہزاء اور سرکشی اسی طرح سے جاری رہے گی، جب تک کہ عذاب کا خدائی وعدہ نہیں آ پہنچتا اور اس سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟

جواب دیتے ہوئے کہتا ہے۔

''کہہ دیجئے! میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (دنیا کا عذاب اور قیام قیامت) قریب ہے یا میرا پروردگار، اس کے لئے کوئی زمانہ قرار دے گا''۔

یہ علم اللہ کی پاک ذات کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس نے چاہا ہے کہ یہ اس کے بندوں سے پوشیدہ رہے۔ تا کہ مخلوق کے امتحان اور آزمائش کا موضوع مکمل ہو، کیونکہ اگر وہ یہ جان لیں کہ وہ دور ہے یا نزدیک ہے تو دونوں صورتوں میں امتحان کا اثر کم ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی آیات میں بارہا یہ مطلب ہمارے سامنے آتا ہے کہ جب بھی قیامت کے زمانہ کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بے اطلاع ہونے کا اظہار فرمایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ''اس کا علم اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔''

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن ''جبرئیل'' ایک بدو عرب کی صورت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ظاہر ہوئے، اور ان سوالات میں سے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے، ایک یہ تھا:

''بتلایئے قیامت کب برپا ہوگی''؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس سے سوال کر رہے ہو وہ (اس مسئلہ میں) سوال کرنے والے سے زیادہ آگاہ نہیں ہے۔''

اس مرد عرب نے دوبارہ آواز بلند میں فرمایا:

''اے محمد ﷺ! قیامت کب آئے گی''؟

پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

''وائے ہو تجھ پر قیامت تو آ کر رہے گی، یہ تو بتا کہ تو نے اس کے لئے کون سی چیز تیار کر رکھی ہے''؟

اعرابی نے کہا:

''میں نے نماز و روزہ تو کوئی زیادہ فراہم نہیں کیا لیکن اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔''

پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

''پس تو اس کے ساتھ رہے گا جسے تو دوست سمجھتا ہے۔''

اصحاب پیغمبر ﷺ میں سے ایک صحابی ''انس'' کہتے ہیں:

''مسلمان کسی حدیث پر اتنا خوش نہیں ہوتا، جتنا کہ اس حدیث پر خوش ہوئے۔''

اس کے بعد بحث کو جاری رکھتے ہوئے، علم غیب کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''عالم الغیب اللہ ہے وہ کسی کو بھی اپنے غیب کے اسرار سے آگاہ نہیں کرتا۔''

اس کے بعد اس کلی مسئلہ سے استثناء کے عنوان سے مزید کہتا ہے: ''مگر وہ رسول کہ جسے اس نے برگزیدہ کیا ہے اور اس سے وہ راضی ہے۔''

وہ اسے جتنا چاہتا ہے علم غیب کی تعلیم دیتا ہے اور وحی کے ذریعہ اس تک پہنچا تا ہے۔

''پھر اس کے آگے اور پیچھے نگرانی کرنے والے نگہبان بھیجتا ہے۔''

اور یہ بات خود پیغمبر ﷺ کے معصوم ہونے کی ایک دلیل ہے کہ وہ غیبی توتوں اور خدائی امدادوں اور اس کے فرشتوں کی نگرانی کے ذریعہ لغزشوں اور خطاؤں سے مامون و محفوظ ہے۔

آخری زیر بحث آیت میں جو اس سورہ کی آخری آیت ہے، ان نگرانی کرنے والے نگہبانوں کے وجود کی دلیل کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ''مقصد یہ ہے کہ اللہ جان لے کہ اس کے پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات بے کم و کاست پہنچا دیئے ہیں۔ اور جو کچھ ان کے پاس ہے، اللہ اس پر احاطہ رکھتا ہے، اور اس نے ہر ایک چیز کا باریکی کے ساتھ شمار کیا ہے۔''

البتہ آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ اپنے پیغمبر کے بارے میں کسی چیز کو نہیں جانتا تھا۔ اور بعد میں اس نے جانا ہے۔ کیونکہ اللہ کا علم ازلی و ابدی اور بے پایاں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ علم الٰہی خارج میں تحقق پائے اور عینی صورت اختیار کرے۔ یعنی پیغمبر اس کی رسالت کی عملی طور پر تبلیغ کریں اور اتمام حجت کریں۔

چند نکات

علم غیب کے بارے میں ایک وسیع تحقیق

قرآن کی مختلف آیات میں غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ علم غیب کے سلسلہ میں دو قسم کی آیات موجود ہیں، پہلی قسم کی آیات تو وہ ہیں جو علم غیب کو اللہ کے ساتھ مخصوص بتاتی ہیں، اور اس کے غیر سے اس کی نفی کرتی ہیں۔ مثلاً سورہ انعام کی آیہ ۵۹ ''**وعنده مفاتح الغيب لا لعلمها الاهو**'' غیب کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں، اس کے سوا کوئی شخص انہیں نہیں جانتا اور سورہ نمل کی آیہ ۶۵ ''**قل لا يعلم من فی السماوات و الارض الغيب الا الله**'' کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی شخص بھی غیب کو نہیں جانتا، سوائے اللہ کے۔

اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سورۂ انعام کی آیہ ۵۰ میں جو کچھ آیا ہے، مثلاً ''**قل لا اقول لكم عندی خذائن الله و لا اعلم الغيب**'' کہہ دیجئے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس ہیں، اور میں غیب کو نہیں جانتا۔

دوسرا حصہ ان آیات کا ہے جو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہیں کہ اولیاء اللہ ''اجمالی طور پر'' علم غیب سے آگاہی رکھتے تھے، جیسا کہ آل عمران کی آیہ ۱۷۹ میں آیا ہے۔

اللہ تم کو تو اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرے گا لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کے لئے) منتخب کر لیتا ہے (اور اسرار غیب کا ایک حصہ انہیں عطا کر دیتا ہے)۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں تمہیں اس کی جو تم کھاتے ہو یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، خبر دیتا ہوں۔''

زیر بحث آیت بھی، اس استثناء کی طرف توجہ کرتے ہوئے، جو اس میں آیا ہے، اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ علم غیب کا ایک حصہ اپنے برگزیدہ رسولوں کو عطا فرماتا ہے (کیونکہ نفی سے استثناء ہمیشہ اثبات میں ہوتا ہے)۔

دوسری طرف قرآن کی وہ آیات جو غیب کی خبروں پر مشتمل ہیں، وہ بھی کم نہیں ہیں، مثلاً سورۂ روم کی دوسری آیت سے لے کر چوتھی تک

''رومی مغلوب ہوگئے ہیں، اور یہ شکست نزدیک کی سرزمین میں واقع ہوئی ہے، لیکن وہ اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب ہوں گے، چند ہی سالوں کے اندر اندر''۔

اصولی طور پر آسمانی وحی جو پیغمبروں پر نازل ہوتی ے، ایک قسم کا غیب ہی ہے جو انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غیب سے آگاہی نہیں رکھتے جبکہ ان کے اوپر وحی نازل ہوتی ہے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر ہمارے پاس بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام اجمالی طور پر غیب کا علم رکھتے تھے اور بعض اوقات اس کی خبر دیا کرتے تھے۔

جنگ ''موتہ'' کا واقعہ اور جعفر اور لشکر اسلام کے بعض دوسرے کمانداروں کی شہادت کی خبر دینا، جس کی پیغمبر نے مدینہ میں مسلمانوں کو، اسی لمحہ میں، جبکہ یہ واقعہ رونما ہوا تھا، خبر دی تھی، اور اس قسم کے اخبار غیب کی مثالیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کم نہیں ہیں۔

نہج البلاغہ میں آئندہ کے واقعات کی بہت سی پیشین گوئیاں نظر آتی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ علی علیہ السلام ان اسرار غیب کو جانتے تھے۔ مثلاً وہ باتیں جو خطبہ ۱۳ میں اہل بصرہ کی مذمت میں بیان ہوئی ہیں۔ جس میں آپ فرماتے ہیں:

''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان وزمین سے اللہ کا عذاب تم پر نازل ہورہا ہے اور تم سب کے سب اس میں غرق ہوگئے ہو، صرف تمہاری مسجد کی چوٹی کشتی کے سینہ کی طرح پانی کے اوپر نمایاں ہے۔''

اور جو کچھ ''کمیل بن زیاد'' نے حجاج سے کہا تھا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ تو میرا قاتل ہے۔

اب بحث صرف یہ ہے کہ ان روایات وآیات کے درمیان، جن میں سے بعض غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کرتی ہیں اور بعض اثبات کرتی ہیں کس طرح جمع کی جائے؟

یہاں جمع کے لئے مختلف طریقے موجود ہیں۔

۱۔ جمع کے طریقوں میں سے مشہور ترین طریقہ یہ ہے کہ علم غیب کے اللہ کے ساتھ اختصاص سے مراد علم ذاتی واستقلالی ہے۔ اس بناء پر اس کا غیر مستقل طور پر ہرگز علم غیب سے آگاہی حاصل نہیں کرسکتا، اور ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے الطاف وعنایت سے ہے اور تبعی جنبہ رکھتا ہے۔

۲۔ اسرار غیب دو قسم کے ہیں، ایک قسم تو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اور اس کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً قیام قیامت اور اسی قسم کے دوسرے امور، اور ایک قسم وہ ہے کہ جس کی وہ انبیاء واولیاء کو تعلیم دیتا ہے۔

۳۔ ایک راستہ یہ ہے کہ اللہ تو تمام اسرار غیب سے بالفعل آگاہ ہے، لیکن انبیاء واولیاء ممکن ہے بہت سے اسرار غیب کو بالفعل نہ جانتے ہوں، لیکن جب وہ ارادہ کرتے ہیں تو اللہ انہیں ان کی تعلیم دے دیتا ہے، اور یقیناً یہ ارادہ بھی اللہ کے اذن ورضا سے ہی انجام پاتا ہے۔

''جن'' کی خلقت کے بارے میں تحقیق

''جن'' جیسا کہ اس لفظ کے لغوی مفہوم سے معلوم ہوتا ہے ایک ایسا نظر نہ آنے والا موجود ہے جس کے بہت سے مشخصات قرآن میں ذکر ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱۔ایک ایسا وجود ہے جو آگ کے شعلہ سے پیدا ہوا ہے،انسان کے برخلاف جو مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ "و خلق الجان من مارج من نار"(الرحمٰن......۱۵)

۲۔وہ علم وادراک اور حق و باطل کی پہچان اور منطق واستدلال کا حامل۔(سورۂ جن کی مختلف آیات)

۳۔وہ تکلیف ومسئولیت (فرائض ووظائف) رکھتا ہے۔(سورۂ جن اور سورۂ رحمٰن کی آیات)

۴۔ان میں سے ایک گروہ مومن وصالح اور ایک گروہ کافر ہے۔(جن......۱۱)

۵۔وہ حشر ونشر اور معاد وقیامت رکھتے ہیں۔(جن......۱۵)

۶۔وہ آسمانوں میں نفوذ کرنے،اور وہاں سے خبریں لینے اور چوری چھپے سننے کی قدرت رکھتے تھے،لیکن انہیں روک دیا گیا۔(جن......۹)

۷۔وہ بعض انسانوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرلیا کرتے تھے،اور اس محدود آگاہی کے ذریعہ جو وہ بعض پوشیدہ اسرار کے بارے میں رکھتے تھے،انسانوں کو گمراہ کرتے تھے۔(سورہ جن......۶)

۸۔ان میں کچھ ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں،جو بہت زیادہ طاقت رکھتے ہیں،جیسا کہ انسانوں میں بھی ایسے افراد ایک سرکش جن نے سلیمان سے کہا:"میں ملکہ سباء کا تخت،اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے (دربار برخواست کرکے) اس کی سرزمین سے یہاں لے آؤں گا۔(نمل......۳۹)

۹۔وہ انسانوں کے بعض ضروری کاموں کے انجام دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔"جنات کا ایک گروہ اللہ کے حکم سے سلیمان کے سامنے کام کیا کرتا تھا اور اس کے لئے .... عبادت خانے،تصویریں اور بڑے بڑے برتن تیار کیا کرتا تھا۔"(سبا......۱۲،۱۳)

۱۰۔ان کی خلقت روئے زمین پر انسانوں کی خلقت سے پہلے تھی (حضر......۲۷) اور کچھ دوسری خصوصیات

یہاں تک تو ان مطالب سے گفتگو تھی،جو قرآن مجید سے،اس نظر نہ آنے والے موجود کے بارے میں معلوم ہوتے ہیں،جو ہر قسم کی بے ہودگی اور غیر علمی مسائل سے خالی ہیں،لیکن ہم جانتے ہیں کہ عامتہ الناس نے بہت سی خرافات اس موجود کے بارے میں گھڑی ہوئی ہیں۔جو عقل ومنطق کے ساتھ سازگار نہیں ہیں اور اسی بناء پر ایک خرافاتی اور غیر منطقی چہرہ اس موجود کو دیا گیا ہے کہ جونہی لفظ"جن" بولا جاتا ہے تو چند ایک خرافات بھی اس کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں۔منجملہ ان کے یہ ہے کہ انہیں عجیب وغریب اور وحشت ناک شکلوں اور دم دار وسم دار موذی وپر آزار،کینہ پرور و بدرفتار سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اگر وجود جن کو ان خرافات سے الگ کیا جائے تو اصل مطلب مکمل طور پر قابل قبول ہے۔

اور دوسری طرف کوئی عقلی دلیل اس کی نفی پر موجود نہیں ہے، لہٰذا اس کو قبول کر لینا چاہیے اور غلط و ناروا توجیہات سے بچنا چاہیے، اور اسی طرح سے عوام کے خرافات سے اس سلسلہ میں اجتناب کرنا چاہئے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ ''جن'' کبھی ایک سے زیادہ وسیع مفہوم پر بولا جاتا ہے، جو نظر نہ آنے والے کئی موجودات کے انواع کو شامل ہے۔ عام اس سے کہ وہ عقل و ادراک کے حامل ہو یا عقل و ادراک نہ رکھتے ہوں۔ یہاں تک کہ حیوانات کا وہ گروہ بھی، جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور عام طور پر گھونسلوں میں چھپا رہتا ہے، اس وسیع معنی میں داخل ہے۔

اس بات کی شاہد وہ روایت ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے، آپ نے فرمایا:

''اللہ نے جنوں کو پانچ اقسام میں پیدا کیا ہے: ایک صنف تو ہوا کی طرح فضا میں ہے (جو نظر نہیں آتی)۔ ایک صنف سانپوں کی صورت میں ہے، ایک صنف بچھوؤں کی صورت میں ہے، ایک صنف حشرات زمین ہیں، اور ایک صنف ان میں سے انسان کی مانند ہے جس پر حساب و عتاب ہے۔

سورۂ مزمل

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۲۰ آیات ہیں

سورۂ مزمل کے مضامین ومطالب

اس سورہ کے مضامین کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا حصہ: سورہ کی ابتدائی آیات ہیں، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبادت اور تلاوت کے لئے رات کو قیام کی دعوت دیتی ہیں، اور ایک سنگین اور سخت پروگرام کو قبول کرنے کے لئے آمادگی پر آمادہ کرتی ہیں۔

دوسرا حصہ: انہیں صبر وشکیبائی اور اس خاص علاقہ میں مخالفین کے ساتھ مقاومت و مقابلہ اور مدارات ونرمی کی دعوت دیتا ہے۔

تیسرے حصے میں: معاد وقیامت کے بارے میں مباحث ہیں، اور موسیٰ بن عمران کو فرعون کی طرف بھیجنے اور اس کی سرکشی اور پھر اس کے دردناک عذاب کو بیان کیا گیا ہے۔

چوتھے حصے میں: سخت احکام کو، جو سورہ کی ابتداء میں، رات کے وقت قیام کے سلسلہ میں اائے تھے۔ مسلمانوں کی مشکلات کی بناء پر ان میں تخفیف کرتا ہے۔

اور پانچویں حصے میں؛ یعنی اس سورہ کے آخری حصہ میں دوبارہ تلاوت قرآن، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور استغفار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

سورۂ مزمل کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ مزمل کو پڑھے گا تو دنیا وآخرت کی سختیاں اس سے اٹھ جائیں گی۔''

اور ایک دوسری حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورۂ مزمل کو دوسری نماز عشاء (نماز عشاء ہی مراد ہے، کیونکہ بعض اوقات مغرب کو پہلی عشاء کہا جاتا ہے) یا آخر شب میں پڑھے، تو رات اور دن اور اسی طرح سے سورہ قیامت کے دن اس کے گواہ ہوں گے اور اللہ اس کے لئے پاکیزہ زندگی اور پاکیزہ موت دے گا۔''

یقیناً یہ عظیم فضائل اس صورت میں ہیں جب کہ سورت کے مضامین، رات کے قیام، قرآن کی تلاوت، صبر واستقامت، ایثار وقربانی اور انفاق پر عمل کیا جائے گا نہ کہ وہ تلاوت جو عمل سے خالی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
(۱) یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ	اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے۔

(۲) قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ	رات کو، تھوڑے سے حصہ کے سوا، قیام کیا کر۔
(۳) نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ	آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا کم کر دے۔
(۴) اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ	یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کر دے، اور قرآن کو دقت اور تامل کے ساتھ پڑھا کر۔
(۵) اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ؕ	کیونکہ ہم عنقریب ایک سنگین و ثقیل بات کا تجھ پر القاء کریں گے۔

تفسیر

اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے کھڑا ہو جا

جیسا کہ اس سورہ کے آغاز کے لب و لہجہ سے پتہ چلتا ہے، یہ پیغمبر ﷺ کو استقامت کے لئے اور ایک عظیم و سنگین ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے آمادگی کی ایک آسمانی دعوت ہے کہ جسے پہلے سے خود کو تیار کئے بغیر انجام دینا ممکن نہیں ہے، فرماتا ہے: ''اے اپنے اوپر کپڑا لپیٹنے والے''۔

''رات کو تھوڑے سے حصہ کے سوا قیام کیا کرو''

''آدھی رات یا اس میں سے تھوڑا سا کم کر دے۔''

''یا آدھی رات پر کچھ اضافہ کر دے۔''

''اور قرآن کو انتہائی غور و خوض سے اور انتہائی وضاحت و فصاحت کے ساتھ تلاوت کیا کر''۔

یہ اپنے اوپر کپڑا لپیٹ کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ رہنے کا دور نہیں ہے، بلکہ یہ کھڑے ہونے اور خود کو تیار کرنے اور عظیم رسالت کو انجام دینے کے لئے آمادگی کا دور ہے۔

ترتیل کا معنی

''ترتیل'' کی تعبیر جو اصل میں موزوں ''تنظیم'' و ''ترتیب'' کے معنی میں ہے اور یہاں آیات قرآنی کو تانی (ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا) ضروری نظم، حروف کی صحیح ادائیگی، الفاظ کو وضاحت کے ساتھ پڑھنا، آیات کے مفاہیم میں دقت و تامل اور ان کے نتائج میں غور و فکر کرنا ہے۔

''ترتیل'' کی تفسیر میں معصومین علیہم السلام سے بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے ''ترتیل'' کی تفسیر میں آیا ہے:

''جس وقت تم کسی ایسی آیت سے گزرو جس میں جنت کا ذکر ہو تو رُک کر اللہ سے جنت کا سوال کرو (اور اپنی اس کے لئے اصلاح کرو) اور جب تم کسی ایسی آیت سے گزرو جس میں جہنم کا ذکر ہو، تو اللہ سے اس سے پناہ مانگو (اور خود کو اس سے دور رکھو)''۔

سب کی سب روایات اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ آیات قرآنی کو اس طرح نہیں پڑھنا چاہیے، جو مطالب و مضامین اور پیام سے خالی ہوں بلکہ ان تمام امور کی طرف توجہ رکھنی چاہیے، جو پڑھنے اور سننے والوں میں اس کی تاثیر کو گہرا کردے، اور اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ اللہ کا پیام ہے اور اس کا مقصد اس کے مطالب و مضامین کو تحقق بخشنا (اور عملی جامہ پہنانا ہے۔)

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے مسلمان اس واقعیت سے بہت دُور ہو گئے ہیں، اور انہوں نے قرآن کے صرف الفاظ پر اکتفا کرلیا ہے، اور ان کا مقصد صرف سورت اور قرآن کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ یہ جانیں کہ یہ آیات کس مقصد کے لئے نازل ہوئی ہیں؟ اور کس پیام کی تبلیغ کررہی ہیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ قرآن کے الفاظ بھی محترم ہیں، اور ان کو پڑھنا بھی فضیلت رکھتا ہے؟ لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ الفاظ اور تلاوت ان کے مطالب و مضامین کو بیان کرنے کا مقدمہ اور تمہید ہے۔

اس کے بعد اس سخت اور اہم حکم کے ''ہدف'' اور ''مقصد اصلی'' کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''ہم عنقریب ایک سخت بات تجھ کو القاء کریں گے۔''

آیات کے مفہوم اور مطالب کے لحاظ سے سنگین۔

دلوں پر تحمل کے لحاظ سے سنگین۔

وعدوں اور وعیدوں، ذمہ داریوں اور مسئولیتوں کے بیان کے لحاظ سے سنگین۔

تبلیغ اور دعوت کی راہ کی مشکلات کے لحاظ سنگین۔

ترازوئے عمل اور عرصۂ قیامت میں سنگین۔

اور آخر میں پروگرام پیش کرنے اور اس کے مکمل اجزاء کے لحاظ سے سنگین۔

لیکن پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کے تھوڑے سے ساتھی، قرآن مجید کی تربیت سے مدد لیتے ہوئے، اور نماز شب سے اعانت طلب کرتے ہوئے اور پروردگار کی پاک ذات کے تقرب سے استفادہ کرتے ہوئے ان تمام مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے اور اس ''قول ثقیل'' کے بار کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

نماز شب کی فضیلت

یہ آیات دوبارہ شب زندہ داری، نماز شب، اور اس وقت............ جبکہ غافل لوگ خواب غفلت میں پڑے سوئے ہوئے ہوتے ہیں.................. قرآن کی تلاوت کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں، اور جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ رات کو عبادت کرنا،

خصوصاً سحر کے وقت، اور طلوع فجر کے نزدیک، روح کی صفائی، تہذیب نفوس اور انسان کی معنوی تربیت، پاکیزگی قلب، دل کی بیداری، ایمان وارادہ کی تقویت اور انسان کے دل وجان میں تقویٰ کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں حد سے زیادہ اثر رکھتا ہے، یہاں تک کہ ایک ہی مرتبہ کی آزمائش سے، انسان اس کے آثار، واضح طور پر اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔

اسی بناء پر آیات قرآنی کے علاوہ روایات اسلامی میں بھی اس مطلب پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔

منجملہ ان کے ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے۔

''تین چیزیں اللہ کی مخصوص عنایات میں سے ہیں، شبانہ عبادت (نماز تہجد) روزہ داروں کو افطار کرانا اور مسلمان اور مومن بھائیوں کی زیارت وملاقات کرانا۔''

(٦) اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلًا ؕ	یقیناً شبانہ (عبادت) کا پروگرام زیادہ مضبوط اور زیادہ استقامت والا ہے۔
(٧) اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ؕ	اور دن میں تو تمہارے مسلسل اور طولانی کوششیں جاری رہیں گی۔
(٨) وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ؕ	اپنے رب کے نام کا ذکر کئے جاؤ اور صرف اسی کے ساتھ دل کو لگائے رکھو۔
(٩) رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَکِیۡلًا	وہی مشرق ومغرب کا پروردگار ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پس تم اسی کو اپنا نگہبان اور کارساز مانو۔
(١٠) وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا	اور جو کچھ وہ (دشمن) کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور شائستہ طور پر ان سے دوری اختیار کرو۔

تفسیر

رات کے وقت کی عبادت کا اثر

یہ آیات اسی طرح رات کی عبادت اور رات کی تاریکی میں قرآن کی تلاوت کے ذریعے، معنوی تعلیمات کے سلسلہ میں، بحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اور حقیقت میں جو کچھ گزشتہ آیات میں بیان ہوا ہے، یہ اس کی دلیل کے طور پر آئی ہے۔ ''یہ عبادت اور رات کی تلاوت کا حکم اس بناء پر ہے کیونکہ (عبادت اور تعلیم کا) یہ پروگرام زیادہ مضبوط اور زیادہ استقامت والا ہے۔

مجموعی طور پر یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو ''شبانہ عبادت'' اور سحر گاہی دعا ثنا'' اور ایسے لمحات میں جبکہ ہر وقت کی نسبت ، دلی فراغت کے اسباب زیادہ فراہم ہوتے ہیں.......... محبوب کے ساتھ راز و نیاز کی رسا ترین باتوں کو اپنی معنی خیز تعبیروں کے ساتھ بیان کرتی ہے اور اسی طرح سے انسان کی تہذیب نفس، اور روح جان کی پرورش میں اس کی تاثیر کو بیان کرتی ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انسان کی روح، ان لمحات میں دعاء و مناجات اور ذکر و فکر کے لئے ایک خاص قسم کی آمادگی رکھتی ہے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: یہ اس بناء پر ہے کہ دن میں تو تمہیں مسلسل اور بہت زیادہ سعی و کوشش اور جدو جہد کرنی پڑے گی۔

تم ہمیشہ مخلوق کی ہدایت اور پروردگار کی رسالت کی تبلیغ اور انفرادی و اجتماعی اندگی کے مشکلات کو حل کرنے میں لگے رہتے ہو اور عبادت اور مناجات کے لئے کافی وقت نہیں ملتا، لہٰذا اس کی بجائے رات کو عبادت کیا کرو۔

رات کی عبادت کے قیام کے حکم، اور اس کے عمیق اور گہرے آثار کی طرف اجمالی اشارہ کرنے کے بعد پانچ احکام کا، جوان کی تکمیل کرتے ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے: ''اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرو اور اس کا ذکر کرو''۔

مسلمہ طور پر اس سے مراد صرف اللہ کے نام کا ذکر کرنا نہیں ہے بلکہ معنی کی طرف توجہ ہے، کیونکہ لفظی ذکر قلبی یاد کا ایک مقدمہ اور تمہید ہے۔ اور قلبی ذکر روح و جان کو صفا بخشتا ہے اور دل میں معرفت و تقویٰ کے نہال کی آبیاری کرتا ہے۔

دوسرے حکم میں فرماتا ہے۔ ''اللہ ہی کے ساتھ اپنے دل کو لگاؤ اور اس کے غیر سے امید کو قطع کرلو اور خلوص کے ساتھ عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔''

'' تبتل'' یہ ہے کہ انسان اپنے پورے دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اللہ کے سوا ہر کسی سے منقطع ہو جائے، اپنے اعمال صرف اس کے لئے بجالائے اور اخلاص میں غرق ہو۔

اس کے بعد تیسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہی مشرق و مغرب کا پروردگار جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، اسی کو اپنا محافظ اور کارساز مانو۔''

یہاں ''ذکر اللہ'' اور ''اخلاص'' کے مرحلہ کے بعد، توکل اور تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کرنے کا مرحلہ آتا ہے، یعنی جہان ہستی کا سارا مجموعہ، اسی کی حکومت و ربوبیت کے زیر تسلط ہے اور پرستش کے لائق وہی یکہ و تنہا معبود ہے، یہ تعبیر حقیقت میں، توکل ہر اللہ کے موضوع پر، ایک دلیل کے طور پر آئی ہے، انسان اس پر توکل کیسے نہ کرے اور اپنے معاملات کو اس کے سپرد کیوں نہ کرے، حالانکہ اس وسیع عالم ہستی میں اس کے علاوہ کوئی اور حاکم، فرمانروا، منعم، مربی اور معبود نہیں ہے۔

آخر چوتھے اور پانچویں حکم میں فرماتا ہے: ''دشمن جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر و شکیبائی اختیار کرو، اور ان سے شائستہ اور عمدہ طریقہ سے دوری اختیار کرلو۔''

اور اس طرح سے کہاں ''صبر'' اور ''ہجران'' کا مقام آپہنچتا ہے، کیونکہ حق کی طرف دعوت کی راہ میں، دشمنوں کی بدگوئی اور ان کا اذیت و آزار پہنچانا بہت زیادہ، اور اگر باغبان کوئی پھول توڑنا چاہتا ہے تو اسے کانٹے کی زبان کے مقابلہ میں صبر کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ بعض اوقات یہاں بے اعتنائی اور دوری ضروری ہو جاتی ہے، تا کہ ایک تو ان کے شر سے محفوظ رہے، دوسرے اس طرح سے انہیں ایک سبق بھی دے، لیکن یہ ہجران و دوری، تربیتی پروگراموں اور اللہ کی طرف تبلیغ و دعوت کے قطع کرنے کے معنی میں نہیں ہونی چاہیے۔

مرحوم ''طبرسی'' ''مجمع البیان'' میں اس آیہ کے ذیل میں کہتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مبلغین اور قرآن کی طرف دعوت دینے والے تکالیف اور اذیتوں میں صبر اختیار کریں، اور حسن خلق و مدارات کے ساتھ لوگوں میں معاشرت کریں، تا کہ ان کی باتیں جلدی قبول ہوں۔''

(۱۱) وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَ مَہِّلۡہُمۡ قَلِیۡلًا	مجھے ان جھٹلانے والے صاحبانِ نعمت (سے بدلہ لینے کے لئے) چھوڑ دو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔
(۱۲) اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ۙ	کیونکہ ہمارے پاس غل و زنجیر اور (جہنم کی آگ) ہے۔
(۱۳) وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ٭	اور گلوگیر غذا اور دردناک عذاب ہے۔
(۱۴) یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ کَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا	اس دن زمین اور پہاڑ شدت سے لرز رہے ہوں گے اور پہاڑ ریت کے تودوں کی شکل میں نرم ہو جائیں گے۔
(۱۵) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا	ہم نے تمہاری طرف ایسا ہی ایک پیغمبر گواہ بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔
(۱۶) فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا	فرعون اس رسول کی مخالفت اور نافرمانی کے لئے کھڑا ہو گیا تو ہم نے اسے سخت سزا دی۔
(۱۷) فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَا ۖ٭	پس اگر تم بھی کافر ہو گئے، تو تم (اللہ کے شدید عذاب سے) اس دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا، کس طرح خود کو بچاؤ گے۔

(۱۸) اِلسَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا	اس دن آسمان پھٹ پڑے گا اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔
(۱۹) اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ؑ	یہ تو ایک تنبیہ اور نصیحت ہے پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔

تفسیر

ان مستکبرین کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دے

گزشتہ آیات میں سے آخری آیت میں دشمنان اسلام کی کارشکنیوں، ناروا باتوں اور اذیت وآزاد کی طرف اشارہ تھا۔ زیر بحث آیات میں انہیں اللہ کی طرف سے، دنیا وآخرت کے عذابوں کی شدید تہدیدیں اور دھمکیاں دی گئی ہیں اور انہیں اپنے شوم ومنحوس پروگراموں میں تجدید نظر کی دعوت دی ہے اور صف اول کے مسلمانوں کی ان دشمنوں کے سخت ہجوم کے مقابلہ میں دلداری کی ہے اور انہیں پامردی بخشی ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''مجھے ان تکذیب کرنے والے، ثروت مند اور صاحبان نعمت افراد کے ساتھ (بدلہ لینے کے لئے) چھوڑ دے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دے۔''

یعنی ان کا مدمقابل تو نہیں ہے، میں ہوں! ان کی سزا وعذاب کا معاملہ خود مجھ پر چھوڑ دے، اور تھوڑی سی انہیں مہلت دے دے، تاہم اتمام حجت بھی ہو جائے اور وہ اپنی ماہیت کو ظاہر وآشکارا بھی کر دیں، اور اپنی پشت کو بار گناہ سے سنگین اور بوجھل کر لیں، تو اس وقت میرا عذاب ان کا گلہ دبا لے گا۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی مدت ہی گزری تھی کہ مسلمان طاقت ور ہو گئے اور انہوں نے جنگ ''بدر'' و ''احزاب'' وغیرہ میں اپنی سخت اور توڑنے والی ضربیں دشمن کے پیکر پر لگائیں، نیز زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ یہ سرکشی کرنے والے دنیا سے چلتے بنے اور برزخ میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور قیامت کا عذاب بھی ان سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

اس کے بعد اسی تہدید کو جاری رکھتے ہوئے اور زیادہ صریح صورت میں کہتا ہے: ''ہمارے پاس غل وزنجیر اور جہنم کی آگ ہے۔''

ہاں! بے قید وشرط آزادی اور اس ناز ونعمت کے مقابلہ میں جو وہ اس دنیا میں رکھتے تھے، وہاں ان کا حصہ قید اور آگ ہی ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور گلوگیر ہونے والی غذا اور دردناک عذاب۔''

وہ غذا، ان کی دنیا کی چرب وشیریں غذاؤں سے۔۔۔۔ جو آسانی کے ساتھ گلے سے نیچے اتر جاتی تھیں اور مزے دار ہوتی

تھیں.......... برعکس ہوگی اوراس جہان کے خودغرض،مغروروں اور مستکبروں کی بے حساب آسائش کے مقابلہ میں دردناک زندگی ہوگی ۔اگرچہ سخت اورگلوگیرغذا خودایک دردناک عذاب ہےلیکن اس کے بعدعذاب الیم کوالگ ذکرکرتا ہےاور یہ چیزاس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ آخرت کےعذاب الیم کے ابعادوجہات اورمختلف پہلو،شدت وعظمت کے لحاظ سے اللہ کےعلاوہ کسی اورشخص کو معلوم نہیں ہیں اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن ایک مسلمان اس آیت کی تلاوت کرر ہا تھا،اورپیغمبرکان دھرکرسن رہے تھے کہ اچانک اس شخص نے چیخ ماری اوربے ہوش ہوگیا۔

اس کے بعداس دن کی تشریح کرتے ہوئے جس میں یہ عذاب ظاہرہوں گے،فرماتا ہے:''یہ اس دن ہوگا جس دن زمین اورسب پہاڑشدت کےساتھ لرزنےلگیں گےاور پہاڑاس طرح سے ریزہ ریزہ ہوجائیں کہ ریت کےتودوں کی طرح نرم ہوجائیں گے۔''

اس کے بعدپیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اورمنہ زورعربوں کی مخالفت کا موسیٰ بن عمران کےفرعون کےمقابلہ میں قیام سے موازنہ کرتے ہوئےفرماتا ہے:''ہم نےتمہاری طرف ایسا ہی پیغمبر ہے،جوتم پرگواہ ہے،جیسا کہ ہم نےفرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔''

اس کا ہدف ومقصدتمہاری ہدایت اورتمہارےاعمال پرنظررکھنا ہے،جیسا کہ موسیٰ بن عمران کا ہدف فرعون اورفرعونیوں کی ہدایت اوران کےاعمال پرنظررکھنا تھا۔

''لیکن فرعون اس رسول کی مخالفت کے لئےکھڑا ہوگیا توہم نےبھی اسےشدیدعذاب اورسزامیں گرفتار کردیا''

نہ تواس کاعظیم لشکرہی اسےاللہ کےعذاب سے بچاسکا اورنہ ہی مملکت کی وسعت اورحکومت کی قدرت اوران کے دولت منداس کام کوروک سکے،اورآخرکاروہ سب کے سب نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں ـــــــ جن پروہ فخرکیا کرتے تھےـــــــ غرق ہوگئے،توتم جوان سے بہت ہی پست سطح پرہواورتعداداورتیاری کےلحاظ سےفرعون اورفرعونیوں سے کئی درجے زیادہ ضعیف ہو،اپنے بارے میں کیا سوچتے ہو؟

اس کے بعدپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کےکفارکی طرف روئےسخن کرتے ہوئے،انہیں اس طرح خبردارکرتا ہے:''اگرتم کافرہوگئےتواپنے آپ کواللہ کےشدیدعذاب سےکس طرح بچاسکوگے،وردن توایسا ہوگا جوبچوں کوبوڑھا کردےگا۔''

بعدوالی آیت میں اس وحشت ناک دن کے بارے میں مزیدحال بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:''اس دن آسمانی کُرے پھٹ جائیں گےاوراللہ کا وعدہ پوراہوکررہےگا۔''

جب آسمان اورآسمانی کُرےاس عظمت کی باوجوداس دن کےعظیم حوادث کے مقابلہ میں نہیں ٹھہرسکتے تواس ضعیف و ناتواں انسان سے کیا ہوسکتا ہے۔

اس بحث کےآخرمیں تمام گزشتہ تنبیہوں اورانذاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئےفرماتا ہے۔''جوکچھ بیان کیا گیا ہے،یہ نصیحت اوریاددلانے کے لئے ہے۔''

تم راستہ کاانتخاب کرنے میں آزادہو:''اورجوشخص چاہے کہ اس کی ہدایت ہواوروہ سعادت ابدی کا طالب ہوتووہ اپنے

پروردگار کی طرف راستہ کا انتخاب کرلیتا ہے۔"

اگراس راستہ کو طے کرنا جبرواکراہ کے ذریعہ ہوتو وہ نہ کوئی افتخار کی بات ہے اور نہ ہی فضیلت کی،فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے اس راستہ کا انتخاب کرے اور پھر اسے طے کرے۔

(۲۰) اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ؕ وَ اللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۫ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡهُ ۙ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ وَ اَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَیۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ٪

تیرا پرودگار جانتا ہے کہ تو اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہے،رات کی دوتہائی کے قریب یا آدھی رات یا اس کی ایک تہائی قیام کرتے ہیں اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ تم اس کی مقدار کا (پورے طور پر) اندازہ نہیں کرسکتے،اس لئے اس نے تمہیں بخش دیا،اپس جو کچھ قرآن میں سے تمہارے لئے میسر ہو، تلاوت کرو، وہ جانتا ہے کہ عنقریب تم میں سے ایک گروہ بیمار بھی ہوجائے گا اور ایک گروہ فضل خدا حاصل کرنے (اور روزی کمانے کے لئے) سفر پر جائے گا اور ایک گروہ راہ خدا میں جہاد کرے گا۔پس جس قدر تم سے ممکن ہو،اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو (اس کی راہ میں خرچ کرو) اور (یہ جان لو) کہ جو کارِ خیر تم اپنے لئے آگے بھیجتے ہو،تم اس کا اللہ کے ہاں بہترین صورت میں عظیم ترین اجر پاؤ گے اور اللہ سے طلب مغفرت کرو کہ اللہ غفور ورحیم ہے۔

تفسیر

جتنا تمہارے لئے ممکن ہے اتنا قرآن پڑھو

یہ آیت جو اس سورہ کی طویل ترین آیت ہے بہت سے ایسے مسائل پر مشتمل ہے جو گزشتہ آیات کے مضامین کی تکمیل کرتے ہیں۔اس بارے میں کہ یہ آیت اس سورہ کی ابتدائی آیات کے احکام کی ناسخ ہے، یا یہ ان کی توضیح وتفسیر ہے،اوراسی طرح یہ کہ یہ آیت

مکہ میں نازل ہوئی ہے یا مدینہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔

ان سوالات کا جواب آیت کی تفسیر کے بعد واضح ہو جاتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہیں، تقریباً رات کی دو تہائی یا آدھی رات یا اس کی ایک تہائی قیام کرتا ہے۔ اللہ اس سے آگاہ کیوں نہ ہوگا، جبکہ رات اور دن کا اندازہ وہی کرتا ہے۔

یہ اسی حکم کی طرف اشارہ ہے، جو سورہ کے آغاز میں پیغمبر کو دیا گیا ہے صرف ایک چیز جس کا یہاں اضافہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس عبادت شبانہ میں مومنین کا ایک گروہ بھی پیغمبر کے ہمراہ ہوتا تھا (ایک استحبابی حکم کے عنوان سے یا احتمالاً ایک وجوبی حکم کی بناء پر، کیونکہ آغاز اسلام کے حالات کا تقاضا ہی یہ تھا کہ وہ تلاوت قرآن کے ذریعہ اپنی تربیت اور اصلاح کریں، اور اسلام کی تبلیغ اور اس کے دفاع کے لئے خود کو آمادہ اور تیار کریں)۔

لیکن جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، بہت سے مسلمان ایک تہائی، آدھی رات اور دو تہائی رات کا حساب رکھنے میں مشکل اور دردسری میں گرفتار ہو جاتے ہیں (کیونکہ اس زمانے میں وقت کی مقدار اور اندازہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا) اور اسی بناء پر وہ مجبوراً احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس وجہ سے کبھی تو وہ ساری رات بیدار رہتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں عبادت شبانہ کے قیام میں ورم کر جاتے ہیں۔

لہٰذا اللہ نے ان پر اس حکم میں تخفیف کر دی اور فرمایا: وہ جانتا ہے کہ تم مذکورہ مقدار کا پورے طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے، اس بناء پر اس نے تمہیں بخش دیا ہے۔ لہٰذا اب قرآن میں سے جتنی مقدار تمہارے لئے میسر اور آسان ہو اتنی تلاوت کرو۔''

اس کے بعد اس تخفیف کے لئے ایک اور دلیل کے بیان کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ بیمار بھی ہوگا اور دوسرا گروہ تحصیل معاش اور اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کی راہ اختیار کرے گا اور تیسرا گروہ راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ یہ امور اس چیز سے مانع ہوں گے کہ رات کی عبادت کو اس حساب اور نصاب سے جو پہلے معین ہوا ہے، ہمیشہ کے لئے انجام دیتے رہے۔''

''جس قدر تمہارے لئے ممکن ہے اور جتنی تم میں طاقت ہے بس اتنا رات کو قرآن کی تلاوت کرو۔''

یہ بات واضح ہے کہ بیماری اور ضروری سفروں اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ذکر، نمایاں عذروں کی مثالوں میں سے ہے۔ لیکن انہیں تک منحصر نہیں ہے مراد یہ ہے کہ چونکہ اللہ جانتا ہے کہ تم دن میں زندگی کے مختلف مشکلات میں گرفتار ہوگے اور یہ چیز اس سنگین پروگرام کو دائمی رکھتے ہیں مانع ہے۔ لہٰذا اس نے تمہارے لئے اس میں تخفیف کر دی ہے۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ آغاز اسلام میں تو حالات وشرائط کی بناء پر یہ تلاوت اور شبانہ عبادت واجب تھی اور بعد میں مقدار

کے لحاظ سے بھی اور حکم کے لحاظ سے بھی اس میں تخفیف کردی گئی ہے اور اس نے ایک استحبابی حکم کی صورت اختیار کرلی ہے اور وہ بھی اتنا جتنا کہ آسانی سے ہوسکے۔

اس کے بعد اس آیت کے آخر میں چار اور احکام کی طرف اشارہ کیا ہے اور خودسازی کا جو پروگرام پیش کیا گیا تھا، اس کی اس چیز کے ذریعہ تکمیل کرتا ہے فرماتا ہے: ''نماز قائم کرو، زکواۃ ادا کرو، اور مستحب انفاق کرنے سے اللہ کو قرض حسنہ دو، اور (یہ جان لو) کہ جو کارہائے خیر تم اپنے لئے آگے بھیجتے ہو، تم اس کا اللہ کے ہاں بہترین صورت میں عظیم ترین اجر پاؤ گے۔''

''اور استغفار کرو اور اللہ سے بخشش طلب کرو کہ اللہ غفور ورحیم ہے۔''

یہاں ''نماز'' سے مراد پنجگانہ نمازیں ہیں اور ''زکواۃ'' سے مراد زکواۃ واجب ہے اور ''قرض حسنہ'' سے مراد وہی مستحب انفاق اور خرچ ہے اور یہ انتہائی بزرگوانہ تعبیر ہے جس کا اس سلسلہ میں تصور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ تمام ملکیتوں کا مالک اس شخص سے قرض مانگ رہا ہے۔ جس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہے، تاکہ اس طریقہ سے انفاق وایثار اور اس عمل خیر کی ذریعہ کسب فضیلت کا شوق بڑھے اور اس طریقہ سے اس کی تربیت ہو اور وہ تکامل وارتقاء حاصل کرے۔۔

ان احکام کے آخر میں استغفار کا ذکر ممکن ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان اطاعتوں کی انجام دہی کی وجہ سے خود کو انسان کامل سمجھ بیٹھو، اور اصطلاح کے مطابق خود کو طلب گار تصور کرنے لگو، بلکہ تمہیں ہمیشہ اپنے آپ کو مقصر شمار کرنا چاہئے اور بارگاہ اللہ میں عذر ومعذرت کرتے رہنا چاہئے، ورنہ جو کچھ اس کی خداوندی کے لائق اور سزاوار ہے وہ کوئی شخص بھی بجا نہیں لاسکتا۔

سورۂ مدثر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۵۶ آیات ہیں۔

سورۂ مدثر کے مطالب مضامین

''سورۂ مدثر'' وہ پہلا سورہ ہے جو آشکارا دعوت کے بعد ہے۔

جیسا کہ مکی سورتوں کا مزاج وطبیعت، جو مبداء ومعاد کی دعوت اور شرک سے مبارزہ اور مخالفین کو عذاب الٰہی کا انذار اور تہدید ہے۔

اس سورہ میں مکمل طور سے منعکس ہے۔

اس سورہ کے مباحث مجموعی طور سے سات محوروں کے گرد گردش کرتے ہیں:

۱۔ پیغمبر کو قیام، انذار، آشکارا تبلیغ کی دعوت اور اس راہ میں صبر واستقامت اور اس کام کے لئے ضروری آمادگیوں کی تیاری۔

۲۔ قیامت کی طرف اشارہ، دوزخیوں کی صفات، وہی جو قرآن سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے اور جنہوں نے حق کا مذاق اڑایا۔

۳۔ کافروں کو ڈرانے کے ساتھ دوزخ کی خصوصیات کا ایک حصہ

۴۔ بار بار کی قسموں کے ذریعہ امر قیامت پر تاکید۔

۵۔ ہر انسان کی سرنوشت کا اس کے اعمال کے ساتھ ربط اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے غیر منطقی افکار کی نفی۔

۶۔ جنتیوں اور دوزخیوں کی بعض خصوصیات اور ان میں سے ہر ایک کی سرنوشت۔

۷۔ جاہل، بے خبر، مغرور اور خودغرض لوگوں کے حق سے فرار کی کیفیت۔

سورۂ مدثر کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ مدثر کو واجب نماز میں پڑھے تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ان کے جوار میں اور ان کے درجہ میں قرار دے اور دنیاوی زندگی میں بدبختی اور رنج وتکلیف اسے دامن گیر نہ ہو۔''

یہ بات واضح ہے کہ اس قسم کے نتائج صرف سورہ کے الفاظ پڑھنے پر مترتب نہیں ہوں گے بلکہ ضروری ہے کہ سورہ کے مضامین کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

(۱) یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ	اے چادراوڑھ کر سونے والے۔
(۲) قُمْ فَاَنْذِرْ	اٹھ انذار کر (ڈرا)۔
(۳) وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ	اوراپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔
(۴) وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ	اوراپنے لباس کو پاک کر۔
(۵) وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ	اور پلیدگیوں سے پرہیز کر۔
(۶) وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ	اورکسی پر منت نہ رکھ اور زیادتی کا مطالبہ نہ کر۔
(۷) وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ	اوراپنے پروردگار کے لئے صبر کر۔
(۸) فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ	پس جس وقت صور پھونکا جائے گا۔
(۹) فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ	وہ دن بہت ہی سخت ہوگا۔
(۱۰) عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ	اورکافروں کے لئے آسان نہیں ہوگا۔

تفسیر

اٹھ اور عالمین کو ڈرا!

اس میں شک نہیں کہ ان آیات میں مخاطب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ اگر چہ اس بات کی ان میں صراحت نہیں ہوئی ہے۔لیکن ان آیات میں موجود قرائن اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: ''اے بستر خواب میں آرام کرنے والے اور اے چادر اوڑھ کر سونے والے''

''اٹھ کھڑا ہو اور انذار کر اور عالمین کو ڈرا''

کیونکہ سونے اور آرام کرنے کا وقت گزر گیا ہے اور قیام و تبلیغ کا زمانہ آ گیا ہے۔

مشرکین عرب موسم حج کے قریب جمع ہوئے اور ان کے سرداروں مثلاً ابوجہل، ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث وغیرہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ باہر سے مکہ میں آنے والے لوگوں کے سوالات کے مقابلہ، جنہوں نے ادھر اُدھر سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ظہور کے سلسلہ میں مختلف مطالب سنے ہیں کیا کہیں؟

اگر ہر ایک الگ الگ جواب دینا چاہے، ایک اسے کاہن کہے، دوسرا مجنون کہے، تیسرا ساحر کہے تو یہ اختلاف رائے اچھا اثر نہ چھوڑے گا لہذا ضروری ہے کہ پیغمبر کے برخلاف پروپیگنڈے کی جنگ میں متحد ہو کر کھڑے ہو جائیں۔ بحث و گفتگو کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ سب کے سب اسے ''ساحر'' کہیں، کیونکہ ''جادو'' کے واضح آثار میں سے ایک بیوی اور شوہر اور باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالتا ہے اور پیغمبر نے دین اسلام کو پیش کر کے اس قسم کا کام انجام دیا ہے۔

اور قیام و انذار کی دعوت کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانچ حکم دیتا ہے، جو دوسروں کے لئے ایک نمونہ ہیں، ان میں سے پہلا حکم توحید کے بارے میں ہے۔ فرماتا ہے: ''صرف اپنے پروردگار کو بڑا سمجھ'' وہی اللہ جو تیرا مالک ہے اور جو کچھ تیرے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔

تو اس کے غیر کو بالکل بھول جاؤ اور تمام جھوٹے معبودوں پر سرخ لکیر پھیر دے، اور ہر قسم کے شرک اور بت پرستی کے آثار کو محو کر دے۔

'' فکبّر '' کے جملہ سے مراد صرف ''اللہ اکبر'' کہنا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔ اگر چہ اللہ اکبر بھی کہنا اس کا ایک معنی ہے، جس کی طرف روایات میں بھی اشارہ ہوا ہے۔۔۔۔۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے اللہ کو اعتقاد کے لحاظ سے بھی عمل کے لحاظ سے بھی اور گفتگو میں بھی بڑا سمجھو، اور اس کو اوصاف جمال کے ساتھ متصف اور ہر قسم کے نقص وعیب سے منزہ جان، بلکہ اس کو اس سے برتر سمجھ کہ اس کی تعریف وتوصیف ہو سکے۔ جیسا کہ روایات اہل بیت میں آیا ہے کہ ''اللہ اکبر'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس سے برتر ہے کہ اس کی توصیف ہو سکے، اور وہ فکر انسانی میں سما سکے۔

مسئلہ توحید کے بعد دوسرا حکم آلودگیوں سے پاکیزگی کے بارے میں دیتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اور اپنے لباس کو پاک کر''

'' لباس '' کی تعبیر ممکن ہے انسان کے عمل سے کنایہ ہو، کیونکہ ہر شخص کے اعمال، اس کے بمنزلہ لباس ہیں، اور اس کا ظاہر اس کے باطن کو بیان کرتا ہے۔

اور ممکن ہے ظاہری لباس ہو کیونکہ لباس کے ظاہر کی پاکیزگی کسی کی شخصیت کے اہم ترین ہونے اور انسان کی تربیت اور تہذیت وتمدن کی نشانی ہے۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت میں بہت کم لوگ غلاظت سے اجتناب کرتے تھے اور بہت ہی گندا لباس رکھتے تھے۔

حقیقت میں آیت کا اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رہبران الٰہی کی باتیں اس وقت نفوذ کر سکتی ہیں جب کہ ان کا دامن ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو اور ان کا تقویٰ و پرہیز گاری ہر لحاظ سے مسلم ہو، اسی لئے قیام و انذار کے بعد پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔

تیسرے حکم میں فرماتا ہے: ''ناپاکیوں سے اوران چیزوں سے جوعذاب الٰہی کا موجب ہیں پرہیز کرو''۔

بہرحال آیت ایک جامع مفہوم رکھتی ہے جو ہرطرح کے انحراف، پلید اور قبیح عمل اور ہراس کام کو جو دنیا وآخرت میں اللہ کے غیض وغضب اوراس کے عذاب کا موجب ہو، شامل ہے۔

مسلمہ طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے بھی ان امور سے پرہیز کرتے تھے اوران سے دوری رکھتے تھے اورآپ کی زندگی کی تاریخ بھی جس کے دوست ودشمن سب ہی معترف ہیں، اس پرگواہ ہیں، لیکن یہاں دعوت الی اللہ کی راہ میں ایک اساسی اور بنیادی اصل کے عنوان سے بھی اورسب کے لئے ایک نمونہ اوراسوہ کے عنوان سے بھی، اس پر تکیہ ہوا ہے۔

چوتھے حکم میں فرماتا ہے: ''احسان نہ جتاؤ اور زیادتی کا مطالبہ نہ کرو''

اس بارے میں کہ احسان جتلانے اورزیادتی طلب کرنے سے نہی کن موارد میں ہے۔ یہاں پرآیت کا مفہوم پھر کلی اور وسیع ہے، اور خالق اورمخلوق پر ہرقسم کے احسان جتلانے کو شامل ہے، نہ تو پروردگار پراحسان جتلاؤ کہ تم اس کے لئے جہاد اورسعی وکوشش کرتے ہو، کیونکہ یہ تو اس نے تم پراحسان کیا ہے کہ یہ بلند مقام تمہیں عطا کیا ہے۔

اسی طرح اپنی عبادت، اطاعت اور نیک اعمال کو شمار نہ کرو، بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو ''کمی'' اور ''تقصیر'' میں سمجھو اور عبادت کو اپنے لئے ایک قسم کی بہت بڑی توفیق شمار کرو۔

اوراگر تم مخلوق کی بھی کوئی خدمت کرتے ہو، چاہے وہ معنوی جہات میں ہو، جیسے تبلیغ وہدایت، اور چاہے مادی جہات میں ہو مثلاً انفاق وبخشش، ان میں سے کسی چیز کو بھی احسان جتانے یا تلافی کی توقع سے اور وہ تلافی بھی زیادتی کے ساتھ توام نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ احسان جتلانا نیک اعمال کو باطل اور بے اثر کردیتا ہے۔

بعد والی آیت میں اس سلسلے کے آخری حکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اوراپنے پروردگار کے لئے صبر وشکیبائی اختیار کر''

ہمیں یہاں پر پھر ''صبر واستقامت اورشکیبائی کے ایک وسیع مفہوم کا سامنا ہے، جو ہرچیز کو شامل ہے۔

یعنی اس عظیم رسالت کی ادائیگی کی راہ میں صبر وشکیبائی کر، مشرکین اور جاہل ونادان دشمنوں کی تکلیف کے مقابلہ میں صبر رہ، فرمان اللہ کی اطاعت کی عبودیت میں استقامت دکھا اورنفس سے جہاد اوردشمن کے ساتھ میدان جنگ کے جہاد میں صابر وشکیبا رہ۔

اصولی طور پر تبلیغ وہدایت کی راہ میں اہم ترین سرمایہ یہی صبر واستقامت ہے۔

اس کے حکم کے بعد جو قیام وانذار کے سلسلہ میں گزشتہ آیات میں آیا ہے، زیر بحث آیات میں انذار کو ایک بہت ہی تاکیدی اور رسا بیان کے ساتھ شروع کرتا ہے اورفرماتا ہے: ''جب صور پھونکا جائے گا''

''تو وہ دن ایک بہت ہی سخت دن ہوگا۔''

''وہ بہت ہی پر مشقت دن ہوگا، جو کافروں کے لئے آسان نہیں ہوگا۔''

(۱۱) ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ۙ	مجھے اس شخص کے ساتھ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے چھوڑ دے۔
(۱۲) وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ۙ	وہی شخص جس کے لئے میں نے وسیع مال قرار دیا ہے۔
(۱۳) وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا ۙ	اور ایسے بیٹے (دیئے ہیں) جو ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں۔
(۱۴) وَّ مَہَّدۡتُّ لَہٗ تَمۡہِیۡدًا ۙ	اور میں نے ہر لحاظ سے اس کے لئے زندگی کے وسائل فراہم کئے ہیں۔
(۱۵) ثُمَّ یَطۡمَعُ اَنۡ اَزِیۡدَ ۙ﴿ۙ	پھر بھی وہ یہی طمع رکھتا ہے کہ میں اس میں اور اضافہ کروں۔
(۱۶) کَلَّا ؕ اِنَّہٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ؕ	ہرگز ایسا نہیں ہوگا کیونکہ وہ ہماری آیات کے بارے میں دشمنی رکھتا ہے۔
(۱۷) سَاُرۡہِقُہٗ صَعُوۡدًا ؕ	عنقریب ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ زندگی کی چوٹی کے اوپر جائے۔

شان نزول

ان آیات کے لئے دو شان نزول بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ قریش ''دارلندوہ'' (مسجد الحرام کے قریب ایک مرکز تھا جس میں وہ اہم مسائل میں مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے) میں جمع ہوئے۔ ''ولید'' (مکہ کا ایک مشہور اور جانا پہچانا شخص تھا، جس کی عقل اور سمجھ کے مشرکین قائل تھے اور اہم مسائل میں اس سے مشورہ لیا کرتے تھے) نے ان کی طرف رُخ کر کے کہا: تم بلند نسب اور عقل و خرد کے مالک

ہو،اورعرب ہرطرف سے (خانہ کعبہ کی زیارت اوردوسرے امور کے لئے) تمہارے پاس آتے ہیں،اوروہ تم سے مختلف جواب سنتے ہیں،تم اپنی بات کو(متفق ہوکر)ایک کرو۔

پھراس نے ان کی طرف رُخ کر کے کہا:تم اس شخص کے بارے میں (پیغمبراکرم صلى الله عليه وآله وسلم کی طرف اشارہ ہے) کیا کہتے ہو؟انہوں نے کہا: ہم کہتے ہیں:وہ ''شاعر'' ہے۔ولید نے منہ چڑا کرکہا: ہم نے شعر بہت سنے ہیں،لیکن اس کی باتیں شعر کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتیں،انہوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ ''کاہن'' ہے۔اس نے کہا: جب تم اس کے پاس جاتے ہوتو وہ باتیں جو کاہن (اخبارغیبی کی صورت میں) کہتے ہیں،وہ تو اس میں تمہیں نہیں ملتیں،انہوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ ''دیوانہ'' ہے۔اس نے کہاجب تم اس کے پاس جاؤ گے تو تم اس میں جنون کا کائی اثر نہیں پاؤ گے۔

انہوں نے کہا: ہم کہتے ہیں وہ ''ساحر'' ہے۔اس نے کہاساحرکس معنی ہیں؟انہوں نے کہا:ایسا شخص جو دشمنوں اور دوستوں کے درمیان دشمنی پیدا کردیتا ہے،وہ کہنے لگا:ہاں!وہ

''ساحر'' ہے،اوروہ ایسا کرتا ہے،(کیونکہ ان میں سے بعض مسلمان ہوجاتے ہیں اوراپنی راہ دوسروں سے الگ کرلیتے ہیں)۔

اس کے بعد وہ ''دارلندوۃ'' سے باہر نکلے اورحالت ان کی یہ تھی کہ جو بھی ان میں سے پیغمبراکرم صلى الله عليه وآله وسلم سے ملتا تھا تو کہتا تھا:اے ساحر!اے ساحر!

یہ مطلب پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم پر بہت گراں گزرا تو اللہ نے اس سورہ کی ابتدائی آیات اوراوپر والی آیات (آیہ۲۵ تک) نازل فرمائیں (اوراپنے پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کی دلداری کی)۔

تفسیر

ایک حق شناس مغرور ثروت مند

گزشتہ آیات کے، بعد جن میں کافروں کو مجموعی طور پر ڈرایا گیا ہے۔زیر بحث آیات،خصوصیت کے ساتھ ان کے بعض افراد پر، جو زیادہ موثر تھے،انگلی رکھتے ہوئے،اس پر گویا وناطق،رسا اورسرکوبی کرنے والی تعبیروں کے ساتھ،شدید ترین اندازوں کی بوچھاڑ کررہی ہیں۔

پہلے کہتا ہے: مجھے اس کے ساتھ جسے میں نے اکیلے ہی پیدا کیا ہے،چھوڑ دے۔

یہ آیت اور بعد والی آیت ....جیسا کہ شان نزول میں بیان کیا ہے............ولید بن مغیرہ مخزومی ....جو قریش کے مشہور سرغنوں میں سے تھا............کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ ''میں نے اس کے لئے بہت ہی زیادہ وسیع مال قرار دیا''

اس کے بعد اس کی افرادی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: میں نے اس کے لئے ایسی اولاد قرار دی ہے جو ہمیشہ اس کے پاس اور اس کی خدمت میں حاضر رہتی ہے۔

وہ ہمیشہ اس کی مدد اور خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں اور ان کی موجودگی اس کے انس اور راحت کا سبب تھی۔

اس کے بعد ان تمام نعمتوں جن کی طرف، جو اس نے اسے دے رکھی تھیں، کلی طور پر اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''میں نے اس کے لئے ہر لحاظ سے وسائل زندگی فراہم کئے۔''

نہ صرف مال اور آبرومند بیٹے ہی، بلکہ وہ اجتماعی پہلوؤں سے بھی، ہر لحاظ سے نعمتوں میں غرق تھا۔

لیکن وہ ان تمام نعمتوں کے بخشنے والے کے آگے سر تسلیم خم کرنے اور اس کے آستانہ پر پیشانی جھکانے کے بجائے کفران نعمت کرنے اور زیادہ طلب کرنے لگا: ''اور اس قدر مال اور نعمت رکھنے کے باوجود، پھر بھی یہ لالچ رکھتا ہے کہ ہم اس کی نعمتوں میں اضافہ کریں''

یہ بات ''ولید بن مغیرہ'' میں ہی منحصر نہیں تھی، بلکہ تمام دنیا پرست ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کی پیاس ہرگز نہیں گھٹتی اور اگر ہفت اقلیم بھی ان کے زیر نگیں دے دی جائیں تو وہ پھر بھی ایک اور اقلیم کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

لیکن بعد والی آیت پوری شدت کے ساتھ اس نامحرم کی خواہشات کو رد کرتے ہوئے کہتی ہے: ''ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ ہم اس کی نعمت میں اور اضافہ کریں، کیونکہ وہ ہماری آیات سے دشمنی رکھتا ہے۔''

اور باوجود اس کے کہ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ قرآن نہ تو جن کا کلام ہے اور نہ ہی یہ بشر کا کلام ہے، اور یہ طاقتور جڑیں، پرثمر شاخیں اور بے مثال کشش رکھتا ہے۔ پھر بھی وہ اس کو ''سحر'' کا نام دیتا تھا اور اس کے لانے والے کو ساحر کہتا تھا۔

آخر میں آخری زیر بحث آیت میں اس کی دردناک سرنوشت کی طرف مختصر اور پرمعنی عبارت کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم عنقریب اسے مجبور کریں گے کہ وہ زندگی کی ''صعب العبور'' ....(جس سے گزرنا مشکل ہے)............ چوٹی سے اوپر جائے'' (اور پھر ہم اس چوٹی کی بلندی سے اسے نیچے پھینک دیں)۔

یہ احتمال بھی ہے کہ آیت اس جہان میں ''ولید'' کے دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ .... جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے............ وہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامیابی کی چوٹی کی بلندی پر پہنچنے کے بعد اس طرح گرا کہ آخر عمر تک مسلسل اپنے مال اور اولاد کو ہاتھ سے دیتا رہا، یہاں تک کہ بے حد مجبور اور دیوالیہ ہو گیا۔

(۱۸) اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۙ	اس نے غور وفکر کیا اور منصوبہ بنالیا۔
(۱۹) فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ	وہ ہلاک ہوجائے کس طرح اس نے مطلب تیار کیا۔
(۲۰) ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ	پھر وہ مر جائے، اس نے کس طرح (شیطانی) منصوبہ بنایا۔
(۲۱) ثُمَّ نَظَرَ ۙ	پھر اس نے نگاہ ڈالی۔
(۲۲) ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۙ	پھر اس نے اپنا منہ چڑایا اور جلدی سے کام میں لگ گیا۔
(۲۳) ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۙ	پھر اس نے (حق کی طرف) پشت کی اور تکبر کیا۔
(۲۴) فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ	اس نے کہا یہ (قرآن) پر تاثیر جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔
(۲۵) اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ	یہ انسان کے قول کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

ہلاک ہوجائے وہ، اس نے کتنا برا منصوبہ بنایا

ان آیات میں اس شخص کے بارے میں، جسے اللہ نے فراواں مال واولاد دی تھی اور وہ پیغمبر اسلام ﷺ کی مخالفت کرنے لگا.........یعنی "ولید بن مغیرہ" مخزومی کی.........مزید وضاحتیں آئی ہیں۔

فرماتا ہے: "اس نے سوچا کہ پیغمبر اور قرآن کو کس چیز کے ساتھ متہم کرے؟ اور اس نے ایک منصوبہ اپنے ذہن میں تیار کر لیا۔"

واضح رہے کہ غور وفکر کرنا اپنی ذات سے ایک اچھا کام ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حق کی راہ میں ہو۔ بعض اوقات اس کی ایک ساعت ایک سال کی عبادت، بلکہ عمر بھر کی عبادت کی فضیلت رکھتی ہے، کیونکہ وہی ایک لمحہ ہوسکتا ہے کہ انسان کی سرنوشت کو دگرگوں کردے، لیکن اگر غور وفکر کو کفر وفساد اور شیطنت کی راہ میں استعمال کیا جائے تو وہ مذموم اور قبیح ہے اور ولید کی فکر اور سوچ اسی قسم کی تھی۔

'قدّر' 'تقدیر' کے مادہ سے، یہاں مطلب کو ذہن میں آمادہ کرنے اور اس قبیح منصوبہ کے اجراء کے لئے مصمم ارادہ کرنے کے معنی میں ہے۔

پھر اس کی مذمت کے لئے مزید کہتا ہے: ''وہ ہلاک ہو جائے'' اس نے حق سے مبارزہ کرنے کے لئے کیسا منصوبہ بنایا ہے۔

اس کے بعد تاکید کے عنوان سے مزید کہتا ہے۔ ''پھر بھی وہ مارا جائے، اس نے حق سے مقابلہ کے لئے، کس قسم کا منصوبہ تیار کیا ہے''۔

اور یہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جو شان نزول میں آئی ہے کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ مشرکین کے افکار کو متحد کرے اور انہیں ایک ہی جہت دے، تاکہ یک زبان ہو کر پیغمبر ﷺ کے خلاف ایک ہی طرح کا پروپیگنڈا کریں۔

بہر حال یہ جملہ.........خصوصاً اس کے تکراروں کی طرف توجہ ہوئے.........اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اپنے شیطانی افکار و نظریات میں پوری مہارت تھی، اس طرح سے کہ اس کی فکر اور سوچ باعث تعجب ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس نے دوبارہ نظر کی۔''

اور اس نے اپنی ساختہ و پرداختہ فکر کی نئے سرے سے جانچ پڑتال کی، تاکہ اس کے ضروری استحکام و انجام اور مختلف پہلوؤں سے آگاہ و مطمئن ہو جائے۔

''پھر اس نے اپنا منہ چڑایا اور جلد بازی سے کام لیا''

''پھر اس نے حق کی طرف سے پشت پھیر لی اور تکبر کیا''۔

اور آخر کار اس نے کہا: ''یہ چیز ایک عمدہ اور پر کشش جادو کے سوا.........جیسا کہ گزشتہ لوگوں سے نقل ہوا ہے.........کچھ نہیں ہے''۔

''یہ صرف انسان کا قول ہے اور اس کا وحی آسمانی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے''

اس طرح سے اس نے اپنی آخری بات، قرآن سے مبارزہ اور مقابلہ کرنے کے لئے، بار بار کے مطالعہ اور شیطانی سوچ کے بعد کہی۔

(۲۶) سَاُصۡلِیۡهِ سَقَرَ	(لیکن) ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔
(۲۷) وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا سَقَرُ ؕ	اور تو نہیں جانتا کہ دوزخ کیا چیز ہے؟

(۲۸) لَا تُبْقِي وَ لَا تَذَرُ ۚ	(وہ ایک ایسی آگ ہے جو) نہ کسی چیز کو باقی رہنے دیتی ہےاور نہ ہی کسی چیز کو چھوڑتی ہے۔
(۲۹) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۚ	وہ بدن کی جلد کو کلی طور پر دگرگوں کر دیتی ہے۔
(۳۰) عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ؕ	انیس (عذاب کے فرشتے) اس پر مقرر کیے گئے ہیں۔

تفسیر

برے راہیوں کی آخری منزل

گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جو شرک کے بعض سرغنوں کی وضع و کیفیت، اور قرآن مجید اور پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کی نفی وانکار کی بات کرتی تھیں، ان آیات میں قیامت میں ان کے وحشت ناک عذاب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ''ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور دوزخ کی آگ میں جلائیں گے''۔

'' سقر ''اصل میں '' سقر ''(بروزن فقر) کے مادہ سے دگرگوں ہونے اور سورج کی گرمی کے اثر سے پگھل جانے کے معنی ہے اس کے بعد جہنم کے ناموں میں سے ایک نام کے عنوان سے انتخاب ہوا ہے اور بارہا قرآنی آیات میں آیا ہے۔

اس کے بعد عذاب دوزخ کی عظمت وشدت کے بیان کے لئے کہتا ہے: ''تو کیا جانتا ہے کہ سقر کیا ہے۔''

یعنی اس کا عذاب اس قدر شدید ہے جو دائرہ تصور سے باہر ہے اور کسی شخص کے فکر و خیال میں نہیں سماتا، جیسا کہ جنت کی نعمتوں کی اہمیت وعظمت کسی کی فکر و خیال میں نہیں سماتیں۔

''وہ نہ کسی چیز کو باقی رہنے دیتی ہے اور نہ ہی کسی چیز کو چھوڑتی ہے۔'

یہ جملہ ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جہنم کی آگ، دنیا کی آگ کے برخلاف.......... جو کبھی بدن کے ایک حصہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرا حصہ صحیح وسالم رہ جاتا ہے اور کبھی جسم پر اثر کرتی ہے، لیکن روح اس سے امان میں رہتی ہے........... ایک ایسی گھیرنے والی آگ ہے جو انسان کے پورے وجود کو اپنے احاطہ میں لے لے گی اور کسی چیز کو نہیں چھوڑے گی۔

اس کے بعد قہر الٰہی کے اس جلانے والی آگ کی دوسری صفت کو بیان کوتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ بدن کی جلد کو کامل طور پر بدل کر رکھ دے گی، جو بہت دُور کے فاصلہ سے انسانوں کے لئے نمایاں ہوگی''

اور آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے: ''انیس عذاب کے فرشتے جہنم پر مقرر کئے گئے ہیں۔

وہ فرشتے جو قطعی طور سے ترحم، شفقت اور مہربانی پر مامور نہیں ہیں، بلکہ سزا دینے، عذاب اور سختی پر مامور ہیں۔ جو ابوجہل کی

طرح سوچتے ہیں، اس نے جب یہ آیت سنی تو اس نے قبیلہ قریش سے بطور استہزاء کے یہ کہا کہ تمہاری مائیں تمہاری عزا میں بیٹھیں، کیا تم سنتے نہیں ہو کہ ''ابن ابی کبشہ'' (پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ ہے)۔ کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ دوزخ کے خازن انیس افراد ہیں، لیکن تم بہادروں کا ایک بہت بڑا گروہ ہو، کیا تم میں سے ہر دس آدمی بھی ان میں سے ایک کو مغلوب نہیں کر سکتا؟'' ابوالاسد جمعی'' (قریش میں سے ایک طاقت ور شخص) نے کہا: میں ان میں سے سترہ کے لئے کافی ہوں، باقی کے دو نفر کا حساب چکا لینا۔

(۳۱) وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۧ	ہم نے جہنم کے مامورین (عذاب کے) فرشتوں کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا، اور ان کی تعداد بھی کافروں کی آزمائش کے علاوہ اور کسی بات کے لئے معین نہیں کی، تا کہ اہل کتاب (یہود و نصاری) یقین کر لیں اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو اور اہل کتاب اور مومنین (اس آسمانی کتاب کی حقانیت میں شک و تردد نہ کریں، وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور کافر لوگ یہ کہیں: اللہ کا اس تعریف سے کیا مقصد ہے؟ ہاں اللہ جسے چاہتا ہے، اسی طرح سے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اور یہ انسانوں کی تنبیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تفسیر

دوزخ کے مامورین کی یہ تعداد کس لئے ہے؟

جیسا کہ گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے دوزخ کے خازنوں اور مامورین کی تعداد انیس افراد (یا انیس گروہ) بیان کی ہے، اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس عدد کا ذکر مشرکین اور کفار کے درمیان گفتگو کا سبب بنا، اور ایک گروہ نے اس کا مذاق اُڑایا اور

ان کی تعداد کے کم ہونے کو اس بات کی دلیل خیال کیا کہ ان پر غلبہ حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

زیر بحث آیت جو اس سورہ کی طویل ترین آیت ہے انہیں جواب دیتی ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سے حقائق کو واضح کرتی ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''ہم نے جہنم کے مامورین (عذاب کے) فرشتوں کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا''

طاقت ور اور قدرت والے فرشتے اور قرآن کی تعبیر، ''غلاظ'' و ''شداد'' بہت شدید اور سخت گیر، جن کے سامنے تمام گنہگار ضعیف و ناتواں ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ہم نے ان کی تعداد کافروں کی آزمائش کے سوا اور کسی بات کے لئے قرار نہیں دی ہے''

یہ آزمائش دو لحاظ سے تھی، ایک تو یہ کہ وہ استہزاء اور تمسخر کرتے تھے کہ تمام اعداد میں سے انیس (۱۹) کا عدد ہی کیوں انتخاب کیا گیا، حالانکہ دوسرا جو بھی عدد انتخاب ہوتا، اسی میں یہ سوال پیدا ہوتا۔

اور دوسری طرف وہ اس تعداد کو بہت کم سمجھتے تھے، اور بطور تمسخر اور استہزاء کے کہتے تھے، کہ ہم ان میں سے ہر ایک کے مقابلہ کے لئے دس افراد کھڑے کر دیں گے اور انہیں درہم و برہم کر کے رکھ دیں گے۔

حالانکہ اللہ کے فرشتے ایسے ہیں (کہ قرآن کے قول کے مطابق) ان میں سے چند افراد ہی قوم لوط کی ہلاکت پر مامور ہوئے تھے، اور انہوں نے ان کے آباد شہروں کو زمین سے اٹھا کر زیروزبر کر دیا تھا اور اس سے قطع نظر، جہنم کے خازنوں کے لئے انیس کے عدد کا انتخاب، دوسرے معانی بھی رکھتا ہے، جو گزشتہ آیات کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس سے مقصد یہ تھا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) یقین پیدا کرلیں۔''

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے بعض اصحاب پیغمبر ﷺ سے خازنین جہنم کی تعداد کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور پیغمبر کو خبر دی: ''**علیها تسعته عشر**'' ''انیس افراد (یا انیس گروہ) اس پر مقرر کئے گئے ہیں''۔ اور چونکہ انہوں نے اس موضوع پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی کتب کے ساتھ ہم آہنگ پایا، اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت پر ان کے یقین میں اضافہ ہوا، اور یہی چیز اس بات کا سبب بنی کہ مومنین بھی اپنے عقیدہ اور ایمان میں زیادہ راسخ ہو جائیں۔

اس لئے بعد والے جملہ میں مزید کہتا ہے: ''اس سے مقصد یہ تھا کہ مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو جائے''۔

اور اس جملہ کے ذکر کے بعد بلا فاصلہ انہی تین اہداف و مقاصد کی طرف، تاکید کے عنوان سے لوٹتا ہے اور نئے سرے سے اہل کتاب کے ایمان، اس کے بعد مومنین کے ایمان اور پھر کفار و مشرکین کی آزمائش پر تکیہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اور مقصد یہ تھا اور

اہل کتاب اور مومنین قرآن کی حقانیت میں شک اور تردد نہ کریں اور کافر اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ کہیں کہ اللہ کا اس تعریف سے کیا ارادہ ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟

پھران باتوں کے بعد، جو مومنین اور بیمار دل کافروں کی ارشادات الٰہی سے فائدہ اٹھانے کی کیفیت کے بارے میں تھیں، مزید کہتا ہے اس سے اللہ جس چاہتا ہے، گمراہ کردیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔''

گزشتہ جملے، اس بات کی اچھی طرح سے نشاندہی کرتے ہیں کہ بعض کی ہدایت اور بعض دوسرے کی گمراہی کے بارے میں یہ مشیت وارادۂ الٰہی، بے حسب نہیں ہے، وہ لوگ جو معاند، ہٹ دھرم اور دل کے بیمار ہیں۔ اس کے علاوہ کو کوئی حق نہیں رکھتے، اور وہ لوگ جو اللہ کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور وہ مومن ہیں وہ اسی قسم کی ہدایت کے مستحق ہیں۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ''بہر حال تیرے پروردگار کے لشکر کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا، اور یہ چیز انسانوں کو تنبیہ کرنے اور تذکر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس بناء پر اگر دوزخ کے انیس خازنین کا ذکر درمیان میں آیا ہے تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ کے لشکر انہیں میں محدود ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں،

''اس وقت اوپر والے آسمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، اور ان کو فرشتوں کی مختلف اصناف واقسام سے پر کر دیا۔

ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سجدہ میں رہتا ہے اور وہ رکوع میں نہیں جاتا۔

اور ایک گروہ ہمیشہ رکوع میں رہتا ہے اور وہ رکوع سے سر نہیں اٹھاتا۔

اور ایک گروہ ہمیشہ قیام میں رہتا ہے اور عبادت میں مشغول رہتا ہے اور وہ اپنی جگہ کو نہیں بدلتا۔

ایک گروہ ہمیشہ تسبیح کرتا ہے اور تھکتا نہیں۔

کبھی نیند ان کی آنکھوں کو بند نہیں کرتی اور سہو ونسیان ان کی عقل پر غالب نہیں آتے۔

ان کے جسم سستی کی طرف مائل نہیں ہوتے اور غفلت اور فراموشی انہیں لاحق نہیں ہوتی۔

اور ایک دوسرا گروہ اس کی وحی کا امین ہے اور اس کے پیغمبروں کی طرف اس کی زبان ہے اور یہ گروہ اس کے فرمان اور امر کی تبلیغ کے لئے مسلسل آتا جاتا رہتا ہے۔

کچھ اور اس کے بندوں کے محافظ ہیں اور بہشت بریں کے دربان ہیں''۔

(۳۲) كَلَّا وَ الْقَمَرِ ۙ	چاند کی قسم ایسا نہیں ہے۔
(۳۳) وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ	اور رات کی قسم جب وہ پشت پھیرے۔
(۳۴) وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ	اور صبح کی قسم جب وہ چہرہ کھولے۔
(۳۵) اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ	کہ وہ (قیامت کے ہولناک حوادث) اہم مسائل میں سے ہیں۔
(۳۶) نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ	تمام انسانوں کے لئے تنبیہ ہے۔
(۳۷) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ؕ	تم میں سے ان لوگوں کے لئے جو یہ چاہتے ہیں کہ آگے بڑھ جائیں یا پیچھے رہ جائیں۔

تفسیر

پیغمبراسلام ﷺ کی نبوت کے منکرین اور قیامت کے انکار کی بحث کو جاری رکھتے ہوئے، ان آیات میں کئی ایک قسمیں کھائی ہیں، اور قیامت، قبروں سے اٹھنے اور دوزخ وعذاب کے مسئلہ پر تاکید ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: ''جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں، ایسا نہیں ہے، چاند کی قسم

''چاند'' کی قسم کا ذکر اس بناء پر ہے کہ وہ اللہ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے۔ خلقت کے لحاظ سے بھی اور منظم دور اور گردش کرنے کے لحاظ سے بھی، اور روشنی وخوبصورتی اور تدریجی تغیرات کے لحاظ سے بھی، جو دنوں کی تشخیص کے لئے خود ایک زندہ تقویم اور جنتری ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور قسم ہے رات کی جس وقت وہ پشت پھیرے اور دامن سمیٹے۔

''اور قسم ہے صبح کی جس وقت وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھائے''

رات بھی اگر چہ آرام بخش ہوتی ہے اور خاموش اور حق تعالیٰ کے عاشقوں کے راز و نیاز کا وقت ہوتا ہے، لیکن شب تاریک اس وقت بہت ہی عمدہ دکھائی دیتی ہے جب وہ پشت پھیرتی ہے اور صبح روشن کی طرف رُخ کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے اور آخر سحر کا وقت ہوتا ہے اور صبح کا طلوع کرنا، جو شب تاریک کا اختتام ہے، سب سے زیادہ دل آویز ہوتا ہے، جو ہر انسان کو وجد ونشاط میں لاتا ہے اور نور وصفا میں غرق کر دیتا ہے۔

ضمنی طور پر یہ تینوں قسمیں ''قرآن'' کے نور ہدایت، اور ''شرک و بت پرستی'' کی تاریکیوں کے پشت پھیرنے اور ''توحید'' کی صبح کی سفیدی کے پھوٹنے کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔

ان قسموں کو بیان کرنے کے بعد اس چیز کی طرف رُخ کرتا ہے، جس کے لئے یہ قسمیں کھائی گئی ہیں، فرماتا ہے: '''یقیناً قیامت کے ہولناک حوادث، دوزخ اور عذاب کے فرشتے اہم مسائل میں سے ہیں۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''دوزخ کی خلقت کا مقصد انتقام جوئی ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ تو انسانوں کو ڈرانے کا ایک ذریعہ ہے۔

آخر میں زیادہ تاکید کے لئے مزید کہتا ہے: ''یہ انذار کسی معین گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ یہ تو تمام افراد بشر کے لئے ہے، تم میں سے ان سب لوگوں کے لئے، جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور نیکیوں اور فرمان خدا کی اطاعت کی طرف پیش رفت کرنا چاہتے ہیں اور چاہے وہ لوگ ہوں جو اس قافلہ سے پیچھے رہ جانے کی طرف مائل ہوں۔

(۳۸) كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ ۙ	ہر شخص اپنے اعمال کے لئے گروی ہے۔
(۳۹) اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡيَمِيۡنِ ؕ‌ۛ	مگر ''اصحاب یمین''۔
(۴۰) فِىۡ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوۡنَ ۙ	وہ جنت کے باغات میں ہوں گے اور وہ سوال کریں گے۔
(۴۱) عَنِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۙ	مجرموں سے۔
(۴۲) مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ	تمہیں دوزخ کی طرف کس چیز نے بھیجا۔
(۴۳) قَالُوۡا لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ ۙ	وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔
(۴۴) وَ لَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ ۙ	اور مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔
(۴۵) وَ كُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِيۡنَ ۙ	اور ہمیشہ اہل باطل کے ہم نشین و ہم صدا رہتے تھے۔
(۴۶) وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ۙ	اور ہمیشہ روز جزا کا انکار کرتے تھے۔
(۴۷) حَتّٰۤى اَتٰٮنَا الۡيَقِيۡنُ ؕ	یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔

(۴۸) فَمَا تَنۡفَعُهُمۡ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيۡنَ ؕ	لہٰذا شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کے لئے سود مند نہیں ہوگی۔

تفسیر

تم اہل دوزخ کیوں ہوگئے؟

اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے جو گزشتہ آیات میں دوزخ اور دوزخیوں کے بارے میں آئی ہے۔ان آیات میں مزید کہتا ہے:''ہر شخص اپنے اعمال کے لئے گروی ہے''۔

گویا انسان کا تمام وجود اس کے وظائف، تکالیف اور ذمہ داریوں کے انجام دینے میں گروی ہے، جس وقت انہیں انجام دے لیتا ہے، آزاد ہو جاتا ہے، ورنہ قید اسارت میں رہے گا۔

لہٰذا بلا فاصلہ فرماتا ہے:''مگر اصحاب یمین، جو اس اسارت کی قید سے آزاد ہیں''۔

انہوں نے ایمان اور عمل صالح کے سائے، اسارت کے طوق اور زنجیروں کو توڑ دیا ہے، لہٰذا وہ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے حامل ہیں اور اگر ان سے کوئی چھوٹے موٹے گناہ ہوئے بھی ہوں تو وہ ان کی نیکیوں کے تحت الشعاع میں ہیں اور'' ان الحسنات یذھبن السیات''کے حکم میں ہیں۔

ان کے نیک اعمال ان کے اعمال بد کو چھپالیں گے، یا تو وہ بلا حساب کے جنت میں وارد ہو جائیں گے، اور اگر ان کا حساب ہوا بھی، تو وہ سہل، سادہ اور آسان ہوگا۔جیسا کہ سورۂ انشقاق کی آیہ ۷ اور ۸ میں آیا ہے۔

''لیکن وہ شخص جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا، اس کا حساب آسان ہوگا۔''

اہل سنت کے مشہور مفسر''قرطبی'' نے امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''ہم اور ہمارے شیعہ اصحاب یمین ہیں اور جو شخص ہم اہل بیت کو دشمن رکھتا ہے، تو وہ اپنے اعمال کی قید میں ہے۔''

اس کے بعد''اصحاب الیمین'' اور ان کے مدمقابل گروہ کے حالات کے ایک گوشہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:''وہ جنت کے پرنعمت اور باعظمت باغوں میں ہوں گے اور اس حال میں وہ سوال کریں گے۔وہ کہیں گے:''تمہیں دوزخ میں کس چیز نے پہنچا دیا''

ان آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بہشتیوں اور دوزخیوں کے درمیان کلی طور پر رابطہ منقطع نہیں ہوگا، جنتی اپنے عالم سے دوزخیوں کی حالت کا مشاہدہ کرسکیں گے اور ان سے گفتگو کرسکیں گے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مجرمین ''اصحاب الیمین'' کے اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ اس سلسلہ میں اپنے چار گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

پہلا یہ کہ ''ہم نماز گزاروں میں سے نہیں تھے۔''

اگر ہم نماز پڑھتے، تو نماز ہمیں اللہ کی یاد دلاتی و رفحشاء اور منکر سے روکتی، اور ہمیں اللہ کی صراط مستقیم کی دعوت دیتی۔''

دوسرا یہ کہ ''ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

'' **اطعام مسکین**'' کا معنی اگرچہ غریبوں، مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، لیکن ظاہراً اس سے مراد، ضرورت مندوں کی ہر ضرورت وحاجت میں مدد کرنا ہے، چاہے وہ خوراک ہو یا پوشاک ومسکن وغیرہ۔

اس سے مراد ''زکوٰۃ واجب'' ہے، کیونکہ مستحب انفاقات کو ترک کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب نہیں بنتا۔

تیسرا یہ کہ ''ہم ہمیشہ اہل باطل کے ساتھ ہم نشین اور ہم صدا ہو جاتے ہیں۔''

''باطن میں خوض'' ایک وسیع وعریض معنی کھتا ہے، جو ان لوگوں کی مجالس میں داخل ہونے کو بھی شامل ہے، جو آیات اللہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں، یا بدعت کی ترویج کرتے ہیں، یا پست اور چھچھوری باتیں کرتے ہیں۔ یا ان گناہوں کو جنہیں انہوں نے انجام دیا ہے، فخریہ اور مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، اسی طرح غیبت، تہمت اور لہو ولعب وغیرہ کی مجالس میں شرکت کرنا، لیکن زیر بحث آیت میں زیادہ تر ان مجالس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، جو اللہ کے دین کو کمزور کرنے اور اس کے مقدمات کا استہزاء اور مذاق اڑانے اور کفر وشرک و بے دینی کی ترویج کے لئے قائم کی جاتی ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور ہم ہمیشہ روز جزا کا انکار کیا کرتے تھے''۔

''یہاں تک کہ ہماری موت کا وقت آپہنچا''

یہ بات واضح ہے کہ معاد وقیامت اور حساب وجزا کے دن کا انکار تمام الٰہی اور اخلاقی قدروں کو متزلزل کر دیتا ہے اور انسان کو گناہ کے ارتکاب کی جرات دلاتا ہے اور اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے، خصوصاً اگر یہ مسئلہ آخر عمر تک ایک مسلسل عمل کی صورت اختیار کر لے۔

بہرحال ان آیت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اولاً کفار بھی، اصول دین کی طرح سے، فروغ دین کے بھی مکلّف ہیں اور اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چاروں امور یعنی نماز، زکوٰۃ، اہل باطل کی مجالس کو ترک کرنا اور قیامت پر ایمان رکھنا،

ایمان کی ہدایت اور تربیت میں حد سے زیادہ اثر رکھتے ہیں اور اس طرح سے جہنم، واقعی نماز گزاروں، زکٰواۃ دینے والوں، باطل کو ترک کرنے والوں اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی جگہ نہیں ہے۔

آخری زیر بحث آیت میں اس گروہ کے برے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''لہٰذا شفاعت کرنے والوں میں سے کسی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

نہ تو اللہ کے انبیاء رسولوں اور ائمہ معصومینؑ کی شفاعت اور نہ ہی فرشتوں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی شفاعت، کیونکہ شفاعت کے لئے مناسب حالات کی ضرورت ہے اور انہوں نے تمام اسباب کو کلی طور پر ختم کر دیا ہے۔ شفاعت اس شفاف پانی کے مانند ہے، جسے کسی کمزور پودے کی جڑ پر ڈالا جائے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر پودا کلی طور پر مر چکا ہو تو یہ صاف ستھرا پانی اسے زندہ نہیں کر سکتا۔

ضمنی طور پر یہ آیت، دوبارہ مسئلہ شفاعت اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرنے والوں کے تنوع اور تعدد کی تاکید کرتی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو اصل شفاعت کے منکر ہیں، ایک دندان شکن جواب ہے، اسی طرح یہ اس بات کے لئے ایک تاکید بھی ہے کہ شفاعت بے قید و شرط کے نہیں ہوگی اور گناہ کے لئے ہری جھنڈی کی معنی میں نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کی تربیت کا ایک ایسا عامل ہے جو اسے کم از کم اس مرحلہ تک پہنچا دے، کہ اس میں شفاعت کرانے کی قابلیت پیدا ہو جائے، اور اللہ اور اس کے اولیاء سے اس کا رابطہ کلی طور پر منقطع نہ ہو جائے۔

(۴۹) فَمَا لَهُمۡ عَنِ التَّذۡكِرَةِ مُعۡرِضِيۡنَ ۙ	وہ اس تذکرہ سے گریزاں کیوں ہیں؟
(۵۰) كَاَنَّهُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَةٌ ۙ	گویا وہ وحشت زدہ گدھے ہیں۔
(۵۱) فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَةٍ ؕ	جو شیر سے بھاگ رہے ہیں۔
(۵۲) بَلۡ يُرِيۡدُ كُلُّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّؤۡتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ	بلکہ ان میں سے ہر ایک اس بات کا منتظر ہے (کہ اللہ کی طرف سے) ایک علیحدہ خط اسے بھیجا جائے۔
(۵۳) كَلَّا ؕ بَلۡ لَّا يَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ ؕ	جیسا وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔

(۵۴) كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ	ایسا نہیں ہے، وہ (قرآن) تو ایک یادآوری ہے۔
(۵۵) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ	جو شخص چاہتا ہے اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔
(۵۶) وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ	اور کوئی شخص نصیحت نہیں لیتا مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ اہل تقویٰ اور اہل مغفرت سے ہے۔

تفسیر

حق سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح شیر سے گدھے

اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے جو گزشتہ آیات میں مجرموں اور دوزخیوں کے بارے میں آئی تھی، زیر بحث آیات میں اس معاند اور ہٹ دھرم گروہ کی حق بات سننے، اور ہر قسم کی پندونصیحت سے وحشت کرنے کو، واضح ترین صورت میں بیان کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے۔ ''وہ اس تذکرا اور یادآوری سے روگردان کیوں ہیں؟''

وہ قرآن جیسی شفا بخش دوا سے فرار کیوں کرتے ہیں؟ وہ ہمدرد طبیب کی بات کو رد کیوں کرتے ہیں؟ واقعاً تعجب کا کام ہے۔

''گویا وہ وحشت زدہ ہو کر بھاگنے والے گدھے ہیں''۔

''جنہوں نے شیر یا (شکاری) سے فرار کیا ہے''

بہرحال یہ آیت، مشرکین کے قرآن کی روح پرور آیات سے وحشت کرنے اور ان سے فرار کرنے کی ایک بہت ہی رسا، گویا اور ناطق تعبیر ہے، ان کو گورخر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میں عقل وشعور بھی نہیں ہے اور وحشی ہونے کی بناء پر ہر چیز سے گریزاں بھی ہے، حالانکہ ان کے سامنے ''تذکرہ'' (یادآوری، بیداری اور ہوشیاری کے ایک وسیلہ کے) سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔

لیکن اس نادانی اور بے خبری کے باوجود وہ ایسے مغرور اور متکبر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک یہ توقع رکھتا ہے کہ اللہ کی طرف سے اسے ایک علیحدہ خط دیا جائے''

یہ اس چیز کے مشابہ ہے، جو سورۂ اسراء کی آیہ ۹۳ میں آئی ہے:

''اگر تو آسمان پر بھی چڑھ جائے تو بھی ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے، مگر یہ کہ (اللہ کی طرف سے) ہم پر تو کوئی خط نازل کرے۔

اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''جس طرح سے وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔'

ان پر آسمانی کتاب کا نازل ہونا اور اسی قسم کے دوسرے مطالب یہ سب بہانے ہیں۔

''حقیقت میں وہ آخرت سے نہیں ڈرتے''۔

حق بات یہ ہے کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عالم محشر پر ایمان اور قیامت میں جزا وسزا ملنے کا عقیدہ، انسان کو ایک نئی شخصیت عطا کرتا ہے اور بے قید وبند، متکبر، خودخواہ اور ظالم افراد کو، عہد کی پابندی کرنے والے، متقی، متواضع اور عدالت پیشہ انسان میں تبدیل کرسکتا ہے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ اور تاکید کرتا ہے کہ جس طرح وہ قرآن کے بارے میں سوچتے ہیں ایسا نہیں ہے۔''

''یقیناً قرآن تو تذکرا اور یاد آوری ہے۔''

''اور جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔''

قرآن نے راستے کی نشاندہی کردی ہے، اور دیکھنے والی آنکھوں کو بھی اختیار دے دیا ہے اور نور آفتاب بھی ہے تاکہ انسان اپنے آگے دیکھ کر چلے۔

اس کے باؤجود اس سے پند و نصیحت حاصل کرنا، اللہ کی مشیت اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے: اور وہ نصیحت نہیں لیتے مگر یہ کہ اللہ چاہے''

انسان پروردگار کی عنایت کے دامن سے متوسل ہوئے بغیر ہدایت کی راہ کو طے نہیں کرسکتا، اور نہ ہی اس کی توفیق و امداد کے بغیر ہدایت پاسکتا ہے۔

تاکہ از جانب معشوق بنا شد کششی

کوشش عاشق بیے چارہ بہ جائے نہ رسد

جب تک محبوب کی طرف کشش نہ ہو بے چارے عاشق کی کوشش کچھ کام نہیں دیتی۔

اور آیت کے آخر میں کہتا ہے: ''وہ اہل تقویٰ اور اہل مغفرت ہیں۔''

مناسب یہی ہے کہ اس کے عتاب سے ڈریں اور کسی چیز کو اس کا شریک قرار نہ دے، اور یہی شائستہ حیات بات ہے کہ اس کی مغفرت کے امیدوار ہیں۔

حقیقت میں یہ جملہ ''خوف'' و ''رجاء'' کے مقام اور ''عذاب'' و ''مغفرت'' الٰہی کی طرف اشارہ ہے، اور یہ حقیقت میں پہلی آیت کے لئے ایک علت کو بیان کرتی ہے۔

لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ فاعل کے معنی میں اس کی تفسیر ہو۔یعنی اللہ اہل تقویٰ ہے اور وہ ہر قسم کے ظلم وقبیح فعل اور ہر قسم کے خلاف حکمت کام سے پرہیز کرتا ہے، اور حقیقت میں تقویٰ کا بالاترین مقام اللہ ہی کے لئے ہے۔اور بندوں میں جو کچھ ہے وہ اس غیر متناہی تقویٰ کی ایک ضعیف سی چنگاری ہے۔

بہرحال یہ سورہ ''انذار'' اور ''وظائف اور ذمہ داریوں'' کے حکم سے شروع ہوا اور ''تقویٰ'' کی کی دعوت اور ''مغفرت کے وعدے'' پر ختم ہوا۔

سورۂ قیامت

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اس کی ۴۰ آیات ہیں

سورہ قیامت کے مضامین

جیسا کہ اس سورہ کے نام سے واضح ہے یہ قیامت کے دن اور معاد سے مربوط مسائل کے محور کے گرد گردش کرتی ہے، سوائے چند آیات کے، جو قرآن مجید اور اس کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں اور وہ مباحث جو اس سورہ میں قیامت کے بارے میں آئے ہیں وہ مجموعی طور پر چار قسم پر ہیں۔

۱۔ اشراط الساعة (وہ عجیب وغریب اور بہت ہی حولناک حوادث، جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کی آغاز کے وقت رونما ہوں گے) سے مربوط مسائل۔

۲۔ اس دن نیکوکاروں اور بدکاروں کی حالت سے مربوط مسائل۔

۳۔ موت کے پر اضطراب لمحوں اور اس جہان سے دوسرے جہان کی طرف انتقال سے مربوط مسائل

۴۔ انسان کی خلقت کے مقصد سے مربوط مسائل اور اس کا مسئلہ معاد سے رابطہ۔

سورۂ قیامت کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ قیامت کو پڑھے گا، تو میں اور جبرئیل اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دیں گے، کہ وہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتا تھا، اور اس دن اس کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ درخشندہ ہوگا''۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

'جو شخص سورہ'' لا اقسم'' (قیامت) کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا، تو اللہ اس سورہ کو قیامت کے دن اس کے ہمراہ، اس کی قبر سے بہترین چہرے کے ساتھ اٹھائے گا، اور یہ مسلسل اس کو بشارت دیتی رہے گی اور اس کے سامنے ہنستی رہے گی، یہاں تک کہ وہ پل صراط اور میزان سے گزر جائے گا۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کی سورتوں کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں دوسرے مقامات پر جو کچھ ہم نے قرائن سے معلوم کیا تھا وہ یہاں متن روایت میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: جو شخص اس کو پابندی کے ساتھ پڑھے گا'' اور اس پر عمل کرے گا''، اس بناء پر یہ سب کچھ اس کے مضمون کا پابند ہونے اور اس پر عمل کرنے کا ایک مقدمہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
(۱) لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ	قیامت کے دن کی قسم

(۲)وَ لَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ؕ	اور نفس لوامہ (بیدار اور ملامت کرنے والے وجدان) کی قسم (کہ قیامت حق ہے)۔
(۳)اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ	کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔
(۴)بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ	ہاں ! ہاں ! ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں (کے سرے کی لکیروں) کو بھی ٹھیک اسی طرح بنا دیں۔
(۵)بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ۚ	بلکہ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ زندگی بھر (آزاد رہے اور) گناہ کرتا رہے۔
(۶)یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ؕ	(اسی لئے) پوچھتا ہے کہ قیامت کب (واقع) ہوگی۔

تفسیر

قیامت کے دن کی اور ملامت کرنے والے وجدان کی قسم

اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ان دونوں قسموں (قیامت کے دن کی قسم اور بیدار وجدان کی قسم) کے درمیان کیا رابطہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ معاد کے وجود کی ایک دلیل، انسان کی روح کے اندر، ''محکمہ وجدان'' کا وجود ہے، جو نیک کام کو انجام دینے کے وقت، انسان کی روح کو خوشی اور نشاط سے پر کر دیتا ہے، اور اس طریقہ سے اسے جزا دیتا ہے اور برے کام کے انجام دینے یا کسی جرم کا ارتکاب کرنے کے موقع پر، اس کی روح پر سخت دباؤ ڈال کر اسے سزا دیتا ہے اور شکنجہ میں جکڑ تا ہے، یہاں تک کہ بعض روایات وجدان کے عذاب سے نجات پانے کے لئے انسان خودکشی تک کا اقدام کر لیتا ہے۔

جب ''عالم صغیر'' یعنی انسان کا وجود اپنے اندر ایک چھوٹا سا محکمہ اور عدالت رکھتا ہے تو ''عالم کبیر'' اپنی اس عظمت کے باوجود، ایک عظیم محکمہ عدل کیوں نہ رکھتا ہوگا۔

اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے ہم ''وجدان اخلاقی'' کے وجود سے ''قیامت اور معاد'' کے وجود کی ٹوہ لگاتے ہیں اور یہیں سے ان دونوں قسموں کا ایک عمدہ رابطہ واضح ہو جاتا ہے اور دوسرے لفظوں میں دوسری قسم پہلی قسم کی ایک دلیل ہے۔

اس کے بعد ایک استفہام انکاری کے عنوان سے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔''

ہاں! ہم اس بات پر قادر ہیں، کہ اس کی انگلیوں (کے سروں کی لکیروں) تک کو بھی ٹھیک اسی طرح بنا دیں۔

یہ تعبیر ممکن ہے، انسانی پوروں کی لکیروں کی طرف، ایک لطیف اشارہ ہو، کہتے ہیں کہ بہت کم انسان روئے زمین میں ایسے پیدا ہوتے ہیں، جن کے پوروں کی لکیریں ایکدوسرے کے ساتھ ملتی ہوں۔

بعد والی آیت میں معاد کے انکار کی ایک حقیقی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ایسا نہیں ہے کہ انسان ہڈیوں کے جمع کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے پر اللہ کی قدرت کے بارے میں شک رکھتا ہو، بلکہ ان کا مقصد انکار کرنے سے یہ ہے کہ وہ ساری زندگی گناہ کرتا رہے۔''

وہ چاہتا ہے کہ انکار معاد کے ذریعہ ہر قسم کی ہوس رانی ظلم و بیدادگری اور گناہ کے لئے آزادی حاصل کرے اور اس طریقہ سے جھوٹ طور سے سیر کرے، اور مخلوق خدا کے مقابلہ میں بھی اپنے لئے کسی جوابدہی کا قائل نہ ہو۔

اور اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس لئے پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی۔''

ہاں! وہ ذمہ داریوں سے گریز کے لئے قیام قیامت کے وقت کے بارے میں، استفہام انکاری کے طور پر پوچھتا ہے، تاکہ اپنے فسق و فجور کے لئے راستہ ہموار کرے۔

عدالت وجدان اور قیامت صغریٰ

قرآن مجید سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ روح اور نفس انسانی تین مراحل رکھتی ہے:

۱۔ ''نفس امارہ''، یعنی سرکش نفس، جو انسان کو ہمیشہ برائیوں اور بدیوں کی دعوت دیتا ہے اور شہوات اور فجور کو اس کے سامنے زینت بخشتا ہے۔

۲۔ ''نفس لوامہ''، جس کی طرف زیر بحث آیات میں اشارہ ہوا ہے، وہ بیدار اور نسبتاً آگاہ و باخبر نفس ہے، اگرچہ اس نے گناہ کے مقابلہ میں مصونیت حاصل نہیں کی ہے لہٰذا اس سے بعض اوقات لغزش ہو جاتی ہے۔

اور وہ گناہ کر بیٹھتا ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد بیدار ہو جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور سعادت کی راہ کی طرف لوٹ آتا ہے۔

یہ وہی چیز ہے جسے ''اخلاقی وجدان'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ اور بعض انسانوں میں بہت قوی اور طاقتور ہوتا ہے، بعض میں بہت ضعیف و ناتواں، لیکن اس کے باوجود یہ ہر انسان میں موجود ہوتا ہے۔

۳۔ ''نفس مطمئنہ''، یعنی تکامل و ارتقاء کو پہنچی ہوئی روح، جو اطمنیان کے مرحلہ تک پہنچی ہوئی ہو، جس نے سرکش نفس کو رام کر لیا ہو اور تقوائے کامل اور احساس مسئولیت کے مقام پر پہنچ گئی ہو کہ اب اس کے لئے آسانی کے ساتھ لغزش کرنا ممکن نہ رہے۔

بہرحال۔۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔ یہ ''نفس لوآمہ'' انسان میں ایک چھوٹی سی قیامت ہے اور نیک یا بد کام انجام دینے کے بعد، جان کے اندر اس کا محکمہ بلا فاصلہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ اس کا حساب و کتاب کرتا ہے۔

یہ عجیب و غریب اندرونی عدالت، قیامت کی عدالت کے ساتھ بلا کی مشابہت رکھتی ہے۔

۱۔ حقیقت میں یہاں قاضی و شاہد اور حکم کا اجراء کرنے والا ایک ہی ہے جیسا کہ قیامت میں بھی اسی طرح ہے۔

''پروردگار! تو پنہاں اور آشکار بھیدوں سے آگاہ ہے اور تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔''

۲۔ یہ وجدانی عدالت سفارش، رشوت، پارٹی بازی، اور انسانوں میں رائج سفارشی خطوں کو قبول نہیں کرتی، جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی یہی آیا ہے۔

''اس دن سے ڈرو جس میں کسی شخص کو کسی دوسرے کی جگہ پر سزا نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی سفارش قبول ہوگی، اور نہ ہی کوئی فدیہ ورشوت کو قبول کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کی مدد ونصرت کی جائے گی۔''

۳۔ عدالت وجدان: اہم ترین اور ضخیم ترین اعمال ناموں کی مختصر ترین مدت میں جانچ پڑتال کر لیتا ہے اور اپنا آخری فیصلہ بڑی تیزی کے ساتھ صادر کر دیتا ہے۔

جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی یہی بات ہے:

اللہ حکم کرتا ہے، اور اس کا حکم نہ رد ہوتا ہے اور نہ ہی ٹوٹتا ہے اور اس کا حساب وکتاب بہت ہی تیز ہوگا۔''

۴۔ اس کی سزا اور کیفر کردار، اس جہان کی رسمی عدالتوں کی سزاؤں کے برخلاف، اس کے ولین شعلے اس کے دل وجان کی گہرائیوں میں بھڑکتے ہیں اور وہاں سے باہر کی طرف سرایت کرتے ہیں، پہلے وہ انسان کی روح کو تکلیف وآزار پہنچاتے ہیں، اس کے بعد اس کے آثار جسم اور چہرہ میں اور اس کے خواب وخوراک کے دگرگوں اور تبدیل ہونے میں ظاہر وآشکار ہوتے ہیں، جیسا کہ قیامت کی عدالت کے بارے میں بھی بیان ہوا ہے۔

''اللہ کی روشن کی ہوئی آگ دلوں سے شعلے نکالتی ہے۔''

۵۔ اس وجدان کی عدالت کو، دیکھنے والوں اور گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ خود متہم انسان کی معلومات اور آگاہیوں کو، اس کے نفع میں، یا اس کے برخلاف ''گواہیوں'' کے عنوان سے قبول کرتا ہے، جیسا کہ قیامت کی عدالت میں بھی، انسان کے وجود کے ذرات، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پاؤں اور اس کے بدن کی جلد اس کے اعمال کے گواہ ہوں گے، جیسا کہ فرماتا ہے:

''جب وہ جہنم کی آگ کے پاس پہنچیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور بدن کی جلد ان کے خلاف گواہی دیں گے۔''

ان دونوں عدالتوں کے درمیان، یہ عجیب وغریب، مشابہت مسئلہ معاد کے فطری ہونے کی ایک اور نشانی ہے۔ کیونکہ یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک انسان کے وجود میں تو.................. جو عالم ہستی کے عظیم سمندر میں ایک چھوٹا سا قطرہ ہے.................. اس قسم کا حساب وکتاب اور رموز واسرار آمیز عدالت موجود ہو، لیکن اس عظیم عالم کے اندر بالکل کوئی حساب وکتاب، عدالت ومحکمہ موجود نہ ہو، بلکہ یہی چیز باور کرنے کے قابل ہے؟

(۷) فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ	جس وقت آنکھیں شدت وحشت سے پھرنے لگیں گی۔
(۸) وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۙ	اور چاند بے نور ہو جائے گا۔

(۹)وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۙ	اور سورج و چاند ایک جگہ جمع ہوجائیں گے۔
(۱۰)یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ۚ	اس دن انسان کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟
(۱۱)کَلَّا لَا وَزَرَ ؕ	ہرگز ایسا نہیں ہے، کوئی راہِ فرار اور پناہ گاہ نہیں ہے۔
(۱۲)اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِ ۣالۡمُسۡتَقَرُّ ؕ	اصلی پناہ گاہ تو تیرے پروردگار کی طرف ہی ہے۔
(۱۳)یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ؕ	اس دن انسان کو ان تمام کاموں سے جو اس نے آگے یا پیچھے کئے ہوں گے، آگاہ کیا جائے گا۔
(۱۴)بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ۙ	بلکہ انسان تو خود ہی اپنی حالت سے آگاہ ہے۔
(۱۵)وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ؕ	اگر چہ (ظاہر میں) وہ اپنے لئے عذر (اور بہانے) تراشے۔

تفسیر

انسان خود اپنے لئے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے

گزشتہ آیات میں گفتگو اس سوال پر کہ ....جو منکرین قیامت اور معاد کے بارے میں کرتے تھے............ختم ہوئی تھی، وہ کہتے تھے کہ اگر قیامت سچ ہے تو وہ کب آئے گی، زیر بحث آیات گویا اس سوال کا ایک واضح جواب ہیں۔

پہلے قیامت کے قبل کے حوادث کی طرف ....یعنی اس انقلاب عظیم کے سلسلہ میں جو دنیا میں پیدا ہوگا، اور اس دنیا کا نظام متلاطم اور خراب ہوجائے گا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ جب آنکھیں خوف اور وحشت کی شدت سے گردش کر رہی ہوں گی اور مضطرب ہوں گی۔

اور جس وقت چاند بے نور اور منخرف ہوجائے گا۔

اور جب سورج اور چاند ایک جگہ جمع ہوجائیں گے۔

اس بارے میں کے''چاند اور سورج'' کے جمع ہونے سے کیا مراد ہے؟ یہ احتمال ہے کہ چاند بتدریج سورج کی قوت جاذبہ کے زیر اثر اس سے نزدیک اور انجام کار اس میں جذب ہوجائے گا اور پھر دونوں بے نور ہوجائیں گے۔

سورہ تکویر کی پہلی آیت میں فرماتا ہے:'' اذالشمس کورت'' ''جس وقت سورج تاریک ہوجائے گا'' اور ہم جانتے

ہیں کہ چاند کا نور سورج سے ہے، تو جب سورج تاریک ہوگا تو پھر چاند بھی تاریک ہو جائے گا اور نتیجہ میں کرۂ زمین ایک وحشت ناک ظلمت اور تاریکی میں ڈوب جائے گا۔

اس طرح سے یہ دنیا ایک عظیم تحول اور انقلاب کے ساتھ ختم ہوئے گی، اس کے بعد ایک دوسرے انقلاب سے (دوسرے نفخہ صور سے جو نفخۂ حیات ہے) ۔انسانوں کا قبروں سے اٹھنا شروع ہوگا ''اور اس دن انسان کہے گا کہ فرار کی راہ کہاں ہے؟''

ہاں کافر اور گنہگار انسان، جو قیامت کے دن کی تکذیب کیا کرتے تھے، اس دن شدت خجالت اور شرم سے کوئی پناہ گاہ تلاش کریں گے اور گناہ کے یاد کی سنگینی اور عذاب کے خوف سے فرار کی راہ ڈھونڈیں گے۔

لیکن بہت جلد ان سے کہہ دیا جائے گاہ: ''ہرگز ایسا نہیں ہے، یہاں راہ فرار اور کوئی پناہ گاہ نہیں ے۔''

''بلکہ سب سے اصلی قرار گاہ پروردگار کی طرف ہے'' اور اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ نہیں ہے۔

اس کے بعد اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اس دن انسانوں کو ان تمام کاموں سے جنہیں اس نے 'مقدم' رکھا تھا یا ''موخر'' کیا تھا، آگاہ کیا جائے گا۔''

ان دونوں تعبیروں سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس نے اپنی زندگی میں آگے بھیجے ہیں، یا وہ آثار جو موت کے بعد اس سے باقی رہ گئے ہیں، چاہے وہ نیک سنت ہو یا بد، جو اس نے لوگوں میں چھوڑی ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کی نیکیاں اور برائیں اس کو پہنچتی رہتی ہیں، یا کتاب اور تحریریں اور خیر وشر کی بنیادیں، یا نیک و بد اولاد، جن کے آثار اس تک پہنچیں گے۔

ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

> ''اس دن انسان کو اس خیر اور شر سے باخبر کیا جائے گا جسے اس نے مقدم رکھا تھا یا مؤخر کیا تھا۔ان سنتوں کے طور پر جنہیں اس نے یادگار کے طور پر چھوڑا تھا، تاک وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے اس پر عمل کریں اور اگر وہ بری سنت تھی تو عمل کرنے والوں کے گناہوں کے برابر اس کے گناہ میں اضافہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی، اور اگر وہ اچھی سنت تھی تو ان ہی جیسے اجروثواب اس کے لئے بھی ہوں گے اور ان کے اجروثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: اگر چہ اللہ اور اس کے فرشتے انسان کو اس کے تمام اعمال سے آگاہ کریں گے، لیکن اس اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انسان خود اپنی حالت سے آگاہ ہے اور اس عظیم دن میں وہ خود اور اس کے اعضاء اس کی گواہی دیں گے۔''

''چاہے وہ ظاہر میں اپنے لئے کتنے ہی عذر تراشتا رہے''۔

یہ آیات حقیقت میں وہی چیز بیان کر رہی ہیں جو قرآن کی دوسری آیات میں انسان کے اعمال پر اس کے اعضاء کی گواہی

کے بارے میں آیا ہے، مثلاً سورۂ حم سجدہ کی آیہ ۲۰ میں آیا ہے۔

''ان کے کان اور آنکھیں اور بدن کی جلدان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔''

اس بناء پر قیامت کی اس عظیم عدالت میں انسان کے اعمال کا بہترین گواہ وہ خود ہی ہے، کیونکہ وہ اپنی حالت سے سب سے زیادہ آگاہ ہے، اگرچہ اللہ نے تمام حجت کے طور پر بہت سے دوسرے گواہ بھی اس کے لئے تیار کئے ہیں۔

زیر بحث آیات کا مفہوم اس دنیا کو بھی شامل ہے یہاں بھی لوگ اپنے حال سے آگاہ ہیں، اگرچہ کچھ لوگ جھوٹ موٹ اسے پس پشت ڈال کر، ظاہر سازی اور ریاکاری سے اپنے حقیقی چہرے کو چھپا لیتے ہیں۔

(۱۶) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ	اس قرآن کو پڑھنے میں جلدی کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دے۔
(۱۷) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚۖ	کیونکہ اس کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔
(۱۸) فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ	اور جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر اس کی پیروی کر۔
(۱۹) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ	پھر اس کی وضاحت کرنا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

تفسیر

قرآن کا جمع کرنا اور اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔

یہ آیات حقیقت میں جملہ معترضہ کے طور پر آئی ہیں، جسے گفتگو کرنے والا اپنی گفتگو کے درمیان لاتا ہے،

اللہ نے قیامت، مومنین اور کفار کے حالات کے بارے میں جو سلسلہ گفتگو تھا، اسے وقتی طور پر چھوڑ دیا ہے اور اپنے پیغمبر کو قرآن کے بارے میں، ایک مختصر سی یاددہانی کراتا ہے، اور فرماتا ہے: ''اپنی زبان کو اس کے پڑھنے میں جلدی کرنے کے لئے حرکت نہ دے۔''

اس آیت کی تفسیر ابن عباس سے کتب حدیث وتفسیر میں بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شدید عشق اور لگاؤ کی بناء پر، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کو حاصل کرنے اور اسے حفظ کرنے کے بارے میں رکھتے تھے، جب وحی لانے والا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرآنی آیات کو پڑھتا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو حرکت دیتے تھے اور جلدی کرتے تھے، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کیا کہ یہ کام نہ کیجئے ہم خود اسے تیرے لئے جمع کر رہے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس کو جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے''۔
''اور جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس کی پیروی کر اور اسے پڑھ''
''پھر اس کو بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔''

اس بناء پر قرآن کا جمع کرنا، اور اس کی تیرے سامنے تلاوت کرنا اور اس کے معانی کی توضیح و تفصیل بتانا، یہ تینوں امور ہمارے ذمہ ہیں۔ لہٰذا تو کسی طرح بھی اس سلسلہ میں پریشان نہ ہو، جس ہستی نے اس وحی کو نازل کیا ہے، وہی تمام مراحل میں اس کا محافظ ہے۔

ضمنی طور پر یہ آیات قرآن کی اصالت اور اس کی ہر قسم کی تحریف اور تبدیلی سے حفاظت کو بیان کرتی ہیں، کیونکہ اللہ نے اس کے جمع کرنے اس کی تلاوت کرنے اور اس کی معانی کی وضاحت و تشریح کرنے کا وعدہ دیا ہے۔

(۲۰) كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ	جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ایسا نہیں ہے بلکہ تم جلدی گزر جانے والی دنیا کو دوست رکھتے ہو۔
(۲۱) وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ	اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔
(۲۲) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ	اس دن کچھ چہرے تو شاداب و مسرور ہوں گے۔
(۲۳) اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ	اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے۔
(۲۴) وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۙ	اور اس دن کچھ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔
(۲۵) تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ	کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے بارے میں ایسا عذاب انجام پائے گا، جو کمر کو توڑ کر رکھ دے گا۔

تفسیر

میدانِ محشر میں کچھ چہرے ہنستے ہوئے، اور کچھ بگڑے ہوئے ہوں گے

ان آیات میں دوبارہ معاد و قیامت سے مربوط مباحث کو شروع کرتا ہے قیامت کی کچھ خصوصیات اسی طرح معاد کے انکار کے علل و اسباب کو بیان کرتا ہے، فرماتا ہے: اس طرح نہیں ہے کہ معاد و قیامت کے دلائل مخفی ہوں اور تم اس کی حقانیت تک نہ پہنچ سکتے ہو، ''بلکہ تم اس جلدی گزر جانے والی دنیا کو دوست رکھتے ہو''

''اوراسی بناء پرتم آخرت کوچھوڑے ہوئے ہو''

معاد کے انکار کی اصلی وجہ، اللہ کی قدرت ''بوسیدہ ہڈیوں'' کو جمع کرنے اور پراگندہ مٹی کو اکٹھا کرنے میں شک اور تردد نہیں ہے بلکہ دنیا اور سرکش شہوات اور ہوس رانیوں کے ساتھ تمہارا شدید لگاؤ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ تم ہر قسم کے موانع اور رکاوٹوں کو اپنے راستے سے ہٹا دو، اور چونکہ معاد اور اللہ کے امر و نہی کو قبول کر لینا اس راستے میں بہت سے موانع اور رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے اس لئے یہ لوگ اصل مطلب کے انکار کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آخرت کو کلی طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ دونوں آیات حقیقت میں اسی چیز کی ایک تاکید ہے جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے، جس میں فرمایا تھا:

اس کے بعد اس دن نیکوکار مومنین اور بدکار کفار کو بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: ''اس دن کچھ صورتیں ہنسی خوشی اور نورانی وخوبصورت ہوں گی۔''

یہ تو مادی جزاؤں کے لحاظ سے ہے، لیکن ان کی روحانی جزاؤں کے بارے میں فرماتا ہے ''وہ صرف اپنے پروردگار کی پاک ذات کی طرف دیکھیں گے''۔

دل کی آنکھ اور شہود باطنی کا دیدار، وہ دیدار جس سے وہ اس بے مثال ذات اور اس کمال و جمال مطلق کے مجذوب بن جائیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو خداوند عالم فرمائے گا، کیا تم کوئی اور چیز چاہتے ہو، جس کا میں تمہارے لئے اضافہ کروں؟''

وہ کہیں گے: (پروردگارا! تو نے ہمیں سب کچھ دیا ہے) کیا تو نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور جہنم سے رہائی نہیں بخشی؟

اس وقت تمام پردے ہٹ جائیں گے (اور وہ اللہ کا چشم دل سے مشاہدہ کریں گے) اور اس حالت میں ان کے نزدیک کوئی چیز اسے پروردگار کی طرف نگاہ کرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔

''مومنین کے اس گروہ کے مقابلہ میں ایک ایسا گروہ بھی ہوگا جن کے چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے''

بہرحال جس وقت وہ لوگ عذاب کی نشانیوں کو دیکھیں گے اور اپنے نامۂ اعمال کو نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے بھرا ہوا پائیں گے تو سخت پریشان، رنجیدہ وغمگین ہوں گے اور منہ چڑھالیں گے۔

انہیں معلوم ہے کہ وہ سخت عذاب جوان کی کمر کو توڑ ڈالے گا ان پر واقع ہو کر رہے گا۔

یہ تعبیر ان سنگین اور سخت سزاؤں سے کنایہ ہے جو دوزخ میں اس گروہ کے انتظار میں ہیں، یہ گروہ کمر شکن عذابوں کا منتظر ہے جبکہ سابقہ گروہ پروردگار کی رحمت کے انتظار میں ہے اور محبوب کی ملاقات کے لئے آمادہ ہے۔ ان کے لئے بدترین عذاب ہے اور ان کے لئے بدترین جسمانی رحمت، نعمت اور روحانی لذت ہے۔

(۲۶) كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ	اس طرح نہیں ہے، جب تک اس کی جان گلے تک نہ پہنچے، وہ ایمان نہیں لائے گا۔
(۲۷) وَ قِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۙ	اور یہ کہا جائے گا: کیا کوئی ہے جو اس بیمار کو موت سے نجات دے؟!
(۲۸) وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ	اور دنیا سے فراق کا یقین پیدا کرے؟
(۲۹) وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ	اور پاؤں کی پنڈلیاں (جان کنی کی شدت سے) ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھائیں۔
(۳۰) اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ ۜ	(ہاں) اس دن سب کا راستہ تیرے پروردگار (کی عدالت) کی طرف ہی ہوگا۔

تفسیر

دوسرے عالم اور مومنین و کفار کی سرنوشت سے مربوط مباحث کو جاری رکھتے ہوئے، ان آیات میں، موت کے دردناک لمحہ کے بارے میں گفتگو ہے جو دوسرے جہان کا ایک دریچہ ہے۔

فرماتا ہے: ''اس طرح نہیں ہے، جب تک اس کی جان اس کے گلے تک نہ پہنچ جائے، وہ ایمان نہیں لائے گا۔''

اس دن اس کی برزخی آنکھ کھل جائے گی، حجاب اور پردے ہٹ جائیں گے اور وہ عذاب و کیفر کردار کی نشانیاں دیکھیں گے اور اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں گے اور اس لمحہ میں وہ ایمان لے آئیں گے لیکن وہ ایسا ایمان ہوگا جو ان کی حالت کے لئے ہرگز مفید نہیں ہوگا۔

اس موقع پر اس کے اردگرد لوگ بوکھلا کر پریشان ہو جاتے ہیں اور اس کی نجات کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ''اور یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی ہے جو آ کر اس بیمار کو نجات دے''۔

یہ بات عجز، ناامیدی اور بے چارگی کی بناء پر کہتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اب کام بس سے باہر ہو گیا ہے، اور طبیب سے بھی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

بعد والی آیت میں ''محتضر'' کی مکمل مایوسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اس حالت میں وہ زندگی سے مطلق طور پر مایوس ہو جائیگا اور اسے دنیا کے فراق اور جدائی کا یقین ہو جائے گا۔''

''اور پاؤں کی پنڈلیاں ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھائیں گی اور موت کا لمحہ آن پہنچے گا۔''

ان کا ایک دوسرے کے ساتھ پیچ کھانا یا تو جان کنی کی تکلیف کی شدت کی وجہ سے ہوگا، یا ہاتھ پاؤں کے بیکار ہو جانے اور ان سے روح کے نکل جائے کے نتیجہ میں ہوگا۔

قرآن سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لمحہ سخت اور دردناک لمحہ ہے۔

لیکن اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لمحہ سچے مومنین پر آسانی کے ساتھ گزر جائے گا، جبکہ بے ایمان افراد کے لئے سخت دردناک ہوگا۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''موت مومن کے لئے تو بہت ہی خوشبودار عطر کی مانند ہے، جسے سونگھنے سے نیند کے مانند کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے اور درد اور تکلیف کلی طور پر اس سے منقطع ہو جاتا ہے اور کافر کے لئے سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے کی مانند ہے یا اس سے بھی زیادہ شدید''۔

آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے: ''اس دن تمام مخلوق کی بازگشت تیرے پروردگار کی عدالت کی طرف سے ہوگی۔''

ہاں! سب کے سب اسی کی طرف لوٹیں گے اور اس کی دادگاہ عدل میں حاضر ہوں گے اور تمام راستے اس پر جا کر ختم ہو جائیں گے۔

یہ آیت مسئلہ معاد و قیامت اور بندوں کی عمومی رستاخیز پر ایک تاکید بھی ہے اور اس کی ذات پاک کی طرف مخلوق کی حرکت تکاملی کے رخ کرنے کا اشارہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر لحاظ سے غیر متناہی ہے۔

(۳۱) فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ۙ	وہ ہرگز ایمان نہیں لایا اور نہ اس نے نماز پڑھی۔
(۳۲) وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ۙ	بلکہ اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔
(۳۳) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ؕ	پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف متکبرانہ چال سے قدم اٹھاتے ہوئے پلٹ گیا۔
(۳۴) اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۙ	عذاب الٰہی تیرے لئے زیادہ شائستہ ہے، زیادہ شائستہ۔
(۳۵) ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ؕ	پھر بھی عذاب الٰہی ہی تیرے لئے زیادہ شائستہ ہے، زیادہ شائستہ۔
(۳۶) اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی ؕ	کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی بلاوجہ اور بغیر کسی مقصد کے چھوڑ دیا جائے گا؟

(۳۷) اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ۙ	کیا وہ اس منی کا نطفہ نہیں تھا جو رحم میں ڈالا جاتا ہے؟
(۳۸)ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۙ	پھر اس نے جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کر لی۔ پھر اس کو خلق کیا اور موزوں بنایا۔
(۳۹)فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ؕ	اور اس سے دو جوڑے مذکر و مؤنث بنائے۔
(۴۰)اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾	کیا ایسی ہستی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کردے؟

تفسیر

وہ اللہ جس نے انسان کو ایک ناچیز نطفہ سے پیدا کیا

موت سے مربوط مباحث کو جاری رکھتے ہوئے، جو سفر آخرت کا پہلا قدم ہے اور وہ گزشتہ آیات میں آچکے ہیں، زیر بحث آیات میں، کافروں کے اس توشۂ مسافرت سے خالی ہاتھ ہونے کی بات کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''یہ منکر معاد انسان ہرگز ایمان نہیں لایا، نہ ہی اس نے آیات اللہ کی تصدیق کی، اور نہ ہی اس کے لئے نماز پڑھی''

''بلکہ اس نے تکذیب کی راہ اختیار کی، اور حکم اللہ کی طرف سے پشت پھیر لی''

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''پھر وہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ گیا جبکہ وہ متکبرانہ چال کے ساتھ چل رہا تھا''

وہ اس گمان میں کہ اس نے بے اعتنائی اور پیغمبر اور آیات الٰہی کی تکذیب کی بجائے پر اہم کامیابی حاصل کر لی ہے۔ بادۂ غرور سے مست اپنے گھر والوں کی طرف آ رہا تھا تاکہ معمول کے مطابق ان افتخار آمیز مسائل کو جو گھر سے باہر رونما ہوئے تھے ان کے سامنے بیان کرے، یہاں تک کہ اس کا چلنا اور اس کے جسم کے اعضاء کی حرکت، سب ہی اس کے کبر و غرور کو بیان کر رہے تھے۔

پھر اس قسم کے بے ایمان افراد کو مخاطب کرتے ہوئے تہدید کے طور سے کہتا ہے: ''عذاب الٰہی تیرے لئے زیادہ مناسب ہے اور زیادہ مناسب ہے''۔

''پھر بھی عذاب الٰہی ہی تیرے لئے زیادہ مناسب ہے اور زیادہ مناسب ہے۔''

روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کا ہاتھ پکڑا (اور بعض روایات کے مطابق اس کا گریبان پکڑا) اور فرمایا:

اولیٰ لک فاولیٰ ثم اولیٰ لک فاولیٰ

تو ابوجہل نے کہا:

''مجھے کس چیز کی دھمکی دیتے ہو تم اور تمہارا پروردگار مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، میں اس سرزمین کے قدرت مندترین افراد میں سے ہوں''

اس موقع پر یہی جملے پیغمبر پر آیات کی صورت میں نازل ہوئے۔

اس کے بعد قیامت کے بارے میں دو بہت ہی عمدہ استدلال پیش کرتا ہے، جن میں سے ایک تو ''خلقت کے ہدف اور اللہ کی حکمت'' کے بیان کے طریق سے ہے اور دوسرا عالم جنین کے مختلف مراحل نطفہ کی تبدیلیوں اور تکامل وارتقاء کے استناد سے اس کی قدرت کے بیان کے طریق سے۔

پہلے فرماتا ہے: ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے فضول اور بے مقصد چھوڑ دیا جائے گا۔''

اس آیت میں ''انسان'' سے مراد وہی انسان ہے، جو معاد وقیامت کا منکر ہے، آیت کہتی ہے کہ اسے کیسے یقین آ گیا کہ اللہ نے اس وسیع وعریض عالم کو تو اس عظمت اور ان تمام عجائبات کے ساتھ انسان کے لئے پیدا کیا ہے، لیکن خود انسان کی خلقت میں کوئی ہدف اور مقصد نہ رکھا ہو۔ یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ انسان کے اعضاء میں سے ہر عضو تو کسی خاص ہدف اور مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔ لیکن اس کے پورے وجود کا کوئی ہدف ومقصد نہ ہو۔

اس کے بعد دوسری دلیل کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''کیا انسان ابتداء میں منی کا ایک نطفہ نہیں تھا، جو رحم میں ڈالا جاتا ہے''،

''پھر اس مرحلہ کے بعد جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کی اور اللہ نے اسے نئی خلقت بخشی اور موزوں بنایا''۔

''پھر اس مرحلہ میں بھی متوقف نہ رہا، اللہ نے اسی نطفہ سے دو جفت مرد وعورت پیدا کیے''

کیا وہ ہستی، جو ایک چھوٹے سے حقیر وناچیز نطفہ کو ظلمت کدہ رحمِ مادر میں، ہر روز ایک نئی آفرینش عطا کرتی ہے اور حیات وزندگی کا ایک نیا لباس اسے پہناتی ہے، اور ایک نئے سے نیا چہرہ اسے دیتی ہے، یہاں تک کہ وہ ایک کامل مذکر ومؤنث انسان ہو جاتا ہے

یہ بیان حقیقت میں ایسے منکرین کے مقابلہ میں ہے جو معاد جسمانی کے مسئلہ میں عام طور پر اس کے محال ہونے کا دم بھرتے ہیں اور مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد زندگی کی بازگشت کے امکان کی نفی کرتے ہیں۔

سورۂ دھر

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی
اوراس کی ۳۱ آیات ہیں۔

سورۂ دہر کے مضامین

یہ سورہ مختصر ہونے کے باوجود عمیق، متنوع اور جامع مقصد رکھتا ہے اور ایک لحاظ سے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے حصہ میں انسان کی آفرینش اور اس کی نطفۂ امشاج (ملے جلے) سے خلقت اور پھر اس کی ہدایت اور ارادہ کی آزادی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

دوسرے حصہ میں ابرار اور نیک افراد کے اجر و ثواب کے بارے میں گفتگو ہے، جو اہل بیت کے بارے میں ایک خاص شان نزول رکھتا ہے، جس کی طرف اشارہ ہوگا۔

تیسرے حصہ میں ان ثوابوں کے استحقاق کے دلائل کو مختصر اور موثر جملوں میں بیان کرتا ہے۔

چوتھے حصہ میں قرآن کی اہمیت، اور اس کے احکام کے اجراء کے طریقہ اور خودسازی کی نشیب و فراز سے بھری ہوئی راہ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اور پانچویں حصہ میں (انسان کے مختار ہونے کے باوجود) مشیت الٰہی کی حاکمیت کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔

اس سورہ کے متعدد نام ہیں جن میں سے زیادہ مشہور سورہ ''انسان'' اور سورہ ''دہر'' ہل اتٰی'' ہے جن میں سے ہر ایک اس سورہ کے اوائل کے الفاظ سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ ان روایات میں جو بعد میں اس سور کی فضیلت کے متعلق بیان ہوں گے۔ صرف ''ھل اتی'' کا ذکر آیا ہے۔

سورۂ انسان (دہر) کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص ہر جمعرات کی صبح کو سورہ ھل اتٰی پڑھے گا، اس کی جزاؤں میں سے ایک جزا یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے ساتھ ہوگا۔

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

(۱)هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا	کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر شئے نہیں تھا؟
(۲)اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ۖ نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا	ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے، ہم اس کو آزمائیں گے (اس لئے) ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا قرار دیا ہے۔
(۳)اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوۡرًا	ہم نے اسے راستے کی نشاندہی کردی ہے، اب چاہے وہ شاکر ہو جائے (اور قبول کرے) یا کفران کرے۔
(۴)اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِيۡرًا	ہم نے کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور جلانے والے شعلے تیار کر رکھے ہیں۔

تفسیر

ہم نے ناچیز نطفہ کو انسان بنادیا، اور ہدایت کے تمام ذرائع اس کے اختیار میں دے دیئے

اس کے باوجود کہ اس سورہ کے زیادہ تر مباحث قیامت اور جنت کی نعمتوں کے بارے میں ہیں، لیکن اس کی ابتداء میں گفتگو انسان کی خلقت کے بارے میں ہے۔

فرماتا ہے: ''کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان پر ایک طویل زمانہ ایسا گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔''

یہاں ''انسان'' سے مراد نوع انسانی ہے، اور یہ تمام افراد بشر کو شامل ہے۔

بہر حال اس مرحلہ کے بعد انسان کی خلقت اور اس کے قابل ذکر موجود ہونے کی بات آتی ہے، فرماتا ہے: ''ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا ہے اور ہم اس کو آزمائیں گے لہٰذا ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا قرار دیا ہے۔''

''نطفہ مخلوط'' سے انسان کی خلقت، ممکن ہے کہ عورت اور مرد کے نطفہ کے ملنے اور ''اسپرز'' اور ''اوول'' کی ترکیب کی طرف اشارہ ہو، جیسا کہ روایات اہل بیت علیہم السلام میں اجمالی طور پر اسکی طرف اشارہ ہوا ہے۔ یا نطفہ کی ترکیب میں مختلف مواد کے اختلاط کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ دسیوں مختلف مادوں سے مل کر بنا ہے یا ان سب کا ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط، آخری معنی سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ ہے۔

" نبتلیه" کا جملہ انسان کے "تکلیف و ذمہ داری" تعہد ومسئولیت اور آزمائش وامتحان کے مقام تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔

اور چونکہ آزمائش اور تکلیف " آگاہی اور علم" کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لئے آیت کے آخر میں شناخت اور معرفت کے آلات، آنکھ اور کان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس نے انسانوں کے اختیار میں دے دیئے ہیں۔

چونکہ انسان کی تکلیف وذمہ داری اور آزمائش، علم وآگاہی اور آلات شناخت کے علاوہ دو اور عوامل کی محتاج ہے۔ یعنی مسئلہ " ہدایت" و" اختیار" اس لئے بعد والی آیت میں ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: "ہم نے اسے راستہ کی نشاندہی کردی ہے، اب چاہے وہ شاکر ہو جائے اور اسے قبول کرلے، یہ کفران کر کے قبول نہ کرنے والا بن جائے"

" هدایت" یہاں ایک وسیع وعریض معنی رکھتا ہے جو " ہدایت تکوینی" کو بھی شامل ہے اور " ہدایت فطری" اور " ہدایت تشریعی" کو بھی اگرچہ آیت کا سیاق زیادہ تر ہدایت تشریعی کی طرف ہے۔

آخری زیر بحث آیت میں، ان لوگوں کی سرنوشت کی طرف جو کفر وکفران کا راستہ طے کرتے ہیں، ایک مختصر اور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: "ہم نے کفار کے لئے زنجیریں طوق اور جلانے والے شعلے تیار کر رکھے ہیں۔

غل وزنجیر کا ذکر اور اس کے بعد آگ کے جلانے ولاے شعلوں کا تذکرہ، اس گروہ کی بہت بڑی سزا کو بیان کرتے ہیں، جس کی طرف قرآن کی دوسری آیات میں بھی اشارہ ہوا ہے، اور اس میں " عذاب" اور " اسارت" دونوں جمع ہیں۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوۡرًا ۚ	ابرار (نیک لوگ) ایسے پیالوں سے پئیں گے، جس میں عمدہ عطر کی آمیزش ہوگی۔
(٦)عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِیۡرًا	وہ ایسا چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے اور وہ اسے جہاں چاہیں گے جاری کرلیں گے۔
(٧)یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِیۡرًا	وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے کہ جس کا عذاب وسیع ہوگا، ڈرتے رہتے ہیں۔
(٨)وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا	اور " اپنا" کھانا، اس کی خواہش اور احتیاج رکھنے کے باوجود، مسکین ویتیم واسیر کو دے دیتے ہیں۔

(۹)اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا	(اور وہ یہ کہتے ہیں:) ہم تو تمہیں اللہ کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور ہم تم سے نہ تو کسی قسم کا کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ ہی ہم تم سے کسی شکریہ کے طلبگار ہیں۔
(۱۰)اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا	ہم تو اپنے پروردگار سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بہت ہی سخت اور شدید ہوگا۔
(۱۱)فَوَقٰهُمُ اللهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۚ	اسی وجہ سے اللہ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور ان کا اس حال میں استقبال کرے گا کہ وہ شادمان اور مسرور ہوں گے۔

شان نزول

اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کی فضیلت پر ایک عظیم سند

ابن عباس کہتے ہیں حسن وحسین علیہما السلام بیمار ہوئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی عیادت کے لئے آئے اور علی علیہ السلام سے کہا اے ابوالحسن بہتر یہ ہے کہ تم اپنے بچوں کی شفا کے لئے نذر مانو، تو علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہا السلام اور فضہ نے...... جوان کی خادمہ تھیں، نذر مانی، کہ اگر انہوں نے شفاء پائی تو وہ تین دن روزہ رکھیں گے۔ (بعض روایات کے مطابق حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام نے بھی کہا کہ ہم بھی نذر مانتے ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں گے)۔

زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ دونوں شفایاب ہوگئے لیکن حالت یہ تھی کہ ان کے پاس کھانے کا کوئی سامان موجود نہیں تھا۔ علی علیہ السلام نے تین صاع جو قرض لئے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اس میں سے ایک تہائی کا آٹا پیسا اور روٹیاں پکائیں، ایک سائل گھر کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم اہل بیت محمد علیہم السلام! (اے اہل بیت محمد علیہم السلام تم پر سلام ہو!) میں ایک مسلمان فقیر ومسکین ہوں مجھے کھانا دو، اللہ تمہیں بہشتی کھانے دے، ان سب نے مسکین کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اپنا اپنا حصہ اس کو دے دیا اور اس رات انہوں نے صرف پانی سے افطار کیا۔

دوسرے دن اسی طرح روزہ رکھا اور افطار کے وقت جب (اسی نان جویں کا) کھانا تیار ہوگیا تو ایک یتیم گھر کے

دروازے پر آیا، تو اس دن بھی ایثار کیا اور اپنا کھانا سے دے دیا (دوبارہ پھر پانی سے ہی افطار کیا اور تیسرا روزہ بھی رکھا)

تیسرے دن غروب آفتاب کے وقت ایک اسیر (قیدی) گھر کے دروازے پر آیا، پھر سب نے اپنے اپنے کھانے کا حصہ اسے دے دیا، جب صبح ہوئی تو علی علیہ السلام نے حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا: تمہاری یہ حالت جو میں دیکھ رہا ہوں میرے لئے بہت ہی گراں ہے۔ پھر آپ کھڑے ہوگئے اور ان کے ساتھ چل پڑے جب آپ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ مخدومہ محراب عبادت میں کھڑی ہیں اور بھوک کی شدت سے ان کا پیٹ پشت سے لگا ہوا ہے اور آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت دکھ ہوا۔

اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ سورہ لیجئے، اللہ ایسے اہل بیت کے لئے آپ کو مبارک باد دیتا ہے۔ اس کے بعد سورہ ''ھل اتی'' کی تلاوت کی، (بعض نے کہا ہے کہ آیہ ''ان الابرار'' سے لے کر ''کان سعیکم مشکوراً'' کی آیت تک، جو مجموعی طور پر اٹھارہ آیات ہیں اسی موقعہ پر نازل ہوئی ہیں)۔

ہم نے جو کچھ اوپر بیان کیا ہے، یہ اس حدیث کی نص ہے جو کتاب ''الغدیر'' میں اسی سلسلہ کی بہت سی روایات میں ''قدر مشترک'' کے عنوان سے، تھوڑے سے اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور اسی کتاب میں اہل سنت کے مشہور علماء میں سے ۳۴ افراد کے نام لکھے ہیں، جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے (کتاب کے نام اور اس کے صفحہ کے ذکر کے ساتھ)۔

اس طرح سے اوپر والی روایت ان روایات میں سے ہے جو اہل سنت میں مشہور بلکہ متواتر ہے۔

باقی رہے شیعہ علماء تو وہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ اٹھارہ آیات، یا یہ سارے کا سارہ سورہ، اوپر والے واقعہ میں نازل ہوا ہے اور سب نے بلا استثناء، تفسیر یا حدیث کی کتابوں میں، اس واقعہ سے مربوط روایت کو، علی علیہ السلام و فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کے بیٹوں کے افتخارات اور اہم فضائل میں سے ایک کے عنوان سے نقل کیا ہے۔

یہاں تک کہ .... جیسا کہ ہم نے سورہ کے آغاز میں بیان کیا تھا .... یہ مطلب اتنا مشہور و معروف ہے کہ شعراء کے اشعار اور حتیٰ کہ ''امام شافعی'' کے مشہور اشعار میں آیا ہے۔

تفسیر

ابرار کے لئے عظیم اجر

گزشتہ آیات میں، انسانوں کو دو گروہوں ''شکور'' و ''کفور'' اور ''کفران'' کرنے والوں ''میں تقسیم کرنے کے بعد، کفران

کرنے والوں کے لئے سخت سزا اور عذاب کا ایک مختصر سا اشارہ ہوا تھا۔ زیر بحث آیات میں شکر کرنے والوں اور ابرار (نیک و پاک) لوگوں کی جزا کو بیان کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں بہت ہی عمدہ نکات پیش کرتا ہے۔

بہر حال اوپر والی آیت بتاتی ہے کہ جنت کی یہ شراب طہور بہت ہی معطر اور خوشبودار ہے، جس سے قوت ذائقہ بھی لذت حاصل کرتی ہے اور قوت شامہ بھی۔

اس کے بعد اس سر چشمہ کی طرف جس سے شراب طہور کا یہ جام پر ہوتا ہے، اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''یہ ایک خاص چشمہ ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے اور اسے جہاں چاہیں گے، جاری کرلیں گے''

ہاں! یہ شراب طہور کا چشمہ کچھ اس طرح سے ابرار اور عباد اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ جہاں کہیں سے ارادہ کریں گے وہیں سے پھوٹ پڑے گا اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اس کی تعریف وتوصیف میں فرمایا:

''یہ ایک ایسا چشمہ ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں ہے اور وہاں سے تمام انبیاء اور مومنین کے گھروں میں جاری ہوگا''۔

ہاں! جس طرح دنیا میں علم ورحمت کے چشمے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے اللہ کے بندوں اور نیک لوگوں کی طرف جاتے ہیں آخرت میں بھی جو اس پروگرام کا ایک عظیم تجسم ہے۔ اللہ کی شراب طہور کا چشمہ اسی بیت وحی سے پھوٹے گا، اور اس کی شاخیں مومنین کے گھروں تک جائیں گی۔

اس شراب کے پیتے ہی ہر قسم کے غم واندوہ، پریشانی اور آلائش کو اپنی جان سے دھوڈالیں گے۔

بعد والی آیت میں ان اعمال واوصاف کا ذکر کرتا ہے و''ابرار'' اور ''عباد اللہ'' میں پائے جاتے ہیں، پانچ صفات کا ذکر کرنے کے ساتھ ان بے مثل وبے نظیر نعمتوں کے لئے ان کے استحقاق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ اپنی نذر کو پورا کرتے ہیں''۔

''اور اس دن سے کہ جس کا شر اور عذاب پھیلا ہوا ہوگا، ڈرتے ہیں''

اس دن عظیم دن کے شر سے، مسئلہ معاد کے بارے میں ان کے ایمان، اور حکم خدا کے مقابلہ میں شدید احساس مسئولیت کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد ان کے تیسرے اچھے عمل کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ اپنا کھانا اس کی ضرورت واحتیاج ہونے کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو دے دیتے ہیں۔''

ان کا کھانا کوئی آسان بات نہیں ہے، بلکہ شدید ضرورت اور احتیاج کے وقت میں ایثار و قربانی کے ساتھ وابستہ ہے، اور دوسری طرف وہ ایک ایسا وسیع پیمانہ کا کھانا کھلانا ہے جو کئی قسم کے ضرورت مندوں، مسکین، یتیم و اسیر کو شامل ہے، تو اس طرح سے ان کی رحمت عام اور ان کی خدمت وسیع ہے۔

بہر حال اوپر والی آیت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ بہترین اعمال میں سے ایک عمل محروم اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلانا ہے، نہ صرف مسلمان ضرورت مند بلکہ بلا دشرک کے اسیر بھی اسلام کے اس حکم کے ماتحت آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو کھانا کھلانا ''ابرار'' کے عمدہ کاموں میں سے ایک عمدہ کام شمار ہوا ہے۔

ابرار کا چوتھا عمدہ عمل اخلاص کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف اللہ کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے نہ تو اس کا کوئی اجر مانگتے ہیں، اور نہ ہی کسی شکریہ کے طالب ہیں''

یہ پروگرام مسئلہ اطعام پر ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ ان کے تمام اعمال مخلصانہ اور اللہ کی پاک ذات کے لئے ہوتے تھے، اور وہ لوگوں کی طرف سے کسی اجر کی امید، بلکہ ان کی طرف سے کسی قدر دانی اور تشکر کی تمنا بھی نہیں کرتے، اور اسلام میں اصولی طور پر عمل کی قدر و قیمت خلوص نیت پر ہے، ورنہ وہ اعمال جو غیر اللہ کے لئے کئے جائیں ان کی کوئی معنوی اور خدائی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اور ''ابرار'' کی آخری توصیف میں فرماتا ہے: ''وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے پروردگار سے اس دن کے لئے خائف ہیں جو بہت ہی سخت اور شدید ہوگا۔

روز قیامت کی ''عبوس'' اور ''سخت'' دن کے ساتھ تعبیر، جبکہ عبوس انسان کی ایک صفت ہے اور ایسے افراد کو کہتے ہیں، جن کے چہرے بگڑ جائیں، یہ اس دن کی وحشت ناک وضع و کیفیت کی تاکید کے لئے ہے، یعنی اس دن کے حوادث اس قدر سخت اور تکلیف دہ ہیں کہ نہ صرف انسان اس دن عبوس اور ترش رو ہوں گے، بلکہ گویا خود وہ دن بھی عبوس اور بگڑے ہوئے چہرہ والا ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں ''ابرار'' کے نیک اعمال اور پاک نیتوں کے اجمالی نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: '' انہیں امور کی بناء پر اللہ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور ان کا مسرت و شادمانی کی حالت استقبال کرے گا۔۔

اس بناء پر اگر وہ دنیا میں اس دن کے احساس مسئولیت سے خوف زدہ تھے، تو اللہ اس کے بدلے میں انہیں قیامت کے دن سرور و شادمانی میں غرق کر دے گا۔

(۱۲) وَ جَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۙ	اللہ ان کے صبر کرنے کے صلہ میں بطور جزا انہیں جنت اور بہشت کے ریشمی لباس عطا کرے گا۔

(۱۳)مُّتَّکِئِیۡنَ فِیۡهَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ۚ لَا یَرَوۡنَ فِیۡهَا شَمۡسًا وَّ لَا زَمۡهَرِیۡرًا ۚ	وہ اس (جنت) میں خوبصورت تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ وہاں وہ سورج کو دیکھیں گے اور نہ ہی سخت سردی کو۔
(۱۴)وَ دَانِیَةً عَلَیۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِیۡلًا	اوران (بہشتی درختوں) کے سائے ان کے اوپر پڑ رہے ہوں گے، اوران کے پھلوں کو توڑنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہوگا۔
(۱۵)وَ یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ بِاٰنِیَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَکۡوَابٍ کَانَتۡ قَوَارِیۡرَا۠ ۙ	اوران کے گرداگرد چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کو گردش دے رہے ہوں گے۔
(۱۶)قَوَارِیۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِیۡرًا	چاندی کے بلوریں ظروف، جنہیں ضروری اندازوں کے مطابق تیار کیا ہوا ہوگا۔
(۱۷)وَ یُسۡقَوۡنَ فِیۡهَا کَاۡسًا کَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِیۡلًا ۚ	اور وہاں ایسے پیالوں سے سیراب کیا جائے جو ایسی شراب طہور سے لبریز ہوں گے، جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔
(۱۸)عَیۡنًا فِیۡهَا تُسَمّٰی سَلۡسَبِیۡلًا	بہشت کے ایک چشمہ سے جس کا نام سلسبیل ہے۔

(۱۹)وَ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا	اوران کے گرد ہمیشہ رہنے والے نوجوان (پذیرائی کے لئے) گردش میں ہوں گے، جس وقت تو انہیں دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔
(۲۰)وَ إِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَّ مُلْكًا كَبِيرًا	اور جس وقت تو اس جگہ کو دیکھے، تو پھر تو نعمتوں اور ایک ملک عظیم کو دیکھے گا۔
(۲۱)عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّ إِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّ حُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا	ان (بہشتیوں) کے جسموں پر نازک سبز رنگ کے ریشمی اور دیباج کے لباس ہوں گے، اورانہوں نے چاندی کے دست بند پہنے ہوئے ہوں گے اور ان کا پروردگار انہیں شراب طہور پلائے گا۔
(۲۲)إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَّ كَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ۚ	یہ تو تمہاری جزا ہے اورتمہاری سعی وکوشش لائق قدردانی ہے۔

تفسیر

بہشت کی عظیم جزائیں

گزشتہ آیات میں ''ابرار اور نیک افراد'' کے قیامت کے دن کے دردناک عذاب سے نجات پانے اورلقائے محبوب کو پہنچنے، اور سرور وشادمانی میں غرق ہونے کی طرف اجمالی اشارہ کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں ان بہشتی نعمتوں کی تشریح کرتا ہے وران آیات میں کم ازکم پندرہ نعمتوں کوشمار کرتا ہے۔

سب سے پہلے ان بہشتیوں کے مکان اورلباس کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، اورفرماتا ہے: ''اللہ ان کے صبر وشکیبائی کے صلہ میں انہیں جنت اورریشمی لباس وفرش جزا کے طور پر دے گا۔''

نہ صرف ان آیات میں بلکہ قرآن کی دوسری آیات میں بھی اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کی جزائیں، انسان کے صبر وشکیبائی کے مقابلہ میں ہیں (اطاعت کی راہ میں صبر کرنا اور مشکلات ومصائب کے مقابلہ میں صبر کرنا)۔

سورہ رعد کی آیہ ۲۴ میں آیا ہے کہ فرشتے جنتیوں کو اس طرح خوش آمدید کہیں گے:

''اس صبر واستقامت پر جو تم نے کیا تم پر سلام ہے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''وہ اس میں خوبصورت تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ وہاں سورج کی گرمی ہوگی اور نہ ہی ہوا کی سردی لگے گی''

نہ یہ کہ سورج اور چاند وہاں موجود ہی نہ ہوں گے، بلکہ سورج کی تکلیف دینے والی تپش نہیں ہوگی، کیونکہ وہاں جنت کے درختوں کا سایہ ہوگا۔

اہلسنت کے مشہور مفسر ''آلوسی'' ''روح المعانی'' میں ابن عباس سے ایک حدیث اس طرح نقل کرتے ہیں۔:

''جب بہشتی، بہشت میں داخل ہوں گے تو اچانک سورج کی روشنی کی مانند ایک روشنی مشاہدہ کریں گے، جو جنت کے منظر کو روشن کر دے گی، جنت والے رضوان (جنت پر مامور فرشتہ) سے کہیں گے: یہ نور کیسا ہے حالانکہ ہمارے پروردگار نے فرمایا، کہ جنت میں نہ تو سورج کو دیکھیں گے اور نہ ہی سردی کو، تو وہ جواب میں کہے گا، یہ سورج اور چاند کا نور نہیں ہے، یہ تو علی علیہ السلام اور فاطمہ علیہا السلام ہنسے ہیں، اور جنت ان کے دانتوں کے نور سے روشن ہوگئی ہے۔''

بعد والی آیت ان نعمتوں کے بیان کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتی ہے: ''اور ان بہشتی درختوں کے سائے اور ان کے اوپر پڑ رہے ہوں گے اور ان کے پھلوں کو توڑنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہوگا۔''

نہ تو کوئی مشکل پیش آتی ہے، نہ ہاتھ میں کوئی کانٹا چبھتا ہے اور نہ ہی پھلوں کو توڑنے کے لئے کوشش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی کہیں چل کر جانے کی۔

بعد والی آیت میں اللہ کے ان جنتی مہمانوں کی پزیرائی کی کیفیت کے ایک حصہ کی وضاحت، ان کی پذیرائی کے وسائل اور پذیرائی کرنے والوں کی حالت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ''ان کے گرداگرد چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کو گردش دے رہے ہوں گے۔''

''چاندی کے بلوریں ظروف، جنہیں ضروری اندازوں کے مطابق تیار کیا ہوگا۔''

ان برتنوں میں جنت کے انواع واقسام کے کھانے، اور ان بلوریں پیالوں میں انواع واقسام کے لذت بخش اور نشاط آفرین مشروبات جتنی مقدار وہ چاہیں گے اور پسند کریں گے موجود ہوں گے اور جنت کے خدمت گار مسلسل ان کے گرداگرد گھوم رہے

ہوں گے،اوران کے سامنے پیش کررہے ہوں گے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''وہاں ایسے پیالوں سے سیراب ہوں گے جوشراب طہور سے لبریز ہوں گے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔''

بہت سے مفسرین نے تصریح کی ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب ایسی شراب سے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوتی تھی،لذت حاصل کرتے تھے، کیونکہ اس سے ایک خاص قسم کی تیزی شراب میں آجاتی تھی،اورقرآن یہاں ایسے جاموں کی بات کرتا ہے،جس کی شراب طہور میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی،لیکن بات واضح ہے کہ اس شراب اوراس شراب میں زمین آسمان کا فرق ہے یا دوسرے لفظوں میں دنیااور آخرت کا فرق ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''یہ جام بہشت کے ایک چشمے سے پر کئے جاتے ہیں، جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔''

''سلسبیل'' بہت ہی لذیز قسم کے مشروب کو کہتے ہیں، جو آرام کے ساتھ منہ اور گلے سے اُترتا ہے اور بڑا ہی خوش گوار ہوتا ہے۔

اس کے بعداس پرسرور بزم کی پذیرائی کرنے والوں کے بارے میں............جو بہشت بریں میں حق تعالی کے جوار رحمت میں برپا ہوگی............گفتگوکرتے ہوئے کہتا ہے:''اوران کے گرد ہمیشہ رہنے والے نوجوان گردش میں ہوں گے، جب تو انہیں دیکھے گا،تو گمان کرے گا کہ وہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔''

وہ خودبھی جنت میں ہمیشہ رہیں گےاوران کی جوانی کی طراوت وزیبائی اورنشاط وخوشی بھی جاودانی اور ہمیشہ رہے گی اوران کا پزیرائی کرنا بھی،

''لو لوأ منشوراً'' (بکھرے ہوئے موتی) کی تعبیران کی خوبصورتی وزیبائی،صفاودرخشندی اور جاذبیت کی طرف بھی اشارہ ہےاوراس روحانی بزم خداوندی میں،ان کے ہرجگہ پرحاضررہنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اور چونکہ دوسرے جہان کی نعمتوں کی تعریف وتوصیف ہوہی نہیں سکتی، چاہے الفاظ کتنے ہی گویا اور رسا کیوں نہ ہوں،لہٰذا بعدوالی آیت میں سربستہ طور پرمزید کہتا ہے:''اورجس وقت تو وہاں دیکھے گا تو پھر بہت سی نعمتوں اورایک ملک عظیم کودیکھے گا۔''

یہاں تک جنت کی نعمتوں کے ایک حصہ کی طرف جومکانوں،پلنگوں،سایوں،پھلوں،مشروبات،برتنوں اور پذیرائی کرنے والوں کی قسم سے ہیں اشارہ ہوا ہے،اب جنتیوں کی زینت وآراستگی کے وسائل کی نوبت ہے،فرماتا ہے:

''ان کے جسموں پرسبزرنگ کے ریشمی اوردیبا کے لباس ہوں گے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''اوران کی چاندی کے دست بندوں کے ذریعہ تزئین کی گئی ہوگی''

ایسی صاف شفاف چاندی، جو بلور کی طرح چمکتی ہے، اور یاقوت، دُر اور مروارید سے زیادہ خوبصورت ہے۔

اور بالآخر آیت کے آخر میں نعمتوں کے اس سلسلہ کی آخری اور اہم ترین نعمت کے عنوان سے فرماتا ہے: ''اور ان کا پروردگار انہیں شراب طہور پلائے گا۔''

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''ان کے دل وجان کو اللہ کے علاوہ ہر چیز سے پاک کردے گی۔''

ایک حدیث جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ شراب طہور کا چشمہ جنت کے دروازے پر واقع ہے:

''انہیں اس شراب طہور کا ایک گھونٹ پلایا جائے گا اور اللہ اس کے ذریعہ سے ان کے دلوں کو حسد (ہر قسم کے صفات رذیلہ سے) پاک کردے گا۔

اور آخری زیر بحث آیت میں، اس سلسلہ میں آخری بات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ کی طرف سے انہیں کہا جائیگا: یہ عظیم نعمتیں اور بے نظیر مواہب تمہارے اعمال کا اجر ہیں، اور حق تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کی راہ میں تمہاری سعی وکوشش اور جدوجہد مقبول ومشکور ہے''

شاید کوئی یہ تصور کرے کہ یہ مواہب اور عظیم اجر انہیں کسی حساب کے بغیر ہی دے دیا جائے گا، یہ سب کچھ کوشش اور عمل کی جزا ہے اور مجاہدات، خودسازیوں اور گناہ سے چشم پوشی کا اجر ہے۔

(۲۳) اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِيۡلًا ۚ	یقیناً ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے۔
(۲۴) فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ کَفُوۡرًا ۚ	پس تم اپنے پروردگار کے حکم (کی تبلیغ اور اس کے اجراء) کے لئے صبر وشکیبائی اختیار کرو، اور ان میں سے کسی گنہگار اور کافر کی اطاعت نہ کرو۔
(۲۵) وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ بُکۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا ۖ	اور اپنے پروردگار کے نام کا صبح وشام ذکر کرو۔
(۲۶) وَ مِنَ الَّيۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَ سَبِّحۡهُ لَيۡلًا طَوِيۡلًا	اور رات کو اس کے لئے سجدہ کرو اور رات کے ایک طویل حصہ میں اس کی تسبیح کرو۔

تفسیر

اللہ کے حکم کے اجراء پر موفق ہونے کے لئے پانچ احکام

اس سورہ کی آیات میں آغاز سے لے کر اب تک، انسان کی خلقت اور اس کے بعد معاد و قیامت کی بات ہو رہی تھی۔ زیر بحث آیات میں روئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے، انسانوں کی ہدایت اور اس راہ میں صبر و استقامت کے تاکیدی احکام انہیں دیتا ہے۔ حقیقت میں یہ آیات ان سب بے نظیر نعمتوں تک پہنچے کی راہ بتاتی ہیں کہ یہ صرف قرآن سے تمسک اور پیغمبر اسلام ﷺ جیسے رہبر کی پیروی، اور ان کے احکام سے الہام و ہدایت لینے کے طریق سے ہی امکان پذیر ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''یقیناً ہم نے تم پر قرآن نازل کیا ہے۔''

اس کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ کو پانچ اہم حکم دیتا ہے، جن میں سے اولین صبر و استقامت کی دعوت ہے، فرماتا ہے: 'اب جبکہ یہ بات ہے تو اپنے پروردگار کے احکام کی تبلیغ اور ان کے اجراء میں صبر و شکیبائی سے کام لے''۔

یعنی راستے کی مشکلات اور رکاوٹوں، دشمنوں کی کثرت اور ان کی سختی سے نہ ڈرو اور اسی طرح سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔

اور دوسرے حکم میں پیغمبر ﷺ کو منحرفین کے ساتھ ہر قسم کے میل جول سے منع کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ان میں سے کسی گنہگار اور کافر کی اطاعت نہ کر''۔

حقیقت میں یہ دوسرا حکم پر ایک تاکید ہے، کیونکہ دشمنوں کی جماعت اس کوشش میں رہتی تھی کہ پیغمبر کو مختلف طریقوں سے سازش کر کے، باطل کے راستہ پر کھینچ لے جائیں، جیسا کہ نقل ہوا ہے کہ ''عتبہ بن ربیعہ'' اور ولید بن مغیرہ'' پیغمبر سے یہ کہتے تھے کہ تم اپنی دعوت سے رُک جاؤ، ہم تمہیں اتنا مال و دولت دے دیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے اور عرب کی خوبصورت ترین عورت کے ساتھ تمہاری شادی کر دیں گے اور اسی قسم کی دوسری پیش کشیں اور پیغمبر ﷺ کو ایک سچے عظیم رہبر کے طور پر، ان شیطانی وسوسوں یا ان دھمکیوں کے مقابلہ میں، جو ہر قسم کے لالچ کے بے اثر ہو جانے کے بعد دی جاتی ہیں، صبر و استقامت سے کام لینے کی ضرورت تھی کہ وہ نہ تو ان کے کسی لالچ میں آئے اور نہ ہی ان کی کسی دھمکی کے آگے سر جھکائے۔

لیکن چونکہ ان عظیم مشکلات کے ہجوم کے مقابلہ میں صبر و استقامت کوئی آسان کام نہیں ہے اور اس راستے کو طے کرنے کے لئے دو خاص قسم کے زاد راہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''اپنے پروردگار کے نام کا ہر صبح و شام ذکر کر۔''

''اور رات کے وقت اس کے لئے سجدہ کر، اور رات کے زیادہ حصہ میں اس کی تسبیح کر''

''تاکہ اس ''ذکر'' اور اس ''سجدہ'' اور اس ''تسبیح'' کی سایے میں اس راستے کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری قدرت وتوانائی، قدرت معنوی اور کافی مدد فراہم کرلے۔

بہر حال یہ دونوں آیات حقیقت میں پروردگار کی مقدس ذات کی طرف شبانہ روز اور ہمیشہ توجہ رکھنے کے لزوم کو بیان کرتی ہیں۔

یہاں اس نکتہ کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیے کہ اوپر والی آیات کے پانچ احکام اگر چہ پیغمبر اسلام ﷺ کے لئے ایک پروگرام کی صورت میں ذکر ہوئے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ ان تمام افراد کے لئے ایک دستور العمل ہے جو انسانی رہبری کے راستے میں قدم اٹھاتے ہیں۔

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انہیں اس ہدف اور پیغام رسالت پر اطمنیان اور ایمان کامل کے بعد صبر و استقامت اختیار کرنا لازم ہے، اور راستے کی انبوہ مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیونکہ ایک معاشرے کی ہدایت ہیں، خصوصاً اس وقت جبکہ جاہل اور ہٹ دھرم دشمن مقابلہ میں ہوں، ہمیشہ عظیم مشکلات ہوتی ہیں، اگر رہبروں کی طرف سے صبر و استقامت نہ ہو تو کوئی رسالت بھی بار آور نہیں ہوسکتی۔

اور بعد والے مرحلے میں، شیاطین کے وسوسوں کے مقابلہ میں جو ''آثم'' و''کفور'' کے مصداق ہیں اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے رہبروں اور پیشواؤں کو منحرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی رسالت بیکار اور بے نتیجہ رہ جائے، پوری طاقت کے ساتھ ڈٹ جانا چاہیے، نہ لالچ کے فریب میں آنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دھمکیوں سے خوف کھانے کی ضرورت۔ کیونکہ راہ خدا میں کسی قسم کے خوف کا کوئی گذر نہیں ہوا کرتا۔

اور تمام مراحل میں روحانی قدرت، قوت ارادی، عزم راسخ اور پختہ ارادے کے حصول کے لئے ہر صبح و شام اللہ کی یاد میں رہیں اور اس کی بارگاہ میں اپنی پیشانی جھکا دیں، خصوصاً رات کی عبادتوں اور اس سے راز و نیاز کے ذریعہ حاصل کریں، کیونکہ اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو پھر کامیابی حتمی ویقینی ہے۔

اور اگر بعض مراحل میں کسی مصیبت یا شکست سے دوچار ہونا پڑے تو ان اصولوں کے ساتھ ان کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا پروگرام اور ان کی دعوت و رسالت، اس راستہ کے راہ رو افراد کے لئے ایک مؤثر دستور العمل ہے۔

(۲۷)اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا	وہ دنیا کی جلدی گزر جانے والی زندگی کو دوست رکھتے ہیں، اور سخت اور سنگین دن کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔
(۲۸)نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا	ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے وجود کے جوڑ بند مضبوط بنائے اور جب ہم چاہیں گے، ان کی جگہ دوسروں کو دے دیں گے۔
(۲۹)اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا	یہ ایک تذکرہ اور یاد آوری ہے، پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے۔
(۳۰)وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۖ	اور تم کسی چیز کو نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے، بیشک اللہ عالم وحکیم ہے۔
(۳۱)يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۧ	جسے وہ چاہتا ہے (اور لائق سمجھتا ہے) اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے، اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب فراہم کیا ہے۔

تفسیر

یہ ایک تنبیہ ہے اور راستہ کا انتخاب کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔

گذشتہ آیات میں پیغمبر کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ ''آثم'' و ''کفور'' (مجرموں اور کافروں) کی اطاعت نہ کریں، اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے جو اپنی خام خیالی میں پیغمبرﷺ کے ارادوں میں نفوذ کرنے کے لئے، مال و دولت، مقام و منصب اور خوبصورت عورتوں کا لالچ دے کر کام چلانا چاہتے تھے۔

زیر بحث آیات ان کا مزید تعارف کراتے ہوئے کہتی ہیں: ''وہ اس دنیا کی جلدی گزر جانے والی زندگی کو دوست رکھتے ہیں، جب کہ ایک سخت اور سنگین دن کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

ان کے افکار، کھانے، سونے اور شہوت رانی سے آگے نہیں بڑھتے اور ان کا آخری نقطۂ نظر یہی بے قید و شرط مادی لذتیں ہیں، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم روح کو بھی اسی ترازو میں تولیں۔

لیکن یہ بے خبر دل کے اندھے، اس بات پر توجہ نہیں کرتے کہ کیسا سنگین دن ان کے آگے آرہا ہے؟! سزاؤں اور عذاب کے لحاظ سے سنگین، حساب و کتاب کے لحاظ سے سنگین زمانہ کے طول کے لحاظ سے سنگین، اور فضیحت و رسوائی کے لحاظ سے سنگین۔

بعد والی آیت میں انہیں خبردار کرتا ہے کہ وہ اپنی قدرت و توانائی پر غرور نہ کریں، کیونکہ یہ سب اللہ کی عطا ہے، اور جب وہ چاہے گا اچانک واپس لے لے گا، لہٰذا فرماتا ہے: ''ہم نے انہیں پیدا کیا ہے، اور ان کے جوڑ بندوں کو مضبوط بنایا ہے اور انہیں قدرت و طاقت عطا کی ہے اور جس وقت ہم چاہیں گے انہیں لے جائیں گے اور ان کی جگہ دوسرے گروہ کو ان کا جانشین بنادیں گے۔

واقعاً قرآن نے یہاں ایک حساس نقطہ پر انگلی رکھی ہے اور وہ وجود انسانی کے مختلف اجزاء کے جوڑ بند ہیں چھوٹے اور بڑے اعصاب .... جو لوہے کی رسیوں کی طرح عضلات کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیتے ہیں .... لہٰذا پٹھوں اور مختلف عضلات تک، انسانی بدن کی چھوٹی اور بڑی ہڈیاں اور گوشت کے ٹکڑوں کو اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیتے ہیں کہ جن کے مجموعہ سے جسم کی ایک ایسی کامل وحدت تیار ہو جاتی ہے، جو ہر قسم کی فعالیت کے انجام دینے کے لئے آمادہ تیار ہوتی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر یہ جملہ قدرت و قوت سے کنایہ ہے۔

یہ آیت ضمنی طور پر اللہ کی پاک ذات، ان سے، اور ان کی اطاعت و ایمان سے بے نیازی اور استغناء کو واضح کرتی ہے، تاکہ وہ یہ جان لیں کہ اگر ان کے ایمان کے لئے کچھ اصرار ہے تو حقیقت میں یہ پروردگار کی طرف سے ایک لطف رحمت ہے۔

اس کے بعد ان تمام مباحث کی طرف ۔۔۔۔۔۔ جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں اور جو سعادت و نیک بختی کا ایک جامع پروگرام پیش کرتے ہیں ۔۔۔۔ اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ''یہ ایک تذکرہ اور یاد آوری ہے، پس جو شخص چاہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے پرودگار کی طرف راستہ اختیار کا انتخاب کر لیتا ہے۔''

حقیقت میں یہ اس چیز کے لئے ایک تاکید ہے جو اس سورہ کے آغاز میں گزر چکی ہے، جس میں فرمایا ہے: ہم نے اسے راستے کی نشاندہی کر دی اب چاہے وہ اس قبول کر لے اور اس نعمت کا شکر ادا کرے یا روگردانی کر کے کفران کرے۔

اور چونکہ یہ ممکن ہے کہ کوتاہ فکر افراد او پر والی تعبیر سے بندوں کے لئے تفویض اور مطلق سپردگی کا تصور کر لیں، لہٰذا بعد والی آیت میں اس توہم کی نفی کے لئے مزید کہتا ہے: ''تم کسی چیز کو نہیں چاہتے مگر یہ اللہ چاہے۔''

کیونکہ اللہ علیم وحکیم ہے۔

اور یہ حقیقت میں (الامر بین الا مرین) والی مشہور اصل کا اثبات ہے، ایک طرف فرماتا ہے: ''اللہ نے راستہ تو بتا دیا ہے، اس کا انتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف مزید کہتا ہے: ''تمہارا انتخاب مشیت خدا پر موقوف ہے، یعنی تم مکمل استقلال نہیں رکھتے، بلکہ قدرت وتوانائی اور تمہارے ارادے کی آزادی سب سے مشیت خداوندی اور راس کی جانب سے ہے اور جس وقت وہ چاہے اس قدرت آزادی کو تم سے چھین سکتا ہے۔

اس طرح نہ تو ''تفویض'' اور مکمل سُپردگی ہے اور نہ ہی جبر اور سلب اختیار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دقیق وظریف حقیقت ہے یا دوسرے لفظوں میں: آزادی کی نوعیت مشیت کے ساتھ وابستہ ہے کہ جس وقت بھی وہ چاہے اسے واپس لے سکتا ہے، تا کہ بندے تکلیف ومسئولیت اور ذمہ داری کے بوجھ کو............جوان کے تکامل اور ارتقاء کی رمز ہے............اپنے کندھوں پر بھی اٹھا سکیں، اور اپنے آپ کو اللہ سے بے نیاز بھی خیال نہ کریں۔

آیت کے ذیل میں جو فرمایا ہے: ان اللہ کان علیماً حکیماً: ممکن ہے یہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہو، کیونکہ اللہ کے علم وحکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کو رہ تکامل اور ارتقاء کے طے کرنے میں آزاد چھوڑ دے، ورنہ اجباری وتحمیلی تکامل، تکامل نہیں ہے، علاوہ ازیں اس کا علم وحکمت اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ افراد کو تو کار خیر پر مجبور کرے اور کچھ افراد کو کار شر پر، اور اس کے بعد پہلے گروہ کو اجر و پاداش دے، اور دوسرے گروہ کو عذاب وسزا دے۔

اور آخر کار اس سورہ کی آخری آیت میں نیکوکار اور بدکاروں کی سرنوشت کی طرف ایک مختصر اور پر معنی جملہ کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب فراہم کر رکھا ہے۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ آیت کے آغاز میں کہتا ہے: ''جس شخص کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے، لیکن آیت کے آخر میں، عذاب کو ظالموں کے لئے مخصوص قرار دیتا ہے اور یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس کی عذاب کے لئے مشیت، انسان کے ظلم وگناہ کا ارادہ کرنے کے بعد ہے، اور مقابلہ کے قرینہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ رحمت میں بھی اس کی مشیت ایمان، عمل صالح اور اجرائے عدل میں انسان کے ارادہ کے بعد ہے اور ایک حکیم ودانا سے اس کے علاوہ اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔

سورۂ مرسلات

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اوراس کی ۵۰ آیات ہیں۔

سورۂ مرسلات کے مضامین

زیادہ تر مطالب جو اس سورہ میں بیان کئے گئے ہیں، وہ قیامت اور مکذبین و منکرین کی تہدید و انذار سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سورہ کے امتیازات میں یہ ہے کہ آیہ ''ویل یومیذ لمکذبین'' ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے'' کا اس میں دس مرتبہ تکرار ہوا ہے، اور ہر مرتبہ نئے مطلب کے بعد ہے۔

کئی قسمیں کھانے کے بعد قیامت اور معاد کے سنگین اور سخت حوادث کی خبر دیتا ہے اور اس کے بعد اسی آیت کو ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

اس کے بعد والے مرحلہ میں گزشتہ گنہگار اقوام کی غم انگیز سرگزشت ہے۔

اور تیسرے مرحلہ میں انسان کی خلقت کی خصوصیات کا ایک گوشہ ہے۔

اور چوتھے مرحلہ میں زمین میں خدا کی نعمتوں کے ایک حصہ کا بیان ہے۔

اور پانچویں مرحلہ میں تکذیب کرنے والوں کے عذاب کے کچھ حصوں کی تشریح کرتا ہے۔

اسی طرح ہر مرحلہ میں ایک بیدار کرنے اور ہلا دینے والے مطلب کی طرف اشارہ کرکے، اس کے بعد اس آیت کا تکرار کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ایک حصہ میں بہشت کی ان نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو پرہیزگاروں کو نصیب ہوئی ہیں، تاکہ انذار کو بشارت کے ساتھ ملا دے اور تہدید کو تشویق کے ساتھ۔

بہرحال یہ تکرار سورہ الرحمٰن کی بعض آیات کے تکرار کے مشابہ ہے، اس فرق کے ساتھ کہ وہاں گفتگو نعمتوں کے متعلق تھی اور یہاں زیادہ تر تکذیب کرنے والوں کے عذابوں کے بارے میں ہے۔

اس سورہ کے لئے ''مرسلات'' کے نام کا انتخاب اس سورہ کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

سورہ مرسلات کی تلاوت کی فضیلت

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے۔

''جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا تو اللہ اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آشنا (اور ہم جوار) بنا دے گا۔''

اس میں شک نہیں کہ یہ ثواب اور فضیلت انہی لوگوں کے لئے ہے جو پڑھ کر غور و فکر کریں اور اس پر عمل کریں اور اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔

''اے رسول اللہ! آپ میں بڑھاپے کے آثار کتنا جلدی ظاہر ہو گئے ہیں؟''

آپ نے فرمایا:

”مجھے سورہ ہود، واقعہ، مرسلات اور عم یتسائلون نے بوڑھا کر دیا۔“

قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان تمام سورتوں میں قیامت کے حالات اور اس عظیم دادگاہ کے ہولناک مسائل بیان کئے گئے ہیں، اور یہی وہ امور تھے جنہوں نے پیغمبر کی روح مقدس میں اثر کیا۔

یہ بات واضح ہے کہ غور وفکر اور عمل کے لئے پختہ ارادہ کے بغیر جو تلاوت ہو، وہ اس قسم کا اثر نہیں چھوڑ سکتی،

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ الۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ	قسم ہے ان فرشتوں کی جنہیں پے در پے بھیجا جاتا ہے۔
(۲) فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ	اور ان کی جو تیز ہوا کی طرح چلتے ہیں۔
(۳) وَّ النّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ	اور قسم ہے ان کی جو (بادلوں کو) پھیلاتے اور منتشر کرتے ہیں۔
(۴) فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ	اور ان کی جو (ان کو) جدا کرتے ہیں۔
(۵) فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ	اور قسم ہے ان کی جو (اللہ کی) بیدار کرنے والی آیات (انبیاء کی طرف) القاء کرتے ہیں۔
(۶) عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ	اتمام حجت یا انذار کے لئے
(۷) اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ	تمہیں جو کچھ (قیامت کے بارے میں) وعدہ دیا جاتا ہے، وہ وقوع پذیر ہوگا۔
(۸) فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ	جب ستارے محو اور تاریک ہو جائیں گے۔
(۹) وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ	اور آسمان (کے ستارے) پھٹ جائیں گے۔
(۱۰) وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۙ	اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے۔
(۱۱) وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ؕ	اور جب پیغمبروں کے لئے (شہادت دینے کے لیے) وقت کا تعین ہوگا۔

(۱۲)لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ؕ	یہ امر کس دن کے لئے تاخیر میں ڈالا گیا ہے؟
(۱۳)لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۚ	(حق کی باطل سے) جدائی کے دن کے لئے
(۱۴)وَ مَاۤ اَدۡرٰکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ؕ	تمہیں کیا معلوم ہے کہ جدائی کا دن کیا ہے؟
(۱۵)وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔

تفسیر

اللہ کے وعدے حق ہیں، وائے ہے تکذیب کرنے والوں کے لئے

اس سورہ کے آغاز میں مقدمہ کے طور پر پانچ آیات میں پانچ قسمیں آئی ہیں، جن کے معنی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔

فرمایا: ''قسم ہے ان کی جو پے درپے بھیجے جاتے ہیں۔''

''اوران کی جو طوفان اور تیز آندھی کی طرح حرکت کرتے ہیں۔

''اور قسم ہے ان کی جو پھیلاتے اور منتشر کرتے ہیں۔''

''اوران کی جو جدا کرتے ہیں''۔

''اوران کی جو بیدار کرنے والی آیات القاء کرتے ہیں۔''

''اتمام حجت یا ڈرانے کے لئے''

پہلی اور دوسری قسم ''ہواؤں اور طوفانوں'' کے بارے میں ہے، اور تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم فرشتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ کی آیات کی نشر واشاعت کے بارے میں اور پھر حق کو باطل سے جدا کرنے اور اس کے بعد اتمام حجت اور انذار کے مقصد سے خدا کے ذکر اور اس کے احکام کو پیغمبروں پر القاء کے بارے میں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ قسمیں کس مقصد کے لئے ہیں، بعد والی آیت میں اس معنی سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتا ہے: ''جو کچھ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ واقع ہو کر رہے گا۔''

بعث ونشور، ثواب وعقاب، حساب وجزا سب حق ہے اور ان میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

اس کے بعد اس ''موعودون'' کی نشانیوں کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: یہ ''موعودون'' اس وقت آن پہنچے گا، جب ستارے صفحہ آسمان سے محو اور تاریک ہو جائیں گے۔

اور آسمان (آسمان کے ستارے) پھٹ جائیں گے۔

اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے۔

اصولی طور پر قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان کا اختتام بہت ہی ہولناک اور سرکوبی کرنے والے حوادث کے ایک سلسلہ کے ساتھ ہوگا، اس طور پر کہ اس کے نظام کو کلی طور پر پراگندہ کردے گا، اور عالم آخرت ایک نئے نظام کے ساتھ اس کی جگہ لے لے گا۔

اور اس کے بعد قیامت کے منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اور یہ اس کی بات ہے جب پیغمبروں کے لئے وقت معین ہوگا، کہ وہ اپنی اپنی باری پر آئیں، اور اپنی امتوں کے بارے میں شہادت دیں۔''

جیسا کہ سورہ اعراف کی آیہ ۶ میں آیا ہے، ہم ان لوگوں سے بھی سوال کریں گے ان کی طرف رسول بھیجے گئے تھے، اور رسولوں سے بھی سوال کریں گے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''امتوں کے لئے ان رسولوں کی شہادت اور ان کی گواہی کو کس دن کے لئے تاخیر میں ڈالا گیا ہے۔''

''جدائی کے دن کے لئے''

حق سے باطل کی جدائی کا دن، مومنین کی صفوں اور کافروں کی صفوں سے جدا ہونے کا دن، اور نیکوکاروں کے بدکاروں سے جدا ہونے کا دن، اور سب کے بارے میں حق تعالیٰ کی مطلق تضادت اور انصاف کا دن۔

اس کے بعد اس دن کی عظمت کے بیان کے لئے فرماتا ہے، ''تو کیا جانے کہ یوم الفصل اور جدائیوں کا دن کیا ہے؟''

جہاں پیغمبر اس وسیع وعریض علم، اور ان تیز بین نگاہوں کے باوجود............ جو اسرار غیب کا مشاہدہ کرتی تھیں............ اس دن کی عظمت کے الباد وجہات کو ٹھیک طرح سے نہ جانتے ہوں تو باقی لوگوں کی ذمہ داری واضح ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت، اس دن کی تکذیب کرنے والوں کو بہت سختی کے ساتھ تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: 'وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

''ویل'' کی بعض نے ''ہلاکت'' کے معنی میں، بعض نے ''انواع واقسام کے عذاب'' کے معنی میں، اور بعض نے ''جہنم کی ایک پر عذاب وادی'' کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ یہ لفظ عام طور پر افسوس ناک حوادثات کے بارے میں استعمال ہوتا ہے اور یہاں قیامت کے دن تکذیب کرنے والوں کی دردناک سرنوشت کی حکایت کرتا ہے۔

یہاں مکذبین سے مراد وہ لوگ ہیں جو قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔

(۱۶) اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ؕ	کیا ہم نے پہلی (مجرم) قوموں کو ہلاک نہیں کیا؟
(۱۷) ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ	پھر ہم بعد میں آنے والوں کو ان کے پیچھے بھیجیں گے۔
(۱۸) كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ	(ہاں)! ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

(۱۹)وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ	وائے ہےاس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔
(۲۰)اَلَمۡ نَخۡلُقكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۙ	کیا ہم نے تمہیں پست اور حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔
(۲۱)فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۙ	پھرہم نے اسے ایک محفوظ اور آمادہ قرار گاہ میں ٹھہرایا۔
(۲۲)اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۙ	ایک معین مدت تک۔
(۲۳)فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ	ہم اس کام پر قدرت رکھتے تھے، پس ہم کیسے اچھے قدرت والے ہیں۔
(۲۴)وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ	وائے ہواس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔
(۲۵)اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ۙ	کیا ہم نے زمین کو انسانوں کے اجتماع کا مرکز قرار نہیں دیا۔
(۲۶)اَحۡيَآءً وَّ اَمۡوَاتًا ۙ	ان کی زندگی کی حالت میں بھی اور موت کی حالت میں بھی۔
(۲۷)وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ؕ	اور ہم نے اس میں استوار اور بلند پہاڑ قرار دیئے اور تمہیں ہم نے خوشگوار پانی پلایا۔
(۲۸)وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ	وائے ہےاس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔

تفسیر

ان تمام مظاہر قدرت کے باوجود پھر بھی تم معاد میں شک رکھتے ہو؟!

ان آیات میں بھی منکرین قیامت کو مختلف طریقوں سے خبر دار کرتا ہے، اور گوناں گوں بیانات کے ساتھ انہیں غفلت کی گہری نیند سے بیدار کرتا ہے۔

پہلے ان کا ہاتھ پکڑ کر گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں گزشتہ مصیبت زدہ اقوام کی سرزمین دکھاتا ہے، اور فرماتا ہے ’’کیا ہم نے پہلی قوموں کو جنھوں نے کفر وانکار کی راہ اختیار کی تھی ہلاک نہیں کیا۔‘‘

ان کے آثار نہ صرف صفحات تاریخ پر، بلکہ صفحہ روئے زمین پر بھی نمایاں ہیں۔

’’پھر ہم بعد میں آنے والی قوموں کو جو ان ہی جیسے اعمال رکھتی ہیں، ان کے پیچھے بھیج دیتے ہیں۔‘‘

کیونکہ یہ ایک مسلسل جاری رہنے والی سنت ہے اور اس میں استثناء اور تبعیض نہیں ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کو ایک جرم

کی وجہ سے سزا دے اوراسی جرم کو دوسروں کے لئے پسند کرے۔

اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''ہم گنہ گاروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔''

یہ آیت حقیقت میں ''اقوام اولین'' کی ہلاکت، اوران کے بعد آنے والی اقوام کی ہلاکت کی تعلیل کے طور پر بیان ہوئی ہے، کیونکہ اللہ کے عذاب میں نہ تو انتقام جوئی کا پہلو ہوتا ہے، اور نہ ہی شخصی حساب کا تصفیہ، بلکہ وہ اصل استحقاق اور مقتضائے حکمت کے تابع ہوتا ہے۔

اورانجام کار نتیجہ نکالتے ہوئے مزید کہتا ہے۔''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

''یومئذ'' یہاں روز قیامت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ان کی اصلی اور اہم سزا اسی روز کے ساتھ مربوط ہے، اور یہ تکرار تاکید مطلب کے لئے ہے۔

پھران کا ہاتھ پکڑ کر عالم جنین کی طرف لے جاتا ہے اوراللہ کی عظمت وقدرت اوراس اسرار آمیز دنیا میں، اس کی نعمتوں کی کثرت انہیں دکھاتا ہے، تاکہ ایک طرف تو مسئلہ معاد وقیامت پر اللہ کی قدرت سے آگاہ ہوجائیں اور دوسری طرف خود کو اس کی بے شمار نعمتوں کا مرہون سمجھیں، اوراس کے آستانے پر سر تعظیم جھکائیں۔

فرماتا ہے۔''کیا ہم نے تمہیں پست اور ناچیز پانی سے پیدا نہیں کیا ہے؟''

''پھر ہم نے اسے مناسب، محفوظ، تیار وآمادہ قرارگاہ میں ٹھہرایا۔''

ایسی قرارگاہ، جس میں ہر لحاظ سے، حیات وزندگی اور انسانی نطفہ کی پرورش ورشد ومحافظت کے لئے، تمام ضروریات موجود ہیں، اور وہ اس قدر عجیب وغریب، عمدہ اور موزوں ہیں کہ ہرانسان کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''نطفہ کا اس محفوظ جگہ میں ٹھہرنا، ایک معین مدت تک جاری رہتا ہے۔

وہ مدت جس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، ایسی مدت جو بہت سے تغیرات، دگرگونیوں اور تحولات سے پر ہے، جس میں نطفہ کو ہر روز حیات وزندگی کا ایک نیا لباس پہنایا جاتا ہے، اوراس کو اس مخفی جگہ میں تکامل وارتقاء کے راستہ پر آگے بڑھاتا ہے۔

اس کے بعد نتیجہ نکالتا ہے:''ہم اس کام پر قدرت رکھتے تھے کہ ایک بے قدر وقیمت، حقیر وناچیز نطفہ سے، ایسا شریف اور کامل انسان بنا ڈالیں، پس ہم کتنے اچھے قادر وتوانا ہیں۔''

یہ وہی دلیل ہے جس پر قرآن نے مسئلہ معاد کو ثابت کرنے کے لئے بارہا انحصار کیا ہے، منجملہ ان کے سورۂ حج کی ابتدائی آیات میں کہتا ہے''تم مردوں کے نئی زندگی کی طرف پلٹ آنے کی، کیسے تردید کرتے ہو، حالانکہ تم اس انسان کی، ایک بے قدر وقیمت نطفہ سے خلقت میں، اس کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہو، جس کا ہر روز ایک معاد قیامت ہے تو مٹی اوراس بے قدر وقیمت نطفہ میں کیا فرق ہے؟

آخر میں پھر اسی جملہ کا تکرار فرماتے ہوئے کہتا ہے:''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

وائے ہے ان کے لئے جو اس کی قدرت کے یہ سب آثار دیکھتے ہیں، اور پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں۔

ان آیات کے دوسرے حصہ میں اللہ کی آفاقی آیات اور نشانیوں اور عظیم جہان میں اس کی نعمتوں اور مواہب کے ایک حصہ کو بیان کیا گیا ہے، جو اس کی وسیع قدرت اور رحمت کی بھی ایک دلیل ہیں اور معاد کے امکان کی بھی ایک دلیل ہیں، جبکہ گزشتہ آیات میں اللہ کی آیات انفسی اور خود انسان کی خلقت میں جو نعمتیں تھیں ان کے بارے میں گفتگو تھی۔

فرماتا ہے۔ ''کیا ہم نے زمین کو انسانوں کے اجتماع کا مرکز نہیں بنایا؟''

''ان کی زندگی میں بھی اور ان کی موت کی صورت میں بھی۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ زمین تمام انسانوں کے لئے ایک قرارگاہ ہے، زندوں کو تو اپنے اوپر جمع کرتی ہے، اور ان کی تمام حاجتوں اور ضروریات کو پورا کرتی ہے، اور ان کے مردوں کو بھی اپنے اندر جگہ دیتی ہے، کیونکہ اگر زمین مردوں کو دفن کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتی، تو ان سے پیدا ہونے والی عفونت اور بیماریاں تمام زندوں کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دیتیں۔

اس کے بعد کرۂ زمین میں اللہ کی ایک عظیم نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''ہم نے اس میں ثابت استوار اور بلند پہاڑ قرار دیئے ہیں۔''

یہ پہاڑ جن کی چوٹیاں آسمان کی طرف سر نکالے ہوئے ہیں، اور ان کی جڑیں ایک دوسرے سے ملی ہوئے ہیں، ایک طرف تو زمین کو زرہ کی مانند گھیرے ہوئے ہیں، اور داخلی دباؤ اور خارجی مد و جزر سے پیدا ہونے والے دباؤ سے محفوظ رکھتے ہیں، اور دوسری طرف ہوا کے قشر کے زمین سے ٹکراؤ کو روکتے ہیں، اور ہوا میں پنجہ ڈال کر اس کو اپنے ساتھ گردش میں لاتے ہیں اور تیسری طرف عظیم طوفانوں اور آندھیوں کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس طرح کئی مختلف جہات سے اہل زمین کو سکون و آرام پہنچاتے ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں پہاڑوں کی برکات میں سے ایک اور برکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اور ہم نے تمہیں خوشگوار پانی پلایا۔''

ایسا پانی جو تمہارے لئے بھی خوش گوار اور باعث حیات ہے اور تمہارے جانوروں، کھیتوں اور باغات کے لئے بھی۔

بہت سے چشمے اور ندی نالے پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں اور بہت سے بڑے بڑے دریاؤں اور نہروں کا سرچشمہ برف کے وہ تہہ بہ تہہ تودے ہیں جو پہاڑوں کی چوٹی پر آکر جم جاتے ہیں اور انسانوں کے پانی کے اہم ترین ذخائر بناتے ہیں۔

اس حصہ کے آخر میں پھر فرماتا ہے: 'وائے ہو اس دن تکذیب کرنے والوں پر''

وہی لوگ جو حق تعالیٰ کی قدرت کی ان تمام آیت اور نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور اللہ کی ان تمام نعمتوں کو جن میں وہ غرق ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ قیامت اور دادگاہ قیامت کا، جو اس کے عدل و حکمت کی مظہر ہے، انکار کرتے ہیں۔

(۲۹)اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا کُنۡتُمۡ بِہٖ تُکَذِّبُوۡنَ ۚ	(اور اس دن انہیں کہا جائے گا) بلا توقف اس چیز کی طرف چل پڑو، جس کا تم ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے۔
(۳۰)اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۙ	تین شاخوں سائے کی طرف چلو۔
(۳۱)لَّا ظَلِیۡلٍ وَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّہَبِ ؕ	ایسا سایہ جو نہ تو آرام بخش ہے اور نہ ہی آگ کے شعلوں سے روکتا ہے۔
(۳۲)اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ ۚ	وہ اپنے شعلوں کو اس طرح سے پھینکتا ہے جیسا کہ کوئی محل ہے۔
(۳۳)کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ؕ	گویا وہ ایسے زرد اونٹوں کے مانند ہیں۔
(۳۴)وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔
(۳۵)ہٰذَا یَوۡمُ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ۙ	آج کا دن ایسا ہے جس میں وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔
(۳۶)وَ لَا یُؤۡذَنُ لَہُمۡ فَیَعۡتَذِرُوۡنَ	اور انہیں عذر پیش کرنے کی بھی اجازت نہیں ملے گی۔
(۳۷) وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔
(۳۸) ہٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰکُمۡ وَ الۡاَوَّلِیۡنَ	آج وہی (حق کی باطل سے) جدائی کا دن ہے جس میں ہم نے تمہیں اور گذشتہ لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔
(۳۹) فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ کَیۡدٌ فَکِیۡدُوۡنِ	اگر میرے مقابلہ میں کوئی تدبیر تمہارے پاس ہے تو اسے انجام دو۔
(۴۰) وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ۬	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے

تفسیر

نہ دفاع کرنے کی قدرت ہے نہ فرار کی راہ

ان آیات میں قیامت کی تکذیب کرنے والوں اور اس عدل الٰہی کی دادگاہ کا انکار کرنے والوں کی اصلی اور آخری سرنوشت بیان ہوئی ہے، ایسا بیان جو انسان کو سچ مچ ایک گہری وحشت میں ڈبو دیتا ہے، اور مصیبت کے پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ''ان سے کہا جائے گا؛ بلا تامل اس چیز کی طرف چل پڑو، جس کا تم ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے۔''

چلو اس جلانے والی جہنم کی طرف جس کا تم ہمیشہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

چلو ان انواع واقسام کے عذابوں کی طرف، جنہیں تم نے اپنے اعمال کے ذریعہ پہلے سے فراہم کر رکھا ہے۔

اس کے بعد اس عذاب کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''تین شاخوں والے (آگ کے گلہ گھوٹنے والے دھوئیں کے) سایے کی طرف چلو''۔

ایک شاخ سر کے اوپر، ایک شاخ دائیں طرف اور ایک شاخ بائیں طرف اور اس طرح سے یہ گہرا مرگب اور دھواں انہیں گھیر لے گا۔ اور انہیں نگل جائے گا۔

لیکن وہ آرام بخش سایہ نہیں ہوگا۔ اور دوزخیوں کو جہنم کی آگ کے شعلوں سے ہرگز نہیں بچائے گا۔''

چونکہ وہ خود آگ سے ہی اٹھا ہے۔

اس کے بعد اس جلانے والی آگ کی ایک اور خصوصیت کے سلسلہ میں مزید کہتا ہے؛ ''وہ اپنے اندر سے ایسے شعلے باہر پھینکتی ہے، جو ایک بہت بڑے قصر کی مانند ہوتے ہیں۔''

وہ اس دنیا کی آگ کے شعلوں کی طرح نہیں ہوتے، جو بعض اوقات تو سوئی کے سرے کے برابر نہیں ہوتے۔

بعد والی آیت میں اس جلانے والی آگ کے شعلوں اور چنگاریوں کی ایک دوسری صفت کو بیان کرتے وئے فرماتا ہے: ''وہ زرد رنگ کے اونٹوں کے مانند ہیں''۔

جہاں شعلے اس قسم کے ہوں تو یہ بات واضح ہے کہ خود وہ جلانے والی آگ کیسی ہوگی؟ اور اس کے ساتھ دوسرے کیسے کیسے دردناک عذاب ہوں گے؟ (اللہ ہم سب کو اپنی رحمت اور لطف وکرم سے اس سے محفوظ رکھے۔)

آیات کے اس حصہ میں دوبارہ اسی تنبیہ کا تکرار کرتا ہے، اور فرماتا ہے ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کیلئے''۔

اس کے بعد اس ہولناک دن کے مشخصات اور امتیازات کی ایک اور فصل کو شروع کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''آج ایسا دن ہے کہ وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔''

ہاں! اس دن خدا مجرموں اور گنہ گاروں کے منہ پر سکوت اور خاموشی کی مہر لگا دے، جیسا کہ سورہ یٰس کی آیہ ۶۵ میں آیا ہے: ''آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے'' اور پھر جیسا کہ اسی آیت کے ذیل میں آیا ہے،: ان کے ہاتھ اور پاؤں کلام کرنے لگیں گے۔ یہاں تک کہ قرآن کی دوسری آیات کے مطابق ان کی جلدیں بھی کلام کرنے لگیں گی، اور تمام باتیں بیان کر دیں گی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور انہیں عذر خواہی کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔''

نہ تو انہیں بات کرنے کی اجازت ہوگی اور نہ ہی عذر خواہی اور اپنے آپ سے دفاع کرنے کی، کیونکہ وہاں تو تمام حقائق واضح وروشن ہیں، اور کہنے کی کوئی بات باقی نہیں ہے، ہاں!

یہ پس پشت ڈالنے والی زبان، جس نے دنیا میں اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھایا، انبیاء کی تکذیب کی، اولیاء کا استہزا کیا اور

مذاق اڑایا، حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے پیش کرتی رہی، وہاں ان اعمال کی سزا کے طور پر اس پر قفل لگ جانا چاہئے، اور اسے بیکار ہو جانا چاہیے، اور یہ بات خود ایک عذاب اور دردناک شکنجہ ہے کہ انسان میں اس قسم کے منظر میں اپنے آپ سے دفاع کرنے یا عذر خواہی کرنے کی قدرت نہ رہے۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ۔

''اللہ اس سے برتر و عادل تر و بزرگ تر ہے کہ اس کا بندہ کوئی مناسب اور مدلل عذر رکھتا ہو، لیکن وہ اس کو عذر خواہی کی اجازت نہ دے، بلکہ درحقیقت ان کے پاس کسی قسم کا مناسب، مدلل اور قابل قبول عذر ہوتا ہی نہیں، جسے وہ پیش کر سکیں۔''

اور پھر اس مقطع کے آخر میں کہتا ہے: ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

ایک دوسرے حصہ میں روئے سخن مجرمین کی طرف کرتے ہوئے اس روز کے منظر کی حکایت کے عنوان سے کہتا ہے: ''آج وہی جدائی کا دن ہے، جس میں ہم نے تمہیں اور گزشتہ لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔''

آج ہم نے تمام لوگوں کو بغیر کسی استثناء کے اولین سے لے کر آخرین تک، سب کو حساب دینے اور فصل خصومت کے لئے اس میدان اور عظیم دادگاہ میں اکٹھا کر دیا ہے۔

''اب اگر میرے مقابلہ میں عذاب اور سزا کے چنگل سے، فرار کرنے کی کوئی تدبیر تمہارے پاس ہے تو اسے انجام دو''۔

کیا تم میری حکومت کی حدود سے فرار کر سکتے ہو؟

یا فدیہ دے کر آزاد ہو جانے کی طاقت رکھتے ہو؟

یا حساب لینے والے مامورین کو دھوکہ دینے کی قدرت رکھتے ہو؟

جو کام بھی تم سے ہو سکتا ہے اسے انجام دو، لیکن جان لو کہ تم سے کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا۔

پھر اسی تہدید آمیز اور بیدار کرنے والے جملہ کا تکرار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے''

(۴۱) اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ	تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ (جنت کے درختوں کے) سایہ میں اور چشموں کے درمیان ہوں گے۔
(۴۲) وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ	اور پھلوں میں سے جنہیں وہ چاہیں گے۔
(۴۳) كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	کھاؤ اور مزے مزے سے پیئو، یہ ان اعمال کے مقابلہ میں ہے جنہیں تم انجام دیتے تھے۔

(۴۴)اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ	ہم نیکو کار لوگوں کو اسی طرح سے جزا دیں گے۔
(۴۵) وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے۔
(۴۶) کُلُوۡا وَ تَمَتَّعُوۡا قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ	(مجرموں سے کہا جائیگا) کھا لو اور اس تھوڑی سی مدت میں فائدہ اٹھا لو کیونکہ تم مجرم ہو۔
(۴۷)وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر۔
(۴۸)وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ ارۡکَعُوۡا لَا یَرۡکَعُوۡنَ	اور جب ان سے رکوع کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو رکوع نہیں کرتے۔
(۴۹) وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کیلئے۔
(۵۰) فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ؏	تو پھر اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تفسیر

اگر وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس بات پر ایمان لائیں گے؟!

ہم جانتے ہیں کہ قرآن کا پروگرام انذار کو بشارت کے ساتھ اور تہدید کو تشویق کے ساتھ ملاتا ہے، اور اسی طرح مومنین کی سر نوشت کو مجرموں کی سرنوشت کے مقابلہ میں بیان کیا جاتا ہے، تاکہ مقابلہ کے قرینہ سے مسائل کا بہتر طریقہ پر ادراک ہو سکے۔

اسی سنت کی بنیاد پر اوپر والی آیات ہیں، قیامت میں مجرموں کی گوناگوں سزاؤں کو بیان کرنے کے بعد، اس دن پرہیز گاروں کی کیفیت کے بارے میں ایک پر معنی اور مختصر سا اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''تقویٰ اختیار کرنے والے لوگ درختوں کے سایہ اور چشموں کے درمیان ہوں گے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے۔''وہ ان انواع واقسام کے پھلوں کے درمیان ہوں گے، جن کی انہیں خواہش ہوگی۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ کی اس مہمان سرا میں ان کی اعلیٰ ترین طریقہ پر پذیرائی کی جائے گی، جیسا کہ بعد والی آیت میں آیا ہے کہ انہیں کہا جائیگا'' کھاؤ اور مزے لے لے کر پیو، یہ سب کچھ ان اعمال کے مقابلہ میں ہے جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے۔

'' بما کنتم تعملون'' (ان اعمال کے مقابلہ میں جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے

کہ یہ نعمتیں کسی کو بغیر کسی حساب و کتاب کے نہیں دیتے، اور یہ صرف دعوے، خیال اور تصور سے حاصل نہیں ہوتیں، یہ تو صرف اعمال صالح کے ذریعہ ہی ملتی ہیں۔

"ھنیٔ" (بروزن ملیح) "مفردات" میں "راغب" کے قول کے مطابق ہر وہ چیز ہے جس کے لئے مشقت نہ کرنی پڑے، اور اس سے کوئی تکلیف اور پریشانی پیدا نہ ہو۔

اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کے پھل، کھانے اور مشروبات دنیا کے کھانے پانی کی طرح نہیں ہیں، جو بعض اوقات انسان کے بدن میں برے آثار چھوڑ دیتے ہیں یا ان سے غیر مطلوب عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔

بعد والی آیت میں دوبارہ اسی مطلب پر تکیہ کرتا ہے کہ یہ نعمتیں کسی حساب و کتاب کے بغیر نہیں ملتیں، لہٰذا مزید کہتا ہے: "یقیناً ہم نیکوکاروں کو اسی طرح سے جزا دیتے ہیں۔

آخر میں پھر تکرار کرتا ہے: "وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں۔"

وائے ہے ان کے لئے جو ان تمام نعمتوں اور محبتوں سے محروم ہو جائیں گے، کیونکہ اس محرومیت کی حسرت کا دکھ، دوزخ کی جلانے والی آگ سے کم نہیں ہے۔

اور چونکہ معاد کے انکار کا ایک عامل، دنیا کی جلدی گزر جانے والی لذات، اور ان لذتوں سے فائدہ اٹھانے کی بے قید و بند آزادی کی طرف میلان ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں روئے سخن مجرمین کی طرف کرتے ہوئے تہدید آمیز لب ولہجہ میں فرماتا ہے: "ان مختصر سے چند دنوں میں کھاؤ اور فائدہ اٹھالو لیکن یہ جان لو کہ اللہ کا عذاب تمہارے انتظار میں ہے، کیونکہ تم مجرم اور گنہ گار رہو۔"

انکم مجرمین "یہ تہدید اس بناء پر ہے کہ تم مجرم ہو۔"

اور بہرحال یہ بات اس چیز کی نشاندہی کرتی ہے کہ عذاب الٰہی کا سرچشمہ انسان کا جرم و گناہ ہی ہے، جو بے ایمانی یا شہوتوں کے چنگل میں گرفتار ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس تہدید کی ایک مرتبہ "وائے ہو اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے" کے جملہ سے تکمیل کرتا ہے۔

وہی لوگ جو دنیا کے زرق و برق اور اس کی لذتوں اور شہوتوں پر فریضتہ ہو گئے، اور انہوں نے عذاب الٰہی کو اپنے لئے خرید لیا۔

بعد والی آیت میں ان کے انحراف، بدبختی اور آلودگی کے ایک اور عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: "وہ بادۂ غرور سے ایسے سرمست ہیں، کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ پروردگار کے سامنے رکوع کرو، تو وہ رکوع نہیں کرتے"۔

وہ نہ صرف رکوع اور سجدے کا انکار کرتے تھے، بلکہ یہ روح غرور نخوت ان کے تمام افکار اور زندگی میں نمایاں تھی، نہ تو وہ

اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے تھے، اور نہ ہی پیغمبر کے احکام مانتے تھے، وہ لوگوں کے حقوق کا رسمی طور پر اقرار کرتے تھے۔

اور اس کے بعد دسویں اور آخری بار اس سورہ میں فرماتا ہے: ''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے'

اور آخری زیر بحث آیت میں، جو سورۂ ''مرسلات'' کی آخری آیت ہے، ایک عتاب آمیز لب ولہجہ کے ساتھ جو سرزنش سے پر ہے ایک تعجب آمیز استفہام کی صورت میں فرماتا ہے: ''اگر وہ اس قرآن کے ساتھ جس کی صداقت کے دلائل، اس کی تمام آیات سے نمایاں ہیں، ااور اس کی حقانیت اس کی تمام تعبیروں میں منعکس ہے، ایمان نہیں لاتے، تو پھر اس کے بعد اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔''

جو شخص اس قرآن پر ایمان نہ لائے، جو اگر پہاڑوں پر نازل ہو جاتا، تو وہ لرزنے لگتے اور خشوع کرتے ہوئے پھٹ جاتے ،تو وہ کسی آسمانی کتاب اور کسی عقلی دلیل کو تسلیم نہیں کرے گا، اور یہ روح عناد اور ہٹ دھرمی کی نشانی ہے۔

سورۂ نباء

یہ سورہ مکی ہے
اور اس کی چالیس آیتیں ہیں۔

سورہ نباء کے مضامین اوراس کا دائرہ کار

قرآن مجید کے آخری پارہ کی سورتوں کی اکثریت، اصولی طور پر، مفسرین کے اتفاق رائے کے مطابق مکہ میں نازل ہوئی ہے، ان سورتوں میں مسئلہ مبداء ومعاد اور بشارت وانذار ہی کی گفتگو ہے۔

سورہ کے مضامین کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔سوال جو سورہ کی ابتداء میں ایک عظیم حادثہ (نبأ عظیم) یعنی روز قیامت کے بارے میں کیا گیا ہے۔

۲۔اس کے بعد چند نمونے اللہ کی قدرت کے مظاہر کے، آسمان وزمین کے اور انسانوں کی زندگی کے پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے لطف وکرم کو معاد وقیامت کے امکان کی دلیل کے عنوان سے بیان کرتا ہے۔

۳۔تیسرے حصہ میں قیامت کے آغاز کی کچھ نشانیاں بتاتا ہے۔

۴۔اس حصہ میں سرکشی کرنے والوں پر نازل ہونے والے عذاب کا ایک رُخ پیش کرتا ہے۔

۵۔اس حصہ میں جنت کی تشویق دلانے والی نعمتوں کی تشریح کرتا ہے۔

۶۔آخر میں عذاب قریب کے سلسلہ میں شدید خوف پر اور کافروں کی المناک سرنوشت کے ذکر پر سورہ ختم ہوتا ہے۔

اس سورہ کا نام رکھنے کی وجہ وہ تعبیر ہے جو اس کی دوسری آیت میں آئی ہے، بعض اوقات اسے سورہ 'عم' کا نام بھی دیا جاتا ہے اور یہ اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے

سورہ نباء کی تلاوت کی فضیلت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے

''جو شخص سورہ عم یتسالون پڑھے اسے خداوند عالم قیامت میں جنت کے ٹھنڈے اور خوشگوار مشروب سے سیراب کرے گا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ

''جو شخص اسے پڑھے اور یاد کرے تو قیامت میں اس کا حساب اتنی جلدی مکمل ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز پڑھی جاتی ہے۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اس اللہ کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔
(۱) عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ	وہ ایک دوسرے سے کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

(۲)عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۙ	عظیم اور اہم خبر (قیامت) کے بارے میں۔
(۳)الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ؕ	وہی خبر جس کے بارے میں وہ ہمیشہ اختلاف رکھتے ہیں۔
(۴) كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۙ	ایسا نہیں ہے (جیسا وہ سوچتے ہیں) انہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا۔
(۵)ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ	پھر بھی ویسا نہیں ہے (جیسا وہ خیال کرتے ہیں) انہیں عنقریب معلوم ہوجائے گا۔

تفسیر

اہم خبر

سورہ کی پہلی آیت میں تعجب آمیز استفہام کے عنوان سے فرماتا ہے:''وہ ایک دوسرے سے کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اس کے بعد بغیر اس کے کہ جواب کا انتظار کرتا خود اس کے جواب میں فرماتا ہے:''وہ ایک عظیم اور اہم خبر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہی خبر جس میں ہمیشہ اختلاف رکھتے ہیں'' اس خبر عظیم سے مراد کیا ہے،

اس سورہ کی تمام آیات میں غور وفکر کرنے سے اور ان تعبیروں کو پیش نظر رکھنے سے جو بعد والی آیات میں آئی ہیں۔ مثلاً (ان یوم الفصل کان میقاتاً) کا جملہ جو زمین وآسمان میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں کے ذکر کے بعد آیا ہے، اور اس حقیقت کی طرف توجہ کہ مشرکین کی شدید ترین مخالفت مسئلہ معاد میں تھی، یہ سب امور پہلی تفسیر یعنی معاد وقیامت کی تائید کرتے ہیں۔

لیکن یہ اس میں مانع نہیں ہے کہ اس آیت کے اور بھی مصداق ہوں۔ دوسرے یہ کہ، جیسا کہ ہم جانتے ہیں اور بارہا ہم نے کہا بھی ہے، 'قرآن کے مختلف باطن ہیں یعنی اس بات کا امکان ہے کہ آیت کی کئی معانی ہوں جن میں سے ایک معنی ظاہر ہوں اور دوسرے بطون قرآن رکھتے ہوں، جن سے مختلف قرائن کے ذریعہ استفادہ کیا جاسکتا ہو۔

بہت سی اہل بیت سے اور بعض اہل سنت کے طرق سے نقل شدہ روایات میں " نباء عظیم "(بہت بڑی خبر) کی تفسیر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولایت وامامت سے ہوئی ہے جس سے ایک جماعت کو اختلاف ہے۔ اس کی تفسیر ولایت عمومی سے بھی ہوئی ہے۔

اور عنقریب انہیں معلوم ہوجائے گا، پھر بھی ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں اور عنقریب وہ آگاہ ہوجائیں گے۔'' اس دن باخبر ہوں گے جس دن ان کی واحسرتا کی فریاد بلند ہوگی، وہ اپنی کوتاہی اور کمی سے سخت پشیمان ہوں گے۔

وہ دن جس میں عذاب کی لہریں ان کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور وہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا تقاضا کریں گے۔ کیا واپس لوٹنے کی کوئی راہ ہے؟ یہاں تک کہ موت کے وقت جب انسان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ جائیں گے اور دوسری دنیا کے حقائق اس کے سامنے ظاہر ہوں گے اور اسے برزخ و معاد کا یقین ہو جائے گا تو اس وقت اس کی فریاد بلند ہوگی کہ مجھے واپس لوٹاؤ تا کہ میں عمل صالح انجام دوں۔

(٦) اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ	کیا ہم نے زمین کو (تمہارے) آرام وسکون کی جگہ قرار نہیں دیا۔
(٧) وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۪ۙ	اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں (نہیں بنایا)
(٨) وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ	اور تمہیں زوج زوج کی شکل میں پیدا (نہیں کیا)۔
(٩) وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ	اور تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے سکون کا باعث قرار دیا۔
(١٠) وَّ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا ۙ	اور رات کو (تمہارے لئے) لباس (بنایا)۔
(١١) وَّ جَعَلۡنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪	اور دن کو معاش کا ذریعہ (قرار دیا)۔
(١٢) وَّ بَنَیۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا ۙ	اور تم پر ہم نے سات مستحکم آسمان بنائے۔
(١٣) وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪ۙ	اور روشن اور حرارت بخش چراغ ہم نے پیدا کیا۔
(١٤) وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ	اور برسنے والے بادلوں سے بہت زیادہ پانی ہم نے نازل کیا۔
(١٥) لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ	تا کہ اس کے ذریعہ ہم بہت سی فصلیں اور نباتات اُگائیں۔
(١٦) وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ؕ	اور درختوں سے پر باغات؟

تفسیر

یہ آیتیں حقیقت میں منکرین معاد اور نباء عظیم میں اختلاف کرنے والوں کے سوالوں کا جواب ہیں، اس لئے کہ ان آیت میں اس عالم ہستی کے حکیمانہ نظام اور حساب شدہ نعمتوں کا ایک ایسا گوشہ بیان ہوا ہے جو انسانوں کی زندگی پر بہت ہی اثر انداز ہے، جو ایک طرف تو ہر چیز پر، علی الخصوص مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت اللہ کی واضح دلیل ہے، دوسری طرف اس سمت اشارہ ہے کہ

حکیمانہ نظام فضول اور عبث نہیں۔

حالانکہ اگر دنیا کی اس مادی زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ ہی تمام معاملات ختم ہو جائے تو یقیناً یہ منصوبہ عبث اور فضول ہوتا، اور اس طرح یہ آیات دو جہتوں سے مسئلہ معاد کے لئے استدلال فراہم کرتی ہیں۔ ''برہان حکمت'' کے طریق سے بھی۔

ان گیارہ آیتوں میں بارہ اہم نعمتوں کی طرف لطف ومحبت سے لبریز استدلال اور کرم ومہربانی کی تشویق سے ہم آغوش تعبیروں ک ساتھ اشارہ ہوا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اگر عقلی دلائل کے ساتھ روحانی مسرت کا سامان نہ ہو تو پھر استدلان عقلی کی تاثیر کم ہو جائے گی۔

ابتداء زمین سے کی ہے فرماتا ہے: ''کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور تمہارے لئے سکون کی جگہ قرار نہیں دیا ہے۔''

زمین کے لئے اس تعبیر کا انتخاب بہت ہی پُرمعنی ہے، اس لئے کہ ایک تو زمین کے بہت سے حصے اس طرح نرم وصاف اور مرتب ہیں کہ انسان ان پر اچھی طرح سے گھر بنا سکتا ہے۔ زراعت کر سکتا ہے، اور باغ لگا سکتا ہے۔ دوسرے اس کی تمام ضرورتیں سطح زمین کی گہرائیوں میں مواد اولیہ اور قیمتی معدنیات کی شکل میں موجود ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان کے زائد مواد کو زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے، مُردوں کے جسم اس کے اندر دفن کرنے سے بہت جلد ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں اور اس طرح انواع واقسام کے جراثیم ان پوشیدہ اثرات کے ماتحت ختم ہو جاتے ہیں جو دست قدرت نے زمین کو ودیعت کئے ہیں۔

چوتھے یہ کہ زمین سورج کے گرد اور خود اپنے گرد نرم اور تیز قسم کی گردش کرتی ہے جس سے رات اور دن بنتے ہیں اور وہ چار فصلیں حاصل ہوتی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

اور چونکہ ممکن ہے کہ سطح زمینوں کی نرمی کے مقابلہ میں پہاڑوں کی اہمیت اور انسانی زندگی میں ان کے اثرات فراموش ہو جائیں، اس لئے بعد والی آیت میں فرمایا ہے:

''کیا ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں قرار نہیں دیا'' پہاڑ اس کے علاوہ کہ بہت عظیم اور بڑی بڑی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں رکھتے ہیں اور وہاں یہ ایک دوسرے سے پیوست ہیں اور یہ زمین کی کھال کو زرہ کی طرح اندرونی طور پر پگھلنے والے مواد کے دباؤ سے اور چاند سے پیدا ہونے والے مدوجزر کے جاذبہ کی تاثیر محفوظ رکھتے ہیں اور شدید اور زبردست طوفانوں کے مقابلہ میں دیوار ثابت ہوتے ہیں۔

مزید یہ پانی اور قیمتی معدنیات کا مرکز ہیں ان سب باتوں کے علاوہ کرہ زمین کے اطراف میں ہوا کا اک عظیم خطہ موجود ہے جس میں پہاڑ، سائیکل کے دندانے دار چکر کی شکل میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں اور زمین کے ہمراہ حرکت کرتے ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر سطح زمین صاف ہوتی تو ہوا کا طبقہ زمین کی حرکت کے وقت اس کے اوپر ہلتا رہتا اور بڑے بڑے

طوفان پیدا کرتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ دائمی ٹکراؤ زمین کو زیادہ گرم، جلن پیدا کرنے والی اور ناقابل سکونت بنادیتا ہے۔

آفاقی نعمتوں کے دونمونے بیان کرنے کے بعد وجود انسانی کی اندرونی اور انفسی آیات کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔''

''ازواج'' ''زوج'' کی جمع ہے جو مذکر و مؤنث کی جنس کے معنوں میں ہے، انسان کی خلقت ان دو صنفوں سے، علاوہ اس کے کہ اس کی نسل کہ بقاء کی ضامن ہے، اس کے جسم و جان کے سکون کا سبب بھی ہے۔ جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۲۱ میں ہم پڑھتے ہیں۔

''عظمت خدا کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری نوع میں سے تمہاری ازواج کو پیدا کیا ہے تا کہ ان کے ذریعہ تمہیں سکون نصیب ہو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت قرار دی ہے۔''

اس کے بعد نیند جو انسان کے لئے اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے آرام و سکون کا باعث قرار دیا ہے۔''

باوجودیکہ انسانی زندگی کے ایک تہائی حصے کو نیند گھیرے ہوئے ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ انسان کو پیش آتی ہے لیکن نیند کے اسرار ابھی تک اچھی طرح نہیں کھلے حتیٰ کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ وہ کونسا عامل ہے جو اس چیز کا سبب بنتا ہے کہ ایک معین وقت میں دفاع کی فعالیتوں کا ایک حصہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس کے بعد آنکھوں کی پلکیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور تمام اعضائے بدن سکون سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔

اگر چہ مندرجہ بالا آیت نیند کو اللہ کی عطا کو ہوئی ایک نعمت قرار دیتی ہے لیکن چونکہ نیند موت سے مشابہت رکھتی ہے اور بیداری قیامت اور مردوں کے قبروں سے اٹھنے سے مشابہ ہے لہٰذا اس طرف بھی اشارہ ممکن نظر آتا ہے۔ اس کے بعد نیند ہی کے حوالے سے رات کی بات نکل آئی ہے جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔

پروردگار عالم فرماتا ہے:

''ہم نے رات کو لباس قرار دیا ہے۔'' پھر بلا فاصلہ مزید فرماتا ہے: ''اور دن کو زندگی کے لئے ہم نے وسیلہ قرار دیا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت کے مطابق پردۂ شب زمین کی پوشش اور لباس کا کام دیتا ہے اور تمام زندہ موجودات جو میں پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ زندگی کی تھکا دینے والی مصروفیتوں کو مجبوراً معطل کر دیتے ہیں اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں اور تاریکی جو سکون و آرام اور استراحت کا سبب ہے، ہر چیز پر تسلط اختیار کر لیتی ہے تا کہ تھکے ماندے جسم تر و تازہ ہو جائیں اور خستہ و کوبیدہ انسان دوبارہ نشاط روح کو خاص کرلے، اس لئے کہ سکون و آرام کی نیند تاریکی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

قطع نظر ان سب باتوں سے پردۂ شب کے حائل ہو جانے سے سورج کی روشنی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مسلسل پڑتی رہے تو

تمام نباتات و جمادات کو جلا کر رکھ دے اور کام کے قابل نہ رہے۔

آخری بات یہ ہے کہ دن اور رات کی آمدورفت اوران کے نظام دقیق کے تدریجی تغیرات عمل تخلیق کی ایک آیت اور اللہ کی ایک نشانی ہیں۔اس کے علاوہ انسانوں کی زندگی کی زمانی نظام بندی کے لئے ایک طبعی اور فطری تقویم کے پیدا ہونے کا سرچشمہ شمار ہوتے ہیں،اس کے بعد زمین سے آسمان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''ہم نے تمہارے سر کے اوپر سات مستحکم آسمان بنائے۔'' یہاں سات کا عدد ہوسکتا ہے۔کہ عدد تکثیر ہو اور آسمان کے متعدد کُروں، کہکشاؤں اور نظام شمسی کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہو جو مستحکم خلقت اور عظیم و قوی تعمیر کے حامل ہیں۔یا یہ عدد'' تعداد'' ہو، اس طرح کہ جتنے ستارے،ہم دیکھتے ہیں۔

سورہ صافات کی آیت ٦ کے حکم کے مطابق ''ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی؛'' پہلے آسمان سے متعلق ہوں اوران کے علاوہ چھ دوسرے عوالم اور آسمان وجود رکھتے ہوں جو علم بشر کی دسترس سے خارج ہیں۔

آسمانوں کی خلقت کی طرف ایک اجمالی اشارہ کرنے کے بعد آفتاب عالمتاب جیسی عظیم نعمت کی طرف رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''ہم نے نورانی اور حرارت بخش چراغ پیدا کیا ہے۔''

''وھاج'' ''وھج'' (بروزن کرج) کے مادہ سے اس نور و حرارت کے معنی میں ہے جو آگ سے برآمد ہوتے ہیں۔

اس بناء پر اس پرفروغ چراغ آسمانی کی اس صفت کا ذکر دو عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جو اس جہان کی عام مادی نعمتوں کا سرچشمہ ہیں،یعنی ''نور و حرارت'' سورج کی روشنی نہ صرف یہ کہ انسان کی زندگی کے تمام نظام شمسی کے صحن کو روشن کرتی ہے بلکہ زندہ موجودات کی پرورش میں بڑا گہرا دخل رکھتی ہے سورج کی حرارت علاوہ اس کے کہ انسان،حیوان اور نباتات کی زندگی میں براہ راست اثر انداز ہوتی ہے،بادلوں کے بننے،ہواؤں کے چلنے،بارشوں کے برسنے اور خشک زمینوں کی آبیاری کا اصل منبع و سرچشمہ ہے۔

سورج مخصوص شعاعوں کی وجہ سے (آبی اور سرخ شعاؤں کے علاوہ) جراثیم کُشی میں بہت زیادہ کارآمد ہے۔

سورج صحیح و سالم مفت اور دائمی مناسب فاصلے سے نہ زیادہ گرم اور جلانے والی،اور نہ سرد اور بے روح روشنی ہم سب کو عطا کرتا ہے۔

نور حرارت کی نعمت کے بعد ایک اور حیاتی مادہ جو سورج کے چمکنے سے تعلق رکھتا ہے،اس کی بات درمیان میں لاتا ہے اور مزید فرماتا ہے:

''اور ہم نے بارش برسانے والے بادلوں سے بہت سا پانی نازل فرمایا''

اول تو بارش کا ہونا بجائے خود خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے، یہ ہوا کو لطیف کرتا ہے، آلودگیوں کو دھوڑ التا ہے، کثافتوں کو ختم کر دیتا ہے، ہوا کی گرمی میں کمی پیدا کرتا ہے، یہاں تک کہ سردی کو معتدل بنا دیتا ہے، اس سے بیماری کے عوامل میں کمی ہو جاتی ہے اور انسان کو روح نشاط حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اس سے اگلی آیت میں، اس کے تین اہم فوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''بارش کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ ہم غذائی فصلوں اور سبزہ کو اس کے ذریعہ زمین سے باہر نکالیں۔''

درحقیقت ان دو آیتوں میں اس تمام مواد غذا کی طرف اشارہ ہے جس سے انسان اور حیوان فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ مواد زمین سے اُگتا ہے۔ اس مواد غذائی کے اہم حصہ کو غذائی دانے تشکیل دیتے ہیں۔

دوسرا حصہ سبزیوں اور جڑی بوٹیوں کا ہے۔ ایک اور حصہ میووں اور پھلوں کا ہے۔''

(۱۷) اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًا ۙ	جدائی کا دن سب کی میعاد ہے۔
(۱۸) یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۙ	وہ دن جس میں صور پھونکا جائیگا اور تم فوج فوج ہو کر میدانِ محشر میں وارد ہو گے۔
(۱۹) وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَکَانَتۡ اَبۡوَابًا ۙ	اور آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ متعدد دروازوں کی صورت میں ہو جائے گا۔
(۲۰) وَّ سُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَکَانَتۡ سَرَابًا ؕ	اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور سراب کی شکل میں ہو جائیں گے۔

تفسیر

آخر کار روزِ موعود آ کر رہے گا۔

گزشتہ آیتوں میں معاد کے مختلف دلائل آئے تھے۔ پہلی زیر بحث آیت میں ایک نتیجہ پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے؛'' جدائی کا دن سب کا دن ہے۔''

''یوم الفصل'' کی تعبیر ہی پر معنی ہے جو اس عظیم دن میں ہونے والی جدائیوں کو بیان کرتی ہے۔ حق کی باطل سے علیحدگی، نیک مومنین کی بدکار مجرموں سے علیحدگی، ماں باپ کی اولاد سے جدائی اور بھائی کی بھائی سے جدائی۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی بعض خصوصیات اور حوادث کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے:

''وہی دن جس میں صور پھونکا جائے گا اور تم فوج فوج میدان محشر میں وارد ہوگے۔'' آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ صور کے عنوان سے دو عظیم حادثے برپا ہوں گے، جن میں سے پہلے حادثہ سے عالم ہستی کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دوسرے حادثہ کے نتیجہ میں عالم دوبارہ وجود میں آجائے گا اور مردے نئی زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے اور بڑی قیامت برپا ہوگی۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ:

''آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ متعدد دروازوں کی شکل میں ہو جائے گا۔'' ان دروازوں سے کیا مراد ہے؟ اور ان کے کھلنے کا کیا مفہوم ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عالم غیب کے دروازے عالم شہود میں کھل جائیں گے، پردے ہٹ جائیں گے اور فرشتوں کا جہان دنیائے انسانیت میں اپنا راستہ نکال لے گا۔

آخری زیر بحث آیت میں پہاڑوں کی کیفیت کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے۔'' پہاڑوں کو چلایا جائے گا اور وہ آخر کار سیراب ہو جائیں گے۔''

قرآن کی مختلف آیتوں کے اجتماع سے قیامت میں پہاڑوں کی سرنوشت کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ پہاڑ کئی مرحلے طے کریں گے۔'' پہلے تو پہاڑ حرکت میں آجائیں گے۔'' (چلنے لگیں گے)۔ (طور/۱۰) '' پھر وہ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔'' (حاقہ/۱۴) '' اور اس کے بعد ایک دوسرے پر پڑے ہوئے ریت کے تودوں کی طرح ہو جائیں گے۔'' (مزمل/۱۴)۔'' اس کے بعد دھنکی ہوئی اُون کی شکل کے ہو جائیں گے جو فضا میں اڑ رہی ہو (مزمل/۱۴) پھر اس گرد وغبار کی طرح ہو جائیں گے جو فضا میں بکھر جاتا ہے''۔ (واقعہ/۵۔۶)

آخر میں جیسا کہ زیر بحث آیت میں آیا ہے صرف ان کے اثرات باقی رہ جائیں گے اور وہ دور سے سراب نظر آئیں گے۔

(۲۱) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۙ	بے شک جہنم ایک بہت بڑی کمین گاہ ہے۔
(۲۲) لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ۙ	اور سرکشی کرنے والوں کے لئے بازگشت کی جگہ۔
(۲۳) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۚ	وہ اس میں طویل مدت تک رہیں گے۔
(۲۴) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۙ	وہاں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے اور نہ کوئی خوشگوار مشروب۔
(۲۵) اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ۙ	سوائے جلتے ہوئے پانی، پیپ اور لہو کے۔
(۲۶) جَزَآءً وِّفَاقًا ؕ	یہ سزا ان کے اعمال کے مطابق ہے۔

(۲۷)اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۙ	اس لئے کہ انہیں حساب کی امید نہیں تھی۔
(۲۸)وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ؕ	اورانہوں نے ہماری آیتوں کی مکمل طور پر تکذیب کی۔
(۲۹) وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۙ	اور ہم نے ہر چیز کا احصاء کیا ہوا ہے اور اسے ثبت کیا ہے۔
(۳۰) فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۧ	پس چکھو (عذاب کا مزہ)، عذاب کے علاوہ ہم تم پر کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کریں گے۔

تفسیر

جہنم ایک عظیم کمیں گاہ ہے۔

معاد کے متعلق دلائل اور قیامت کے بعض حوادث کو بیان کرنے کے بعد قرآن دوزخیوں اور جہنمیوں کی سرنوشت کی طرف رُخ کرتا ہے۔ بات پہلے دوزخیوں سے شروع ہوتی ہے۔ فرماتا ہے: ''جہنم ایک کمیں گاہ ہے۔ اور سرکشوں کی بازگشت کا مقام ہے۔ اور اس میں طویل مدت تک رہیں گے۔''

اس کے بعد جہنم کے شدید عذابوں کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہ وہاں نہ کوئی ٹھنڈی چیز چکھیں گے جو جہنم کی وحشت ناک گرمی کو کم کرسکے اور نہ کوئی خوشگوار مشروب ملے گا جو ان کی شدید پیاس کو تسکین بخشے۔'' ''سوائے جلتے ہوئے پانی، پیپ اور لہو کے۔'' ''اور سوائے آگ کے گاڑھے، گرم، خفقان میں مبتلا کردینے والے اور گھٹن پیدا کرنے والے دھوئیں کے سائے کے، جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت ۴۳ میں آیا ہے۔

یہ اس صورت میں ہوگا جبکہ جنت والے اپنے پروردگار کی طرف سے شراب طہور کے خوشگوار چشموں سے سیراب ہوں گے۔

چونکہ ممکن ہے کہ ان سخت اور شدید عذابوں کا وجود بعض افراد کو عجیب نظر آئے لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے۔

''یہ سزا ان کے عمال کے موافق و مناسب ہے۔'' ایسا کیوں نہ ہو، اس لئے کہ انہوں نے اس دنیا میں مظلوموں کے دل جلائے ہیں اور ان کے قلب و جان میں آگ لگائی ہے اور اپنے ظلم و ستم اور سرکشی کی وجہ سے کسی پر رحم نہیں کھایا۔

بعد اس سزا کی علت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''یہ اس بناء پر ہے کہ وہ حساب کتاب کی امید اور اللہ کا خوف نہیں رکھتے تھے۔'' حساب اور روز جزا سے یہی بے اعتنائی ان کی سرکشی اور ظلم و ستم کا باعث بنی تھی اور اسی ظلم و فساد نے ان کے لئے اس قسم کی دردناک سرنوشت فراہم کی۔ حقیقت میں حساب کے

متعلق عدم اطمنیان سرکشی کا سبب ہے اور وہ ان سخت قسم کے عذابوں کا عامل وسبب ہے۔''

وہ قیامت میں ہونے والے حساب وکتاب کو بالکل فراموش کر چکے تھے اور اسے اپنی زندگی کے لائحہ عمل میں سے مکمل طور پر حذف کر چکے تھے۔

اسی لئے بلا فاصلہ مزید کہتا ہے۔:''انہوں نے ہماری آیات کی مکمل طور پر تکذیب کی۔''

ان پر ہوائے نفس اس طرح غالب آئی کہ انہوں نے خواب غفلت جگانے والی تمام الٰہی آیات کا شدت سے انکار کیا تا کہ وہ اپنی سرکشی کو اور ہوا و ہوس کے مشغلہ کو جاری رکھ سکیں اور اپنی غیر شرعی خواہشات کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اس کے بعد ان سرکشوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اور جرم وحاکمیت وسزائے مناسب کے درمیان موازنہ کے موجود ہونے کے مسئلہ پر تاکید کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:''ہم نے ہر چیز کا قطعی اور یقینی طور پر احصا کیا ہے۔''

تا کہ تم یہ گمان نہ کرو کہ کوئی چیز تمہارے اعمال میں سے بے حساب اور بغیر سزا کے رہ جائے گی اور یہ خیال بھی تمہیں نہ ہو کہ یہ شدید قسم کی سزائیں غیر منصفانہ ہیں۔

یہ حقیقت بہت سی قرآنی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے:''جس کام کو انہوں نے انجام دیا اور ان کے نامۂ اعمال میں ثبت ہے اور ہر چھوٹا بڑا کام لکھا جاتا ہے۔''

علاوہ ازیں ہم پڑھتے ہیں۔''اور ہم ان تمام چیزوں کو جنہیں تم نے آگے بھیجا ہے اور اسی طرح ہم ان کے آثار کو لکھتے ہیں۔''

اس لئے جب مجرموں کے نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں دیں گے تو ان کی فریاد بلند ہوگی اور وہ کہیں گے:''وائے ہو ہم پر۔اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہے جسے ثبت نہ کیا گیا ہو اور وہ شمار نہ ہوا ہو۔''

یہی اعتقاد انسان اور گناہ کے درمیان بہت بڑی رکاوٹ ڈال دے گا اور وہ تربیت ذات کے اہم عوامل میں شمار ہوگا۔

آخری زیر بحث آیت میں گفتگو کے لب ولہجہ کو تبدیل کرتے ہوئے انہیں غائب سے مخاطب بنا کر، تہدید آمیز غصہ سے بھرے ہوئے اور دل ہلا دینے والے جملے فرماتا ہے۔''پس چکھو، ہم تم پر سوائے عذاب کے اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتے۔''

یہ سزا ہے ان لوگوں کی جو انبیاء اللہ کی محبت آمیز دعوت فکر کے مقابلے میں یہ کہتے تھے۔''ہمارے لئے یکساں ہے کہ ہمیں تو نصیحت کرے یا نہ کرے۔''

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

''یہ آیت قرآن کریم کی شدید ترین آیت ہے جو دوزخیوں کے بارے میں آئی ہے''۔

(۳۱) اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ۙ	پرہیزگاروں کے لئے یقیناً کامیابی ہے۔
(۳۲) حَدَآئِقَ وَ اَعۡنَابًا ۙ	سرسبز باغات اور انواع واقسام کے انگور ہیں۔
(۳۳) وَّ کَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ۙ	اور بھرپور اور جوان ہم سن حوریں ہیں۔
(۳۴) وَّ کَاۡسًا دِهَاقًا	اور لبریز و لگاتار و مسلسل جام ہیں۔
(۳۵) لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّ لَا کِذّٰبًا ۚ	وہاں نہ کوئی لغو و بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔
(۳۶) جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا ۙ	یہ جزا ہے تیرے پروردگار کی طرف سے اور کافی عطیہ ہے۔
(۳۷) رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ۚ	وہی جو آسمانوں و زمیں اور جو ان کے درمیان ہے ان کا پروردگار ہے وہی خدا جو رحمٰن ہے اور کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ اسکی اجازت کے بغیر بات کرے۔ (یا شفاعت کرے)۔

تفسیر

پرہیزگاروں کی عظیم جزا کا ایک حصہ

گزشتہ آیات میں گفتگو سرکشی کرنے والوں کی سرنوشت اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے ایک حصہ اور اس کی بدبختی کے سبب کے بارے میں تھی اور زیر بحث آیات میں اس کے نقطہ مقابل کی تشریح ہو رہی ہے، سچے مومنین اور پرہیزگاروں کے لئے قیامت میں جو نعمتیں ہیں ان کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تاکہ تقابل کی وجہ سے حقائق زیادہ واضح ہوں۔

قرآن مجید کا یہی طریقہ دوسری صورتوں میں بھی ہے کہ وہ اضداد کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں لا کر ان کی حقیقت و کیفیت کو مقابلہ اور موازنہ کے ذریعہ واضح کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ''پرہیزگاروں کے لئے عظیم کامیابی اور نجات ہے۔''

اسکے بعد اس سعادت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''سرسبز و پر مسرت و محفوظ باغات انواع واقسام کے انگوروں اور پھلوں کے ساتھ۔''

پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے۔ ''تمہارے میووں اور پھلوں میں سے انگور سب سے بہتر ہے۔''

اس کے بعد جنت کی بیویوں کی طرف، جو پرہیزگاروں کو ملنے والی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں، اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''ان کے لئے بہت ہی نوجوان حوریں ہیں جن کے سینوں کا ابھار نیا نیا ظاہرا ہوا ہے اور جو ہم سن ہیں۔''

اس کے بعد جنت کی چوتھی نعمت جو پرہیزگاروں کے انتظار میں ہے اس کی اس طرح تشریح کرتا ہے ''اور لبریز و مسلسل شراب طہور کے جام'' یہ دنیاوی شراب کی طرح نجس شراب نہیں ہوگی جو عقل کو بیکار کر دیتی ہے اور انسان کو جانور کی حد تک گرا دیتی ہے، بلکہ ایسی شراب ہوگی جو عقل میں اضافہ کرے گی، وہ نشاط آفرین، جاں پرور اور روح افزا ہوگی۔

دنیا میں جام و شراب کی گفتگو اس کے غیر مطلوب معانی کا تقاضا کرتی ہے جبکہ جنت کی شراب دنیا کی شیطانی شرابوں سے بالکل متضاد ہے۔ لہٰذا بلا فاصلہ مزید کہتا ہے: ''جنت والے وہاں نہ لغو و بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ سنیں گے۔''

اہل جنت کو ملنے والی عظیم معنوی نعمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں دروغ گوئی، بے ہودگی، تہمت، حق کی تکذیب، باطل کی توجیہ اور ان نامعقول باتوں کا نام و نشان تک نہیں ہوگا جو پرہیزگاروں کے دلوں کو اس دنیا میں تکلیف پہنچاتی ہیں۔ اور واقعی کیا ہی خوب صورت اور اچھا ہوگا وہ ماحول جس میں ان غیر موزوں، تکلیف دہ اور رنج پہنچانے والی باتوں کا نشان تک نہ ہوگا اور سورہ مریم کی آیت ۲۶ کے مطابق ''وہ سوائے سلام اور صلح آمیز باتوں کے وہاں کوئی اور بات نہیں سنیں گے۔''

ان نعمتوں کے بیان کے آخر میں ایک اور معنوی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یہ جزا ہے تیرے پروردگار کی جانب سے اور کافی عطیہ ہے۔''

اس سے کوئی نعمت اور بشارت بالا ہے کہ ضعیف و کمزور بندہ اپنے مولائے کریم کی نوازش، کرم اور لطف و کرم کا مورد قرار پائے۔ وہ اس کا اکرام کرے، اسے بزرگی عطا کرے اور خلعت بخشے۔ یہ توجہ عنایت اور یہ لطف و محبت مومنین کو اس قسم کا لطف دے گی جس کا کوئی نعمت مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بقول شاعر:

من کہ باشم کہ براں خاطر عاطر گزرم لطفہامی کنی اے خاك ورت تاج سرم

میں کون ہوں جس کا اس کے پاک اور معطر دل میں گزر ہو۔ یہ تو ہے وہ شخص، جس کے در کی خاک میرے سر کا تاج ہے، تیرے لطف و کرم ہے۔

اس کے بعد آخری آیت میں مزید کہتا ہے ''یہ عظیم عطیات وہی بخشتا ہے جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان کا پروردگار ہے۔ وہی اللہ جو رحمٰن اور بخشنے والا ہے۔

حقیقت میں مندرجہ بالا آیات اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اللہ اس قسم کا دعویٰ کرتا ہے تو اس نے اس دنیا میں اس کے ایک گوشہ کی اپنی رحمت عامہ کی شکل میں اہل آسمان و زمین کو نشاندہی کرائی ہے۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے: ’کوئی اور شخص حق نہیں رکھتا کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں بات کرے یا شفاعت کرے۔‘‘

اس لئے کہ خدائی حساب اس قدر باریک بینی پر مبنی اور عادلانہ ہے کہ کسی قسم کے چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۳۸) يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙۚ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا	یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب روح اور ملائکہ ایک ہی صف میں قیام کریں گے اور کوئی بھی خدائے رحمٰن کے اذن کے بغیر بات نہیں کرے گا اور اس وقت سب درست بات کریں گے۔
(۳۹) ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا	وہ دن حق ہے جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف جانے والی راہ کا انتخاب کرسکتا ہے۔
(۴۰) اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۖۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ۧ	اور ہم تمہیں قریبی عذاب سے ڈراتے ہیں۔ یہ عذاب اس دن نازل ہوگا جب انسان جو کچھ پہلے بھیج چکا ہے اسے دیکھے گا اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔

تفسیر

کافر کہیں گے کاش ہم مٹی ہوتے

گزشتہ آیتوں میں قیامت کے دن سرکشوں پر نازل ہونے والے عذاب اور پرہیزگاروں کو حاصل ہونے والی نعمتوں کا قابل ملاحظہ بیان تھا۔ زیر بحث آیات میں اس عظیم دن کا تعارف کرانے کے لئے اس کے بعض اوصاف اور حوادث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ’’یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب روح (یہاں روح سے مراد ایک فرشتہ ہے) جو تمام فرشتوں سے برتر ہے جبرائیل امین سے بھی افضل و برتر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو جبرائیل و میکائیل کے ساتھ بھی ہے۔

بہرحال یہ عظیم خدائی مخلوق چاہے فرشتوں میں سے ہو یا اور کوئی اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہو، اللہ کے فرمان کی اطاعت کے لئے ملائکہ کے ساتھ اطاعت کو آمادہ ہے اور اس طرح قیامت کی ہولناکی اور محشر کے اضطراب نے سب کو گھیر رکھا ہوگا کہ کسی کو بھی بات کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

''ہم اپنے پروردگار کی تمجید و تعریف کریں گے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجیں گے اور اپنے پیروکاروں کی شفاعت کریں گے اور اللہ ہماری شفاعت کو رد نہیں کرے گا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و ائمہ معصومین علیہم السلام بھی ملائکہ اور روح کی صف میں قیام کریں گے اور انہیں بات کرنے، اللہ کی حمد و ثنا کرنے اور شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی طرف جو انسانوں اور فرشتوں کے قیام کا دن بھی ہے، وہ یوم الفصل ہے، سرکشوں پر نزول عذاب کا دن ہے اور متقیوں کے اجر پانے کا دن ہے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ دن حق ہے۔''

حق اس چیز کے معنی میں ہے جو ثابت ہے اور واقعیت رکھتی ہے اور تحقق پائے گی اور یہ معنی قیامت کے بارے میں مکمل طور پر ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ ایسا دن ہے جس دن ہر شخص کا حق دیا جائے گا۔ مظلوموں کا حق ظالموں سے لیا جائے گا اس دن اسرار ظاہر ہوں گے اس لئے وہ ایسا دن ہے جو پورے طور پر حق ہے۔ چونکہ اس واقعیت کی طرف توجہ انسان کے اللہ کی طرف رجوع اور اس کے فرمان کی اطاعت کے لئے موثر ترین محرک اور سبب بن سکتی ہے، اس لئے بلا فاصلہ مزید کہتا ہے۔

پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہے اور لوٹتا ہے (اس کی طرف) راستہ۔

یعنی اس محرک کے تمام اسباب فراہم ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کے لئے ہے اور راستے اور کنویں دکھائے جا چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے کافی حد تک فرمان حق کی تبلیغ کی ہے اور عقل انسانی نے بھی، جو اس کے اندر کا پیغمبر ہے۔ سرکشوں اور پرہیزگاروں کی سرنوشت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ عدالت، مظلوم اور قاضی بھی معین ہو چکے ہیں۔ اکیلی چیز جو باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان دوٹوک فیصلہ کرے اور اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو اللہ نے اسے دیا ہے راستے کا انتخاب کرے اور آگے بڑھے۔

اس کے بعد مجرمین کی سزا کے مسئلہ پر تاکید کے عنوان سے اور اس عظیم دن کے ان لوگوں سے نزدیک ہونے کو بیان کرتے ہوئے جو اسے دور سمجھتے ہیں، یا اسکے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

مزید فرماتا ہے: ''ہم تمہیں قریب کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔''

امیر المومنین علی علیہ السلام بھی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جو آنے والی ہے قریب ہے''۔

کیوں نزدیک نہ ہو جبکہ عذاب الٰہی کا اصل سبب خود انسانوں کے اعمال ہیں جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں اور جہنم نے ابھی سے ان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ (عنکبوت/۵۴)۔ اور چونکہ اس دن ایک گروہ عظیم حسرت و اندوہ میں غرق ہوتے ہوئے نادم و پشیمان ہوگا اور جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

اس تنبیہ کے بعد مزید کہتا ہے۔ ''یہ عذاب اس دن واقع ہوگا جس دن انسان جو کچھ اپنے ہاتھ سے آگے بھیج چکا ہے وہ سب دیکھے گا اور کافر کہے گا (اے کاش میں مٹی ہوتا)۔

اصولی طور پر نیکو کاروں کا بہترین اجر اور بدکاروں کی مناسب ترین سزا ان کے مجسم اعمال ہیں جو ان کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

جی ہاں! اس انسان کا کام جو اشرف المخلوقات ہے بعض اوقات کفر و گناہ کی بنیاد بنتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ آرزو کرتے ہیں کہ وہ کسی بے روح اور پست مخلوق کی صف میں کھڑے ہوتے۔ آیات قرآنی میں ہم پڑھتے ہیں کہ کفار اور مجرم جب قیامت میں پروردگار کی دادرسی کا منظر اور اعمال کی جزاء کا مشاہدہ کریں گے تو وہ کئی عکس عمل دکھائیں گے جو ان کی شدت تاثر و تاسف کی ترجمانی کریں گے۔

کبھی کہیں گے وائے ہو ہم پر اور ہماری اس حسرت پر کہ ہم نے فرمان خداوندی کی اطاعت میں کوتاہی کی (زمر/ ۵۶)۔ اور کہیں گے، خداوندا! ہمیں دنیا کی طرف پلٹا تا کہ ہم عمل صالح کر سکیں۔ (الم سجدہ/۱۲)۔ اور کبھی کہیں گے کاش ہم خاک ہوتے اور کبھی زندہ نہ ہوتے، جیسا کہ زیر بحث آیات میں آیا ہے۔

سورۂ نازعات

یہ سورہ مکی ہے

اور اس میں ۴۶ آیتیں ہیں۔

سورۂ نازعات کے مضامین

یہ سورہ چھ حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔سب سے پہلے ایسی قسموں کے ساتھ تاکید جو مسئلہ معاد سے تعلق رکھتی ہیں، قیامت کے عظیم دن کے تحقق پر تاکید کی گئی ہے۔

۲۔اس سے بعد کے مرحلہ میں اس دن کے ہولناک اور وحشت ناک بعض مناظر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ایک اور حصہ میں مختصر سا اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قضیہ اور سرکش فرعون کی سرنوشت کی طرف ہے جو پیغمبر اور مومنین کی تسلی کا باعث بھی ہے اور سرکش مشرکین کے لئے تنبیہ بھی اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ معاد و قیامت کا انکار انسان کو کن گناہوں میں گرفتار کرتا ہے۔

۴۔ بعد والے حصہ میں آسمان و زمین قدرت خدا کے مظاہر کے کچھ نمونے ہیں جنہیں خود امکان معاد اور حیات بعد الممات کے لئے دلیل شمار کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ایک مرتبہ پھر اس عظیم دن کے وحشت ناک حوادث اور سرکشوں کے انجام اور نیکوکاروں کے اجر کی تشریح کرتا ہے۔

۶۔سورہ کے آخر میں اس حقیقت کی تاکید ہے کہ کوئی شخص بھی اس دن کی تاریخ سے باخبر نہیں ہے لیکن اس قدر مسلم ہے کہ وہ نزدیک ہے۔

اس سورہ کے لئے نازعات کے نام کا انتخاب اس کی پہلی آیت کی وجہ سے ہے۔

سورہ نازعات کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جو شخص سورہ نازعات کو پڑھے تو قیامت کے دن اس کا توقف وحساب روزانہ کی ایک نماز پڑھنے کی مقدار کے برابر ہوگا، اس کے بعد وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔''

مسلم ہے کہ جو شخص اس سورہ کے مضمون کو جس کی دل ہلا دینے والی آیتیں سوئی ہوئی ارواح کو بیدار کرتی ہیں اور انہیں ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتی ہیں، اپنے دل میں جگہ دے اور اس پر خلوص دل سے عمل کرے تو وہ مذکورہ اجر پائے گا۔ یقیناً وہ افراد اس اجر کو نہیں پا سکیں گے جو صرف الفاظ کے پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔

(۱) وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ	قسم ہے ان فرشتوں کی جو مجرموں کی ارواح ان کے جسموں سے شدت کے ساتھ کھینچتے ہیں۔
(۲) وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ	اور وہ فرشتے جو مومنین کی ارواح نرمی و مدارات کے ساتھ نکالتے ہیں۔
(۳) وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ	اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو حکم الٰہی کے اجراء میں جلدی کرتے ہیں۔
(۴) فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ	اور پھر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔
(۵) فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ وقف لازم	اور وہ جو امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

تفسیر

ان انتھک فرشتوں کی قسم

ان آیات میں پانچ موضوعات کی قسم کھائی گئی ہے اور ان قسموں کا مقصد مسئلہ معاد و قیامت کی حقانیت اور اس کے تحقق کو بیان کرنا ہے۔ "فرماتا ہے: "ان کی قسم جو سختی سے کھینچتے اور اکھاڑتے ہیں۔"

اور ان کی قسم جو راحت و آرام کے ساتھ جدا کرتے ہیں۔

اور ان کی قسم جو سرعت و تیزی سے چلتے ہیں۔

اور وہ جو اچھی طرح سبقت لے جاتے ہیں۔

اور وہ جو امور کی تدبیر کرتے ہیں۔

ان قسموں سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار و مجرمین کی ارواح کو قبض کرنے پر مامور ہیں جو ان روحوں کو بڑی شدت سے کفار و مجرمین کے جسموں سے نکالیں گے۔ وہ ارواح جو حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر بالکل آمادہ نہ تھے اور وہ فرشتے جو مومنین کی روحیں قبض کرنے پر مامور تھے جو مدارات، نرمی اور نشاط کے ساتھ انہیں جدا کرتے ہیں۔ وہ فرشتے جو فرمان الٰہی کے اجراء میں سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور پھر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو امور عالم کی اس کے فرمان کے ماتحت تدبیر کرتے ہیں۔

(٦) يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ	جس دن وحشت ناک زلزلے ہر چیز کو لرزا دیں گے۔
(٧) تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۗ	اور اس کے پیچھے دوسرا حادثہ (صیحہ عظیم) رونما ہوگا۔
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ	دل اس روز سخت مضطرب ہوں گے۔
(٩) اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ	اور ان کی آنکھیں خوف کی شدت کی وجہ سے دھنسی ہوئی ہوں گی۔
(١٠) يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِى الْحَافِرَةِ ۗ	(لیکن آج) وہ کہتے ہیں کیا ہم نئی زندگی کی طرف پلٹ جائیں گے؟
(١١) ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۗ	کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ممکن ہے کہ ہم زندہ ہوں؟)
(١٢) قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ	وہ کہتے ہیں اگر قیامت ہے تو نقصان دہ بازگشت ہے۔
(١٣) فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ	لیکن یہ بازگشت صرف ایک عظیم صیحہ (فریاد) سے واقع ہوگی۔
(١٤) فَاِذَاهُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۗ	اچانک سب کے سب زمین پر ظاہر ہو جائیں گے۔

تفسیر

معاد صرف ایک عظیم صیحہ سے رونما ہوگا۔

بعد اس کے کہ قیامت کا وقوع گزشتہ آیات میں تاکیدی قسموں کے ساتھ ایک امر حتمی ویقینی کی صورت میں بیان ہوا۔ زیر بحث آیات میں اس عظیم دن کی بعض نشانیوں اور حوادث کی تشریح کر کے فرماتا ہے:

''یہ قبروں سے اٹھنا ایسے دن ہوگا جس میں وحشتناک زلزلے ہر چیز کو لرزہ براندام کر دیں گے۔'' پھر دوسرا عظیم حادثہ رونما ہوگا۔

راجفہ سے مراد وہی پہلا صیحہ یا پہلے صور کا پھونکا جانا ہے جو عالم کو فنا کرنے والا ناقوس ہے اور ایسا زلزلہ ہے جو دنیا کو فنا کر کے رکھ دے گا اور رادفہ دوسرا صیحہ یا دوسرے صور کا پھونکا جانا ہے جس سے قیامت کا برپا ہونا اور نئی زندگی کی طرف بازگشت متعلق ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اس دن وہ دل سخت مضطرب ہوں گے۔''

مجرموں، گنہ گاروں اور سرکشی کرنے والوں کے دل شدید طور پر لرز رہے ہوں گے اور وہ حساب و کتاب اور جزا و سزا کے نگران ہیں۔

یہ اندرونی اضطراب اس قدر شدید ہوگا کہ اس کے آثار گنہگاروں کے سارے وجود میں ظاہر ہوں گے۔ اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''ان کی آنکھیں شدت خوف وہراس سے نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں گی۔''

''اس دن آنکھیں دھنسی ہوئی ہوں گے اور حرکت نہیں کرسکیں گی اور خیرہ ہوں گی۔ گویا وہ لوگ شدت خوف سے اپنی نگاہ گم کردیں گے۔ اب گفتگو کو قیامت سے دنیا کی طرف لے آیا ہے اور فرماتا ہے۔:

''ان سب چیزوں کو باوجود وہ اس دنیا میں کہتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے۔''

بعد والی آیت ان کی باتوں کو نقل کرتے ہوئے کہتی ہے کیا جس وقت ہم بوسیدہ اور پراگندہ ہڈیوں کی شکل میں ہوگئے تو دوبارہ زندگی کی طرف لوٹیں گے۔

یہ وہی چیز ہے جس پر منکرین معاد وقیامت ہمیشہ انحصار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ ریزہ ریزہ ہو جانے والی بوسیدہ ہڈی دوبارہ بدن میں لباس حیات پہنے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ صورت حال اور ایک زندہ وجود کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ دیکھتے تھے۔ وہ گویا فراموش کرچکے تھے کہ ابتداء میں بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے تھے۔

منکرین معاد صرف اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ معاد کا مذاق اڑاتے ہیں اور تمسخر کے انداز میں کہتے ہیں۔ ''اگر قیامت ہونی ہے تو نقصان دہ بازگشت کا سبب ہے ہماری حالت اس روز سخت اور دردناک ہوگی۔''

ان آیات کے آخر میں ایک مرتبہ پھر قیام قیامت اور حشر کے برپا ہونے کے مسئلہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے دوٹوک اور سرکوبی کرنے والے انداز میں فرماتا ہے:

''یہ بازگشت صرف ایک صیحہ اور عظیم فریاد سے واقع ہوگی۔'' اچانک سب کے سب کھڑے ہوجائیں گے۔ یہ کام پیچیدہ اور مشکل نہیں ہے جب بھی بحکم خدا دوسرا نفخہ پھونکا جائے گا اور زندگی کی اذان دی جائے گی تو تمام مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ایک ہی مرتبہ جمع ہوجائیں گی اور ان میں جان پڑ جائیگی اور سب قبروں سے نکل کر باہر آجائیں گے۔

(۱۵) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ؕ وقف لازم	کیا تجھ تک موسیٰ کی داستان نہیں پہنچی ہے؟
(۱۶) اِذْ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ	جس وقت اس کے پروردگار نے سرزمین مقدس طویٰ میں اس کو پکارا اور کہا۔

(۱۷) اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ	فرعون کی طرف جا کہ وہ سرکش و باغی ہوگیا ہے۔
(۱۸) فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰٓى اَنۡ تَزَكّٰى ۙ	اور اس سے کہہ! کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہوجائے۔
(۱۹) وَ اَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ۚ	اور میں تجھے تیرے پروردگار کی طرف ہدایت کروں تا کہ تو اس سے ڈرے۔
(۲۰) فَاَرٰىهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ۖ	اس کے بعد موسیٰ نے اسے (فرعون کو) عظیم معجزہ دکھایا۔
(۲۱) فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ۖ	لیکن اس نے تکذیب اور نافرمانی کی۔
(۲۲) ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ۖ	پھر پشت پھیری اور اس نے (دینِ موسیٰ کو مٹانے کی) مسلسل کوشش کی۔
(۲۳) فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ	اور جادوگروں کو جمع کیا اور لوگوں کو دعوت دی۔
(۲۴) فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ۖ	اور کہا میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں۔
(۲۵) فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَ الۡاُوۡلٰى ؕ	اس لئے اللہ نے اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کیا۔
(۲۶) اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ؕ ع	اس میں عبرت ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر

فرعون کہتا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا اللہ ہوں

نسبتاً تفصیلی بیانات کے بعد جو گزشتہ آیات میں مسئلہ معاد اور مشرکین کے انکار و مخالفت کے بارے میں آئے تھے زیر بحث آیات میں تاریخ کے ایک بہت بڑے سرکش یعنی فرعون اور اس کی دردناک سرنوشت کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ مشرکین عرب بھی جان لیں کہ ان سے زیادہ طاقتور افراد بھی اللہ کے غضب اور عذاب کے مقابلہ میں تاب مقاومت نہ لا سکے، اور مومنین کو بھی جوش دلائے کہ وہ دشمن کی ظاہری طاقت کی برتری سے دل میں خائف نہ ہوں اس لئے کہ ان کو درہم و برہم کرنا اللہ کے لئے بہت ہی آسان

ہے۔ پہلے یہاں سے شروع کرتا ہے۔

''کیا تجھ تک موسیٰ علیہ السلام کی داستان پہنچی ہے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''جس وقت اس کے پروردگار نے اسے سرزمین مقدس طویٰ میں پکارا۔''

''طویٰ'' ہوسکتا ہے کہ مقدس سرزمین کا نام ہو جو شام میں مدین و مصر کے درمیان واقع تھی اور وحی کا پہلا شعلہ اسی بیابان میں موسیٰ علیہ السلام کے دل پر نازل ہوا۔

اس کے بعد وہ پیغام جو خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو اس سرزمین مقدس میں دیا تھا اس کی طرف دو مختصر اور پر معنی جملوں میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''فرعون کی طرف جا کہ اس نے سرکشی کی ہے۔'' اور اس سے کہہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک و پاکیزہ ہو جائے۔'' اور پاک ہونے اور محبوب کی ملاقات کے قابل ہونے کے بعد میں اپنے پروردگار کی طرف تجھے ہدایت کروں تاکہ تو اس سے ڈرے اور غلط دعویٰ سے الگ ہو جائے۔

چونکہ ضروری ہے کہ ہر دعوت فکر دلیل کے ہمراہ لائے اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے۔''موسیٰ نے اس گفتگو کے بعد اس کو عظیم معجزہ دکھایا۔''

یہ معجزہ چاہے عصا کا عظیم اژدہے میں تبدیل ہونا ہو، یا ید بیضا ہو، یا دونوں ہوں جو کچھ جو بھی تھا موسیٰ کے عظیم معجزات میں سے تھا کہ جس پر آغاز تبلیغ میں انحصار کیا ہے۔ اور یہ چیز بتاتی ہے کہ انبیاء کے مبعوث ہونے کا ایک مقصد سرکشی کرنے والوں کی ہدایت یا ان کے ساتھ دوٹوک مبارزہ تھا۔

اب دیکھیں کہ فرعون نے اس لطف و محبت اور اس منطق و بیان زیبا اور آیت کبریٰ کے دکھانے کے مقابلہ میں کیا رویہ اختیار کیا۔ یہ سرکش، خیرہ سر، مرکب غرور سے بالکل نیچے نہیں اترا۔ اور جیسا کہ بعد وال آیت میں آیا ہے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت فکر کی تکذیب کی اور پروردگار کی نافرمانی کی۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ تکذیب عصیان و نافرمانی کی تمہید ہوتی ہے جس طرح تصدیق ایمان و اطاعت کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اس پر بھی قناعت نہیں کی اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت فکر کے مقابلہ میں وہ صرف الگ ہی نہیں رہا بلکہ اس نے پشت پھیری اور بلا تامل موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے اور ان کے دین کو برباد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اس کی ساری سرکشی کی طاقت کو خطرہ میں ڈالتا تھا اس لئے اس نے اپنے مامورین ہر شہر میں بھیجے

تا کہ وہ جادوگروں کو جمع کریں اور لوگوں میں مناوی کریں کہ وہ موسیٰ اور جادوگروں کا مقابلہ دیکھیں۔

پھران سازشوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بدترین تعبیروں کے ساتھ عظیم ترین دعویٰ کرتے ہوئے کہا: میں تمہارا بہت بڑا پروردگار ہوں۔

فرعون جو ایک بت پرست تھا لیکن یہاں دعوی کرتا ہے میں تمہارا بہت بڑا پروردگار رہوں یعنی وہ اپنے آپ کو اپنے معبود سے بھی بالاتر خیال کرتا ہے۔ یہ ہیں سرکشوں کی بیہودہ گوئیاں۔

بہرحال فرعون نے اپنی سرکشی کو آخری مرحلہ تک پہنچا دیا اور بہت زیادہ دردناک عذاب کا مستحق ہوا۔ فرمان الٰہی آن پہنچا اور وہ اور اس کی ظلم وفساد کی قوت درہم وبرہم ہوگئی۔ اس لئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے۔:

اللہ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا۔

یہاں اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی بیان ہوئی ہے اور وہ یہ کہ الاولیٰ سے مراد وہ پہلا کلمہ اور لفظ ہے جو فرعون نے اپنی سرکشی کے راستے میں کہا اور الوہیت کا دعویٰ کیا۔ (قصص/ ۳۸) اور ''الاخرۃ'' آخری کلمہ اور لفظ کی طرف اشارہ ہے جو اس نے کہا اور ربوبیت اعلیٰ کا دعویٰ کیا۔ اللہ نے اسے ان دونوں کفرآمیز دعووں کی سزا اس دنیا میں ہی دی۔

انجام کار آخری زیر بحث آیت میں اس واقعہ کی تکمیل سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اس موسیٰ اور فرعون کی داستان اور اس کے انجام کو پہنچنے میں ان کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، ایک عظیم درس عبرت ہے''۔

یہ آیت اچھی طرح بتاتی ہے کہ اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا صرف ان لوگوں کا کام ہے، جو خوف خدا اور احساس ذمہ داری کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عبرت حاصل کرنے والی نظر رکھتے ہیں اور اچھائی اور برائی سے درس عبرت لینا جن کا اصول ہے۔

(۲۷) ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۟ۙ	کیا موت کے بعد تمہاری تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی تخلیق جس کی اللہ نے بنیاد رکھی؟
(۲۸) رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰهَا ۙ	اس کی چھت کو بلند کیا اور اسے منظم کیا۔
(۲۹) وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰهَا ۟	اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو آشکار کیا۔
(۳۰) وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ؕ	اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

(۳۱) اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰهَا ۠	اس میں سے اس کا پانی نکالا اور اس کی چراگاہ کو تیار کیا۔
(۳۲) وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰهَا ۙ	اور پہاڑوں کو ثابت ومحکم کیا۔
(۳۳) مَتَاعًا لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ؕ	یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چو پایوں کے لئے ہے۔

تفسیر

انسانوں کی تخلیق زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کی؟

حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت تمام سرکشوں اور تکذیب کرنے والوں کے لئے ایک درس عبرت کے طور پر پیش کرنے کے بعد دوبارہ معاد اور قیامت کے مسئلہ کی طرف لوٹتا ہے اور عالم ہستی میں اپنی غیر متناہی قدرت کے نمونے امکان معاد کے لئے ایک دلیل کے طور پر بیان کرتا ہے اور انسانوں کو جو لامحدود نعمتیں اس نے دی ہیں ان کے کچھ حصوں کی تشریح کرتا ہے تاکہ شکر گزاری کے اس احساس کو جو اللہ کی معرفت کا سرچشمہ ہے انسانوں کے دل میں بیدار کرے۔

پہلے منکرین معاد کو مخاطب کرتے ہوئے ایک ایسے استفہام کے طور پر جو تنبیہ کا پہلو لئے ہوئے ہے فرماتا ہے:

''کیا تمہاری تخلیق (موت کے بعد زندگی کی طرف بازگشت) زیادہ مشکل ہے یا اس باعظمت آسمان کی تخلیق جس کی اللہ نے بنیاد رکھی ہے۔''

یہ گفتگو حقیقت میں ان لوگوں کی بات کا جواب ہے جو گزشتہ آیات میں گزر چکی ہے۔ وہ کہتے تھے:

''کیا ہم پہلی حالت کی طرف پلٹ جائیں گے۔''

یہ آیت کہتی ہے کہ ہر انسان ادراک وشعور کے کسی مرحلہ میں بھی ہو وہ جانتا ہے کہ اس بلند آسمان کی تخلیق، یہ تمام عظیم کُرے اور لاتعداد کہکشائیں، ان کی تخلیق صاف طور پر بتاتی ہے کہ انسان کی تخلیق ان کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں ہے۔ لہٰذا جو یہ قدرت رکھتا ہو وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے سے کس طرح عاجز ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اس عظیم آفرینش کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''آسمان کی چھت کو اس نے بلند کیا اور اسے منظّم ومرتب وموزوں کیا۔''

یہ احتمال بھی ہے کہ یہ آیت آسمان کے بلند ہونے اور ہم سے آسمانی کروں کے بہت زیادہ طویل اور آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے والے فاصلہ کی طرف اشارہ ہے اور اطراف زمین کی محفوظ سقف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس کے بعد اس عظیم عالم کے ایک اہم ترین نظام کی، یعنی نور وظلمت کے نظام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''اس رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا'' جن میں سے ہر ایک، انسان اور دوسرے زندہ موجودات کی زندگی میں، عام اس سے کہ وہ حیوان ہوں یا نباتات، بہت گہرا اثر رکھتا ہے۔ نہ تو انسان نور و روشنی کے بغیر زندگی گزار سکتا ہے کیونکہ تمام برکتیں اور رزق کی نعمتیں اس کی حس و حرکت کے ساتھ وابستہ ہیں، نہ ظلمت کے بغیر اس کی زندگی ممکن ہے جو اس کے سکون و آرام کی رمز ہے۔

اس کے بعد آسمان سے زمین کا رُخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''زمین کو اس کے بعد پھیلایا (اور بچھایا)

'' دحو الارض'' سے مراد یہ ہے کہ ابتداء میں تمام سطح زمین کو اس پانی نے گھیر رکھا تھا جو پہلی سیلابی بارش سے حاصل ہوا تھا۔ پانی آہستہ آہستہ زمین کے گڑھوں میں جگہ لیتا گیا، خشکیوں نے پانی کے نیچے سے سر نکالا اور روز بروز ان میں وسعت پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ موجودہ حالت نمودار ہوگئی (یہ مسئلہ زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد پیدا ہوا)۔

زمین کو بچھانے اور زندگی کے لئے اس کے آمادہ ہو جانے کے بعد پانی اور نباتات کی بات درمیان میں لایا ہے اور فرماتا ہے:

''اللہ نے زمین سے اس کے پانی کو نکالا اور اسی طرح اس کی چراگاہوں کو'' (اخرج منہا ماءھا ومرعاھا)۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ پانی زمین کی نفوذ پذیر کھال کے درمیان چھپا ہوا تھا۔ اس کے بعد چشموں اور نہروں کی شکل میں جاری ہوا۔ یہاں تک یہ دریاؤں اور سمندروں کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔

لیکن چونکہ مختلف عوامل زمین کے آرام و سکون کو درہم و برہم کر سکتے تھے، علاوہ دوسرے عوامل کے مثلاً بڑے بڑے مستقل طوفان اور مدوجزر جو زمین کی سطح پر چاند سورج کی کشش سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح زلزلے جو زمین کے اندر پگھلنے والے مواد کے دباؤ سے معرض وجود میں آتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان سب کو اللہ نے پہاڑوں کے اس طاقتور جال کے ذریعہ، جس نے تمام روئے زمین کو گھیر رکھا ہے۔ کنٹرول میں رکھا اور زمین کو سکون و آرام دیا۔ اسی لئے فرماتا ہے: ''اور پہاڑوں کو زمین میں ثابت و محکم کیا''۔

آخر میں فرماتا ہے:

''ان سب چیزوں کو اس نے اس لئے انجام دیا تاکہ تمہارے فائدہ اٹھانے کا سبب ہو اور تمہارے چوپایوں کے لئے وسیلہ و ذریعہ ہو''

تاکہ انسان زندگی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور غافل نہ رہے۔ یہ سب ایک طرف مسئلہ معاد کے اثبات کے لئے اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور دوسری طرف معرفت توحید کی راہ میں اس کی عظمت کی دلیلیں ہیں۔

(۳۴) فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ۖ	جس وقت وہ عظیم حادثہ رونما ہوگا (یعنی قیامت آ جائے گی)۔
(۳۵) يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ۙ	تو اس دن انسان اپنی کوشش کو یاد کرنے لگے گا۔
(۳۶) وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى	اور جہنم ہر دیکھنے والے کے لئے ظاہر ہو جائے گا۔
(۳۷) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ	لیکن جس شخص نے سرکشی کی ہے۔
(۳۸) وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ	اور اس نے دنیا کی زندگی کو مقدم رکھا۔
(۳۹) فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ	یقیناً جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔
(۴۰) وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ	اور جو شخص اپنے پروردگار کے مرتبہ و مقام سے واقف ہے اور اس نے اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکا۔
(۴۱) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ	جنت اس کی جگہ ہے۔

تفسیر

وہ جو اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے باز رکھیں

اس اشارہ کے بعد جو گزشتہ آیات میں معاد کے بعض دلائل کے بارے میں گزرا زیر بحث آیات میں قیامت، اس میں اللہ سے ڈرنے والوں اور ہوائے نفس کے پرستاروں کی سرنوشت کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''جس وقت وہ عظیم حادثہ رونما ہوگا تو نیکوکاروں اور بدکاروں میں سے ہر ایک اپنے اعمال کی جزا کو پہنچے گا۔''

'' طامة'' یہاں قیامت کی طرف اشارہ ہے جو ہولناک حوادث سے پر ہے، اس کی انتہائی توصیف کے ساتھ اس بے مثال حادثہ کی اہمیت و عظمت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اور انسان اپنی کوشش اور اپنے اعمال کو خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، یاد کرے گا۔'' (یوم یتذکر الانسان ما سعیٰ) لیکن اعمال کا یہ یاد کرنا انہیں فائدہ نہ دے گا۔

اگر انسان دنیا کی طرف واپس لوٹنے اور گزشتہ اعمال کی تلافی کرنے کے لئے مہلت طلب کرے گا۔ تو اسے اجازت نہیں ملے گی اور اس مطالبہ کے جواب میں ''کلا'' کہیں گے۔ اگر توبہ کرے گا اور اپنے اعمال بد کی معافی مانگے گا تو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ

توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہوں گے۔

اس روز انسان کی روح اور اس کے قلب کے آگے سے پردہ اٹھ جائیں گے اور تمام پوشیدہ حقائق اس پر آشکار ہو جائیں گے۔اس کے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

''اس دن جہنم ہر دیکھنے والے کے لئے آشکار ہوگا'' جہنم اس وقت بھی موجود ہے، بلکہ سورہ عنکبوت کی آیت ۵۴ کے مطابق کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے، لیکن عالم دنیا کے پردے اس کی رویت سے مانع ہیں۔وہ دن جو ہر چیز کے آشکار ہونے کا دن ہوگا، اس روز جہنم ہر چیز سے زیادہ آشکار ہوگا۔

باقی رہا وہ شخص جو سرکشی کرے (فاما من طغیٰ) اور دنیاوی زندگی کو ہر چیز پر مقدم رکھے تو یقیناً جہنم اس کی جگہ اور ملجا و ماویٰ ہے۔

پہلے جملے میں ان کے عقیدہ کے خراب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہے اس لئے کہ طغیانی وسرکشی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اللہ کی معرفت نہ ہونے کی بناء پر ہوتا ہے۔جو شخص اللہ کو اس کی عظمت کے ساحت پہچان لے تو وہ اپنے آپ کو بہت خفیف اور چھوٹا دیکھے گا اور کبھی بھی جادہ عبودیت سے انحراف نہیں کرے گا۔

دوسرا جملہ ان کے عملی فساد کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ طغیان وسرکشی سبب بنتے ہیں کہ انسان دنیا کی جلد ختم ہو جانے والی لذتوں اور اس کی چمک دمک کو زیادہ قیمتی سمجھے اور ہر چیز پر انہیں ترجیح دے۔یہ دونوں درحقیقت ایک دوسرے کے علت و معلول ہیں۔ طغیان اور عقیدہ کا خراب ہونا فساد عمل اور دنیا کی ناپائیدار زندگی کو ہر چیز پر ترجیح دینے کا سرچشمہ ہے آخر کار یہ دونوں جہنم کی جلا دینے والی آگ ہیں۔

اس کے بعد جنتیوں کے اوصاف کو مختصرا اور بہت ہی پر معنی جملوں میں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور باقی رہا وہ شخص جو اپنے پروردگار کے مرتبہ سے ڈرے اور نفس کو ہوا و ہوس سے روکے۔۔۔'''' تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔'' جی ہاں جنتی ہو جانے کی پہلی شرط خوف ہے جو معرفت سے پیدا ہو۔پروردگار کے مقام کو پہچاننا اور اس کے فرمان کی مخالفت سے ڈرنا۔

دوسری شرط جو حقیقت میں پہلی شرط کا نتیجہ اور معرفت وخوف کے درخت کا ثمر ہے، وہ یہ ہے کہ ہوائے نفس کو زیر تسلط رکھا جائے اور اسے سرکشی کرنے دی جائے، اس لئے کہ ہوائے نفس تمام گناہوں مفاسد اور بدبختیوں کا سرچشمہ ہے۔

(۴۲) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ	تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کس زمانہ میں واقع ہوگی؟

(۴۳) فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ؕ	تجھے اس کی یادآوری سے کیا کام؟
(۴۴) اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ؕ	اس کی انتہا تیرے پروردگار کی طرف ہے۔
(۴۵) اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ؕ	تیرا کام صرف ان لوگوں کو ڈرانا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔
(۴۶) كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ۧ	وہ اس دن جب قیامت کو دیکھیں گے تو اس طرح محسوس کریں گے گویا ان کا توقف (دنیا اور برزخ میں) سوائے عصر کے وقت یا صبح کے وقت سے زیادہ نہیں تھا۔

تفسیر

قیامت کی تاریخ صرف اللہ جانتا ہے۔

ان مطالب کے بعد جو قیامت کے بارے میں اور اس روز جو نیکوں اور بدکاروں کا حال ہوگا اس کے سلسلہ میں گزشتہ آیات میں آئے، ان آیت میں معاد کے بارے میں مشرکین اور منکرین کے ہمیشہ سوال کرنے کو موضوع بناتے ہوئے فرماتا ہے:

''تجھ سے قیامت سے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب برپا ہوگی۔''

قرآن اس سوال کے جواب میں، انہیں سمجھانے ے لئے کوئی شخص بھی قیامت کے وقوع سے واقف نہیں ہے اور نہ ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہتا ہے:

''تجھے اس کی یادآوری سے کیا سروکار'' یعنی وقوع قیامت کی تاریخ تجھ سے بھی پنہاں ہے چہ جائیکہ دوسرے۔ یہ اس علم غیب میں سے ہے جو ذات پروردگار کے مختصات میں سے ہے اور اس حقیقت کی اور کسی کو خبر نہیں ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''قیامت کی انتہا تیرے پروردگار کی طرف ہے۔'' صرف وہی جانتا ہے کہ قیامت کب برپا ہوگی، کوئی دوسرا فرد اس سے آگاہ نہیں ہے اور قیام قیامت کی آگاہی کے لئے ہر طرح کی سعی وکوشش بے فائدہ ہے۔

یہ وہی مفہوم ہے جو سورہ لقمان کی آیت ۳۴ میں بھی آیا ہے۔

''قیامت کے وقوع کے زمانے اور وقت کا علم صرف اللہ کو ہے۔''

مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے: ''تیرا کام صرف ان لوگوں کو ڈرانا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔''

تیری ذمہ داری ڈرانا اور خبردار کرتا ہے اور بس، باقی رہا وقت کا تعین کرنا تو وہ تیرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں اس حقیقت کو پیش کرنے کے لئے کہ قیامت کے آنے میں زیادہ وقت باقی نہیں ہے ارشاد فرماتا ہے: 'جب قیامت کا دن دیکھیں گے تو اس طرح محسوس کریں گے گویا ان کو توقف اس جہاں میں عصر کے وقت یا صبح کے وقت سے زیادہ نہیں تھا۔''

دنیا کی مختصر سی عمر اس تیزی سے گزر جائے گی اور برزخ کا دور بھی اس تیزی سے گزر جائے گا کہ وہ قیامت میں خیال کریں گے کہ یہ سارا زمانہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں تھا۔

سورۂ عبس

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۴۲ آیتیں ہیں۔

سورۂ عبس کے مضامین

سورہ عبس مختصر ہونے کے باوجود مختلف اور اہم مسائل پر بحث کرتی ہے اور مسئلہ معاد کو خاص اہمیت دیتی ہے۔ اس کے مضامین کا پانچ موضوعات کے ماتحت خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اللہ کا شدید عتاب اس شخص پر جس نے ایک حقیقت کے متلاشی نابینا سے مناسب رویہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ قرآن مجید کی قدر و قیمت اور اہمیت

۳۔ اللہ کی نعمتوں کے سلسلہ میں انسان کی ناشکر گزاری

۴۔ انسان اور حیوانات کی غذا کے سلسلہ میں انسان کے احساس شکر گزاری کو بیدار کرنے کے لئے اللہ کی نعمتوں کے ایک حصہ کا بیان

۵۔ حوادث قیامت کے کچھ لرزہ بر اندام کر دینے والے حصوں کی طرف اشارہ اور اس عظیم دن مومنین و کفار کا احوال۔

سورہ عبس کی تلاوت و فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جو شخص سورہ عبس کی تلاوت کرے وہ بروز محشر اس حالت میں وارد ہوگا کہ اس کا چہرہ خنداں اور وہ شخص ہشاش بشاش ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اس اللہ کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔
(۱) عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ	چیں بہ جبیں ہوا اور منہ پھیر لیا۔
(۲) اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ؕ	اس وجہ سے کہ نابینا اس کے پاس آیا تھا۔
(۳) وَ مَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ	تو کیا جانتا ہے شاید وہ پاکیزگی اور تقویٰ اختیار کرے؟
(۴) اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ؕ	یا متذکر ہو اور یہ تذکر اس کے لئے مفید ہو۔
(۵) اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰى ۙ	لیکن وہ شخص جو مستغنی ہے۔
(۶) فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ	تو اس کی طرف رخ کرتا ہے۔

وَ مَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ	حالانکہ وہ اگر اپنے آپ کو یاد نہ کرے تو تیری کوئی ذمہ داری نہیں۔
(۸) وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۙ	لیکن جو تیرے پاس آیا ہے اور کوشش کرتا ہے۔
(۹) وَ هُوَ يَخۡشٰى ۙ	اور اللہ سے ڈرتا ہے۔
(۱۰) فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۚ	تو اس سے غافل ہوتا ہے۔

شان نزول

یہ آیات اجمالی طور پر بتاتی ہیں کہ ان میں اللہ نے کسی کو سرزنش کی ہے اور اس پر عتاب کیا ہے اس لئے کہ اس نے ایک یا کئی غنی افراد کو حق طلب نابینا پر ترجیح دی ہے

باقی رہا یہ کہ مورد عتاب و سرزنش کون شخص ہے، اس میں اختلاف ہے۔ عام اور خاص دونوں طرح کے مفسرین کے درمیان یہ مشہور ہے کہ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ جن میں عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل، عباس ابن عبدالمطلب وغیرہ اور ان کے علاوہ کچھ اور لوگ خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دعوت اسلام دینے میں مصروف تھے اور اس بات کی امید کر رہے تھے کہ یہ باتیں ان کے دلوں پر اثر انداز ہوں گی۔

اس دوران عبداللہ بن مکتوم، جو نابینا اور مفلس تھے، مجلس میں وارد ہوئے اور انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استدعا کی کہ وہ کچھ آیتیں قرآن کی انہیں سنائیں اور انہیں ان کی تعلیم دیں۔ وہ اس بات پر مسلسل اصرار کئے جا رہے تھے اور خاموش نہیں ہو رہے تھے اس لئے کہ انہیں صحیح طور پر معلوم ہی نہیں تھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کن لوگوں سے مصروف گفتگو ہیں۔

انہوں نے کلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر قطع کیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار نظر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عرب کے سردار کیا سوچیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار نابینا اور غلام ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور گروہ قریش کے ساتھ اپنی بات جاری رکھی تو، اس موقعہ پر مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ (اور اس سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مورد عتاب قرار دیا)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ کے بعد عبداللہ کا ہمیشہ احترام کرتے۔

البتہ آیت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو صراحت کے ساتھ دلالت کرے کہ اس سے مراد خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اور اگر اس شان نزول کو صحیح فرض کر بھی لیا جائے تو بھی یہ کام ترک اولیٰ سے زیادہ نہیں اور اس میں کوئی کلام دکھائی نہیں دیتا جو عصمت پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہو۔

تفسیر

حق طلب نابینا سے بے اعتنائی برتنے پر شدید عتاب

جو کچھ شان نزول میں بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اب ہم اس کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پہلے فرماتا ہے۔

''اس نے ترشروئی اختیار کی اور منہ پھیرا'' اس وجہ سے کہ نابینا اس کے پاس آیا تھا۔ تو کیا جانتا ہے شاید وہ ایمان، پاکیزگی اور تقویٰ کی جستجو میں ہو۔''

''یا حق کی باتیں سننے سے ذکر یافتہ ہو جائے اور یہ تذکر اس کے لئے مفید ہو''۔ اور اگر سو فیصد پاک نہ بھی ہو اور تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس ذکر سے کم از کم نصیحت حاصل کرے اور بیدار ہو اور یہ بیداری اجمالی طور پر اس پر اثر انداز ہو۔

اس کے بعد اس عتاب کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو غنی اور بے نیاز سمجھتا ہے۔'' ''تو اس کی طرف رُخ کرتا ہے اور توجہ کرتا ہے۔''

اور اس کی ہدایت پر اصرار کرتا ہے حالانکہ وہ غرور، ثروت و خودخواہی میں مبتلا ہے۔ وہ غرور و طغیان و سرکشی کا منشاء ہے۔

حالانکہ وہ تقویٰ کی راہ اختیار نہ کرے اور ایمان نہ لائے تو تیری کوئی ذمہ داری نہیں۔

تیری ذمہ داری صرف تبلیغ رسالت ہے۔ (خواہ از اں پنچ گیرند یا ملال) چاہے وہ نصیحت حاصل کریں چاہے انہیں ملال ہو۔ اس لئے ہر قسم کے افراد کے واسطے حق طلب نابینا سے لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے اور اسے آزردہ نہیں کرنا چاہئے خواہ تیرا مقصد یہ بھی ہو کہ یہ اکڑنے والے لوگ ہدایت حاصل کرلیں۔ تاکید و عتاب کو نئے سرے سے شروع کرتا ہے اور خطاب کی صورت میں فرماتا ہے:

''باقی رہا وہ شخص جو تیرے پاس آتا ہے اور ہدایت و پاکیزگی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتا ہے۔''

اسی خوف خدا نے اسے تیرے پیچھے بھیجا ہے تاکہ وہ زیادہ حقائق سنے اور ان پر کاربند ہو اور اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ کرے '] تو اس سے غفلت کرتا ہے اور دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔''

یہ عتاب و خطاب اس اہم حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اسلام اور قرآن راہ حق کو طے کرنے والے کمزور افراد کے لئے خاص قسم کی اہمیت و احترام کا قائل ہے اور اس کے برعکس حالت پر تیز سخت تنقید کرتا ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو نعمت الٰہی کی فراوانی کی وجہ سے مغرور ہو گئے ہیں۔

(۱۱) كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ	کبھی ایسا نہ کر یہ (قرآن) ایک یاد آوری ہے۔
(۱۲) فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ	جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل کرسکتا ہے۔
(۱۳) فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ	(یہ) قیمتی الواح میں ثبت ہے۔
(۱۴) مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ	بیش قدر اور پاکیزہ الواح ہیں۔
(۱۵) بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ	ایسے سفیروں کے ہاتھ میں۔
(۱۶) كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ	جو والا مقام اور نیکوکار ہیں۔
(۱۷) قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ	موت آجائے انسان کو، یہ کس قدر کافر اور ناشکرا ہے۔
(۱۸) مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ	اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟
(۱۹) مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ	اسے ناچیز نطفہ سے پیدا کیا پھر اسے موزوں بنایا۔
(۲۰) ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ	پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا۔
(۲۱) ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ	اس کے بعد اسے موت دی اور قبر میں دفن کیا۔
(۲۲) ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ	پھر جس وقت چاہے گا اسے زندہ کرے گا۔
(۲۳) كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ	اس طرح نہیں ہے جیسے وہ خیال کرتا ہے اس نے ابھی تک حکم خدا کی اطاعت نہیں کی ہے۔

تفسیر

صرف پاک لوگوں کا ہاتھ قرآن کے دامن تک پہنچتا ہے۔

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں گفتگو اس شخص کی سرزنش کے بارے میں تھی جس نے ایک حق طلب نابینا کی طرف توجہ کم کی تھی، ان آیات میں قرآن مجید کی اہمیت، اس کے پاک مبداء اور اس کی نفوس میں تاثیر کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''ہرگز اس کام کی تکرار نہ کر اور اسکو ہمیشہ کے لئے بھول جا'' ''یہ آیات چونکہ خلق اللہ کے تذکر و یاد آوری کا وسیلہ ہیں''

یہ احتمال بھی ہے کہ'' کلا انہا تذکرۃ کا جملہ مشرکین اور دشمنان اسلام کی ان تمام تہمتوں کا جواب ہو جو قرآن کے بارے میں

تھیں کبھی اسے شعر کہتے تھے، کبھی جادو، کبھی اس قسم کی کہانت ۔ قرآن کہتا ہے ان تہمتوں میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ آیات بیداری، آگاہی، یاد آوری اور ایمان کا وسیلہ ہیں اور اس کی دلیل خود انہی میں پوشیدہ ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے۔:

جو شخص چاہے اس سے پند و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

یہ تعبیر اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جبر و اکراہ درمیان میں نہیں ہے اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے جب تک وہ نہ چاہے اور قبول ہدایت کا مصمم ارادہ نہ کرے آیات قرآنی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''اللہ کے یہ عظیم کلمات بیش قیمت صحائف میں ثبت ہیں۔ (الواح واوراق میں)

صحف کی تعبیر بتاتی ہے کہ آیات قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول سے پہلے کچھ الواح پر لکھی ہوئی تھیں اور وحی کے فرشتے انہیں اپنے ساتھ لے کر آتے تھے بہت ہی گراں قدر اور بیش قیمت الواح تھیں۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ''یہ صحائف والواح بیش قیمت و پاکیزہ ہیں'' ۔ یہ اس سے بالاتر ہیں کہ نااہلوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھیں یا ان میں تحریف کرنے کی ان میں طاقت ہو۔ اور یہ اس سے زیادہ پاک ہیں کہ ناپاک لوگوں کے ہاتھ انہیں آلودہ کریں۔ نیز ہر قسم کے تناقص، تضاد اور شک وشبہ سے پاک ہیں۔ اس سے قطع نظر یہ آیات الٰہی سفیروں کے ہاتھ میں ہیں۔ ''بلند مقام و فرمان بردار اور نیکو کار سفیر''

''سفرہ'' سے مراد الٰہی فرشتے ہیں جو وحی کے سفیر ہیں یا اللہ کی آیات لکھتے ہیں۔

ایک حدیث ہمیں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ملتی ہے آپ نے فرمایا:

''جو شخص قرآن کا محافظ ہو اور اس پر عمل کرے تو وہ اللہ کے عظیم فرمانبرداروں کے ساتھ ہوگا۔

یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ قرآن کے حافظ، مفسر اور اس پر عمل کرنے والے ان ''سفرہ'' کے ہمراہ ہیں۔

نہ یہ کہ یہ خود وہ ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت علماء اور حافظین قرآن فرشتوں سے ملتا جلتا کوئی کام انجام دیں تو ان کے برابر قرار پائیں گے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:

ہدایت الٰہی سے متعلق ان تمام اسباب کے باوجود جو صحف مکرمہ میں مقرب خدا فرشتوں کے ذریعہ انواع واقسام کے تذکروں کے ساتھ نازل ہوئے ہیں پھر بھی یہ سرکش اور ناشکر گزار انسان پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ ''قتل ہو جائے یہ انسان کس قدر کافر و ناشکرا ہے۔''

چونکہ عام طور پر سرکشی کا سرچشمہ غرور ہوتا ہے لہٰذا اس غرور کو ختم کرنے کے لئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

اللہ نے اس انسان کو کس چیز سے پیدا کیا ہے۔ ''اسے ناچیز وحقیر و بے قیمت نطفہ سے پیدا کیا پھر اسے موزوں بنایا اور تمام مرحلوں میں اس کا حساب رکھا۔''

نطفہ سے انسان کی تخلیق میں وقت اور اس کی تمام وجودی جہتوں کا حساب، اس کے پیکر کے اعضاء اس کی استعدادیں اور اس کی ضرورتیں یہ سب معرفت خدا کے لئے بہترین دلیلیں ہیں۔

وہ اللہ کتنا عظیم ہے جس نے اس معمولی سے وجود کو یہ سب قدرت توانائی بخشی ہے جو آسمان و زمین اور سمندروں کی گہرائیوں کو اپنی جولان گاہ بنا سکتا ہے اور اپنے گردوپیش کی تمام توانائیوں کو زیر تسلط لا سکتا ہے۔

اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے۔

''پھر راستے کو اس کے لئے آسان کر دیا'' شکم مادر میں جنین کی پرورش اس کے تکامل وارتقاء اور اس کے بعد اس دنیا کی طرف اس کے منتقل ہونے کو سہل وآسان بنا دیا۔ انسان کی پیدائش کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ پیدا ہونے کے لمحات سے پہلے وہ شکم مادر میں اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا سر اوپر کی طرف ہوتا ہے اور اس کا چہرہ ماں کی پشت کی جانب اور اس کے پاؤں رحم کے نچلے حصہ میں ہوتے ہیں لیکن جب تولد کا فرمان صادر ہوتا ہے تو وہ اچانک الٹا ہو جاتا ہے اس کا سر نیچے کی طرف ہو جاتا ہے اور یہی صورت حال اس کی پیدائش کو اس کے اور اس کی ماں کے لئے آسان بنا دیتی ہے۔

پیدائش کے بعد بھی بچپن کے دور میں جسم کی نشوونما پھر رشد و بلوغ وغرائز کی نشوونما کو اس کے لئے آسان بنا دیا ہے اس کے بعد ہدایت معنوی اور حصول ایمان کو عقل اور دعوت انبیاء کے ذریعہ سہل کر دیا۔ پھر اس طولانی راہ کو طے کرنے کے بعد انسان کی عمر کے اختتام کے مرحلہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے:

''پھر اس کو مارتا ہے اور قبر میں پنہاں کرتا ہے۔''

مردوں کے دفن کرنے کا حکم (غسل وکفن ونماز کے بعد) ایک الہام بخش دستور ہے اس کی رو سے انسان کے مردوں کو ہر طرح سے پاک ومحترم ہونا چاہئے۔ زندہ تو بہرحال ان سے بہتر ہے۔

اس کے بعد انسانوں کے قبر سے اٹھنے کے مرحلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''اس کے بعد جب چاہے گا اسے زندہ کر کے حساب اور جزاوسزا کے لئے محشور کرے گا۔''

آخری زیر بحث آیت میں فرماتا ہے انسان نے تمام نعمتوں کے باوجود اس دن سے لے کر جس دن یہ بے قیمت نطفہ کی شکل میں تھا اس دن تک جب اس دنیا میں قدم رکھا اور اپنی راہ کمال طے کی پھر اس دنیا سے وہ چلا گیا اور قبر میں پنہاں ہو گیا اور اس نے اپنی صحیح راہ اختیار نہیں کی۔ ''اس طرح نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتا ہے اس نے ابھی تک فرمان الٰہی کو انجام نہیں دیا۔''

(۲۴) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۙ	انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی غذا کو دیکھے۔
(۲۵) اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ	ہم نے آسمان سے وافر تعداد میں پانی برسایا۔
(۲۶) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ	پھر زمین کو شگافتہ کیا۔

(۲۷) فَاَنۡبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا ۙ	اور اس میں بہت سے دانے اُگائے۔
(۲۸) وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ۙ	اور انگور اور بہت سی سبزیاں۔
(۲۹) وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ۙ	اور زیتون اور بہت سے کھجور کے درخت۔
(۳۰) وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ	اور درختوں سے پر باغات۔
(۳۱) وَّ فَاکِهَةً وَّ اَبًّا ۙ	اور پھل اور چراگاہیں۔
(۳۲) مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ؕ	تا کہ تمہارے لئے اور تمام چوپایوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنیں۔

تفسیر

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی غذا کی طرف دیکھے۔

چونکہ گزشتہ آیات کا موضوع مسئلہ معاد تھا اور یہ آیات بھی کافی زیادہ صراحت کے ساتھ اسی مسئلہ کی بات کرتی ہیں تو ایسا نظر آتا ہے زیر بحث نظریہ معاد کی دلیل کے طور پر ہیں۔

پروردگار عالم ان آیتوں میں ہر چیز پر اللہ کی قدرت کو بیان کر کے، اور اسی طرح مردہ زمینوں کی بارش کے نزول کے ذریعہ زندگی سے جو عالم گیاہ و نباتات میں ایک قسم کا معاد ہے، اس کا ذکر کر کے امکان قیامت کو ثابت کرنا چاہتا ہے چونکہ یہ آیات انواع و اقسام کی ان غذاؤں کے بارے میں ہیں جو خدا نے انسانوں اور چوپاؤں کے اختیار میں دی ہیں اور ان کی گفتگو کر رہی ہیں، لہٰذا پروردگار عالم انسان کی حس شکرگزاری کو انگیخت دیتا ہے اور اسکو اپنے منعم کی دعوت دیتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''انسان کو چاہئے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے کس طرح اللہ نے اسے پیدا کیا ہے۔''

خارجی اشیاء میں انسان کے سب سے زیادہ قریب اس کی غذا ہے جو کچھ تبدیلی کے بعد انسان کے بدن کا جز بن جاتی ہے۔ اگر اس تک وہ غذا نہ پہنچے تو یہ بہت جلد فنا ہو جائے۔ اسی لئے قرآن نے تمام موجودات میں سے صرف ایسے غذائی مواد پر انحصار کی ہے جو گیاہ و نباتات و اشجار سے حاصل ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ دیکھنے سے مراد محض ظاہری طور پر دیکھنا نہیں ہے بلکہ اس مواد غذائی کی ساخت اور بناوٹ کے بارے میں اور اس کی حیات بخش اجزائے کے بارے میں اور عجیب وغریب اثرات پر جو وہ وجود انسانی پر مرتب کرتی ہیں۔ غور وفکر کرنا ہے۔

دیکھے کہ اس میں مواد غذائی کو اس نے کن ذرائع سے حاصل کیا ہے، حلال ذرائع سے یا حرام ذرائع سے، مشروع ذرائع سے یا غیر مشروع سے۔

بعض روایات میں، جو معصومینؑ سے منقول ہیں، آیا ہے کہ یہاں طعام سے مراد علم و دانش ہے جو روح انسانی کی غذا ہے۔ اسے دیکھنا چاہئے کہ اسے کس سے حاصل کیا ہے۔

جی ہاں! انسان کو اچھی طرح دیکھنا چاہئے کہ اس کے علم و دانش کا سرچشمہ کہاں ہے۔ یہ اس کی روحانی غذا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہیں کسی چشمۂ آلودہ سے غذائے روحانی حاصل کر رہا ہو۔ اگر ایسا ہے تو اس کے جسم و روح کو بیمار کر دے گا اور اسے ہلاکت میں ڈال دے گا۔

اس کے بعد اس غذائی مواد اور اس کے منابع کی تفصیلات بتاتے ہوئے فرماتا ہے: ''ہم نے آسمان سے بہت زیادہ پانی پھینکا۔''

جی ہاں! وہ پانی جو اہم ترین سبب حیات ہے۔ ہمیشہ بہت زیادہ مقدار میں پروردگار کے لطف و کرم سے آسمان سے نازل ہوتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ تمام نہریں اور چشمے اور پانی کے کنویں اپنے پانی کے ذخائر بارش ہے سے حاصل کرتے ہیں۔

پانی کا ذکر کرنے کے بعد جو نباتات کے روئیدہ ہونے کا ایک اہم سبب ہے ایک اور رکن یعنی زمین کا رُخ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے۔ ''پھر زمین کو ہم نے شگافتہ کیا۔''

یہ شگافتہ کرنا کونپلوں کے ذریعہ زمین کے چیرنے کی طرف اشارہ ہے۔ واقعی یہ بہت ہی عجیب و غریب چیز ہے کہ کونپل اس نرمی اور لطافت کے باوجود سخت قسم کی مٹی کو چیر کر اور کبھی پہاڑی پتھروں کے اندر سے اپنا سر باہر نکالتی ہیں۔ خالق عظیم نے اس لطیف کونپل میں کیا عظیم قدرت ودیعت کی ہے۔

یہ احتمال ہے کہ زمین کے شگافتہ ہونے سے مراد ابتدا میں اس کی سطح کے پردوں کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔

اس طرح یہ آیت قرآن کے ایک علمی معجزے کی طرف اشارہ کر کے بتاتی ہے کہ پہلے بارشیں ہوتی ہیں۔ پھر زمینیں شگافتہ ہوتی ہیں اور زراعت کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ابتدائی دنوں میں یہ عمل صورت پذیر ہوا تھا بلکہ آج بھی جاری ہے۔

ان دو بنیادی ارکان یعنی پانی اور مٹی کا ذکر کے بعد آٹھ قسم کی اُگنے والی چیزوں ی طرف، جو انسان اور حیوان کی غذا کے بنیادی ارکان ہیں، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

''اس کے بعد ہم نے زمین میں بہت سے اجناس اُگائے'' غذای اناج جو انسان اور مختلف حیوانات کی غذا کا اصلی ذریعہ و سبب ہیں وہ اگر خشک سالی کی بناء پر ایک سال نہ ملیں تو قحط پڑ جائے اور بھوک تمام جہان کو گھیر لے اور تمام انسانوں پر مصیبت پڑ جائے۔

بعد کے مرحلے میں مزید کہتا ہے:

''اسی طرح انگور اور بہت سی سبزیاں''۔

''عنب''، تمام پھلوں میں سے انگور کا ذکر غذائی مواد کی فراوانی کی بنا پر ہے جو اس پھل میں پوشیدہ ہے اور اسے ایک مکمل غذا کی شکل میں لے آیا ہے (توجہ فرمائیں کہ عنب انگور کو بھی کہا جاتا ہے اور انگور کی بیل کو بھی اور آیات قرآنی میں اس کا دونوں پر اطلاق ہوا ہے۔ لیکن یہاں مناسب انگور ہی ہے)۔

یہاں ''قضب'' کے معنی وسیع ہیں جس میں کھائی جانے والی سبزیاں بھی شامل ہوں، بوئے جانے والے پھل بھی اور غذائی جڑیں بھی (جو جڑ کی صورت میں ہوتی ہیں (آلو پیاز وغیرہ) اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''اور زیتون اور بہت سے کھجوروں کے درخت''

ان دو پھلوں پر انحصار کی دلیل بھی واضح ہے اس لئے کہ موجودہ زمانے میں ثابت ہو چکا ہے کہ زیتون ور کھجوریں اہم ترین، طاقت بخش، مفید اور صحت آفرین مواد غذائی ہیں۔ اس کے بعد کے مرحلے میں کہتا ہے:

''اور پر درخت باغات'' (انواع واقسام کے پھلوں کے ساتھ)

اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''اور پھل اور چراگاہ'' ''اب'' (ب کی تشدید کے ساتھ) خودرو گھاس اور اس چراگاہ کے معنوں میں ہے جو جانوروں کے چرانے کے لئے ہو۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ گذشتہ آیات میں بعض پھل خصوصیت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اور یہاں بطور کلی پھل پیش کیا گیا ہے اور اس سے قطع نظر گزشتہ آیت میں جس میں باغوں کی بات تھی، بظاہر باغوں کے پھل پیش نظر تھے، تو پھر یہاں میوے اور پھل کو کس لئے پیش کیا گیا ہے۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ بعض پھلوں کا خصوصیت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ مثلاً انگور، زیتون اور خرما وغیرہ (درخت نخل کے قرینہ کے پیش نظر) تو یہ ذکر ان پھلوں کی حد سے زیادہ اہمیت کی بنا پر ہوا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ''فاکھة'' (پھل) ان کا 'حدائق' (باغات) سے الگ کیوں ذکر ہوا ہے تو یہ ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ باغات پھلوں کے علاوہ دوسرے منافع بھی رکھتے ہیں اور ان کے خوبصورت منظر ہوتے ہیں، خوشگوار ہوا ان میں ہوتی ہے اور قسم قسم کی دوسری چیزیں۔

اس سے بھی قطع نظر بعض خود رو درخت کچھ بجائے، خود اور کچھ کی جڑیں اور چھلکے غذا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں (مثلاً چائے، زنجبیل، دارچینی وغیرہ) اس کے علاوہ بہت سے درختوں کے پتے حیوانوں کے لئے مناسب خوراک کا کام دیتے ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو کچھ گذشتہ آیات میں آیا ہے اس میں انسان کی خوراک بھی شامل ہے اور حیوانات کی بھی۔ اسی لئے بعد والی آیت میں جو آخری زیر بحث آیت ہے مزید کہتا ہے:

''تاکہ تمہارے لئے اور تمہارے چوپایوں کے لئے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہوں۔''

متاع ہر وہ چیز ہے جس سے انسان متمتع ہو اور فائدہ اٹھائے۔

(۳۳) فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ	جب وہ سخت آواز (صیحہ قیامت) آئے گی۔
(۳۴) یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ	وہ، وہ دن ہے جب انسان اپنے بھائی سے دور بھاگے گا۔
(۳۵) وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیۡهِ	اور اپنی ماں اور باپ سے بھی۔
(۳۶) وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیۡهِ	اور اپنی بیوی اور اولاد سے۔
(۳۷) لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡهِ	اس دن ان میں ہر ایک کی ایک خاص وضع و کیفیت ہوگی جو اسے مکمل طور پر اپنے آپ میں مشغول رکھے گی۔
(۳۸) وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ	کچھ چہرے اس دن خوش گوار اور نورانی ہوں گے۔
(۳۹) ضَاحِکَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ	خنداں و مسرور۔
(۴۰) وَ وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡهَا غَبَرَةٌ	اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے۔
(۴۱) تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ	تاریک دھوئیں نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔
(۴۲) اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ	وہی کافر و فاجر ہیں۔

تفسیر

صیحہ قیامت

الٰہی برکتوں اور دنیاوی نعمتوں کے تذکرے کے بعد یہاں قرآن قیامت اور اس کے حوادث کے ایک گوشہ اور مومنین و کفار کی حالت کو بیان کرتا ہے تاکہ، ایک طرف تو یہ اعلان کرے کہ یہ نعمتیں اور مال و متاع جو کچھ بھی ہے جلد گزر جانے والا ہے اور اس کا ایک خاتمہ ہے اور دوسری طرف یہ بتائے کہ ان سب کا وجود اللہ کے وجود اور قیامت پر بجائے خود ایک دلیل ہے فرماتا ہے:

''جس وقت وہ مہیب اور کانوں کو پھاڑ دینے والی آواز آئے گی تو کفار و مجرمین گھرے غم و اندوہ اور ندامت میں غرق ہو جائیں گے۔''

صاخۃ سے صور کے دوسرے نفخے کی طرف اشارہ وہی صیحہ عظیم جو بیداری اور زندگی کا صیحہ ہے۔ جو سب کو زندہ کر کے عرصۂ محشر کی طرف بلائے گا۔

اسی لئے اس کے بعد بلا فاصلہ مزید فرماتا ہے:

''وہ دن جس دن انسان اپنے بھائی سے دور بھاگے گا'' وہی بھائی جان کے برابر تھا اور جسے ہر جگہ یاد کرتا تھا اور اس کے بارے میں متفکر رہتا تھا آج کلی طور پر اس سے گریزاں ہوگا، اور اسی طرح اپنے ماں باپ سے''۔ اور اپنی بیوی اور اولاد سے۔''

اسی طرح انسان اپنے نزدیک ترین عزیزوں کو یعنی بھائی، ماں باپ اور اولاد کو نہ صرف فراموش کر دے گا بلکہ ان سے فرار کرے گا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ قیامت کا ہول اس قدر زیادہ ہوگا کہ انسان کو تمام تعلقات سے بیگانہ کر دے گا۔

بعد والی آیت میں اس فرار کی دلیل بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:''اس دن ان میں سے ہر ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ جو اسے مکمل طور پر اپنی ذات سے متعلق مصروف رکھے گی۔''

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے آپ کے خاندان کے کسی فرد نے سوال کی کہ قیامت میں انسان کیا اپنے عزیز واقارت کو یاد کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا:

> ''تین موقف ایسے ہیں جن میں کوئی شخص کسی کو یاد نہیں کرے گا۔ پہلا میزان جہاں اعمال تولے جائیں گے وہاں جب تک یہ نہ دیکھے کہ اس کا پلڑا بھاری ہے یا نہیں۔ پھر پل صراط، جب تک نہ دیکھ لے کہ وہ اس پر سے گزرے گا یا نہیں۔ پھر اس وقت جب نامہ اعمال انسانوں کے ہاتھ میں دیں گے جب تک یہ نہ دیکھ لے کہ اسکے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیتے ہیں یا بائیں ہاتھ میں۔ یہ تین موقف ہیں جہاں کوئی انسان کسی دوسرے کو یاد نہیں کرے گا۔ نہ قریبی دوست، نہ یار مہربان نہ اعزہ، نہ مخلص ساتھی، نہ اولاد اور نہ ماں باپ۔ یہ وہی چیز ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے: اس دن انسان اپنے آپ میں بہت زیادہ مشغول ہوگا۔''

اسکے بعد اس دن جو مومنین و کفار کی حالت ہوگی اس کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اس دن کچھ چہرے خوشگوار اور نورانی ہوں گے۔'' ''خندان ومسرور'' ''اور کچھ چہرے اس دن غبارہ آلود ہوں گے۔'' ''تاریک دھوئیں نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا۔'' ''وہی کافر و فاجر ہیں''۔

ان آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ صیحہ قیامت کے وقت انسانوں کے برے عقائد اور اعمال کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔ ''وجوہ'' چہرہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ چہرہ کا رنگ ہر چیز سے زیادہ انسان کی اندرونی حالت کو بیان کرتا ہے، فکری و روحانی پریشانیوں کو بھی اور جسم سے متعلق دکھ درد کو بھی۔

سورۂ تکویر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس کی ۲۹ آیتیں ہیں

سورۂ تکویر کے مضامین

یہ سورہ دو محوروں کے گرد گھومتا ہے۔

پہلا محور اس سورہ کے آغاز کی آیتیں ہیں جو قیامت کی نشانیوں، اس جہان کے آخر میں عظیم تبدیلیوں اور قیامت کے آغاز کو بیان کرتی ہیں۔ دوسرے محور میں قرآن کے لانے والے کی عظمت اور قرآن کی نفوس انسانی میں تاثیر کی گفتگو ہے۔ اس حصہ میں دل دہلا دینے والی اور بیدار کرنے والی قسمیں ہیں۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضلیت

اس سورہ کی اہمیت اور تلاوۃ کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں، منجملہ ان دیگر احادیث کے ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ:

''جو شخص ''اذا الشمس کورت'' کو پڑھے تو اللہ اسے اس وقت ہر رسوائی سے محفوظ رکھے گا جب اعمال نامے کھولے جائیں گے''۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص چاہتا ہے کہ قیامت میں میرا دیدار کرے تو وہ سورہ ''اذا الشمس کورت'' کی تلاوت کرے۔

یہ حدیث ایک اور طرح سے بھی نقل ہوئی ہے:

ایک اور حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس قدر جلد کیوں بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوگئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس لئے کہ قرآن کے ہولناک حوادث کی ان میں اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ ہر بیدار انسان کو جلد بوڑھا کر دیتی ہے۔

جو تعبیریں مندرجہ بالا آیتوں میں آئی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ مراد ایسی تلاوت ہے جو آگاہی اور ایمان وعمل کا سرچشمہ قرار پائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اس اللہ کے نام سے جو مہربان اور بخشنے والا ہے۔
(۱) اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۪ۙ	جس وقت سورج کو لپیٹا جائے گا۔
(۲) وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۪ۙ	اور جس وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے۔

(۳) وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُیِّرَتۡ ۪ۙ	جس وقت پہاڑ چلنے لگیں گے۔
(۴)وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ	جس وقت نہایت قیمتی مال فراموش کردیا جائے گا۔
(۵) وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ	جس وقت وحوش کو جمع کیا جائے گا۔
(۶)وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ	جس وقت دریا جوش مارنے لگیں گے۔
(۷)وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۪ۙ	جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قریبی قرار دیا جائے گا۔
(۸)وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۪ۙ	جس وقت زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا۔
(۹)بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ	کہ ان کو کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟

تفسیر

جس دن کائنات کے دفتر کو لپیٹ دیا جائے گا

اس سورہ کے آغاز میں جیسا کہ ہم نے کہا ہے، مختصر، ہیجان انگیز اور دل دہلا دینے والے اشاروں کے ساتھ اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا کے ہولناک حوادث سے ہمارا آمنا سامنا ہے۔

یہ حوادث ہمیں عجیب وغریب جہانوں کی سیر کراتے ہیں۔ پروردگار عالم ان نشانیوں میں سے آٹھ نشانیوں کو بیان کرتا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے:

''اس وقت جب سورج کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا''

ہمیں معلوم ہے کہ فی الحال سورج ایک کرہ ہے، حد سے زیادہ گرم اور جلتا ہوا، اس قدر کہ اس کا تمام مواد تہہ بہ تہہ گیس کی شکل میں نکل آیا ہے اور اور اس کے اردگرد جلانے والے شعلے موجود ہیں جن کی بلندی لاکھوں میٹر ہے۔ اگر کرۂ زمین ان میں سے کسی شعلے کے درمیان الجھ جائے تو ایک ہی لمحے میں خاک ہو کر تھوڑی سی گیس میں تبدیل ہو جائے لیکن اس جہان کے آخر میں قیامت کی ابتداء پر یہ حرارت ختم ہو جائے گی اور شعلے بجھ جائیں گے، اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور اس کے حجم میں کمی ہو جائے گی۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی موجودہ علم بھی تائید کرتا ہے۔ سورج کی روشنی آہستہ آہستہ تاریکی کی طرف جا رہی ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''اور جس وقت ستارے بے نور ہو کر غائب ہو جائیں گے''

قیامت کی تیسری نشانی کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

''اور جب پہاڑ چلنے لگیں گے'' جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ قرآن کی مختلف آیتوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آغاز قیامت میں پہاڑ مختلف مراحل طے کریں گے۔

پہلا مرحلہ یہ کہ وہ چلنے لگیں گے اور آخری مرحلے میں غبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔ (اس سلسلہ میں مزید تشریح اسی جلد میں سورہ نبا کی آیت ۲۵ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

''عشار'' جمع ہے ''عشراء'' کی جو دراصل حاملہ اونٹنی کے معنی میں ہے جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں اور وہ بچہ جننے کے قریب ہو یعنی زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ ایک اور اونٹ کو جنم دے گی۔ اور بہت زیادہ دودھ اس کے پستانوں میں ظاہر ہوگا۔

جس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عرب میں اس قسم کی اونٹنی بہت قیمتی شمار ہوتی تھی۔

مراد یہ ہے کہ اس دن ہولنا کی اس قدر شدید ہوگی کہ ہر انسان اپنے نفیس ترین مال کو فراموش کر دے گا۔

بعد کی آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

''اور جس وقت وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے'' وہی جانور جو عام حالات میں ایک دوسرے سے دور تھے اور ڈرتے تھے۔ عرصۂ قیامت کے ہولناک حوادث کی وحشت کی شدت ایسی ہوگی کہ ان کو ایک دوسرے کے گرد جمع کر دے گی اور وہ ہر چیز کو بھول جائیں گے۔ گویا وہ چاہیں گے کہ اپنے اس اجتماع سے اپنے خوف و وحشت میں کمی کریں۔

دوسرے لفظوں میں جس وقت وہ ہولناک مناظر وحشی جانوروں سے ان کے مخصوص خواص چھین لیں گے تو انسانوں سے کیا سلوک کریں گے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

''جس وقت دریاؤں میں آگ لگ جائے گی''۔

ہم جانتے ہیں کہ پانی دو عناصر ''ہائیڈروجن اور آکسیجن'' سے مرکب ہے جو دونوں شدید طور پر قابل اشتعال ہیں۔

بعید نہیں کہ عرصۂ قیامت میں دریاؤں اور سمندروں کا پانی اس طرح دباؤ اور فشار میں آجائے کہ ان کا تجزیہ ہو جائے اور یہ آگ پکڑ جائیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''اور جس وقت ہر شخص اپنے جیسے کا قرین ہو جائے گا''۔

صالحین، صالحین کے ساتھ اور بدکار، بدکار لوگوں کے ساتھ، اصحاب الیمین، اصحاب الیمین کے ساتھ اور اصحاب شمال، اصحاب شمال کے ساتھ، اس دنیا کے برعکس جہاں سب ملے جلے ہیں۔ کہیں مومن کا ہمسایہ مشرک ہے اور کہیں صالح اور نیک کا ہمسایہ غیر صالح ہے۔ لیکن قیامت جو یوم الفصل یعنی جدائی کا دن ہے، اس میں یہ صفیں مکمل طور پر الگ الگ اور ایک دوسرے سے جدا ہو

جائیں گی۔

اس کے بعد قیامت کے ایک اور حادثہ کو موضوع بناتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''جس دن زندہ درگور لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی ہیں''

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

عربوں کے زمانۂ جاہلیت کے دردناک ترین اور نہایت وحشیانہ مظاہر میں سے ایک مظہر لڑکی کا زندہ درگور کر دینا ہے جس کی طرف قرآن مجید میں بارہا اشارہ ہوا ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ قبیح رسم عربوں میں عام نہیں تھی۔ صرف قبیلہ کندہ یا بعض دوسرے قبائل میں تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اقدام کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ قرآن اس بارے میں اتنی تاکید کے ساتھ بار بار گفتگو نہ کرتا۔

بہرحال یہ کام اس قدر وحشت ناک تھا کہ اس کا کبھی کبھی ہونا بھی نہایت قبیح امر ہے۔

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ موجود میں بھی یہ رسم کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

بعض روایات کے نتیجے میں اس آیت کی تفسیر کو وسعت دی گئی ہے یہاں تک کہ ہر قسم کے قطع رحم یا مودت اہل بیت علیہم السلام کو قطع کرنا اس میں شامل ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس وقت اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

''من قتل فی مودتنا''

(اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہماری محبت کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس بات کی گواہ آیت قربیٰ ہے ''کہہ دے میں تبلیغ نبوت کے سلسلہ میں تم سے کسی قسم کا اجر نہیں چاہتا سوائے اپنے اہل بیت کی مودت کے۔'' (شوریٰ۔۲۳)۔

البتہ آیت کا ظاہری مفہوم وہی پہلی تفسیر ہے لیکن اس میں اس قسم کے مفہوم کی صلاحیت ہے۔

(۱۰) وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۠	جس وقت اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے۔
(۱۱) وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۠	اور جس وقت آسمان سے پردہ ہٹا دیا جائے گا۔
(۱۲) وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۠	اور جس وقت دوزخ دہک اٹھے گی۔
(۱۳) وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۠	اور جس وقت جنت قریب کر دی جائے گی۔

(۱۴) عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّآ اَحۡضَرَتۡ ؕ	اس وقت ہر انسان جان لے گا کہ اس نے کیا کیا ہے۔

تفسیر

روز قیامت معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیتوں میں قیامت کے پہلے مرحلے یعنی اس جہان کی ویرانی کے موضوع پر آئی تھی زیر بحث آیتوں میں اس کے دوسرے مرحلہ یعنی دوسرے عالم کے ظہور اور نامہ اعمال کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے: ''جس روز اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے''

قیامت میں اعمال ناموں کے کھلنے سے مراد یہ ہے کہ جنھوں نے وہ اعمال انجام دیئے ہیں ان کے سامنے ان کے اعمال ظاہر ہو جائیں گے تاکہ وہ اپنا حساب کتاب دیکھ لیں۔ جیسا کہ سورہ اسریٰ کی آیت ۱۴ میں آیا ہے:

''اقراء کتابک کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیبًا'' اور ان اعمال ناموں کا دوسروں کے سامنے واضح ہونا بھی نیکوکاروں کے لئے ایک تشویق کا عنوان ہے اور بدکاروں کے لئے سزا اور رنج اور تکلیف ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''اور جس وقت آسمان کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا جائے گا''

وہ پردے جو اس دنیا میں عالم مادہ اور عالم بالا پر پڑے ہوئے ہیں یعنی لوگ فرشتوں کو یا دوزخ و جنت کو نہیں دیکھ سکتے، وہ ہٹ جائیں گے اور انسان عالم ہستی کے حقائق کو دیکھ سکیں گے۔

سورہ توبہ کی آیت ۴۹ کے مطابق جہنم اب بھی موجود ہے لیکن اس دنیا کے حجابات اس کے مشاہدہ کی راہ میں حائل ہیں۔ جیسا کہ بہت سی آیات قرآنی کے مطابق جنت بھی اس وقت پرہیزگاروں کے لئے تیار ہے۔

مندرجہ بالا آیت قیامت کے دوسرے مرحلہ کے حوادث یعنی انسانوں کی حیات تازہ کے مراحل کی گفتگو کرتی ہے۔

اس لئے بعد والی آیات میں مزید فرماتا ہے: ''اور جس وقت جہنم شعلہ ور ہوگا''

اسی بناء پر بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''اور جس وقت جنت پرہیزگاروں کے نزدیک کر دی جائے گی''

یہی معنی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں بھی اس فرق کے ساتھ آئے ہیں کہ یہاں متقین کے نام کی تصریح نہیں ہوئی۔

آخری زیر بحث آیت میں جو فی الحقیقت تمام گزشتہ آیتوں کی تکمیل کرتی ہے اور تمام شرطیہ جملوں کی جزا ہے جو گزشتہ بارہ آیتوں میں آئے ہیں، فرماتا ہے: ''اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا کچھ حاضر کیا ہے''

یہ تعبیر اچھی طرح بتاتی ہے کہ انسان کے تمام اعمال وہاں حاضر ہوں گئے اور وہاں انسان کا علم مشاہدہ لئے ہوگا۔

یہ حقیقت سورہ زلزال کی آخری آیات میں آئی ہے: ''جس شخص نے ذرہ برابر نیک عمل کیا ہوگا وہ اسے دیکھے گا اور جس شخص

نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا''۔

(۱۵) فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۙ	قسم ہے ان ستاروں کی جو پلٹ آتے ہیں۔
(۱۶) الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ۙ	چلتے ہیں اور نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں۔
(۱۷) وَ الَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۙ	اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ پشت پھیرے اور اختتام کو پہنچ جائے۔
(۱۸) وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ	اور صبح کی جب وہ تنفس کرے۔
(۱۹) اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۙ	کہ یہ قرآن باعظمت بھیجے ہوئے (جبرائیل امین) کا کلام ہے۔
(۲۰) ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ	جو صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش اللہ کے ہاں بلند مقام کا حامل ہے۔
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ(۲۱)	فرمانروا اور امین ہے۔
(۲۲) وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ	اور تمہارا ساتھی (پیغمبر) دیوانہ نہیں ہے۔
(۲۳) وَ لَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ ۚ	اس نے اس کو (جبرائیل کو) روشن افق میں دیکھا۔
(۲۴) وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ۚ	وہ اس کے بارے میں جسے اس نے وحی سے حاصل کیا ہے بخیل نہیں ہے۔
(۲۵) وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ۙ	یہ قرآن، شیطان رجیم کا قول نہیں ہے۔

تفسیر

وحی الٰہی اس پر نازل ہوئی

پروردگار عالم گزشتہ آیتوں کے بعد، جو قیامت و معاد اور اس کے مقدمات اور محشر کے عظیم دن کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، ان آیتوں میں قرآن کی حقانیت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتار کے سچ ہونے کی بحث کو پیش کرتا ہے اور معاد کے بارے میں جو کچھ

گزشتہ آیات میں آیا، حقیقت میں اس کی تائید کرتا ہے اور آگاہی بخشنے والی قسموں کے ساتھ ان مطالب کی تائید کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ''قسم ہے ستاروں کی جولوٹتے ہیں'' '' چلتے ہیں اور نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں''۔

ایک حدیث میں جو امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، آیا ہے کہ آپ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا:

''ھی خمسة انجم زحل و المشتری و المریخ و الزھرہ و عطارد''

(وہ پانچ ستارے ہیں۔زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد)۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر ہم پے درپے چند راتوں کو آسمان پر نگاہ لگائے رکھیں تو اس حقیقت کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ آسمان کے ستارے اجتماعی طور پر بتدریج طلوع ہوتے ہیں اور اکٹھے ہی غروب ہوتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے فاصلوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایسے مروارید ہیں جو ایک سیاہ پارچہ پر معین ومقرر فاصلوں پر ٹانکے گئے ہیں۔اس پارچہ کو ایک طرف سے اوپر لے جاتے ہیں اور دوسری طرف سے نیچے کھینچتے ہیں۔صرف پانچ ستارے ہیں جو اس قانون کلی سے مستثنیٰ ہیں، یعنی دوسرے ستاروں کے درمیان چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ گویا پانچ مروارید ٹکے ہوئے نہیں ہیں اور اس پارچہ پر آزاد قرار دیئے گئے ہیں اور وہ لوٹتے پوٹتے رہتے ہیں۔

یہ وہی مذکورہ بالا پانچ ستارے ہیں جو نظام شمسی کے خاندان کے ارکان ہیں اور ان کی حرکت قریب ہونے کی وجہ سے ہمیں محسوس ہوتی ہے ورنہ آسمان کے تمام ستارے ہی اس قسم کی حرکات کے حامل ہیں۔لیکن چونکہ وہ ہم سے دور ہیں لہٰذا ہم ان کی حرکات کو محسوس نہیں کرتے۔

پھر اس نکتہ کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ علمائے ہیئت نے ان ستاروں کا نام ''نجوم متحیرہ'' رکھا ہے، اس لئے کہ ان کی حرکات خط مستقیم پر نہیں ہے اور اس طرح نظر آتا ہے کہ ایک مدت تک سیر کرتے ہیں پھر تھوڑا سا واپس پلٹ آتے ہیں۔دوبارہ اپنی سیر شروع کر دیتے ہیں جس کے اسباب کے بارے میں علم ہیئت میں بہت سے مباحث ہیں۔

مندرجہ بالا آیات ہوسکتا ہے کہ اس طرف اشارہ ہوں کہ یہ ستارے حرکت رکھتے ہیں اور اپنی سیر وحرکت میں رجوع و بازگشت رکھتے ہیں اور انجام کار سورج کے طلوع کے وقت پنہاں ہو جاتے ہیں، ان ہرنوں کی طرح جو راتوں کو بیابانوں میں اپنی غذا تلاش کرنے کے لئے پھرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقت شکاریوں اور وحشی جانوروں کے خوف سے اپنے ٹھکانوں اور غار میں مخفی ہو جاتے ہیں۔

بہرحال قرآن مجید گویا یہ چاہتا ہے کہ ان پر معنی اور ایک قسم کے ابہام کی آمیزش رکھنے والی قسموں کے ساتھ افکار انسانی کو

بیدار کرے اور انہیں آسمان کے ستاروں کی عظیم فوج اور دستوں کے درمیان جوان سیاروں کی مخصوص اور استثنائی وضع و کیفیت ہے، اس کی طرف متوجہ کرے تاکہ ان اجرام فلکی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کے بعد دماغ انسانی اس عظیم دست گاہ کو عالم وجود میں لانے والی کی عظمت سے آشنا ہو۔

پس دوسری مرتبہ قسم کھا کر فرماتا ہے: ''قسم ہے رات کی جب وہ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

آخر کار تیسری اور آخری قسم کی جانب رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''قسم ہے صبح کی جبکہ وہ سانس لے''

یہ تعبیر اس تعبیر کے مشابہ ہے جو سورہ مدثر میں رات کی قسم کے بعد آئی ہے جس میں فرماتا ہے: ''قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے چہرہ سے نقاب ہٹائے۔'' گویا رات کی تاریکی سیاہ نقاب کے مانند ہے جو صبح کے چہرہ پر پڑی ہے۔ سپیدۂ سحر کے وقت نقاب ہٹا کر اپنا نورانی اور حیات افزا چہرہ جو زندگی کی نشانی ہے، ساری دنیا کو دکھاتی ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کو جس کی خاطر یہ ساری قسمیں کھائی گئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یقیناً یہ قرآن صاحب عزت اور عظیم بھیجے ہوئے کا کلام ہے (جبرائیل امین علیہ السلام) جسے وہ اللہ کی طرف سے اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لایا ہے''۔ یہ ان لوگوں کا جواب ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتہام لگاتے تھے کہ قرآن انہی کا بنایا ہوا ہے اور اس کو اللہ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں اور بعد والی آیت میں جبرائیل امین علیہ السلام، جو اللہ کی طرف سے پیغام لانے والے ہیں، ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو درحقیقت ایسے ہیں جو ہر جامع الشرائط بھیجے جانے والے کے لئے لازمی ہیں۔

اس کی پہلی توصیف کریم ہونا ہے جو اس کے وجود کی قدر و قیمت کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد اس کے دوسرے اوصاف پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''وہ صاحب قدرت ہے اور عرش والے اللہ کی بارگاہ میں بلند مقام کا حامل ہے''۔

ذی العرش اللہ کی پاک ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ وہ تمام عالم ہستی کا مالک ہے لیکن چونکہ عرش، چاہے وہ اس عالم کے معنی میں ہو جو ماورائے طبیعت ہے، یا اللہ کے علم مکنون کے مقام کے معنی میں ہو، بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا صاحب عرش کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے۔

چوتھی اور پانچویں توصیف میں کہتا ہے ''وہ فرشتوں کا فرمانروا اور مطاع ہے''۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی جبرائیل امین قرآن کی آیات کے پہنچانے کے سلسلہ میں فرشتوں کے ایک عظیم گروہ کے ہمراہ آتے تھے اور یقیناً ان کے درمیان مطاع تھے، یعنی سب فرشتے ان کی اطاعت کرتے تھے اور ایک رسول و سفیر کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام ہمراہی اس کی اطاعت کرتے ہوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل امین سے فرمایا:

''تیرے پروردگار نے تیری کیا ہی عمدہ تعریف کی ہے کہ فرمایا ہے صاحب قدرت ہے اور صاحب عرش اللہ کے ہاں قرب رکھتا ہے اور وہاں فرمانروا ہے اور امین ہے، لہٰذا اپنی قدرت و امانت کا نمونہ پیش کر''۔

توجبرائیل علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا ''میری قدرت کا نمونہ یہ ہے کہ میں قوم لوط کے شہروں کی تباہی پر مامور ہوا۔ وہ چار شہر تھے اور ہر شہر میں چار لاکھ جنگجو افراد موجود تھے۔ ان کی اولاد اس کے علاوہ تھی۔ میں نے ان شہروں کو اٹھالیا اور میں انہیں آسمان کی طرف لے گیا یہاں تک کہ آسمان کے فرشتے ان کے جانوروں کی آواز سننے لگے۔ پھر انہیں زمین کی طرف لے آیا اور انہیں زیروزبر کردیا۔

باقی رہا میری امانت کا نمونہ تو وہ یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو مجھے دیا گیا ہو اور اس میں میں نے معمولی سا تجاوز بھی کیا ہو''

اس کے بعد لوگ وہ ناروا نسبت، جو پیغمبر کی طرف دیتے تھے، اس کی نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے: تمہارا صاحب دیوانہ نہیں ہے۔

''صاحب'' کی تعبیر جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سالہا سال تمہارے درمیان زندگی گزاری ہے اور تمہارے ہم نشین رہے ہیں اور تم نے انہیں عاقل و امین دیکھا ہے اور سمجھا ہے تو اب کس طرح ان کی طرف جنون کی نسبت دیتے ہو۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جبرائیل امین علیہ السلام سے ارتباط کی تاکید کے لئے مزید فرماتا ہے: ''اس نے یقینی طور پر جبرائیل کا واضح اور آشکار افق میں مشاہدہ کیا ہے''

افق مبین سے مراد وہی افق اعلیٰ اور فرشتوں کو آشکار کرنے والا افق ہے جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل کا مشاہدہ کیا۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''پیغمبر اس چیز کے بارے میں جو اس نے بطریق وحی عالم غیب سے حاصل کی ہے بخیل نہیں ہے''۔ ہر چیز بے کم و کاست بندگان اللہ کے اختیار میں دے دیتا ہے۔

وہ بہت سے دوسرے لوگوں کے مانند نہیں کہ جب کسی اہم حقیقت پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں تو اس کو چھپانے پر اصرار کرتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں وہ پورے جود و سخا کے ساتھ، جو کچھ حاصل کرتے ہیں اسے تمام ضرورت مندوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ انہیں بھی بتا دیتے ہیں جو بلندی اور قرب کے قائل ہی نہیں ہیں اس امید پر کہ شاید ہدایت حاصل کریں اور راہ حق کو

اختیار کریں۔

اگر دوسرے افراد اپنے علوم کے بارے میں ایسے عیب کا شکار ہیں تو ہوا کریں۔ پیغمبر، جس کے علم کا سرچشمہ علم اللہ کا بیکراں سمندر ہے، اس قسم کی باتوں سے مبرا ہے۔

پروردگار عالم مزید فرماتا ہے: ''اور وہ شیطان رجیم کی کہی ہوئی بات نہیں ہے''۔ یہ آیات قرآنی ہرگز کاہنوں کی باتوں کی طرح نہیں ہیں جو شیاطین سے تعلق کی وجہ سے معلوم کر لیتے تھے۔ اور پھر اس حقیقت کی نشانیاں اس کے کلام سے ظاہر ہیں۔

اس لئے کہ کاہنوں کی باتیں جھوٹی ہوتی تھیں۔ ان میں بہت سے شبہات ہوتے تھے اور وہ غلطیوں کی آمیزش سے ملوث ہوتی تھیں، اور شیطانی میلانات وخواہشات کے گرد گھومتی تھیں۔ اس چیز کا قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲۶) فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ؕ	پس تم کہاں (بھٹکے) جا رہے ہو؟
(۲۷) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۙ	یہ قرآن عالمین کے لئے صرف نصیحت ہے۔
(۲۸) لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ؕ	ان لوگوں کے لئے جو چاہتے ہیں کہ نصیحت حاصل کریں۔
(۲۹) وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۧ	اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے جو عالمین کا پروردگار چاہے۔

تفسیر

اے غافلو! کہاں جا رہے ہو؟

گزشتہ آیات میں یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اس لئے کہ اس کے مضامین سے ہویدا ہے کہ یہ شیطانی کلام نہیں ہے بلکہ رحمٰن کا کلام ہے جو جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعہ، قدرت وامانت کلی کے ساتھ، اس پیغمبر پر، جو انتہائی طور پر اعتدال عقلی کا حامل ہے، نازل ہوا ہے۔

پروردگار عالم زیر بحث آیات میں مخالفین کو اس عظیم کلام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے مستحق سرزنش قرار دیتا ہے اور ایک استفہام توبیخی کے ساتھ فرماتا ہے: ''ان حالات میں تم کہاں جا رہے ہو'' کیوں راہ راست کو چھوڑ کر بے راہ روی اختیار کرتے ہو

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے'' سب کو نصیحت کرتا ہے تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور چونکہ ہدایت وتربیت کے لئے فاعل کی صرف فاعلیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ قابل کی قابلیت بھی درکار ہے،

لہٰذا بعد میں آنے والی آیت میں مزید فرماتا ہے:

''قرآن ان لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث ہے جو تم میں سے چاہتے ہیں کہ صراط مستقیم اختیار کریں''

لیکن چونکہ اس بات کا امکان ہے کہ انسان کا ارادہ یہ تو ہم پیدا کرے کہ آدمی اس طرح آزاد ہے کہ اس راستے کو طے کرنے میں الٰہی توفیق کی کوئی احتیاج نہیں رکھتا تو بعد میں آنے والی آیت میں، جو اس سورہ کی آخری آیت ہے، فرماتا ہے:

''تم ارادہ نہیں کرتے مگر یہ کہ عالمین اور تمام جہانوں کا پروردگار ارادہ کرے'' درحقیقت ان دونوں آیات کا مجموعہ اس دقیق وظریف مسئلہ امرٌ بین الامرین کو بیان کرتا ہے۔ ایک طرف کہتا ہے ارادہ کی پختگی تمہارے اپنے اختیار میں ہے اور دوسری طرف کہتا ہے جب تک اللہ نہ چاہے تم ارادہ نہیں کرسکتے۔ یعنی اگر تمہیں مختار وآزاد پیدا کیا گیا ہے تو یہ اختیار وآزادی بھی اللہ کی جانب سے ہے۔ اس نے چاہا ہے کہ تم ایسے رہو۔

انسان اپنے اعمال میں نہ مجبور ہے نہ سو فیصدی آزاد ہے۔ نہ طریقۂ جبر صحیح ہے نہ طریقۂ تفویض۔ بلکہ جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ جسم وہوش، عقل وتوانائی، ارادہ کی پختگی کی قوت، وہ سب اللہ کی جانب سے ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو ہمیشہ اسے ایک طرف تو خالق کا محتاج ونیازمند بناتی ہے اور دوسری طرف اس کی آزادی اور اختیار کے تقاضے کی بنا پر اسے ذمہ داری سونپتی ہے۔

سورۂ انفطار

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۱۹ آیتیں ہیں۔

سورۂ انفطار کے مضامین

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی سورتوں کی مانند قیامت سے متعلق مسائل کے بارے میں ہے اور اس کی آیتوں میں مجموعی طور پر اس تعلق کے پانچ موضوعات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

۱۔ اشراط الساعۃ یعنی وہ عظیم حوادث جو اس جہان کے اختتام اور قیامت کی ابتدا پر رونما ہوں گے۔

۲۔ انسان کی توجہ اللہ کی نعمتوں کی طرف، جنہوں نے اس کے سارے وجود کو گھیر رکھا ہے، اور اس کے غرور کو توڑنے کی جانب، تا کہ وہ اپنے آپ کو معاد کے لئے تیارے کرے۔

۳۔ ان فرشتوں کی طرف اشارہ جو انسانوں کے اعمال کو ثبت کرنے پر مامور ہیں۔

۴۔ قیامت میں نیک و بدلوگوں کی سرنوشت۔

۵۔ اس عظیم دن کی سختیوں کا ایک گوشہ۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضلیت

ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''جو شخص ان دو سورتوں سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرے اور دونوں کو نماز فریضہ و نافلہ میں اپنا نصب العین بنالے تو کوئی اسے اللہ سے بیگانہ نہیں کر سکے گا اور کوئی چیز اس کے اور خداوند متعال کے درمیان حائل نہیں ہوگی''

یقیناً سب سے بڑی نعمت بارگاہ خداوندی میں حضوری ہے اور اور بندہ کے اور اللہ کے درمیان سے حجابوں کا ہٹ جانا اس کے لئے ہے جو ان دونوں سورتوں کو اپنے دل و جان کی گہرائیوں میں جگہ دے اور اپنی اس بنیاد پر اصلاح کرے، نہ یہ کہ صرف زبانی جمع خرچ پر اکتفا کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے۔
(۱) اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ	جس وقت (کرات آسمانی) پھٹ جائیں گے۔
(۲) وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ	جس وقت ستارے پراگندہ ہوکر گر پڑیں گے۔
(۳) وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ	اور جس وقت سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔

(۴) وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ	اور جس وقت قبریں زیروزبر ہوں گی۔
(۵) عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ؕ	اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے۔

تفسیر

جس وقت اس جہان کا نظام زیروزبر ہو جائے گا

ہم پھر اس سورہ کے آغاز میں بعض ایسے وحشت ناک حوادث کا سامنا کر رہے ہیں جو آغاز قیامت میں سارے جہان کو گھیر لیں گے۔ پہلے فرماتا ہے: ''جس وقت آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے۔ اور جس وقت ستارے پراگندہ ہو کر گرنے لگیں گے''۔

یعنی عالم بالا کا نظام درہم و برہم ہو جائے گا اور ہولناک دھما کے سارے آسمان کے کروں کو گھیر لیں گے۔ تمام منظومے اپنے نظام کھو بیٹھیں گے۔ اور ستارے اپنے مدار سے نکل جائیں گے اور شدید تصادم کی وجہ سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ اس جہان کی عمر ختم ہو جائے گی اور تمام چیزیں ویران ہو جائیں گی تا کہ ان کی ویرانی سے آخرت کا جہاں آباد ہو جائے۔

معلوم ہے کہ جس وقت یہ عظیم آسمانی کرے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے تو اس وقت کمزور، ضعیف انسان کا جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع بناتا ہے اور فرماتا ہے: ''جس وقت سمندر اور دریا آپس میں مل جائیں گے''۔

اگرچہ اس وقت بھی روئے زمین کا عام سمندر، سوائے کچھ چھوٹے دریاؤں کے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن یوں نظر آتا ہے کہ ابتدائے قیامت میں شدید زلزلوں کی بنا پر یا پہاڑوں کے پراگندہ ہونے اور سمندر میں گر پڑنے کی وجہ سے سمندر اس طرح پر ہو جائیں گے کہ پانی تمام خشکیوں کو گھیرے گا اور سارے دریا ایک وسیع تر سمندر کی شکل اختیار کر لیں گے جیسا کہ سورہ تکویر کی آیت ۶ (واذا البحار سجرت) کی ایک یہ بھی تفسیر ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔

اس کے بعد قیامت کے دوسرے مرحلہ کے بارے میں جو اس جہان کی تجدید حیات اور مردوں کی زندگی کی تجدید کا مرحلہ ہے فرماتا ہے: ''اور جس وقت قبریں زیروزبر ہوں' اور مردے باہر آ کر حساب کتاب کے لئے آمادہ ہوں۔

ان نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد جو قیامت سے قبل اور اس کے بعد صورت پذیر ہوں گی آخری بات کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''اس دن ہر شخص جانتا ہے کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا رکھا ہے''۔

جی ہاں! اس دن حجابات ہٹ جائیں گے۔ غرور وغفلت کے پردے چاک ہو جائیں گے اور حقائق جہاں آشکار ہو جائیں گے۔ اور چونکہ وہ دن یوم البروز ہے لہٰذا ہر چیز ظاہر ہو جائے گی اور یہ وہی وقت ہے کہ انسان اپنے تمام اعمال کو دیکھے گا اور اپنے نیک و بد سے آگاہ ہوگا۔ کون سے اعمال وہ آگے بھیج چکا ہے اور کون سے کام ہیں جن کے آثار اس کے بعد دنیا میں باقی رہ گئے ہیں اور اس کے نتائج اس تک پہنچے ہیں۔

خیرات اور صدقہ جاریہ کے مثل۔ اور وہ تعمیرات وآثار جو مقاصد رحمانی یا مقاصد شیطانی کے لئے اس نے بنائی ہیں اور اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ یا کتابیں اور دیگر علمی آثار وغیرہ۔ علمی آثار جو نیک و بد مقاصد کے لئے اس نے اپنے بعد چھوڑے ہیں اور وہ دوسروں کے لئے استفادہ کا باعث بنے ہیں۔ ایسے نیک و بد سنن وطرق جنہوں نے اقوام وملل کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ یہ ہیں ان کاموں کے نمونے جن کے نتائج انسان کے بعد اس تک پہنچتے ہیں اور جو اوپر والی آیت میں 'اخرت'' کا مصداق ہیں۔

ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''انسان کی موت کے بعد اس کے اعمال کی کتاب بند ہو جاتی ہے اور سزا یا جزا اسے نہیں ملتی لیکن تین طریقوں سے اجر یا سزا مل سکتی ہے۔ عمارتیں یا مفید چیزیں جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے وہ اپنی طرف سے بطور یادگار چھوڑ گیا ہے، جو اس کے بعد باقی ہیں۔ دوسرے ہدایت کرنے والی سنت جسے وہ وجود میں لایا ہے اور اس کی موت کے بعد اس پر عمل ہو رہا ہے اور تیسرے وہ نیک اور صالح بیٹا جو اس کے لئے استغفار کرتا ہے''۔

ایک دوسری روایت میں یہ چھ امور شمار کئے گئے ہیں جو مومنین کی حالت کے لئے ان کی موت کے بعد مفید ہیں:

(۱) نیک بیٹا، (۲) وہ قرآن جس کی وہ تلاوت کرتا تھا، (۳) وہ کنواں جو اس نے کھودا، (۴) وہ درخت جو اس نے بویا، (۵) پانی مہیا کرنا (۶) اور سنت حسنہ جو اس کے بعد رہ جائے اور مورد توجہ قرار پائے۔

(۶) يٰٓاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ ۙ	اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے کریم پروردگار کے مقابلہ میں (غافل و) مغرور کر دیا ہے؟
(۷) الَّذِىۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰٮكَ فَعَدَلَكَ ۙ	وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے منظّم کیا، پھر تجھے اعتدال بخشا۔
(۸) فِىۡۤ اَىِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ	اور جس شکل میں چاہتا تھا تجھے مرکب کیا۔

(۹) كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ	جیسا تم خیال کرتے ہو ویسا نہیں ہے بلکہ تم روز جزا کے منکر ہو۔
(۱۰) وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ	اور اس میں شک نہیں کہ تم پر نگہبان مقرر کئے گئے ہیں۔
(۱۱) كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ	بلند منزلت والے اور (اعمال کو) لکھنے والے۔
(۱۲) يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ	وہ جانتے ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔

تفسیر

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کردیا ہے؟

گزشتہ آیتوں کے بعد جو قیامت کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں زیر بحث آیتوں میں انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے اور اس کو اللہ کے سامنے اس کی ذمہ داریوں کے طرف توجہ دلاتے ہوئے پہلے اسے مخاطب کیا ہے اور تیز ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ، جس میں ایک طرح کا لطف وکرم بھی ملا ہوا ہے، فرماتا ہے: ''اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے کریم پروردگار سے غافل کردیا ہے اور اس کے مقابلہ میں مغرور کیا ہے''۔

جس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے سے ہمیشہ اسے اپنی رحمت سے نوازا ہے اور اس کی تربیت وتکامل وارتقاء کا ذمہ لیا ہے اور اپنے تقاضائے کرم سے اسے اپنے خوان نعمت پر جگہ دی ہے۔ اور اپنی تمام مادی ومعنوی نعمتوں سے اسے سرفراز کیا ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کے موقع پر فرمایا:

''غرّہ جھلہ'' اس کی جہالت ونادانی نے اسے مغرور وغافل بنادیا ہے۔

یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت وکرم پر انحصار کرتے ہوئے وہ انسان کے غرور وغفلت کو ختم کرے۔

اس کے بعد اس غافل انسان کو بیدار کرنے کے لئے اپنے لطف وکرم کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ اللہ جس نے تجھے پیدا کیا ہے، پھر تیرے وجود کی دستگاہ کو منظم کیا اور اسے اعتدال بخشا اور جس شکل میں چاہتا تھا تیری ترکیب کی''۔

ان آیتوں میں اور بہت سی دوسری قرآنی آیات کی طرح اللہ اس بھلا دینے والے اور مغرور انسان کو اپنی معرفت کی راہ دکھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ رحم مادر سے لے کر اپنے پیدا ہونے تک کے زمانے کا اور اس وقت سے لے کر مکمل نشو ونما کی منزل تک پہنچنے

کے عہد کا بغور مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ منعم حقیقی کی جانب سے ہر قدم پر ایک نئی نعمت اس کے پاس آئی ہے۔

اس طرح اس کو معلوم ہوگا کہ وہ سر سے پیر تک خالق کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس کو چاہئے کہ غرور وغفلت کو خیر باد کہے اور پروردگار عالم کی محبت کا طوق اپنی گردن میں ڈالے۔

اس کے بعد قرآن ان کے غرور وغفلت کو موضوع گفتگو بنا کر کہتا ہے: ''جیسا تم گمان کرتے ہو ایسا نہیں ہے تم روز جزا کے منکر ہو''۔ نہ تو اللہ کا کرم تمہارے غرور کا سبب ہے اور نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ، بلکہ اس کا اصلی سبب تمہارا روز قیامت پر ایمان نہ لانا ہے۔

اس کے بعد اسباب غرور وغفلت کو ختم کرنے اور قیامت پر ایمان کو تقویت دینے کے لئے مزید کہتا ہے: ''اس میں شک نہیں کہ تم پر نگران مقرر کئے گئے ہیں''۔

ایسے نگران ونگہبان جو پروردگار کی بارگاہ میں مقرب ومحترم ہیں اور وہ ہمیشہ تمہارے اعمال کو تحریر کرتے ہیں اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس سے آگاہ ہیں اور سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔

''حافظین'' سے مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال کی نگرانی پر مامور ہیں، اس سے قطع نظر کہ اعمال اچھے ہوں یا برے۔ ان فرشتوں کو سورہ ق کی آیت ۱۸ (ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید) میں رقیب و عتید سے تعبیر کیا گیا ہے انسان کوئی بات نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کے پاس فرشتہ ہے جو نگرانی کا فرض انجام دینے کے لئے مستعد ہے۔ اسی سورہ ق کی اس سے پہلے کی آیت میں فرماتا ہے: ''یاد کر اس وقت کو جب وہ دو فرشتے دو دائیں بائیں سے تجھے پکڑے ہوئے ہیں، تیرے اعمال ثبت کرتے ہیں۔''

(۱۳) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ج	یقیناً نیک افراد نعمت فراواں میں ہیں۔
(۱۴) وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ج صلے	اور بدکار دوزخ میں ہیں۔
(۱۵) یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ	جزا کے روز دوزخ میں وارد ہوں گے اور جلیں گے۔
(۱۶) وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ط	اور کبھی بھی اس سے غائب و دور نہیں ہوں گے۔
(۱۷) وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ لا	تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟
(۱۸) ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ط	پھر تو کیا جانے کہ قیامت کا دن کیا ہے؟

(۱۹) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَ الْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۚ	ایسا دن ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کسی کام کے انجام دینے پر قدرت نہیں رکھتا اور اس دن سب امور اللہ سے مخصوص ہیں۔

تفسیر

وہ دن جس میں کوئی شخص کسی کیلئے کوئی کام انجام نہیں دے گا

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں فرشتوں کے ذریعہ انسانوں کے اعمال کے ثبت وضبط کے سلسلہ میں آئی ہے ان آیتوں میں اس حساب و کتاب کے نتیجے اور نیکیوں اور بروں کی جو رہگزر ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے: ''یقیناً نیک وصالح افراد اللہ کی عظیم نعمت میں ہیں اور بدکار یقیناً جہنم میں ہیں''

اور یہ جو فرماتا ہے: ''نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ میں ہیں، ممکن ہے اس معنی میں ہو کہ وہ ابھی سے جنت اور دوزخ میں وارد ہوگئے ہیں اور اس دنیا ہی میں جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب نے انہیں گھیر رکھا ہے جیسا کہ سورہ عنکبوت کی آیت ۵۴ میں ہم پڑھتے ہیں: ''دوزخ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔''

لیکن ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس قسم کی تعبیریں حتمی اور یقینی طور پر مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

آیت کے پہلے معنی ظاہر کے ساتھ سازگار ہیں۔

بعد کی آیت میں فاجروں کی سرنوشت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''وہ روز جزا دوزخ میں داخل ہوں گے اور اس کی آگ میں جلیں گے۔''

جب گزشتہ آیت کے معنی ایسے ہوں کہ وہ ابھی سے دوزخ میں داخل ہیں تو پھر یہ آیت بتاتی ہے کہ روز قیامت اس جلانے والی آگ میں ان کا داخلہ اور شدید ہوگا اور آگ کے اثر کو وہ اچھی طرح محسوس کریں گے۔

مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے: ''وہ اس آگ سے کبھی دور اور مفقود نہیں ہیں'' بہت سے مفسرین نے اس جملہ کو فجار پر جو عذاب ہوگا اس کے جاوداں ہونے کی دلیل کے طور پر لیا ہے اور اس طرح نتیجہ نکالا ہے کہ فجار سے مراد ان آیات میں کفار ہیں، اس لئے کہ خلود اور ہمیشگی ان کے مورد کے علاوہ وجود نہیں رکھتی۔

مندرجہ بالا آیت ضمنی طور پر اس حقیقت کو بھی بیان کرتی ہے کہ دوزخیوں کے عذاب میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہے، یہاں تک کہ ایک لمحے کا وقفہ بھی نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اس عظیم دن کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے کہتا ہے: ''تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے، پھر تو کیا جانے کہ روز جزا کیا ہے۔''

جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے بارے اس وسیع آگاہی اور علم کے باوجود اس پر حکومت کرنے والے حوادث، اضطراب اور عظیم وحشت کو اچھی طرح نہیں جانتے تو باقی کا معاملہ واضح ہے۔

اس کے بعد ایک مختصر اور پر معنی جملہ میں اس دن کی ایک اور خصوصیت، جس میں درحقیقت تمام چیزیں چھپی ہوئی ہیں پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہی دن جس دن کوئی شخص کسی دوسرے کے حق میں کوئی کام انجام نہیں دے سکے گا اور اس دن تمام امور اللہ سے مختص ہیں''۔

کام تو اس جہان میں بھی سب اسی کے دست قدرت میں ہیں اور سب لوگ اسی کے نیاز مند ہیں۔

لیکن پھر بھی یہاں کبھی کبھی بہر حال مجازی مالک وحاکم اور فرماں روا موجود ہیں جنہیں سطحی نگاہ رکھنے والے افراد مستقل مبداء قدرت خیال کرتے ہیں لیکن اس دن یہ مجازی مالکیت وحاکمیت بھی ختم ہو جائے گی اور اللہ کی حاکمیت مطلقہ ہر زمانہ کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوگی۔

سورۂ مطففین

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس میں ۳۶ آیتیں ہیں

سورۂ مطففین کے مضامین کا دائرہ کار

اس سورہ کے مباحث پانچ محوروں کے گرد گھومتے ہیں۔

۱۔کم تولنے والوں کے بارے میں شدید تنبیہ وتہدید۔

۲۔اس مفہوم کی طرف اشارہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا سرچشمہ قیامت کے بارے میں پختہ یقین کا نہ ہونا ہے۔

۳۔اس عظیم دن فجار کی سرنوشت کا ایک حصہ۔

۴۔جنت میں نیکوکاروں کو ملنے والی عظیم اور روح پرور نعمتوں کا ایک حصہ۔

۵۔کفار کا مومنین سے جاہلانہ مذاق اور اس کے برعکس قیامت کے ہونے کا بیان۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضلیت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

''جو شخص سورہ مطففین پڑھے اللہ اسے خالص شراب سے جو کسی کو میسر نہیں ہوئی قیامت میں سیراب کرے گا''۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

جو شخص اپنی فریضہ نمازوں میں سورہ مطففین پڑھے، اللہ قیامت میں اسے عذاب جہنم سے محفوظ رکھے گا۔نہ جہنم کی آگ اسے دیکھے گی، نہ وہ جہنم کی آگ کو دیکھے گا۔

یہ سب ثواب فضلیت اور برکت اس شخص کے لئے ہے جو اس کے پڑھنے کو عمل کی تمہید اور مقدمہ قرار دے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۙ	وائے ہے کم تولنے والوں پر۔
(۲) الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۫ۖ	وہ جب خود لیتے ہیں تو اپنا حق پورا لیتے ہیں۔
(۳)وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ ؕ	لیکن جب چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لئے تولیں تو کم تولتے ہیں۔
(۴) اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ	کیا وہ باور نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔
(۵) لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۙ	(اس) عظیم دن

جس روز لوگ رب العالمین کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے؟	(٦) يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

شان نزول

ابن عباس کہتے ہیں جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو بہت سے لوگ کم تولنے کے مرض میں مبتلا تھے، تو اللہ نے ان آیتوں کو نازل کیا اور انہوں نے قبول کیا اور کم تولنا ختم کر دیا۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے اہل مدینہ تاجر تھے اور وہ کم تولنے کے عادی تھے اور وہ بہت سے حرام کام کرتے تھے، تو ایسی صورت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیتیں اہل مدینہ کو سنائیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"خمس بخمس" پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول! کونسی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کسی قوم نے عہد شکنی نہیں کی مگر یہ کہ اللہ نے اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیا اور کسی جمعیت نے حکم اللہ کے خلاف حکم نہیں دیا مگر یہ کہ ان میں فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ کسی ملت کے درمیان فحاشی اور برائیاں ظاہر نہیں ہوئیں مگر یہ کہ موت کا وقوع ان میں زیادہ ہو گیا۔ کسی قوم نے کم نہیں تولا مگر یہ کہ ان کی زراعت ختم ہو گئی اور قحط سالی نے انہیں گھیر لیا اور کسی قوم نے زکوٰۃ نہیں روکی مگر یہ کہ بارش سے محروم ہو گئے۔

تفسیر

کم تولنے والوں پر وائے ہے

ان آیات میں ہر چیز سے پہلے کم تولنے والوں کو شدید عذاب کا مستحق ٹھہرا کر فرماتا ہے: "وائے ہے کم تولنے والوں پر" یہ حقیقت میں اللہ کی جانب سے ان ظالم، ستمگر اور گندے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ ہے جو بزدلوں کی طرح لوگوں کا حق پامال کرتے ہیں۔

قابل توجہ یہ ہے کہ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے لفظ ویل قرآن میں کسی شخص کے لئے استعمال نہیں کیا مگر یہ کہ اس کو کافر کہا ہے "وائے ہے کافروں پر عظیم دن کے مشاہدہ سے۔" (مریم۔۳۷)۔

لیکن جب وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے لئے تولیں تو کم تولتے ہیں بعید نہیں کہ آیت اپنے مفہوم کی گہرائی کے اعتبار سے

موعودہ خدمت میں کمی کرنے کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے۔

مثال کے طور پر کوئی کاریگر یا مزدور اپنا کام صحیح طور پر مکمل نہیں کرتا تو وہ بھی مطففین کا مصداق ہے یعنی کم تولنے والوں کی صف میں ہے، جن کی یہ آیتیں سختی سے مذمت کر رہی ہیں۔

بعض مفسرین اس آیت کو اور زیادہ وسیع معانی کا حامل سمجھتے ہیں اور حدود خداوندی سے ہر قسم کا تجاوز اور اجتماعی و اخلاقی روابط میں کمی کو بھی اس کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد پروردگار عالم ایسے لوگوں کو تنبیہ یعنی استفہام توبیخی کے ذریعے متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''کیا وہ باور نہیں کرتے کہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، سب سے عظیم دن، وہ دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور رب العالمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

یعنی وہ اگر قیامت کو باور کرتے اور جانتے کہ حساب کتاب ہونا ہے اور تمام اعمال ایک عظیم عدالت میں محاکمہ کے لئے پیش ہوں گے اور جس شخص نے سوئی کی نوک کے برابر بھی اچھا یا برا کام کیا ہے اس کا نتیجہ وہ اس عظیم دن دیکھے گا، پھر وہ کبھی اس قسم کا ظلم وستم نہ کرتے اور لوگوں کے حقوق پامال نہ کرتے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

جس وقت امیر المومنین علی علیہ السلام کوفہ میں تھے تو آپ ہر روز صبح کے وقت کوفے کے بازاروں میں آتے اور ایک ایک بازار میں گشت کرتے اور تازیانہ آپ کے کاندھے پر ہوتا ہر بازار کے وسط میں کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے کہتے اے گروہ تجار! اللہ سے ڈرو۔

جس وقت حضرت علی علیہ السلام کی پکار کو سنتے تو جو کچھ تاجروں کے ہاتھ میں ہوتا رکھ دیتے اور پورے خلوص کے ساتھ آپ کی باتوں کو سنتے۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام فرماتے:

''اللہ سے خیر طلب کرو اور لوگوں کے ساتھ معاملہ آسان کر کے برکت چاہو اور خریداروں کے پاس جاؤ، حلم و بردباری کو اپنی زینت قرار دو، قسم کھانے سے پرہیز کرو، جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو، ظلم سے بچو اور مظلوموں کا حق ظالموں سے لے کر دو، سود کے قریب نہ جاؤ، پیمانے اور وزن کے معاملہ میں پورے پورے انصاف سے کام لو، لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں باعث فساد نہ بنو۔''

اس طرح آپ کوفہ کے بازاروں میں گردش کرتے، اس کے بعد دارالامارۃ کی طرف پلٹ آتے اور لوگوں کی دادخواہی اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے بیٹھ جاتے۔

(۷) كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ ؕ	اس طرح نہیں ہے یقیناً فاجروں کا نامہ اعمال سجّین میں ہے۔
(۸)وَ مَآ اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ ؕ	تو کیا جانے کہ سجّین کیا ہے؟
(۹) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ؕ	وہ تحریر شدہ نامہ اور سرنوشت ہے۔
(۱۰) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ	وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر۔

تفسیر

تو کیا جانے کہ سجّین کیا ہے؟

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کم تولنے والوں کے بارے میں اور قیامت کے دن کے بارے میں گناہ اور ایمان راسخ نہ ہونے کے رابطہ کے سلسلہ میں آئی تھی، ان آیتوں میں اس روز بدکاروں اور فاجروں کا جو حال ہوگا، اس کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''اس طرح نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ حساب و کتاب نہیں ہوگا بلکہ فاجروں کا نامہ اعمال سجّین میں ہے''۔ ''تو کیا جانے سجین کیا ہے۔'' ''ایک مہر زدہ تحریر اور نامہ ہے'' (کتاب مرقوم)۔

ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دو عمدہ نظریے ہیں:

ا۔ کتاب سے مراد انسان کا وہی نامہ اعمال ہے۔ کوئی چھوٹا یا بڑا ایسا کام نہیں ہے جس کا اس میں شمار نہ کیا گیا ہو۔ تمام باتیں بے کم و کاست اس میں درج ہیں۔

اور سجّین سے مراد ایک جامع کتاب ہے جس میں تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال جمع کئے گئے ہیں۔ سادہ اور عام تعبیر میں وہ ایک ایسے مکمل رجسٹر کے مانند ہے جس میں ہر ایک قرض خواہ اور مقروض کا حساب علیحدہ اور مستقل صفحہ پر تحریر ہے۔

اس کو سجّین اس لئے کہا گیا ہے کہ اس دیوان کے مشتملات ان کے جہنم میں زندانی اور مقید ہونے کا سبب ہوں گے، نیکوکاروں کی کتاب کے برعکس جو اعلیٰ علیین بہشت میں ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ سجّین اس مشہور و معروف معنی، یعنی دوزخ کے لئے استعمال ہوا ہے، جو تمام بدکاروں کے لئے بہت بڑا زندان ہے، یا دوزخ میں ایک سخت جگہ ہے۔

اور کتاب فجار سے مراد وہی سرنوشت ہے جو ان کے لئے تحریر ہوئی ہے۔ اس بنا پر اس آیت کے یہ معنی ہوں گے ''مقرر و مسلم سرنوشت بدکاروں کی جہنم میں ہے۔''

یہ دونوں تفسیریں بھی صحیح ہو سکتی ہیں اس لئے کہ پہلی تفسیر میں سجّین بدکاروں کے کل اعمال کے دیوان کے معنی میں ہے اور دوسری تفسیر میں دوزخ کی گہرائی اور گڑھے کے معنوں میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں۔

یعنی جس وقت انسان کا نامۂ اعمال بدکاروں کے کل اعمال کا دیوان قرار دیا گیا تو یہی سبب بنے گا کہ اسے پست ترین مقام یعنی دوزخ کے گڑھے میں کھینچ کر لے جائیں۔

آخری اور زیر بحث آیت میں ایک دل دہلا دینے والے جملے سے منکرین معاد و قیامت کی منحوس عاقبت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وائے ہے اس دن تکذیب کرنے والوں پر''

وہ تکذیب جو انواع و اقسام کے گناہوں کا سرچشمہ ہے، جن میں سے ایک کم تولنا ہے۔

(۱۱) الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ؕ	وہی جو قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔
(۱۲) وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ	صرف وہی لوگ اس (قیامت) کا انکار کرتے ہیں جو گنہگار اور تجاوز کرنے والے ہیں۔
(۱۳) اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ؕ	وہی شخص کہ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔
(۱۴) كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	اس طرح نہیں جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے اعمال ان کے دلوں پر زنگ کی طرح ہیں۔
(۱۵) كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ؕ	ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ اس دن اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے۔
(۱۶) ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ؕ	اس کے بعد وہ یقیناً جہنم میں داخل ہوں گے۔

(۱۷)ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ؕ	پھران سے کہا جائے گا یہ وہی جگہ ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

تفسیر

گناہ دلوں کا زنگ ہیں

گزشتہ آیات کی آخری آیت میں مکذبین اور جھٹلانے والوں کی منحوس سرنوشت کی طرف واضح اشارہ تھا۔ زیر بحث آیات پہلے ان افراد کا تعارف کراتی ہیں اور کہتی ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو روز جزا کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''صرف وہ لوگ روز جزا کی تکذیب کرتے ہیں جو متجاوز اور گنہگار ہیں''۔ یعنی انکار قیامت کا اصلی سبب منطق، استدلال اور تفکر نہیں ہے، بلکہ جو افراد چاہتے ہیں کہ زیادتیاں کرتے رہیں اور گناہ کرتے رہیں وہ قیامت کا انکار کر دیتے ہیں۔

بعد والی آیات میں قیامت کا انکار کرنے والوں کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: ''یہ گزشتہ لوگوں کے بے بنیاد مطالب اور افسانے ہیں۔''

یہ لوگ علاوہ اس کے کہ تجاوز کرنے والے اور گناہ گار ہیں، آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں، انہیں کہانیاں اور موہوم قصے بتاتے ہیں، ایسے قصے جو انسان کے نادانی کے زمانے کی یادگار ہیں۔

اور اس بہانے سے چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ان آیات کی سماعت سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس سے بچالیں۔ نہ صرف اس سورہ میں بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جسارت کرنے والے مجرم دعوت خداوندی سے منحرف ہونے کا یہی بہانہ کرتے تھے۔

قرآن اس کے بعد آنے والی آیت میں ایک مرتبہ پھر ان کی سرکشی کے اصل سبب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے:

''ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ ان کے برے اعمال ان کے دل پر زنگ بن کر لگے ہوئے ہیں اور وہ حقیقت کے ادراک سے محروم ہو گئے ہیں''۔

عجیب دل دہلا دینے والی تعبیر ہے ان کے اعمال نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے اور وہ نور جو خداداد فطرت کی بنا پر تھا سلب کر لیا ہے۔ اس کی وجہ سے حقیقت کا چہرہ جو آفتاب عالمتاب کی طرح درخشاں ہے ان کے دلوں پر ہرگز روشنی نہیں ڈالتا اور انوار وحی کا پرتو منعکس نہیں ہوتا۔

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جس وقت بندہ گناہ کرے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے اور گناہ سے دستبردار ہو جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے اور اگر دوبارہ گناہ کی طرف پلٹے تو سیاہی بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے پورے وجود کو گھیر لیتی ہے''۔

اور یہ وہی زنگ ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہوا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں فرماتا ہے: ''ایسا نہیں ہے جیسا وہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس دن وہ اپنے پروردگار سے محجوب ہوں گے۔'' اور یہ کہ ان کی زیادہ دردناک سزا ہے۔ یہ اس بالاتر اور زیادہ لذت بخش نعمت کا بالکل تضاد ہے جو نیک لوگوں کو پروردگار عالم کی معنوی ملاقات اور اس کی بارگاہ قرب میں حضور سے حاصل ہوگا۔

اس کے بعد وہ یقیناً جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے۔ یہ جہنم میں ورود پروردگار سے محجوب ہونے کا نتیجہ ہے اور ایک ایسا اثر ہے جو اس سے جدا نہیں ہے اور بحیثیت مسلم دیدار حق سے محرومیت کی آگ جہنم کی آگ سے بھی زیادہ جلانے والی ہے۔ اور آخری آیت میں فرماتا ہے:

''پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے''۔ یہ بات ان سے بطور توبیخ و ملامت وسرزنش کہی جائے گی اور یہ اس بیوقوف اور ہٹ دھرم گروہ کے لئے ایک روحانی عذاب ہے۔

(۱۸) كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِىْ عِلِّيِّيْنَ ؕ	ایسا نہیں ہے جیسا وہ (قیامت کے بارے میں) خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کا نامہ اعمال علیین میں ہے۔
(۱۹) وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ؕ	اور تو کیا جانے علیین کیا ہے؟
(۲۰) كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۙ	یہ نوشتہ ہے لکھا ہوا اور سرنوشت ہے قطعی۔
(۲۱) يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ	جس کے شاہد مقربین ہیں۔
(۲۲) اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ۙ	یقیناً نیک لوگ انواع واقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

(۲۳) عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۙ	جنت کے خوبصورت پلنگوں اورتختوں پرتکیہ لگائے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔
(۲۴) تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۚ	ان کے چہروں پرتو نعمت کی طراوت اورنشاط دیکھے گا۔
(۲۵) يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۙ	انہیں ایسی پاک و پاکیزہ شراب پلائی جائے گی جس کو کسی نے چھوا نہیں ہوگا۔
(۲۶) خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۭ	اس پر جو مہر لگائی گئی ہوگی وہ مشک سے ہوگی پس ان جنت کی نعمتوں میں رغبت رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے سبقت کرنا چاہیے۔
(۲۷)وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ۙ	یہ شراب (طہور) تسنیم سے ملی ہوئی ہے۔
(۲۸) عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ	وہی چشمہ جس سے مقربین پئیں گے۔

تفسیر

علیّین ابرار کے انتظار میں ہے

اس توصیف کے بعد جو گزشتہ آیات میں فاجرلوگوں کے اعمال اور سرنوشت کے بارے میں آئی ہے ان آیات میں اس گروہ کے بارے میں گفتگو ہے جو ان کا مدمقابل ہے، یعنی ابرار اور نیکوکار لوگ جن کا امتیاز، افتخار اور اعزاز فاجروں کے مقابلہ میں ملاحظہ کرنے سے دونوں کی حیثیت واضح ہوجاتی ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''ایسا نہیں ہے جیسا وہ قیامت کے بارے میں خیال کرتے ہیں بلکہ نیک لوگوں کے نامہ ہائے اعمال علیین میں ہوں گے۔''

ابرار وہ لوگ ہیں جو وسیع روح، بلند ہمت، اچھے اعتقاد اور نیک عمل کے حامل ہیں اور مقربین وہ ہیں جو بارگاہ خدا میں قرب مقام کے حامل ہیں۔

وہ دو تفسیریں جو گزشتہ آیات میں سجین کے بارے میں ہم کرچکے ہیں انہی سے مشابہ تفسیریں ہیں۔

پہلی یہ کہ کتاب الابرار سے مراد نیک، پاک اور مومنین کا نامہ اعمال ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کا نامہ اعمال ایک ایسے

دیوان کل میں موجود ہے جو تمام مومنین کے اعمال کو بیان کرتا ہے۔ وہ دیوان بہت ہی بلند منزلت رکھتا ہے یا یہ کہ ان کا نامہ اعمال بلند ترین مکان یا جنت کے فراز پر ہے اور یہ سب معانی بتاتے ہیں کہ خود ان کا مقام بہت ہی بلند و بالا ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد سرنوشت اور حکم قطعی ہے جو نیک لوگوں کو بہشت کے اعلیٰ درجوں میں مقرر کیے ہوئے ہیں۔

ان دونوں تفسیروں میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ ان کا نامۂ اعمال ایک دیوان کل میں برقرار ہے اور اس دیوان کا مجموعہ آسمانوں کی بلندی پر ہے اور فرمان الٰہی بھی یہی قرار پایا ہے کہ وہ خود جنت کے بلند ترین مقامات میں ہوں۔

اس کے بعد علیین کی اہمیت وعظمت کو بیان کرنے کے لئے مزید کہتا ہے: ''تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے''۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جو خیال و قیاس اور وہم وگمان سے بھی برتر ہے، جسے کوئی بھی حتیٰ کہ پیغمبر اسلام ﷺ بھی، اس کی عظمت اور حدود اربعہ کا ادراک نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد خود قرآن وضاحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''علیین''ایک لکھی ہوئی کتاب ہے''۔ یہ اس تفسیر کی بناء پر ہے جو علیین کو ابرار کے نامہ اعمال کے دیوان کل کے معنی میں پیش کرتی ہے۔

باقی رہی دوسری تفسیر تو پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ حتمی سرنوشت ہے جس کے بارے میں اللہ نے تحریر کیا ہے۔ ان کی جگہ جنت کے افضل ترین درجات میں ہوگی۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''یہ ایسی کتاب ہے جس کا مقربین مشاہدہ کریں گے، یا اس کی گواہی دیں گے''۔

مقربون خاصان اللہ اور برگزیدہ مومنین کا ایک گروہ ہے جس کا مقام بہت اونچا ہے اور وہ دوسرے نیک افراد کے اعمال پر شاہد ہے، سب مقرب افراد ابرار ہیں، لیکن سب ابرار مقرب نہیں ہیں۔

اس کے بعد نیک لوگوں کے عظیم ثواب کے ایک حصہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یقیناً ابرار انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہیں'' اس کے بعد ان میں سے بعض کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ جنت کے خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ان تمام نعمتوں اور مناظر کو دیکھ رہے ہوں گے اور لذت اٹھا رہے ہوں گے''۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

''جب تو ان کے چہروں کی طرف دیکھے تو نعمت کی طراوت خوشی اور نشاط ان میں دیکھے گا''۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ نشاط، سرور اور خوشی ان کے چہروں پر جھلک رہی ہوگی تخت، نظارہ، آرام وسکون ونشاط کی نعمتوں کے بعد ایک اور نعمت یعنی بہشتیوں کی

شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''انہیں ایسی پاک وپاکیزہ شراب پلائیں گے جس کو کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہوگا''۔ وہ شراب طہور جو دنیا کی شرابوں کی طرح گناہ پر آمادہ کرنے والی، جنون پیدا کرنے والی شیطانی شراب کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ ہوش وعقل اور نشاط وعشق وصفا پیدا کرتی ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ''اس کی مہر مشک اور کستوری سے لگائی گئی ہے''۔ دنیا کے منہ بند برتنوں کی طرح نہیں جن کی مہر مٹی سے لگائی جاتی ہے تو مشک اور عطر کی خوشبو فضا میں پھیل جاتی ہے۔

آیت کے آخر میں جنت کی شراب طہور کے اوصاف بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

''ان بہشتی نعمتوں میں اور خصوصیت کے ساتھ اس شراب طہور کی طرف رغبت کرنے والوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانی چاہئے۔'' ''تنافس'' کے معنی دو انسانوں کے ایک چیز کے لئے کوشش کرنے کے ہیں جن میں سے دونوں یہ چاہیں کہ یہ نفیس چیز میرے پاس ہو۔

حقیقت میں اس آیت کا مضمون اس آیت کے مشابہ ہے جو سورۂ حدید کی آیت ۲۱ میں آئی ہے۔ ''اپنے پروردگار کی مغفرت تک پہنچنے کے لئے اور اس جنت تک پہنچنے کے لئے جس کی وسعت آسمان وزمین جتنی ہے، ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔''

اس کے بعد آخری نعمت جو اس سلسلۂ آیات میں آئی ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''یہ شراب طہور تسنیم میں ملی ہوئی ہے''۔ ''وہی چشمہ جس سے مقربین پیتے ہیں''۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تسنیم جنت کی افضل ترین شراب طہور ہے جسے خاص طور پر مقربین پیتے ہیں لیکن عام نیک لوگ اس میں سے ایک مقدار رحیق مختوم ملا کر پیتے ہیں، جو جنت کی شراب طہور کی ایک اور قسم ہے۔

متعدد روایات میں یہ جنت کی شراب ان لوگوں کا اجر قرار دی گئی ہے جو دنیا کی شراب کی طرف توجہ نہ کریں، پیاسوں کو سیراب کریں اور مومنین کے دلوں میں جو غم واندوہ کی آگ جل رہی ہے، اسے بجھا دیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''اے علی علیہ السلام! جو شخص اللہ کی خاطر شراب کو ترک کرے تو اللہ اسے جنت کی منہ بند مہر شدہ شراب زلال سے سیراب کرے گا''

(۲۹) اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ	بدکار (لوگ) دنیا میں ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے۔
(۳۰) وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ	اور جب مومنین کے پاس سے گزرتے تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے۔

(۳۱) وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ؗۖ	اور جب اپنے خاندان کی طرف پلٹتے تو مسرور پلٹتے ۔
(۳۲)وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۙ	اور جس وقت مومنین کو دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔
(۳۳) وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ؕ	حالانکہ وہ مومنین کی نگرانی پر کبھی مامور نہیں رہے۔
(۳۴) فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۙ	لیکن آج (قیامت کے دن) مومنین کفار پر ہنستے ہیں۔
(۳۵)عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ؕ	جبکہ جنت کے مزین تختوں (اور پلنگوں) پر بیٹھے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔
(۳۶)هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۧ	کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر لے لیا ہے؟

شان نزول

مفسرین نے ان آیات کے لئے دو شان ہائے نزول نقل کی ہیں۔ پہلی یہ کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام اور مومنین کی ایک جماعت کفار مکہ کے قریب سے گزری تو وہ حضرت علی علیہ السلام اور ان مومنین پر ہنسنے لگے اور ان کا مذاق اڑایا، تو مندرجہ بالا آیتیں نازل ہوئیں اور ان مذاق اڑانے والے کافروں کی جو قیامت میں حالت ہوگی اس کو واضح کیا۔

دوسری شان نزول یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات عمار، صہیب، جناب بلال اور اسی قسم کے دوسرے غریب مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جیسے مشرکین قریش کے تمسخر کا نشانہ بنے تھے۔

تفسیر

اس دن وہ مومنین کا مذاق اڑاتے تھے لیکن آج......

گزشتہ آیات کے بعد، جو نیک لوگوں کو ملنے والی نعمتوں اور ثواب کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں، زیر بحث آیات میں ان مصائب اور زحمتوں کے ایک ایک گوشہ کی طرف، جس سے اس جہان میں ایمان وتقویٰ کی بنا پر ان کا واسطہ پڑا تھا، اشارہ کرتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ عظیم اجر وثواب حساب کتاب کے بغیر نہیں ہے۔

ان آیات میں کفار کی قبیح اور دل دکھانے والی تنقید اور ان سے آمنا سامنا ہونے کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور کفار کے

چار قسم کے ردعمل کو بیان کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''بدکار اور کفار ہمیشہ مومنین پر ہنستے تھے''۔ تمسخر آمیز اور مبنی بر حقارت ہنسی، ایسی ہنسی جو سرکشی و تکبر اور غرور و غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور ہمیشہ چھوٹے دماغ کے مغرور افراد، متقی مومنین کے مقابلہ میں اس قسم کی متکبرانہ ہنسی سے کام لیتے ہیں۔

بعد والی آیت میں ان کے قبیح طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''جس وقت کفار مومنین کی جماعت کے قریب ہوں تو اشاروں سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں''۔ اور اشاروں اشاروں میں کہتے ہیں کہ ان بے سروپا افراد کو دیکھتے ہو کہ یہ مقربین بارگاہ خدا ہو گئے ہیں۔ ان ننگے پاؤں اور برے حال لوگوں کو دیکھو کہ یہ اپنے اوپر وحی کے نزول کے مدعی ہیں اور نادان لوگوں کو دیکھو کہ یہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ اور خاک شدہ ہڈیاں دوبارہ زندگی کی طرف پلٹ آئیں گی اور یوں وہ اسی قسم کی دوسری کھوکھلی باتیں کرتے ہیں۔

تو مومنین سے آمنا سامنا ہونے پر ہوتا تھا۔ خصوصی جلسوں میں بھی یہی طریق کار اختیار کئے رکھتے اور علیحدگی میں بھی اس سلسلہ کو جاری رکھتے، جیسا کہ بعد والی آیت کہتی ہے:

''جس وقت وہ اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاتے تو خوش ہوتے اور جو کچھ انجام دیا ہوتا اس پر پھولے نہ سماتے۔'' گویا انہیں فتح و کامیابی نصیب ہوئی ہے جس کی وجہ سے فخر و مباہات کر رہے ہیں اور پھر مومنین سے علیحدگی کی صورت میں بھی اس مذاق کو جاری رکھتے۔

مومنین کے مقابلہ میں ان کا چوتھا شرارت آمیز طرز عمل یہ تھا کہ وہ جب انہیں دیکھتے تو کہتے یہ گمراہ ہیں۔ اس لئے کہ وہ بت پرستی اور خرافات، جو کفار میں رائج تھیں، انہیں یہ گمراہ راہ ہدایت خیال کرتے تھے جبکہ مومنین نے انہیں چھوڑ دیا تھا اور توحید کی طرف پلٹ آئے تھے اور کفار کے گمان میں نقد دنیا کی لذت کو مومنین نے آخرت کی خاطر ادھار بیچ دیا تھا۔

چونکہ مومنین عام طور پر ایسے افراد میں سے تھے جن کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی اور وہ دولت مند بھی نہیں تھے، اس بنا پر کفار انہیں چشم حقارت سے دیکھتے تھے اور ان کے ایمان کو بے قیمت شمار کرتے تھے اور ان کے دین کا مذاق اڑاتے تھے۔ بعد والی آیت میں قرآن کہتا ہے:

''یہ گروہ کفار ان کی زندگی کا (مومنین کی) کبھی بھی محافظ و نگہبان اور متکفل نہیں تھا''۔ یہ حقیقت میں ان خود پرست اور متکبر افراد کا جواب ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ مومنین کس گروہ سے وابستہ ہیں، تم اپنے طور پر روح دعوت دین اور پیغمبر اسلام ﷺ کے آئین اور ان کے مجموعۂ قوانین کو دیکھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

قیامت میں صورت حال بالکل برعکس ہو جائے گی جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے:

''آج مومنین کفار پر ہنسیں گے۔'' چونکہ قیامت انسان کے دنیاوی اعمال کا ردعمل ہے اور وہاں عدالت الٰہی کا اجرا ہونا ہے اور عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں پاک دل مومن، ہٹ دھرم اور مذاق اڑانے والے کافروں پر ہنسیں۔ یہ ان مغرور لوگوں پر ایک قسم کا دردناک عذاب ہے۔

بعض روایات میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے منقول ہے کہ اس روز جنت کا ایک در کفار کے سامنے کھلے گا اور وہ اس خیال سے کہ جہنم سے آزادی اور جنت میں ورود کا حکم انہیں دے دیا گیا ہے، اس دروازے کی طرف چل پڑیں گے۔ جس وقت اس کے قریب پہنچیں گے وہ دروازہ اچانک بند ہو جائے گا۔ اور یہ کئی مرتبہ ہوگا اور وہ مومنین جو جنت سے ان کا نظارہ کر رہے ہوں گے ان پر ہنسیں گے۔ لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

وہ مزین پلنگوں اور تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اور ان مناظر کو دیکھیں گے۔ وہ کن چیزوں کی طرف دیکھیں گے؟ اللہ کی لامحدود نعمتوں کی طرف، اس آرام وسکون وعظمت واحترام کو دیکھیں گے (جو انہیں حاصل ہوگا) اور ان دردناک عذابوں کی طرف دیکھیں گے جن میں مغرور وخود پرست کفار انتہائی ذلت اور زبوں حالی کے ساتھ گرفتار ہوں گے۔

اور پھر اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استفہامیہ جملے کی شکل میں فرماتا ہے:

''کیا کفار نے اپنے اعمال کا اجر اور کاموں کا ثواب لے لیا ہے'' یہ بات چاہے اللہ کی جانب سے ہو، یا فرشتوں کی طرف سے، یا مومنوں کی طرف سے، یہ ایک قسم کا طعن واستہزا ہے ان مغرور ومتکبر افراد کے افکار اور دعووں پر جنہیں توقع تھی کہ اپنے برے اعمال کے بدلے میں اللہ کی طرف سے انعام واکرام انہیں ملے گا۔ اس غلط گمان اور خیال خام کے مقابلہ میں فرماتا ہے:

''کیا انہوں نے اپنے اعمال کا ثواب اور اجر لے لیا ہے۔''

سورۂ انشقاق

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس کی ۲۵ آیتیں ہیں

سورۂ انشقاق کے مضامین

یہ سورہ قرآن مجید کے آخری پارے کی بہت سی دوسری سورتوں کے مانند معاد وقیامت کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ شروع میں دنیا کے اختتام اور قیامت کے شروع ہونے کے ہولناک اور دل دہلا دینے والے حوادث کی طرف کچھ اشارے کرتا ہے اور بعد والے مرحلہ میں قیامت، نیکوکاروں اور بدکاروں کے اعمال کا حساب اور ان کی سرنوشت کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے۔

تیسرے مرحلہ میں چند ایسے اعمال وعقائد، جو موجب عذاب الٰہی ہیں، ان کو پیش کرتا ہے اور چوتھے مرحلہ میں چند قسموں کے بعد انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کے مرحلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آخرکار پانچویں مرحلہ میں دوبارہ نیک و بد اعمال اور ان کی سزا وجزا کے بارے میں بات کرتا ہے۔

سورۂ انشقاق کی تلاوت کی فضلیت

اس سورہ کی تلاوت کی فضلیت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام ﷺ سے منقول ہے۔

''جو شخص سورہ انشقاق کو پڑھے تو اللہ قیامت میں اس شر سے اس کو امان میں رکھے گا کہ اس کا نامہ اعمال پس پشت سے دیا جائے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ	جس وقت آسمان پھٹ جائے گا۔
(۲) وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ	اور اپنے پروردگار کے فرمان کو تسلیم کرے گا اور سزاوار ہے کہ ایسا ہی ہو۔
(۳) وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ	اور جب زمین میں وسعت پیدا ہوگی۔
(۴) وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ	اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

(۵) وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتۡ ؕ	اور اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کرے گی اور ایسا ہی ہونے کے لائق ہے۔
(۶) یٰۤاَیُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدۡحًا فَمُلٰقِیۡهِ ۚ	اے انسان! تو رنج وتکلیف اور سعی وکوشش کے ساتھ اپنے پروردگار کے طرف جائے گا اور اس سے ملاقات کرے گا۔
(۷) فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ	لیکن وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے۔
(۸) فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ	عنقریب اس کے لئے آسان حساب ہوگا۔
(۹) وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ	اور وہ خوشحالی کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ جائے گا۔

تفسیر

کمال مطلق کی طرف رنج آمیز سعی وکوشش

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے مضامین کی تشریح میں کہا ہے اس سورہ کے آغاز میں ہی عظیم اور عجیب دنیا کے اختتام کے حوادث کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے:

''جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے اور آسمانی اجرام پراگندہ ہو جائیں گے اور نظام کواکب درہم برہم ہو جائے گا''۔ اس کی نظیر جو سورۂ انفطار میں آئی ہے، اس میں فرماتا ہے:۔ جس وقت آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے اور ستارے پراگندہ ہو جائیں گے اور بکھر جائیں گے۔ (انفطار۔ ۱،۲)۔

اور یہ اختتام دنیا اور اس کی خرابی وفنا کا اعلان ہے۔

ایک حدیث میں اذا السماء انشقت کی تفسیر کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''(ستارے) کہکشاؤں سے الگ ہو جائیں گے''۔

اس کے بعد سورہ میں مزید فرماتا ہے:

''اوراس کے پروردگار کا حکم تسلیم کیا جائے گا اور حقیقت میں ایسا ہی ہونا چاہیئے''۔

مبادا یہ تصور ہو کہ انسان اس عظمت کے باوجود حکم الٰہی کا معمولی سا مقابلہ بھی کرے۔ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ سر تسلیم خم نہ کرے جبکہ لحمہ بہ لحمہ وجود اللہ ہی سے اس کو فیض پہنچ رہا ہو۔ اگر ایک لمحے کے لئے بھی یہ رابطہ منقطع ہو جائے تو یہیں ختم ہو کر رہ جائے۔

بعد والے مرحلہ میں زمین کی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور جس وقت زمین کھینچی جائے گی اور وسیع کی جائے گی''

پہاڑ قرآن کی بہت سی آیات کی شہادت کے مطابق مکمل طور پر پراگندہ ہو جائیں گے اور تمام بلندیاں اور پستیاں ختم ہو جائیں گی، زمین صاف وشفاف، وسیع وعریض اور اپنے صحن میں تمام بندوں کے حضور کے لئے آمادہ ہو جائے گی۔

تیسرے مرحلہ میں مزید کہتا ہے:

''زمین اس چیز کو جو اس کے اندر ہے: باہر پھینک کر خالی ہو جائے گی''۔

مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام وہ مردے، جو مٹی اور قبروں میں آرام کر رہے ہیں، اچانک باہر پھینک دیئے جائیں گے اور وہ لباس زندگی زیب تن کریں گے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انسانوں کے علاوہ معدنیات اور خزانے جو زمین میں پوشیدہ ہیں، سب کے سب زمین سے باہر آجائیں گے۔

آیت کی تفسیر میں یہ احتمال بھی ہے کہ زمین کے اندر پگھلا ہوا مواد ہولناک اور وحشت ناک زلزلوں کی وجہ سے کلی طور پر باہر آ کر گرے گا اور وہ تمام پستیوں کو پر کردے گا۔ اس کے بعد زمین کے اندر کا حصہ بالکل خالی اور ساکن ہو جائے گا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''اس کے بعد زمین اپنے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی اور شائستہ ولائق ہے کہ سر تسلیم خم کرے''۔

یہ عظیم حوادث، جو تمام موجودات کے سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، ایک طرف تو اس دنیا کے فنا ہونے کو بیان کرتے ہیں، زمین وآسمان، انسانوں، خزانوں اور گنجینوں کی فنا، اور دوسری طرف عالم آفرینش میں نئے عالم ہستی کے ایجاد کی دلیل ہیں۔ اور تیسرے خداوند عظیم وبزرگ کی ہر چیز پر خصوصاً معاد وقیامت پر، قدرت کی نشانی ہیں۔

جی ہاں! جب یہ حوادث واقع ہوں تو انسان اپنے نیک وبد اعمال کا نتیجہ دیکھ لیتا ہے۔ (یہ ایسا جملہ ہے جو تقدیر میں ہے)۔

اس کے بعد انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اور اس راہ میں جو ان کی سرنوشت ہے، ان کے لئے واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے انسان تو سعی وکوشش اور رنج وتکلیف کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف بڑھ رہا ہے اور آخر کار اس سے ملاقات

کرے گا''۔

یہ آیت ایک بنیادی اصل کی طرف اشارہ ہے جو تمام انسانوں کی حیات میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی ہمیشہ زحمت اور رنج وتعب اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اگر مقصود صرف متاع دنیا تک پہنچنا ہی ہو، تب بھی، چہ جائیکہ مقصود وآخرت، سعادت جاوداں اور قرب پروردگار ہو۔

دنیاوی زندگی کی یہ طبیعت اور اس کا یہ مزاج ہے۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو انتہائی خوش حالی سے عمر گزارتے ہیں وہ بھی رنج و زحمت اور درد وتکلیف سے بچے ہوئے نہیں۔

پروردگار کی ملاقات کی تعبیر سے یہاں مراد چاہے قیامت کے منظر کا دیکھنا ہو، جو اس کی حاکمیت مطلقہ کا مظہر ہے، یا اس کی جزاوسزا کا آمنا سامنا ہو، یا شہود باطن کے طریقہ سے خود اس کی ملاقات ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ رنج وتعب اس دن تک جاری رہے گا اور اس وقت ختم ہوگا جب اس دنیا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور انسان پاکیزہ عمل کے ساتھ اپنے اللہ سے ملاقات کرے گا۔

جی ہاں! رنج وتعب کے بغیر راحت وآرام صرف وہاں ہے۔ عنوان رب پر انحصار اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سعی وکوشش انسانیت کے تکامل وتربیت کے نظام الاوقات کا ایک جز ہے۔

لیکن یہاں تمام انسان دو گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ فرماتا ہے:

''لیکن یہ شخص، جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا، عنقریب اس کا آسان حساب کتاب ہوگا''۔

اور وہ مسرور ہو کر اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ جائے گا۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو آفرینش کے مدار اصلی میں، وہی مدار جو اللہ نے اس انسان کے لئے اس کے سرمایوں، طاقتوں اور توانائیوں کے لئے معین کیا ہے، حرکت کرتے ہیں اور ان کی سعی وکوشش ہمیشہ اللہ کے لئے ہے اور ان کی حرکت اللہ کی طرف ہے۔

وہاں ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے۔ ان کے اعمال کی پاکیزگی، ایمان کی صحت اور قیامت میں نجات کی علامت ہے اور اہل محشر کے مقابلہ میں سرفراز وسربلندی کا سبب ہے۔

''حساب یسیر'' سے مراد سہل وآسان حساب ہے جس میں سخت گیری ودقت نہ ہو، برائیوں سے درگزر اور حسنات کا اجر ہو۔

(۱۰) وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ ۙ	اور باقی رہا وہ شخص جس کو اس کا نامۂ اعمال اس کے پیچھے کی طرف سے دیا گیا۔

(۱۱) فَسَوۡفَ يَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ۙ	تو عنقریب اس کی فریاد بلند ہوگی کہ وائے ہو مجھ پر میں ہلاک ہوگیا۔
(۱۲) وَّ يَصۡلٰى سَعِيۡرًا ؕ	اور وہ جہنم کی آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا۔
(۱۳) اِنَّهٗ كَانَ فِىۡۤ اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ	وہ اپنے گھر والوں کے درمیان (کفر و گناہ کے سبب) مسرور تھا۔
(۱۴) اِنَّهٗ ظَنَّ اَنۡ لَّنۡ يَّحُوۡرَ ۛۚ	وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی پلٹ کر نہیں آئے گا۔
(۱۵) بَلٰٓى ۛۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيۡرًا ؕ	جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے مقابلہ میں بینا تھا۔

تفسیر

وہ جو شرم وحیا کے باعث اپنا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے لیں گے

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں اصحاب الیمین (وہ مومنین جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا) کے بارے میں گزر چکی ہے، ان آیات میں کفار مجرمین اور ان کے نامہ اعمال کی کیفیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''باقی رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی پشت کی طرف سے دیا جائے گا''۔

عنقریب وہ فریاد کرے گا کہ وائے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہوگیا۔'' اور آگ کے جلانے والے شعلوں میں جلے گا۔''

اصحاب الیمین سرفرازی اور فخر ومباہات کے ساتھ اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں لئے ہوئے پکار کر کہیں گے:

''اے اہل محشر آؤ اور میرا نامہ اعمال لے کر پڑھو'' (حاقہ۔۱۹)۔

لیکن جب گنہگاروں کو ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ شرمساری اور ذلت سے اپنا ہاتھ پشت کے پیچھے کر لیں گے تاکہ جرم کی سند کم تر دیکھی جائے۔

لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوگا اس لئے کہ وہاں کوئی چیز پوشیدہ رہنے والی نہیں ہے۔ اس کے بعد اس منحوس سرنوشت کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''یہ اس بناء پر ہے کہ وہ اپنے گھر والوں میں ہمیشہ اپنے (کفر و گناہ کی وجہ سے) خوش رہتا تھا''

۔ایسا سرور جس میں غرور کی آمیزش تھی اور ایسا غرور جو غفلت اور اللہ سے بے خبری کو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا، ایسا غرور جو دنیا کے ساتھ شدید دلبستگی اور موت کے بعد والے جہان سے بے پرواہی کی نشانی تھا۔

اس لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''یہ اس بناء پر ہے کہ وہ گمان کرتا تھا کہ کبھی واپس نہیں لوٹے گا اور معاد و قیامت کا کوئی امکان نہیں ہے''۔

حقیقت میں اس کی بدبختی کا سبب اصلی اس کا اعتقاد فاسد اور گمان باطل تھا، جس کا دارومدار انکار قیامت پر تھا۔ یہی اعتقاد اس کے غرور و سرور کا باعث ہوا۔ اس نے اس کو اللہ سے دور کیا اور خواہشات کا اسیر بنا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ انبیاء کی دعوت فکر کا مذاق اڑاتا اور جب اپنے گھر والوں کے پاس آتا تو اس مذاق سے خوش ہوتا۔

یہی مفہوم سورہ مطففین کی آیت ۳۱ اور آخری زیر بحث آیت میں ان کے باطل عقائد کی نفی میں فرماتا ہے:

''جی ہاں! اس کا پروردگار اس کے بارے میں بینا تھا''۔

اس آیت کی تعبیر گزشتہ آیت کی مانند عقیدہ و معاد پر دلیل و حجت شمار ہو سکتی ہے۔

خصوصاً دونوں آیات میں رب، یعنی پروردگار، کے عنوان پر انحصار ہوا ہے، اس لئے کہ انسان کی سیر ارتقاء، یعنی پروردگار تک پہنچنے کا عمل، موت کے آنے پر منقطع نہیں ہوا اور دنیاوی زندگی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ خود مقصود تکامل ہو۔ نیز انسان کے اعمال کے بارے میں خدا کا بصیر ہونا اور ان اعمال کو تحریر کیا جانا حساب و سزا و جزا کی تمہید ہی بن سکتا ہے، ورنہ فضول ہے۔

(۱۶) فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ	پس شفق کی قسم۔
(۱۷) وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَ ۙ	اور رات کی قسم جسے وہ جمع کرتی ہے۔
(۱۸) وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ	اور قسم ہے چاند کی جب وہ بدر کامل ہوتا ہے۔
(۱۹) لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ	تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے ہو۔
(۲۰) فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۙ	پس وہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟
(۲۱) وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ۩ السجدة	اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے۔

(۲۲) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ	بلکہ کفار ہمیشہ آیات الٰہی کی تکفیر کرتے ہیں۔
(۲۳)وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ	اللہ اس چیز کو، جسے وہ دل میں چھپائے رکھتے ہیں، اچھی طرح جانتا ہے۔
(۲۴) فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے۔
(۲۵) اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ	مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں، تو ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تفسیر

اس بحث کے بعد جو گزشتہ آیات میں اللہ کی طرف سے انسان کی سیر تکامل کے بارے میں آئی تھی، ان آیات میں اس مفہوم کی تاکید اور مزید توضیح کے لئے فرماتا ہے:

''قسم ہے شفق کی''۔

اور قسم ہے ان پراگندہ امور کی جنہیں وہ اکٹھا کرتی ہے۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ کامل ہوتا ہے اور چودھویں کے چاند کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ تم سب ہمیشہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہو بہر حال شفق سے مراد وہی روشنی ہے جو آغاز شب کی تاریکی کی آمیزش رکھتی ہو چونکہ شفق کا ظہور دنیا میں ایک گہری تبدیلی اور دگرگونی کی حالت کی خبر دیتا ہے اور دن کے اختتام اور رات کے آغاز کا اعلان کرتا ہے، اس کے علاوہ اس میں ایک خاص قسم کا جلوۂ زیبائی اور خوبصورتی ہے، اور ان سب سے قطع نظر نماز مغرب کا وقت ہے، لہٰذا اللہ نے نماز مغرب کے وقت کی قسم کھائی ہے تاکہ سب لوگوں کو خبردار اور آمادہ کرے کہ وہ اس خوبصورت آسمانی وجود کے بارے میں غور وفکر کریں۔

باقی رہا رات کی قسم کھانا تو وہ ان بہت سے آثار و اسرار کی بنا پر ہے جو اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس پر ہم پہلے مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔

''ما وسق'' کی تعبیر اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ''وسق'' بکھری ہوئی چیزوں کے جمع کرنے کے معنی میں ہے، اور مختلف قسم کے جانوروں، پرندوں، یہاں تک کہ انسانوں کے اپنے گھروں، آشیانوں اور گھونسلوں کی طرف رات کے وقت لوٹنے کی

طرف اشارہ ہے، جس کا نتیجہ جانوروں کا عمومی آرام وسکون اور آسائش ہے اور یہ رات کے اہم آثار واسرار میں سے ایک شمار ہوتا ہیقابل توجہ بات یہ ہے کہ چاروں موضوعات جن کی ان آیات میں قسم کھائی گئی ہے (شفق، رات اور وہ موجودات جنہیں رات جمع کرتی ہے اور چودھویں رات کا چاند)۔

یہ سب ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ایک ایسے خوبصورت مجموعہ کو تشکیل دیتے ہیں جو انسانی فکر میں تحریک پیدا کرتا ہے تاکہ وہ تخلیق کی عظیم قوت پر غور وفکر کرے اور ان تیز تبدیلیوں سے وقوع قیامت اور قدرت اللہ کے بارے میں آشنائی حاصل کرے۔ جو مختلف ایسے حالات کو بیان کرتا ہے جو انسان اپنی راہ حیات میں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا ہے۔

گوناں گوں حالات ہیں جو انسان، اللہ اور کمال مطلق کی جانب سفر کرنے کے پر مشقت راستے میں پیدا کرتا ہے۔ پہلے عالم دنیا ہے، پھر عالم برزخ ہے اور پھر قیامت اور اس کے مختلف حالات ہیں۔ اس کے بعد گذشتہ مباحث سے ایک نتیجہ کلی اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ ایمان کیوں نہیں لاتے''

اس کے باوجود کہ حق کے دلائل وضح وآشکار ہیں، توحید وخداشناسی کے بھی اور معاد وقیامت کے بھی۔

آیات آفاقی بھی۔ اور آیات انفسی بھی۔ اس کے بعد کتاب تکوین سے کتاب حق کی طرف رخ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ خضوع اختیار کیوں نہیں کرتے۔''

جو آفتاب کے مانند اپنی دلیل آپ ہے، ہر غیر جانبدار یہ جانتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن کسی انسان کے دماغ کی تخلیق ہو۔ بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

''بلکہ کفار ہمیشہ آیات الٰہی اور معاد وقیامت کی تکذیب کرتے ہیں''۔

یہاں فعل مضارع کا استعمال، جو عام طور پر استمرار کے لئے ہوتا ہے، ان معانی کا گواہ ہے کہ وہ اپنی تکذیب پر مصر تھے اور یہ ایسا اصرار تھا جو محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد تہدید آمیز لہجے میں فرماتا ہے:

''اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے جسے وہ اپنے دل کے اندر پنہاں رکھتے ہیں''۔ اللہ ان کی نیتوں، مقاصد اور ایسی ترغیبات سے جو مسلسل تکذیبوں کا سبب بنتی ہیں، باخبر ہے۔ وہ چاہے کتنی ہی پردہ پوشی کیوں نہ کرے، انجام کار انہیں اس کی سزا ملے گی۔

بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''پس انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے''۔

''بشارت'' کی تعبیر جو عام طور پر خوشخبری کے لئے استعمال ہوتی ہے، یہاں ایک قسم کے طعن اور سرزنش کے طور پر ہے۔

درحقیقت وہ اس طرح مومنین کو جنت کی وسیع نعمتوں کی بشارت دیتا ہے تاکہ تکذیب کرنے والے دوزخی حسرت واندوہ میں ڈوب جائیں۔ اس سورہ کی آخری آیت میں ایک استثناء کی شکل میں ایک مرتبہ پھر نیک عمل مومنین کی سرنوشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیئے ان کے لئے اجر وثواب ہے ایسا اجر جو ثابت شدہ اور منقطع نہ ہونے والا اور ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہے۔''

کفار کے سامنے بازگشت کی راہ کھولے اور انہیں یہ بتائے کہ جو لوگ توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور اعمال صالح انجام دیں، ان سے عذاب دائمی اٹھالیا جائے گا اور انہیں ایسا اجر دیا جائے گا جو دائمی ہوگا اور جس میں نقصان کا کوئی پہلو نہ ہوگا۔

سورۂ بروج

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۲۲ آیتیں ہیں

سورہ بروج کے مضامین

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ یہ سورہ مکی ہے یوں نظر آتا ہے کہ اس کا مقصد اصلی مومنین کے قلب وروح میں تقویت پیدا کرنا ہے۔ یہ سورہ ان مومنین کو پامردی اور استقامت کا شوق دلاتا ہے۔

اس صورت حال کے حوالے سے پروردگار عالم اس سورہ میں اصحاب اخدود کے واقعہ کو نقل کرتا ہے۔ وہی لوگ جنہوں نے خندق کھودی، اس میں بہت زیادہ آگ جلائی اور مومنین کو اس آگ میں جلانے کی دھمکی دی اور ایک گروہ کو اس آگ میں جلایا لیکن انہوں نے راہ ایمان کو خیر باد نہیں کہا۔ پھر اس سورہ کے دوسرے حصہ میں ان کافروں کو تنبیہ کرتا ہے جنہوں نے مومنین پر دباؤ ڈال رکھا تھا، اور انہیں جہنم کے جلانے والے عذاب کی خبر دیتا ہے جبکہ جنت کے پرنعمت باغات کی مومنین کو بشارت دیتا ہے۔

بعد والے حصہ میں انہیں گذشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور فرعون وثمود اور دیگر ظالم اقوام کی داستانیں ان کی نگاہوں کے سامنے مجسم کر کے پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ عذاب الٰہی نے انہیں کس طرح نابود کر دیا تا کہ کفار مکہ جو ان کی نسبت بہت کمزور تھے اپنا اندازہ لگالیں نیز یہ کہ یہ صورت حال پیغمبرﷺ اور مومنین کے دلوں کی تسلی کا سبب بھی ہو۔

اس سورہ کے آخری حصہ میں قرآن مجید کی عظمت اور وحی الٰہی کی سب سے زیادہ اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسی مفہوم پر سورہ کو ختم کرتا ہے۔ اس سورہ کا جو بروج نام رکھا گیا ہے وہ اس لفظ کی وجہ سے ہے جو اس کی پہلی آیت میں آیا ہے۔

سورہ بروج کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ پیغمبرﷺ اسلام کی ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے کہ:

> ''جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو خداوند عالم اسے ان افراد کی تعداد سے جو نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اور ان کی تعداد سے جو یوم عرفہ میں عرفات میں جمع ہوتے ہیں دس گنا حسنات دیتا ہے اور اس کی تلاوت انسان کو خوف و ہراس اور مصائب سے رہائی بخشتی ہے''۔

اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ''شاہد ومشہود'' کی ایک تفسیر روز جمعہ اور روز عرفہ ہے، نیز اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گذشتہ سورہ مصیبتوں کے مقابلہ میں مومنین کی مقاومت کو بیان کرتی ہے لہٰذا اس اجر وثواب کی مناسبت سورہ کے مضامین سے واضح ہو جاتی ہے اور حتمی طور پر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام اجر وثواب ان لوگوں کے لئے ہے جو اسے پڑھیں، اس میں غور وفکر کریں اور پھر اس پر عمل کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ	قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔
(۲) وَ الۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ۙ	اور قسم ہے اس موعود دن (قیامت) کی۔
(۳) وَ شَاہِدٍ وَّ مَشۡہُوۡدٍ ؕ	اور شاہد ومشہود کی۔
(۴) قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ	موت اور عذاب ہو ایذا دینے والے اصحاب اخدود (آگ کی خندق) پر۔
(۵) النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ	شعلہ اور آگ سے پر خندقیں۔
(۶) اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ	جس وقت وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے۔
(۷) وَّ ہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ ؕ	انہیں کوئی اعتراض ان (مومنین) پر نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ خداوند عزیز وحمید پر ایمان لائے تھے۔
(۸) وَ مَا نَقَمُوۡا مِنۡہُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ	اور جو کچھ وہ مومنین کی نسبت انجام دے رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔
(۹)الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ؕ	وہی اللہ کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

تفسیر

مومنین انسانوں کو جلانے والی بھٹیوں کے سامنے

پہلے فرماتا ہے:

''قسم ہے آسمان کی جس کے بہت سے بروج ہیں۔'' آسمانی برج یا تو آسمان کے درخشاں اور روشن ستاروں کے معنی میں ہے یا آسمانی شکلوں اور صورتوں کے معنی میں ہے۔یعنی ستاروں کا ایسا مجموعہ جو ہماری نظروں کے اعتبار سے موجودات زمین میں سے کسی ایک سے مشابہت رکھتا ہے اور بارہ برج بارہ فلکی شکلیں ہیں۔سورج اپنے سالانہ سفر میں سے ہر ماہ ان میں سے ایک برج کی حدود

میں گزارتا ہے، البتہ سورج حرکت نہیں کرتا۔ زمین اس کے گرد گردش کرتی ہے لیکن نظر ایسا آتا ہے کہ سورج حرکت کر رہا ہے اور ان فلکی صورتوں میں سے کسی ایک کے سامنے آ گیا ہے۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوا ہے 'اور قسم ہے اس موعود دن کی' (قیامت کا دن جس کا وعدہ کیا گیا ہے)۔ وہی دن جس کی تمام انبیاء اور پیغمبروں نے خبر دی ہے اور کئی سو قرآنی آیتیں جس کے ثبوت کے طور پر ہیں تیسری اور چوتھی قسم میں فرماتا ہے:
''اور قسم ہے شاہد و مشہود کی'' یہ کہ شاہد و مشہود سے کیا مراد ہے، اس کی علماء نے بہت سی تفسیریں کی ہیں جو تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

ا۔ شاہد سے مراد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور مشہود سے مراد قیامت کا دن ہے

۲۔ شاہد سے مراد انسان کے اعمال کے گواہ ہیں مثلاً اس کے جسم کے اعضا و جوارح مشہود سے مراد انسان اور اس کے اعمال ہیں۔

۳۔ شاہد کے معنی جمعہ کا دن ہے جو نماز کے بہت ہی اہم مراسم کے سلسلہ میں مسلمانوں کے اجتماع کا شاہد ہے اور ''مشہود'' عرفہ کا دن ہے کہ بیت اللہ الحرام کے زائرین اس دن کے شاہد و ناظر ہیں۔ ۴۔ شاہد عید قربان کا دن ہے اور ''مشہود'' عرفہ کا دن ہے

۵۔ شاہد سے مراد راتیں اور دن ہیں اور مشہود سے مراد اولاد آدم جن کے اعمال کی وہ گواہی دیں گے

۶۔ شاہد سے مراد ملائکہ اور مشہود سے مراد قرآن ہے۔

۷۔ شاہد سے مراد حجر الاسود اور مشہود سے مراد حجاج حرم ہیں جو اس کے پاس آتے ہیں اور اس پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

۸۔ شاہد مخلوق اور مشہود حق تعالیٰ ہے۔

۹۔ شاہد سے مراد امت اسلام اور مشہود سے مراد دوسری امتیں ہیں

۱۰۔ شاہد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام ہیں اور مشہود باقی تمام انبیاء ہیں۔

۱۱۔ شاہد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشہود حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

البتہ اس آیت کی گزشتہ آیتوں سے مناسبت اس کو قبول کرتی ہے کہ روز قیامت کے شہود اور گواہوں کی طرف اشارہ ہو عام اس سے کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں یا باقی انبیا اپنی امتوں کے مقابلہ میں، یا ملائکہ ہوں یا بدن انسانی کے اعضا و جوارح، یا رات دن، یا کچھ امور، اور مشہود سے مراد انسان ہوں یا ان کے اعمال۔

اسی طرح بہت سی تفسیریں ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گی اور ایک مجموعی مفہوم میں ان کا خلاصہ ہو جائے گا۔ اس لئے

کہ شاہد ہر قسم کے گواہ کو کہتے ہیں اور مشہود ہر اس چیز کو جس کی گواہی دی جائے۔ آسمان، درخشاں ستارے اور اس کے موزوں برج سب کے سب نظم وحساب کی نشانی ہیں۔

اور یوم موعود حساب وکتاب کا واضح منظر ہے، شاہد ومشہود بھی اسی حساب کی نکتہ رسی کا ذریعہ ہیں۔ پھر یہ تمام قسمیں اس لئے ہیں کہ ایذا پہنچانے والے ظالموں کو خبردار کرے کہ سچے مومنین کے ساتھ کئے جانے والے ان کے تمام مظالم ثبت وضبط ہیں اور یوم موعود کے لئے انہیں محفوظ کیا گیا ہے اس لئے ان قسموں کے بعد فرماتا ہے: ''موت اور عذاب تشدد کرنے والوں پر ہو''۔ ''وہی خندقیں جو آگ اور لکڑیوں سے پر تھیں، جن میں سے بڑے بڑے شعلے نکل رہے تھے اور جو کچھ وہ مومنین کے بارے میں انجام دے رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔'' انہوں نے آگ کی بہت بڑی بڑی خندقیں بنا رکھی تھیں۔

وہ مومنین کو مجبور کرتے تھے کہ اپنے ایمان سے دستبردار ہو جائیں۔ مومنین جس وقت ان کے سامنے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو وہ انہیں جلانے والی ان بھٹیوں میں ڈال کر آگ لگا دیتے تھے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''وہ تشدد کرنے والے ان مومنین پر سوائے اس کے اور کوئی اعتراض نہیں رکھتے تھے کہ وہ خداوند عزیز وحکیم پر ایمان لائے ہوئے تھے''۔

''عزیز'' طاقتور اور شکست نہ کھانے والے اور ''حمید'' ہر قسم کی تعریف وتوصیف کے قابل اور ہر قسم کے کمال کے حامل کی تعبیر، حقیقت میں ان کے جرائم کا جواب ہے اور ان کے برخلاف ایک دلیل ہے یعنی کیا اس قسم کے اللہ پر ایمان لانا جرم وگناہ ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہے کہ یہ بات تشدد کرنے والے کے لئے پورے دور تاریخ میں ایک قسم کی تہدید وتنبیہ بھی ہے کہ خداوند عزیز وحمید ان کی کمین گاہ میں ہے۔ اس کے بعد وہ عظیم معبود اپنے دو اور اوصاف کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''وہی اللہ کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت جس کے لئے ہے جو ہر چیز کا گواہ ہے اور ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ حقیقت میں یہ چار اوصاف ایسے ہیں جو عبودیت کے لئے قابلیت کو مسلم کر دیتے ہیں اور یہ بتا دیتے ہیں کہ اللہ وہ ہے جو قادر وتوانا ہے ہر قسم کے کمال کا حامل ہے وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے یہ چیز مومنین کے لئے بشارت بھی ہے کہ اللہ حاضر وناظر ہے اور ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں وہ ان کے صبر واستقامت کو دیکھتا ہے

ایسی صورت حال ان کو قوت، توانائی اور احساس نشاط کرتی ہے۔ دوسرے یہ ان کے دشمنوں کے لئے تہدید اور دھمکی ہے کہ اگر اللہ ان کے کام میں مانع نہیں ہوتا تو یہ اس کی کمزوری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ آزمائش اور امتحان کی وجہ سے ہے اور انجام کار یہ ظالم اپنے گناہ کے نتیجے میں دردناک عذاب کا تلخ مزہ چکھیں گے۔

اصحاب اخدود کون لوگ تھے؟

ہم بتا چکے ہیں اخدود عظیم گڑے اور خندق کے معنی میں ہے اور یہاں بڑی بڑی خندقیں مراد ہیں جو آگ سے پر تھیں تا کہ تشدد کرنے والے اس میں مومنین کو پھینک کر جلائیں۔سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ واقعہ سرزمین یمن کے قبیلہ حمیر کے ذونواس نامی بادشاہ کے دور کا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ذونواس جو حمیر نامی قبیلہ سے متعلق تھا، یہودی ہوگیا۔اس کے ساتھ ہی اس کا پورا قبیلہ بھی یہودی ہو گیا۔اس نے اپنا نام یوسف رکھا۔ایک عرصہ تک یہی صورت حال رہی ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نے اسے خبر دی کہ سرزمین نجران (یمن کا شمالی حصہ) میں ابھی تک ایک گروہ نصرانی مذہب پر قائم ہے ذونواس کے ہم مسلک لوگوں نے اسے اس بات پر ابھارا کہ اہل نجران کو دین یہود کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔

وہ نجران کی طرف روانہ ہوگیا۔وہاں پہنچ کر اس نے وہاں کے رہنے والوں کو اکٹھا کیا اور دین یہود ان کے سامنے پیش کیا اور ان سے اصرار کیا کہ وہ اس دین کو قبول کریں لیکن انہوں نے انکار کیا اور شہادت قبول کرنے پر تیار ہو گئے۔انہوں نے اپنے دین کو خیر باد نہ کہا۔ذونواس کے حکم پر اس کے حامیوں نے ایک بہت بڑی خندق کھودی، اس میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ لگا دی۔ذونواس اور اس کے ساتھیوں نے ایک گروہ کو پکڑ کر اس آگ میں زندہ جلایا اور ایک گروہ کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔اس طرح آگ میں جلنے والوں اور مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سلسلہ دارو گیر سے بچ کر نصاریٰ بنی نجران کا ایک آدمی قیصر روم کے دربار میں جا پہنچا۔اس نے وہاں ذونواس کی شکایت کی اور اس سے مدد طلب کی قیصر نے کہا تمہاری سرزمین مجھ سے دور ہے۔بادشاہ حبشہ کو خط لکھتا ہوں جو عیسائی ہے اور تمہارا ہمسایہ ہے میں اس سے کہتا ہوں کہ وہ تمہاری مدد کرے۔

پھر اس نے خط لکھا اور حبشہ کے بادشاہ سے نصاریٰ نجران کے عیسائیوں کے خون کا انتقام لینے کی خواہش کی وہ نجرانی شخص بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس گیا۔نجاشی اس سے یہ تمام ماجرا سن کر بہت متاثر ہوا اور سرزمین نجران میں شعلہ دین مسیح کے خاموش ہو جانے کا افسوس ہوا۔اس نے ذونواس سے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

اس مقصد کے پیش نظر حبشہ کی فوج یمن کی طرف روانہ ہوئی اور ایک گھمسان کی جنگ کے نتیجے میں اس نے ذونواس کو شکست فاش دی اور ان میں سے بہت سے افراد کو قتل کیا۔جلد ہی نجران کی حکومت نجاشی کے قبضہ میں آ گئی اور نجران حبشہ کا ایک صوبہ بن گیا۔

(۱۰) اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ	جنہوں نے صاحب ایمان مردوں اور عورتوں پر تشدد کیا، پھر انہوں نے توبہ نہ کی ان کے لئے دوزخ کا عذاب اور آگ کا جلانے والا عذاب ہے۔
(۱۱) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۬ؕ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْکَبِیْرُ ؕ	جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لئے جنت کے باغات ہیں جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔
(۱۲) اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ؕ	یقیناً تیرے پروردگار کی سزا بہت ہی شدید ہے۔
(۱۳) اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ۚ	وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو دوبارہ پلٹاتا ہے۔
(۱۴) وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ	اور بخشنے والا اور (مومنین کا) دوست رکھنے والا ہے۔
(۱۵) ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ	صاحب عرش مجید ہے۔
(۱۶) فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ	اور جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

تفسیر

تشدد کرنے والے عذاب الٰہی کے سامنے

گزشتہ اقوام میں سے تشدد کرنے والوں کی عظیم بے رحمی کے بیان کے بعد جو صاحب ایمان لوگوں کو آگ میں زندہ جلاتے تھے ان آیات میں ان تشدد کرنے والوں کے متعلق اللہ کے سخت عذاب اور مومنین کے لئے عظیم ثواب کی طرف نوید ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''وہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو مورد آزار و عذاب قرار دیا اور پھر توبہ نہیں کی ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور اسی طرح جلانے والی آگ کا عذاب ہے''۔

''ثم لم یتوبوا'' کا جملہ بتاتا ہے کہ توبہ کا راستہ اس قسم کا تشدد کرنے والوں کے لئے بھی کھلا ہوا ہے اور یہ چیز یہ بتاتی ہے

کہ پروردگار عالم گناہ گاروں پر کتنا رحم کرنا چاہتا ہے۔

ضمناً یہ مکے کے لوگوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ جلد از جلد مومنین کو آزار پہنچانے اور تکلیف دینے سے باز آجائیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔قرآن اصولی طور پر بازگشت کی راہ کسی پر بند نہیں کرتا اور یہ چیز بتاتی ہے کہ دردناک عذاب دنیا بھی مفسدین کی اصلاح کے لئے ہے اور ان کے حق کی طرف لوٹ آنے کے لئے ہے۔

قابل توجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ان کے لئے دو قسم کے عذاب بیان ہوئے ہیں، ایک عذاب جہنم دوسرا عذاب حریق (جلانے والی آگ کا عذاب) ان دو عذابوں کا ذکر ہوسکتا ہے کہ اس بناء پر ہو کہ چونکہ جہنم میں کئی قسم کی سزائیں اور عذاب ہیں، جن میں سے ایک جلانے والی آگ ہے۔اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر ہے کہ تشدد کرنے والے مذکورہ افراد مومنین کو آگ میں جلاتے تھے۔لہٰذا وہاں انہیں آگ کی سزا ملنی چاہئے۔لیکن یہ آگ کہاں اس کے بعد مومنین کے اجر کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لئے جنت کے باغات ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ونجات ہے۔'' اس سے بہتر کونسی کامیابی ہوگی کہ پروردگار کے جوار قدس میں انواع و اقسام کی پائیدار نعمتوں کے درمیان سربلندی وافتخار کے ساتھ ان کی جگہ ملے۔لیکن اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس فوز کبیر اور کامیابی کی اصل کلید ایمان اور عمل صالح ہے۔اس کے بعد دوبارہ تشدد کرنے والوں اور کفار کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''یہ یقینی بات ہے کہ تیرے پروردگار کی قہر آمیز گرفت اور سزا بہت ہی شدید ہے۔'' اس کے بعد فرماتا ہے: ''یہ گمان نہ کرو کہ درمیان میں قیامت نہیں ہے، یا تمہاری بازگشت مشکل ہے، وہی ہے جو خلقت کا آغاز کرتا ہے اور وہی ہے جو واپس لوٹائے گا۔'' اس کے بعد خدائے عظیم و برتر کے اوصاف میں سے پانچ اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے؛ ''وہ توبہ کرنے والے بندوں کو بخشنے والا اور مومنین کو دوست رکھنے والا ہے۔''

''وہ تخت قدرت والا، عالم ہستی پر حکومت مطلقہ رکھنے والا اور صاحب مجد وعظمت ہے۔'' ''وہ کام کا ارادہ کرکے اسے انجام دیتا ہے۔'' حقیقت میں ان اوصاف کا ذکر اس تہدید کے مقابلہ میں جو گزشتہ آیات میں آئی ہے، اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ بازگشت کا راستہ گناہ گاروں کے سامنے کھلا ہے اور اللہ شدید العقاب ہونے کے باوجود غفور ورؤف ومہربان ہے۔

(۱۷) هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۙ	کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
(۱۸) فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ؕ	فرعون وثمود کے لشکر۔
(۱۹) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۙ	بلکہ کفار ہمیشہ حق کی تکذیب میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲۰) وَ اللّٰهُ مِنۡ وَّرَآءِهِمۡ مُّحِیۡطٌ ۚ	اور اللہ ان سب پر احاطہ رکھتا ہے۔
(۲۱) بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ۙ	(یہ کوئی جادو اور جھوٹ نہیں ہے) بلکہ باعظمت قرآن ہے۔
(۲۲) فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ۚ	جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔

تفسیر

تو نے دیکھا کہ اللہ نے فرعون وثمود کے لشکروں کے ساتھ کیا کیا؟

گذشتہ آیات اللہ کی قدرت مطلقہ، اس کی قطعی حاکمیت اور تشدد کرنے والے کفار کی تہدید کے طور پر تھیں یہ بتانے کے لئے کہ یہ تہدیدیں عملی ہیں، باتوں اور نعروں کی حد تک محدود نہیں ہیں، زیر بحث آیات میں روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''کیا لشکروں کی داستان تجھ تک پہنچی ہے۔'' وہ عظیم لشکر جنہوں نے خدائی پیغمبروں کے مقابلہ میں صف آرائی کی اور لڑنے کے لئے مستعد ہو گئے، اس گمان میں کہ وہ خدائی قدرت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان کے دو بہت ہی واضح اور آشکار نمونوں کی طرف جن میں سے ایک قدیم الایام میں اور دوسرا بہت ہی نزدیک کے زمانہ میں وقوع میں آیا، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''وہی فرعون اور ثمود کے لشکر''۔ ''وہی جن میں سے بعض نے دنیا کے مشرق و مغرب کو اپنے زیر تسلط کر لیا تھا اور بعض نے پہاڑوں کو چیر کر بڑے بڑے پتھر کاٹ کر ان سے بڑے بڑے مکانات، قصر اور محل بنائے اور کسی میں بھی ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں تھی، لیکن اللہ نے پہلے گروہ کو پانی کے ذریعہ اور دوسرے کی آندھی کے وسیلے سے، جو دونوں انسانی زندگی کا ذریعہ ہیں اور زیادہ لطیف موجودات شمار ہوتے ہیں، سرکوبی کی

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''بلکہ وہ لوگ کافر ہو گئے وہی ہمیشہ حق کی تکذیب میں گرفتار و مبتلا ہیں۔'' اس طرح نہیں ہے کہ حق کی نشانیاں کسی سے مخفی ہیں عناد اور ہٹ دھرمی اجازت نہیں دیتے کہ بعض لوگ راہ نکال کر منزل حق کی طرف قدم بڑھائیں۔

''بل'' کی تعبیر، جو اصطلاح کے مطابق ''اضراب'' (ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف عدول کرنے) کے لئے ہے، گویا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مشرک گروہ قوم فرعون وثمود سے بھی بدتر اور زیادہ ہٹ دھرم ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرآن کے انکار اور تکذیب میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن انہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ ان سب پر احاطہ رکھتا ہے اور وہ سب اس کی قدرت کی گرفت میں ہیں۔

اگر اللہ انہیں مہلت دیتا ہے تو عجز و ناتوانی کی بناء پر نہیں ہے اور اگر جلدی سزا نہیں دیتا تو وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس کی قلیم قدرت سے باہر ہیں۔ بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:

''ان کا قرآن کی تکذیب پر اصرار اور اسے سحر، جادو، شعر اور کہانت سے تشبیہ دینا، بیہودہ اور فضول بات ہے بلکہ وہ قرآن مجید باعظمت اور بلند مرتبہ ہے''۔

اس لئے کہ قرآن کے مشمولات و مضامین وسیع و عظیم ہیں اور اس کے معانی بلند و پر مایہ ہیں۔

معارف و عقائد کے سلسلہ میں بھی اور اخلاق و مواعظ و احکام و تسنن کے بارے میں بھی

ایسا کلام ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے اور نا اہل شیاطین اور کاہنوں کا ہاتھ ہرگز اس تک نہیں پہنچتا، اور ہر قسم کے تغیر، تبدیلی، اضافہ اور نقصان سے محفوظ ہے۔

اس بنا پر اگر وہ ناروا نسبتیں تیری طرف دیتے ہیں اور تجھے شاعر، ساحر، کاہن اور مجنوں کہتے ہیں تو تو اس سے ہرگز غمگین نہ ہو۔ تیری تکیہ گاہ محکم، تیری راہ روشن و واضح اور تیرا حمایتی صاحب قدرت ہے۔

لوح سے یہاں مراد وہ صفحہ ہے جس پر قرآن مجید تحریر ہے لیکن وہ صفحہ نہیں جو ہمارے درمیان رائج ہے جو الواح کی مانند ہے بلکہ ایک تفسیر کے مطابق جو ابن عباس سے منقول ہے کہ:

لوح محفوظ کا طول زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور عرض مغرب و مشرق کے فاصلے کے برابر ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں محسوس ہوتا ہے کہ لوح محفوظ وہی علم اللہ کا ایک صفحہ ہے جس نے عالم کے مشرق و غرب کا گھیر رکھا ہے اور وہ ہر قسم کی دگر گونی، تغیر اور تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے۔

سورۂ طارق

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۱۷ آیتیں ہیں

سورۂ طارق کے مضامین

اس سورہ کے مطالب نہایت عمدہ طریقہ سے دومحوروں کے گرد گھومتے ہیں۔

ا۔معاد وقیامت کا محور۔

۲۔قرآن مجید اور اس کی قدر و قیمت واہمیت کا محور۔

لیکن سورہ کے آغاز میں فکر آفریں قسموں کے بعد ان نگہبانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندوں پر مقرر ہیں اور معاد وقیامت کے امکان کو ثابت کرنے کے بعد پہلی زندگی ،یعنی انسان کے نطفہ کے پانی سے پیدا ہونے کی طرف اشارہ کر کے نتیجہ اخذ کرتا ہے اور فرماتا ہے:

''وہ اللہ جو قدرت رکھتا ہے کہ اسے اس قسم کے بے قیمت اور ناچیز پانی سے پیدا کرے، وہ نئے سرے سے اس کی بازگشت کی توانائی اور طاقت بھی رکھتا ہے۔ بعد کے مرحلے میں روز قیامت کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس کے بعد متعدد پر معنی قسموں کے حوالہ سے قرآن کی اہمیت کو گوش گزار کرتا ہے اور آخر کار سورہ کو خدائی عذاب کی اس تہدید پر ختم کرتا ہے جو کافروں کے لئے ہے۔

سورہ طارق کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں ہمیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ

''جو شخص اس کی تلاوت کرے اللہ اسے ہر اس ستارے کی تعداد کے مقابلہ میں، جو آسمان میں ہے، دس نیکیاں عطا کرتا ہے''۔

واضح رہے کہ سورہ کے مضامین پر عمل کرنا ایسی چیز ہے جس کا یہ اجر عظیم ہے، نہ وہ تلاوت جو عمل اور غور وفکر سے خالی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَالسَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ	قسم ہے آسمان کی اور رات کے کھٹکھٹانے والے کی۔
(۲) وَ مَآ اَدۡرٰکَ مَا الطَّارِقُ ۙ	اور تو نہیں جانتا کہ رات کو کھٹکھٹانے والا کیا ہے؟
(۳) النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ	وہی درخشاں ستارہ اور تاریکیوں کو چیرنے والا۔
(۴) اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ	(اس خدائی آیت کی قسم) ہر شخص کا ایک محافظ ہے۔

(۵) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ	انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟
(۶) خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ	وہ اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا ہوا ہے۔
(۷) يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ	وہ پانی جو پشت اور سینوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے۔
(۸) اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ	وہ (اللہ) انسان کو واپس لوٹانے پر قادر ہے۔
(۹) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ	جس دن اسرار کھلیں گے۔
(۱۰) فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ؕ	اس (دن انسان) کے لئے کوئی قوت اور مددگار نہیں ہے۔

تفسیر

اے انسان دیکھ کہ تو کس چیز سے پیدا ہوا ہے

یہ سورۃ بھی قرآن کے آخری پارہ کی بہت سی دوسری سورتوں کی طرح خوبصورت اور فکر انگیز قسموں کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔ایسی قسمیں ایک عظیم حقیقت کے بیان کے تمہید ہیں۔

''قسم ہے آسمان کی اور رات کو کھٹکھٹانے والے کی، اور تو نہیں جانتا کہ رات کھٹکھٹانے والا کیا ہے، بلند و درخشاں اور رات کی تاریکیوں کو چیرنے والا ستارہ ہے۔''

قرآن یہاں طارق کی خود تفسیر کرتا ہے اور کہتا ہے یہ رات کا مسافر وہی درخشاں ستارہ ہے جو آسمان پر ظاہر ہوتا ہے اور اس قدر بلند ہے گویا چاہتا ہے کہ آسمان کی چھت میں سوراخ کر دے۔اس کی روشنی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کرنے والی ہے کہ تاریکیوں میں شگاف ڈال دیتی ہے اور انسان کی آنکھوں کے اندر نفوذ کرتی ہے۔نجم ثاقب سے مراد وہ درخشاں ستارے ہیں جن کا نور تاریکی کے پردوں میں شگاف ڈال دیتا ہے اور انسان کی آنکھوں میں نفوذ کرتا ہے۔

زحل ستارہ جس کے لئے فارسی میں لفظ ''کیوان'' ہے، اب ہم دیکھیں گے کہ یہ قسمیں کس لئے ہیں۔ بعد میں آنے والی آیت میں فرماتا ہے: ''مسلم ہے کہ ہر ایک شخص کا ایک مراقب ومحافظ ہے''۔

جو اس کے اعمال کو لکھتا ہے اور حساب کتاب اور جزأ وسزا کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔اس طرح تم اکیلے اور تنہا نہیں ہو، اور تم میں سے کوئی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو، وہ پروردگار کے مامور بن کی زیرنگرانی ہوگا۔ یہ ایسا مفہوم ہے جس کی طرف توجہ انسان کی اصلاح وتربیت کے لئے بے حد مؤثر ہے۔اس کے بعد مسئلہ معاد کے ایک استدلال کے عنوان سے، ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اسے

غیر ممکن سمجھتے ہیں، فرماتا ہے: ''انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے''۔

اس طرح قرآن تمام لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر پہلی خلقت کی طرف واپس لے جاتا ہے اور ایک جملہ استفہامیہ کے ذریعہ ان سے پوچھتا ہے ''تمہاری خلقت کس چیز سے ہوئی ہے؟'' اور بغیر اس کے کہ ان کے جواب کا انتظار کرے، اس سوال کا جواب جو بالکل واضح ہے، خود دیتا ہے اور مزید کہتا ہے:

''وہ ایک ٹپکنے والے پانی سے خلق ہوا ہے''۔ جو مرد کے نطفہ کی توصیف ہے جو منی کے پانی میں تیرتا ہے اور باہر آتے وقت ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد اس پانی کی ایک اور توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے، ''جو صلب ترائب کے درمیان میں سے نکلتا ہے''۔

''صلب'' کے معنی پشت کے ہیں اور ترائب تریبہ کی جمع ہے جو علمائے لغت کے مطابق سینے کے اوپر کی ہڈیوں کے معنی میں ہے، جس کے اوپر گلوبند باندھا جاتا ہے۔ کہ قرآن نطفہ کے دو اصلی اجزاء میں سے ایک کی طرف، جو مرد کا نطفہ ہے اور سب کو معلوم ہے، اشارہ کرتا ہے اور صلب وترائب سے مراد انسان کی پشت اور اگلا حصہ ہے اس لئے کہ مرد کے نطفہ کا پانی انہی دونوں کے درمیان میں سے نکلتا ہے۔

یہ تعبیر واضح اور ہر قسم کی پیچیدگی سے خالی ہے اور لفظ کے معنی کے سلسلہ میں جو کچھ کتب لغت میں آیا ہے اس سے ہم آہنگ ہے۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس آیت میں ایک زیادہ اہم حقیقت بھی چھپی ہوئی ہو جو ہمارے موجودہ علم کی حد تک ہمارے لئے منکشف نہیں ہوئی اور ماہرین کے آئندہ کے انکشافات اس پر سے پردہ اٹھاسکیں گے۔

اس کے بعد اس بیان سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتا ہے ''وہ جس نے انسان کو نطفہ کے پانی سے پیدا کیا ہے، قادر ہے کہ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹائے۔'' ابتداء میں وہ مٹی تھا۔ پیچیدہ اور تعجب انگیز مراحل طے کرنے کے بعد کامل انسان میں تبدیل ہوا۔ اس لئے اس کی نئی زندگی کی طرف بازگشت کوئی مشکل پیدا نہیں کرتی۔ اس کے بعد اس عظیم دن کی تعریف وتوصیف کی پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یہ بازگشت اس دن تحقق پائے گی جس دن اسرار آشکار ہوں گے۔''

جی ہاں! اس دن جو یوم الظہور و یوم البروز ہے، اسرار آشکار ہو جائیں گے، قطع نظر اس سے کہ ایمان وکفر ونفاق ہوں، یا نیت خیر وشر، یا یاد اخلاص۔

روز بروز یہ ظہور مومنین کے لئے باعث افتخار وفراوانی نعمت ہوگا اور مجرموں کے لئے شرمساری اور سر کے جھکنے کا سبب اور ذلت وخواری کا باعث اور کیا ہی دردناک ہے کہ وہ انسان جس نے اپنی اندرونی خرابیوں اور برائیوں کو عمر بھر لوگوں سے چھپائے رکھا ہو اور ان کے درمیان عزت سے زندگی گزاری ہو، لیکن اس دن، جس دن تمام اسرار آشکار وہاں گے، تو تمام مخلوق کے سامنے شرمسار اور ندامت سے سرنگوں ہو، اس دن اہم مشکل یہ ہوگی کہ انسان کے لئے کوئی قوت وطاقت اندر سے اور کوئی یاور وہمدرد باہر سے نہیں ہوگا۔

کوئی طاق جو اس کے برے اعمال اور بری نیت پر پردہ ڈالے اور کوئی مدد گار جو اسے عذاب الٰہی سے رہائی بخشے۔

(۱۱) وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۙ	پر بارش آسمان کی قسم
(۱۲) وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ۙ	اور پرشگاف زمین کی قسم
(۱۳) اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ۙ	کہ یہ ایک سچی بات ہے۔
(۱۴) وَّ مَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ؕ	اور یہ مذاق نہیں ہے۔
(۱۵) اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ۙ	وہ ہمیشہ مکر کرتے ہیں۔
(۱۶) وَّ اَكِيۡدُ كَيۡدًا ۚۖ	اور میں اس کے مقابلہ میں چارہ جوئی کرتا ہوں۔
(۱۷) فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ۚ	اب جبکہ ایسا ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے۔

تفسیر

میں دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہوں

گذشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے نطفہ اور اس کی پہلی زندگی کی طرف توجہ کے حوالے سے استدلال تھا، ان آیات میں پھر امر معاد پر تاکید کرتے ہوئے اور دوسرے دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''قسم ہے بارش سے پر آسمان کی' اور قسم ہے زمین کی جو شگافتہ کی جاتی ہے اور اس میں سے سبزہ پھوٹتا ہے' کہ یہ ایک حق بات ہے کہ تم زندہ ہو جاؤ گے۔''

''یہ پکی بات ہے اور اس میں کسی قسم کی شوخی اور مزاح نہیں ہے۔'' حقیقت میں یہ دونوں قسمیں اشارہ ہیں مردہ زمینوں کے بارش کی وجہ سے زندہ ہونے کی طرف جسے قرآن نے بار بار مسئلہ معاد کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ مثلاً سورہ ق کی آیت ۱۱ ''ہم نے بارش کے ذریعہ مردہ زمینوں کو زندہ کیا اور قیامت میں تمہارا خروج بھی اسی طرح ہوگا۔''

اس کے بعد پیغمبر ﷺ و مومنین کو تسلی دینے کے لئے اور دشمنان اسلام کی تہدید کی غرض سے خداوند عالم مزید فرماتا ہے: 'وہ ہمیشہ مکر حیلہ کرتے ہیں اور منصوبے بناتے ہیں۔ اب جبکہ معاملہ اس طرح ہے تو کافروں کو تھوڑی سی مہلت دے دے تا کہ وہ اپنے اعمال کا انجام دیکھ لیں۔ ہاں! وہ ہمیشہ منحوس منصوبے تجھ سے لڑنے کے بناتے رہتے ہیں۔ کبھی مذاق اڑاتے ہیں، کبھی دیوانہ کہتے ہیں،

کبھی صبح کو ایمان لاتے ہیں اور عصر کے وقت کافر ہو جاتے ہیں تا کہ ایک گروہ کو اپنے ساتھ واپس کفر کی طرف لے جائیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ جو لوگ تیرے گرد جمع ہو گئے ہیں وہ فقراء و بے نوا ہیں۔ انہیں دور کرتا کہ ہم تیرا ساتھ دیں دشمنوں کے ''کید'' و ''مکر'' کی مراد زیر بحث آیت میں واضح ہے یہ وہی صورت حال ہے جس کے کچھ عنوانات کے متعلق ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ باقی رہا خدائی ''کید''، اس سے یہاں کیا مراد ہے؟

وہی الطاف الٰہی ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کے شامل حال تھے اور دشمنان اسلام کو غافل کر دیتے اور ان کی کوششوں کو ختم کر دیتے۔ ان کی سازشوں کو درہم برہم کر دیتے جس کے نمونے تاریخ اسلام میں بہت زیادہ ہیں۔

تمام مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے کہ وہ اپنے کاموں میں، خصوصاً جبکہ ان کا دشمن سے مقابلہ ہو، اس وقت حوصلہ اور صبر و شکیبائی سے کام لیں اور ہر قسم کی جلد بازی سے پرہیز کریں۔ کوئی بے محل اقدام نہ کریں اور ہر کام کا منصوبہ بنائے، علاوہ ازیں دین حق کی تبلیغ کی راہ میں ہمیشہ جلد بازی سے پرہیز کریں

سورۂ اعلیٰ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اس میں ۱۹ آیتیں ہیں

سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''جو شخص سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے، اللہ ہر اس حرف کے بدلے جو اس نے ابراہیم، موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے دس نیکیاں اسے عطا فرمائے گا۔''

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ

''جو شخص اپنے فرائض یا نوافل میں سورہ اعلیٰ کی تلاوت کرے تو قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جا (انشاء اللہ)''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مجموعہ روایات جو اس سلسلہ میں دستیاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب سورہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ	اپنے بلند پروردگار کے نام کی تسبیح کر۔
(۲) الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ	وہ اللہ جس نے پیدا کیا اور منظّم کیا۔
(۳) وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ	اور وہ جس نے منظّم کیا اور ہدایت فرمائی۔
(۴) وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ	اور وہ جس نے چراگاہ کو ظاہر کیا۔
(۵) فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ	پھر اسے خشک وسیاہ قرار دیا۔

تفسیر

خداوند عظیم کی تسبیح کیا کرو

یہ سورہ حقیقت میں مکتب انبیا کی دعوت فکر کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، یعنی پروردگار عالم کی تسبیح اقدس سے شروع ہوتا ہے۔

پروردگار عالم ابتداء میں روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اپنے بلند مرتبہ پروردگار کے نام کو ہر عیب ونقص سے منزہ شمار کر۔'' کہ اللہ کا نام بتوں کے ناموں کا ہم ردیف قرار نہ دیا جائے اور اس کی ذات پاک اور ہر قسم کے عیب و

نقص سے، جسم وجسمانیات کے عوارض سے اور ہر قسم کی محدودیت ونقصان سے منزہ شمار کریں۔

''اعلیٰ'' کی تعبیر اس حقائق کو بیان کرتی ہے کہ وہ ہر شخص اور ہر اس چیز سے، جس کا ہم تصور کر سکتے ہیں، ہر خیال و قیاس و گمان سے اور ہر قسم کے جلی وخفی شرک سے برتر وبالا ہے۔

رب و اعلیٰ کی دوصفتوں کے بعد ان کی وضاحت کے لئے پانچ اور صفات بیان کرتا ہے جو سب کی سب پروردگار کی اعلیٰ ربوبیت کی تشریح ہیں، فرماتا ہے: ''وہ اللہ جس نے پیدا کیا اور مرتب ومنظّم کیا'' عالم آفرینش کا نظام جو عظیم ترین آسمانی نظاموں پر حاوی ہے، پروردگار کی ربوبیت اور اس کے وجود کے اثبات کے لئے سادہ اور عام موضوعات کا موید ہے۔ مثلاً انسان کی انگلیوں کی پوروں کی لکیروں تک، جن کی جانب سورۂ قیامت میں اشارہ ہوا ہے: ''بلی قادرین علیٰ ان نسوّی بنانه'' (قیامت۔۴) اس مختصر سی تعبیر میں مطالب کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔

آفرینش اور خلقت کی تنظیم کے مسئلہ کے بعد حرکت کمالی اور اس کی راہ میں موجودات کی ہدایت کے لئے لائحہ عمل مقرر کرنے کے موضوع کو پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''وہ جس نے تقدیر مقرر کی اور ہدایت فرمائی''۔

تقدیر سے مراد اندازہ، اہداف ومقاصد اور روبہ عمل ہونے کے لائحہ عمل کی تعیین ہے جن کے لئے موجودات کو خلق کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد وہی ہدایت تکوینی ہے جو محرکات اور قوانین کی شکل میں ہے اور جسے ہر موجود پر حاکم قرار دیا جاتا ہے (عام اس سے کہ وہ اندرونی محرک ہوں یا بیرونی)۔

مثلاً ایک طرف ماں کے پستان اور اس کے دودھ کو بچے کی غذا کے لئے پیدا کیا ہے، ماں کو شدید محبت مادری سے نوازا ہے اور دوسری طرف بچے میں محرک پیدا کیا ہے جو اسے ماں کے پستان کی طرف کھینچتا ہے۔ یہ آمادگی دونوں طرف کی قوت جاذبہ تمام موجودات کی راہ مقاصد میں نظر آتی ہے۔

البتہ انسان کے لئے ہدایت تکوینی کے پروگرام کے علاوہ ایک اور قسم کی ہدایت بھی موجود ہے جو وحی اور بعثت انبیاء کے ذریعہ صورت پذیر ہوئی ہے اس کا نام ہدایت تشریعی ہے۔ قابل توجہ یہ امر ہے کہ انسان کی ہدایت تشریعی بھی اس کی ہدایت تکوینی کی تکمیل کرتی ہے۔

بعد والے مرحلہ میں گیاہ ونباتات یعنی چوپاؤں کی غذا کی طرف خصوصی اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''وہ جو چراگاہ کو وجود میں لایا اور اسے زمین کے اندر سے باہر نکالا'' اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''اس کے بعد اللہ نے اسے خشک اور سیاہ قرار دیا''

''غثاء احویٰ (سیاہی مائل خشک گھاس) دنیا کے فانی ہونے کو بھی ظاہر کرتی ہے اور جاڑوں میں جانوروں کا چارہ ہونے کو بھی۔ اور انسانوں کے لئے یہ ایندھن اور زرعی زمینوں کے لئے بہترین کھاد بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

(٦) سَنُقۡرِئُکَ فَلَا تَنۡسٰۤی ۙ	ہم عنقریب تیرے سامنے (قرآن کو) پڑھیں گے اور تو اسے کبھی فراموش نہیں کرے گا۔
(٧) اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَ مَا یَخۡفٰی ؕ	مگر جو کچھ اللہ چاہے۔وہ آشکار اور پنہاں کو جانتا ہے۔
(٨) وَ نُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی ۚۖ	اور ہم تمہیں ہر اچھے کام کے انجام دینے کے لئے آمادہ کریں گے۔
(٩) فَذَکِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی ؕ	پس جہاں تک سمجھانا مفید ہو، سمجھاتے رہو۔
(١٠) سَیَذَّکَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ۙ	اور عنقریب وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں متذکر ہوں گے۔
(١١) وَ یَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَی ۙ	لیکن زیادہ بدبخت لوگ اس سے دوری اختیار کرتے ہیں۔
(١٢) الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ الۡکُبۡرٰی ۚ	وہی جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔
(١٣) ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ؕ	پھر اس آگ میں نہ مرے گا، نہ زندہ رہے گا۔

تفسیر

ہم تجھے ہر اچھے کام کے لئے آمادہ کریں گے۔

گزشتہ آیتوں میں پروردگار کی ربوبیت اور توحید کے بارے میں گفتگو تھی۔اس کے بعد زیر بحث آیات میں قرآن اور پیغمبر کی نبوت کی بات ہو رہی ہے۔گزشتہ آیات میں عام موجودات کی ہدایت کے متعلق گفتگو تھی اور زیر بحث آیات میں نوع انسانی کی ہدایت کی بات ہے۔خلاصہ یہ کہ گذشتہ آیات میں پروردگار علی واعلیٰ کی تسبیح کا ذکر آیا تھا اور ان کی آیات میں اس قرآن کی بات ہے جو اس تسبیح کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ''ہم عنقریب تیرے لئے قرأت کریں گے اور تو کبھی نہیں بھولے گا۔'' اس بنا پر نزول وحی کے وقت عجلت سے کام نہ لیا کر اور آیات الٰہی کے بھول جانے کے بارے میں کبھی پریشان نہ ہو۔وہ ذات جس نے یہ عظیم آیات انسانوں کی ہدایت کے

لئے تجھ پر نازل کی ہیں، وہ ان کا محافظ ونگہبان بھی ہے۔ یہ اس مفہوم کی نظیر ہے جو سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۱۴ میں آیا ہے قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں اس سے پہلے کہ اس کی وحی تجھ پر تمام ہو جلدی نہ کر اور کہہ پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس کے بعد اللہ کی قدرت کو ثابت کرنے اور یہ کہ جو کچھ خیر و برکت ہے وہ اسی کی طرف ہے، مزید کہتا ہے 'تو آیات الٰہی میں سے کسی چیز کو نہیں بھولے گا، مگر وہ جسے اللہ چاہے۔ اس لئے کہ وہ آشکار و پنہاں کو جاننے والا ہے۔

اس تعبیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ آیات الٰہی میں سے کسی چیز کو بھول جائیں گے، یا ان کی گفتگو سے مقصود کلام یہ ہے کہ آیات الٰہی کو یاد رکھنا نعمت خدا کی طرح سے ہے، لہٰذا جس وقت وہ چاہے اسے پیغمبرؐ سے چھین سکتا ہے،۔ بہرحال یہ پیغمبر اسلامؐ کا ایک معجزہ ہے کہ طولانی آیات کو جبرائیلؑ کے ایک ہی مرتبہ تلاوت کرنے سے یاد کر لیتے، ہمیشہ یاد رکھتے اور کوئی بات بھی نہیں بھولتے تھے۔

اس کے بعد پیغمبر کی دلداری کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: 'ہم تجھے ہر اچھے کام کے انجام دینے کی توفیق دیں گے۔'' دوسرے لفظوں میں مقصود کلام یہ ہے کہ اس راستہ میں جو تجھے درپیش ہے بہت سی سختیاں اور مشکلات ہیں، وحی کے اخذ کرنے اور اسے یاد رکھنے کی راہ میں بھی، تبلیغ رسالت میں بھی اور اچھے کام انجام دینے میں بھی۔ ہم ان تمام امور میں (وحی کے حصول، اس کی تبلیغ، نشر واشاعت، تعلیم دینے اور اس پر عمل کرنے میں) تیری مدد کریں گے اور مشکلات کو تجھ پر آسان کر دیں گے۔

پیغمبر اسلامؐ پر وحی آسمانی کی موہبت ونعمت اور آپ کے لئے توفیق اور تسہیل امور کے وعدے کے بیان کرنے کے بعد آپ کی اہم ترین ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''پس تذکر کر اگر تذکر مفید ہو'' کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تذکر بہرحال مفید ہے۔ وہ افراد جو اس سے کسی طرح بھی مستفید نہ ہوں، وہ بہت کم ہیں۔ علاوہ ازیں اور کچھ نہیں تو کم از کم منکرین پر اتمام حجت کا سبب تو ہے، جو بجائے خود ایک بہت بڑی منفعت ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کا لائحہ عمل بھی اس پر گواہ ہے کہ وہ اپنی تبلیغات وتذکرات کے لئے کسی قسم کی قید وشرط کے قائل نہیں تھے۔ سب کو وعظ ونصیحت کرتے اور خوف خدا دلاتے تھے۔

بعد والی آیت میں تذکر، وعظ اور انذار کے مقابلہ میں لوگوں کو ردِعمل کو پیش کرتا ہے اور انہیں دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''عنقریب وہ لوگ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور مسئولیت وذمہ داری کا احساس کرتے ہیں، متذکر ہوں گے'' جی ہاں! جب تک روح میں خوف خدا اور خشیت الٰہی نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں حق طلبی اور حق جوئی کی روح انسان میں نہ ہو، جو تقویٰ کا ایک مرتبہ ہے تو مواعظ الٰہیہ اور تذکرات انبیاء فائدہ نہیں پہنچاتے۔ اسی لئے سورہ بقرہ کے آغاز میں پروردگار قرآن کو پرہیزگاروں کے لئے سبب ہدایت شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔ ایک بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کو پیش کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوتا ہے: ''لیکن زیادہ

بد بخت افراد اس سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

بعد والی آیت میں آخری گروہ کی سرنوشت اس طرح بیان فرماتا ہے: ''وہ شقی جو دوزخ کی عظیم آگ میں داخل ہوگا اور وہاں قرار پائے گا''۔ پھر اس آگ میں ہمیشہ رہے گا، نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ یعنی نہ تو مرے گا تا کہ آسودہ ہو اور نہ اس حالت کو جس میں وہ ہوگا زندگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندگی اور موت کے درمیان ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا، جو کیفیت ایسے افراد کے لئے بدترین بلاومصیبت ہے۔

(النارالکبرٰی) اس آگ کی لفظ کبریٰ کے ساتھ توصیف آتش صغریٰ کے مقابلہ میں ہے، یعنی اس دنیا کی آگ کے مقابلہ میں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر اجزا میں سے ایک ہے۔ وہ پانی سے ستر مرتبہ دھوئی گئی پھر بھی وہ بھڑک اٹھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی آدمی اس کے تحمل کی طاقت نہ رکھتا اور اس کے قریب نہ ٹھہر سکتا''۔

(۱۴) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ	یقیناً وہ رستگار ہوگا جو اپنا تزکیہ کرے۔
(۱۵) وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ؕ	اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔
(۱۶) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۫ۖ	بلکہ تم دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھتے ہو۔
(۱۷) وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ	جبکہ آخرت زیادہ پائیدار اور بہتر ہے۔
(۱۸) اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ	یہ احکام پہلی آسمانی کتب میں آچکے ہیں۔
(۱۹) صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۧ	کتب ابراہیم و موسیٰ میں۔

تفسیر

وہ دستور العمل جو تمام آسمانی کتب میں آیا ہے

گزشتہ آیات میں کفار اور دشمنان حق کے بارے میں سخت سزا کا اشارہ ہوا ہے۔ زیر بحث آیات میں اہل ایمان کی نجات اور اس نجات کے اسباب وعوامل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''یقیناً وہ شخص فلاح پائے گا جو اپنا تزکیہ کرے۔''

اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرے اور اس کے بعد نماز پڑھے (وذکر اسم ربہ فصلی) اس طرح فلاح ورستگاری اور کامیابی ونجات کے عوامل ان تین چیزوں کو بتایا ہے۔ تزکیہ، نام اللہ کا ذکر اور اس کے بعد نماز پڑھنا۔

تزکیہ کے وسیع معانی ہیں۔ یہ روح سے شرک کی آلودگی کو دور کرنے کے معنی میں بھی ہے، اخلاق رزیلہ سے خود کو پاک کرنے کے معنی میں بھی، ہر قسم کے مکر وریا سے پاک کرنے کے معنی میں بھی اور راہ اللہ میں زکوٰۃ دے کر مال وجان کی تطہیر کے معنی میں بھی۔

اس کے بعد اس فلاح ورستگاری کے دستور العمل سے انحراف کے اصلی عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''بلکہ تم دنیاوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو اور اسے ترجیح دیتے ہو''

اسی بنا پر گناہ کی جڑوں کو کاٹنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دنیا کی محبت اور اس کے عشق کو دل سے باہر نکال دیں۔ ایک وسیلہ، رہ گزر، پل اور کھیتی سمجھیں

انجام کار سورہ کے آخر میں فرماتا ہے: ''یہ احکام جو بتائے گئے ہیں اس کتاب آسمانی ہی میں محدود نہیں ہیں بلکہ پہلی کتب اور صحف میں بھی آ چکے ہیں۔'' یعنی صحف وکتب ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام میں۔

''**الصحف الاولی**'' کی تعبیر ابراہیم علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام کی کتب کے بارے میں آخری صحف کے مقابل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے۔

مندرجہ بالا آیات بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آسمانی کتابوں کے حامل تھے۔ ایک روایت حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوال کیا کہ انبیاء کی تعداد کیا ہے۔

تو آپ نے فرمایا ''ایک لاکھ چوبیس ہزار۔''

ابوذرؓ نے عرض کیا ''ان میں سے رسول کتنے تھے؟''

فرمایا: تین سو تیرہ

ابوذرؓ نے عرض کیا کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے

فرمایا ''ہاں۔ اللہ نے ان سے کلام کیا اور انہیں اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا۔''

اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

''اے ابوذر! انبیاء میں سے چار افراد عرب تھے: ہود، صالح، شعیب اور تیرا پیغمبر۔'' میں نے کہا ''اے اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے کتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں؟'' فرمایا ''ایک سو چار کتابیں۔'' دس کتابیں آدم علیہ السلام پر، پچاس کتابیں شیث علیہ السلام پر اور تیس کتابیں اخنوخ علیہ السلام پر، جو ادریس علیہ السلام ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر دس کتابیں اور توریت، انجیل، زبور اور فرقان، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، داوٗد علیہ السلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں۔

سورۂ غاشیہ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۲۶ آیتیں ہیں

سورۂ غاشیہ کے مضامین

یہ سورہ، زیادہ تر مرکزی محوروں کے گرد گردش کرتا ہے۔

پہلا۔معاد وقیامت کی بحث، بالخصوص مجرموں کا دردناک انجام اور مومنوں کو ملنے والا شوق انگیز ثواب۔

دوسرا۔توحید کی بحث جو آسمان کی خلقت، پہاڑ واور آسمان کی آفرینش کی طرف اشارہ اور انسان کی تین موضوعات کی طرف توجہ کے بیان سے عبارت ہے۔

تیسرا۔نبوت کی بحث، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کے بیان پر مبنی ہے۔

سورہ غاشیہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک حدیث پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا پروردگار عالم بروز قیامت اس کا حساب آسان کردے گا''۔

ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''جو شخص واجب اور مستحب نمازوں میں اس سورہ کی قرأت کی پابندی کرے گا، اللہ اسے دنیا وآخرت میں اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔''

یقیناً یہ سب ثواب اسی صورت میں انسان کو حاصل ہوگا جب اس کی تلاوت اس کے لئے فکر وعمل کا محرک ثابت ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ	کیا غاشیہ (قیامت کا دن) کی داستان تجھ تک پہنچی ہے؟
(۲) وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ	چہرے اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے۔
(۳) عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ	وہ جنہوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے اور تھک چکے ہیں۔
(۴) تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ	دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔
(۵) تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ	انہیں حد سے زیادہ گرم چشمے سے پلایا جائے گا۔

(٦)لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۙ	ضریع (بدبودار اور تلخ خشک کانٹے) کے علاوہ انہیں اور کوئی کھانا نہیں ملے گا۔
(٧) لَّا يُسۡمِنُ وَ لَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ	ایسی غذا جو نہ انہیں موٹا کرے گی اور نہ ان کی بھوک کو ختم کرے گی۔

تفسیر

بدنصیب تھکے ماندے

اس سورہ کے آغاز میں ہمارا سامنا قیامت کے ایک نئے نام سے ہوا ہے جو غاشیہ ہے۔فرماتا ہے:''کیا غاشیہ کی داستان تجھ تک پہنچی ہے۔''''غاشیۃ''غشادۃ کے مادہ سے ڈھانپنے کے معنوں میں ہے۔قیامت کے لئے اس نام کا انتخاب اس وجہ سے ہے کہ وحشت ناک حوادث اچانک سب کو ڈھانپ لیں گے۔اس کے بعد مجرموں کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''چہرے اس دن خاشع اور ذلت بار ہوں گے۔''ذلت عذاب اور عظیم سزا کے خوف نے اس دن ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا ہوگا،اور چونکہ انسان کے باطنی حالات ہر جگہ سے زیادہ اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتے ہیں،لہٰذا خوف،ذلت اور وحشت کی طرف اشارہ کرتا ہے،جو اس کے تمام چہرے کو ڈھانپ لیں گے۔

اس وقت مزید فرماتا ہے:''یہ ایسے لوگ ہیں جو مسلسل کام کر کے تھک چکے ہیں۔''زندگانی دنیا میں بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں لیکن تھکن کے علاوہ انہیں کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا،نہ ان کا بارگاہ خدا میں کوئی عمل مقبول ہے اور نہ اس دولت وثروت میں سے وہ کوئی چیز اپنے ساتھ لیجا سکتے ہیں جسے انہوں نے جمع کر رکھا ہے،نہ اپنے بعد وہ کوئی نیک نامی چھوڑ جاتے ہیں،نہ کوئی اولاد صالح۔وہ محض تھک جانے والے زحمت کش ہیں۔کتنی بہترین اور عمدہ تعبیر ہے

آخر کار یہ خستہ،تھکے ہوئے اور فضول کام کرنے والے زحمت کش بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے اور اس میں جلیں گے۔''تصلیٰ''،صلی(بروزن نفی)کے مادہ سے آگ میں داخل ہونے اور اس میں جلنے کے معنی میں ہے

لیکن ان کا عذاب اسی پر ختم نہیں ہوگا۔جب وہ آگ کی حرارت کی وجہ سے پیاس میں مبتلا ہوں گے تو حد سے زیادہ کھولتے ہوئے چشمے سے انہیں پلایا جائے گا۔سورہ کہف کی آیت ۲۹ میں ہم پڑھتے ہیں۔اور اگر پانی مانگیں گے تو ان کے لئے ایسا پانی لائیں گے جو کسی پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون دے گا۔وہ کتنا برا مشروب ہے اور وہ محل اجتماع کتنا برا ہے۔

بعد والی آیت میں ان کی خوراک کے بارے میں،جبکہ وہ بھوکے ہوں گے،مزید فرماتا ہے:''وہ ضریع کے علاوہ کوئی طعام نہیں رکھتے۔''ایک حدیث میں پیغمبر اسلامﷺ سے منقول ہے کہ ضریع دوزخ کی آگ میں ایک چیز ہے جو کانٹے کی طرح ہے، خنطل سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار،آگ سے زیادہ جلانے والی ہے۔اللہ نے اس کا نام ضریع رکھا ہے۔اس کے بعد

مزید ارشاد ہوتا ہے:

''نہ وہ انہیں موٹا کرتا ہے نہ ان کی کی بھوک کو ختم کرتا ہے۔'' وہ لوگ جنہوں نے محروم لوگوں کو نا گوار غذائیں کھانے کے علاوہ اور کسی غذا کے حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا، ضروری ہے کہ وہاں ان کی ایسی غذا ہو جوان کے لئے عذاب الیم بنے۔

(۸) وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ	اس دن کچھ چہرے شاداب ہوں گے۔
(۹) لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ	اس لئے کہ اپنی کوشش سے مسرور ہوں گے۔
(۱۰) فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ	جو بہشت عالی میں ہوں گے۔
(۱۱) لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۭ	جس میں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا۔
(۱۲) فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ وقف لازم	اس میں چشمے جاری ہیں۔
(۱۳) فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ	اس میں خوبصورت بلند تخت ہوں گے۔
(۱۴) وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ	اور پیالے جوان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے۔
(۱۵) وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ	اور تکیے جو صف بستہ ہوں گے۔
(۱۶) وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۭ	اور بچھے ہوئے فاخرہ فرش ہوں گے۔

تفسیر

بہشت کی روح پرور نعمتوں کے مناظر

اس تشریح کے بعد جو گزشتہ آیات میں دوسری دنیا میں مجرموں اور بدکاروں کی حالت اور جہنم کے عذاب کے بارے میں آتی تھی، ان آیتوں میں نیکوکار مومنین کی حالت کی تشریح اور جنت کی بے نظیر نعمتوں کی توصیف پیش کرتا ہے تا کہ قہر کو مہر سے ملا دے اور انذار کو بشارت سے مربوط کر دے۔ فرماتا ہے:

''چہرے اس دن پر طراوت اور مسرور ہوں گے''۔ بدکاروں کے چہروں کے برعکس، جن کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے کہ وہ ذلت واندوہ میں غرق ہوں گے۔

یہ چہرے ایسے نظر آئیں گے کہ وہ اپنی سعی وکوشش سے راضی اور خوش ہوں گے۔ دوزخیوں کے برعکس جنہوں نے اپنی سعی و کوشش سے سوائے تھکن اور رنج کے اور کچھ حاصل نہیں کیا، بہشتی اپنی سعی وکوشش کو احسن وجہ سے دیکھیں گے اور مکمل طور پر راضی اور خوش

ہوں گے؛ ایسی سعی وکوشش جو لطف اللہ کے پرتو کے سائے میں کبھی کئی گنا، کبھی دس گنا اور کبھی سات سو گنا اور کبھی اس سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہو۔ اور وہ کبھی اس سے بے حد وحساب جزا حاصل کر چکے ہوں گے

اس کے بعد اس مفہوم کی شرح پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے: ''وہ بہشت عالی میں قرار پائے ہیں''۔ وہ جنت کے عالی طبقات میں ہیں

اس کے بعد اس جنت کی ایک اور صفت، جو روحانی اور معنوی پہلو رکھتی ہے، بیان فرماتا ہے: ''وہاں تو کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں سنے گا''۔ وہ ماحول کیسا آرام دہ ہوگا جو ان فضولیات سے پاک ومبرا ہو۔

اگر ہم ٹھیک طرح غور وفکر کریں تو دنیاوی زندگی کی پریشانیوں کا زیادہ تر حصہ اسی قسم کی باتوں کا سننا ہے جو روح وجان کے سکون اور اجتماعی نظاموں کو درہم برہم کر دیتا ہے، فتنوں کی آگ بھڑکاتا ہے اور انہیں شعلہ ور کرتا ہے۔

اس روحانی اور آرام وسکون بخش نعمت کے ذکر کے بعد جو جنتیوں کی روح وجان کو لغو وبیہودہ باتیں نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے، جنت کی مادی نعمتوں کے ایک حصہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اس جنت میں چشمے جاری ہیں''۔ ایسا چشمہ جو جنت والوں کی خواہش کے مطابق جس طرف چاہیں گے اسی طرف بہے گا اور جنت والے نہر وغیرہ بنانے کے محتاج نہیں ہوں گے۔ البتہ کئی چشموں کا ہونا خوبصورتی وزیبائی وطراوت کے اضافہ کے علاوہ یہ فائدہ بھی رکھتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مخصوص مشروب ہو اور جنتیوں کے ذائقہ کو انواع واقسام کی شراب طہور سے شیریں ومعطر کرتا ہو۔

ان چشموں کے تذکرہ کے بعد جنت کے تخت اور پلنگوں کو موضوع بنا کر فرماتا ہے: ''جنت کے ان باغوں میں بلند اور اونچے تخت اور پلنگ ہوں گے''۔ ان پلنگوں کا بلند ہونا اس بنا پر ہے کہ جنتی اپنے اطراف کے تمام مناظر اور صحن دیکھ سکیں اور ان کے مشاہدہ سے لذت حاصل کریں چونکہ ان خوشگوار چشموں اور جنت کی شراب طہور سے فائدہ اٹھانا برتنوں کی احتیاج رکھتا ہے، لہٰذا بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''خوبصورت اور جاذب نظر پیالے ان چشموں کے پاس رکھے ہوں گے'' (واکواب موضوعۃ(۔ جس وقت وہ ارادہ کریں گے تو پیالے چشموں سے پر ہوں ان کے سامنے آجائیں گے اور وہ تازہ تازہ نوش کریں گے، ایسی لذت جس کا شعور ساکنین دنیا کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس کے بعد جنت کی نعمتوں کی جزئیات کے متعلق مزید نکات پیش کرتے ہوئے اضافہ فرماتا ہے: ''وہاں پلنگوں پر تکیے اور گاؤ تکیے ہوں گے جو صف بستہ ہوں گے''۔ اور مصفوفہ کی تعبیر اشارہ ہے نظم خاص اور تعدد کی طرف جو ان پر حاکم ہے۔

یہ تعبیر بتاتی ہے کہ وہ مجالس انس تشکیل دیں گے آخری زیر بحث آیت میں جنت کے قیمتی فرشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہاں گراں بہا اور خوبصورت فرش بچھے ہوئے ہوں گے۔''

(۱۷) اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ؕ	کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح اسے پیدا کیا گیا؟
(۱۸) وَ اِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ؕ	اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلندی پر قائم کیا گیا؟

(۱۹) وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ۟ۙ	اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح وہ اپنی جگہ نصب ہوئے ہیں؟
(۲۰)وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ۟ۙ	اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح مسطح ہوئی ہے؟
(۲۱) فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ؕ	پس (اے پیغمبر) نصیحت کر کہ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔
(۲۲) لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ۙ	تو ان پر مسلط نہیں ہے کہ انہیں (ایمان لانے پر) مجبور کرے۔
(۲۳)اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ۙ	مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے۔
(۲۴) فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ ؕ	جسے اللہ بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔
(۲۵) اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ۙ	یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے۔
(۲۶) ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ٪	اور یقیناً ان کا حساب کتاب ہمارے پاس ہے۔

تفسیر

اونٹ کی طرف دیکھو جو خود ایک آیت ہے۔

گزشتہ آیات میں بہت زیادہ بخشیں جنت اور اس کی آیتوں کے بارے میں آئی تھیں لیکن زیر بحث آیات میں ان نعمتوں تک پہنچنے کی اصل کلید کی گفتگو ہے جو اللہ کی معرفت ہے۔ اللہ کی قدرت کی چار مظاہر بیان کر کے خدا کی نادر خلقت اور انسان کو اس کے مطالعہ کی دعوت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی راہ بتاتا ہے اور ضمنی طور پر یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ خدا کی قدرت بے پایاں ہے، جو مسئلہ معاد کے حل کرنے کی کلید ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔'' واضح ہے کہ ابتداء میں روئے سخن مکہ کے عربوں کیطرف تھا، جن کی زندگی کے بہت سے کام اونٹ سے وابستہ تھے، اس سے قطع نظر یہ جانور عجیب وغریب خصوصیتوں کا حامل ہے، جو اسے دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ:

۱۔ ونٹ ایسا جانور ہے جس میں یہ تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کا گوشت بھی قابل استعمال ہے اور دودھ بھی یہ سواری کے کام بھی آتا ہے اور بار برداری کے لئے بھی اسے کام میں لایا جاتا ہے۔

۲۔ اونٹ زیادہ طاقتور اور زیادہ قوت مقادمت رکھنے والا جانور ہے۔

۳۔ اونٹ آٹھ دس روز تک پیاسا رہ سکتا ہے، اور اس میں بھوک کو برداشت کرنے کی بھی بہت صلاحیت ہوتی ہے۔

۴۔ اونٹ ہر روز راستے کی طولانی مسافت طے کر سکتا ہے اور ایسی زمینوں سے، جن میں سے گزرنا مشکل ہو جیسے ریگستانی

علاقہ، جس کو عبور کرنا مشکل ہوتا ہے، آسانی سے گزر سکتا ہے۔اسی بنا پر عرب اسے صحرائی جہاز کہتے ہیں۔

۵۔وہ غذا کے اعتبار سے بہت ہی سستا ہے، ہر قسم کے خار وخس وخاشاک کھالیتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس جانور کی خصوصیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ اس کی خلقت کے بارے میں اگر غور وفکر کیا جائے تو وہ انسان کو خالق عظیم کی طرف متوجہ کرتی ہے، جو ایسی مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ بات بغیر کہے واضح ہے کہ ''افلا ینظرون'' کے جملہ میں نگاہ سے مراد عام نگاہ نہیں بلکہ ایسی نگاہ ہے جس میں غور وفکر تفکر وتدبر شامل ہو۔

اس کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا وہ آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح قرار دیا گیا ہے۔'' کس طرح یہ عظیم کرات اپنی اپنی جگہ پر میخ کی طرح گڑے ہوئے ہیں اور بغیر ستون کے اپنی جگہ برقرار ہیں۔

اس نظام شمسی کے کروں کو عالم وجود میں آئے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں لیکن ان کی حرکت اصل کے محور تبدیل نہیں ہوئے۔کیا اس عالم عظیم کے خالق و مدبر کے بارے میں غور وفکر نہیں کرنا چاہیئے اور اس کے بلند وعظیم مقاصد کے قریب نہیں جانا چاہیئے؟

اس کے بعد آسمان سے ہٹ کر زمین کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا وہ پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح اپنی جگہ پر نصب ہوئے ہیں۔'' وہ پہاڑ جن کی جڑیں ایک دوسرے سے متصل ہیں، زمین کے اطراف کو زرہ کے حلقوں کی مانند گھیرے ہوئے ہیں اور اندرونی پگھلے ہوئے مادہ سے پیدا ہونے والے زلزلوں اور چاند وسورج کی قوت جاذبہ سے پیدا ہونے والے مدوجزر کو کم کرتے ہیں۔

''نصبت'' نصب کے مادہ سے ثابت قرار دینے کے معنی میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ تعبیر ضمنی طور پر آغاز خلقت میں پہاڑوں کی خلقت کی کیفیت کی طرف اشارہ ہو، وہی چیز جس پر سے موجودہ علم نے پردہ اٹھایا ہے، اسے پہاڑوں کی خلقت کے متعدد اسباب و عوامل کی طرف نسبت دی ہے اور ان کے لئے انواع واقسام کی قائل ہے۔

وہ پہاڑ جو زمین کے گھومنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، وہ پہاڑ جو آتش فشانیوں کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں، وہ پہاڑ جو بارش سے پیدا ہونے والے جھاگ کا نتیجہ ہیں، وہ پہاڑ جو سمندروں کے اندر بنتے ہیں اور جو سمندر کی کیچڑ اور اس میں پھنس جانے والے جانوروں کا مجموعہ ہیں۔ جی ہاں! ان پہاڑوں میں سے ہر ایک کی بناوٹ اور اس کے آثار و برکات مشکل سے سمجھ میں آنے والے ہیں، اہمیت کے حامل بھی اور بیدار مغز انسانوں کے لئے قدرت حق کی نشانیاں بھی۔

اس کے بعد زمین کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح مسطح ہوئی ہے۔'' کس طرح مسلسل بارشوں نے پہاڑوں کو غسل دے کر مٹی کے ذرات کو وجود دیا ہے، پھر گڑھوں کو وسعت دے کر ایسی صاف زمین تیار کی ہے جو زراعت کے لئے بھی موزوں ہے اور ہر قسم کی تعمیر کے لئے بھی اور اسے انسانوں کے اختیار میں دے دیا گیا ہے۔

اگر تمام کرہ زمین پہاڑوں اور دروں پر مشتمل ہوتا تو اس پر زندگی گزارنا کس قدر مشکل اور طاقت ربا ہوتا۔ وہ کون ہے جس نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے اس کی سطح برابر کر کے قابل استفادہ بنایا اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین۔ چاروں امور، جو اوپر والی

آیت میں آئے ہیں، انسانی زندگی کی بنیاد کو تشکیل دیتے ہیں۔ آسمان نور و روشنی کا مرکز ہے اور بارش و ہوا کا بھی۔ زمین انواع و اقسام کے مواد غذائی کی پرورش کا مرکز ہے۔

پہاڑ آرام و سکون کی رمز اور پانی اور معدنیات کا ذخیرہ ہیں۔ اونٹ خانگی جانوروں کا نمونہ ہے جسے انسان کے اختیار میں دیا گیا ہے۔ اس طرح زراعت کے مسائل، جانور رکھنے کے مسائل اور صنعت و کاریگری کے مسائل انہی چاروں میں پوشیدہ ہیں۔ ان گوناں گوں نعمتوں کے بارے میں غور و فکر انسان کو بہر حال شکر منعم حقیقی پر ابھارتا ہے" اور شکر منعم انہیں اللہ کی معرفت اور خالق نعمت کی شناخت کی دعوت دیتا ہے۔

توحید سے متعلق اس بحث کے بعد پیغمبرﷺ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے ارشاد ہوتا: "اب جبکہ ایسا ہی ہے تو انہیں یاد دلا اور نصیحت کر اور تو تو صرف یاد دہانی کرانے والا ہی ہے۔" تو ان پر بالکل مسلط نہیں ہے کہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کرے۔ جی ہاں! آسمان و زمین، پہاڑوں اور جانوروں کی خلقت بتاتی ہے کہ یہ عالم ظاہر حساب و کتاب کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خلقت کا کوئی ہدف و مقصد ہے۔ اب جبکہ ایسا ہی ہے تو تو انہیں یاد دہانیوں اور نصیحتوں سے خلقت و آفرینش پر غور کرنے کی تلقین کر، انہیں قرب اللہ کی راہ دکھا اور راہ تکامل و ارتقا میں ان کا رہبر و رہنما بن جا۔

البتہ راہ کمال اسی صورت میں طے کی جاتی ہے جب ارادہ و اختیار کے ساتھ میل و رغبت بھی شامل ہو۔ وہ تکامل۔ و ارتقاء جو حالت جبر کے نتیجے میں ہو، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو انہیں مجبور نہیں کر سکتا اور اگر مجبور کر بھی سکتا تو کوئی فائدہ نہیں تھا۔

بعد والی آیت میں ایک استثناء کی شکل میں فرماتا ہے: "مگر وہ شخص جو پشت پھیرے اور کافر ہو جائے۔" "اسے اللہ ایک بہت بڑے عذاب کی سزا دے گا۔"

عذاب اکبر سے مراد آخرت کا عذاب ہے، دنیا کے عذاب کے مقابلہ میں جو چھوٹا ہے اور کم اہم ہے عذاب اکبر سے مراد عذاب قیامت و دوزخ کا شدید ترین حصہ ہے اس لئے کہ دوزخ میں تمام مجرموں کا عذاب ایک جیسا نہیں ہے۔ اس سورہ کے آخر میں تہدید آمیز لہجے میں فرماتا ہے: "یقیناً ان کی بازگشت ہماری طرف ہے"۔ اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: "اس کے بعد یقیناً ان کا حساب ہمارے ہاتھ میں ہے"۔

یہ حقیقت میں پیغمبرﷺ کے دل کے لئے ایک قسم کی تشفی و تسلی ہے کہ کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پریشان و غمزدہ نہ ہوں اور اپنے کام کو جاری رکھیں۔ ضمنی طور پر یہ سب ہٹ دھرم کافروں کے لئے دھمکی ہے تا کہ وہ جان لیں کہ ان کا حساب کتاب کسی کے اختیار میں ہے۔ اس طرح سورہ غاشیہ جو قیامت کے موضوع سے شروع ہوا تھا، قیامت ہی کے موضوع پر ختم ہو رہا ہے۔

سورۂ فجر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۳۰ آیات ہیں

سورۂ فجر کے مشمولات

اس سورہ کے پہلے حصہ میں ہمیں بہت سی قسمیں ملتی ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئی ہیں اور یہ قسمیں ظالموں کے لئے عذب الٰہی کی تہدید کے طور پر ہیں۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں سرکشی کرنے والی بعض اقوام، مثلاً قوم عاد وثمود فرعون اوران سے اللہ کے شدید انتقام لینے کی طرف اشارہ ہے، تاکہ دوسری طاقتیں اپنے انجام پر غور کریں۔

اس سورہ کے تیسرے حصہ میں مسئلہ معاد اور مجرمین وکافرین کی سرنوشت اور اسی طرح مومنین کے اجر کو، جو صاف نفس مطمئنہ ہیں، موضوع بنایا گیا ہے۔

سورہ فجر کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلہ میں ہمیں ایک حدیث پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملتی ہے کہ:

''جو شخص اسے دس راتوں (اول ذی الحج کی دس راتوں) میں پڑھے، اللہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور جو شخص باقی ایام میں پڑھے تو قیامت کے دن اس کے لئے نور روشنی ہوگی''۔

ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ:

''سورہ فجر کی ہر واجب ومستحب نماز میں پڑھو کہ یہ حسین علیہ السلام بن علی کا سورہ ہے، جو شخص اسے پڑھے گا وہ قیامت میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بہشت میں ان کے درجہ میں ہوگا''۔

اس سورہ کا تعارف سورۂ امام حسین علیہ السلام کے عنوان سے ممکن ہے کہ اس وجہ سے ہو کہ نفس مطمئنہ کا واضح مصداق، جو اس سورہ کی آخری آیات میں واقع ہوا ہے، حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام ہی ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے انہیں آیات کے ذیل میں آیا ہے۔ بہر حال یہ سب اجر وثواب وفضیلت ان اشخاص کے لئے ہے جو اس کی تلاوت کو اپنی اصلاح اور تربیت کی تمہید قرار دیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ الۡفَجۡرِ ۙ	صبح کی قسم
(۲)وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ	اور دس راتوں کی۔

(۳) وَّ الشَّفۡعِ وَ الۡوَتۡرِ	اور زوج وفرد کی۔
(۴) وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ	اور رات کی جب کہ وہ (دن کی روشنی کی طرف) حرکت کرتی ہے قسم ہے۔
(۵) هَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ	کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبان عقل کے لئے اہم قسم نہیں ہے؟

تفسیر

تمہاری صبح کی سفیدی کی قسم

اس سورہ کے آغاز میں پانچ بیدار کرنے والی قسموں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے:

''قسم ہے فجر اور رات کے سیاہ پردے کے چاک ہونے کی اور قسم ہے دس راتوں کی۔''

''فجر'' اصل میں وسیع شگاف کے معنی میں ہے، چونکہ صبح کا نور شب کی تاریکی میں شگاف ڈال دیتا ہے لہٰذا اسے فجر کہا گیا ہے۔ بعض نے آیت کے معنی اس سے زیادہ وسیع سمجھے ہیں اور کہا ہے کہ فجر سے مراد ہر وہ روشنی ہے جو تاریکی میں چمکتی ہے اس بنا پر اسلام اور نور پاک محمدی کا عصر جاہلیت پر طلوع ہونا اس فجر کا ایک مصداق ہے اسی طرح قیام محمدی کی صبح کی سفیدی کا عالم کے ظلم وستم کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہونے کے وقت چمکنا، اس کا ایک دوسرا مصداق شمار ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

علیٰ ہٰذا دشت کربلا میں عاشورہ حسینی کا قیام اور اس کا بنی امیہ کے مظالم کے تاریک پردوں کو چاک کرنا اور ان دیوصفت لوگوں کے حقیقی چہروں کو بے نقاب کرنا، اس کا ایک اور مصداق ہے۔

اسی طرح تمام سچے انقلاب، جو کفر وجہالت اور ظلم وستم کے خلا گزشتہ اور موجودہ تاریخ میں برپا ہوتے ہیں، نہ صرف وہ فجر کے مصداق ہیں بلکہ بیداری کا وہ پہلا شعلہ جو گنہگاروں کے تاریک دل میں ظاہر ہوتا ہے اور انہیں توبہ کی دعوت دیتا ہے، وہ بھی فجر ہے۔ البتہ یہ آیت کے مفہوم کی ایک وسعت ہے جبکہ ظاہر آیت وہی فجر ہے، یعنی سپیدہ صبح کا طلوع ہونا۔

باقی رہا ''لیال عشر'' (دس راتیں) تو مشہور وہی ذوالحج کی دس راتیں ہیں جو مسلمانان عالم کے سیاسی اور عبادتی عظیم ترین اور نہایت متاثر کرنے والے اجتماعات کی گواہ ہیں۔ بعض مفسرین نے ان دس راتوں کو ماہ مبارک رمضان کی آخری دس راتیں قرار دیا ہے جن میں شب قدر ہے۔ بعض نے محرم کی ابتدائی دس راتوں کو ''لیال عشر'' کا مصداق قرار دیا ہے۔ ان تینوں تفسیروں کا جمع کرنا

بھی مکمل طور پر ممکن ہے۔

بعض ایسی روایات جو بطون قرآن کی طرف اشارہ کرتی ہیں ان کے مطابق فجر سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام کا وجود ذی جود ہے اور یہاں عشر ان سے پہلے کے دس ائمہ علیہم السلام ہیں اور شفع جو بعد والی آیت میں آیا ہے، اس سے مراد حضرت علی علیہ السلام وحضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

اس کے بعد قسموں کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''جفت وطاق کی قسم''۔ یہ کہ شفع وتر (زوج وفرد) سے اس آیت میں کیا مراد ہے، مفسرین نے بہت سے اقوال اور احتمال بیان کئے ہیں۔ بعض نے ۳۶ اقوال تک نقل کئے ہیں۔

لیکن سب سے زیادہ دو معنی مناسب ہیں:

ایک یہ کہ عید کا دن اور عرفہ کا دن ہو جو ذی الحج کی ابتدائی دس راتوں سے مکمل طور پر مناسبت رکھتا ہے اور مناسک حج کا اہم ترین حصہ انہیں دنوں میں انجام پاتا ہے۔ یا یہ کہ مراد نمازیں ہوں جو فجر کی قسم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں، جو سحر کا اور بارگاہ خدا میں راز و نیاز کا وقت ہے، خصوصاً جبکہ یہ دونوں تفاسیر ان روایات میں بھی وارد ہوئی ہیں جو معصومین علیہم السلام سے مروی ہیں۔

آخر میں آخری قسم میں فرماتا ہے: ''اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ صبح اور کی روشنی کی طرف جاتی ہے'' گویا رات ایک زندہ وجود ہے اور حس وحرکت رکھتی ہے جا تاریکی میں قدم بڑھاتی ہے اور روشن صبح کی طرف جاتی ہے۔

اگر اس کا الف لام عموم کے لئے ہو تو اس میں تمام راتیں شامل ہوں گی۔ جو اللہ کی آیات میں سے خود ایک آیت ہیں اور آفرنیش کے مظہر میں سے خود ایک مظہر ہیں اگر اس کا الف لام عہد ہو تو پھر معین رات کی طرف اشارہ ہے اور گذشتہ قسموں کی مناسبت سے مراد عید قربان کی رات ہے جس میں حجاج کرام مزدلفہ (مشعر الحرام) کی طرف اور اس وادئ مقدس میں رات گزارنے کے بعد طلوع آفتاب کے وقت سرزمین منٰی کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تفسیر معصومین علیہم السلام سے منقول روایات میں بھی آئی ہے۔

بہر حال رات کسی بھی معنی میں ہو، عام یا خاص، عظمت الٰہی کی نشانی ہے اور عالم ہستی کے اہم موضوعات میں سے ہے۔

رات ہوا کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے، تمام موجودات کو آرام پہنچاتی ہے اور بارگاہ خدا میں راز و نیاز کے لئے فضا میں سکون پیدا کرتی۔ بہر حال ان پانچ قسموں کا رشتہ (فجر کی قسم، دس راتوں کی قسم، زوج وفرد کی قسم اور رات کی قسم) اس صورت میں بالکل واضح ہے جب ہم ان سب کو ایام ذی الحج اور حج کے عظیم مراسم سے متعلق سمجھیں۔

اس صورت حال کے علاوہ پھر عالم تکوین اور عالم تشریع کے اہم حوادث کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی عظمت کی نشانیاں ہیں اور عالم ہستی کے عجیب وغریب اور حیران کن مظاہر ہیں۔ ان پر معنی اور بیدار کرنے والی قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

''کیا جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صاحبان خرد کے لئے اہم قسم''۔ حجر یہاں عقل کے معنی میں ہے اور اصل میں منع کے معنی میں

ہے۔کیونکہ عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے لہٰذا اسے حجر سے تعبیر کیا گیا ہے،

(۶)اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟
(۷) اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۙ	اور اس باعظمت شہرارم کے ساتھ۔
(۸)الَّتِىۡ لَمۡ يُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِى الۡبِلَادِ ۙ	وہی شہر جس کی نظیر دیگر شہروں میں پیدا نہیں کی گئی۔
(۹) وَ ثَمُوۡدَ الَّذِيۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۙ	اور قوم ثمود جو دروں میں سے بڑے بڑے پتھر کاٹتی تھی۔
(۱۰) وَ فِرۡعَوۡنَ ذِى الۡاَوۡتَادِ ۙ	اور فرعون جو صاحب قوت اور سخت سزا دینے والا تھا۔
(۱۱)الَّذِيۡنَ طَغَوۡا فِى الۡبِلَادِ ۙ	وہی قومیں جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی۔
(۱۲)فَاَكۡثَرُوۡا فِيۡهَا الۡفَسَادَ ۙ	اور ان میں بہت زیادہ فساد انہوں نے کیا۔
(۱۳)فَصَبَّ عَلَيۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ۚ	لہٰذا اللہ نے ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا۔
(۱۴) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ؕ	یقیناً تیرا پروردگار کمین گاہ میں ہے۔

تفسیر

تیرا پروردگار ظالموں کی گھات میں ہے۔

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشوں کی سزا اور ان پر نازل ہونے والے عذاب کے بارے میں بامعنی قسموں کی ضمانت لئے ہوئے تھیں، ان آیات میں گزشتہ اقوام میں سے چند طاقتور قوموں کے متعلق، جن میں سے ہر ایک عظیم قوت کی مالک تھی، لیکن ساتھ ہی مغرور بھی متکبر و سرکش بھی تھی، ان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ان کی دردناک سرنوشت کو واضح کرتا ہے تاکہ مشرکین مکہ اور دوسری اقوام جو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہیں، اپنا اندازہ لگالیں اور خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں۔ پہلے فرماتا ہے: ''کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا ہے۔''

''رویت'' (دیکھنا) سے یہاں مراد علم وآگاہی ہے چونکہ ان اقوام کی داستانیں اس قدر مشہور ومعروف تھیں کہ گویا بعد کے زمانے کے لوگ بھی انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، لہٰذا رویت کی تعبیر صرف ہوئی ہے۔''عاد'' اللہ کے عظیم پیغمبر حضرت ہودعلیہ السلام کی قوم ہے۔ان کا زمانہ تقریباً ولادت مسیح علیہ السلام سے سات سو سال پہلے کا تھا اس کے بعد مزید فرماتا ہے:

''وہی پرشکوہ اور عظیم شہر ارم''۔''عماد'' کے معنی ہیں ستون، باعظمت عمارتوں، بلند و بالا محلات اور ان عظیم ستونوں کی طرف اشارہ ہے جو عظیم محلوں میں تعمیر کئے گئے تھے

اس کے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: وہی شہر و دیار جن کی مانند ومثل دنیا کے شہروں میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ تعبیر بتاتی ہے کہ ارم سے مراد وہی شہر ہے، اس کے بعد گزشتہ اقوام کے دوسرے سرکش گروہ کا حوالہ دے کر فرماتا ہے: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا، جو وادی میں بڑے بڑے پتھروں کو کاٹتی اور ان سے گھر اور قصر بناتی تھی۔ثمود کی قوم اقوام میں سے ہے۔ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے اور وہ وادی القریٰ نامی سرزمین میں رہتے تھے، جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔ان کا تمدن ترقی یافتہ تھا، زندگی مرفہ الحال تھی اور ان کی عمارتیں عظیم تھیں۔

اس کے بعد تیسری قوم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور اسی طرح فرعون صاحب ثروت''۔ جو اس طرف اشارہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے طاقتور ظالم اور بیدادگر قوم فرعون کے ساتھ کیا کیا۔

''اوتاد'' جمع وتد کی (بروزن صمد) جس کے معنی میخ کے ہیں۔فرعون کو ذی الاوتاد کہتے ہیں؟

کہ اس کے بہت سے لشکر تھے جن میں سے بہت سے خیموں میں زندگی گزارتے تھے اور جو خیمے ان کے لئے گاڑے جاتے تھے ان میں میخیں استعمال ہوتی تھیں۔

دوسری یہ کہ فرعون جس شخص پر غضبناک ہوتا، زیادہ تر اس کو یہ سزا دیتا کہ اس کے چاروں ہاتھ پاؤں میخوں سے باندھ دیتا، یا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں گڑوا دیتا اور اس کو چھوڑ دیتا یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔اس کے بعد مجموعی طور پر ان تینوں اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

''وہی جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی''۔اور ان میں بہت سا فساد برپا کیا اور خرابی کی فساد جو ہر قسم کے ظلم وستم، تجاوز عن الحدود، عیاشی اور ہوس رانی پر مشتمل تھا۔واقعی ان کی سرکشی ایک اثر رکھتی ہے اور ہر سرکشی کرنے والی قوم آخرکار ہر قسم کے فساد میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ایک مختصر اور پرمعنی جملے کے ساتھ ان تمام سرکش قوموں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ

فرماتا ہے: ''لہٰذا اللہ نے ان کو عذاب کا تازیانہ لگایا'' ۔یہ مختصر سی تعبیر شدید اور مختلف قسم کے عذابوں کی طرف اشارہ ہے جو اس قوم پر نازل ہوئے۔

قوم عاد تو قرآن مجید کے بقول تیز ٹھنڈی اور جلانے والی ہوا اور آندھی سے ہلاک ہوئی (**واماعادفاھلکوا بریح صرصر عاتیة**)(حاقہ......٦)

باقی رہی قوم ثمود تو وہ عظیم آسمانی چیخ کے ذریعہ نابود ہوئی۔(**فاما ثمود فاھلکرا بالطاغیه**)(حاقہ......۵)۔

اور قوم فرعون دریائے نیل کی موجوں میں غرق اور دفن ہوگئی (**فاغر قنا ھم اجمعین**)(زخرف......۵۵)

آخری زیر بحث آیت میں ان تمام لوگوں کو ہشیار اور خبردار کرنے کے لئے، جو اس راستہ پر چلتے ہیں جس پر وہ سرکش لوگ چلتے تھے، فرماتا ہے:

''یقیناً تیرا پروردگار کمین گاہ میں ہے'' اس ساری گفتگو میں اس طرف اشارہ ہے کہ گمان نہ کرو کہ کوئی شخص عذاب الٰہی سے بچ کر جا سکتا ہے سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور جس وقت وہ ارادہ کرے ان کو سزا دے سکتا ہے اور ان پر عذاب نازل کر سکتا ہے۔

''ربک'' (تیرا پروردگار) کی تعبیر اس طرف اشارہ ہے کہ سنت الٰہی تیری امت کی سرکش، ظالم اور ستم گر قوموں کے بارے میں بھی جاری ہوگی۔ پیغمبرﷺ اور مومنین کے دلوں کی تسکین بھی ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ ہٹ دھرم اور کینہ پرور دشمن اللہ کی قدرت کے چنگل سے کبھی فرار نہیں کر سکیں گے اور یہ ان لوگوں کے لئے خطرہ کی تنبیہ بھی ہے جو پیغمبر اکرمﷺ اور مومنین پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھتے تھے۔ انہیں جان لینا چاہئے کہ وہ لوگ جو ان سے زیادہ صاحب طاقت تھے، ایک تیز آندھی، ایک طوفان، ایک شعلہ اور صیحہ آسمانی کے مقابلے میں تاب مقاومت نہ لا سکے، تو یہ کس طرح سوچتے ہیں کہ اپنے ان غلط اعمال کے باوجود عذاب الٰہی سے نجات پا سکیں گے۔

ایک حدیث پیغمبر اسلامﷺ سے منقول ہے آپﷺ فرماتے ہیں: ''جبرائیل امین نے مجھ کو خبر دی کہ جس وقت خداوند یکتا اولین وآخرین کی مخلوق کو میدان حشر میں جمع کرے گا تو جہنم کو لے آئے گا اور پل صراط کو، جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، اس پر رکھ دے گا۔ اس صراط پر تین پل ہوں گے۔ پہلے پل پر امانت ورست گاری اور رحمت ومحبت ہے۔ دوسرے پل پر نماز اور تیسرے پل پر پروردگار عالم کا عدل ہوگا۔ لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس پل پر سے گزریں۔ جنہوں نے امانت اور رحم میں کوتاہی کی ہوگی اور پہلے پل پر ہی رہ جائیں گے۔ اگر اس سے گزر گئے تو نماز میں کوتاہی کی ہوگی تو دوسرے پل پر ہی رہ جائیں گے اور اگر اس سے بھی گزر گئے تو اپنے راستے کے آخر میں عدل الٰہی پائیں گے اور ان ربک لبالمرصاد کے یہی معنی ہیں۔

(۱۵)فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ؕ	لیکن انسان کو جس وقت اللہ آزمائش کے لئے عزت دیتا ہے (اس کا اکرام کرتا ہے) نعمت بخشتا ہے تو (مغرور ہو جاتا ہے) اور کہتا ہے میرے پروردگار نے میرا اکرام کیا ہے۔
(۱۶)وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۚ	لیکن جب امتحان کے لئے (اللہ) اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو (مایوس ہو جاتا ہے اور) کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے ذلیل وخوار کیا ہے۔
(۱۷)كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۙ	ایسا نہیں ہے جیسا تم نے خیال کیا ہے بلکہ تم یتیموں کا احترام نہیں کرتے۔
(۱۸)وَ لَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۙ	اور ایک دوسرے کو مساکین وفقراء کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے۔
(۱۹)وَ تَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّمًّا ۙ	اور میراث کو جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کر کے کھاتے ہو۔
(۲۰) وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ	اور مال ودولت کو بہت دوست رکھتے ہو۔

تفسیر

نہ اس کی نعمت کے ملنے پر غرور کرو اور نہ سلب نعمت پر مایوس ہو

گزشتہ آیات کے بعد جو سرکشی کرنے والوں کو خبردار کر رہی تھیں اور انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرا رہی تھیں، زیر بحث آیات میں مسئلہ امتحان کو پیش کرتا ہے جو ثواب اور عقاب الٰہی کا معیار ہے اور انسانی زندگی کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے، پہلے فرماتا ہے:

لیکن انسان، جس وقت اس کا پروردگار اور اس کی آزمائش کے لئے اس کا اکرام کرے اور نعمت بخشے، تو مغرور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت دی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ خدائی آزمائش کبھی نعمت کے ذریعہ اور کبھی انواع واقسام کی مصیبتوں کے ذریعہ ہوتی ہے نہ نعمت کا حصول سبب غرور بننا چاہئے اور نہ مصائب مایوسی اور ناامیدی کا سبب بنیں لیکن جس وقت امتحان

لینے کے لئے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے:

''میرے پروردگار نے مجھے ذلیل وخوار کر دیا ہے'' نا امیدی اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہے اور وہ اپنے پروردگار سے رنجیدہ وناخوش ہو جاتا ہے وہ اس سے غافل ہے کہ یہ سب چیزیں تو اس کی آزمائش اور امتحان کے ذرائع ہیں اور امتحان جو انسان کی پرورش اور ارتقاء کی رمز ہے اور اس کے بعد استحقاق ثواب کا سبب اور مخالفت کی صورت میں استحقاق عذاب کا باعث ہے۔

سورہ حٰم سجدہ کی آیت ۵۱ میں بھی آیا ہے

جس وقت ہم کسی انسان کو نعمت دیتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور تکبر کر کے حق سے دور ہو جاتا ہے لیکن جب اسے تھوڑی سی تکلیف پہنچے تو ہمیشہ دعا کرتا ہے اور بے تابی دکھاتا ہے۔ اسی طرح سورہ ہود کی آیت ۹ میں آیا ہے جس وقت ہم انسان کو رحمت کا ذائقہ چکھائیں اور اس سے چھین لیں تو نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ان اعمال کی تشریح کرتا ہے جو اللہ سے دوری اور عذاب الٰہی کے چنگل میں پھنسنے کا موجب ہیں۔ فرماتا ہے:

''ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو (کہ تمہارے اموال پروردگار کے نزدیک تمہارے قرب منزلت کی دلیل ہیں، بلکہ تمہارے اعمال تو تمہاری اللہ سے دوری کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں)'' تم تو یتیموں کا احترام نہیں کرتے''۔ ''اور ایک دوسرے کو فقرا و مساکین کا کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتے''۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یتیموں کو کھانا کھلانے کی بات نہیں کرتا، بلکہ اکرام واحترام کی بات کرتا ہے، اس لئے کہ یتیموں کے سلسلہ میں صرف بھوک کا مسئلہ درپیش نہیں ہوتا بلکہ ضرورت ہے کہ اس کی عزت کی جائے تاکہ وہ باپ کے نہ ہونے کا احساس نہ کرے۔

''تحاضون'' کا جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ صرف مسکین کی فضا میں وسعت پیدا کرے۔ اس کے بعد اس کے تیسرے غلط کام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں مورد مذمت و ملامت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''تم میراث کو (حلال وحرام طریقہ) جمع کر کے کھا جاتے ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اس مال کا کھانا، جو شرعی میراث کے طور پر کسی شخص کو پہنچے، برا نہیں ہے۔ اس بناء پر مندرجہ بالا آیت میں اس کام کی مذمت ہو سکتا ہے کہ ذیل کے امور میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ ہو۔

پہلا یہ کہ مراد اپنے اور دوسروں کے حق کو جمع کر لینا ہو، خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم کر دیتے تھے اور ان کا حق خود لے لیتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جب میراث تم تک پہنچتی ہے تو تم فقیر و مسکین، عزیزوں اور رشتہ داروں اور معاشرہ کے محروم افراد پر بالکل

خرچ نہیں کرتے اور جب تم میراث کے مال کے ساتھ، جو بغیر کسی زحمت و تکلیف کے تمہارے ہاتھ آتا ہے، اس طرح کرتے ہو تو یقیناً اپنے کمائے ہوئے مال کے بارے میں تو تم زیادہ بخیل اور سخت ہو گے جو بہت بڑا عیب ہے۔

تیسرے یہ کہ میراث اور چھوٹے بچوں کے حقوق کھاتا ہے، اس لئے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بے ایمان افراد، اور وہ جو کسی قانون کے پابند نہیں ہوتے، جب میراث کا مال ان کے ہاتھ لگ جائے تو وہ یتیم اور چھوٹے بچوں کا کوئی لحاظ نہیں کرت بلکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ قبیح ترین اور شرمناک ترین گناہ ہے ان تینوں تفسیروں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے۔ اس کے بعد ان کے چوتھے مذموم عمل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور تم دولت و ثروت کو زیادہ عزیز رکھتے ہو'' تم دنیا پرست اور مال و متاع دنیا کے عاشق افراد ہو اور یقیناً وہ شخص جو مال دنیا سے ایسا لگاؤ رکھے وہ اس کے جمع کرنے کے وقت جائز و ناجائز حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتا۔ اس قسم کا شخص حقوق الٰہی کو بالکل تسلیم نہیں کرتا، یا ان میں کمی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس شخص کو حب دنیا نے گھیر رکھا ہو، اس کے دل میں یاد اللہ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

اس طرح نعمت و بلا کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش کے ذکر کے بعد چار اہم آزمائشوں کی طرف متوجہ کرتا ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام آزمائشیں مالی پہلو رکھتی ہیں۔ واقعی اگر کوئی شخص مالی آزمائشوں سے عہدہ برآ ہو جائے تو پھر اس کے لئے دوسری آزمائشیں آسان ہو جائیں گی۔

(۲۱) كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ	ایسا نہیں ہے (جیسا کہ وہ خیال کرتے ہیں) جس دن زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔
(۲۲) وَّ جَآءَ رَبُّکَ وَ الْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ۚ	اور تیرے پروردگار کا فرمان پہنچے گا اور ملائکہ صف بہ صف ہوں گے۔
(۲۳) وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ	اور اس دن جہنم کو حاضر کریں۔ جی ہاں! اس دن انسان متذکر ہوگا، لیکن (کیا فائدہ اس لئے کہ) یہ تذکر اس کے لئے سودمند نہیں ہوگا۔
(۲۴) یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۚ	وہ کہے گا کاش اس زندگی کے لئے میں نے کوئی چیز بھیجی ہوتی۔
(۲۵) فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ	اس دن کوئی بھی اس جیسا عذاب نازل نہیں کرے گا۔

(۲۶)وَّ لَا یُوۡثِقُ وَثَاقَہٗۤ اَحَدٌ ؕ	اور کوئی شخص اس کی طرح کسی کو قید و بند میں نہیں جکڑے گا۔

تفسیر

اس دن بیدار ہوں گے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوگا۔

ان مذمتوں کے بعد جو گزشتہ آیات میں سرکشی کرنے والوں، دنیا پرستوں اور دوسروں کے حقوق پر ہاتھ صاف کرنے والوں کی ہوئی تھیں، ان آیات میں انہیں خطرے سے آگاہ کرتا ہے کہ آخر کار قیام آنے والی ہے اور حساب و کتاب اور جزاو سزا کا مرحلہ درپیش ہے۔ضروری ہے کہ آپ خود کو اس کے لئے تیار کریں پہلے فرماتا ہے:

ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں (کہ حساب و کتاب نہیں ہے اور اگر اللہ نے انہیں مال دیا ہے تو ان کے احترام واکرام کی وجہ سے دیا ہے، نہ کہ آزمائش وامتحان کے لیے)

جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی مجموعی طور پر یہ تاکید دنیا کے اختتام اور قیامت کے آغاز کے زلزلوں اور جھنجوڑ دینے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے۔موجودات میں اس قسم کا تزلزل رونما ہوگا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ اور زمینیں ہموار ہو جائیں گی، جیسا کہ سورہ طٰہٰ کی آیہ ۱۰۵ سے ۱۰۷ تک آیا ہے:

تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دے میرا پروردگار انہیں برباد کردے گا اور اس کے بعد زمین کو صاف وہموار اور بے آب وگیاہ کردے گا، اس طرح کہ تو اس میں کسی طرح کا نشیب وفراز نہیں دیکھے گا۔

قیامت کے پہلے مرحلہ کے اختتام، یعنی اس جہان کی ویرانی کے بعد، دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔سارے انسان زندہ ہوجائیں گے اور عدالت الٰہی میں ظاہر ہوں گے۔اس وقت تیرے پروردگار کا فرمان آن پہنچے گا۔فرشتے صف در صف حاضر ہوں گے

محشر میں موجود لوگوں کے اطراف کا محاصرہ کرلیں گے فرمان حق کے اجرا ٔکے لئے آمادہ ہوں گے۔

یہ تصویر کشی اس عظیم دن کی عظمت اور عدالت کے چنگل سے انسان کے فرار کرنے کی توانائی نہ ہونے کی ہے۔اس کے بعد فرماتا ہے:

''اور اس دن جہنم کو لے آئیں گے، اس دن انسان متذکر ہوگا لیکن اس کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا''۔اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہنم چلانے کے قابل ہے اور اسے لاکر مجرموں کے قریب کردیا جائے گا، جیسا کہ جنت کے بارے میں بھی سورہ شعراء کی آیت ۹۰ میں ہم پڑھتے ہیں جنت پرہیزگاروں کے نزدیک کردی جائے گی

ایک حدیث پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہمیں ملتا ہے کہ جس وقت مندرجہ بالا آیت (وجیء یومئذ بجھنم) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہوگیا۔ یہ حالت اصحاب پرگراں گزری۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا حضرت علی علیہ السلام آئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں کیا حادثہ رونما ہوا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جبرائیل علیہ السلام آئے تھے اور یہ آیت تلاوت کی ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام کہتے ہیں: ''میں نے عرض کیا کس طرح جہنم کو لے آئیں گے۔''؟

فرمایا: ''ستر ہزار مہاروں کے ذریعہ اسے کھینچ کر لائیں گے اور وہ سرکشی کی حالت میں ہوگی۔ اگر اس کو چھوڑ دیں تو وہ سب کو آگ لگا دے گی۔ پھر میں جہنم کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا اور وہ کہے گی: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اللہ نے آپ کا جسم مجھ پر حرام کیا ہے۔''

اس دن ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا لیکن جناب سید المرسلین کہیں گے: ''رب امتی رب امتی'' (پروردگار میری امت، میری امت)۔

جی ہاں! جب مجرم انسان ان مناظر کو دیکھے گا تو ہل جائے گا، بیدار ہو جائے گا اور غم واندوہ میں ڈوب جائے گا۔ اپنے ماضی پر نگاہ ڈالے گا اور اپنے اعمال سے سخت پشیمان ہوگا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کو کوئی فائدہ نہ دے گی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی فریاد بلند ہو گی اور وہ کہے گا: ''اے کاش! میں نے اپنی زندگی کے لئے اعمال صالح بھیجے ہوتے۔''

اس کے بعد دو مختصر جملوں میں اس دن کے عذاب کی شدت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اس دن اللہ اس قسم کی سزا دے گا کہ اس جیسی سزا کوئی بھی نہیں دے سکے گا'' جی ہاں! یہ سرکش جو اپنی قوت کے وقت بدترین جرائم اور گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اس دن ان کو اس قسم کی سزا ملے گی جو اس سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہوگی، جیسا کہ نیکوکار اس قسم کی جزا پائیں گے جو کسی کے خیال و گمان میں بھی نہیں گزری ہوگی، نیز اس دن کوئی بھی اللہ کی طرح کسی کو قید و بند کی سزا نہیں دے گا۔

(۲۷) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ۙ	تو اے سکون واطمینان یافتہ نفس۔
(۲۸) ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ۚ	اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا، اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔
(۲۹) فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ۙ	پس میرے بندوں کی صف میں شامل ہو جا۔

(۳۰) وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ	اور میری جنت میں وارد ہوجا۔

تفسیر

اے صاحب نفس مطمئنہ!

اس وحشتناک عذاب کے تذکرے کے بعد جو سرکشوں اور دنیا پرستوں پر قیامت میں نازل ہوگا، زیر بحث آیات میں اس کے برعکس، جو صورت حال ہے، اس کو پیش کرتا ہے۔ اب نفس مطمئنہ اور ان مومنین کی طرف جو ان عظیم طوفانون میں مکمل سکون و اطمینان سے بہرہ ورر ہے، متوجہ ہوا ہے۔ انہیں نہایت لطف و محبت سے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اے نفس مطمئنہ'' اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ، اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی۔'' (ارجعی الیٰ ربکم راضیۃ مرضیۃ)۔'' اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ، اس حالت میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔'''' اور میرے بندوں کی صف میں داخل ہوجا۔ اور میری جنت میں داخل ہوجا۔''

''نفس'' سے مراد یہاں وہی انسان ہے مطمئنہ کی تعبیر اس سکون و اطمینان کی طرف اشارہ ہے جو ایمان کے پرتو کے سائے میں پیدا ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جان لو کہ صرف اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔'' (رعد۔۲۸) اس قسم کا نفس اللہ کے وعدوں پر بھی اطمینان رکھتا ہے اور جو راہ اس نے اختیار کی ہے اس پر بھی مطمئن ہوتا ہے۔ دنیا اس کی طرف بڑھے، تب بھی اور اس سے منہ موڑے، طوفان میں بھی اور حوادث و بلا میں بھی، اور سب سے بالا تر خوف و وحشت اور قیامت کے عظیم اضطراب میں بھی۔

پروردگار کی طرف بازگشت سے مراد، اس کے ثواب و رحمت کی طرف بازگشت ہے، یعنی اس کے جوار و قرب میں جگہ پانا، معنوی و روحانی بازگشت پانا نہ کہ مادی و جسمانی۔

راضیہ کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ ثواب خداوندی کے تمام وعدوں کو، اس سے زیادہ کہ جتنا وہ تصور کر سکتا تھا، وہ حقیقی طور پر دیکھے گا اور اس طرح اللہ کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہوگا کہ وہ مجسم رضا بن جائے گا، باقی رہی مرضیہ کی تعبیر تو وہ اس بنا پر ہے کہ وہ مورد قبول و رضائے دوست واقع ہوا ہے۔

قابل توجہ یہ کہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت میں ہمیں ملتا ہے کہ آپ کے ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مومن اپنی روح کے قبض ہوجانے سے خوش نہ ہو، تو آپ نے فرمایا:

''نہیں اللہ کی قسم! جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو وہ ناخوشی و ناراضی کا اظہار کرتا ہے اس وقت موت کا فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اے ولی خدا! پریشان نہ ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معبوث کیا ہے، میں تجھ پر مہربان

باپ سے زیادہ شفیق ہوں۔ ٹھیک طرح سے اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ لے۔'' وہ دیکھے گا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین علیہ السلام، فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا، حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام اور باقی ائمہ علیہم السلام تیرے دوست و محبوب ہیں۔'' وہ اپنی آنکھوں کو کھولے گا اور دیکھے گا۔ اچانک ایک کہنے والا پروردگار کی طرف سے کہے گا' اے وہ شخص جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم السلام پر ایمان رکھتا ہے، پلٹ آ، اور اپنے پروردگار کی جانب، اس حالت میں کہ تو ان کی ولایت پر راضی ہے اور وہ اپنے ثواب پر تجھ سے راضی ہیں۔ داخل ہو جا میرے بندوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اہل بیت علیہم السلام کے درمیان اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ تو اس موقع پر اس مومن کے لئے کوئی اور چیز زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔ وہ چاہے گا کہ جس قدر جلد ہو روح بدن سے رہا ہو اور اس منادی کے ساتھ مل جائے۔

سورہ بلد

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اس کی بیس آیات ہیں۔

سورۂ بلد کا مضمون

یہ سورہ مختصر ہونے کے باوجود عظیم حقائق اپنے اندر لئے ہوئے ہے:۔

ا۔اس سورہ کے پہلے حصہ میں پرمعنی قسموں کے ذکر کے بعداس حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ انسان کی زندگی اس عالم میں مشکلات اور تکلیفوں کے ساتھ توام ہوتی ہے، تاکہ وہ ایک طرف تو اپنے آپ کو مشکلات سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ کرے اور دوسری طرف اس دنیا میں راحت و آرام اور مطلق آسودگی کی توقع اپنے ذہن سے نکال دے، کیونکہ مطلق آسودگی و راحت تو صرف آخرت کی زندگی میں ہی ممکن ہے۔

۲۔ یہ سورہ دوسرے حصہ میں انسان پر اللہ کی کچھ اہم ترین نعمتوں کو شمار کرتا ہے، اور اس کے بعد ان نعمتوں کے مقابلہ میں، اس کی ناشکری اور کفران نعمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۳۔اس سورہ کے آخری حصہ میں لوگوں کو دو گروہوں "**اصحاب میمنه**" اور "**اصحاب مشئمه**" میں تقسیم کرتا ہے اور پہلے گروہ (صالح مومنین) کے صفات اعمال کے ایک گوشہ کو اور پھر ان کی سرنوشت کو بیان کرتا ہے۔اس کے بعد ان کے نقطۂ مقابل یعنی کفار و مجرمین اور ان کی سرنوشت کو پیش کرتا ہے۔

سورۂ بلد کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جو شخص سورہ بلد کو پڑھے گا اللہ اسے قیامت میں اپنے غضب سے امان میں رکھے گا۔"

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ	قسم ہے اس شہر مقدس (مکہ) کی۔
(۲) وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ	وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے!
(۳) وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۙ	اور قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی۔
(۴) لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡ كَبَدٍ ؕ	کہ ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا ہے۔(اور اس کی زندگی رنج و الم سے پر ہے)۔

(۵) اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ	کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا؟
(۶) یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ	وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال (اچھے کاموں میں) تلف کر دیا ہے!
(۷) اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ؕ	کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ (اور نہ ہی کوئی دیکھتا ہے)؟

تفسیر

اس شہر مقدس کی قسم

بہت سے موارد میں قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ اہم حقائق کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے، ایسی قسمیں جو خود بھی انسانی عقل اور فکر و نظر کے تحرک کا سبب ہوتی ہیں، ایسی قسمیں جو اس مورد نظر مطلب کے ساتھ ایک خاص ربط رکھتی ہیں۔

یہاں بھی اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے دنیا میں انسان کی زندگی، دکھ، درد اور رنج والم کے ساتھ توام ہے ایک نئی قسم سے شروع کرتا ہے اور فرماتا ہے:

''قسم ہے اس شہر مقدس مکہ کی''۔

''وہ شہر کہ جس میں تو ساکن ہے۔''

یقیناً سرزمین مکہ کی شرافت اور عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ اس کی قسم کھائے، کیونکہ توحید اور پروردگار کی عبادت کا پہلا مرکز یہیں بنایا گیا تھا، اور عظیم پیغمبروں نے اس گھر کے گرد طواف کیا ہے۔ لیکن ''وانت حل بھذا البلد'' کا جملہ ایک نئے مطلب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، جو یہ کہتا ہے کہ یہ شہر تیرے وجود کے فیض و برکت سے اس قسم کی عظمت کا حامل ہو گیا ہے کہ وہ اس قسم کے لائق ہو گیا ہے۔

اے کعبہ راز یمن قدوم تو صد شرف
دی مردہ راز مقدم پاک تو صد صفا
بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ
یثرب ز خاک پائے تو بارونق و نوا

اے وہ کہ تیرے قدم میمنت لزوم سے کعبہ کا شرف سو گنا ہو گیا ہے۔
اور تیرے پاک قدم کے آنے سے مروہ کو صفائی حاصل ہو گئی ہے۔
بطحا نے تیرے نور کی چمک سے روشنی حاصل کی ہے۔
اور یثرب تیرے پاؤں کی خاک کی وجہ سے بارونق اور خوشحال ہو گیا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے، قسم ہے باپ اور اس کے بیٹے کی۔

"والد" سے مراد "ابراہیم خلیل علیہ السلام" اور "ولد" سے مراد "اسمٰعیل ذبیح علیہ السلام" ہیں۔ اور اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گزشتہ آیت میں شہر مکہ کی قسم کھائی گئی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کعبہ اور شہر مکہ کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے، یہ تفسیر بہت ہی مناسب نظر آتی ہے، خصوصاً زمانہ جاہلیت کے عرب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل تھے اور ان پر فخر کرتے تھے اس کے بعد اس چیز کو بیان کرتا ہے جو ان قسموں کا اصل مقصد ہے۔ فرماتا ہے:
یقیناً ہم نے انسان کو رنج اور تکلیف میں پیدا کیا ہے،

انبیاء اور اولیاء اللہ کی زندگیوں کی طرف نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ آفرینش کے ان سرسبز پھولوں کی زندگی بھی انواع و اقسام کے غیر مناسب امور اور درد و تکلیف میں گھری ہوئی تھی۔ جب دنیا ان کے لئے اس طرح ہے تو دوسروں کے لئے اس کی وضع و کیفیت واضح ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "کیا یہ انسان یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی بھی اس پر دست رسی کی قدرت نہیں رکھتا۔"

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی زندگی ان تمام درد، دکھ اور تکالیف کے ساتھ آمیزش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بالکل کوئی قدرت نہیں رکھتا۔

لیکن غرور و تکبر کے گھوڑے پر سوار ہے اور ہر قسم کے غلط کام گناہ جرم اور حد سے بڑھ جانے کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، گویا وہ خود کو امن و امان میں سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو سزاؤں کی قلمرو سے دور خیال کرتا ہے۔ جب اسے قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو تمام خدائی احکام کو پاؤں کے نیچے روندڈالتا۔ ہے، جیسے مطلقاً اللہ کا بندہ نہیں ہے۔ کیا واقعاً وہ یہی خیال کرتا ہے کہ پروردگار کے عذاب کے چنگل سے رہائی حاصل کر لے گا؟ کتنا بڑا اشتباہ اور غلط فہمی ہے!

اس کے بعد اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتا ہے: "وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے بہت زیادہ مال تباہ کر دیا ہے۔"

یہ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ جب انہیں کار خیر میں مال صرف کرنے کو کہتے تھے تو وہ غرور و نخوت کی بناء پر یہ کہتے تھے: ہم نے بہت زیادہ مال ان کاموں میں صرف کیا ہے، حالانکہ انہوں نے اللہ کی راہ میں کوئی چیز خرچ نہیں کی تھی۔ اور اگر انہوں نے

کسی کو کچھ مال دیا بھی تھا وہ دکھاوے، ریا کاری اور شخصی اغراض کی بناء پر تھا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور اسلام کے برخلاف سازشوں میں صرف کیا تھا اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا، اور نہ ہی دیکھے گا''؟

وہ اس حقیقت سے غافل ہے کہ نہ صرف اس کے ظاہری اعمال کو خلوت وجلوت میں دیکھتا ہے، بلکہ اس کے دل اور روح کی گہرائیوں سے بھی آگاہ ہے، اور اس کی نیتوں سے باخبر ہے۔

ہاں! اللہ کو علم ہے کہ انہوں نے یہ اموال کہاں سے حاصل کئے ہیں اور انہیں کس راہ میں صرف کیا ہے؟!

(۸) اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِ ۙ	کیا ہم نے اس (انسان) کے لئے دو آنکھیں قرار نہیں دیں؟
(۹) وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيۡنِ ۙ	اور ایک زبان اور دو ہونٹ (اسے نہیں دیئے)؟
(۱۰) وَ هَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ ۚ	اور ہم نے اسے اس کی بھلائی اور برائی کی دونوں راہیں دکھا دیں۔

تفسیر

آنکھ، زبان اور ہدایت کی نعمت

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں سرکشی کرنے والے انسانوں کے غرور وغفلت کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی، زیر بحث آیات میں انسان پر اللہ کی اہم ترین مادی ومعنوی نعمتوں کا کچھ حصہ بیان کرتا ہے تاکہ ایک طرف تو اس کے غرور وغفلت کو توڑے اور دوسری طرف اسے ان نعمتوں کو خلق کرنے والے میں تفکر اور غور وخوض کرنے پر آمادہ کرے اور اس کے دل وجان کے اندر شکر گزاری کے احساس کو بیدار کر کے اسے خالق کی معرفت کی طرف چلائے۔

پہلے فرماتا ہے: ''کیا ہم نے اس انسان کے لئے دو آنکھیں قرار نہیں دیں۔''

''اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)''؟! ''اور ہم نے اسے اس کی بھلائی اور برائی کی دونوں راہیں دکھا دیں۔''

آنکھ کی اہمیت کے بارے میں بس اتنا کافی ہے کہ:

یہ بیرونی دنیا سے انسان کے رابطہ کے لئے ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔آنکھ کے عجائبات اس قدر ہیں کہ وہ واقعی طور پر انسان کو خالق کے مقابلہ میں خضوع کرنے پر آمادہ کردیتے ہیں، آنکھ کے سات طبقے جو صلبیہ (قرینہ) مشیمیہ، عنبیہ، جلدیہ، زلالیہ، زجاجیہ اور شبکیہ کے نام سے موسوم ہیں، ان میں سے ہر ایک عجیب وغریب اور عمدہ ساخت رکھتا ہے جن میں نور روشنی اور آئینوں سے مربوط طبیعاتی اور جسمانی قوانین کا بہت ہی باریک بینی کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے۔اس طرح سے کہ تصویرکشی کی ترقی یافتہ ترین دوربینیں بھی اس کے مقابلہ میں بے قدر و قیمت ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا میں انسان کے سوا، اور سارے وجود انسان میں آنکھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی تو اس کی عجائبات کا مطالعہ پروردگار کے عظیم علم وقدرت کی شناخت کے لئے کافی تھا۔

باقی رہی ''زبان'' تو وہ انسان کے لئے دوسرے انسانوں سے ارتباط، اور ایک قوم سے دوسری قوم، اور ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف اطلاعات ومعلومات کے نقل ہونے، اور مبادلہ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔اور اگر یہ ارتباط کا ذریعہ نہ ہوتا تو انسان ہرگز بھی علم ودانش اور مادی تمدن اور معنوی مسائل میں اس حد تک ترقی نہ کرسکتا۔

باقی رہے ''لب'' تو ''اولاً'' بول چال میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ بہت سے حروف لبوں ہی کے ذریعے ادا ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ ہونٹ کے چبانے، اور منہ کی رطوبت کو محفوظ رکھنے اور پانی کے پینے میں بہت زیادہ مدد کرتے ہیں، اور اگر یہ نہ ہوتے تو انسان کے کھانے پینے کا مسئلہ، یہاں تک کہ اس کے چہرہ کا منظر، اس کے لعاب دہن کے باہر کی طرف بہنے کی وجہ سے، اور بہت سے حروف کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھنے کی بناء پر افسوس ناک ہوتا۔

''**وهديناه النجدين**.'' (ہم نے اسے بھلائی کے دونوں راستے دکھادیئے) کا جملہ علاوہ اس کے کہ وہ انسان کے ارادہ کی آزادی اور اختیار کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے، اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ''نجد'' اونچی جگہ کو کہتے ہیں لہٰذا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خیر اور بھلائی کی راہ کو طے کرنا مشکلات، زحمت اور رنج سے خالی نہیں ہے، جیسا کہ اونچی زمینوں کی طرف جانا مشکل ہے یہاں تک کہ شر اور برائی کی راہوں کو طے کرنا بھی مشکلات رکھتا ہے۔لہٰذا کیسی اچھی بات ہے کہ انسان سعی وکوشش سے خیر کی راہ کو اختیار کرے۔

لہٰذا ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے خداوندتعالیٰ آدم علیہ السلام کی اولاد سے کہتا ہے۔

''اے اولاد آدم علیہ السلام! اگر تیری زبان تجھے کسی فعل حرام پر ابھارنا چاہے، تو میں نے اسے روکنے کے لئے دو ہونٹ تیرے اختیار میں دیئے ہیں۔پس تو ہونٹوں کو بند کرلے اور اگر تیری آنکھ تجھے حرام کی طرف لے جانا چاہے تو میں نے پلکیں تیرے اختیار میں دے دی ہیں تو انہیں بند کرلے......''

امیر المومنین علی علیہ السلام اپنی ایک قابل قدر گفتگو میں فرماتے ہیں:

''تعجب ہے اس انسان پر جو چربی کے ایک ٹکڑے سے دیکھتا ہے، اور گوشت کے ایک ٹکڑے سے بولتا ہے۔ ہڈی سے سنتا ہے سوراخ سے سانس لیتا ہے اور وہ ان بزرگ حیاتی کاموں کو ان چھوٹے سے وسائل کے ذریعے انجام دیتا ہے''۔

یہ آگاہی تین طریقوں سے انجام پاتی ہے:

۱۔ عقلی ادراکات اور استدلال کے طریق سے،

۲۔ فطرت و وجدان کے طریق سے، جس میں استدلال کی ضرورت نہیں ہوتی،

۳۔ وحی اور انبیاء و اوصیاء کی تعلیمات کے طریق سے۔ اور تکامل کی راہ کو طے کرنے کے لئے انسان کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ان کی اللہ نے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک یا بہت سے موارد میں ان تینوں ہی طریقوں سے اسے تعلیم دی ہے۔

(۱۱) فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ	لیکن وہ (ناشکرا انسان) اس اہم گھاٹی سے اوپر نہیں گیا۔
(۱۲) وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ	اور تجھے کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟
(۱۳) فَکُّ رَقَبَةٍ	غلام کو آزاد کرنا ہے۔
(۱۴) اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ	یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔
(۱۵) یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	رشتہ داروں میں سے کسی یتیم کو۔
(۱۶) اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ	یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو۔
(۱۷) ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ	پھر اسے ایسے لوگوں میں سے ہونا چاہئے جو ایمان لائے ہیں اور جو ایک دوسرے کو صبر و شکیبائی اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔

(۱۸) أُولَئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ	وہ اصحاب الیمین ہیں (اوران کے نامۂ اعمال کوان کے دائیں ہاتھ میں دیں گے)۔
(۱۹)وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَاهُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ	اور جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا، وہ بدبخت لوگ ہیں اوران کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔
(۲۰) عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّوْصَدَةٌ ۬	ان کو آگ نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔

تفسیر

دشوار گزار گھاٹی

ان عظیم نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد، جو گزشتہ آیات میں آئی تھیں، زیرنظر آیات میں ناشکرگزار بندوں کو مورد ملامت و سرزنش قرار دیتا ہے، کہ ان تمام وسائل سعادت کے ہوتے ہوئے انہوں نے نجات کی راہ کیوں طے نہیں کی، پہلے فرماتا ہے:۔

''یہ ناشکرا انسان اس عظیم گھاٹی سے اوپر نہیں گیا۔''

اس بارے میں کہ یہاں عقبہ سے کیا مراد ہے، بعد والی آیات اس کی تفسیر کرتی ہیں۔

فرماتا ہے:''تو نہیں جانتا وہ گھاٹی کیا ہے''؟:

''غلام کو آزاد کرنا ہے۔''

''یا بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔''

''قریبیوں میں سے کسی یتیم کو''

''یا خاک پر پڑے ہوئے مسکین کو''

اس طرح یہ دشوار گزار گھاٹی جس سے گزرنے کے لئے ناشکرے انسانوں نے ہرگز خود کو تیار نہیں کیا ہے، اعمال خیر کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو ارادی طور پر خدمت خلق اور کمزوروں اور ضعیفوں کی مدد کرنے کے گرد گھومتا ہے، اوران صحیح اور خالص عقائد کا مجموعہ بھی ہے جن کی طرف بعد والی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے، کہ اس شدید لگاؤ کو دیکھتے ہوئے، جو عام طور سے لوگ مال وثروت کے ساتھ رکھتے ہیں، اس دشوار گزار گھاٹی سے گزرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

''امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام جب کھانا کھانا چاہتے تھے تو یہ حکم دیتے تھے کہ ایک بہت بڑی سینی دسترخوان کے پاس رکھ دی جائے، اور دسترخوان پر جتنے کھانے ہوتے تھے ان میں سے بہترین کھانا اٹھا کر اس سینی میں ڈال دیتے تھے، اور پھر یہ حکم دیتے تھے کہ وہ حاجت مندوں کو دے دیں۔ پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے: **فلا اقتحم العقبة**...... اس کے بعد مزید فرماتے: خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ سب لوگ غلاموں کو آزاد کرنے پر قادر نہیں ہیں، لہٰذا اپنی بہشت کی طرف ایک اور راستہ بھی قرار دیا ہے۔''

بعد والی آیت میں، اس تفسیر کو جاری رکھتے ہوئے، جو اس دشوار گزار گھاٹی کے لئے یہاں فرمائی ہے، مزید کہتا ہے: ''پھر وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں، اور ایک دوسرے کو صبر واستقامت اور رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔''

اس طرح سے وہ لوگ اس دشوار گزار گھاٹی سے عبور کر لیں گے جو صاحب ایمان بھی ہوں اور صبر کی دعوت کرنے اور عواطف انسانی جیسے اعلیٰ اخلاق بھی رکھتے ہوں اور انہوں نے غلاموں کو آزاد کرنے اور یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے جیسے اعمال صالح بھی انجام دیئے ہوں۔

اور ان اوصاف کے آخر میں ان اوصاف کے حاملین کے مقام کو اس طرح بیان فرماتا ہے: ''وہ اصحاب یمین ہیں۔''

اس کے بعد اس گروہ کے نقطۂ مقابل یعنی ان لوگوں کا بیان کرتے ہوئے، جو اس دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرے، فرماتا ہے:

وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کر دیا، ایسے بد بخت اور شوم ہیں کہ ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔''

اور یہ اس بات کی نشانی ہے کہ ان کا ہاتھ حسنات اور نیکیوں سے خالی ہے اور ان کا نامۂ اعمال سیئات اور برائیوں سے سیاہ ہے۔

یعنی یہ کافر گروہ شوم، بدبخت اور نا مبارک افراد ہیں جو اپنی بدبختی کا سبب بھی ہیں اور معاشرے کی بدبختی کا بھی، لیکن چونکہ قیامت میں بد بخت وشوم ہونا اور مبارک ہونا اس چیز سے پہچانا جائے گا کہ ان کا نامۂ اعمال ان کے بائیں یا دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ لہٰذا بعض نے اس تفسیر کو اسی وجہ سے پسند کیا ہے،

اس سورہ کی آخری آیات میں آخری گروہ کی سزا کی طرف ایک مختصراور پر معنی اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ان کے اوپر آگ ہے، جوانہیں ہرطرف سے گھیرے ہوئے ہے، جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے۔''

''**مؤصدة**'' ''**ایصاد**'' کے مادہ سے دروازہ کو بند کرنے اوراسے محکم کرنے کے معنی میں ہے۔ یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ انسان اس کمرے میں جس کی فضا گرم ہو یہ چاہتا ہے اس کے دروازوں کو کھول دے، تا کہ تازہ ہوا آئے اور فضا کی گرمی کو معتدل کر دے۔

اب سوچنا چاہئے کہ دوزخ کی جلانے والی بھٹی میں، جبکہ تمام دروازے بند ہو جائیں، کیا حالت پیدا ہوگی؟

سورة الشّمس

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اوراس کی ۱۵ آیات ہیں،

سورۂ الشّمس اور اس کی فضیلت

یہ سورہ جو حقیقت میں ''تہذیب نفس'' اور دلوں کو آلائشوں اور ناپاکیوں سے پاک کرنے والا سورہ ہے، اسی معنی کے محور پر گردش کرتا ہے البتہ اس سورہ کے آغاز میں، اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے فلاح ورستگاری تہذیب نفس کی مرہون منت ہے، عالم خلقت کے گیارہ اہم موضوعات اور اللہ کی ذات پاک کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور قرآن مجید کی بیشتر قسموں کو مجموعی طور پر اپنے اندر سمو لیا ہے۔

اور سورہ کے آخر میں باغی اور سرکش قوموں میں سے ایک کا ذکر، جو تہذیب نفس کو ترک کرنے کی بنا پر ابدی اور دائمی شقاوت وبدبختی میں ڈوب گئی تھی، اور اللہ نے اسے شدید عذاب میں گرفتار کیا تھا، یعنی قوم ''ثمود''......بطور نمونہ پیش کرتا ہے،

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا تو گویا اس نے ان تمام چیزوں کی تعداد میں جن پر سورج اور چاند طلوع کرتے ہیں صدقہ دیا ہے''

اور مسلمہ طور پر یہ فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو اس چھوٹے سے سورہ کے عظیم مطالب پر دل وجان سے عمل کرے اور تہذیب نفس کو اپنا قطعی وظیفہ سمجھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰہَا ۪ۙ	سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم۔
(۲) وَ الۡقَمَرِ اِذَا تَلٰہَا ۪ۙ	اور چاند کی جب کہ وہ اس کے پیچھے آئے۔
(۳) وَ النَّہَارِ اِذَا جَلّٰہَا ۪ۙ	اور دن کی جب کہ وہ صفحۂ زمین کو روشن کرے۔
(۴) وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰہَا ۪ۙ	اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ زمین کو ڈھانپ لے۔
(۵) وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰہَا ۪ۙ	اور قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے بنایا۔
(۶) وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰہَا ۪ۙ	اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔
(۷) وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰہَا ۪ۙ	اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور جس نے اسے درست کیا۔

(۸)فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا	پھراسے فجور وتقوی(خیروشر) کاالہام کیا۔
(۹) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا	کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا۔
(۱۰) وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا	اور جس نے اپنے نفس کو معصیت اور گناہ سے آلودہ کیا وہ ناامید اور محروم ہوا۔

تفسیر

تہذیب نفس کے بغیر نجات ممکن نہیں

وہ پے در پے اور اہم قسمیں جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں ایک حساب سے ''گیارہ'' قسمیں ہیں اور دوسرے حساب سے ''سات'' قسمیں ہیں اور قرآن کی بیشتر قسموں کو اپنے اندر سمویا ہوا ہے۔ یہ چیز اس بات کی اچھی طرح سے نشان وہی کرتی ہے کہ یہاں کوئی بہت ہی اہم مطلب درپیش ہے ایسا مطلب جو آسمانوں، زمین، سورج اور چاند کی عظمت کے برابر ہے اور ایک ایسا مطلب ہے جو سرنوشت ساز اور حیات بخش ہے۔

پہلے ضروری ہے کہ ہم ان قسموں کی تشریح وتفسیر پیش کریں اور اس کے بعد اس نہایت اہم مطلب پر غور کریں جس کے لئے یہ سب قسمیں کھائی گئی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے: ''سورج اور اس کی روشنی کے پھیلنے کی قسم'':

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں قرآن کی قسموں کے عام طور پر دو مقصد ہوتے ہیں، پہلا مقصد اس مطلب کی اہمیت جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے اور دوسرا ان امور کی اہمیت جن کی قسم کھائی گئی ہے کیونکہ قسم ہمیشہ اہم موضوعات کی کھائی جاتی ہے۔

''سورج'' کا انسان اور تمام زندہ زمینی موجودات کی زندگی میں اہم ترین اور پائندہ ترین نقش واثر ہے، کیونکہ اس بات کے علاوہ کہ وہ نور روشنی اور حرارت کا منبع ہے، اور یہ دونوں انسانی زندگی کے اصلی عوامل میں سے شمار ہوتے ہیں۔ دوسرے حیاتی منابع بھی اسی کے سبب سے وجود آتے ہیں۔ ہواؤں کا چلنا، بارش کا برسنا، نباتات کی پرورش، دریاؤں اور آبشاروں کا چلنا، یہاں تک کہ قوت پیدا کرنے والے منابع کا ظاہر ہونا، جیسا کہ تیل و پٹرول اور پتھر کا کوئلہ وغیرہ، اگر ہم صحیح طور پر غور کریں تو ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صورت میں سورج کی روشنی سے ارتباط رکھتا ہے اس طرح سے کہ اگر کسی دن یہ حیات بخش چراغ خاموش ہو جائے تو تاریکی وسکوت اور خاموشی وموت ہر جگہ کو گھیر لے۔

اس کے بعد تیسری قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''قسم ہے چاند کی جب کہ وہ سورج کے پیچھے پیچھے آئے'' یہ تعبیر۔ جیسا

کہ مفسرین کی ایک جماعت نے کہا ہے۔حقیقت میں چاند کے بدر کامل ہونے پر شکوہ ہوتا ہے لہٰذا اس کی قسم کھائی ہے۔

چوتھی قسم میں مزید کہتا ہے: اور دن کی قسم ہے جب کہ وہ صفحۂ زمین کو روشن کردے۔''

اس اہم آسمانی مخلوق کی قسم اس کی نوع بشر اور تمام زندہ موجودات کی زندگی میں اس کی حد سے زیادہ تاثیر کی بناء پر ہے، کیونکہ دن حرکت، جنبش اور حیات کا مظہر ہے، اور زندگی کی تمام جدوجہد، کشش اور کوشش عام طور پر دن کی روشنی میں ہی صورت پذیر ہوتی ہے۔

پانچویں قسم میں فرماتا ہے: ''رات کی قسم جب کہ وہ صفحۂ زمین (یا سورج) کو ڈھانپ دیتی ہے''

رات اپنی تمام برکات و آثار کے ساتھ ایک طرف تو سورج کی دن کی حرارت میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف تمام زندہ موجودات کے آرام وسکون اور راحت پانے کا سبب بنتی ہے۔چھٹی اور ساتویں قسم میں آسمان اور خالق آسمان کی طرف توجہ کرتا ہے اور مزید فرماتا ہے: قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے آسمان کو بنایا''

ایسی خیرہ کرنے والی عظمت کے ساتھ آسمان کی اصل خلقت، عالم خلقت کے عظیم عجائبات میں سے ہے، اور ان تمام ستاروں، اجرام سماوی اور ان پر حاکم نظام ایک تعجب خیز چیز ہے۔اور ان سب سے زیادہ اہم آسمان کا خالق ہے۔

پھر آٹھویں اور نویں قسم میں ''زمین'' اور ''زمین کے خالق'' کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے زمین کو بچھایا'۔

زمین جو انسان اور تمام زندہ موجودات کی زندگی کا گہوارہ ہے۔

زمین جو اپنی تمام حیرت انگیز چیزوں: پہاڑوں، سمندروں، درّوں، جنگلوں، چشموں، دریاؤں، معدن اور اس کے گرانبہا منابع کے ساتھ، کہ ان میں سے ہر ایک اکیلا بھی حق تعالےٰ کی آیات میں سے ایک آیت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اور اس سے برتر و بالاتر اس زمین کا خالق اور وہ ذات ہے کہ جس نے اسے بچھایا ہے۔

اور آخر میں ''دسویں'' اور ''گیارہویں'' قسم کو پیش کرتے ہوئے جو اس سلسلہ کی آخری قسم ہے' فرماتا ہے: ''قسم ہے انسان کے نفس کی، اور اس ذات کی، جس نے اسے مرتب ومنظّم کیا ہے''۔

وہی انسان جو عالم خلقت کا خلاصہ، جہان ملک وملکوت کا نچوڑ اور عالم آفرینش کا گل سر سبز ہے۔

یہاں ''نفس'' سے مراد انسان کی جسم وروح دونوں۔

پھر ''سواھا'' مراد (جو تسویہ کے مادہ سے ہے) انسان کے روحی قویٰ اور استعدادوں کی خاطر، حواس ظاہری سے لے کر ادراک، حافظہ، انتقال، تخیل، ابتکار، ارادہ، تصمیم اور اسی قسم کے قویٰ، جو ''علم النفس'' کے مباحث میں بیان ہوئے ہیں، تنظیم وتعدیل

ہے۔

پھر بدن کے تمام حیرت انگیز نظاموں اور اس کے مختلف کارخانوں کو۔ جن کے بارے میں علم ''تشریح الا عضاء'' اور ''فزیالوجی'' (افعال الاعضاء) میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

کیونکہ اللہ کی قدرت کی حیرت انگریز چیزیں جسم میں بھی موجود ہیں اور روح میں بھی، اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتیں۔

بعد والی آیت میں انسان کی خلقت سے مربوط ایک اہم ترین مسلہ کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''انسان کے قویٰ اور جسم وروح کی تنظیم کرنے کے بعد اسے ''فجور'' و ''تقویٰ'' کا الہام کیا''

ہاں! جب اس کی خلقت کی تکمیل ہوگئی اور اس کی ''ہستی'' وجود میں آ گئی تو اللہ نے اسے ''بایدھاو نبایدھا'' (جو کام کرنا چاہئیں اور جو کام نہیں کرنے چاہیں) کی تعلیم دی۔ اور اس طرح سے وہ ایک ایسا وجود بن گیا جو خلقت کے لحاظ سے ''سڑی ہوئی گیلی مٹی اور روح الٰہی کا مجموعہ ہے، تعلیمات کے لحاظ سے ''فجور تقوی سے آگاہ ہے'' اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک ایسا وجود ہے جو قوس صعودی میں فرشتوں سے برتر ہوسکتا ہے، فرشتوں سے بھی آگے پرواز کرسکتا ہے، اور جو بات وہم میں بھی نہ آئے وہ بن سکتا ہے' جبکہ قوس نزولی میں درندہ جانوروں سے بھی پست تر ہو جائے اور ''بل ھم اضل'' کے مرحلے تک جا پہنچے، اور یہ چیز اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنے ارادہ اختیار کے ساتھ کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔

''جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ نجات پائے گا''

ہاں! رست گاری اور نجات اس شخص کے لئے ہے جو اپنے نفس کی تربیت اور نشو ونما کرے اور اسے شیطانی اخلاق وعادات' گناہ وعصیان اور کفر سے پاک رکھے۔

حقیقت میں انسان کی زندگی کا اصلی مسلہ یہی ''تزکیہ'' ہی ہے کہ اگر یہ ہوتو وہ سعادت مند ہے ورنہ بد بخت دبے نور ہے۔ اس کے بعد گروہ مخالف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے،: ناامید وبد بخت ہوا شخص جس نے اپنے نفس کو معصیت وگناہ سے آلودہ کیا۔''

اس طرح سے دنیاوی زندگی کے میدان میں کامیاب ہونے والے اور شکست کھانے والے مشخص ہو جاتے ہیں اور ان دونوں گروہوں کی قدر قیمت کا معیار ''تزکیہ نفس اور روح تقویٰ واطاعت خداوندی نمو ورشد'' یا ''انواع واقسام کے معاصی اور گناہوں سے آلودگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت آیہ ''قد افلح من زکاھا'' کی تلاوت کی تو توقف فرمایا اور اس

طرح دعا کیا کرتے تھے

''خداوندا! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما، تو اس کا ولی ومولا ہے، اور اس کا تزکیہ فرما، کیونکہ تو بہترین تزکیہ کرنے والا ہے۔''

(۱۱) كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَا	قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔
(۱۲) اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰٮهَا	جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔
(۱۳) فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقۡيٰهَا	اور اللہ کے بھیجے ہوئے رسول (صالح) نے ان سے کہا: اللہ کے ناقے کو اس کے پانی پینے کے لئے چھوڑ دو۔
(۱۴) فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا	لیکن انہوں نے اس (رسول) کی تکذیب کی، اور ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں، اور اسے ہلاک کر دیا، لہٰذا ان کے اللہ نے انہیں اس گناہ کی وجہ سے تباہ کر دیا، اور ان کی زمین کو ہموار کر دیا۔
(۱۵) وَ لَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا	اور اللہ کو اس کام کے کرنے میں کوئی خوف نہیں ہے۔

تفسیر

سرکشوں کا ہلاکت خیز انجام

اس تنبیہ کے بعد، جو گزشتہ آیات میں ان لوگوں کے انجام کے بارے میں آئی تھی، جو اپنے نفس کو آلودہ کرتے ہیں، ان آیات میں نمونہ کے طور پر اس مطلب کی ایک واضح تاریخی مثال کو پیش کیا ہے اور سرکش قوم (ثمود) کی سرنوشت کو قاطع اور پر معنی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''قوم ثمود نے سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر کی) تکذیب کی۔''

''طغویٰ'' اور ''طغیان'' دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، اور وہ حد سے سرحد سے تجاوز کرنا ہے اور یہاں حدود الٰہی سے تجاوز کرنا اور اس کے فرامین کے مقابلہ میں سرکشی کرنا مراد ہے۔

قوم ثمود، جن کے پیغمبر کا نام ''صالح'' تھا قدیم ترین اقوام میں سے ہے، جو ''حجاز'' اور ''شام'' کے درمیان ایک کوہستانی

علاقے میں رہتی تھی۔ان کی زندگی مرفہ الحال تھی، زمینیں آباد، ہموار میدان اور زراعت کے لئے عمدہ مٹی، شان وشوکت والے محلات، اور مضبوط و مستحکم گھر رکھتے تھے لیکن نہ صرف یہ کہ ان سب نعمتوں کا شکرادانہیں کرتے تھے، بلکہ سرکشی کرتے ہوئے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کی تکذیب کے لئے کھڑے ہوگئے، آیات الٰہی کا مذاق اڑایا اور آخر کار اللہ نے انہیں ایک آسمانی بجلی کے ذریعے نابود کردیا۔

اس کے بعد اس قوم کی ایک ظاہری سرکشی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: جب کہ ان کا ایک شقی ترین آدمی اٹھ کھڑا ہوا''

''اشقی'' اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس نے ناقۂ صالح علیہ السلام کو ہلاک کیا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا:

من اشقی الاولین؟ (پہلی قوموں میں سب سے زیادہ شقی اور سنگ دل کون تھا)۔

علی علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا:

''**عاقر الناقة**'' (وہ شخص جس نے ناقۂ ثمود کی کونچیں کاٹ کر ہلاک کردیا تھا)۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''**صدقت، فمن اشقی الاٰخرین**''؟ (تم نے سچ کہا۔آخری اقوام کا شقی ترین آدمی کون ہے؟)

علی علیہ السلام کہتے ہیں: میں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے معلوم نہیں ہے، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''**الذی یضربک علی هذه، و اشار الی یافوخه**'' (جو شخص تیرے سر کے اس مقام پر تلوار کی ضرب لگائے گا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی پیشانی کے اوپر والے حصہ کی طرف اشارہ کیا)۔

بعد والی آیت میں قوم ثمود کی سرکشی کے بارے میں مزید تشریح پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: اللہ کے رسول (حضرت صالح علیہ السلام) نے ان سے کہا: اللہ کے ناقہ کو اس کا پانی پینے کے لئے آزاد چھوڑ دو اور اس کی مزاحمت نہ کرو''

یہاں ''رسول اللہ'' سے مراد قوم ثمود کے پیغمبر، حضرت صالح علیہ السلام ہیں، اور ناقۃ اللہ (وہ اونٹنی جو اللہ کی طرف منسوب ہے) کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اونٹنی کوئی معمولی اونٹنی نہیں تھی بلکہ صالح علیہ السلام کے دعویٰ کی صداقت کی ایک گویا و ناطق سند اور معجزہ کے عنوان سے بھیجی گئی تھی۔مشہور روایت کے مطابق اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مذکورہ اونٹنی پہاڑ کے ایک پتھر کے اندر سے نکلی تھی تا کہ وہ ہٹ دھرم منکرین کے لئے ایک گویا و ناطق معجزہ ہو۔

اور بعد والی آیت میں فرماتا ہے: اس سرکش قوم نے اس عظیم پیغمبر کے کلمات اور اس کی تنبیہات کی کوئی پرواہ نہ کی، اس کی تکذیب کی اور ناقہ کو ہلاک کردیا''۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص نے ناقہ کو ہلاک کیا تھا وہ صرف ایک ہی تھا جسے قرآن نے ''اشقی'' سے تعبیر کیا ہے۔لیکن اوپر والی آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عمل کی قوم ثمود کے تمام سرکشوں اور طغیان گروں کی طرف نسبت دی گئی ہے،اور ''عقروھا'' جمع کے صیغہ کی صورت میں آیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس طرح سے اس کام میں حصہ دار تھے۔

اس تکذیب اور شدید مخالفت کے بعد اللہ نے انہیں ایسی سزا دی کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا،جیسا کہ اسی آیت کو جاری رکھتے ہوئے فرماتا ہے:''ان کے پروردگار نے ان کے اس گناہ کی بناء پر جس کے وہ مرتکب ہوئے تھے سب کو نابود کر دیا،اور ان کی سرزمین کو صاف اور ہموار بنا دیا۔''

انجام کار آخری آیت میں ان تمام لوگوں کو جو اسی راستہ پر چلتے ہیں،سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''اور اللہ کو اس کام کے انجام کا کوئی خوف نہیں ہے۔''بہت سے ایسے حاکم ہیں جو سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں،لیکن وہ ہمیشہ اس کے نتیجہ اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں،ان کے ردعمل اور عکس العمل سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اسی بناء پر اپنی قدرت سے فائدہ نہیں اٹھاتے،اور زیادہ صحیح تعبیر میں ان کی قدرت ضعف وناتوانی کے ساتھ اور ان کا علم جہالت کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان میں اس کے برے نتائج کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو۔

لیکن خداوند قادر ومتعال جس کا علم ان تمام امور ان کے عواقب وآثار پر احاطہ رکھتا ہے،اور اس کی قدرت میں حوادث کے برے نتائج کا مقابلہ میں کسی قسم کے ضعف وناتوانی کی آمیزش نہیں ہوتی۔اور اسی بناء پر انتہائی قدرت اور قاطعیت کے ساتھ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے انجام دے دیتا ہے۔

سورۂ اللیل

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس کی ۲۱ آیات ہیں

سورۂ اللیل کے مضامین

یہ سورہ جو مکی سورتوں میں سے ہے اور مکی سورتوں کی خصوصیات کا حامل ہے، مختصر آیات کے ٹکڑوں میں ہے، لیکن ان کے مضامین گرما گرم اور تیز ہیں، اور زیادہ تر قیامت، خدائی جزا و سزا اور اس کے عوامل و اسباب کے بارے میں ہیں۔

ابتداء میں تین قسموں کو ذکر کرنے کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ تقویٰ کے ساتھ انفاق کرنے والے۔

۲۔ وہ بخیل جو قیامت کے اجر و پاداش کے منکر ہیں۔ پہلے گروہ کا انجام خوش بختی اور راحت و آرام ہے جبکہ دوسرے گروہ کا انجام کار سختی، تنگی اور بدبختی ہے۔

اس سورہ کے دوسرے حصہ میں اس معنی کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ بندوں کو ہدایت کرنا اللہ کا کام ہے، سب لوگوں کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے۔

اور آخری حصہ میں، ان لوگوں کے، جو اس آگ میں جلیں گے، اور اس گروہ کے، جو اس سے نجات پائیں گے، اوصاف بیان کرتے ہوئے تعارف کرایا ہے۔

سورۂ اللیل کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اللہ اسے اس قدر عطا کرے گا کہ وہ راضی اور خوش ہو جائے گا، اور اسے سختیوں سے نجات دے گا اور زندگی کی راہوں کو اس کے لئے آسان کر دے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شرع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ	قسم ہے رات کی جب کہ وہ عالم کو ڈھانپ لے۔
(۲) وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ	اور قسم ہے دن کی جب وہ ظاہر ہو۔
(۳) وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ۙ	اور قسم ہے اس کی جس نے مذکر و مونث خلق کئے۔
(۴) اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ	کہ تمہاری سعی و کوشش مختلف ہے۔

(۵)فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی ۙ	پس وہ شخص کہ جو (راہ خدا میں) انفاق کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔
(۶)وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ	اور (اللہ کی) نیک جزا کی تصدیق کرے۔
(۷) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ؕ	ہم اس کی راہوں کو آسان بنادیں گے۔
(۸)وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰی ۙ	لیکن جو شخص بخل کرے، اور اس طریقہ سے بے نیاز ہونا چاہئے۔
(۹)وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۙ	اور (اللہ کی) اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے۔
۱۰)فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ؕ	ہم عنقریب اس کی راہوں کو دشوار بنادیں گے۔
(۱۱)وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ؕ	اور جس وقت وہ (جہنم یا قبر میں) گرے گا تو اس کے اموال اس کی حالت کے لئے مفید نہیں ہوں گے۔

شان نزول

مفسرین نے اس سالم سورہ کے لئے ابن عباسؓ سے ایک شان نزول نقل کی ہے۔ہم اس شان نزول کو مرحوم طبرسی کی ''مجمع البیان'' سے نقل کرتے ہیں:

مسلمانوں میں سے ایک شخص کھجور کے درخت کی ایک شاخ ایک فقیر عیال دار کے گھر کے اوپر پہنچی ہوئی تھی۔کھجور والا جب خرمے اتارنے کے لئے درخت پر چڑھتا تو بعض اوقات خرمے کے کچھ دانے اس فقیر آدمی کے گھر جا گرتے، اور اس کے بچے انہیں اٹھالیتے، وہ شخص کھجور کے درخت سے اتر کر خرمے ان سے چھین لیتا، (اور وہ اتنا بخیل اور سنگدل تھا کہ) اگر ان میں سے کسی کے منہ میں بھی خرمہ کا دانہ دیکھتا تو اس کے منہ میں انگلی ڈال کر نکال لیتا۔اس مرد فقیر نے پیغمبرﷺ کی خدمت میں شکایت کی: حضور نے فرمایا: تم جاؤ میں تمہارا یہ کام کرتا ہوں۔'' اس کے بعد آپ نے کھجور والے سے ملاقات کی اور فرمایا یہ درخت جس کی شاخیں فلاں گھر کے اوپر پہنچی ہوئی ہیں، مجھے دے دے تاکہ اس کے مقابلہ میں جنت میں ایک درخت ہو۔اس نے کہا میرے پاس کھجور کے بہت سے درخت ہیں لیکن کسی کے خرمے اس درخت جیسے اچھے نہیں ہیں۔(لہذا میں یہ سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں)۔

اصحاب پیغمبر میں سے کسی نے یہ گفتگو سن لی۔ اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں جا کر یہ درخت اس شخص سے خرید لوں اور آپ کو دے دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی چیز جو اس کو دے رہے تھے مجھے عطا فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

اس شخص نے جا کر درخت والے سے ملاقات کی اور اس سے اس سلسلہ میں بات کی۔ کھجور کے مالک نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بدلے میں جنت میں کھجور کا ایک درخت مجھے دینے کے لئے تیار تھے۔ (لیکن میں نے قبول نہیں کیا) اور میں نے انہیں یہ کہہ دیا کہ میں اس کے خرموں سے بہت لذت اندوز ہوتا ہوں، میرے پاس بہت سے کھجور کے درخت ہیں، لیکن کسی کے خرمے اتنے اچھے نہیں ہیں۔

خریدار نے کہا: کیا تو اسے بیچنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں بیچوں گا، مگر صرف اس صورت میں کہ تو اتنی رقم مجھے دے کہ کوئی بھی اتنی رقم نہیں دے گا۔ اس نے کہا: تو کتنی رقم لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا چالیس درخت۔

خریدار نے تعجب کرتے ہوئے کہا: تو ایسے کھجور کے درخت کی جو ٹیڑھا ہو چکا ہے بہت ہی بھاری قیمت مانگتا ہے۔ چالیس کھجور کے درخت!

پھر تھوڑے سے سکوت کے بعد اس نے کہا: بہت اچھا، میں خرمے کے چالیس درخت تجھے دیتا ہوں۔

بیچنے والے (لالچی) نے کہا: اگر تو سچ کہتا ہے تو کچھ آدمیوں کو گواہی کے لئے بلا لے! اتفاقاً کچھ لوگوں سے گزر رہے تھے اس نے انہیں آواز دی اور انہیں اس معاملہ پر گواہ بنایا:

اس کے بعد وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: ''اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کھجور کا درخت میری ملکیت میں آیا ہے اور میں اسے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ مبارک میں) پیش کرتا ہوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقیر کے گھر والوں کے پاس گئے اور صاحب خانہ سے کہا: ''یہ کھجور کا دخت تیرا اور تیرے بچوں کا ہے۔''

اس موقع پر سورہ ''واللیل'' نازل ہوئی۔ (اور بخیلوں اور سخیوں کے بارے میں ان کے لائق باتیں کہیں)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس خریدار کا نام ''ابوالا خداح'' تھا۔

تفسیر

تقویٰ اور خدائی امدادیں

اس سورہ کے آغاز میں ہم پھر تین فکر انگیز (مخلوقات اور خالق عالم کی) قسموں کا سامنا کر رہے ہیں، فرماتا ہے:

''قسم ہے رات کی جب کہ وہ سارے جہان کو ڈھانپ لے۔''

''یغشیٰ'' کی تعبیر ممکن ہے اس بنا پر ہو کہ رات کی تاریکی پردہ کی طرح آدھے کرہ زمین پر پڑتی ہے، اور اسے اپنے نیچے ڈھانپ لیتی ہے یا اس بناء پر ہے کہ دن کا چہرہ یا آفتاب عالم کا چہرہ اس کے پہنچ جانے سے ڈھک جاتا ہے۔ بہرحال یہ رات کی اہمیت اور انسانوں کی زندگی میں اس کے اثرات کی طرف سورج کے اعتدال سے لے کر، اس کے سائے میں تمام زندہ موجودات کے آرام و سکون اور شب زندہ دار، بیدار دل اور آگاہ افراد کے مسئلہ تک ایک اشارہ ہے۔

اس کے بعد دوسری قسم کو بیان کرتا ہے اور مزید کہتا ہے: ''اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ آشکار و ظاہر ہو۔''

اور یہ اس لمحہ کی بات ہے کہ جب سپیدۂ صبح رات کے ظلماتی پردہ کو چیر دیتا ہے اور تاریکیوں کو پیچھے دھکیل کر سارے صفحۂ آسمانی پر حاکم بن جاتا ہے۔

اس کے بعد آخری قسم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور قسم ہے اس ذات کی جس نے مذکر و مؤنث کی جنس کو پیدا کیا۔''

کیونکہ عالم ''انسان'' و ''حیوان'' اور ''نبات'' میں ان دونوں جنسوں کا وجود، اور وہ تغیرات جو انعقاد نطفہ سے لے کر تولد تک رونما ہوئی ہیں اور وہ خصوصیات وصفات جو دونوں جنسوں میں ان کی فعالیتوں اور پروگراموں کی نسبت سے پائی جاتی ہیں اور وہ بہت سے اسرار جو جنسیت کے مفہوم میں چھپے ہوئے ہیں، یہ سب عظیم عالم آفرینش کی نشانیاں اور آیات ہیں جن کے ذریعے ان کے پیدا کرنے والے سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخرکار ان قسموں کے ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''زندگی کے لئے تمہاری سعی وکوشش مختلف اور گوناگوں ہے۔''

ان کوششوں کی سمت، اور ان کے نتائج بھی مکمل طور پر مختلف اور متفاوت ہیں، جو اس طرف اشارہ ہے کہ تم بہرحال زندگی میں سکون و آرام سے نہیں رہو گے، اور یقینی طور پر سعی وکوشش کے لئے ہاتھ پاؤں مارو گے، اور خداداد قوتوں اور توانائیوں کو، جو تمہارے وجود کا سرمایہ ہیں، کسی نہ کسی راستے میں خرچ کرو گے۔ لہٰذا اب تم خود دیکھو گے کہ تمہاری سعی وکوشش کس راستے، کس سمت اور کس نتیجہ کی حامل ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے تمام سرمایوں اور صلاحیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالو، یا فضول مفت میں ضائع کر بیٹھو۔

اس کے بعد لوگوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی خصوصیات کو شمار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''پس وہ شخص جو راہ اللہ میں بخشش کرے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔''

''اور اللہ کی اچھی جزا پر ایمان رکھتا ہو''۔

''ہم اس کے لئے راستے کو آسان بنا دیں گے اور بہشت جاوداں کی طرف ہدایت کریں گے۔''

اصولی طور پر خدائی عظیم جزاؤں پر ایمان، انسان کے لئے انواع واقسام کی مشکلات کی برداشت کو آسان اور سہل بنا دیتا

ہے، نہ صرف مال بلکہ وہ اپنی جان کو بھی اخلاص کے مطابق گزارتا ہے اور عشق شہادت میں میدان جہاد میں شرکت کرتا ہے، اور اپنی اس قربانی اور ایثار سے لذت حاصل کرتا ہے۔

بعد والی آیات میں اس گروہ کے نقطۂ مقابل کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''لیکن وہ شخص جو بخل کرے اور اس طریقے سے بے نیازی چاہے۔'' ''اور اللہ کی اچھی جزاؤں کی تکذیب کرے''۔

''ہم عنقریب راستوں کو اس پر دشوار اور مشکل بنا دیں گے۔''

''بخل' یہاں ''اعطاء' کا نقطۂ مقابل ہے، جو پہلے گروہ (سعادت مند سخیوں کے گروہ) ۔ میں بیان ہوا ہے۔ ''واستغنیٰ'' (بے نیازی چاہے) یا تو بخل کرنے کے لئے ایک بہانہ ہے، یا مال جمع کرنے کے لئے ایک وسیلہ ہے، اصولی طور پر ان بے ایمان بخیلوں کے لئے نیک اعمال کو انجام دینا، خصوصاً راہ اللہ میں انفاق کرنا سخت اور دشوار کام ہے، جبکہ پہلے گروہ کے لئے نشاط آور اور روح افزا ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں ان دل کے اندھے بخیلوں کو خبر دار کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''جب وہ قبر یا جہنم میں جا گرے گا تو اس کے اموال اس کے کچھ کام نہ آئیں گے۔''

نہ تو وہ ان اموال کو دنیا سے اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے اور اگر وہ لے بھی جائے تو وہ اس کے جہنم کی آگ میں جانے سے مانع نہیں ہوں گے۔

(۱۲) اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ؗ	یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔
(۱۳) وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰی	یقینی طور پر دنیا و آخرت ہماری ہی ملکیت ہے۔
(۱۴) فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ۚ	پس میں تمہیں شعلہ پیدا کرنے والی آگ سے ڈراتا ہوں۔
(۱۵) لَا یَصْلٰهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ۙ	بد بخت ترین لوگوں کے سوا کوئی شخص اس میں داخل نہیں ہوگا۔
(۱۶) الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ؕ	وہی شخص جس نے آیات (خدا کی) تکذیب کی اور پیٹھ پھیر لی۔

(۱۷) وَ سَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ۙ	جب کہ زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والے عنقریب اس سے دور رہیں گے۔
(۱۸) الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۚ	وہی شخص جو اپنے مال کو (اللہ کی راہ) میں بخش دیتا ہے تا کہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔
(۱۹) وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰۤی ۙ	اور کسی شخص کا اس کے پاس کوئی حق نعمت نہیں ہے تا کہ وہ (اس انفاق کے ذریعے) اس کا بدلہ دے۔
(۲۰) اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی ۚ	بلکہ اس کا مقصد تو اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے۔
(۲۱) وَ لَسَوۡفَ یَرۡضٰی ٪	اور وہ عنقریب راضی وخوشنود ہو جائے گا۔

تفسیر

انفاق اور جہنم کی آگ سے دوری

گزشتہ آیات میں لوگوں کے دو گروہوں (مومن سخاوت منداور بے ایمان بخیل) میں تقسیم کرنے ،اوران میں سے ہر ایک کی سرنوشت بیان کرنے کے بعد زیر بحث آیات میں، پہلے اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہمارا کام ہدایت کرنا ہے کسی کو مجبور کرنا نہیں ہے۔اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ مردانہ وار راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔علاوہ ازیں اس راستہ کو طے کرنا خود تمہارے ہی نفع میں ہے اور ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔فرماتا ہے:''یقیناً ہدایت کرنا ہمارے ہی ذمہ ہے۔''

چاہے تکوین (فطرت وعقل) کے طریق سے ہدایت ہو،اور چاہے تشریع (کتاب وسنت) کے طریق سے ہو۔اس سلسلہ میں جو کچھ ضروری تھا وہ ہم نے بیان کر دیا ہے اوراس کا حق ادا کر دیا ہے۔

''اور یقینی طور پر آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت ہے۔'' ہمیں تمہارے ایمان واطاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے، نہ تمہاری اطاعت ہمیں کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اور نہ ہی تمہاری نافرمانی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچتا ہے۔یہ تمام پروگرام تمہارے فائدے کے لئے ہیں اور خود تمہارے لئے ہیں۔

اور چونکہ ہدایت کے شعبوں میں سے ایک خبردار کرنا اور ڈرانا ہے،لہٰذا بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے:اب جب کہ یہ بات

ہے تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلہ ور ہوگی''۔

اس کے بعد اس گروہ کی طرف، جو اس بھڑکتی ہوئی اور جلانے والی آگ میں داخل ہوں گے، اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''بدبخت ترین آدمی کے سوا اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔

اور ''اشقی'' کی توصیف میں فرماتا ہے: ''وہی شخص جو آیات خدا کی تکذیب کرتا ہے اور ان سے پیٹھ پھیر لیتا ہے۔''

اس بناء پر خوش بختی اور بدبختی کا معیار وہی کفر و ایمان ہے یا وہ عملی نتائج جو ان دونوں کے ہوتے ہیں، اور وہ واقعاً جو شخص ہدایت کی ان تمام نشانیوں، اور ایمان وتقویٰ کے امکانات ووسائل کو نظر انداز کردے، تو وہ ''اشقی'' کا مصداق، اور بدبخت ترین شخص ہے۔

اس کے بعد اس گروہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو اس جلانے والی شعلہ بار آگ سے دور ہے، فرماتا ہے: عنقریب سب سے زیادہ تقویٰ کرنے والا آدمی اس بھڑکتی ہوئی آگ سے دور رکھا جائے گا۔''

وہی آدمی جو اپنے مال کو راہ اللہ میں انفاق کرتا ہے اور اس کا مقصد رضائے اللہ کا حصول، تزکیہ نفس، اور اموال کو پاک کرنا ہوتا ہے،۔

''یتزکی'' کی تعبیر حقیقت میں قصد قربت اور نیت خالص کی طرف اشارہ ہے، چاہے یہ جملہ معنوی وروحانی رشد ونمو کے حصول کے معنی میں ہو یا اموال کی پاکیز گی کے حاصل کرنے کے معنی میں، کیونکہ ''تزکیہ'' ''نمو دینے'' کے معنی میں بھی آیا ہے، اور ''پاک کرنے'' کے معنی میں بھی

اس کے بعد ان کے خلوص نیت کے مسئلہ پر، جو وہ خرچ کرنے میں رکھتے ہیں، تاکید کے لئے مزید فرماتا ہے: ''کسی شخص کا اس کے او پر حق نعمت نہیں ہے کہ اس انفاق کے ذریعے اس کی جزا دی جائے''۔

بلکہ اس کا مقصد تو اپنے بزرگ وبرتر پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے۔

انجام کار اس سورہ کی آخری آیت میں اس گروہ کی عظیم و بے نظیر جزاؤں کو پیش کرتے ہوئے ایک مختصر سے جملہ میں فرماتا ہے:

''اور ایسا آدمی عنقریب راضی وخوشنود ہو جائے گا۔''

ہاں! جس طرح سے وہ رضائے اللہ کے لئے کام کرتا ہے، اللہ بھی اس کو راضی کرے گا، ایسی رضا جو مطلق اور بے قید وشرط ہوگی، ایسی رضا جو وسیع وغیر محدود ہوگی، ایسی پر معنی رضا جس میں تمام نعمتیں جمع ہوں گی۔

سورہ ضحیٰ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اور اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

سورہ ''الضحیٰ'' کے مضامین

یہ سورہ جو مکی سورتوں میں سے ہے، اور بعض روایات کے مطابق اس وقت نازل ہوا جب پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے وقتی طور پر منقطع ہو جانے اور تاخیر سے پریشان تھے، اور دشمنوں کی زبان کھلی ہوئی تھی، تو یہ سورہ نازل ہوا، اور باران رحمت کی طرح پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک پر اترا، اور انہیں نئی تاب وتوان بخشی اور بدزبانوں کی زبان کو بند کر دیا۔

اس سورہ کی دو قسموں کے ساتھ ابتداء ہوتی ہے۔ اس کے بعد پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ نے آپ کو ہرگز نہیں چھوڑا۔

اس کے بعد آپ کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ اللہ آپ کو اس قدر عطا کرے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

اور آخری مرحلہ میں، پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گزشتہ زندگی کو آپ کی نظر میں مجسم کرتا ہے کہ اللہ نے ہمیشہ آپ کو کس طرح سے اپنی انواع واقسام کی رحمت کا مشمول قرار دیا ہے، اور زندگی کے سخت ترین لحات میں اس نے آپ کی حمایت کی ہے۔

اور اسی لئے آخری آیات میں آپ کو حکم دیتا ہے کہ (اللہ کی ان عظیم نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر) یتیموں اور حاجت مندوں پر مہربانی کریں اور اللہ کی نعمت کو یاد کرتے رہیں۔

سورہ ضحیٰ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ ایسے لوگوں میں سے ہوگا جن سے اللہ راضی ہوگا اور وہ اس لائق ہوگا کہ محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی شفاعت کریں، اور ہر یتیم اور سوال کرنے والے مسکین کے برابر دس حسنات اس کے لئے ہوں گے۔

اور یہ سب فضائل اس کے لئے ہیں جو اسے پڑھے اور اس پر عمل کرے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ متعدد روایات کے مطابق یہ سورہ اور اس کے بعد والا سورہ (سورۂ الم نشرح) ایک ہی سورہ ہیں اور چونکہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنا چاہئے، لہٰذا ان دونوں سورتوں کو اکٹھا ملا کر پڑھنا چاہئے، (یہی بات سورۂ فیل، اور ''لایلاف'' کے بارے میں بھی کہی گئی ہے)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) وَالضُّحٰی ۙ	قسم ہے دن کی۔
(۲) وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ	اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے۔
(۳) مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ	کہ ہرگز نہ تو اللہ نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی تجھ سے خفا ہوا ہے۔
(۴) وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ	اور یقینی طور پر تیرے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔
(۵) وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ	اور عنقریب تیرا رب تجھے اس قدر دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

شان نزول

اس سورہ کے شان نزول کے بارے میں ''ابن عباسؓ'' کہتے ہیں: پندرہ دن گزر گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل نہ ہوئی۔ مشرکین نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پروردگار نے اسے چھوڑ دیا ہے اور اس کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر اس کی یہ بات سچ ہے کہ اس کی ماموریت اللہ کی جانب سے ہے تو پھر اس پر مسلسل وحی نازل ہوتی۔ اس موقع پر اوپر والی سورت نازل ہوئی (اور ان کی باتوں کا جواب دیا)۔

''تو نے دیر لگا دی حالانکہ میں شدت سے تیرا مشتاق تھا،'' تو جبرائیل نے کہا:

وانا کنت اشد الیک شوقا: ''میں تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت زیادہ مشتاق تھا، لیکن میں بندۂ مامور ہوں اور پروردگار کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتا۔''

تفسیر

تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا

اس سورہ کے آغاز میں بھی دو قسمیں کھائی گئی ہیں:

۱۔"نور"(روشنی) کی قسم

۲۔"ظلمت" (تاریکی) کی قسم، فرماتا ہے:

"قسم ہے دن کی جب کہ سورج نکل آئے اور ہر جگہ کو گھیر لے"۔

"اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ساکن ہو جائے اور ہر جگہ کو سکون و آرام میں غرق کر دے"۔

"ضحی" دن کے پہلے حصہ کے معنی میں ہے جب کہ سورج آسمان پر اونچا ہو جائے، اور اس کی روشنی ہر جگہ مسلط ہو جائے، اور یہ درحقیقت دن کا بہترین وقت ہوتا ہے۔

"سجی" "سجو" (بروزن سرد، اور بروزن غلو) کے مادہ سے اصل میں سکون و آرام کے معنی میں ہے۔

جو چیز رات کے سلسلہ میں اہم ہے وہی سکون و آرام ہے جو اس پر حکم فرما ہے، اور طبعاً انسان کے اعصاب اور روح کو سکون و آرام میں ڈبو دیتی ہے اور کل اور آئندہ آنے والے دنوں میں سعی اور کوشش کے لئے آمادہ و تیار کرتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ بہت ہی اہم نعمت ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے۔

ان دونوں قسموں اور آیت کے مضمون کے درمیان شباہت اور ایک قریبی ربط موجود ہے۔ دن تو پیغمبرﷺ کے پاک دل پر وحی کے نور کے نزول کی مانند ہے اور رات وقتی طور پر وحی کے انقطاع کے مانند ہے جو بعض مقاطع اور اوقات میں ضروری ہے۔

ان دونوں عظیم قسموں کے بعد نتیجہ اور جواب قسم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: "تیرے پروردگار نے ہرگز تجھے چھوڑا نہیں ہے، اور نہ ہی تجھ سے غصہ ہوا ہے۔"

بہرحال یہ تعبیر پیغمبرﷺ کی ذات کے لئے ایک دلداری اور تسلی کے طور پر ہے کہ وہ اچھی طرح یہ جان لیں کہ اگر کبھی نزول وحی میں تاخیر ہو جائے تو وہ کچھ مصالح کی بناء پر ہوتی ہے جسے اللہ ہی جانتا ہے، اور ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دشمنوں کے قول کے مطابق اللہ اس سے خشمگیں اور غصہ ہو گیا ہے، یا اس کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی اللہ کے خاص لطف و کرم اور عنایات کے مشمول ہوتے ہیں اور ہمیشہ اس کی خاص حمایت کے زیر سایہ رہتے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: "بے شک عالم آخرت تیرے لئے اس دنیا سے بہتر ہے۔"

اور تو اس دنیا میں بھی اس کے الطاف کا مشمول ہے، اور آخرت میں اس سے بیشتر و بہتر ہو گا۔ نہ تو تجھ پر یہاں کی مختصر مدت

میں پروردگار کا غضب ہوگا اور نہ ہی آخرت کی دراز مدت میں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا میں بھی محترم ہے اور آخرت میں بھی محترم ہے، البتہ دنیا میں عزیز و محترم ہے اور آخرت میں عزیز تر و محترم تر ہے۔

اور آخری زیر بحث آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افضل و برتر خوش خبری دیتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''عنقریب تیرا پروردگار تجھے اس قدر عطا کرے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔''

یہ اللہ کا اپنے بندۂ خاص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بالاترین احترام و اکرام ہے کہ فرماتا ہے: اس قدر تجھے بخشوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ دنیا میں تو دشمنوں پر کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دین عالمگیر ہو جائے گا، اور آخرت میں بھی تو عظیم ترین نعمتوں کا مشمول ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خاتم انبیاء اور عالم بشریت کا رہبر ہونے کی حیثیت سے صرف اپنی ہی نجات پر خوش نہیں ہو سکتے، بلکہ آپ اس وقت راضی اور خوش ہوں گے جب آپ کی شفاعت آپ کی امت کے بارے میں بھی قبول ہو جائے گی۔ اس بناء پر روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت امید بخش ترین آیت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے چچا ''محمد بن حنفیہ'' سے، انہوں نے اپنے باپ امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت کے دن میں موقف شفاعت میں کھڑا ہو جاؤں گا اور گناہ گاروں کی اس قدر شفاعت کروں گا، کہ اللہ فرمائے گا:

ارضیت یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؟! ''اے محمد کیا تم راضی ہو گئے''؟!

تو میں کہوں گا، رضیت، رضیت: ''میں راضی ہو گیا، میں راضی ہو گیا''!

اس کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے اہل کوفہ کی ایک جماعت کی طرف رخ کیا اور مزید فرمایا: تمہارا یہ نظریہ ہے کہ قرآنی آیات میں سب سے زیادہ امید بخش آیت ''**قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللّٰه**'' ہے (یعنی اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔

اس جماعت نے کہا: جی ہاں! ہم اسی طرح کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ''لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیات قرآنی میں سب سے زیادہ امید بخش آیت ''**ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ**'' ہے۔

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے لئے کچھ شرائط ہیں، نہ تو آپ ہر شخص کے لئے شفاعت کریں گے اور نہ ہی ہر گنہگار اس کی توقع رکھ سکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں داخل ہوئے، جبکہ آپ کی بیٹی اونٹ کی اون کا سخت لباس پہنے ہوئے تھیں، ایک ہاتھ سے چکی پیس رہی تھیں، اور دوسرے ہاتھ سے اپنے فرزند کو دودھ پلا رہی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا، بیٹی! دنیا کی تلخی کو آخرت کی شیرینی کے مقابلہ میں برداشت کر، کیونکہ اللہ نے مجھ پر یہ نازل کیا ہے کہ تیرا پروردگار اس قدر تجھے دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''

(۶) اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۠	کیا تجھے یتیم نہیں پایا تو پھر پناہ دی؟
(۷) وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۠	اور تجھے گمشدہ پایا تو رہنمائی کی۔
(۸) وَ وَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ؕ	اور تجھے فقیر پایا تو بے نیاز کیا۔
(۹) فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ	اب جب کہ یہ بات ہے تو یتیم کو حقیر نہ جان۔
(۱۰) وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ	اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار۔
(۱۱) وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ۧ	اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو یاد کر۔

تفسیر

ان تمام نعمتوں کے شکرانے میں جو اللہ نے تجھے دی ہیں............

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس سورہ میں ہدف اور مقصد پیغمبر اسلام کی تسلی و دلداری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے الطاف الٰہی کا بیان ہے۔ لہٰذا گزشتہ آیات کو جاری رکھتے ہوئے، جن میں اس مطلب کو بیان کیا گیا تھا، زیر بحث آیات میں پہلے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی تین خاص نعمتوں کا ذکر کرتا ہے، اور اس کے بعد انہی سے مربوط تین اہم حکم انہیں دیتا ہے۔

فرماتا ہے: کیا اللہ نے تجھے یتیم نہیں پایا تو تجھے اس نے پناہ دی؟

تو ابھی شکم مادر میں ہی تھا کہ تیرا باپ عبداللہ اس دنیا سے چل بسا، تو میں نے تجھے تیرے جد عبدالمطلب علیہ السلام (سردار مکہ) کی

آغوش میں پرورش کرائی۔

تو چھ سال کا تھا کہ تیری ماں دنیا سے چل بسی اور اس لحاظ سے بھی تو اکیلا رہ گیا، لیکن ہم نے تیرے عشق و محبت کو ''عبدالمطلب علیہ السلام'' کے دل میں زیادہ کر دیا۔

تو آٹھ سال کا ہوا تو تیرا دادا ''عبدالمطلب بھی دنیا سے رخصت ہو گیا''، تو ہم نے تیرے چچا ''ابو طالب علیہ السلام'' کو تیری خدمت وحمایت کے لئے مقرر کر دیا، تا کہ تجھے جان شیریں کی طرح رکھے اور تیری حفاظت کرے۔

ہاں! تو یتیم تھا اور میں نے تجھے پناہ دی۔

اس کے بعد دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور تجھے گم شدہ پایا تو تیری رہنمائی کی۔''

ہاں! تو ہرگز نبوت ورسالت سے آگاہ نہیں تھا، اور ہم نے یہ نور تیرے دل میں ڈالا، تا کہ تو اس کے ذریعہ انسانوں کو ہدایت کرے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: **ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نهدی به من نشاء من عبادنا**: ''نہ تو تو کتاب ہی کو جانتا تھا اور نہ ہی ایمان کو'' (یعنی نزول وحی سے پہلے تو اسلام وقرآن کے مطالب سے آگاہ نہیں تھا) لیکن ہم نے اس کو ایک ایسا نور قرار دیا ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت کرتے ہیں'' (شوریٰ۔۵۲)

اس بناء پر یہاں ''ضلالت'' سے مراد ایمان، توحید، پاکیزگی اور تقویٰ کی نفی نہیں ہے، بلکہ ان آیات کے قرینہ سے جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا ہے، اسرار نبوت اور قوانین اسلام سے آگاہی کی نفی اور ان حقائق سے عدم آشنائی تھی، جیسا کہ بہت سے مفسرین نے کہا ہے لیکن بعثت کے بعد پروردگار کی مدد سے ان تمام امور سے واقف ہو گئے اور ہدایت پائی، (غور کیجئے)۔

اس کے بعد تیسری نعمت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: اللہ نے تجھے فقیر پایا تو غنی و بے نیاز کر دیا۔''

جناب ''خدیجہؑ'' جیسی مخلص و باوفا خاتون کی توجہ تیری طرف مبذول کی، تا کہ وہ اپنی عظیم ثروت و دولت کو تیرے اختیار میں دے دے اور تیرے عظیم اہداف و مقاصد کے لئے وقف کر دے۔ اور اسلام کے غلبہ کے بعد جنگوں میں بکثرت مال ہائے غنیمت تجھے عطا کئے، اس طرح سے کہ تو اپنے عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لئے بے نیاز ہو گیا۔

بعد والی آیات میں گزشتہ آیات سے نتیجہ نکالتے ہوئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین احکام دیتا ہے، اگرچہ ان میں مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، لیکن یقیناً وہ سب کو شامل ہیں، پہلے فرماتا ہے: ''جب معاملہ یہ ہے تو پھر یتیم کی تحقیر و تذلیل نہ کر''۔

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ یتیموں کے بارے میں اگرچہ اطعام و انفاق کا مسئلہ بھی اہم ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اہم دل جوئی و نوازش اور شفقت کی کمی کو رفع کرنا ہے۔ اسی لئے ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص نوازش و مہربانی کے ساتھ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو ہر بال کی تعداد کے مطابق جس پر اس کا ہاتھ

پھرے گا قیامت میں ایک نور ہوگا۔"

گویا اللہ پیغمبرﷺ سے فرماتا ہے: تو خود بھی یتیم تھا، اور تو نے بھی یتیمی کا رنج اور تکلیف اٹھائی ہے، تو اب تو دل و جان سے یتیموں کی نگہبانی کر، اور ان کی پیاسی روح کو محبت کے ساتھ سیراب کر۔

بعد والی آیت میں دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اور سوال کرنے والے کو نہ دھتکار"۔

اس بارے میں کہ یہاں "سائل" سے کون مراد ہے؟ چند تفسیریں موجود ہیں، پہلی یہ کہ اس سے ایسے افراد مراد ہیں جو علمی، اعتقادی اور دینی مسائل میں سوالات رکھتے ہیں،۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ فقر علمی اور فقر مادی دونوں کو بیان کر رہی ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر قسم کا سوال کرنے والے کو مثبت جواب دے، یہ معنی پیغمبرﷺ کے لئے اللہ کی ہدایت کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے، اور ان کی یتیمی کے زمانے میں ان کی سرپرستی سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔

اور آخر میں تیسرے اور آخری حکم میں فرماتا ہے: اور باقی رہیں تیرے پروردگار کی نعمتیں تو تو ان کو بیان کر۔

نعمت کو بیان کرنا کبھی تو زبان سے ہوتا ہے اور ایسی تعبیروں سے جو انتہائی شکر و سپاس کی ترجمان ہوتی ہیں، نہ کہ غرور و تکبر اور برتری کے خیال سے، اور کبھی عمل سے بھی ہوتا ہے، اس طرح کہ اس سے راہ اللہ میں انفاق و بخشش کرے، ایسی بخشش جو اس بات کی نشان دہی کہ اللہ نے اس فراواں نعمت عطا کی ہے۔

نعمت میں تمام مادی و معنوی نعمتوں کو شامل کیا ہے

لہٰذا ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ آیت کا معنی اس طرح ہے:

"جو کچھ اللہ نے تجھے بخشا ہے، برتری دی ہے، روزی عطا کی ہے، اور تیرے ساتھ نیکی اور احسان کیا ہے اور تجھے ہدایت کی ہے، ان سب کو بیان کر"

سورہ الم نشرح

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۸ آیات ہیں

سورہ ''الم نشرح'' کے مضامین

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ، سورہ والضحیٰ کے بعد نازل ہوا ہے اور اس کے مضامین بھی اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ اس سورہ میں بھی پھر سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی نعمتوں کے ایک حصہ کو شمار کیا گیا ہے۔ حقیقت میں تین قسم کی عظیم نعمتیں سورہ والضحیٰ میں آئی تھیں، اور تین ہی عظیم نعمتیں سورہ الم نشرح میں آئی ہیں۔ گزشتہ نعمتوں میں تو بعض مادی اور بعض معنوی تھیں، لیکن اس سورہ کی تمام نعمتیں معنوی پہلو رکھتی ہیں اور یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محوروں کے گرد گردش کرتا ہے:

ایک تو انہی تینوں نعمتوں کا بیان ہے، دوسرا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مستقبل میں ان کی دعوت کی مشکلات کے برطرف ہونے کے لحاظ سے بشارت ہے، اور تیسرا خداوند یگانہ کی طرف توجہ اور اس کی عبادت و بندگی کی طرف تحریص و ترغیب۔

اسی بناء پر روایات اہل بیت میں...... جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی سورہ شمار ہوئی ہیں۔ اسی لئے قرأت نماز میں اس بناء پر کہ ایک مکمل سورت پڑھی جائے، دونوں کو اکٹھا پڑھتے ہیں۔

سورہ الم نشرح کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے سلسلے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس کو اس شخص کا اجر ملے گا، جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو غمگین دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک سے غم واندوہ کو دور کیا ہو۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ	کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا؟
(۲) وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ	اور تجھ سے بھاری بوجھ برطرف نہیں کیا؟
(۳) الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ	وہی بوجھ جو تیری پشت کو جھکائے دے رہا تھا۔
(۴) وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ	اور تیرے ذکر کو ہم نے بلند کیا؟
(۵) فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ	اس بنا پر یقینی طور پر سختی کے ساتھ آسانی ہے۔

(٦) اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ	اور یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔
(٧)فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ	پس جب تک ایک اہم کام سے فارغ ہو جائے تو دوسری مہم کو شروع کر دے۔
(٨)وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۧ	اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ اور رغبت کر۔

تفسیر

ہم نے تجھے انواع واقسام کی نعمتیں عطا کی ہیں،

آیات کا لب ولہجہ پروردگار کے حد سے زیادہ لطف ومحبت، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی ودلداری کے پہلو رکھتا ہے۔

پہلی آیت میں اللہ کی اہم ترین نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''کیا ہم نے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کیا۔''

شرح صدر سے مراد وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح وفکر کو وسعت دینا ہے، اور یہ وسعت ممکن ہے کہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہو جو وحی و رسالت کے طریق سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسعت علم کو بھی شامل رکھتا ہو اور دشمنوں اور مخالفین کی ہٹ دھرمیوں اور کارشکنیوں کے مقابلہ میں آپ کے تحمل واستقامت میں وسعت وکشادگی کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہو۔

اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اپنے پروردگار سے ایک درخواست کی، حالانکہ میں چاہتا تھا کہ یہ درخواست نہ کرتا۔ میں نے عرض کیا مجھ سے پہلے پیغمبروں میں سے بعض کو ہوا کے چلنے پر اختیار دیا، بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اللہ نے مجھ سے فرمایا: کیا تو یتیم نہیں تھا تو میں نے تجھے پناہ دی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! فرمایا: کیا تو گمشدہ نہیں تھا، میں نے تجھے ہدایت کی؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار! فرمایا: کیا میں نے تیرے سینہ کو کشادہ اور تیری پشت کے بوجھ کو ہلکا نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا، ہاں! اے پروردگار!''

یہ چیز اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ''شرح صدر'' کی نعمت انبیاء کے معجزات سے مافوق تھی، اور واقعاً اگر کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات کا باریک بینی کے ساتھ مطالعہ کرے اور آپ کے شرح صدر کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے دور کے سخت اور

پیچیدہ حوادث سے لگائے، تو وہ یقین کرلے گا کہ یہ چیز عام طریقہ سے ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تائید الٰہی اور توفیق ربانی ہے۔

اسی شرح صدر کی بناء پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی مشکلات کو اعلیٰ ترین صورت میں برداشت کیا اور اس طریقہ میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے نبھایا۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''کیا ہم نے تیرے سنگین بوجھ کو اٹھا نہیں لیا''!؟

''وہی بوجھ جو تیری پشت پر سخت گرانی کر رہا تھا۔''

یہ کون سا بوجھ تھا جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت سے اٹھا لیا؟ آیات کے قرائن اس بات کی اچھی طرح نشان دہی کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہی رسالت و نبوت اور توحید و یکتا پرستی کی طرف دعوت کی مشکلات، اور اس آلودہ ماحول سے فساد کے آثار کو ختم کرنا ہے، نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ سارے کے سارے انبیاء کا دعوت کے آغاز میں اس قسم کے عظیم مشکلات سے سامنا رہا، اور وہ صرف خدائی امدادوں سے ہی ان پر کامیاب ہوتے تھے، البتہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماحول اور زمانہ کے حالات کئی جہات سے زیادہ سخت اور زیادہ سنگین تھے۔

اور تیسری نعمت کے بارے میں فرماتا ہے

:''ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا۔''

تیرا نام اسلام اور قرآن کے نام کے ساتھ ہر جگہ پہنچا، اور اس سے بہتر یہ ہے کہ تیرا نام ہر صبح و شام اذان کے گلدستوں پر اور اذان کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اور تیری رسالت کی شہادت اللہ کی توحید و یگانگت کی شہادت کے ساتھ اسلام کا نشان اور اس پاک دین کے قبول ہونے کی دلیل ہے۔

اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور رفعت مقام کا اس سے بالاتر تصور اور کیا ہوگا؟!

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جبرائیل نے مجھ سے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''جس وقت میرا نام لیا جاتا ہے تو اس وقت تیرا نام بھی میرے ہی ساتھ لیا جاتا ہے۔'' (اور تیرے مقام کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے)۔

بعد والی آیت میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہم ترین بشارت دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک میں امید کے انوار کی روشنی

پیدا کرتا ہے اور فرماتا ہے: ''یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے۔''

اس کے بعد پھر تاکید کرتا ہے:

''یقیناً سختی کے ساتھ آسانی ہے''۔

غم نہ کھاؤ یہ مشکلات اور سختیاں ایسی شکل میں باقی نہیں رہیں گی، دشمنوں کی کارشکنیاں ہمیشہ کے لئے جاری نہیں رہیں گی اور مادی محرومیاں، اقتصادی مشکلات اور مسلمانوں کا فقر و فاقہ اس صورت میں باقی نہیں رہے گا۔

یہ دونوں آیات اس طرح سے پیش کی گئی ہیں کہ نہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اختصاص رکھتی ہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے، بلکہ یہ ایک قاعدہ کلی کی صورت میں اور سابقہ مباحث کی ایک علت کے طور پر پیش کی گئی ہیں، اور یہ تمام مخلص مومن اور سعی و کوشش کرنے والے انسانوں کو نوید اور خوش خبری دیتی ہیں کہ ہمیشہ سختیوں کے ساتھ آسانیاں ہوتی ہیں،

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جان لو کہ سختیوں کے ساتھ آسانی ہے، اور صبر کے ساتھ کامیابی ہے، اور غم واندوہ کے ساتھ کشائش و خوش حالی ہے''۔

ہاں!

صبر و ظفر ہر دو دوستان قدیمند
بر اثر صبر نوبت ظفر آید
''صبر اور کامیابی دونوں قدیمی دوست ہیں
صبر کے بعد ہی کامیابی کی نوبت آتی ہے''

اس کے بعد اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے،: ''پس جب تم کسی اہم کام سے فارغ ہو جاؤ تو دوسرے کام میں لگ جاؤ''۔

ہرگز بھی بیکار نہ رہو، تلاش و کوشش کو نہ چھوڑو، ہمیشہ جدوجہد میں مشغول رہو، اور ہر اہم کام کو ختم کرنے کے ساتھ ہی دوسرے اہم کام کو شروع کر دیا کرو۔

اور ان تمام حالات میں اللہ پر بھروسہ رکھو' اور اپنے پروردگار کی طرف توجہ رکھو۔''

اس کی رضا و خوشنودی طلب کرو اور اس کے قرب و جوار کی طرف جلدی کرو۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔اس کے مطابق آیت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے جو ہر مہم سے فارغ ہونے اور دوسری مہم کو شروع کرنے کو شامل ہے،اور تمام کوششوں کا رخ پروردگار کی طرف کرنے کا حکم دیتی ہے،

بہرحال یہ سورہ مجموعی طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کی خاص عنایت اور مصائب و آلام میں تسلی اور رسالت کے کام کی مشکلات اور نشیب وفراز کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کی تائید ونصرت کا وعدہ ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تمام انسانوں اور راہ حق پر چلنے والوں کے لئے ایک امید بخش، اصلاحی اور حیات آفرین مجموعہ ہے۔

سورہ التین

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۸ آیات ہیں

سورہ "التین" کے مطالب

یہ سورہ حقیقت میں انسان کی خلقت زیبا، اور اس کے تکامل وارتقا اور انحطاط و پستی کے گرد گھومتا ہے اور یہ مطلب سورہ کے شروع میں پر معنی قسموں کے ساتھ شروع ہوا ہے، اور انسان کی نجات اور کامیابی کے عوامل کو شمار کرنے کے بعد آخر میں مسئلہ معاد اور اللہ کی حاکمیت مطلقہ کی تاکید پر ختم ہوتا ہے۔

سورہ التین کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے۔

"جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا جب تک وہ دنیا میں رہے گا اللہ اس کو دو نعمتیں عطا کرے گا: سلامتی اور یقین، اور جب دنیا سے رخصت ہو جائے گا، تو ان تمام لوگوں کی تعداد کے برابر جنہوں نے اس سورہ کو پڑھا ہے، ان سب کے ایک دن کے روزہ کا ثواب اجر کے طور پر اسے عطا کرے گا۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ التِّیۡنِ وَ الزَّیۡتُوۡنِ ۙ	انجیر اور زیتون کی قسم۔
(۲) وَ طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ	اور طور سینین کی قسم۔
(۳) وَ ہٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ	اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم۔
(۴) لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫	کہ ہم نے انسان کو بہترین صورت اور بہترین نظام میں پیدا کیا ہے۔
(۵) ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ	پھر ہم نے اسے پست ترین مرحلہ کی طرف لوٹا دیا۔

(۶) اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ	سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے اور عمل صالح بجا لائے، تو ان کے لئے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔
(۷) فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ؕ	پس ان تمام چیزوں کے باوجود تیرے روز جزا کے تکذیب کرنے کا کیا سبب ہے؟!
(۸) اَلَیۡسَ اللّٰهُ بِاَحۡكَمِ الۡحٰكِمِیۡنَ ۠	کیا اللہ بہترین حکم کرنے والا نہیں ہے؟

تفسیر

ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔

اس سورہ کے آغاز میں بھی چار پر معنی قسمیں بیان کی گئی ہیں جو بہت ہی اہم معنی کے بیان کا مقدمہ ہیں۔

فرماتا ہے: ''انجیر اور زیتون کی قسم''۔

''اور طور سینین کی قسم''۔

اور اس امن و امان والے شہر کی قسم

''تین'' لغت میں انجیر کے معنی میں ہے اور ''زیتون'' وہی معروف زیتون ہے جس سے ایک مفید روغنی مادہ حاصل کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں کہ کیا اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی قسم مراد ہے یا کسی اور چیز کی، بعض اس سے انہیں دو مشہور پھلوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں، جو حد سے زیادہ غذائی اور دوائی خواص کے حامل ہیں، لیکن بعض کا نظریہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جن پر شہر دمشق اور بیت المقدس واقع ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات بہت سے انبیاء اور اللہ کے بزرگ پیغمبروں کے قیام کی سرزمین ہیں، اور یہ دونوں قسمیں، تیسری اور چوتھی قسموں کے ساتھ، جو مقدس سرزمینوں کی قسمیں ہیں، ہم آہنگ ہیں۔

باقی رہا ''هذا البلد الامین'' تو یہ یقیناً سرزمین مکہ کی طرف اشارہ ہے، وہ سرزمین جو زمانۂ جاہلیت میں بھی منطقۂ امن

اورحرم اللہ سمجھی جاتی تھی، اور کوئی شخص وہاں دوسرے پر تعرض کا حق نہیں رکھتا تھا، اب اگر ان دونوں قسموں (تین وزیتون) کو ان کے ابتدائی معنی پر محمول کریں، یعنی معروف انجیر و زیتون پر، تو پھر بھی یہ ایک پر معنی قسم ہے، کیونکہ:

''انجیر'' بہت زیادہ غذائی قدر و قیمت کا حامل ہے، اور ہر سن وسال کے لئے ایک مقوی اور غذا سے بھر پور نوالہ ہے۔ جس میں چھلکا، گٹھلی اور کوئی زائد چیز نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے:

''انجیر منہ کی بد بو کو دور کرتا ہے، مسوڑھوں اور ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے، بالوں کو اگاتا ہے درد اور تکلیف کو برطرف کرتا ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انجیر جنت کے پھلوں سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔''

غذا شناس زیتون اور اس کے تیل کی حد سے زیادہ اہمیت کے قائل ہیں، اور وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جو لوگ ہمیشہ صحیح وسالم رہنا چاہیں انہیں اس حیاتی اکسیر سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

روغن زیتون انسان کے جگر کا پکا اور مخلص دوست ہے۔ اور گردوں کی بیماریوں، صفراوی پتھریوں اور درد گردہ اور درد جگر کو دور کرنے اور خشکی کو رفع کرنے کے لئے بہت ہی مؤثر ہے۔

روغن زیتون بھی انواع واقسام کے وٹامن سے سرشار ہے اور اس میں فاسفورس، سلفر، کیلشیم، فیرم، پوٹاشیم اور منگنیز بھی پائی جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے:

''روغن زیتون ایک اچھی غذا ہے، منہ کو خوشبودار کرتا ہے، بلغم کو دور کرتا ہے، چہرے کے رنگ کو صاف کرتا ہے۔ اور تر و تازہ بناتا ہے، اعصاب کو تقویت دیتا ہے، بیماری، درد اور ضعف کو دور کرتا ہے، اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے۔''

ان چاروں پر معنی قسموں کو ذکر کرنے کے بعد جواب قسم پیش کرتے ہوئے اس طرح فرماتا ہے: ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت اور نظام میں پیدا کیا ہے۔''

''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم''

"تقویم" کا معنیٰ کسی چیز کو مناسب صورت، معتدل نظام اور شائستہ کیفیت میں لانا ہے۔ اور اس کے مفہوم کی وسعت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے انسان کو ہر لحاظ سے موزوں اور شائستہ پیدا کیا ہے، جسم کے لحاظ سے بھی، اور روحانی و عقلی لحاظ سے بھی، کیونکہ اس کے وجود میں ہر قسم کی استعداد رکھی گئی ہے اور اسے ایک بہت ہی عظیم قوس صعودی کو طے کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، اور اس کے باوجود کہ انسان ایک "جرم صغیر" ہے، "عالم کبیر" کو اس میں جگہ دی گئی ہے، اور اسے اس قدر استعدادیں اور شائستگیاں بخشی ہیں کہ وہ "ولقد کرمنا بنی ادم" (ہم نے بنی آدم کو کرامت وعظمت بخشی ہے۔۔۔۔۔۔سورہ اسراء۔۔۔۔۔۷۰) کی خلقت کے لائق ہو گیا ہے۔

لیکن یہی انسان ان تمام امتیازات واعزازت کے ہوتے ہوئے اگر حق کے راستے سے منحرف ہو جائے تو اس طرح سقوط کرتا ہے کہ "اسفل السافلین" میں جا پہنچتا ہے، اس لئے بعد والی آیت میں فرماتا ہے: "پھر ہم اسے پست ترین مراحل میں لوٹا دیتے ہیں"۔

ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ایسا موجود ہے جو ہر قسم کی استعدادیں رکھتا ہے۔ اگر وہ ان سے صلاح و درستی کے لئے فائدہ اٹھائے تو افتخار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور اگر ان تمام استعدادوں کو فساد اور خرابی کی راہ پر ڈال دے تو اس سے عظیم ترین مفسدہ پیدا کر دیتا ہے، اور طبعی طور پر وہ "اسفل السفالین" کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔

لیکن بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے": "مگر وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ ان کے لئے ایسا اجر وثواب ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔" بعد والی آیت میں اس ناشکرے اور معاد کے دلائل اور نشانیوں سے بے اعتناء انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: کیا سبب ہے کہ تو ان تمام دلائل کے باوجود روز جزا کی تکذیب کرتا ہے؟!

ایک طرف تو خود تیرے وجود کی ساخت اور دوسری طرف اس وسیع وعریض عالم کی عمارت اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ دنیا کی چند روزہ زندگی تیری خلقت اور اس عظیم جہان کی خلقت کا اصل ہدف نہیں ہو سکتی۔

یہ سب کچھ وسیع تر اور کامل تر جہان کے لئے ایک مقدمہ ہے اور قرآن کی تعبیر میں "نشأۃ اولیٰ" خود "نشأۃ اخری کی خبر دیتی ہے۔ تو پھر انسان متذکر کیوں نہیں ہوتا۔ "ولقد علمتم النشأۃ الاولیٰ فلو لا تذکرون" (واقعہ ۶۲)۔

آخری آیت میں فرماتا ہے: ''کیا اللہ بہترین حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔''

ایک حدیث میں آیا ہے کہ

''جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ ''والتین'' کی تلاوت فرماتے تھے تو جیسے ہی آیہ ''الیس اللہ باحکم الحاکمین'' پر پہنچتے تھے تو فرماتے تھے:

ہاں خدا احکم الحاکمین ہے، اور میں اس بات کا گواہ ہوں''۔

سورہ العلق

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۱۹ آیات ہیں۔

سورہ علق کے مطالب

مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ یہ سورہ وہ پہلا سورہ ہےجو پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اوراس کے مطالب بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔اور یہ بات جو بعض نے کہی ہے کہ پہلا سورہ،سورۂ''حمد''یا سورہ''مدثر''ہے،یہ بات قطعی مشہور نہیں ہے۔

یہ سورہ پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرأت وتلاوت کا حکم دیتا ہے اوراس کے بعد اس باعظمت انسان کی ایک بے قدر و قیمت قطرۂ خون سے خلقت کی بات کرتا ہے۔

اور بعد کے مرحلہ میں پروردگار کے لطف وکرم کے سائے میں انسان کے تکامل وارتقاء اوراس کی علم ودانش اور قلم سے آشنائی کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔

اوراس کے بعد کے مرحلہ میں ان ناشکرے انسانوں کے بارے میں، جو ان تمام خدائی نعمتوں اور الطاف الٰہی کے باوجود سرکشی کی راہ اختیار کرتے ہیں،گفتگو کرتا ہے۔

اور آخر میں ان لوگوں کی دردناک سزا کی طرف اشارہ کرتا ہے جولوگوں کو ہدایت اور نیک اعمال سے روکتے ہیں۔

اورسورہ کو''سجدہ''اور بارگاہ پروردگار میں تقرب حاصل کرنے کے حکم پر ختم کرتا ہے۔

سورہ العلق کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی قرأت کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص دن میں یا رات کو سورۂ اقراء باسم ربک پڑھے گا اور وہ اس رات یا دن کو مر جائے گا تو وہ دنیا سے شہید جائے گا اور اللہ اسے مبعوث کرے گا اور شہیدوں کی صف میں اسے جگہ دے گا،اور وہ قیامت میں اس شخص کی مانند ہوگا جس نے راہ اللہ میں پیغمبر اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں شمشیر سے جہاد کیا ہو۔''

یہ سورہ ان مختلف تعبیروں کی مناسبت سے جو اس سورہ کے آغاز میں آئی ہیں سورہ''علق''یا سورہ''اقرأ''یا سورہ''قلم''کے نام سے موسوم ہوا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ	پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے جہان کو پیدا کیا۔
(۲) خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ	وہی جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔
(۳) اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ	پڑھ کہ تیرا پروردگار سب سے زیادہ مکرم و باعزت ہے۔
(۴) الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ	وہی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔
(۵) عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ	اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے سورہ کے مطالب کی تشریح میں بھی اشارہ کیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نظریہ کے مطابق یہ پہلا سورہ ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے، بلکہ بعض کے قول کے مطابق تو اوپر والی پانچ آیات سب ہی مفسرین کے نزدیک آغاز وحی میں ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور ان کا مضمون بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ حرا پر گئے ہوئے تھے کہ جبرائیل آئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

جبرائیل نے انہیں آغوش میں لے کر دبایا اور پھر دوبارہ کہا: پڑھ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اسی جواب کو دہرایا۔ اس کے بعد جبرائیل نے پھر وہی کام کیا اور وہی جواب سنا، اور تیسری بار کہا: اقرأ باسم ربک الذی خلق...... پانچوں آیات کے آخر تک۔

جبرائیل یہ بات کہہ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی کی پہلی شعاع کو حاصل کرنے کے بعد تھکے ہوئے تھے خدیجہ کے پاس آئے اور فرمایا: ''زملونی ودثرونی'': مجھے اڑھا دو اور کوئی کپڑا میرے اوپر ڈال دو تا کہ میں آرام کروں۔

''طبرسی'' بھی مجمع البیان میں یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدیجہ سے فرمایا:

''جب میں تنہا ہوتا ہوں تو ایک آواز سن کر پریشان ہو جاتا ہوں۔''

حضرت خدیجہ علیہا السلام نے عرض کیا: اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کرے گا کیونکہ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امانت کو ادا کرتے ہیں اور صلۂ رحم بجالاتے ہیں، اور جو بات کرتے ہیں اس میں سچ بولتے ہیں۔

''خدیجہ علیہا السلام'' کہتی ہیں: اس واقعہ کے بعد ہم ورقہ بن نوفل کے پاس گئے (نوفل خدیجہ علیہا السلام کا چچا زاد بھائی اور عرب کے علماء میں سے تھا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ''ورقہ'' سے بیان کیا۔ ''ورقہ'' نے کہا: جس وقت وہ پکارنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو غور سے سنو کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد مجھ سے بیان کرنا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خلوت گاہ میں سنا کہ وہ کہہ رہا ہے:

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو: **بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین**

و لا الضالین اور کہو **لا الٰہ الا اللہ**، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ورقہ کے پاس آئے اور اس ماجرے کو بیان کیا۔

''ورقہ'' نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہو، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی طرح صاحب شریعت ہیں اور پیغمبر مرسل (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

آج کے بعد بہت جلد جہاد کے لئے مامور ہوں گے اور اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کروں گا!''

جب ''ورقہ'' دنیا سے رخصت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے اس روحانی شخص کو بہشت (برزخی جنت) میں دیکھا ہے کہ وہ جسم پر ریشمی لباس پہنے ہوئے تھا، کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور میری تصدیق کی تھی۔

یقینی طور پر مفسرین کے بعض کلمات یا تاریخ کی کتابوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی اس فصل کے بارے میں ایسے ناموزوں مطالب نظر آتے ہیں جو مسلمہ طور پر جعلی، وضعی، گھڑی ہوئی روایات اور اسرائیلیات سے ہیں، مثلاً یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی کے پہلے واقعہ کے بعد بہت ہی ناراحت ہوئے اور ڈر گئے کہ کہیں یہ شیطانی القاآت نہ ہوں،

یا آپ نے کئی مرتبہ اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا کہ خود کو پہاڑ سے گرادیں، اور اسی قسم کے فضول اور بے ہودہ باتیں جو نہ تو نبوت کے بلند مقام کے ساتھ سازگار ہیں اور نہ ہی پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عقل اور حد سے زیادہ دانش مندی، مدبریت، صبرو تحمل وشکیبائی، نفس پر تسلط اور اس اعتماد کو ظاہر کرتی ہیں جو تاریخوں میں ثبت ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس قسم کی ضعیف ورکیک روایات دشمنان اسلام کی ساختہ وپرداختہ ہیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو بھی مورد اعتراض قرار دے دیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ

پہلی آیت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے سارے جہان کو خلق کیا ہے۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے پروردگار کی ''ربوبیت'' کے مسئلہ پر تکیہ ہوا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ''رب'' ''مالک مصلح'' کے معنی میں ہے، یعنی وہ ہستی جو کسی چیز کی مالک بھی ہے اور اس کی اصلاح وتربیت بھی کرتی ہو۔

اس کے بعد پروردگار کی ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے عالم ہستی کی خلقت وآفرینش پر تکیہ ہوا ہے، کیونکہ اس کی ربوبیت کی بہترین دلیل اس کی خالقیت ہے، اور عالم کی تدبیر وہی کرسکتا ہے جس نے اس کو خلق کیا ہے۔

یہ حقیقت میں عرب کے مشرکوں کا جواب ہے جو اللہ کی خالقیت کو تو قبول کرتے تھے لیکن ربوبیت اور تدبیر کے ضمن میں بتوں کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ نظام ہستی میں اللہ کی ربوبیت اور اس کی تدبیر اس کی ذات مقدس کو ثابت کرنے کی بہترین دلیل ہے۔

اس کے بعد تمام مخلوقات میں سے عالم خلقت کے اہم ترین موجود اور آفرینش کے گل سرسبد یعنی انسان پر تکیہ کرتا ہے اور اس کی آفرینش کو ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہی اللہ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا'' اور چونکہ نطفہ عالم جنین کا پہلا دور گزارنے کے بعد جمے ہوئے اور چپکے ہوئے خون کے ٹکڑے کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جو ظاہر میں بہت ہی کم قدر و قیمت رکھتا

ہے لہٰذا اس آیت میں انسان کی خلقت کا مبداء اسی ناچیز موجود کو شمار کرتا ہے تاکہ پروردگار کی عظیم قدرت نمائی واضح ہو جائے جس نے اس قسم کی بے قدر و قیمت موجود سے ایسی قابل قدر اور قیمتی مخلوق پیدا کر دی ہے۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ علق سے مراد آدم علیہ السلام کی مٹی ہے جو چپکنے کی حالت بھی رکھتی تھی، اور یہ بات واضح ہے کہ وہ اللہ جو اس عجیب مخلوق کو اس ''چپکی ہوئی مٹی'' کے ایک ٹکڑے سے وجود میں لایا ہے' وہی ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔

کبھی ''علق'' کو ''صاحب علاقہ'' وجود کے معنی میں لیا ہے' جو انسان کی اجتماعی روح اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کی طرف ایک اشارہ ہے، اور یہ حقیقت میں تکامل بشر اور تمدنوں کی پیش رفت کا پایہ اصلی ہے۔

بعض علق کو نر کے نطفہ (سپرم) کی طرف بھی اشارہ سمجھتے ہیں جو ''جونک'' کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہ خوردبینی موجود نطفہ کے پانی میں تیرتا ہے، رحم میں عورت کے نطفہ کی طرف بڑھتا ہے، اس کے ساتھ چپک جاتا ہے اور ان دونوں کی ترکیب سے انسان کا کامل و مکمل نطفہ وجود میں آتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں یہ مسائل تحقیق و دریافت نہیں ہوئے تھے، لیکن قرآن مجید نے علمی اعجاز کے طریق سے اس عمل سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان چاروں تفاسیر میں سے پہلی تفسیر زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، اگرچہ چاروں تفسیروں کے درمیان جمع کرنے میں بھی کوئی مانع نہیں ہے۔

دوبارہ تاکید کے لئے مزید کہتا ہے: ''پڑھ کہ تیرا پروردگار ہر کریم سے زیادہ کریم اور ہر بزرگوار اور باعزت سے بڑھ کر بزرگوار اور باعزت ہے۔'' اس آیت کی تعبیر حقیقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس گفتگو کا جواب ہے جو جبرئیل کے جواب میں آپ نے کہی تھی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یعنی پروردگار کی برکت سے جو حد سے زیادہ کریم و بزرگوار ہے تو قرات و تلاوت کی طاقت و توانائی رکھتا ہے۔

اس کے بعد اس خدا کی توصیف کرتے ہوئے جو سب کریموں سے بڑھ کر کریم و بزرگوار ہے' فرماتا ہے:

''وہی ہستی جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔''

''اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

یہ آیات بھی درحقیقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی گفتگو کا جواب ہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

''میں قرات کرنے والا نہیں ہوں۔'' یعنی وہی خدا جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا اسے سکھایا ہے' وہ اس بندے کو بھی جس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا ہے قرات و تلاوت سکھانے کی قدرت رکھتا ہے۔

"الذی علم بالقلم" کے جملہ کے دو معنی نکلتے ہیں' ایک یہ کہ: اللہ نے انسان کو لکھنا اور کتابت کرنا سکھایا' اور اس عظیم کام کی قدرت وتوانائی' جو تاریخ بشر کا مبدء اور تمام علوم وفنون اور تمدنوں کا سرچشمہ ہے، اس میں ایجاد کی۔

دوسرا یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس طریق سے اور اس وسیلہ سے علوم وفنون سکھائے۔

بہر حال یہ ایک انسان پر معنی تعبیر ہے، جو نزول وحی کے ان حسّاس لمحات میں ان عظیم اور پر معنی آیات میں منعکس ہوگئی ہے۔

ابتداء سے ہی اسلام کی بنیاد علم وقلم پر رکھی گئی ہے، اور یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ اس قسم کی پس ماندہ قوم علوم وفنون میں اس قدر ترقی کرگئی کہ، دوست ودشمن کے اعتراف کے مطابق، انہوں نے ساری دنیا میں علم ودانش کو پھیلا دیا اور یورپ کے مؤرخین کے اعتراف کے مطابق یہ مسلمانوں کا نور علم ودانش ہی تھا جو قرون وسطیٰ میں تاریک یورپ کے صفحہ پر چمکا اور انہیں متمدن عصر میں داخل کر گیا۔

کس قدر نامناسب بات ہے کہ اس قسم کی ملت اور ایسا دین علم ودانش کے میدان کے پیچھے رہ جائے اور دوسروں کا محتاج ہو جائے، یہاں تک کہ ان سے وابستہ ہو جائے۔

(۶) كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ	ایسا نہیں ہے (کہ انسان حق شناس نہ ہو) یقیناً وہ سرکشی کرتا ہے۔
(۷) اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ	اس وجہ سے کہ وہ خود کو بے نیاز سمجھتا ہے۔
(۸) اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ	یقینی طور پر سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔
(۹) اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۙ	مجھے بتا کیا وہ شخص جو منع کرتا ہے۔
(۱۰) عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ	بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔
(۱۱) اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ	مجھے بتا اگر یہ بندہ طریق ہدایت پر ہو۔
(۱۲) اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ	یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے۔
(۱۳) اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ	مجھے بتا اگر (یہ سرکش) حق کی تکذیب کرے اور اس کی طرف سے پشت پھیر لے۔

(۱۴) اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ؕ	کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟

تفسیر

کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تیرے اعمال کو دیکھتا ہے؟

گزشتہ آیات کے بعد، جن میں انسان کے لئے پروردگار کی مادی ومعنوی نعمتوں کی طرف اشارہ ہوا تھا، اور ایسی وسیع نعمتوں کا لازمہ یہ ہے کہ انسان شکر ادا کرے اور اللہ کے سامنے سرتسلیم خم کردے، لہٰذا زیر بحث آیات میں فرماتا ہے: ایسا نہیں ہے کہ خدائی نعمتیں ہمیشہ ہی انسان میں شکر گزاری کی روح بیدار کرتی ہوں، بلکہ وہ یقینی طور پر طغیان وسرکشی کرتا ہے۔

''اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتا ہے۔''

یہ عام لوگوں کی فطرت ہے، ان لوگوں کی فطرت اور عادت جنہوں نے عقل ووحی کے مکتب میں پرورش نہ پائی ہو چنانچہ جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگ جاتے ہیں تو سرکشی وطغیان شروع کر دیتے ہیں۔

نہ تو وہ اللہ کا بندہ بنتے ہیں، نہ اس کے احکام کو قبول کرتے ہیں، نہ وجدان کی پکار پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی حق وعدالت کا خیال کرتے ہیں۔

بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا ہدف اور مقصد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ لوگ فوراً ہی ان کی دعوت کو قبول کرلیں گے۔ بلکہ انہیں چاہئے کہ وہ خود کو سرکش مستکبرین کے انکار اور مخالفت کے لئے آمادہ وتیار رکھیں اور یہ جان لیں کہ ایک نشیب وفراز سے بھرا ہوا راستہ ان کے سامنے ہے۔

اس کے بعد ان مستکبر سرکشوں کو تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یقیناً سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔'' اور وہی سرکشوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔

اصولی طور پر جس طرح کہ ہر چیز کی بازگشت اس کی طرف ہے اور سب مرجائیں گے، اور آسمان وزمین کی میراث اس کی پاک ذات کے لئے رہ جائے گی: ''وللّٰہ میراث السماوات والارض'' (آل عمران۔۱۸۰) ابتداء میں بھی تمام چیزیں اسی کی طرف سے تھیں، اور اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ انسان خود کو بے نیاز سمجھنے لگ جائے، اور مغرور ہو کر سرکش بن جائے۔

اس کے بعد مغرور سرکشوں کے کاموں کے ایک حصہ، یعنی راہ حق پر چلنے اور ہدایت وتقویٰ کے طریق کو طے کرنے سے

روکنے کو بیان کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے:

''مجھے بتا کیا وہ شخص جو منع کرتا ہے۔''

''بندہ کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔''

کیا ایسا آدمی عذاب الٰہی کا مستحق نہیں ہے؟!

احادیث میں آیا ہے کہ

''ابوجہل نے اپنے اطرافیوں سے سوال کیا! کیا محمدﷺ تمہارے سامنے بھی (سجدہ کیلئے) مٹی پر چہرے کو رکھتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: قسم ہے اس کی جس کی ہم قسم کھاتے ہیں، اگر میں اسے اس حالت میں دیکھوں گا تو اپنے پاؤں سے اس کی گردن کو کچل کر رکھ دوں گا۔ انہوں نے اس سے کہا: وہ دیکھو! وہ اس جگہ نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔

ابوجہل چلا، تا کہ پیغمبرﷺ کی گردن کو اپنے پاؤں کے نیچے کچلے۔ لیکن جب وہ قریب پہنچا تو پیچھے ہٹ گیا اور ایسا معلوم دیتا تھا جیسے کہ وہ کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے ہٹا رہا ہے۔ ان لوگوں نے اس سے کہا، ہم تیری یہ کیا حالت دیکھ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں نے اچانک اپنے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق دیکھی ہے، اور ایک وحشت ناک منظر اور کچھ پروبال مشاہدہ کئے ہیں''

اس موقع پر اوپر والی آیات نازل ہوئیں،

بعد والی آیت میں اور زیادہ تاکید کے لئے مزید کہتا ہے:

''مجھے بتا اگر یہ نماز گزار بندہ طریق ہدایت پر ہو یا لوگوں کو تقویٰ کا حکم دے''۔

کیا اس کو منع کرنا مناسب ہے، اور کیا اس قسم کے شخص کی سزا جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ اور ہو سکتی ہے؟!

''مجھے بتا اگر یہ سرکش آدمی جو راہ حق کے راہ رو افراد کو نماز، ہدایت اور تقویٰ سے روکتا ہے اگر حق کی تکذیب کرے، اور اس سے روگردانی کرے، تو اس کی کیسی دردناک سرنوشت ہو گی''؟!

''کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے، اور ان سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے ثبت و ضبط کر رہا ہے۔''

(۱۵) كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ	(جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے) ایسا نہیں ہے، اگر وہ اپنے کام سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کی ناصیہ (سر کے اگلے حصہ کے بال) پکڑیں گے۔
(۱۶) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ	وہی دروغ گو اور خطا کار ناصیہ (پیشانی)
(۱۷) فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۙ	پھر وہ جسے چاہے پکارتا رہے (کہ وہ اس کی مدد کرے)
(۱۸) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ	ہم بھی عنقریب دوزخ کے مامورین کو پکاریں گے۔
(۱۹) كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ۩	جیسا کہ وہ سمجھتا ہے، ایسا نہیں ہے، ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اور سجدہ کر، اور اللہ کا تقرب حاصل کر۔

تفسیر

سجدہ کر اور تقرب حاصل کر!

اس بحث کے بعد، جو گزشتہ آیات میں کافر سرکشوں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نماز گزاروں کے لئے ان کی مزاحمت کے بارے میں آئی تھی، ان آیات میں ان پر سخت دھمکیوں کی بارش کرتے ہوئے فرماتا ہے، ''جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے (وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر ان کے سجدہ کے وقت پاؤں رکھ سکتا ہے، اور انہیں اس عبادت اللہ سے روک سکتا ہے)۔''

''اگر وہ اپنے اس غرور اور جہالت سے دستبردار نہ ہوگا تو ہم اس کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو پکڑ کر اسے عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔''

''وہی دروغ گو اور خطا کار کے سر کا اگلا حصہ (پیشانی)''

ایک روایت میں آیا ہے:

''جس وقت سورۂ الرحمٰن نازل ہوا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''تم میں سے کون ہے؟ جو اس سورہ کو رؤسائے قریش کے سامنے جا کر پڑھے۔''

حاضرین کچھ دیر کے لئے خاموش رہے چونکہ وہ سرداران قریش کی ایذارسانی سے ڈرتے تھے۔

''عبداللہ بن مسعودؓ'' کھڑے ہوگئے اور کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں یہ کام کروں گا......ابن مسعودؓ چھوٹے سے جثہ کے تھے اور جسمانی لحاظ سے کمزور بھی تھے، کھڑے ہوکر سرداران قریش کے پاس پہنچ گئے۔ انہیں دیکھا کہ وہ کعبہ کے گرد اکٹھے بیٹھے ہیں، لہٰذا (ابن مسعود نے) سورہ الرحمٰن کی تلاوت شروع کردی۔

''ابوجہل'' نے کھڑے ہوکر ابن مسعودؓ کے منہ پر ایسا تھپڑ مارا کہ ان کا کان پھٹ گیا اور خون جاری ہوگیا۔

ابن مسعودؓ روتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر نیچے کرلیا اور گہرے غم واندوہ میں ڈوب گئے۔

اچانک جبرائیل نازل ہوئے جب کہ وہ خنداں اور مسرور تھے، آپ نے فرمایا: اے جبرائیل تم کس لئے ہنس رہے ہو جب کہ ابن مسعود رورہا ہے؟ (جبرائیل نے) عرض کیا عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی وجہ معلوم ہوجائے گی۔

یہ ماجرا گزر گیا۔ جب مسلمان جنگ بدر کے دن کامیاب وکامران ہوئے تو ابن مسعود مشرکین کے مقتولین کے درمیان گردش کررہے تھے، ان کی نظر ابوجہل پر پڑی کہ وہ آخری سانس لے رہا تھا، ابن مسعود اس کے سینہ پر سوار ہوگئے، جب اس کی نگاہ ان پر پڑی تو کہا: اے حقیر چرواہے، تو کتنے بلند مقام پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ابن مسعود نے کہا: **الاسلام يعلو و لا يعلىٰ عليه:** ''اسلام برتری حاصل کرے گا اور کسی چیز کو اسلام پر برتری نہیں ہوگی۔''

ابوجہل نے ان سے کہا اپنے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہہ دے: نہ تو زندگی میں کوئی شخص میری نظر میں اس سے زیادہ مبغوض تھا اور نہ ہی موت کی حالت میں۔

جب یہ بات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرے زمانے کا فرعون موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس نے تو اپنی عمر کے آخری لحات میں یہ کہا تھا: میں ایمان لے آیا ہوں، لیکن اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی۔''

اس کے بعد ابوجہل نے ابن مسعودؓ کی طرف رخ کرکے کہا: میرا سر اس تلوار سے قطع کر کہ جو زیادہ تیز ہے۔ جب ابن مسعود نے اس کا سر قلم کیا تو وہ اس کو اٹھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ لاسکے۔ (لہٰذا اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر کھینچتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر پہنچے اور آیت کا مضمون اس دنیا میں پورا ہوگیا)۔

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ ایک دن ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابراہیم کے پاس نماز میں مشغول تھے، اس نے پکار کر کہا کیا میں نے تجھے اس کام سے منع نہیں کیا تھا؟ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جھڑک

کر دھتکار دیا۔

ابوجہل نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! تم مجھے جھڑکتے ہو اور مجھے دھتکارتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس سرزمین میں میری قوم اور قبیلہ سب سے زیادہ ہے۔

اس موقع پر بعد والی آیت نازل ہوئی: ''یہ جاہل ومغرور اپنی ساری قوم وقبیلہ کو پکارلے اور انہیں مدد کے لئے بلالے''

''ہم بھی مامورین دوزخ کو پکارلیں گے۔''

تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس بے خبر غافل سے کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا۔ اور وہ مامورین عذاب کے چنگل میں پرکاہ کی طرح ایک خوفناک طوفان کے درمیان میں ہے۔

اس سورہ کی آخری آیت میں جو آیۂ سجدہ ہے، فرماتا ہے: ''اس طرح نہیں ہے جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے اور تیرے سجدہ کے ترک کرنے پر اصرار کرتا ہے'' ''کلا''

''ہرگز اس کی اطاعت نہ کر، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور اس کا تقرب حاصل کر''

دنیا زمانے کے ابوجہل اس سے کہیں زیادہ حقیر وناچیز ہیں کہ تجھے سجدہ کرنے سے روک سکیں، یا تیرے دین وآئین کی ترقی میں روڑے اٹکا سکیں اور اس میں کوئی رکاوٹ ڈال سکیں۔ تو پروردگار پر توکل کرتے ہوئے اس کی عبادت وبندگی اور سجدہ کے ساتھ اس راستہ میں قدم بڑھائے جا، اور ہر روز اپنے اللہ سے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا چلا جا۔

ضمنی طور پر اس آیت سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ سجدہ انسان کے لئے بارگاہ خدا کے قرب اور نزدیکی کا باعث ہے۔ اور اسی لئے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بندے کی اللہ سب سے زیادہ قرب کی حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔''

البتہ ہمیں معلوم ہے کہ اہل بیت عصمت علیہم السلام کی روایات کے مطابق قرآن مجید میں چار سجدے واجب ہیں ''الم سجدہ''، ''حم سجدہ''، ''النجم'' اور یہاں ''سورۂ علق'' میں اور قرآن کے باقی سجدے مستحب ہیں۔

سورہ القدر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۵ آیات ہیں۔

سورہ ''قدر'' کے مطالب اوراس کی فضلیت

اس سورہ کا مضمون، جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے، شب قدر میں قرآن کا نزول ہے۔اس کے بعد شب قدر کی اہمیت اوراس کے برکات وآثار کا بیان ہے۔

اس سورہ کی فضلیت میں یہی کافی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اور شب قدر کو احیاء کیا ہو۔''

اس شخص کے لئے نہیں ہے جو اسے پڑھے تو سہی لیکن اس کی حقیقت کو نہ سمجھے، بلکہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو اسے پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھتا بھی ہو، اوراس کے مضمون پر عمل کرتا ہو، قرآن کو عظیم سمجھتا ہو، اوراس کی آیات کو اپنی زندگی میں عملی شکل دیتا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿ۖ	ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔
(۲) وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ	اور تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے؟!
(۳) لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ	شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔
(۴) تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۙ	فرشتے اور روح اس رات میں اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام (کی تقدیر) کے لئے اترتے ہیں۔
(۵) سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ٪	یہ ایک ایسی رات ہے جو طلوع صبح تک سلامتی (اور برکت ورحمت) سے پر ہے۔

تفسیر

شب قدر نزول قرآن کی رات

قرآن کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا ہے: (بقرہ۔۱۸۵) اوراس تعبیر کا ظاہر یہ ہے کہ سارا قرآن اسی ماہ میں نازل ہوا ہے۔

اور سورہ قدر کی پہلی آیت میں مزید فرماتا ہے: ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے۔"

اگر چہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ قرآن کا نام ذکر نہیں ہوا، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ "انا انزلناہ" کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا ظاہری ابہام اس کی عظمت اور اہمیت کے بیان کے لئے ہے۔

"انا انزلناہ" (ہم نے اسے نازل کیا ہے) کی تعبیر بھی اس عظیم آسمانی کتاب کی عظمت کی طرف ایک اور اشارہ ہے جس کے نزول کی اللہ نے اپنی طرف نسبت دی ہے اس کا شب "قدر" میں نزول، وہی شب جس میں انسانوں کی سرنوشت اور مقدرات کا تعین ہوتی ہے۔ یہ اس عظیم آسمانی کتاب کے سرنوشت ساز ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

اس آیت کو سورہ بقر کی آیت کے ساتھ ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شب قدر ماہ مبارک رمضان میں ہے، لیکن وہ کون سی رات ہے قرآن سے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

لیکن روایات میں مشہور و معروف یہ ہے کہ ماہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے اکیسویں یا تیئسویں رات ہے۔

لیکن متعدد روایات میں جو اہل بیت کے طریقہ سے پہنچی ہیں، زیادہ تر تیئسویں رات پر تکیہ ہوا ہے۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

"تقدیر مقدرات تو انیسویں کی شب کو ہوتی ہے، اور ان کا حکم اکیسویں رات کو، اور ان کی تصدیق اور منظوری تیئسویں رات کو۔

اور اس طرح سے روایات کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔

بعد والی آیت میں شب قدر کی عظمت کے بیان کے لئے فرماتا ہے: "تو کیا جانے کہ شب قدر کیا ہے۔"

اور بلا فاصلہ کہتا ہے: "شب قدر ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔"

شب قدر ہزار ماہ سے کیسے برتر ہے؟

اس شب کا ہزار ماہ سے بہتر ہونا اس رات کو بیدار رہنے اور اس کی عبادت کی قدر و قیمت کی وجہ سے ہے اور لیلۃ القدر کی فضلیت اور اس میں عبادت کی فضلیت کی روایات، جو شیعہ اور اہل سنت کی کتابوں میں فراواں ہیں، اس مطلب کی مکمل طور سے تائید کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس رات میں قرآن کا نزول اور اس میں برکات اور رحمت الٰہی کا نزول بھی اس بات کا سبب ہے کہ یہ ہزار ماہ سے برتر و بالا ہو۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لباس جنگ زیب تن کر رکھا تھا، اور ہزار ماہ تک اسے نہ اتارا، وہ ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول (یا آمادہ) رہتا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب وانصار نے تعجب کیا، اور آرزو کی کہ کاش اس قسم کی فضلیت وافتخار انہیں بھی میسر آئے تو اوپر والی آیات نازل ہوئیں۔ اور بیان کیا کہ شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے۔

اس کے بعد اس عظیم رات کی مزید تعریف وتوصیف کرتے ہوئے اضافہ کرتا ہے: ''اس رات میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے اذن سے ہر کام کی تقدیر کے لئے نازل ہوتے ہیں۔'' (تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر)۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ''تنزل'' فعل مضارع ہے اور استمرار پر دلالت کرتا ہے (جو اصل میں ''تتنزل'' تھا) واضح ہو جاتا ہے کہ شب قدر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نزول قرآن کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ یہ ایک امر مستمر ہے، اور ایسی رات ہے جو ہمیشہ آتی رہتی ہے اور ہر سال آتی ہے۔

روح سے مراد ہے ایک بہت بڑی مخلوق ہے جو فرشتوں سے مافوق ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا: کیا روح وہی جبرائیل علیہ السلام ہے''؟ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

''جبرائیل تو ملائکہ میں سے ہے، اور روح ملائکہ سے زیادہ عظیم ہے، کیا خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں''؟

''من کل امر'' سے مراد یہ ہے کہ فرشتے سرنوشتوں کی تقدیر وتعیین کے لئے، اور ہر خیر وبرکت لانے کے لئے اس رات میں نازل ہوتے ہیں، اور ان کے نزول کا مقصد ان امور کی انجام دہی ہے۔

اور آخری آیت میں فرماتا ہے: ''یہ ایک ایسی رات ہے، جو طلوع صبح تک سلامتی اور خیر وبرکت ورحمت سے پر رہتی ہے۔''

قرآن بھی اسی میں نازل ہوا، اس کا احیاء اور شب بیداری بھی ہزار ماہ کے برابر ہے، اللہ کی خیرات وبرکات بھی اسی شب میں نازل ہوتی ہیں۔ اس کی رحمت خاص بھی بندوں کے شامل حال ہوتی ہے، اور فرشتے اور روح بھی اسی رات میں نازل ہوتے ہیں۔

اسی بناء پر یہ ایک ایسی رات ہے جو آغاز سے اختتام تک سراسر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق تو اس رات میں شیطان کو زنجیر میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے بھی یہ ایک ایسی رات ہے جو سالم اور سلامتی سے توأم ہے۔

سورہ البینۃ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۸ آیات ہیں۔

سورہ ''بینة'' کے مطالب

یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ہمہ گیر ہونے، اوراس کے روشن و واضح دلائل اور نشانیوں سے آمیختہ ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس سورہ کے ایک دوسرے حصہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے اسلام کے مقابلہ میں اعتراضات کو مشخص کرتا ہے کہ وہ گروہ جو ایمان لے آیا ہے اور اعمال صالح انجام دیتا ہے وہ تو بہترین مخلوق ہے۔ اور وہ گروہ جس نے کفر، شرک اور گناہ کی راہ اختیار کر لی ہے، وہ بدترین مخلوق شمار ہوتی ہے۔

اس سورہ کے مختلف نام ہیں، جو اس کے الفاظ کی مناسبت سے انتخاب ہوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ مشہور سورہ ''بینة'' و ''لم یکن'' و ''قیمة'' ہیں۔

سورہ ''بینة'' کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں اس طرح نقل ہوا ہے:۔

''اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اس سورہ میں کون کون سی برکتیں ہیں تو وہ اپنے گھر والوں اور مال و منال کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھتے۔''

قبیلہ ''خزاعہ'' کے ایک شخص نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کی تلاوت کا اجر و ثواب کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں شک و شبہ ہے، اس کی تلاوت نہیں کریں گے اللہ کی قسم مقرب فرشتے اس دن سے جب سے سارے آسمان اور زمین پیدا ہوئے ہیں، اسے پڑھتے ہیں، اور اس کی تلاوت میں ایک لمحہ کے لئے بھی سستی نہیں کرتے جو شخص اسے رات کے وقت پڑھے گا، اللہ ایسے فرشتوں کو مامور کرے گا، جو اس کے دین و دنیا کی حفاظت کریں گے، اور اس کے لئے بخشش اور رحمت طلب کریں گے، اور اگر دن کے وقت پڑھے گا تو ان چیزوں کی مقدار میں جنہیں دن روشن کرتا ہے، اور رات انہیں تاریک بنا دیتی ہے، اسے ثواب دیں گے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ	اہل کتاب اور مشرکین میں سے کفار (کہتے تھے) جب تک ان کے لئے واضح دلیل نہ آجائے وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔
(۲)رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ	اللہ کی طرف سے ایسا رسول جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرے۔
(۳)فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ	اوران میں صحیح اور قابل قدر تحریریں ہوں۔
(۴)وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ؕ	لیکن اہل کتاب نے (اللہ کے دین میں) اختلاف نہیں کیا مگر ان کے پاس واضح دلائل پہنچ جانے کے بعد۔
(۵)وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ؕ	حالانکہ انہیں کوئی حکم اس کے سوا نہیں دیا گیا تھا کہ وہ کمال اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں، شرک سے توحید کی طرف لوٹیں، نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور یہی مستقیم اور صحیح دین ہے۔

تفسیر

یہ جاودانی دین ہے

سورہ کے شروع میں ظہور اسلام سے پہلے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب کی حالت کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''وہ اس بات کا دعویٰ کیا کرتے تھے کہ جب تک کوئی واضح دلیل اور مسلمہ پیغمبران کے پاس نہ آجائے، وہ اپنے دین سے دستبردار نہیں ہوں گے۔''

''ایسا پیغمبر جو اللہ کی طرف سے ہو اور پاک و پاکیزہ صحیفوں کو ہمارے سامنے تلاوت کرے''۔

ایسے صحیفے جن میں موزوں، ثابت اور قابل قدر تحریریں ہوں۔''

ہاں! وہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ظہور سے پہلے اسی قسم کے دعوے کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے ظہور اور آپ ﷺ کی کتاب آسمانی کے نزول کے بعد میدان بدل گیا اور وہ اللہ کے دین میں اختلاف کرنے لگ گئے۔''اور اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا، مگر واضح دلیل اور سچا اور آشکار پیغمبران کے پاس آ جانے کے بعد''

اس بناء پر اوپر والی آیت اسی چیز کے مشابہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیہ ۸۹: **ولما جاء هم كتاب من عندالله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ماعرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين:** میں آئی ہے۔ یعنی جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس کتاب آئی، جو ان نشانیوں کے موافق تھی جو ان کے پاس تھیں، اور اس سے پہلے وہ خود کو فتح کی خوشخبری دیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ کتاب اور وہ پیغمبر جسے انہوں نے پہلے سے پہچانا ہوا تھا، ان کے پاس آیا تو وہ کافر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ اہل کتاب اس قسم کے ظہور کا انتظار کر رہے تھے، اور اصولی طور پر، مشرکین عرب بھی، جو اہل کتاب کو اپنے سے زیادہ عالم اور زیادہ آگاہ سمجھتے تھے، اس پروگرام میں ان کے ساتھ ہم آواز تھے۔ لیکن جب ان کی آرزوئیں پوری ہو گئیں تو انہوں نے اپنا راستہ بدل لیا اور مخالفین کی صفوں میں جا ملے۔

اس کے بعد ''اہل کتاب'' کو اور ان کے تابع ''مشرکین'' کو ملامت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''انہوں نے اس جدید دین میں اختلاف کیوں کیا کہ بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہو گئے حالانکہ اس دین میں انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبات کریں، اور اس کی عبادت کو اس کے غیر کی عبادت سے خالص رکھیں، اور ہر قسم کے شرک سے باز رکھیں اور توحید کی طرف مائل رہیں، نماز کو قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں۔''

اس کے بعد فرماتا ہے:

''اور یہ ایک مستقیم و پائیدار دین ہے''

یہاں ''وما امروا'' سے یہ ہے کہ دین اسلام میں سوائے خالص توحید، اور نماز وزکوٰۃ وغیرہ کے اور کوئی حکم نہیں آیا۔ اور یہ

ایسے امور ہیں جنہیں وہ سب جانتے تھے۔تو پھر وہ ان کو قبول کرنے سے روگردانی کیوں کرتے ہیں؟ اوران کو ماننے سے انکار کررہے ہیں۔

''دین'' سے مراد دین وشریعت کا مجموعہ مراد ہو، یعنی وہ اس بات پر مامور ہوئے تھے کہ اللہ کی پرستش کریں اور ہر جہت سے اپنے دین وآئین کو خالص رکھیں۔ ''وذالک دین القیمۃ'' کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اصول یعنی توحید خاص اور نماز (خالق کی طرف توجہ) اورزکوٰۃ (مخلوق کی طرف توجہ) تمام ادیان کے ثابت اور پائیدار اصول ہیں، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ انسان کی فطرت میں داخل ہیں۔

کیونکہ ایک طرف تو انسان کی سرنوشت مسئلہ توحید پر ہے اور دوسری طرف سے اس کی فطرت منعم کا شکرادا کرنے اوراس کی معرفت وشناخت کی دعوت دیتی ہے، اور تیسری طرف سے روح اجتماعی اور انسان کی مدنیت اسے محروم افراد کی مدد کے لئے پکارتی ہے۔

(٦) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ	اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ اس جدید دین سے کافر ہوگئے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ بدترین مخلوق ہیں۔
(٧) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ	یقینی طور سے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں، وہ (اللہ کی) بہترین مخلوق ہیں۔
(٨) جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ	ان کی جزاء ان کے پروردگار کے یہاں بہشت جاودانی کے باغات ہیں، جس کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اللہ بھی ان سے راضی ہے اور وہ بھی اللہ سے راضی ہیں،

ذٰلِکَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّہٗ ۫	اور یہ (بلند مقام) اس شخص کے لئے ہے، جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

تفسیر

بہترین اور بدترین مخلوق

گزشتہ آیات میں آیا تھا کہ کفار اہل کتاب اور مشرکین اس انتظار میں تھے کہ اللہ کی طرف سے کوئی واضح و روشن دلیل ان کے پاس آئے، لیکن واضح و روشن دلیل ''بینہ'' کے آجانے کے بعد وہ متفرق اور پراگندہ ہو گئے اور ہر ایک نے الگ الگ راہ اختیار کر لی۔

زیر بحث آیات میں اس دعوت الٰہی کے مقابلہ میں ''کفر کرنے والے'' اور ''ایمان لانے والے'' دونوں گروہوں اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ اس جدید دین سے کافر ہوئے ہیں وہ دوزخ کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ وہ بدترین مخلوق ہیں۔''

''اولٰئک هم شر البرية'' (وہ بدترین مخلوق ہیں) کی تعبیر ایک لرزہ خیز تعبیر ہے، جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ تمام چلنے پھرنے والی مخلوق، اور نہ چلنے پھرنے والی مخلوق میں سے، ان لوگوں سے بڑھ کر مردود اور دھتکاری ہوئی مخلوق اور کوئی نہیں ہے، جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہوئے اور اتمام حجت کے بعد سیدھی راہ کو چھوڑ دیا اور ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کر لی۔

''اہل کتاب'' کو مشرکین پر مقدم رکھنے کی وجہ بھی ممکن ہے یہ ہو کہ وہ کتاب آسمانی کے حامل اور دانشمند تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نشانیاں ان کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ آئی تھیں۔ اس بناء پر ان کا مخالفت کرنا زیادہ قبیح و بدتر تھا۔

بعد والی آیت میں دوسرے گروہ کی طرف، جو ان کے مخالف نقطۂ مقابل اور قوس صعودی میں واقع ہوئے ہیں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں، وہ اللہ کی بہترین مخلوق ہیں:''

اس کے بعد ان کی جزا اور پاداش کو چند مختصر سے جملوں میں اس طرح بیان کرتا ہے،: ان کی جزا ان کے پروردگار کے پاس بہشت کے جاودانی باغات ہیں، جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں، اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے''

''اللہ بھی ان سے خوش اور راضی ہے، اور وہ بھی اللہ سے خوش اور راضی ہیں۔''

''یہ بلند و والا مقام اور اہم و بے نظیر جزائیں اس شخص کے لئے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔''

''اولٰئک ھم خیر البریة'' کی تعبیر اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ مومن اور اعمال صالح بجالانے والے انسان، فرشتوں تک سے بھی برتر و بالا ہیں، کیونکہ آیت مطلق ہے، اور اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ قرآن کی دوسری آیات بھی اسی معنی کی گواہ ہیں مثلاً: فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی آیات، اور آیہ **ولقد کرمنا بنی آدم** (اسراء۔۷۰)

وہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں کیونکہ جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ اس نے انہیں دیا ہے، اور اللہ ان سے راضی اور خوش ہے کیونکہ وہ جو کچھ چاہتا تھا وہ انہوں نے انجام دے دیا، اور اگر ان سے کوئی لغزش ہو بھی گئی ہو تو اس نے اپنے لطف و کرم سے اس سے صرف نظر کی، اس سے بڑھ کر اور کون سی لذت ہو سکتی ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے کاموں کو معبود نے قبول کر لیا ہے اور اس کا محبوب اس سے راضی اور خوش ہے۔ اور اسے اس کی لقاء حاصل ہو گئی ہے۔

دارند ہر کس از تو مرادے و مطلبے

مقصود ما ز دنیا و عقبٰی لقائے تو است

''ہر شخص تجھ سے کوئی نہ کوئی خواہش اور مطلب رکھتا ہے

لیکن ہمارا مقصد دنیا و آخرت میں تیری لقاء ہے۔''

ہاں! انسان کے جسم کی جنت تو اس جہان کے جاودانی باغات ہیں، لیکن اس کی روح کی بہشت اللہ کی رضا اور لقائے محبوب ہے۔

علی علیہ السلام اور ان کے شیعہ خیر البریہ ہیں

''درالمنثور'' میں آیا ہے کہ جس وقت آیۂ ''ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک ھم خیر البریة'' نازل ہوئی، تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا:

''وہ تو اور تیرے شیعہ ہیں، قیامت کے دن تم اللہ سے راضی ہو گے اور اللہ تم سے راضی ہو گا۔''

مذکورہ مؤلف نے ایک دوسری حدیث میں ''ابن مردویہ'' کے واسطے سے علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ

سے فرمایا:

''کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ فرماتا ہے: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے وہ بہترین مخلوق ہیں؟ یہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر کا کنارہ ہے۔ جب میں امتوں کے حساب کے لئے آؤں گا تو تمہیں ''غرالمجلین'' (سفید پیشانیوں والے) کہہ کر پکارا جائے گا''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوپر والی حدیث بہت ہی مشہور و معروف احادیث میں سے ہے جسے اکثر دانش مندوں اور علماء اسلام نے قبول کیا ہے۔ اور یہ علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی ایک بہت بڑی فضلیت ہے۔

ضمنی طور پر ان روایات سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ لفظ ''شیعہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان نشر ہوا، اور یہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے پیروکاروں کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ''شیعہ'' کی تعبیر صدیوں بعد وجود میں آئی ہے، بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

سورہ الزلزال

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اوراس میں ۸ آیات ہیں۔

سورہ ''زلزال'' کے مطالب

یہ سورہ خصوصیت کے ساتھ تین محوروں کے گرد گردش کرتا ہے۔

پہلے ''الشراط الساعۃ'' اور قیامت کے وقوع کی نشانیوں سے بحث کرتا ہے۔

اوراس کے بعد انسان کے تمام اعمال کے بارے میں زمین کی گواہی کی گفتگو ہے۔

اور تیسرے حصہ میں لوگوں کی دو گروہوں ''نیکوکار'' و ''بدکار'' میں تقسیم، اور ہر شخص کے اپنے اعمال کا نتیجہ پانے کی بات ہے۔

سورہ زلزال کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت میں اسلامی روایات میں اہم تعبیریں آئی ہیں۔ منجملہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے۔

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گویا اس نے سورہ بقرہ کی قرأت، اوراس کا اجروثواب اس شخص کے برابر ہے جس نے قرآن کے چوتھے حصہ کی قرأت کی ہو''۔

اور ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''سورہ اذا زلزلت الارض کی تلاوت کرنے سے ہرگز خستہ نہ ہونا، کیونکہ جو شخص اس کو نافلہ نمازوں میں پڑھے گا وہ ہرگز بھی زلزلہ میں گرفتار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ سے مرے گا۔ اور مرتے دم تک صاعقہ اور آفات دنیا میں سے کسی آفت میں گرفتار نہ ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ	جس وقت زمین شدت کے ساتھ لرزنے لگے گی۔

(۲)وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ	اور زمین اپنے سنگین بوجھ کو باہر نکال کر رکھ دے گی۔
(۳) وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ	اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔
(۴) یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ	اس دن زمین اپنی تمام خبروں کو بیان کردے گی۔
(۵)بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ	کیونکہ تیرے پروردگار نے اسے وحی کی ہے۔
(۶)یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ	اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکلیں گے، تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔
(۷)فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ	پس جس شخص نے ایک ذرہ برابر بھی اچھا کام انجام دیا ہو گا وہ اسے دیکھے گا۔
(۸)وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۠	اور جس نے ایک ذرہ برابر برا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھے گا۔

تفسیر

جس دن انسان اپنے تمام اعمال دیکھے گا

جس طرح سورہ کے مطالب کے بیان میں اشارہ ہوا ہے یہ سورہ اس جہان کے اختتام اور قیامت کے شروع کے بعض ہولناک اور وحشت ناک حوادث کے بیان کے ساتھ شروع ہوا ہے۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''جس وقت زمین شدت کے ساتھ ہلنے لگے گی۔''

اور اس طرح زیروزبر ہوگی کہ ''وہ سارے سنگین بوجھ، جو اس کے اندر ہیں، باہر نکال کر رکھ دے گی۔''

''زلزالها'' (اس کا زلزلہ) کی تعبیر یا تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دن سارہ کرۂ زمین لرزنے لگے گا۔ زلزلہ معہود یعنی زلزلۂ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔

''اثقال'' (سنگین بوجھ) سے مراد وہ انسان ہیں جو قیامت کے زلزلہ سے قبروں کے اندر سے باہر اچھل پڑیں گے، اور بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے اندرونی خزانوں کو باہر پھینک دے گی۔اور بے خبر دنیا پرستوں کے لئے حسرت کا سبب بنے گی۔

یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد زمین کے اندر بہنے والے بھاری موادکو باہر پھینکنا ہے جن کی کچھ مقدار عام طور پر آتش فشانی اور زلزلوں کے وقت باہر نکلتی ہے۔

عالم کے اختتام پر، جو کچھ زمین کے اندر ہے وہ اس زلزلۂ عظیم کے بعد باہر آ جائے گا۔

پہلی تفسیر زیادہ مناسب نظر آتی ہے، اگرچہ ان تفاسیر کے درمیان جمع بھی بعید نہیں ہے۔

بہرحال اس دن انسان اس ان دیکھے منظر کو دیکھ کر سخت متوحش ہوگا، اور کہے گا: ''یہ کیا ہو گیا ہے کہ زمین اس طرح لرز رہی ہے، اور جو کچھ اس کے اندر تھا اسے باہر پھینک دیا ہے۔''

انسان یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو سب کو شامل ہے، کیونکہ زمین کے اوضاع و احوال سے تعجب اس دن کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا۔

یہ تعجب، اور اس سے پیدا ہونے والا سوال ''نفحۂ اولی'' سے مربوط ہے

جو اس عالم کے اختتام کا نفحہ ہے۔ کیونکہ یہ زلزلۂ عظیم اختتام جہان پر آئے گا۔

یہ احتمال بھی دیا گیا ہے کہ اس سے مراد زمین کے ''اثقال'' سے مراد معدنیات، خزانے اور اس کے اندر موجود پگھلے ہوئے مواد ہیں۔

اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ''زمین اس دن اپنی ساری خبریں بیان کرے گی''۔

جو خوبیاں اور برائیاں، اور خیر و شر کے اعمال روئے زمین پر واقع ہوئے ہیں، وہ ان سب کو ظاہر کر دے گی۔ اور اس دن انسان کے اعمال کے گواہوں میں سے اہم ترین گواہ یہی زمین ہوگی جس پر ہم اپنے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اور جو ہماری شاہد و ناظر ہے۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''زمیں کے خبر دینے سے مراد یہ ہے کہ زمین ہر مرد اور ہر عورت کے اعمال کی، جو انہوں نے روئے زمین پر انجام

دیئے ہیں خبر دے گی، وہ کہے گی فلاں شخص نے فلاں دن فلاں کام کیا تھا، یہ زمین کا خبر دینا''۔

بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: یہ اس خبر (نبأ) پر ہے کہ تیرے پروردگار نے زمین کو وحی کی ہے۔''

اور زمین اس فرمان کے اجراء میں کوتاہی نہیں کرے گی، ''اوحیٰ'' کی تعبیر یہاں اس بناء پر ہے کہ اس قسم کی اسرار آمیز گفتگو کرنا زمین کی طبیعت کے خلاف ہے۔ اور یہ چیز ایک وحی الٰہی کے طریقے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے: ''اس دن لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں قبروں سے نکل کر عرصۂ محشر میں وارد ہوں گے، تا کہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں۔

''**لیروا اعمالھم**'' (تا کہ ان کے اعمال انہیں دکھائے جائیں) کے جملہ سے

تجسم اعمال'' کی صورت میں خود اعمال کا مشاہدہ مراد ہے۔

یہ آیت مسئلہ تجسم اعمال پر روشن ترین آیات میں سے شمار ہوتی ہے کہ اس دن انسان کے اعمال مناسب صورتوں میں مجسم ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں گے، اور ان کی ہم نشینی خوشی کا موجب یا رنج و بلا کا باعث ہوگی۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں مومن و کافر، نیکوکار و بدکار کے انجام کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''پس جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔''

اور جس شخص نے ذرہ برابر برا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھے گا۔''

ان آیات کا ظاہر بھی، قیامت کے دن ''تجسم اعمال'' اور خود عمل کے مشاہدہ کے مسئلہ پر، نئے سرے سے ایک تاکید ہے، چاہے وہ عمل نیک ہو یا برا، یہاں تک کہ اگر ایک سوئی کے برابر بھی نیک یا برا کام ہوگا تو وہ بھی اپنے کرنے والے کے سامنے مجسم ہو جائے گا، اور ''ذرۃ'' یہاں مراد سب سے چھوٹا وزن ہے۔

نہ صرف اس سورہ کی آخری آیات سے، بلکہ قرآن کی مختلف آیات سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اعمال کی حساب رسی میں حد سے زیادہ دقت اور موشگافیاں ہوں گی۔ سورہ لقمان کی آیہ ۱۶ میں آیا ہے:۔ ''اے بیٹے! اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی (نیک یا بد عمل ہوگا) اور وہ پتھر کے اندر یا آسمان یا زمین کے کسی گوشہ میں چھپا ہوا ہوگا، تو اللہ (قیامت میں) حساب رسی کے لئے اسے لے آئے گا، بے شک اللہ لطیف و خبیر ہے۔

یہ تعبیریں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ اس حساب رسی میں چھوٹے سے چھوٹے کاموں کا بھی محاسبہ ہوگا۔ ضمنی طور پر یہ آیات اس بات کی تنبیہہ کرتی ہیں کہ نہ تو چھوٹے گناہوں کو کم اہمیت شمار کریں، اور نہ ہی چھوٹے نیک کاموں کو۔ وہ چیز جس کا اللہ حساب لے گا، چاہے وہ کچھ بھی ہو کم اہمیت نہیں ہے۔

اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے مطالب پر گہرا ایمان، اس بات کے لئے کافی ہے کہ انسان کو راہ حق پر چلائے اور ہر قسم کے فساد و شر سے روکے۔

سورہ العادیات

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۱۱ آیات ہیں۔

سورہ ''العادیات'' کے مطالب اور اس کی فضلیت

اس سورہ ''کے آغاز میں کچھ بیدار کرنے والی قسموں کا ذکر ہے اور اس کے بعد نوع انسانی کی چند کمزوریوں مثلاً کفر، بخل اور دنیا پرستی کا ذکر ہے، اور انجام کار مسئلہ معاد پر ایک مختصر اور گویا اشارے اور بندوں پر اللہ کے علمی احاطہ پر سورہ ختم ہوتا ہے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضلیت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو ان تمام حاجیوں کی تعداد سے (جو عید قربان کی رات) ''مزدلفہ'' میں توقف کرتے ہیں، اور وہاں حاضر رہتے ہیں، دس گنا زیادہ نیکیاں اسے دی جائیں گی۔''

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

جو شخص سورہ والعادیات کو پڑھے گا، اور اس کی مداومت کرے گا، تو اللہ اسے قیامت کے دن خصوصیت کے ساتھ امیر المومنین (علیہ السلام) کے ہمراہ مبعوث کرے گا، اور وہ آپ کی جماعت میں اور آپ کے دوستوں کے درمیان ہوگا۔''

یہ بات کہے بغیر ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام فضلیتیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو اس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیں گے، اور اس کے تمام مطالب و مضامین پر ایمان رکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ	ان فراٹے بھرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم۔
(۲)فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ	اوران کی قسم جو چنگاریاں نکالتے ہیں۔
(۳)فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ	اور صبح ہوتے ہی دشمن پر یلغار کردیتے ہیں۔
(۴)فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ	اور اس سے ہر طرف گرد وغبار ہی گرد وغبار کردیتے ہیں۔
(۵)فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ	اور یکا یک دشمن کے دل بادل میں گھس جاتے ہیں۔

(٦)اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ	بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے سامنے ناشکرا اور بخیل ہے۔
(٧)وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ	اور وہ خود بھی اس معنی پر گواہ ہے۔
(٨)وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ	وہ مال کے ساتھ شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے۔
(٩)اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ	کیا وہ نہیں جانتا کہ اس دن جو بھی قبروں میں ہیں وہ سب زندہ ہو جائیں گے۔
(١٠)وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ	اور جو کچھ سینوں کے اندر (چھپایا ہوا) ہے، وہ آشکار اور ظاہر ہو جائے گا۔
(١١) اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ۠	اس دن ان کا پروردگار ان (کے اعمال) سے مکمل طور پر باخبر ہے۔

شان نزول

ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ سورہ جنگ ''ذات السلاسل'' کے بعد نازل ہوا، اور اس کا واقعہ اس طرح ہے۔

ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بارہ ہزار سوار سرزمین ''یابس'' میں جمع ہیں، اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ جب تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی علیہ السلام کو قتل نہ کر لیں اور مسلمانوں کی جماعت کو منتشر نہ کر دیں آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی ایک بہت بڑی جماعت کو بعض صحابہ کی سرکردگی میں ان کی جانب روانہ کیا، لیکن وہ کافی گفتگو کے بعد بغیر کسی نتیجہ کے واپس لوٹ آئے۔

آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مہاجرین وانصار کے ایک گروہ کثیر کے ساتھ ان سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کے علاقہ کی طرف روانہ ہونے اور رات بھر میں سارا سفر طے کر کے صبحدم دشمن کو اپنے محاصرے میں لے لیا۔ پہلے تو ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو ابھی فضا تاریک ہی تھی

کہ ان پر حملہ کر دیا اور انہیں درھم برھم کر کے رکھ دیا، ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا اور بکثرت مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔

سورۂ ''والعادیات'' نازل ہوئی حالانکہ ابھی سر بازان اسلام مدینہ کی طرف لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ پیغمبر اللہ ﷺ اس دن نماز صبح کے لئے آئے تو اس سورہ کی نماز میں تلاوت کی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کیا، یہ تو ایسا سورہ ہے جسے ہم نے آج تک سنا نہیں ہے۔

فرمایا: ہاں! علی علیہ السلام دشمنوں پر فتح یاب ہوئے ہیں اور جبرائیل نے گزشتہ رات یہ سورہ لا کر مجھے بشارت دی ہے۔

کچھ دن کے بعد علی علیہ السلام غنائم اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں وارد ہوئے۔

تفسیر

بیدار مجاہدین کی قسم

ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سورہ بیدار کرنے والی قسموں سے شروع ہوا ہے۔ پہلے فرماتا ہے: ''ان فراٹے بھرتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم (جو میدان جہاد کی طرف پیش رفت کرتے ہیں)۔''

یا حاجیوں کے ان اونٹوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے سرزمین عرفات سے مشعر الحرام اور مشعر سے منیٰ کی طرف چلتے ہیں۔

یہ تفسیر کئی جہات سے زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ اور روایات اہل بیت علیہم السلام پر بھی وارد ہوتی ہے۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: ''قسم ہے ان کی جو آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں۔''

مجاہدین کے وہ گھوڑے جو میدان جنگ کی طرف اتنی تیزی کے ساتھ جاتے ہیں کہ ان کے سموں کے پتھروں پر ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں، یا وہ اونٹ جو سرعت کے ساتھ مواقف حج میں دوڑتے ہیں اور ان کے پاؤں کے نیچے سے کنکریاں اور ریت اڑتی ہے اور ان کے دوسرے سنگریزوں کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

اس کے بعد تیسری قسم میں فرماتا ہے: ''اور صبح ہوتے ہی دشمن پر حملہ کرنے والوں کی قسم''۔

اس کے بعد ان مجاہدین اور ان کی سواریوں کی ایک اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے: ''دشمن پر اس قدر تیزی کے ساتھ دوڑ کر جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہر طرف گرد و غبار ہی گرد و غبار کر دیتے ہیں۔''

یا یہ کہ حاجیوں کے اونٹوں کے مشعر سے منیٰ کی طرف ہجوم کے زیر اثر ہر طرف سے گرد وغبار اٹھتا ہے۔

ان کی خصوصیات میں سے آخری خصوصیت کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ اسی صبح دشمن کے درمیان پہنچ گئے۔''

انہوں نے غفلت کی حالت میں دشمن پر ایسی برق رفتاری کے ساتھ حملہ کیا کہ چند ہی لمحوں کے اندر صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا، ان کے قلب لشکر پر حملہ کر کے ان کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا اور یہ اسی سرعت عمل، بیداری، آمادگی، شہامت اور شجاعت کا نتیجہ ہے۔

یا یہ حاجیوں کے ''مشعر'' سے قلب ''منیٰ'' میں ورود کی طرف اشارہ ہے۔

اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مجاہدین کے گھوڑوں کا فراٹے بھرنا اور سانس لینا تک بھی لائق قسم ہے۔ اسی طرح پتھروں پر ان کی ٹاپوں سے نکلنے والی چنگاریاں اور اسی طرح وہ گرد وغبار جو وہ فضا میں اڑاتے ہیں، ہاں! ہاں! میدان جہاد کا گرد وغبار بھی قابل قدر اور باعظمت ہے۔

ان عظیم قسموں کے بعد جواب قسم، یعنی وہ چیز جس کے لئے قسمیں کھائی گئی ہیں، پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''بے شک انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کے بارے میں ناشکرا اور بخیل ہے۔''

وہی غیر تربیت یافتہ انسان، وہی انسان جس کے دل پر معارف الٰہی اور انبیاء کی تعلیمات کے انوار نہیں چمکے، ......اور وہی انسان جس نے خود کو خواہشات نفسانی اور سرکش شہوتوں کا تابع بنالیا ہے، یقیناً وہ ''ناشکرا'' اور ''بخیل'' ہے۔

ایسے موارد میں ''انسان'' کی تعبیر، بدکار، ہواپرست، سرکش اور باغی انسانوں کے معنی میں ہے،۔ اس کے بعد مزید کہتا ہے:

''اور وہ خود بھی اسی معنی پر گواہ ہے۔''

کیونکہ انسان اپنے نفس کے بارے میں اچھی طرح آگاہ ہے اور اگر وہ اپنی اندرونی صفات کو ہر شخص سے چھپا سکتا ہو تو اللہ اور اپنے وجدان سے مخفی نہیں رکھ سکتا، چاہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''وہ مادی چیزوں اور مال سے شدید لگاؤ اور محبت رکھتا ہے۔''

اور مال و دولت کے ساتھ اس کا یہی شدید اور کثرت سے لگاؤ اس کے بخل، ناشکری اور کفران کا سبب بن جاتا ہے۔

مال'' پر ''خیر'' کا اطلاق اس بناء پر ہے کہ مال اپنی ذات کی حد تک ایک اچھی چیز ہے۔ اور وہ انواع واقسام کی نیکیوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن ناشکرا اور بخیل انسان اس کو اس کے اصلی ہدف سے روک کر خود پسندی اور خودغرضی کی راہ میں استعمال کرتا

ہے۔

اس کے بعد ایک استفہام انکاری کی صورت میں، جو تہدید کے ساتھ توأم ہے، فرماتا ہے: ''کیا یہ ناشکرا، بخیل اور دنیاپرست انسان یہ نہیں جانتا کہ جب وہ سب کے سب کے جو قبروں میں ہیں وہ زندہ ہو جائیں گے۔''

اور جب وہ تمام چیزیں جو سینوں میں ہیں، جیسے کفر و ایمان، اخلاص و ریا، تکبر و غرور، تواضع و انکسار اور اچھی اور بری نیتیں، سب آشکار ہو جائیں گے۔''

''اس دن ان کا پروردگار ان سے اور ان کے اعمال اور نیتوں سے آگاہ ہے۔'' اور اس کے مطابق ہی انہیں جزا و سزا دے گا۔ ہاں! اللہ ہمیشہ اور ہر حالت میں اندر اور باہر کے اسرار سے مکمل طور پر آگاہ ہے، لیکن اس آگاہی کا اثر قیامت میں اجر و ثواب اور جزا و سزا کے وقت زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہو جائے گا۔ اور یہ تمام انسانوں کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ اگر واقعاً وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ چیز ان کے اور گناہوں کے درمیان ایک طاقتور رسد بن جائے گی،

سورۂ القارعة

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ١١ آیات ہیں۔

سورۂ ''القارعہ'' کے مطالب

اس سورہ میں کلی طور پر معاد اور اس کے مقدمات کے بارے میں گفتگو ہے۔اس میں چبھنے والی تعبیریں ہیں، ہلا دینے والے بیان ہیں، اور صریح و واضح انذار اور تنبیہ ہے۔اور آخر میں انسانوں کی دو گروہوں میں تقسیم کا بیان ہے۔

ایک گروہ تو وہ ہے جن کے اعمال عدل الٰہی کی میزان میں وزنی ہوں گے، اور ان کی جزاء حق تعالیٰ کے جوار رحمت میں سراسر رضایت بخش زندگی ہے۔اور دوسرا گروہ وہ ہے جن کے اعمال ہلکے اور کم وزن ہوں گے، ان کی سرنوشت جہنم کی جلانے والی آگ ہے۔

اس سورہ کا نام یعنی ''قارعۃ'' اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

سورہ ''القارعہ'' کی تلاوت کی فضیلت

اس کی فضیلت کے سلسلہ میں سب اتنا ہی کافی ہے کہ ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ ''قارعہ'' کو پڑھے گا تو خداوند تعالیٰ اسے دجال کے فتنہ اور اس پر ایمان لانے سے محفوظ رکھے گا، اور اسے قیامت کے دن انشاءاللہ پیپ سے دور رکھے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) اَلۡقَارِعَۃُ ۙ	وہ چبھنے والا حادثہ۔
(۲) مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ	اور وہ کیسا چبھنے والا حادثہ ہے؟
(۳) وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ ؕ	اور تو کیا جانے کہ وہ چبھنے والا حادثہ کیسا ہے؟
(۴) یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ	وہ دن جس میں لوگ پراگندہ پروانوں کی طرح ہر طرف دوڑ رہے ہوں گے۔
(۵) وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ	اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔
(۶) فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ	(اس دن) جس کے اعمال کا ترازو وزنی ہوگا۔

(۷)فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ	وہ ایک پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔
(۸)وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ	لیکن جس کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا۔
(۹)فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ	اس کی پناہ گاہ ھاویہ (جہنم) ہوگی۔
(۱۰)وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ؕ	اورتو کیا جانے کہ ھاویہ کیا ہے؟
(۱۱)نَارٌ حَامِيَةٌ ۧ	ایک جلاڈالنے والی آگ ہے۔

تفسیر

چبھنے والا حادثہ

ان آیات میں، جو قیامت کا تعارف کراتی ہیں، پہلے ارشاد ہوتا ہے: ''وہ چبھنے والا حادثہ''

''اور وہ کیسا چبھنے والے حادثہ ہے۔''

''اورتو کیا جانے کہ وہ چبھنے والا حادثہ کیا ہے؟''

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ ''قارعۃ'' قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، لیکن انہوں نے ٹھیک طور سے یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ تعبیر قیامت کے مقدمات کی طرف اشارہ جس میں عالم دنیا درھم برھم ہوجائے گا۔

دوم اس سے دوسرا مرحلہ مراد ہو، یعنی مردوں کے زندہ ہونے اور عالم ہستی میں ایک نئی طرح ڈالنے کا مرحلہ، اور ٹکرانے اور چبھنے کی تعبیر اس بناء پر ہے کہ جس دن وحشت وخوف اور ڈر دلوں سے ٹکرائیں گے اور ان کی سرکوبی کریں گے۔

لیکن مجموعی طور سے پہلا احتمال زیادہ مناسب نظر آتا ہے، اگر چہ ان آیات میں دونوں حادثے یکے بعد دیگرے ذکر ہوئے ہیں (قرآن کی اور بہت سی دوسری آیات کے مانند جو قیامت کی خبر دیتی ہیں)۔

اس کے بعد اس عجیب وغریب دن کے تعارف میں کہتا ہے: ''وہی دن جس میں لوگ پراگندہ، حیران و پریشان، پروانوں کی طرح ہر طرف جائیں گے۔''

''پروانہ'' کے ساتھ تشبیہ اس لئے ہے کہ پروانے اپنے آپ کو دیوانہ وار آگ پر پھینک دیتے ہیں۔ بدکار لوگ بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں ڈالیں گے۔

اس کے بعد اس دن کی ایک اور خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کے مانند ہو جائیں گے۔''

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کی مختلف آیات کے مطابق قرب قیامت میں پہاڑ پہلے تو چلنے لگیں گے، پھر ایک دوسرے

کے ساتھ ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور انجام کار غبار کی صورت میں فضا میں اڑنے لگیں گے۔ زیر بحث آیات میں ان کو رنگین اور دھنکی ہوئی اون سے تشبیہہ دی گئی ہے، ایسی اون جو تیز آندھی کے ساتھ چلے اور صرف رنگ ہی رنگ نمایاں ہو۔ اور یہ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے کا آخری مرحلہ ہوگا۔

اس کے بعد حشر ونشر، مردوں کے زندہ ہونے اور ان کی دو گروہوں میں تقسیم کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''پس جس شخص کا ترازوئے عمل وزنی ہوگا......''

''وہ ایک عمدہ اور پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔''

اور یہ عظیم امتیاز آخرت کی زندگی کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی بھی مرفہ، پرنعمت، امن وامان اور رضایت وخوشنودی کے ساتھ ہو، پھر بھی ناخوشی اور ناپسندیدگی کے عوامل سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ صرف آخرت ہی کی زندگی ہے جو سراسر رضایت وخوشنودی، آرام وسکون اور امنیت ودل جمعی کا سبب ہے۔

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ علیہ السلام سے میزان کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

''المیزان العدل'

''تولنے کی ترازو وہی عدل ہے''

اس طرح اولیاء اللہ یا قوانین عدل الٰہی ہی وہ ترازو ہیں جن کے سامنے انسانوں اور ان کے اعمال کو پیش کیا جاتا ہے اور جس قدر وہ ان کے ساتھ مشابہت اور مطابقت رکھتے ہیں وہی ان کا وزن ہوگا۔

یہ بات واضح ہے کہ میزان کے ''ہلکا'' اور ''بھاری'' ہونے سے مراد خود تولنے کے ترازوؤں کی سنگینی وسبکی نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کا وزن ہے جن کو ان سے تولتے ہیں۔

''لیکن جس شخص کا ترازوئے اعمال ہلکا ہوگا......''

''تو اس کی پناہ گاہ جہنم ہے۔''

اور تو کیا جانے ھاویہ (دوزخ) کیا ہے؟

''ایک جلانے والی آگ ہے''

سورہ التّکاثر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۸ آیات ہیں۔

سورہ ''تکاثر'' کے مطالب

اس سورہ کے مطالب میں مجموعی طور سے پہلے تو ایسے لوگوں کی، جو موہوم مطالب کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے تھے، سرزنش اور ملامت ہے۔ اس کے بعد قیامت و معاد اور جہنم کی آگ کے مسئلہ پر تنبیہ ہے اور آخر میں نعمتوں کے بارے میں سوال اور باز پرس کے مسئلہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔

اس سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

سورہ التکاثر کی تلاوت کی فضیلت

اس کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس کو پڑھے گا تو خدا اس سے ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا جو اس نے اسے دار دنیا میں دی ہیں، اور اسے اس قدر اجر و ثواب عطا کرے گا گویا کہ اس نے قرآن کی ہزار آیتوں کی تلاوت کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ	تفاخر و تکاثر نے تمہیں اپنے حال میں مشغول رکھا۔
(۲) حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ	یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کے لئے گئے۔
(۳) كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ	ایسا نہیں ہے تم جلد ہی (اصل حقیقت کو) جان لو گے۔
(۴) ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ	ہرگز ایسا نہیں ہے یہ جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔
(۵) كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ	اس طرح نہیں ہے اگر تم آخرت کا علم الیقین رکھتے ہوتے۔
(۶) لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ	تم یقیناً جہنم کو دیکھو گے۔

(۷) ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ	پھراس کو عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ کروگے۔
(۸) ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ	پھراس دن تم سب سے ان نعمتوں کے بارے میں جو تمہیں دی گئی تھیں، سوال کیا جائے گا۔

شان نزول

جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ مفسرین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ سورہ ان قبائل کے بارے میں نازل ہوا ہے جو ایک دوسرے پر فخر ومباہات کیا کرتے تھے اور اپنی جمعیت، افراد کی کثرت یا مال ودولت کی زیادتی کے باعث ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے، یہاں تک کہ اپنے قبیلہ کے افراد کی تعداد کو بڑھانے کے لئے قبرستان میں جاتے تھے اور ہر قبیلہ کی قبریں شمار کرتے تھے۔

لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شان نزول چاہے جو کچھ بھی ہو آیت کے مفہوم کو ہرگز محدود نہیں کرتی۔

تفسیر

تکاثر وتفاخر کی مصیبت

ان آیات میں پہلے ملامت بھرے لہجہ میں فرماتا ہے: ''تفاخر اور ایک دوسرے پر کثرت رکھنے کے خیال نے تمہیں اللہ اور قیامت سے غافل کر کے اپنی طرف مشغول کر دیا ہے۔'' (الھاکم التکاثر)۔

''یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت اور دیدار کے لئے بھی گئے اور تم نے اپنے مردوں کی قبروں کو شمار کیا''

امیر المومنین علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں ''**الھاکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر**'' کے بعد فرمایا ہے:

''تعجب ہے وہ مقصد سے کتنے زیادہ دور ہیں اور کیسے غافل زیارت کرنے والے ہیں؟ اور کیسا موہوم اور رسوا کرنے والا افتخار ہے؟ ایسے افراد کی بوسیدہ ہڈیوں کی یاد میں پڑے ہوئے ہیں جو سالہا سال سے مٹی ہو چکے ہیں اور وہ یاد بھی کیسی؟ اتنے دور دراز کے فاصلہ پر ایسے لوگوں کی یاد میں پڑے ہیں جو ان کی حالت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ کیا وہ اپنے آباؤ اجداد کی نابودی کی جگہ پر فخر کرتے ہیں یا اپنے مردوں اور معدومین کی تعداد کو شمار کر کے خود کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے جسموں کی بازگشت کے خواہاں ہیں جن کا تار و پود بکھر چکا ہے، اور جن کی حرکتیں ختم ہو چکی ہیں، یہ بوسیدہ جسم اگر عبرت کا باعث ہوں تو وہ اس سے زیادہ سزاوار ہیں کہ موجب افتخار ہوں۔''

تفاخر کا سرچشمہ

تفاخر اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کرنے کے عوامل اصل میں ایک، ہی خدائی جزاء وسزا کے بارے میں جہالت ونادانی اور معاد کے بارے میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا اپنی پیدائش کے آغاز سے لے کر انجام تک، اپنی کمزوریوں اور مصیبتوں سے بے خبر رہنا بھی کبر و غرور اور تفاخر کے عوامل میں سے ایک عامل ہے۔

اس بات کے لئے دوسرا عامل وہی ضعف وحقارت کا احساس ہے جو ناکامیوں اور شکستوں سے پیدا ہوتا ہے کہ کچھ افراد اپنی شکستوں کی پردہ پوشی کے لئے تفاخر ومباہات کی پناہ لیتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے۔

''کوئی شخص تکبر اور فخر ومباہات نہیں کرتا مگر اس ذلت کی وجہ سے جسے وہ اپنے نفس کے اندر پاتا ہے۔''

بعد والی آیت میں ان لوگوں کو اس بات کے ساتھ سختی سے تہدید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، اور تم اس کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر ومباہات کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے اس موہوم تفاخر کا نتیجہ دیکھ لوگے۔''

پھر دوبارہ مزید تاکید کے لئے کہتا ہے: ''پھر بھی اس طرح نہیں ہے جس طرح تم خیال کرتے ہو۔ عنقریب تم جان لوگے۔''

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہم میں سے ایک گروہ ہمیشہ عذاب قبر کے بارے میں شک کیا کرتا تھا یہاں تک کہ سورہ ''الھاکم التکاثر'' نازل ہوئی، یہاں تک کہ فرماتا ہے: ''کلا سوف تعلمون'' اس سے مراد عذاب قبر ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے: ''ثم کلا سوف تعلمون'' اس سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم ایک دوسرے پر فخر کرنے والے خیال کرتے ہو۔ اگر تمہارا آخرت پر ایمان ہوتا اور علم الیقین کے ساتھ اسے جان لیتے، تو ہر گز ایسا کام نہ کرتے اور ان باطل مسائل پر فخر ومباہات کرنے سے باز آتے۔

یقین اور اس کے مراحل

''یقین'' ''شک'' کا نقطۂ مقابل ہے، روایات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق ایمان کے اعلیٰ مرحلہ کو یقین کہا جاتا ہے

یقین کے تین مرحلہ ہیں۔

۱۔ علیم الیقین: یہ ہے کہ انسان مختلف دلائل سے کسی چیز پر ایمان لائے، اس شخص کے مانند جو دھوئیں کو دیکھ کر آگ کے

ہونے پر ایمان لے آتا ہے۔

۲۔عین الیقین :اس مقام پر حاصل ہوتا ہے جب انسان مشاہدہ کے مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اپنی آنکھ سے مثلاً کسی آگ کو دیکھ لے۔

۳۔حق الیقین :اور وہ اس شخص کے مانند ہے جو آگ میں داخل ہو جائے، اور اس کی سوزش اور حرارت کو لمس کرے، اور یہ یقین کا بالاترین مرحلہ ہے۔

پھر دوبارہ تاکید اور مزید ڈرانے کے لئے اضافہ کرتا ہے:تم یقینی طور پر جہنم کو دیکھو گے۔''

''پھر اس دن میں داخل ہو کر عین الیقین کے ساتھ اس کا مشاہدہ کرو گے۔''

''پھر اس دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں، جو تمہیں دی گئی تھیں، سوال کیا جائے گا۔''

اس دن تمہیں اس بات کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ تم نے ان خداداد نعمتوں کو کس طریقہ سے صرف کیا ہے؟ اور ان سے تم نے اللہ کی اطاعت کے لئے مدد لی ہے یا اس کی معصیت کے لئے، یا ان نعمتوں کو ضائع کر کے ہر گز ان کا حق ادا نہی کیا ہے؟

نعیم اکا ایک وسیع معنی ہے جو تمام مواہب الٰہی کو، چاہے وہ معنوی ہوں جیسے دین، ایمان، اسلام وقرآن اور ولایت یا انواع و اقسام کی انفرادی واجتماعی نعمتیں ہوں، ان سب کو شامل ہے۔

البتہ جو نعمتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں، مثلاً نعمت ''ایمان وولایت'' تو ان کے بارے میں زیادہ سوال ہوگا کہ ان کا حق ادا ہوا ہے یا نہیں؟

”ان اللّٰہ تعالی لا یقدّس امّة لا یعطون الضعیف منهم حقّه“(**نہج الفصاحة**......۳۱۷)

خداوند عالم کسی ایسی قوم کو مقدس قرار نہیں دیتا جس میں کمزوروں کو ان کا حق نہیں دیا جاتا۔

سورۂ والعصر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۳ آیات ہیں۔

سورہٴ ”والعصر“ کے مطالب

اس سورہ کی جامعیت اس حد تک ہے کہ بعض مفسرین کے قول کے مطابق قرآن کے تمام علوم ومقاصد کا خلاصہ اس سورہ میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس سورہ نے مختصر ہونے کے باوجود انسان کی سعادت وخوش بختی کا ایک مکمل اور جامع پروگرام پیش کیا ہے۔

سب سے پہلے ”عصر“ کی معنی خیز قسم سے شروع ہوتا ہے، جس کی تفسیر عنقریب پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد تمام انسانوں کے زیاں کار اور خسارے میں ہونے کی گفتگو ہے جو تدریجی زندگی کی فطرت میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد صرف ایک گروہ کو اس اصل کلی سے جدا کرتا ہے، جو ذیل کی چار خصوصیات والے پروگرام کے حامل ہیں۔

۱۔ایمان، ۲۔عمل صالح، ۳۔ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے والے۔

۴۔ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرنے والے۔

حقیقتاً یہ چار اصول اسلام کے اعتقادی وعملی، اور انفرادی واجتماعی پروگراموں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔

سورہ العصر کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں آیا ہے۔

”جو شخص سورہٴ ”والعصر“ کو نافلہ نمازوں میں پڑھے گا، اللہ اسے قیامت کے دن اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ نورانی، لب خنداں، اور اس کی آنکھ اللہ کی نعمتوں سے روشن اور ٹھنڈی ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یہ سب اعزاز وافتخار اور سرور وشادمانی اس شخص کے لئے ہے، جو اپنی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل کرے گا، نہ کہ صرف پڑھنے پر قناعت کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱)وَ الۡعَصۡرِ ۙ	قسم ہے عصر کی۔
(۲)اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ	کہ سب انسان خسارے میں ہیں۔

(۳) اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ٪	سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے، ایک دوسرے کو حق کی وصیت ونصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر واستقامت کی وصیت کی۔

تفسیر

نجات کی صرف ایک راہ

اس سورہ کی ابتداء میں ہم ایک نئی قسم سے روبرو ہورہے ہیں، فرماتا ہے: ''عصر کی قسم''۔

''عصر'' کا لفظ اصل میں نچوڑنے کے معنی میں ہے، اس کے بعد اس کا وقت عصر پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ میں اس روزانہ کے پروگراموں اور کاموں کو لپیٹ کر مختصر کردیا جاتا ہے۔

اس کے بعد یہ لفظ مطلق ''زمانہ'' اور تاریخ بشر کے دور یا زمانے کے ایک حصہ، جیسے ظہور اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے زمانے، اور اسی قسم کے دوسرے زمانوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی لئے اس قسم کی تفسیر میں مفسرین نے اسے تمام زمانے اور تاریخ بشریت کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جو درسہائے عبرت، ہلا دینے والے حوادث اور بیدار کرنے والے واقعات سے پر ہے، اور اسی بناء پر ایسی عظمت رکھتا ہے کہ اللہ کی قسم کے لائق ہے۔

اور بعض نے زمانے کے ایک خاص حصہ کو، جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کا زمانہ یا مہدی علیہ السلام کے قیام کا زمانہ، جو تاریخ بشر میں خصوصیت اور مخصوص عظمت کا حامل ہے، مراد لیا ہے اور قسم کو اسی کے بارے میں سمجھتے ہیں۔

لیکن ان سب میں سے، سب سے زیادہ مناسب، عصر کو زمانہ اور تاریخ بشر کے معنی میں لینا ہی نظر آتا ہے۔

یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم کے قیام کا زمانہ، کیونکہ اس سورہ میں بیان کئے گئے چار اصولوں کا پروگرام اسی زمانہ میں نازل ہوا ہے۔

بعد والی آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جس کے لئے یہ اہم قسم کھائی گئی ہے، فرماتا ہے: ''یقینی طور پر تمام انسان خسارے میں ہیں''

وہ اپنے وجودی سرمائے کو، خواہ چاہیں یا نہ چاہیں، کھو بیٹھتے ہیں، عمر کی گھڑیاں، دن، مہینے اور سال تیزی کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں، معنوی اور مادی قوتیں تحلیل ہوجاتی ہیں اور طاقت وقدرت گھٹتی چلی جاتی ہیں۔

ایک دل میں حرکت کرنے کی ایک معین استعداد ہوتی ہے، اور جب وہ استعداد اور طاقت ختم ہوجاتی ہے تو دل خود بخود رک جاتا ہے، حالانکہ اس میں کوئی عیب، بیماری یا علت نہیں ہوتی، اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ وہ کسی بیماری کی وجہ سے پہلے ہی

فیل نہ ہوجائے۔انسانی وجود کے باقی کارخانوں،اوراس کی مختلف استعدادوں کے سرمایوں کا بھی یہی حال ہے۔

بہرحال اسلام کی جہاں بینی کے لحاظ سے دنیاایک بازارتجارت ہے،جیسا کہ ایک حدیث میں امام ہادی علی بن محمد تقی علیہ السلام سے آیا ہے:

''دنیاایک بازار ہے جس میں ایک گروہ نے نفع کمایااوردوسری جماعت خسارے میں رہی۔''

زیر بحث آیت کہتی ہے کہ اس عظیم بازار میں سبھی لوگ خسارے میں رہتے ہیں،سوائے ایک گروہ کے جس کا پروگرام بعدوالی آیت میں بیان ہوا ہے۔

ہاں!اس عظیم خسارے اورقہری وجبری نقصان سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے،صرف ایک ہی راستہ جس کی طرف اس سورہ کی آخری آیت میں اشارہ ہوا ہے،فرماتا ہے:''سوائے ان لوگوں کے جوایمان لائے ہیں اورانہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ہیں،اورایک دوسرے کوحق کی وصیت اورصبرواستقامت کی نصیحت کرتے ہیں۔''

خوش بختی کا چارنکاتی پروگرام

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن نے اس عظیم خسارے کے لئے ایک جامع پروگرام پیش کیا ہے،جس میں چاراصولوں پرتکیہ ہوا ہے۔

پہلی اصل:اس پروگرام میں مسئلہ''ایمان''ہے جوانسان کی تمام کارکردگیوں کی بنیادہے،کیونکہ انسان کی عملی جدوجہداس کی فکری واعتقادی بنیادوں سے سرچشمہ حاصل کرتی ہے۔وہ حیوانات کے افعال کی طرح نہیں ہوتیں جن کی حرکات فطری وطبعی اسباب کی بناءپرہوتی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں انسان کے اعمال اس کے عقائدوافکارکی ایک مجسم صورت ہوتے ہیں،اوراسی بناءپراللہ کے تمام انبیاء ہرچیز سے پہلے امتوں کی اعتقادی بنیادوں کی اصلاح کیا کرتے تھے۔اوروہ خصوصیت کے ساتھ شرک سے......جوانواع واقسام کے رذائیل،بدبختیوں اورپراگندگیوں کا سرچشمہ ہے......مبارزہ کرتے تھے۔

دوسری اصل: میں ایمان کے بارآوراورپرثمر درخت کے پھل اورنتیجہ کوپیش کرتے ہوئے''اعمال صالح'' کی بات کرتا ہے۔

کیسی وسیع اورمطالب سے پرتعبیر ہے،ہاں!''صالحات''وہی سارے کے سارے شائستہ اعمال،نہ صرف عبادات،نہ صرف انفاق فی سبیل اللہ،نہ صرف راہ اللہ میں جہاد،نہ صرف علم ودانش کا حصول،بلکہ ہروہ شائستہ کام جوتمام میدانوں میں نفوس کے تکامل وارتقاء،اخلاق کی پرورش،قرب الی اللہ اورانسانی معاشرے کی پیش رفت کا وسیلہ ہو۔

اور چونکہ ایمان وعمل صالح سوائے اس صورت کے ہرگز جاری نہیں رہتے کہ ایک طرف تو معاشرے میں حق کی طرف دعوت اوراس کی معرفت کے لئے کام کیا جائے اور دوسری طرف سے اس دعوت کی انجام دہی کی راہ میں صبر واستقامت کی دعوت ہو، اس لئے ان دواصولوں کے بعد دوسرے دو اصولوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، جو حقیقت میں دو بنیادی اصولوں ''ایمان'' اور ''عمل صالح'' کے اجراء کے ضامن ہیں۔

تیسری اصل میں ''تواصی بہ حق'' کے مسئلہ یعنی حق کی طرف سب کو عمومی دعوت دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ سب لوگ حق کو باطل سے اچھی طرح پہچان لیں اور ہرگز اسے فراموش نہ کریں اور زندگی کی راہ میں اس سے منحرف نہ ہوں۔

چوتھی اصل میں ''صبر'' واستقامت اوراس کی نصیحت ووصیت کرنے کا مسئلہ پیش ہوا ہے، کیونکہ معرفت اور آگاہی کے بعد ہر شخص عمل کی راہ میں ہر قدم پر موانع سے روبرو ہوتا ہے۔ اگر استقامت اور صبر نہ ہو تو وہ ہرگز احقاق حق نہیں کرسکتا اور کوئی عمل صالح انجام نہیں دے سکتا، یا اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کرسکتا۔

ہاں! احقاق حق، اور اجراء حق اور معاشرے میں حق کی ادائیگی، ایک عمومی فعالیت اور پختہ وعظیم استقامت یعنی موانع کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کے سوا ممکن نہیں ہے۔

''صبر'' بھی یہاں ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو اطاعت پر صبر کرنے کو بھی شامل ہے، گناہ پر ابھارنے والی چیزوں پر صبر کرنے، اور مصائب اور ناگوار حوادث پر صبر کرنے اور توانائیوں، سرمایوں اور ثمرات کو کھو بیٹھنے کے مقابلہ میں صبر کرنے کو بھی۔

اور حقیقتاً اگر مسلمان آج بھی اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں ان چار اصولوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کی مشکلات اور بے سروسامانیاں حل ہو جائیں، پس ماندگی کی تلافی ہو جائے، کمزوریاں اور ناکامیاں کامیابیوں سے بدل جائیں، اور دنیا جہان کے شریروں کے شر ان سے منقطع ہو جائیں۔

"صاحب العلم یستغفر له کل شئ حتّی الحوت فی البحر"

صاحبانِ علم کے لئے ہر چیز، یہاں تک کہ دریا کی مچھلیاں بھی مغفرت کرتی ہیں۔(**نہج الفصاحۃ......۱۸۲۵**)

سورۂ ھمزۃ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۹ آیات ہیں۔

سورۂ ہمزہ کے مطالب

یہ سورہ ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جو مال جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اوران کے نزدیک انسانی وجود کی تمام اقدار کا خلاصہ یہی ہے۔ پھر وہ ان لوگوں کو جن کے ہاتھ اس سے خالی ہوتے ہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوران کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اورسورہ کے آخر میں ان کی دردناک سرنوشت کی بات کرتا ہے کہ وہ کیسی حقارت آمیز صورت میں دوزخ میں پھینکے جائیں گے، اورجہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہر چیز سے پہلے ان کے دل پر مسلط ہوجائے گی، اوران کی روح وجان کو، جو اس سارے کبر ونخوت اور ان سب شرارتوں کا مرکز تھا، آگ میں ڈال دیا جائے گا، بھڑکتی ہوئی دوامی اور طولانی آگ۔

سورہ ہمزہ کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اسے ان لوگوں کی تعداد سے، جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اصحاب کا مذاق اڑایا تھا، دس گنا حسنات دیئے جائیں گے۔''

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص اس کو واجب نماز میں پڑھے گا، تو اس سے فقر وفاقہ دور ہوجائے گا، اورروزی اس کا رخ کرے گی اور قبیح اور بری موت اس سے دور ہوجائے گی۔''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۙ	ہر عیب جو اور تمسخر کرنے والے کے لئے افسوس ہو۔
(۲) الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ	وہی جو مال کو جمع کر کے گنتا رہا۔
(۳) یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ	وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اس کے دوام کا سبب بن جائیں گے۔

(۴) كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ	جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے ایسا نہیں ہے، عنقریب اسے حطمہ (ریزہ ریزہ کرنے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا۔
(۵) وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ	اور تو کیا جانے کہ حطمہ کیا ہے؟
(۶) نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ	اللہ کی بھڑکتی ہوئی آگ۔
(۷) الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ	ایسی آگ جو دلوں سے نکلتی ہے۔
(۸) اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ	یہ آگ ان کے اوپر دربستہ صورت میں ہے۔
(۹) فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ	کشیدہ اور طولانی ستونوں میں۔

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس سورہ کی آیات ''ولید بن مغیرہ'' کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس پشت تو آپ کی غیبت کیا کرتا تھا اور آپ کے سامنے طعن و تشنیع اور استہزاء کیا کرتا تھا۔

اور بعض دوسرے مفسرین نے اسے رؤسائے شرک اور اسلام کے جانے پہچانے دوسرے کینہ ور لوگوں مثلاً ''اخنس بن شریق''، و ''امیہ بن خلف''، و ''عاص بن وائل'' کے بارے میں سمجھا ہے۔

لیکن اگر ہم ان شان ہائے نزول کو قبول بھی کرلیں تو بھی آیات کے مفہوم کی عمومیت ختم نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات کے حامل ہیں۔

تفسیر

عیب جوئی اور غیبت کرنے والوں کے لئے وائے ہے

یہ سورہ ایک چبھنے والی تہدید کے ساتھ شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے: ''ہر عیب جو اور تمسخر اڑانے والے کے لئے وائے ہے''۔

وہ لوگ جو زبان کے ڈنک، ہاتھ اور پاؤں کی حرکات اور چشم و ابرو کے اشاروں سے، پیٹھ پیچھے اور روبرو دوسروں کا مذاق اڑاتے ہیں، یا ان کی عیب جوئی اور غیبت کرتے ہیں، یا انہیں طعن و تشنیع اور تہمت کے تیروں کا ہدف بناتے ہیں۔

''ھمزۃ'' و ''لمزہ''

ارباب لغت کے کلمات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک ہی معنی میں ہیں اور ایک وسیع معنی رکھتے ہیں، جو ہر قسم کی عیب جوئی، غیبت، طعن وتشنیع اور علائم واشبارات اور زبان کے ذریعے ٹھٹھہ کرنے اور مذق اڑانے اور چغل خوری اور بدگوئی کو شامل ہے۔

اصولی طور پر اسلام کی نظر میں اشخاص کی عزت اور حیثیت بہت ہی محترم ہے۔ اور ہر وہ کام جو لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سبب ہو بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل شخص وہ ہے جو لوگوں کی توہین و تذلیل کرے۔''

ایک حدیث میں آیا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے شب معراج دوزخیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کے ان کے پہلوؤں سے گوشت الگ کر کے انہیں کھلاتے تھے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت میں سے عیب جوئی کرنے والے اور استہزا کرنے والے ہیں''۔

اس کے بعد اس قبیح عمل (عیب جوئی واستہزا) کے سرچشمہ کو (جو عام طور پر مال و دولت سے پیدا ہونے والے کبر و غرور کے سبب سے ہوتا ہے) پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے: ''وہی شخص جو مال جمع کر کے گنتا رہا، (حلال وحرام کا خیال رکھے بغیر)۔

اسے مال و دولت کے ساتھ اتنی محبت ہے، کہ وہ ہمیشہ انہیں گنتا رہتا ہے اور درہم و دینار کی چمک اور دوسری قسم کے سکوں سے لذت حاصل کرتا ہے، اور خوش ہوتا ہے۔ ہر درہم و دینار اس کے لئے ایک بت ہے، وہ نہ صرف اپنی شخصیت بلکہ تمام شخصیتوں کو انہیں میں منحصر سمجھتا ہے اور یہ ایک طبیعی وفطری امر ہے کہ اس قسم کا گمراہ اور دیوانہ واحمق آدمی فقیر ونادار مومنین کا ہمیشہ مذاق اڑایا کرتا ہے۔

بہرحال یہ آیت ان مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ہے جو مال کو ایک وسیلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک ہدف اور مقصد کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے جمع کرنے میں کسی قسم کی قید وشرط کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اسے حلال وحرام اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز کر کے، شریفانہ طریقہ سے، یا پست ورذیلانہ طریقہ سے، جمع کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کو عظمت وشخصیت کی نشانی سمجھتے ہیں۔

وہ مال و دولت کو زندگی کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے نہیں چاہتے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مال و دولت میں جتنا اضافہ ہوتا جاتا ہے ان کی حرص اور طمع بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ورنہ معقول حدود میں اور جائز طریقہ سے حاصل شدہ مال و دولت نہ صرف مذموم نہیں ہے بلکہ بعض اوقات قرآن مجید نے اسے ''فضل اللہ'' کے عنوان سے تعبیر کیا ہے، جہاں فرماتا ہے: وابتغوا من فضل اللہ (جمعہ۔۱۰) اور دوسری جگہ اسے خیر سے تعبیر کرتا ہے:

تم پر واجب ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچے تو اگر اس نے کچھ خیر چھوڑی ہے تو اس کے لئے وصیت کرے۔

ایسا مال یقینی طور پر نہ تو طغیان وسرکشی کا باعث ہوتا ہے، نہ ہی تفاخر کا سبب بنتا ہے اور نہ ہی وہ دوسروں کے استہزاء کا موجب ہوتا ہے، لیکن وہ مال جو معبود بنا لیا گیا ہے اور وہی اصلی ہدف ومقصد بن چکا ہے، اور وہ اپنے مالکوں کو ''قارون'' کی طرح طغیان وسرکشی کی دعوت دیتا ہے، وہ ننگ وعار ہے، ذلت ہے اور مصیبت ہے اور خدا سے دوری اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں رہنے کا باعث ہے۔

عام طور پر اس مال کو زیادہ مقدار میں جمع کرنا بہت زیادہ آلودگیوں کے سوا ممکن نہیں ہے۔

اس لئے ایک حدیث میں امام علی علیہ السلام ابن موسیٰ رضا علیہ السلام سے آیا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''پانچ خصلتوں کے بغیر مال کسی کے پاس جمع نہیں ہوسکتا۔

(۱) بخل شدید (۲) طویل آرزوئیں (۳) حرص غالب

(۴) قطع رحمی (۵) دنیا کو آخرت پر مقدم رکھنا۔''

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''دولت جمع کرنے والا مال پرست انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کے اموال اس کی ہمیشگی کا سبب ہیں''

یہ تصور کتنا غلط اور خام خیالی ہے؟ اس قدر مال ودولت جو قارون کے قبضہ واختیار میں تھا، کہ اس کے خزانوں کی چابیاں کئی طاقتور مرد بڑی مشکل سے اٹھا سکتے تھے، لیکن عذاب الٰہی کے حملہ کے وقت وہ اس کی موت کو ایک گھڑی کے لئے مؤخر نہ کر سکے اور اللہ نے اسے اور اس کے خزانوں کو ایک ہی لحہ میں مختصر سے زلزلہ کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا''

وہ اموال جن کا کامل نمونہ فراعنہ مصر کے پاس تھا، لیکن بمصداق ''کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیھا فاکھین'': ''وہ کتنے زیادہ باغات اور چشمے کھیتیاں اور عمدہ وقیمتی محلات، اور دوسری فراواں نعمتیں جن میں وہ ناز ونعمت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔'' (دخان، ۲۵ تا ۲۷) لیکن یہ سب کے سب آسانی کے ساتھ ایک ہی ساعت میں دوسروں کے ہاتھ میں پہنچ گئے: ''اور اسی لئے کیونکہ قیامت میں پردے ہٹ جائیں گے، اور انہیں اپنی عظیم غلطی کا علم ہو جائے گا، تو وہ پکار اٹھیں گے:۔

میرے مال ودولت نے مجھے ہرگز بے نیاز نہیں کیا، اور میری قدرت وطاقت واقتدار بھی میرے پاس نہ رہے۔ (حاقہ۔ ۲۸۔۲۹)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مال کے ذریعے دوام اور ہمیشگی کا تصور، مال کے جمع کرنے کی ایک دلیل ہے۔ اوران دل کے اندھوں کی نظر میں مال کا جمع ہو جانا بھی دوسروں پر استہزاء اور تمسخر کرنے کا ایک عامل شمار ہوتا ہے۔

قرآن اس گروہ کے جواب میں فرماتا ہے: ایسا نہیں ہے جیسا کہ وہ گمان کرتا ہے:

بلکہ وہ عنقریب انتہائی ذلت وخواری کے ساتھ پاش پاش کرنے والی آگ میں پھینک دیئے جائیں گے۔''

اس کے بعد **حطمه** کی اس طرح تفسیر کرتا ہے: ''اور تو کیا جانے کہ **حطمه** کیا ہے''

''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

''وہ آگ جو دلوں سے نکلے گی اوراس کے ابتدائی شعلے دلوں میں ظاہر ہوں گے۔''

یعنی اللہ ان مغرور، خود خواہ، اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والوں کو اس دن ذلیل اور بے قدر و قیمت موجودات کی صورت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گا، تا کہ وہ اپنے کبر وغرور کا نتیجہ دیکھ لیں۔

ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ ان کے دل ہی تو کفر اور کبر ونخوت کا مرکز تھے، اور وہ حب دنیا اور مال و دولت کی محبت کا محور بنے ہوئے تھے۔

انہوں نے اس دنیا میں مومنین کے دل کو تمسخر، عیب جوئی، غیبت اور تحقیر و تذلیل کے ساتھ جلایا تھا، لہٰذا عدالت الٰہی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے اعمال جیسا ہی کیفر کردار دیکھیں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: ''یہ جلانے والی آگ ان پر دروازہ بند صورت میں ہوگی۔''

حقیقت میں جیسا کہ وہ اپنے اموال کو مضبوط صندوقوں اور دربست خزانوں میں محفوظ کر کے رکھا کرتے تھے، اللہ بھی انہیں دوزخ کے دربست عذاب میں، جس سے خلاصی اور نجات پانے کی کوئی راہ نہ ہوگی، قید کرے گا۔

اور آخر میں فرماتا ہے:

''انہیں کھینچے ہوئے اور طولانی ستونوں میں رکھا جائے گا''

مفسرین کی ایک جماعت نے اس تعبیر کو لوہے کی بڑی بڑی میخوں کی طرف اشارہ سمجھا ہے، جن کے ساتھ جہنم کے دروازے محکم طور پر جڑے ہوئے ہوں گے، اس طرح کہ ان سے نکلنے کی بالکل کوئی راہ نہ ہوگی۔ اس بناء پر یہ گزشتہ آیت پر ایک تاکید ہے جو یہ کہتی ہے کہ جہنم کے دروازوں کو ان پر بند کر دیں گے، اور وہ ہر طرف سے محصور ہو کر رہ جائیں گے۔

سورہ الفیل

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس میں ۵ آیات ہیں۔

سورۂ فیل کے مطالب

یہ سورہ......جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے......ایک مشہور تاریخی داستان کی طرف اشارہ ہے، جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سال واقع ہوئی تھی اور اللہ نے خانہ ''کعبہ'' کو کفار کے اس عظیم لشکر کے شر سے محفوظ رکھا تھا، جو سرزمین یمن سے ہاتھیوں پر سوار ہو کر آیا تھا۔

اس داستان کی یاد آوری مغرور اور ہٹ دھرم کفار کے لئے ایک تنبیہ ہے کہ وہ یہ جان لیں کہ وہ اللہ کی قدرت کے مقابلہ میں کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ اللہ جس نے ہاتھیوں کے اس عظیم لشکر کو ان چھوٹے چھوٹے پرندوں، اور ان نیم بند کنکریوں سے ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہ ان ہٹ دھرم متکبرین کو سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

سورۂ فیل کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورہ فیل کو نماز واجب میں پڑھے گا قیامت میں ہر پہاڑ اور ہموار زمین اور ہر ڈھیلہ اس کی گواہی دے گا کہ وہ نماز گزاروں میں سے ہے اور ایک منادی ندا دے گا کہ تم نے میرے بندے کے بارے میں سچ کہا ہے میں تمہاری گواہی کو اس کے نفع یا نقصان میں قبول کرتا ہوں۔ میرے بندے کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دو، کیونکہ وہ ایسا شخص ہے جسے میں دوست رکھتا ہوں اور اس کے عمل کو بھی دوست رکھتا ہوں''۔

یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ یہ سب فضیلت وثواب اور عظیم جزا اس شخص کے لئے ہے جو ان آیات کو پڑھ کر غرور وتکبر کی سواری سے نیچے اتر آئے اور رضائے الٰہی کی راہ میں قدم رکھ دے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ	کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا۔
(۲) اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ۙ	کیا ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا؟
(۳) وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ۙ	اور ان کے اوپر گروہ در گروہ پرندے بھیجے۔

(۴)تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ	جوان کے اوپر چھوٹی چھوٹی کنکریاں برسا رہے تھے۔
(۵)فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ	اور (اس طرح) انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند بنا دیا۔

شان نزول

اصحاب فیل کی داستان

مفسرین اور مؤرخین نے اس داستان کو مختلف صورتوں میں نقل کیا ہے اور اس کے وقوع کے سال میں بھی اختلاف ہے لیکن اصل داستان ایسی مشہور ہے کہ یہ اخبار متواتر میں شمار ہوتی ہے اور ہم اسے مشہور روایات کے مطابق ''سیرۃ ابن ہشام''، ''بلوغ الارب''، ''بحارالانوار''، ''مجمع البیان'' سے خلاصہ کر کے نقل کرتے ہیں۔

یمن کے بادشاہ ''ذونواس'' نے نجران کے عیسائیوں کو جو اس سرزمین کے نزدیک بستے تھے، اس لئے بہت تنگ کر رکھا تھا کہ وہ اپنا دین مسیحیت چھوڑ دیں۔ قرآن نے اس واقعہ کو سورۂ ''بروج'' میں ''اصحاب الاخدود'' کے عنوان سے بیان کیا ہے اور ہم نے اسے اسی سورہ کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس عظیم جرم کے بعد ''دوس'' نامی ایک شخص ان میں سے اپنی جان بچا کر نکل گیا اور وہ قیصر روم کے پاس، جو دین مسیحیت پر تھا، جا پہنچا، اور اس کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

چونکہ ''روم'' اور ''یمن'' کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا لہٰذا اس نے حبشہ کے بادشاہ ''نجاشی'' کو خط لکھا کہ وہ ''ذونواس'' سے نصارائے نجران کا انتقام لے، اور اس خط کو اسی شخص کے ہاتھ ''نجاشی'' کے پاس روانہ کیا۔

''نجاشی'' نے ایک بہت بڑا لشکر جو ستر ہزار افراد سے زیادہ پر مشتمل تھا ''ارياط'' نامی شخص کی کمان میں یمن کی طرف روانہ کیا۔ ''ابرھہ'' بھی اس لشکر کے افسروں میں سے ایک تھا۔

''ذونواس'' کو شکست ہوئی، اور ''ارياط'' یمن کا حکمران ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد ''ابرھہ'' نے ارياط کے خلاف بغاوت کر دی، اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس واقعہ کی نجاشی کو خبر پہنچی تو اس نے ''ابرھہ'' کی سرکوبی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ابرھہ نے اپنی نجات کے لئے اپنے سر کے بال منڈوا کر یمن کی کچھ مٹی کے ساتھ مکمل تسلیم کی نشانی کے طور پر نجاشی کے پاس بھیج دیئے، اور وفاداری کا اعلان کیا۔

نجاشی نے جب یہ دیکھا تو ابرھہ کو معاف کر دیا، اور اسے اس کے منصب پر برقرار رکھا۔

اس موقع پر ''ابرھہ'' نے اپنے حسن خدمت کو ثابت کرنے کے لئے ایک اہم اور بہت ہی خوبصورت گرجا تعمیر کرایا۔ جس کی اس زمانہ میں کرۂ زمین پر کوئی مثل ونظیر نہ تھی۔ اوراس کے بعد جزیرہ عرب کے لوگوں کو خانہ کعبہ کی بجائے اس گرجے کی طرف دعوت دینے کا مصمم ارادہ کرلیا، اور یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ اس جگہ کو عرب کے حج کا مرکز بنا کر مکہ کی اہم مرکزیت کو وہاں منتقل کر دے۔

اس مقصد کے لئے اس نے ہر طرف عرب کے قبائل اور سرزمین حجاز میں بہت سے مبلغ بھیجے۔ عربوں نے، جو مکہ اور کعبہ کے ساتھ شدید لگاؤ رکھتے تھے اور اسے ابراہیم علیہ السلام خلیل کے آثار میں سے جانتے تھے، اس سے خطرہ محسوس کیا۔

بعض روایات کے مطابق ایک گروہ نے وہاں جا کر مخفی طور پر اس گرجے کو آگ لگا دی، اور دوسری روایت کے مطابق بعض نے اسے مخفی طور پر گندہ اور ملوث کر دیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے اس عظیم دعوت کے مقابلہ میں شدید ردعمل کا مظاہرہ کیا، اور ''ابرھہ'' کے عبادت خانے کو بے اعتبار اور حقیر بنا دیا۔

ظاہر ہے اس پر ''ابرھہ'' کو بہت غصہ آیا اور اس نے خانۂ کعبہ کو کلی طور پر ویران کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ اس کا خیال تھا اس طرح وہ انتقام بھی لے لے گا اور عربوں کو نئے معبد کی طرف متوجہ بھی کر دے گا۔ چنانچہ وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ، جن میں سے کچھ لوگ ہاتھیوں پر سوار تھے، مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے کچھ لوگوں کو مکہ والوں کے اونٹ اور دوسرے اموال لوٹنے کے لئے بھیجا۔ ان میں سے دوسو اونٹ ''عبدالمطلب علیہ السلام'' کے بھی لوٹ لئے گئے۔

''ابرھہ'' نے کسی آدمی کو مکہ کے اندر بھیجا ''ابرھہ'' کا قاصد مکہ میں داخل ہوا اور رئیس وشریف مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ سب نے ''عبدالمطلب'' کی طرف راہنمائی کی۔ اس نے ''عبدالمطلب'' کے سامنے ماجرا بیان کیا۔

''ابرھہ'' کے قاصد نے عبدالمطلب سے کہا کہ تمہیں میرے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا۔ جب عبدالمطلب اس کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ سخت متاثر ہوا، یہاں تک کہ ''ابرھہ'' ان کے احترام میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور زمین پر بیٹھ گیا اور ''عبدالمطلب'' کو اپنے پہلو میں بٹھالیا، اس کے بعد اس نے اپنے مترجم سے کہا کہ ان سے پوچھ کہ ان کی کیا حاجت ہے؟

آپ نے مترجم سے کہا: میری حاجت یہ ہے کہ میرے دوسو اونٹ تیرے لشکری لوٹ کر لے گئے ہیں، تو انہیں حکم دے کر وہ میرا مال واپس کر دیں۔

''ابرھہ'' کو ان کے اس مطالبہ پر سخت تعجب ہوا اور اس نے اپنے مترجم سے کہا: ان سے کہو: جب میں نے تمہیں

دیکھا تھا، تو میرے دل میں تمہاری بہت زیادہ عظمت پیدا ہوئی تھی، لیکن جب نے یہ بات کہی تو میری نظر میں تمہاری توقیر گھٹ گئی۔ تم اپنے دوسو اونٹوں کے بارے میں تو بات کرتے ہو لیکن ''کعبہ'' کے بارے میں جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے، اور میں اسے ویران کرنے کے لئے آیا ہوں، بالکل کوئی بات نہیں کرتے۔

''عبدالمطلب'' نے کہا:

''میں اونٹوں کا مالک ہوں، اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے، وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔''

(اس بات نے ابرھہ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ سوچ میں پڑ گیا)۔

''عبدالمطلب'' مکہ کی طرف آئے، اور لوگوں کو اطلاع دی کہ وہ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو جائیں۔ اور آپ خود ایک گروہ کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس آئے تا کہ دعا کریں اور مدد طلب کریں۔ آپ نے خانہ کعبہ کے دروازے کی زنجیر میں ہاتھ ڈال کر اپنے یہ مشہور اشعار پڑھے:

''خدایا ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے گھر کی حفاظت فرما۔''

''ایسا کبھی نہ ہو کہ کسی دن ان کی صلیب اور ان کی قدرت تیری قدرتوں پر غلبہ حاصل کرے''

''اور اپنے شہروں کی تمام توانائیاں اور ہاتھی ساتھ لے کر آئے ہیں تا کہ تیرے حرم کے ساکنوں کو قیدی بنالیں۔''

اس کے بعد عبدالمطلب اطراف مکہ کے ایک درہ کی طرف آئے، قریش کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پناہ لی اور اپنے ایک بیٹے کو حکم دیا کہ وہ کوہ ابوقبیس کے اوپر جا کر دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔

آپ کا بیٹا بڑی تیزی کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہا: بابا جان! سمندر (دریائے احمر) کی طرف سے ایک سیاہ بادل آتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ عبدالمطلب خوش ہو گئے اور پکار کر کہا:

''اے جمعیت قریش اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاؤ کیونکہ اللہ کی نصرت تمہاری مدد کے لئے آ رہی ہے''۔

یہ تو اس طرف کی بات تھی۔

دوسری طرف سے ابرھہ اپنے مشہور ہاتھی پر سوار جس کا نام ''محمود'' تھا، اپنے کثیر لشکر کے ساتھ کعبہ کو تباہ کرنے کے لئے اطراف کے پہاڑوں سے مکہ کی طرف اترا، لیکن وہ اپنے ہاتھی پر جتنا دباؤ ڈالتا تھا وہ آگے نہ بڑھتا تھا، لیکن جب وہ اس کا رخ یمن کی طرف کرتا تھا تو وہ فوراً چل پڑتا تھا۔ ابرھہ اس واقعہ سے سخت متعجب ہوا اور حیرت میں ڈوب گیا۔

اسی اثناء میں سمندر کی طرف سے غول کے غول اور جھنڈ کے جھنڈ، چھوٹے چھوٹے پرندوں کے، آن پہنچے، جن میں سے ہر ایک کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں، جو تقریباً چنے کے دانے کے برابر تھیں۔ انہوں نے یہ کنکریاں ابرھہ کے لشکر پر برسانی شروع کر دیں۔ یہ کنکریاں جس کسی کو لگتیں وہ ہلاک ہو جاتا۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ کنکریاں ان کے بدن پر جہاں بھی لگتیں سوراخ کر دیتی تھیں، اور دوسری طرف نکل جاتی تھیں۔

ایک پتھر خود ''ابرھہ'' کے آ کر لگا اور وہ زخمی ہو گیا۔ اس کو صنعاء (یمن کے پائے تخت) کی طرف واپس لے گئے اور وہ وہاں جا کر ہلاک ہو گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ چیچک کی بیماری پہلی مرتبہ عرب میں اسی سال پھیلی تھی۔

مشہور قول کے مطابق پیغمبر اکرم ﷺ کی ولادت اسی سال ہوئی اور عالم آپ کے نور وجود سے منور ہو گیا۔ لہٰذا بہت سے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان دونوں واقعات کے درمیان ایک رابطہ موجود تھا۔

بہرحال اس عظیم حادثہ کی اس قدر اہمیت تھی کہ اس سال کا نام عام الفیل (ہاتھی کا سال) رکھا گیا اور یہ عربوں کی تاریخ کا مبداء قرار پایا۔

تفسیر

''ابرھہ'' سے کہہ دو کہ آنے میں جلدی نہ کرے

اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا''؟

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''کیا اللہ نے ان کے منصوبہ کو خاک میں نہیں ملا دیا''۔

بعد والی آیت میں مزید فرماتا ہے: ''ان پرندوں نے اس لشکر کو سجیل (پتھریلی مٹی) کے چھوٹے چھوٹے کنکروں سے نشانہ بنایا تھا''

اور یہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جس پر بھی پڑتی تھیں، اسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھیں۔

جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے: ''انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند بنا دیا''

یہ دنیا جہان کے تمام مستکبرین اور سرکشوں کے لئے ایک تنبیہ ہے، تاکہ وہ جان لیں کہ وہ اللہ کی قدرت کے مقابلہ میں کس قدر ناتوان ہیں۔

سورۂ قریش

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۴ آیات ہیں۔

”سورۂ قریش“ کے مطالب

یہ سورہ حقیقت میں سورۂ فیل کی تکمیل کرنے والی سمجھی جاتی ہے اور اس کی آیات اس مطلب پر واضح دلیل ہیں۔

اس سورہ کا مضمون قریش پر اللہ کی نعمت اور ان کے بارے میں اس کے الطاف اور محبتوں کا بیان ہے، تاکہ ان میں شکرگزاری کا احساس پیدا ہو اور یہ اس عظیم گھر کے پروردگار کی عبادت کے لئے......جس سے ان کا سارا شرف اور افتخار ہے......تیار ہو جائیں۔

جیسا کہ ہم نے سورۂ ”والضحی“ کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ یہ سورہ اور سورہ ”الم نشرح“ حقیقت میں ایک شمار ہوتی ہے، اسی طرح سورۂ ”فیل“ اور سورۂ ”قریش“ بھی ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہم ٹھیک طرح سے ان دونوں کے مطالب پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کے مطالب ایک دوسرے کے ساتھ اتنے ملتے جلتے ہیں کہ وہ دونوں کے ایک ہونے کی دلیل بن سکتے ہو۔

اسی بناء پر نماز کی ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھنے کے لئے اگر کوئی شخص اوپر والی سورتوں کا انتخاب کرے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں اکٹھا پڑھے۔

سورہ قریش کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اس کو پڑھے تو اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جائے گی، جنہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے۔ یا وہاں اعتکاف کیا ہے۔“

مسلمہ طور پر اس قسم کی فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو اس اللہ کی بارگاہ میں، جو کعبہ کا پروردگار ہے، سر تعظیم جھکائے، اس کی عبادت کرے، اس گھر کے احترام کو مدنظر رکھے، اس کا پیام دل کے کان سے سنے اور اس کی پابندی کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ	چونکہ قریش کو جاڑے کی گرمی سے مانوس کر دیا ہے
(۲) اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ	(اسی مانوسیت کی وجہ سے) انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفروں سے الفت ہے۔

(۳)فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ	پس (اس عظیم نعمت کے شکرانے کے طور پر) اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیئے۔
(۴) الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ	وہی (پروردگار) جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف سے نجات دی۔

تفسیر

اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنی چاہیئے

چونکہ گزشتہ سورہ (سورۂ فیل) میں اصحاب فیل اور ابرھہ کے لشکر کی نابودی کی تفصیل بیان ہوئی تھی، جو خانہ کعبہ کو نابود کرنے اور اس خدائی مرکز مقدس کو ویران کرنے کے ارادہ سے آیا تھا، لہٰذا اس سورہ کی پہلی آیت میں، جو حقیقت میں سورۂ فیل کا ایک (تکمیلی بیان) ہے، فرماتا: ''ہم نے ہاتھیوں کے لشکر کو نابود کرکے انہیں کھائے ہوئے بھوسہ کے مانند ریزہ ریزہ کردیا، '' تاکہ قریش اس مقدس سرزمین سے الفت پیدا کریں'' اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے مقدمات فراہم ہوں۔

کیونکہ قریش اور تمام اہل مکہ اس سرزمین کی مرکزیت اور امنیت کی بناء پر ہی وہاں رہائش پذیر تھے۔ حجاز کے بہت سے لوگ ہر سال وہاں آتے تھے اور مراسم حج بجالاتے تھے، اقتصادی اور ادبی مبادلات رکھتے تھے اور اس سرزمین کی مختلف برکات سے استفادہ کرتے تھے۔

یہ سب کچھ اس کی مخصوص سلامتی کی وجہ سے تھا۔ اگر ابرھہ یا کسی اور کی لشکر کشی سے اس کی سلامتی اور امنیت مخدوش ہو جاتی، یا خانہ کعبہ ویران ہو جاتا، تو پھر کسی کو اس سرزمین سے الفت ومحبت نہ رہتی۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''ہدف اور مقصد یہ تھا کہ اللہ قریش کو سردیوں اور گرمیوں کے سفروں میں الفت بخشے۔''

ممکن ہے کہ اس سرزمین مقدس سے قریش کو الفت بخشنا مراد ہو، تاکہ وہ گرمیوں اور سردیوں کے طویل سفروں میں اس مقدس مرکز سے اپنا تعلق اور لگاؤ دل سے نہ بھلائیں اور اس کی سلامتی کی وجہ سے اس کی طرف لوٹ آئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرزمین یمن اور شام کی زندگی کی آسائشوں سے متاثر ہو کر مکہ کو خالی چھوڑ دیں۔

یا اس سے ان دو عظیم سفروں میں قریش اور دوسرے لوگوں کے درمیان الفت پیدا کرنا مراد ہے، کیونکہ ابرھہ کی داستان کے بعد لوگ انہیں دوسری نظر سے دیکھتے تھے اور قریش کے قافلہ کے احترام واہمیت کے قائل تھے۔

ہمیں معلوم ہے کہ ''مکہ'' کی زمین میں نہ تو کوئی باغ تھا اور نہ ہی کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ جانوروں کی دیکھ بھال بھی ان کی

محدود تھی، ان کی درآمد زیادہ تر انہیں تجارتی قافلوں کے ذریعے پوری ہوتی تھی۔ وہ سردی کے موسم میں جنوب یعنی سرزمین یمن کی طرف......جس کا موسم نسبتاً گرم ہوتا تھا......رخ کرتے تھے اور گرمی کے موسم میں شمال اور سرزمین شام کی طرف......جس کی ہوا اور موسم خوشگوار ہوتا تھا۔ اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ سرزمین یمن بھی اور سرزمین شام بھی، اس زمانہ میں اہم تجارتی مراکز تھے۔ اور مکہ اور مدینہ ان دونوں کے درمیان حلقۂ اتصالی شمار ہوتے تھے۔

البتہ قریش ان غلط کاریوں کی وجہ سے، جو وہ انجام دیتے تھے، اللہ کے ان الطاف و محبت کے مستحق تو نہ تھے۔ لیکن چونکہ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ اس قبیلہ اور اس سرزمین مقدس سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلوع ہو، لہٰذا اللہ نے ان پر یہ لطف فرمایا۔

بعد والی آیت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قریش کو ان سب خدائی نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں کعبہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں ''اس گھر کے پروردگار کی عبادت کرنا چاہئے نہ کہ بتوں کی۔''

''وہی اللہ جس نے انہیں بھوک سے نجات بخشی اور کھانا دیا، اور بے امنی سے رہائی بخشی اور امن دیا۔''

ایک طرف تو انہیں تجارت میں فروغ عطا کیا اور انہیں فائدہ پہنچایا اور دوسری طرف بدامنی کو ان سے دور کر دیا اور دفع ضرر کیا۔ اور یہ سب کچھ ابرھہ کے لشکر کی شکست سے فراہم ہوا۔ اور حقیقت میں یہ کعبہ کے بانی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھی۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ اس مقدس گھر کو ایک بت خانہ میں تبدیل کر دیا، بتوں کی عبادت کو اس گھر کے اللہ کی عبادت پر ترجیح دی اور انجام کار ان تمام ناشکریوں کا انجام بد دیکھا۔

سورۂ الْماعوْن

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ۷ آیات ہیں

سورۂ ماعون کے مطالب

اس سورہ میں منکرین قیامت کی صفات واعمال کو پانچ مرحلوں میں بیان کیا گیا ہے، کہ وہ اس عظیم دن کی تکذیب کی وجہ سے راہ اللہ میں ''انفاق'' کرنے اور ''یتیموں'' اور ''مسکینوں کی مدد کرنے سے کس طرح روگردانی کرتے ہیں اور وہ ''نماز'' کے بارے میں کیسے غافل اور ریاکار ہیں، اور ''حاجت مندوں'' کی مدد کرنے سے کس طرح روگردانی کرتے ہیں؟

اس سورہ کی شان نزول کے بارے میں بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوا ہے جو روزانہ دو بڑے بڑے اونٹ نحر کیا کرتا تھا اور وہ خود اور اس کے یار دوست انہیں کھاتے تھے۔ لیکن ایک دن ایک یتیم آیا اور اس نے ان سے کچھ مانگا تو اس نے اپنے عصا سے اسے مارا، اور اسے دور کر دیا۔

سورہ ماعون کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص اس سورہ کو اپنی فریضہ اور نافلہ نمازوں میں پڑھے گا تو اللہ اس کے نماز و روزہ کو قبول کرے گا اور ان کاموں کے مقابلہ میں جو اس سے دنیا کی زندگی میں سرزد ہوئے ہیں اس کا کوئی حساب نہیں لے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ	کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے، جو ہمیشہ ہی روز جزا کا انکار کرتا ہے؟
(۲) فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۙ	وہی تو ہے، جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکے دیتا ہے۔
(۳) وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ	اور دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا۔
(۴) فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ	پس ان نماز گزاروں پر افسوس ہے،
(۵) الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ	جو اپنی نمازوں کو بھول جاتے ہیں۔
(۶) الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ	وہی جو ریاکاری کرتے ہیں۔

(۷)وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۠	اوردوسروں کوضروریات زندگی سے بازرکھتے ہیں۔

تفسیر

معاد کے انکار کے اثرات بد

اس سورہ میں پہلے پیغمبر اکرم ﷺ کومخاطب کرتے ہوئے منکرین کے اعمال میں روز جزا کے انکار کے اثرات بد کو بیان کرتا ہے:

''کیا تونے اس شخص کو دیکھا جو ہمیشہ روز جزا کا انکار کرتا ہے''

اسکے بعد ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر مزید فرماتا ہے،:''وہی تو ہے جو یتیم کو سختی کے ساتھ دھکے دیتا ہے۔''

''اور دوسروں کو مسکین ونادار کو کھانا کھلانے کے لئے شوق نہیں دلاتا۔''

''دین'' سے مراد یہاں ''جزا'' یا ''روز جزا'' ہے۔اور روز جزا اور اس کی عظیم دادگاہ کے انکار سے انسان کے عمل میں ایک وسیع ردعمل پیدا ہوتا ہے۔جس کے پانچ حصوں کی طرف اس سورہ میں اشارہ ہوتا ہے،۔

اس گروہ کی تیسری صفت کے بارے میں فرماتا ہے: پس ان نماز گزاروں پر وائے ہے۔''

''وہی نمازی جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں۔''

وہ اس کے لئے نہ تو کسی قدر وقیمت کے قائل ہیں اور نہ ہی اس کے اوقات کو کوئی اہمیت دیتے ہیں،اور نہ ہی اس کے ارکان وشرائط اور آداب کی رعایت کرتے ہیں۔

چوتھے مرحلہ میں ان کے ایک اور بدترین عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:''وہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ ریاکاری کرتے ہیں۔

وہ معاشرہ جو ریاکاری کا عادی ہوجاتا ہے وہ نہ صرف خدا،اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ سے دور کر دیا جاتا ہے،بلکہ اس کے تمام اجتماعی پروگرام مفہوم ومطلب سے خالی ہوجاتے ہیں،اور وہ مٹھی بھر بے معنی ظواہر کا خلاصہ رہ جاتے ہیں،اور ایسے انسان اور اس قسم کے معاشرے کی سرنوشت کتنی دردناک ہے

اور آخری مرحلہ میں مزید فرماتا ہے:''وہ دوسروں کو ضروریات زندگی سے منع کرتے ہیں۔''

مسلمہ طور پر اس تظاہر اور ریاکاری کے سرچشمے روز قیامت پر ایمان کا نہ ہونا،اور خدائی جزاؤں کی طرف توجہ نہ کرنا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان خدائی جزاؤں کو تو چھوڑ دے،اور مخلوق کو خوش کرنے کی طرف توجہ رکھے۔

"ماعون" "معن" (بروزن شأن) کے مادہ سے، کم اور تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔ اور یہاں اس سے مراد جزئی اور معمولی قسم کی چیزیں ہیں، جو لوگ خصوصاً ہمسائے، ایک دوسرے سے عاریتاً لے لیتے ہیں۔ مثلاً کچھ نمک، پانی، آگ (ماچس) برتن وغیرہ۔

واضح رہے کہ جو شخص اس قسم کی چیزیں بھی دوسروں کو نہیں دیتا، وہ انتہائی پست اور بے ایمان آدمی ہوتا ہے۔ ایسے افراد اس قدر بخیل ہوتے ہیں کہ اس قسم کی معمولی چیزوں کے دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔

ہم اس گفتگو کو ایک حدیث کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ضروری اور معمولی چیزوں کو اپنے ہمسایہ سے روکتا ہے، اللہ اسے قیامت کے دن اپنی خیر سے روک دے گا، اور جسے اللہ اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دے اس کا بہت ہی برا حال ہوگا۔

سورۂ الکوثر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس کی ۳ آیات ہیں

سورۂ کوثر کے مطالب

اس سورہ کے شان نزول میں آیا ہے کہ: ''عاص بن وائل'' نے جو مشرکین کے سرداروں میں سے تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسجد الحرام سے نکلتے وقت ملاقات کی اور کچھ دیر تک آپ سے باتیں کرتا رہا۔ قریش کے سرداروں کا ایک گروہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے دور سے اس منظر کا مشاہدہ کیا۔ جس وقت ''عاص بن وائل'' مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟ اس نے کہا: اس ''ابتر'' شخص سے۔

اس نے اس تعبیر کا اس لئے انتخاب کیا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ''عبداللہ'' دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور عرب ایسے آدمی کو جس کے کوئی بیٹا نہ ہو ''ابتر'' کہا کرتے تھے یعنی (بلا عقب، مقطوع النسل) لہٰذا قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی وفات کے بعد اس لقب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے انتخاب کر رکھا تھا، جس پر یہ سورت نازل ہوئی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سی نعمتوں اور کوثر کی بشارت دی اور ان کے دشمنوں کو ابتر کہا۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بانوے اسلام جناب خدیجہ علیہا السلام سے دو پسر تھے ایک قاسم اور دوسرے طاہر جنہیں عبداللہ بھی کہتے تھے دونوں ہی مکہ میں دنیا سے چل بسے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ رہا۔ اس بات نے قریش کے بدخواہوں کی زبان کھول دی، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''ابتر'' کہنے لگے۔

ان کا خیال یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کے پروگرام معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس بات پر بہت خوش تھے۔

قرآن مجید نازل ہوا اور اس سورہ میں اعجاز آمیز طریقہ سے انہیں جواب دیا اور یہ خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہی ابتر رہیں گے اور اسلام و قرآن کا پروگرام کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اس سورہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ ایک طرف تو دشمنان اسلام کی امیدوں پر ایک ضرب تھی اور دوسری طرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی خاطر تھی جن کا قلب پاک اور نازک دل اس قبیح لقب اور دشمنوں کی سازش کو سن کر غمگین اور مکدر رہوا تھا۔

سورہ کوثر کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے اللہ اسے جنت کی نہروں سے سیراب کرے گا اور ہر قربانی کی تعداد میں جو اللہ کے بندے عید (قربان) کے دن کرتے ہیں، اور اسی طرح سے وہ قربانیاں جو اہل کتاب اور مشرکین دیتے ہیں ان سب کی

تعداد کے برابر اس کو اجر دے گا‘‘۔

اس سورت کا نام (کوثر) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ	ہم نے تجھے کوثر (بہت زیادہ خیر و برکت) عطا کی۔
(۲) فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ	اب جب کہ یہ بات ہے تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔
(۳) اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ۠	یقیناً تیرا دشمن ہی ابتر (بلاعقب ومقطوع النسل) ہے۔

تفسیر

ہم نے تجھے فراواں خیر و برکت دی۔

اس تمام سورے میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ (جیسا کہ سورۂ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح میں ہے) اور تینوں سوروں کے اہم اہداف و مقاصد میں سے ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو دردناک انبوہ حوادث میں تسلی دینا اور دشمنوں کے بار بار لگائے ہوئے زبان کے زخموں کے مقابلہ میں تشفی بخشنا ہے۔

پہلے فرماتا ہے: ’’ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔‘‘

’’کوثر‘‘ وصف ہے جو ’’کثرت‘‘ سے لیا گیا ہے، اور فراواں خیر و برکت کے معنی میں ہے۔ اور ’’سخی‘‘ افراد کو بھی ’’کوثر‘‘ کہا جاتا ہے۔

اس بارے میں کہ یہاں کوثر سے کیا مراد ہے؟ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، اور اس سورہ کی تلاوت فرمائی۔ اصحاب نے عرض کیا یہ کیا چیز ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک نہر ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور قدح (بلور) سے زیادہ صاف ہے، اس کے اطراف میں در و یاقوت کے قبے ہیں۔

بعض نے اس کی نبوت سے تفسیر کی ہے، بعض دوسروں نے قرآن سے، بعض نے اصحاب و انصار کی کثرت سے اور بعض نے کثرت اولاد اور ذریت سے، جو سب آپ کی دختر نیک اختر فاطمہ زہرا علیہا السلام سے وجود میں آئی اور اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حساب و شمار

سے باہر ہوگئی ہے اور دامن قیامت تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی یادگار ہے بعض نے اسکی ''شفاعت'' سے بھی تفسیر کی ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر اس وسیع معنی کے واضح مصادیق کا بیان ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا ہے ''کوثر'' خیر کثیر اور فراواں نعمت'' کے معنی میں ہے، اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی زیادہ نعمتیں عطا فرمائیں ہیں۔ اور جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس کے مصادیق میں سے ایک واضح مصداق ہے۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مصداق ہیں، جنہیں آیت کی مصداقی تفسیر کے عنوان سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

اس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات اس وقت کہہ رہا ہے کہ ابھی تک اس خیر کثیر کے آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسی خبر اور پیش گوئی تھی جو مستقل قریب اور مستقبل بعید کے لئے کی جا رہی تھی۔ یہ ایک اعجاز آمیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی حقانیت کو بیان کرنے والی خبر ہے۔

اس عظیم نعمت اور خیر فراواں کے لئے بہت ہی زیادہ شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے، اگر چہ مخلوق کا شکر ادا کرنا خالق نعمت کے حق کو ہرگز ادا نہیں کرتا۔ بلکہ شکر گزاری کی توفیق اس کی طرف سے خود ایک اور نعمت ہے، لہٰذا فرماتا ہے: ''اب جب کہ ایسا ہے تو صرف اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔''

ہاں! نعمت کا بخشنے والا وہی ہے۔ اسی بناء پر نماز، عبادت اور قربانی جو ایک قسم کی عبادت ہے، اس کے علاوہ کسی اور کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔

یہ بات مشرکین کے اعمال کے مقابلہ میں ہے جو اپنی نعمتوں اللہ ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ لیکن سجدہ اور قربانی بتوں کے لئے کرتے تھے۔ اور اس سورہ کی آخر آیت میں، اس نسبت کی طرف توجہ دیتے ہوئے، جو شرک کے سرغنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیتے تھے، فرماتا ہے: ''تو ابتر اور بلا عقب ومقطوع النسل نہیں ہے۔ بلکہ تیرا دشمن ابتر، بلا عقب اور مقطوع النسل رہے گا۔''

''شانی'' کی تعبیر اسی واقعیت کو بیان کرتی ہے کہ وہ اپنی دشمنی میں کم سے کم آداب کی رعایت تک بھی نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کی عداوت ودشمنی قساوت ورذالت سے آمیختہ تھی۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام اور ''کوثر''

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ''کوثر'' ایک عظیم جامع اور وسیع معنی رکھتا ہے۔ اور وہ ''خیر کثیر وفراواں ہے'' اور اس کے بہت زیادہ مصادیق ہیں۔ لیکن بہت سے بزرگ شیعہ علماء نے اس کے واضح ترین مصادیق میں سے ایک مصداق ''فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا'' کے وجود مبارک کو سمجھا ہے۔ چونکہ آیت کی شان نزول سے ظاہر ہے کہ دشمن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتر اور بلا عقب ہونے سے متہم کرتے تھے۔ قرآن ان کی بات کی نفی کے ضمن میں کہتا ہے: ''ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے'' اس تعبیر کا مطلب یہی بنتا ہے کہ یہ ''خیر کثیر'' فاطمہ زہرا

علیہا السلام ہی ہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل اور ذریت اسی دختر گرامی کے ذریعے سارے عالم میں منتشر ہوئی، جو نہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جسمانی اولاد تھی بلکہ انہوں نے آپ کے دین اور اسلام کی تمام اقدار کی حفاظت کی اور اسے آنے والوں تک پہنچایا۔ نہ صرف اہل بیت علیہم السلام کے ائمہ معصومین علیہم السلام جن کی اپنی ایک مخصوص حیثیت تھی، بلکہ ہزارہا فرزندان فاطمہ علیہا السلام عالم میں پھیل گئے، جن میں بڑے بڑے بزرگ علماء، مؤلفین، فقہا، محدثین، مفسرین والا مقام، اور عظیم حکمران ہوگزرے ہیں جنہوں نے ایثار و قربانی اور فداکاری کے ساتھ دین اسلام کی حفاظت کی کوشش کی۔

یہاں پر ''فخر رازی'' کی ایک عمدہ بحث ہمارے سامنے آئی ہے جو اس نے کوثر کی مختلف تفسیروں کے ضمن میں بیان کی ہے:

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سورہ ان لوگوں کے رد کے عنوان سے نازل ہوا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے نہ ہونے پر طعن و طنز، اور تنقید و اعتراض کرتے تھے۔ اس بناء پر سورہ کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ آپ کو ایسی نسل دے گا جو زمانہ دراز تک باقی رہے گی۔ غور تو کرو کہ لوگوں نے اہل بیت علیہم السلام کے کتنے افراد کو شہید کیا۔ لیکن اس کے باوجود دنیا ان سے بھری پڑی ہے۔ جب کہ بنی امیہ میں سے (جو اسلام کے دشمن تھے) کوئی قابل ذکر شخص دنیا میں باقی نہیں رہا۔ پھر آنکھ کھول کر دیکھ اور غور کر کہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کے درمیان باقر علیہ السلام و صادق علیہ السلام اور رضا علیہ السلام و نفس ذکیہ علیہ السلام جیسے کتنے عظیم اور بزرگ علماء ہوئے ہیں۔

سورۂ کافرون

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا

اس میں ٦ آیات ہیں۔

سورۂ ''کافرون'' کے مطالب

سورہ کالب ولہجہ بتا تا ہے کہ یہ سورہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جب مسلمان اقلیت میں تھے اور کفار اکثریت میں۔ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پران کی طرف سے سخت دباؤ تھا اور انہیں اصرار تھا کہ کسی طرح سازش کر کے آپ کو شرک کی طرف کھینچ لیں۔ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور انہیں کلی طور پر مایوس کر دیا اور ان کے ساتھ الجھے بھی نہیں۔

یہ بات تمام مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ ہے کہ وہ اسلام اور دین کی اساس کے بارے میں دشمن کے ساتھ کسی حالت میں بھی مصالحت نہ کریں اور جب بھی ان کی طرف سے اس قسم کی خواہش کی جائے تو انہیں کامل طور سے مایوس کر دیں۔ اس سورہ میں اس معنی پر خصوصیت کے ساتھ دومرتبہ تاکید ہوئی ہے کہ ''میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کروں گا'' اور یہ تاکید انہیں مایوس کرنے کے لئے ہے۔ اسی طرح اس بات کی بھی تاکید ہوئی ہے کہ ''تم بھی ہرگز میرے معبود، خدائے یگانہ کی عبادت نہیں کروگے۔'' یہ ان کی ہٹ دھرمی کی ایک دلیل ہے اور اس کا انجام ہے کہ ''میں ہوں اور میرا دین توحید، اور تم ہو اور تمہارا شرک آلود دین''۔

سورہ کافرون کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت کے بارے میں۔

ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جو شخص سورۂ قل یا ایھا الکافرون'' کو پڑھے گا تو ایسا ہے جیسے اس نے چوتھائی قرآن پڑھا ہو، سرکش شیاطین اس سے دور رہیں گے، وہ شرک سے پاک ہو جائے گا اور ''روز قیامت'' کی گھبراہٹ سے امان میں ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ	کہہ دو! اے کافرو!
(۲) لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ	جن کی تم پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔
(۳) وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ	اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔
(۴) وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ	اور نہ ہی میں ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
(۵) وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ	اور نہ تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
(۶) لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ﴿۶﴾	(اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو) تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔

شان نزول

روایات میں آیا ہے کہ یہ سورہ مشرکین کے سرغنوں کے ایک گروہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً ولید بن مغیرہ" "عاص بن وائل" "حارث بن قیس" اور "امیہ بن خلف" وغیرہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! آؤ تم ہمارے دین کی پیروری کرلو، ہم بھی تمہارے دین کی پیروی کر لیتے ہیں اور ہم تمہیں اپنے تمام امتیازات میں شریک کر لیں گے۔ ایک سال تو تم ہمارے خداؤں کی عبادت کیا کرو اور دوسرے سال ہم تمہارے اللہ کی عبادت کیا کریں گے۔ اگر تمہارا دین بہتر ہے تو ہم اس میں شریک ہو گئے ہیں اور اپنا حصہ اس میں سے لے لیا ہے۔ اور اگر ہمارا دین بہتر ہوا تو تم ہمارے دین میں شریک ہو گئے اور تم نے اس میں سے اپنا حصہ لے لیا۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

''میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ کسی چیز کو اس کا شریک قرار دوں۔''

انہوں نے کہا: کم از کم ہمارے خداؤں کو چھو ہی لو اور ان سے تبرک حاصل کر لو تو ہم تمہاری بات مان لیں گے اور تمہارے اللہ کی پرستش کرنے لگیں گے۔

پیغمبرﷺ نے فرمایا:

''میں تو اپنے پروردگار کے حکم کا منتظر ہوں۔ تو اس موقع پر سورۂ ''قل یاایھا الکافرون''

نازل ہوا اور رسولﷺ مسجد الحرام میں آئے جب کہ قریش کے سرداروں

کی ایک جماعت وہاں جمع تھی۔ تو آپﷺ نے ان کے سروں کے اوپر کھڑے یہ سورہ آخر تک ان کے سامنے پڑھا۔ جب انہوں نے اس سورہ کے پیام کو سنا تو مکمل طور پر مایوس ہو گئے اور آنحضرتﷺ اور آپﷺ کے صحابہ کو آزار پہنچانے لگے''۔

تفسیر

بت پرستوں کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں ہو سکتی۔

اس سورہ کی آیات پیغمبر اکرمﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں: ''کہہ دو اے کافرو!

''تم جن کی پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا۔''

''اور نہ ہی تم اس کی پرستش کرو گے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔''

اس طرح اپنی مکمل علیحدگی کو مشخص کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے: ''میں ہرگز بھی بت پرستی نہیں کروں گا'' اور تم بھی اپنی اس ہٹ دھرمی اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید کے باعث جس میں تمہیں اصرار ہے، اور بت پرستوں کی طرف سے جو بکثرت ناجائز منافع تمہیں حاصل ہوتے ہیں اس وجہ سے ہرگز شرک سے خالص اللہ پرستی کی طرف نہیں آ سکتے۔

بت پرستوں کو توحید و بت پرستی میں کسی قسم کی مصالحت سے مکمل طور پر مایوس کرنے کے لئے دوبارہ مزید فرماتا ہے:

ورنہ ہی میں ہرگز ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔''

اور نہ ہی میں ہرگز ان کی پرستش کروں گا جن کی تم پرستش کرتے ہو۔''

اس بناء پر بت پرستی کے مسئلہ پر بے جا مصالحت کے لئے اصرار نہ کرو، کیونکہ یہ بات غیر ممکن ہے۔

''اب جب کہ معاملہ اس طرح ہے تو تمہارا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔''

پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بتوں کی عبادت کی نفی کی تکرار اور مشرکین کی طرف سے اللہ کی عبادت کی نفی کی تکرار کس بناء پر ہے، بہت زیادہ اختلاف ہے۔

یہ تکرار اور مشرکین کو مکمل طور پر مایوس کرنے، ان کے راستے کو اسلام کے راستے سے جدا کرنے اور یہ ثابت کرنے کے لئے ہے کہ توحید و شرک کے درمیان مصالحت کا امکان نہیں ہے۔

سورۂ نصر

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اس میں ۳ آیات ہیں۔

سورۂ ''نصر'' کے مطالب

یہ سورہ مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے اور اس میں ایک بہت بڑی کامیابی اور فتح کی بشارت ہے کہ اس کے بعد لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوں گے، لہٰذا اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسبیح، حمد الٰہی اور استغفار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اگرچہ اسلام میں بہت سی فتوحات ہوئی ہیں لیکن اوپر والی بات کے پورا ہونے کے طور پر ''فتح مکہ'' کے سوا اور کوئی فتح نہیں تھی۔

خصوصاً جب کہ بعض روایات کے مطابق عربوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا اور وہ اس پر مسلط ہو گئے، تو یہ ان کے حقانیت کی دلیل ہوگی۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ سورہ ''صلح حدیبیہ'' کے بعد اور فتح مکہ سے دو سال پہلے، ہجرت کے چھٹے سال نازل ہوا۔

اس سورہ کا ایک نام سورہ ''تودیع'' ہے۔ (تودیع یعنی اللہ حافظ) کیونکہ اس میں ضمنی طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ سورہ نازل ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اپنے اصحاب کے سامنے تلاوت کی تو سب کے سب بہت خوش اور مسرور ہوئے، لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اس کو سن کر رونے لگے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے چچا! آپ کیوں رو رہے ہیں؟

عرض کیا: میرا گمان یہ ہے کہ سورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر دی گئی ہے۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

علیہ السلام یہی بات ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔

سورہ نصر کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیا ہے:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا وہ اس شخص کے مانند ہے جو فتح مکہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا''۔

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورۂ ''اذا جآء نصر اللّٰه و الفتح'' کو نافلہ یا واجب نماز میں پڑھے گا اللہ اس کو اس کے تمام دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور وہ قیامت میں اس حالت میں وارد محشر ہوگا کہ اس کے ہاتھ میں ایک عہد نامہ ہوگا، جو بات کرے گا، اللہ نے اسے اس کی قبر کے اندر سے باہر بھیجا ہے، اور وہ جہنم کی آگ سے امان نامہ ہے۔''

کہے بغیر واضح ہے کہ یہ سب اعزاز وافتخار اور فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو اس سورہ کو پڑھنے سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے اور ان کے راستے اور طریقہ پر چلے اور آپ کے دین وآیئن اور سنت پر عمل کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ	جب خدا کی مدد اور کامیابی آن پہنچے۔
(۲) وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ	اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔
(۳) فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ٪	پس تم اپنے پرودگار کی تسبیح اور حمد بجالاؤ اور اس سے استغفار کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تفسیر

جب اصلی کامیابی آن پہنچے

اس سورہ کی پہلی آیت جس میں فرماتا ہے: ''جس وقت اللہ کی مدد اور کامیابی آن پہنچے''۔

اور تو دیکھے گا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں''۔

تو اس عظیم نعمت اور اس کامیابی اور نصرت الٰہی کے طور پر اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالاؤ اور اس سے بخشش طلب کرو کہ وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے توانائیوں کو مجتمع کرنا اور قدرت وطاقت مہیا کرنا ضروری ہے لیکن ایک موحد آدمی نصرت کو اللہ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور اسی بنا پر کامیابی کی صورت میں مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

اس سورہ میں پہلے نصرت الٰہی' پھر فتح وکامرانی اور اس کے بعد اسلام کے نفوذ ووسعت اور لوگوں کے اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہونے کی بات کی گئی ہے۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی علت ومعلول ہیں۔ جب تک اللہ کی نصرت اور مدد نہ ہو' فتح وکامیابی حاصل نہیں ہوتی اور جب تک فتح وکامیابی حاصل نہ ہو اور راستہ کی رکاوٹیں دور نہ ہوں' لوگ گروہ در گروہ مسلمان نہیں ہوتے۔ البتہ ان تین مرحلوں کے بعد' جن میں سے ہر ایک بہت بڑی نعمت ہے' چوتھا مرحلہ شکر اور حمد وستائش الٰہی کا آتا ہے۔

''تسبیح'' کا معنی اللہ کو ہر قسم کے عیب ونقص سے منزہ سمجھنا ہے۔ ''حمد'' صفات کمالیہ کے ساتھ اس کی توصیف وتعریف کرنا ہے اور ''استغفار'' بندوں کی کوتاہیوں اور تقصیروں کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ عظیم کامیابی اس بات کا سبب بنی ہے کہ شرک آلودہ افکار میں کمی ہوٗ اللہ کا کمال وجمال زیادہ سے زیادہ ظاہر ہو اور راستہ سے بھٹکے ہوئے لوگ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

یہ فتح عظیم سبب بنی ہے کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ اللہ اپنے اولیا اور دوستوں کو تنہا چھوڑ دیتا ہے۔(اس نقص سے پاکیزگی) اور وہ یہ بھی جان لیں کہ اللہ اپنے وعدوں کے انجام دینے پر توانا ہے۔(اس کمال سے موصوف ہونا) اور بندے بھی اس کی عظمت کے مقابلہ میں اپنے نقص کا اعتراف کریں۔

فتح مکہ اسلام کی عظیم ترین فتح

فتح مکہ نے۔جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے۔تاریخ اسلام میں ایک نئی فصل کا اضافہ کیا ہے اور تقریباً بیس سال کے بعد دشمن کی مقاومتوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔حقیقت میں فتح مکہ سے جزیرۃ العرب سے شرک وبت پرستی کی بساط لپیٹ دی گئی اور اسلام دنیا کے دوسرے ممالک کی طرف حرکت کے لئے آمادہ ہوا۔

سورہ اللھب

(تبت)

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۵ آیات ہیں۔

سورہ لہب (تبت) کے مطالب

یہ سورہ جو مکہ میں اور تقریباً پیغمبر اسلام کی آشکار ادعوت کے آغاز میں نازل ہوا تھا' وہ واحد سورہ ہے جس میں پیغمبرﷺ اور اسلام کے دشمنوں میں سے اس زمانہ کے ایک دشمن (یعنی ابولہب) پر نام لے کر سخت حملہ کیا گیا ہے اور اس کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ اسے پیغمبر اسلامﷺ کے ساتھ خصوصی عداوت تھی اور وہ اور اس کی بیوی کام بگاڑنے اور بدزبانی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

قرآن صراحت کے ساتھ کہتا ہے کہ وہ دونوں جہنمی ہیں اور ان کے لئے نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یہ معنی صحیح ثابت ہوا اور وہ دونوں کے دونوں انجام کار دنیا سے بے ایمان گئے۔ یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی پیش گوئی ہے۔

سورہ لہب کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر اکرمﷺ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جو شخص اس کی تلاوت کرے گا مجھے امید ہے کہ اللہ اسے اور ابولہب کو ایک گھر میں اکٹھا نہیں کرے گا (یعنی وہ اہل بہشت سے ہوگا جب کہ ابولہب اہل دوزخ سے ہے)''۔

یہ بات کہے بغیر واضح ہے کہ یہ فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو سورہ کو اپنا راستہ ابولہب کے راستہ سے جدا کرے' نہ کہ وہ لوگ جو زبان سے تو پڑھیں لیکن ابولہب جیسا عمل کریں۔

شان نزول

ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ جس وقت آیہ ''وانذر عشیرتک الاقربین'' نازل ہوئی اور پیغمبرﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو انذار کرنے اور اسلام کی دعوت دینے (اور اپنی دعوت کا اعلان کرنے) پر مامور ہوئے' تو پیغمبرﷺ کوہ صفا پر آئے اور پکار کر کہا ''یا صباحاہ'' (یہ جملہ عرب اس وقت کہتے تھے جب ان پر دشمن کی طرف سے غفلت کی حالت میں حملہ ہو جاتا تھا تاکہ سب کو باخبر کر دیں اور وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں' لہٰذا کوئی شخص ''یا صباحاہ'' کہہ کر آواز دیتا تھا ''صباح'' کے لفظ کا انتخاب اس وجہ سے کیا جاتا تھا کہ عام طور پر غفلت کی حالت میں حملے صبح کے وقت کیے جاتے تھے)۔

مکہ کے لوگوں نے جب یہ صدا سنی تو انہوں نے کہا کہ یہ کون ہے جو فریاد کر رہا ہے۔

کہا گیا کہ ''محمد'' ﷺ ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے قبائل عرب کو ان کے نام کے ساتھ پکارا۔ آپﷺ کی آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

''مجھے بتلاؤ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن کے سوار اس پہاڑ کے پیچھے سے
حملہ کرنے والے ہیں' تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے۔''
انہوں نے جواب دیا: ''ہم نے آپ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں سنا۔''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''میں تمہیں اللہ کے شدید عذاب سے ڈراتا ہوں''
''(میں تمہیں توحید کا اقرار کرنے اور بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں'') جب ابولہب نے یہ بات سنی تو اس نے کہا: ''تبا لک ؛اما جمعتنا الا لھذا؟؛ : ''تو ہلاک ہوجائے؛ کیا تو نے ہمیں صرف اس بات کے لئے جمع کیا ہے''؟

اس موقع پر یہ سورہ نازل ہوا: تبت یدا ابی لھب وتب'' اے ابولہب؛ تو ہی ہلاک ہو اور تیرے ہاتھ ٹوٹیں' تو ہی زیاں کار اور ہلاک ہونے والا ہے۔

بعض نے اس موقع پر اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ جب ابولہب کی بیوی ''ام جمیل'' نے یہ خبر سنی کہ یہ سورہ اس کے اور اس کے شوہر کے بارے میں نازل ہوا ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی' لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور وہ کہہ رہی تھی کہ میں نے سنا ہے ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری ہجو کی ہے۔ اللہ کی قسم اگر وہ مجھے مل گیا تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی' میں خود بھی شاعر ہوں''؛ اسکے بعد اصطلاح کے مطابق اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی مذمت میں شعر کہے۔

اسلام کے لئے ابولہب اور اسکی بیوی کا خطرہ اور ان کی عداوت اسی تک منحصر نہیں تھی۔ اور اگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان پر سخت شدید حملہ کیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی مذمت کر رہا ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہیں' جن کی طرف انشاءاللہ بعد میں اشارہ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ ؕ	ابولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں (اور وہ ہلاک ہوجائے)۔
(۲) مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ	اس کے مال ودولت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اسے ہرگز کوئی فائدہ نہ دیا۔

(۳)سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ	وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہو جائے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔
(۴)وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ	اور اسی طرح سے اس کی وہ بیوی (بھی جہنمی ہے) جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔
(۵) فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ	اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی ہے۔

تفسیر

ابولہب کا ہاتھ کٹ جائے

جیسا کہ ہم نے اس سورہ کے شان نزول میں بیان کیا ہے یہ سورہ حقیقت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا، عبدالمطلب کے بیٹے ''ابولہب کی بری باتوں کا جواب ہے جو اسلام کے سخت دشمنوں میں سے تھا۔

قرآن مجید اس بدزبان شخص کے جواب میں فرماتا ہے:

''ابولہب کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں، یا وہ ہلاک ہو جائے اور خسارہ اٹھائے۔''

ایک روایت میں آیا ہے کہ

''طارق محاربی، نامی ایک شخص کہتا ہے: میں ذی المجاز'' کے بازار میں تھا۔ (ذی المجاز عرفات کے نزدیک مکہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے) اچانک میں نے ایک جوان کو دیکھا جو پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو تو نجات پا جاؤ گے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اس کے پاؤں کے پچھلے حصہ پر پتھر مارتا ہے جس کی وجہ سے اس کے پاؤں سے خون جاری تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا اے لوگو! یہ جھوٹا ہے، اسکی بات نہ ماننا''؛

میں نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: ''یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کا گمان یہ ہے وہ پیغمبر ہے اور یہ بوڑھا اس کا چچا ابولہب ہے جو اس کو جھوٹا سمجھتا ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ

''جب مکہ سے باہر کے لوگوں کا کوئی گروہ اس شہر میں داخل ہوتا تھا تو وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی رشتہ داری اور سن وسال کے لحاظ سے بڑا ہونے کی بنا پر ابولہب کے پاس جاتا تھا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیق کرتا تھا۔ وہ جواب دیتا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جادوگر ہے۔ وہ بھی پیغمبر سے ملاقات کیے بغیر ہی لوٹ جاتے۔ اسی اثنا میں ایک ایسا گروہ آیا جنہوں

نے یہ کہا کہ ہم تو اسے دیکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ ابولہب نے کہا: ہم مسلسل اس کے جنوں کا علاج کر رہے ہیں؛ وہ ہلاک ہو جائے''۔

ان روایات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اکثر مواقع پر سایہ کی طرح پیغمبرﷺ کے پیچھے لگا رہتا تھا اور کسی خرابی سے فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس کی زبان بہت ہی گندی اور آلودہ ہوتی تھی اور وہ رکیک اور چبھنے والی باتیں کیا کرتا تھا۔

اور شاید اسی وجہ سے پیغمبر اسلامﷺ کے سب دشمنوں کا سرغنہ شمار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر زیر بحث آیات اس پر اس کی بیوی ام جمیل پر ایسی صراحت اور سختی کے ساتھ تنقید کر رہی ہیں۔

اس کے بعد مزید فرماتا ہے: اس کے مال وثروت نے اور جو کچھ اس نے کمایا ہے اس نے اسے ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچائے گا۔

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دولت مند مغرور شخص تھا جو اپنی اسلام دشمن کوششوں کے لئے اپنے مال ودولت پر بھروسہ کرتا تھا۔

بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: وہ جلدی ہی اس آگ میں داخل ہوگا جس کے شعلے بھڑکنے والے ہیں

اگر اس کا نام ''ابولہب'' تھا تو اس کے عذاب کی آگ بھی ''ابولہب'' ہے اور وہ بہت ہی عظیم شعلے رکھتی ہے۔

نہ صرف ابولہب کو بلکہ کسی بھی کافر اور بدکار کو اس کا مال وثروت اور اس کی اجتماعی ومعاشرتی حیثیت جہنم کی آگ اور اللہ کے عذاب سے رہائی نہیں بخشیں گے۔ جیسا کہ سورہ شعرا کی آیہ ۸۸و۸۹ میں آیا ہے: یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم: قیامت ایک ایسا دن ہے جس میں انسان کو نہ تو اس کا مال ہی کوئی فائدہ دے گا اور نہ ہی اس کی اولاد' سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم (یعنی ایمان وتقوی کی روح کے ساتھ) پروردگا کے دربار میں حاضر ہو۔

روایات میں آیا ہے کہ جنگ ''بدر'' اور سخت شکست کے بعد جو مشرکین قریش کو اٹھانی پڑی تھی' ابولہب نے جو خود میدان جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ ابوسفیان کے واپس آنے پر اس سے ماجرے کے بارے میں سوال کیا۔

ابوسفیان نے قریش کے لشکر کی شکست اور سرکوبی کی کیفیت اس سے بیان کی۔ اس کے بعد اس نے مزید کہا: اللہ کی قسم ہم نے اس جنگ میں آسمان وزمین کے درمیان ایسے سوار دیکھے ہیں جو محمدﷺ کی مدد کے لئے آئے تھے۔

اس موقع پر عباس کے ایک غلام ''ابورافع'' نے کہا: میں وہاں بیٹھا ہوا تھا' میں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور کہا کہ وہ آسمانی فرشتے تھے۔

اس سے ابولہب بھڑک اٹھا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر دے مارا' مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اپنے دل کی

بھڑاس نکانے کے لئے مجھے پیٹے چلے جار ہا تھا۔ وہاں عباس کی بیوی ''ام الفضل'' بھی موجود تھی۔ اس نے ایک چھڑی اٹھائی اور ابولہب کے سر پر دے ماری اور کہا: ''کیا تو نے اس کمزور آدمی کو اکیلا سمجھا ہے؟''

ابولہب کا سر پھٹ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ سات دن کے بعد اس کے بدن میں بد بو پیدا ہوگئی' اسکی جلد میں طاعون کی شکل کے دانے نکل آئے اور وہ اسی بیماری سے واصل جہنم ہو گیا۔

بعد والی آیت میں اس کی بیوی ''ام جمیل'' کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اسکی بیوی بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی' جو اپنے دوش پر ایندھن اٹھاتی ہے۔''

اور اس کی گردن میں خرما کی چھال کی رسی یا گردن بند ہے۔

کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ابولہب کی بیوی۔ جو ابوسفیان'' کی بہن اور معاویہ کی پھوپھی تھی۔ اسلام کے برخلاف اپنے شوہر کی عداوتوں اور خرابیوں میں برابر کی شریک تھی لیکن اس بارے میں کہ قرآن نے اس کی حمالہ الحطب (دوش پر ایندھن اٹھانے والی عورت) کے ساتھ توصیف کیوں کی ہے مفسرین نے متعدد تفسیریں بیان کی ہیں:

بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ اس بنا پر ہے کہ کانٹے دار جھاڑیاں کندھے پر اٹھا کر لاتی تھی اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ میں ڈال دیا کرتی تھی تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں میں چبھ جائیں۔

سورہ اخلاص

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۴ آیات ہیں۔

سورہ ''اخلاص'' کے مطالب اوراس کی فضیلت

یہ سورہ ۔جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے (سورہ اخلاص اور سورہ توحید) پروردگار کی توحیداور کی یگانگت اور یکتائی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور چار مختصر سی آیات میں اللہ کی وحدانیت کی اس طرح سے توصیف وتعریف کی ہے جس میں اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سورہ کی شان نزول کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے:

''یہودیوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ تقاضا کیا کہ آپ ان کے لئے اللہ کی توصیف بیان کریں۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا'

یہاں تک کہ یہ سورہ نازل ہوااوران کو جواب دیا۔''

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت کے بارے میں مشہور اسلامی منابع میں بہت سی روایات آئی ہیں' جو اس سورہ کی حد سے زیادہ عظمت کی ترجمان ہیں۔منجملہ اس درج ذیل حدیث کے۔

''کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ایک ہی رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے سورہ قل هو الله پڑھا کرو'

ایک اور حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ'' کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ نے فرمایا:

''ستر ہزار فرشتوں نے' جن میں جبرئیل بھی تھے' اس کے جنازے پر نماز پڑھی ہے۔

میں نے جبرئیل سے پوچھا ہے کہ وہ کس عمل کی بنا پر تمہارے نماز پڑھنے کا مستحق ہوا ہے؟''

جبرئیل نے کہا: ''اٹھتے بیٹھتے' پیدل چلتے اور سوار ہوتے اور چلتے پھرتے ''قل ھو اللہ احد'' پڑھنے کی وجہ سے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ	کہہ دیجئے اللہ یکتا ویگانہ ہے۔
(۲) اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ	اللہ ہی ہے کہ جس کی طرف تمام حاجت مندرخ کرتے ہیں۔

(۳)لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ	نہ تو اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔
(۴)وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ؑ	اور ہرگز اس کا کوئی ہم پلہ اور مانند نہیں ہے۔

تفسیر

وہ یکتا اور بے مثال ہے

اس سورہ کی پہلی آیت بار بار کے ان سوالات کے جواب میں جو مختلف اقوام یا افراد کی طرف سے پروردگار کے اوصاف کے سلسلہ میں ہوئے تھے' فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے وہ یکتا و یگانہ ہے''

جملہ کا ''ھو'' ضمیر کے ساتھ آغاز' جو واحد غائب کی ضمیر ہے اور ایک مبہم مفہوم کو بیان کرتی ہے' حقیقت میں اس واقعیت کی ایک رمز اور اشارہ ہے کہ اس کی ذات اقدس انتہائی خفا میں ہے (یعنی چھپی ہوئی ہے) اور انسانوں کے محدود افکار کی دسترس سے باہر ہے اگرچہ اس کے آثار نے جہان کو اس طرح سے پر کر رکھا ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ ظاہر اور زیادہ آشکار ہے جیسا کہ سورہ حم سجدہ کی آیہ ۵۳ میں آیا ہے: ''ہم جلدی ہی اطراف جہان اور ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے' تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔''

اس کے بعد اس ناشناختہ حقیقت سے پردہ اٹھائے ہوئے کہتا ہے'' وہ یکتا و یگانہ اللہ ہے''، ضمنی طور پر یہاں ''قل'' (کہہ دے) کا معنی یہ ہے کہ اس حقیقت کا اظہار کرو۔

ایک اور حدیث میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

''جنگ بدر کی رات میں نے ''خضر'' علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کی مدد سے میں دشمنوں پر کامیاب ہوں'' تو انہوں نے کہا: کہیے:

''یاھو یامن لاھو الاھو''

جب صبح ہوئی تو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

''اے علی آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی گئی ہے''

اس کے بعد جنگ بدر میں یہی جملہ میرا ورد زبان رہا....

''عمار یاسر'' نے جب یہ سنا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام صفین کے جنگ کے وقت یہی ذکر پڑھ رہے تھے تو عرض کیا: یہ کیا کنایات ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا اسم اعظم اور توحید کا ستون ہے۔

''اللہ'' اللہ کا اسم خاص ہے اور امام کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ اسی ایک لفظ کے ذریعے اس کے تمام صفات جلال و جمال کی طرف اشارہ ہوا ہے' اور اسی بناء پر اس کو اسم اعظم الٰہی کا نام دیا گیا ہے۔

اس نام کا اللہ کے سوا اور کسی پر اطلاق نہیں ہوتا جب کہ اللہ کے دوسرے نام عام طور پر اس کی صفت جمال و جلال کی طرف

اشارہ ہوتے ہیں' مثلا: عالم وخالق ورازق' اور عام طور پر اس کے غیر پر بھی اطلاق ہوتے ہیں۔(مثلاً رحیم کریم' عالم' قادر وغیرہ)۔

اس مقدس نام کا قرآن مجید میں تقریباً ''ایک ہزار'' مرتبہ تکرار ہوا ہے اور اللہ کے اسما مقدسہ میں سے کوئی سا نام بھی اتنی مرتبہ قرآن میں نہیں آیا۔ یہ ایک ایسا نام ہے جو دل کو روشن کرتا ہے اور انسان کو قوت وتوانائی اور سکون وآرام بخشتا ہے اور اسے نور وصفا کے ایک عالم میں غرق کردیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ واحد واحد ہے اور یگانہ ویکتا ہے۔ واحد عددی یا نوعی وجنسی کے معنی میں نہیں' بلکہ وحدت ذاتی کے معنی میں 'زیادہ واضح عبادت میں اس کی وحدانیت کا معنی یہ ہے کہ اسکا کوئی مثل ونظیر اور مانند وشبیہ نہیں ہے''

اس بات کی دلیل بھی واضح وروشن ہے: وہ ایک ایسی ذات ہے جو ہر جہت سے غیر متناہی ہے اور مسلمہ طور کے کمالات نہ ہوں گے اور نہ اس میں اس کے کمالات (غور کیجئے)۔

بعد والی آیت میں اس یکتا ذات مقدس کے بارے میں فرماتا ہے: ''وہ ایسا اللہ ہے کہ تمام حاجت منداسی کی طرف رخ کرتے ہیں''۔

حدیث میں آیا ہے کہ محمد بن حنفیہ'' نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے ''صمد'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''صمد'' کی تاویل یہ ہے کہ وہ نہ اسم ہے اور نہ جسم ہے نہ اس کا کوئی مثل ہے
نہ نظیر ہے' نہ صورت ہے' نہ تمثل ہے' نہ حد ہے نہ حدود ہے نہ محل ہے'
نہ مکان ہے' نہ حال ہے' نہ یہ ہے' نہ یہاں ہے' نہ وہاں ہے' نہ پر ہے
نہ خالی ہے' نہ کھڑا ہے' نہ بیٹھا ہے' نہ ساکن ہے' نہ متحرک ہے نہ ظلماتی ہے'
نہ نورانی ہے' نہ نفسانی ہے'۔ اسکے باوجاد کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور کسی
مکان میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ وہ رنگ رکھتا ہے' نہ انسان کے دل میں سماتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی بو ہے۔ یہ سب چیزیں اس کی ذات پاک سے منتفی ہے۔

یہ حدیث اچھی طرح سے نشان دہی کرتی ہے کہ ''صمد'' کا ایک بہت ہی جامع اور وسیع مفہوم ہے۔ جو اس کی ساخت قدس سے مخلوقات کی ہر قسم کی صفات کی نفی کرتا ہے۔

اس کے بعد اگلی آیت میں نصاری' یہود اور مشرکین عرب کے عقائد کی رد پیش کرتے ہوئے۔ جو اللہ کے لئے بیٹے یا باپ کے قائل تھے۔ فرماتا ہے: ''اس نے نہ تو کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔''

اس بیان کے مقابلہ میں ان لوگوں کا نظریہ ہے جو تثلیث (تین خداؤں) کا عقیدہ رکھتے تھے' باپ اللہ' بیٹا اللہ اور روح القدس۔

یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے یہ کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو وہ اپنی زبان سے کہتے ہیں اور ان کی یہ بات گزشتہ کافروں کے قول کے مانند ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو' حق سے کیسے منحرف ہوجاتے

ہیں۔(توبہ......۳۰)

مشرکین عرب کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں؛ انہوں نے جھوٹ اور جہالت کی بنا پر اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی تھیں''۔(انعام......۱۰۰)

اور آخر میں اس سورہ کی آخری آیت میں اللہ کے اوصاف کے بارے میں مطلب کو مرحلہ کمال تک پہنچاتے ہوئے فرماتا ہے: اور ہرگز اس کا کوئی شبیہ اور ہمسر نہیں ہے۔

''کفو'' اصل میں مقام ومنزلت کے اور قدر میں ہم پلہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد اس کا ہر قسم کے شبیہ اور مانند پر اطلاق ہوا ہے۔اس آیت کے مطابق مخلوقات کے تمام عوارض اور موجودات کی صفات اور ہر قسم کا نقص ومحدودیت اس کی ذات پاک سے منتفی ہے۔یہ وہی توحید ذاتی وصفاتی ہے اس توحید عددی ونوعی کے مقابلہ میں ہے۔

اس بنا پر نہ تو ذات میں اس کا کوئی شبیہ ہے اور نہ صفات میں کوئی اس کے مانند ہے؛ اور نہ ہی افعال میں کوئی اس کا مثل ونظیر ہے وہ ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

''اس نے کسی کو نہیں جنا کہ وہ خود بھی مولود ہو۔اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا، ورنہ وہ محدود ہو جاتا......اس کا کوئی مثل ونظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے

اور اس کے لئے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے''۔

یہ ایک ایسی عمدہ تفسیر ہے جو توحید کے بلند ترین دقائق کو بیان کرتی ہے(**سلام اللہ علیک یا امیر المومنین**)۔

چند نکات

ا۔توحید کے دلائل

توحید؛ یعنی ذات اللہ کا یکتا ویگانہ ہونا اور اس کا کوئی شریک وشبیہ نہ ہونا، دلائل نقلی اور قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بہت سے عقلی دلائل سے بھی ثابت ہے جن میں سے ایک حصہ کو ہم مختصر طور پر یہاں نقل کرتے ہیں۔

ا۔برھان صرف الوجود

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وجود مطلق ہے اور اس کے لئے کوئی قید وشرط نہیں ہے۔اس قسم کا وجود یقینی طور پر غیر محدود ہو گا، کیونکہ اگر اس میں محدودیت ہو گی تو وہ ضروری طور پر عدم سے آلودہ ہو گا، لیکن وہ ذات مقدس جس کی ہستی و وجود خود بخود موجود ہے

وہ ہرگز عدم ونیستی کا مقتضی نہیں ہوگا،

دوسری طرف سے عالم میں دو غیر محدود ہستیاں تصور میں ہی نہیں آسکتیں، کیونکہ اگر دو وجود پیدا ہو جائیں تو یقیناً ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کمالات کا فاقد ہوگا۔یعنی اس میں دوسرے کے کمالات نہیں ہوں گے۔اس بناء پر وہ دونوں ہی محدود ہو جائیں گے،اور یہ خود ذات ذات واجب الوجود کی یگانگت اور یکتائی پر ایک واضح دلیل ہے۔(غور کیجئے)

۲۔برہان علمی

جب ہم اس وسیع وعریض جہان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ابتداء میں ہم عالم کو پراگندہ موجودات کی صورت میں دیکھتے ہیں،زمین وآسمان،سورج،چاند،ستارے،انواع واقسام کی نباتات وحیوانات،لیکن ہم جتنا زیادہ غور کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم کے اجزاء وذرات اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور پیوستہ ہیں کہ مجموعی طور پر وہ ایک منظّم چیز بناتے ہیں اور اس جہان پر معین قوانین کا ایک سلسلہ حکومت کرتا ہے۔

نظام ہستی کی یہ وحدت،اس پر حاکم قوانین اور اس کے اجزاء کے درمیان اجسام ویکتائی،اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس کا خالق یکتا ویگانہ ہے۔

۳۔برہان تمانع۔(فلسفی علمی دلیل)

دوسری دلیل جو علماء نے اللہ کی ذات کی یکتائی اور وحدت کے لئے بیان کی ہے۔اور قرآن نے سورۂ انبیاء کی آیہ ۲۲ میں جس کے بارے میں ہدایت کی ہے،وہ برھان تمانع ہے،فرماتا ہے:

اگر زمین وآسمان میں خدائے واحد ویکتا کے علاوہ اور بھی اللہ ہوتے تو آسمان وزمین میں فساد ہو جاتا،اور نظام جہاں درہم برہم ہو جاتا،پس وہ اللہ جو عرش کا پروردگار ہے ان کی توصیف سے پاک ومنزہ ہے۔

خداوند یگانہ کی طرف انبیاء کی عمومی دعوت:اثبات توحید کے لئے یہ ایک اور دلیل ہے کیونکہ اگر عالم میں دو واجب الوجود ہوتے تو دونوں کو ہی منبع فیض ہونا چاہیے تھا،کیونکہ ایک نہایت کامل وجود کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی نور افشانی میں بخل کرے،کیونکہ وجود کامل کے لئے عدوم فیض نقص ہے،اور اس کے حکیم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کو اپنا فیض پہنچائے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند گرامی امام مجتبیٰ علیہ السلام کے وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

اے بیٹا!جان لو کہ اگر تیرا پروردگار ایک اور ہوتا تو اس کے بھیجے ہوئے نمائندے تیرے پاس آتے،اور تو اس کے ملک سلطنت کے آثار کا بھی مشاہدہ کرتا،اور تو اس کی صفات وافعال سے بھی آشنا ہوتا،لیکن وہ ایک اکیلا معبود ہے،جیسا کہ خود اس نے اپنی توصیف فرمائی ہے۔

۲۔توحید کی اقسام

عام طور پر توحید کی چار اقسام بیان کی جاتی ہیں:

۱۔توحید ذات: (جس کی اوپر تشریح کی گئی ہے)۔

۲۔توحید صفات: یعنی اس کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہیں اور ایک دوسرے سے بھی جدا نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو سارا کا سارا علم ہے، سارا کا سارا قدرت ہے اور سب کا سب ازلیت وابدیت ہے۔

اگر اسکے علاوہ صورت ہو تو اس کا لازمہ ترکیب ہے اور اگر وہ مرکب ہوگا تو اجزاء کو محتاج ہوگا، اور محتاج چیز ہرگز واجب الوجود نہیں ہوتی۔

۳۔توحید افعالی: یعنی ہر وجود، ہر حرکت اور ہر وہ حرکت جو دنیا میں ہو رہی ہے۔ اس کی بازگشت اللہ کی پاک ذات کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ وہ افعال بھی جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں ایک معنی میں اسی کے افعال ہیں۔ چونکہ اس نے ہمیں قدرت واختیار اور ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس بناء پر ہم اپنے افعال کے فاعل اور ان کے مقابلے میں مسئول و جواب دہ ہونے کے باوجود ایک لحاظ سے فاعل اللہ ہی ہے، کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے۔

۴۔توحید در عبادت: یعنی صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کا غیر لائق عبادت نہیں ہے، کیونکہ عبادت ایسی ذات کی ہونا چاہیے جو کمال مطلق اور مطلق کمال ہے، جو سب سے بے نیاز اور تمام نعمتوں کا بخشنے والا، اور تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے، اور یہ صفات اس کی پاک ذات کے سواء کسی میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

۳۔توحید افعالی کی اقسام

''پھر توحید افعال کی بھی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ہم یہاں چھ اہم ترین اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

توحید خالقیت: جیسا کہ قرآن کہتا ہے **قل اللہ خالق کل شیء**: کہہ دیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے''۔ (رعد۔۱۶)

اس کی دلیل بھی واضح ہے۔ جب گزشتہ دلائل سے ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ایک ہی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز ممکن الوجود ہے تو اس بناء پر تمام موجودات کا خالق بھی ایک ہی ہوگا۔

توحید ربوبیت: یعنی عالم ہستی مدبر و مدیر مربی اور اس کا نظام بخش صرف اللہ ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:۔**قل اغیر اللہ ابغ رباو ھو رب کل شی**،'' کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سواء کسی اور کو اپنا پروردگار مان لوں حالانکہ ہر چیز کا پروردگار وہی ہے''؟ (انعام۔۱۶۴)

اس کی دلیل بھی واجب الوجود کی وحدت اور عالم ہستی میں خالق کی توحید ہے۔

توحید تشریع اور قانون گزاری: جیسا کہ قرآن کہتا ہے: جو شخص اس کے مطابق حکم نہیں کرتا، جو اللہ نے نازل کیا ہے، وہ کافر ہے''۔ (مائدہ۔۴۴)۔

کیونکہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ مدبر و مدیر وہی ہے، تو مسلمہ طور پر اس کے غیر میں قانون گزاری کی صلاحیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے غیر کا تدبیر عالم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ نظام تکوین سے ہم آہنگ قوانین وضع نہیں کر سکتا۔

۴۔ توحید در مالکیت: چاہے "حقیقی مالکیت" ہو، یعنی کسی چیز پر تکوینی تسلط، یا "حقوقی مالکیت" ہو، یعنی کسی چیز پر قانونی تسلط، یہ سب اسی کے لئے ہیں جیسا کہ قرآن کہتا ہے: "آسمانوں اور زمین کی مالکیت و حاکمیت اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (آل عمران۔۱۸۹)

اور یہ بھی فرماتا ہے: "اللہ نے جن اموال میں تمہیں اپنا نمائندہ قرار دیا ہے، ان میں سے (راہ خدا) میں خرچ کرو۔" (حدید۔۷)

اس کی دلیل بھی وہی توحید در خالقیت ہے۔ جب تمام اشیاء کا خالق وہی ہے، تو طبعاً تمام چیزوں کی مالک بھی اسی کی ذات مقدس ہے، اس بناء پر ہر ملکیت کا سرچشمہ اسی کی مالکیت کو ہونا چاہئے۔

۵۔ توحید حاکمیت: یقیناً انسانی معاشرہ حکومت کا محتاج ہے، کیونکہ اجتماعی زندگی حکومت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم، پروگراموں کی تنظیم، مدیریت کا اجراء اور تجاوزات کو روکنا، صرف حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

ایک طرف تو انسانوں کی اصل آزادی یہ کہتی ہے کہ کوئی شخص کسی شخص پر حکومت نہیں رکھتا مگر جسے اصل مالک اور حاکم حقیقی اجازت دے، اور یہی وجہ ہے کہ ہم ہر اس حکومت کو جو حکومت الٰہی پر منتہی نہیں ہوتی مردود سمجھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ہم حکومت کی مشروعیت کو صرف پیغمبر کے لئے سمجھتے ہیں، اور پیغمبر کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام کے لئے اور ان کے بعد فقیہ جامع الشرائط کے لئے جانتے ہیں۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ لوگ کسی کو یہ اجازت دے دیں کہ وہ ان پر حکومت کرے، لیکن چونکہ پورے معاشرے کے تمام افراد کا اتفاق عادتاً ممکن نہیں ہے، لہٰذا عملی طور پر اس قسم کی حکومت ممکن نہیں ہے۔

۶۔ توحید اطاعت: یعنی جہان میں واجب الاطاعت ہونے کا مقام صرف اللہ کی ذات پاک کے لئے ہے اور ہر دوسرے مقام کی اطاعت کی مشروعیت کا سرچشمہ یہیں سے ہونا چاہیے، یعنی اس کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت شمار ہوگی۔

کیونکہ جب حاکمیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے، تو مطاع ہونا بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی لئے ہم انبیاء کی اطاعت، ائمہ معصومین کی اطاعت اور ان کے جانشینوں کی اطاعت کو بھی اللہ ہی کی اطاعت کا پرتو شمار کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: "اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور صاحبان امر (ائمہ معصومین علیہم السلام) کی اطاعت کرو (نساء۔۵۹)۔

البتہ اوپر والے مباحث میں سے ہر ایک کے لئے بہت ہی زیادہ شرح و بسط کی ضرورت ہے اور ہم نے اس بناء پر کہ ہم بحث تفسیری سے خارج نہ ہو جائیں، انہیں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سورۂ الفلق

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ۵ آیات ہیں۔

سورہ ''الفلق'' کے مطالب اوراس کی فضیلت

اس سورہ کے مطالب ایسی تعلیمات ہیں جواللہ نے پیغمبراکرمؐ کو بالخصوص اورسب مسلمانوں کو بالعموم تمام اشرار کے شر سے اس کی ذات پاک سے پناہ مانگنے کے سلسلہ میں دی ہیں تاکہ خوداس کے سپرد کردیں اوراس کی پناہ میں ہر صاحب شر موجود کے شر سے امان میں رہیں۔

سورۂ الفلق کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی فضیلت میں پیغمبراکرمؐ سے نقل ہوا ہے آپ نے فرمایا:

''مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان کی مثل اور مانند اور نازل نہیں ہوئیں اور وہ دوسورتیں ''فلق'' اور ''ناس'' ہیں۔

ایک اورحدیث میں امام محمد باقرؑ سے آیا ہے:

''جوشخص نماز''وتر'' میں سورہ ''فلق'' و''ناس'' اور قل ھواللہ احد'' کو پڑھے گا تواس کو یہ کہا جائے گا کہ اے بندہ اللہ تجھے بشارت ہو اللہ نے تیری نماز وتر قبول کرلی ہے۔''

ایک روایت میں پیغمبراکرمؐ سے بھی آیا ہے کہ

آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

''کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے ایسی دوسورتوں کی تعلیم دوں جو قرآن کی سورتوں میں سب سے زیادہ افضل وبرتر ہیں؟

اس نے عرض کیا: ہاں ؛اے رسول اللہؐ ۔تو حضرت نے اسے معوذتین (سورہ فلق وناس) کی تعلیم دی ۔اس کے بعدان دونوں کی نماز صبح میں قرات کی اوراس سے فرمایا جب تو بیدار ہو یا سونے لگے توان کو پڑھا کر۔

یہ بات واضح ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی روح وجان اورعقیدہ عمل کو اس کے مطالب کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ	کہہ دیجئے میں سفیدۂ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
(۲) مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ	ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔

(۳) وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ	اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہو۔
(۴)وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ	اوران کے شر سے جو گرہوں میں دم کرتے ہیں۔
(۵)وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ٪	اور ہر حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر

میں سپیدۂ صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔

قرآن اس سورہ کی پہلی آیت میں خود پیغمبرﷺ کو ایک نمونہ اور پیشوا کے عنوان سے اس طرح حکم دیتا ہے: کہہ دیجئے' میں سفیدۂ صبح کے پروردگار سے پناہ مانگتا ہوں جو رات کی سیاہی کو چیر دیتا ہے۔

ان تمام چیزوں کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔

تمام شریر موجودات کے شر سے' شریر انسانوں سے' جنوں' حیوانات' شر کے پیش آنے والے واقعات اور نفس امارہ کے شر سے۔

''فلق'' (بروزن شفق) ''فلق'' (بروزن خلق) کے مادہ سے اصل میں کسی چیز میں شگاف کرنے اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کے معنی میں ہے' اور چونکہ سفیدۂ صبح کے پھوٹنے کے وقت رات کا سیاہ پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ لفظ طلوع صبح کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ ''فجر'' کا بھی اسی مناسب سے طلوع صبح پر اطلاق ہوتا ہے۔

بعض اسے تمام موالید اور تمام زندہ موجودات کے معنی میں سمجھتے ہیں' چاہے وہ انسان ہو یا حیوان و نباتات کیونکہ ان موجودات کا پیدا ہونا' جو دانا یا گٹھلی وغیرہ کے شگافتہ ہونے سے صورت پذیر ہوتا ہے' وجود کے عجیب ترین مراحل میں سے ہے۔

بعض نے ''فلق'' کے مفہوم کو اس سے بھی زیادہ وسیع معنی میں لیا ہے اور اس کا ہر قسم کی آفرینش و خلقت پر اطلاق کیا ہے' کیونکہ ہر موجود کی آفرینش وخلقت سے عدم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے' اور وجود کا نور ظاہر و آشکار ہو جاتا ہے۔

ان تینوں معانی (طلوع صبح' زندہ موجودات کا تولد' اور ہر موجود کی خلقت و آفرینش) میں سے ہر ایک عجیب و غریب وجود میں آنے والی چیز ہے جو پروردگار اور اس کے خالق و مدبر کی عظمت کی دلیل ہے' اور اس وصف کے ساتھ اللہ کی توصیف ایک عمیق مفہوم و مطلب رکھتی ہے۔

''من شر ما خلق'' کی تعبیر کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ آفرینش وخلقت الٰہی اپنی ذات میں کوئی شر رکھتی ہے کیونکہ آفرینش خلقت تو ایک ایجاد ہی ہے اور ایجاد وخیر محض ہیں' قرآن کہتا ہے: الذی احسن کل شی ءخلقہ ''وہی اللہ جس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا بہتر اور زیادہ سے زیادہ اچھا کرکے پیدا کیا'' (الم سجدہ۔۷)

بلکہ شر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مخلوقات قوانین آفرینش سے منحرف ہوجائیں اور معینہ راستے سے الگ ہوجائیں۔

مثلاً ڈنک اور جانوروں کے کاٹنے والے دانت ایک دفاعی حربہ ہیں' جنہیں وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہیں اب اگر یہ ہتھیار اپنے موقع ومحل پر استعمال ہوں تو خیر ہی خیر ہیں' لیکن اگر یہ بے موقع اور دوست ہی کے مقابلہ میں استعمال ہونے لگیں تو پھر شر نہیں ہیں۔

بہت سے ایسے امور ہیں جنہیں ہم ظاہر میں شر سمجھتے ہیں' لیکن وہ باطن میں خیر ہیں' مثلاً بیدار کرنے والے اور ہوشیار وخبردار کرنے والے حوادث بلائیں اور مصائب جو انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرکے اللہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں' یہ مسلمہ طور پر شر نہیں ہیں۔

اس کے بعد اس مطلب کی توضیح وتفسیر میں مزید کہتا ہے: ''اور ہر مزاحمت کرنے والے موجود کے شر سے جب کہ وہ وارد ہوتا ہے۔''

اس کے بعد مزید کہتا ہے: ''اور ان کے شر سے جو گرہوں میں دم کرتے ہیں۔''

بہت سے مفسرین نے ''''نفاثات'' کی ''جادوگر عورتوں'' کے معنی میں تفسیر کی ہے۔ وہ عورتیں کچھ اور پڑھتی تھیں اور گرہوں پر دم کیا کرتی تھیں اور اس طرح وہ جادو کرتی تھیں' لیکن کچھ لوگ اسے وسوسے پیدا کرنے والی عورتوں کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔ جو مسلسل مردوں کے خصوصاً اپنے شوہروں کے کان بھرتی رہتی تھیں' تاکہ مثبت کاموں کے انجام دینے میں ان کے آہنی عزم کو کمزور کردیں۔

''فخر رازی'' کہتا ہے: عورتیں مردوں کے دلوں میں اپنی محبت کے نفوذ کی بنا پر تصرف کرلیتی ہیں۔

یہ معنی ہمارے زمانہ میں ہر وقت سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ دنیا کے سیاست دانوں میں جاسوسوں کے نفوذ کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ جاسوسہ عورتوں سے فائدہ اٹھانا ہے' کیونکہ ان ''نفاثات فی العقد'' کے ذریعے پوشیدہ بھیدوں کے حوالے کردیتی ہیں۔

بعض نے نفاثات کی ''نفوس شریرہ'' یا ''وسوسے پیدا کے نے والی جماعتوں'' کے ساتھ بھی تفسیر کی ہے جو اپنے مسلسل پروپیگنڈوں کے ذریعے پختہ ارادوں کی گرہوں کو کمزور کردیتے ہیں۔

بعید نہیں ہے کہ یہ آیت ایک عام اور جامع مفہوم رکھتی ہو جو ان تمام معانی کو شامل ہو' یہاں تک کہ سخن چینی کرنے والوں اور

چغل خوروں کی باتوں کو بھی، جو محبت کے مراکز کو سست و کمزور اور ویران کر دیتے ہیں۔

اس سورہ کی آخری آیت میں فرماتا ہے: اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

یہ آیت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ حسد بدترین اور قبیح ترین صفات رذیلہ میں سے ہے، کیونکہ قرآن نے اسے درندہ جانوروں، ڈسنے والے سانپوں اور وسوسے ڈالنے والے شیاطین کے کاموں کے ساتھ قرار دیا ہے۔

''حسد'' ایک بری شیطانی عادت ہے جو مختلف عوامل جیسے ایمان کی کمزوری، تنگ نظری اور بخل کی وجہ سے انسان میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا مطلب دوسرے شخص کی نعمت کے زوال کی درخواست اور آرزو کرنا ہے۔ حسد بہت سے گناہان کبیرہ کا سرچشمہ ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ان الحسد لیاکل الایمان کما تا کل النار الحطب''

(حسد ایمان کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو)۔

"انّ علماء لا ینفع منه لکنز لا ینفق منه"(نهج الفصاحة......۸۵۴)

وہ علماء جن سے فائدہ نہ اٹھایا جائے ایسے خزانے کی مانند ہیں جس سے کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

سورۂ الناس

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا۔

اس میں ٦ آیات ہیں۔

سورہ ''الناس'' کے مطالب

انسان ہمیشہ انسانی وسوسوں کی زد میں ہے اور شیاطین جن وانس کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ اس کے قلب وروح میں نفوذ کریں۔انسان کا مقام علم میں جتنا بالا ہوتا جاتا ہے اور اس کی حیثیت اجتماع اور معاشرے میں جتنی بڑھتی جاتی ہے' شیاطین کے وسوسے اتنے ہی زیادہ شدید ہوتے چلے جاتے ہیں' تاکہ اس کو راہ حق سے منحرف کردیں اور ایک دانش ور عالم کے فساد وخرابی سے سارے جہان کو تباہ وبرباد کرڈالیں۔

یہ سورہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک نمونہ واسوہ کے طور پر اور پیشوا ورہبر کی حیثیت سے یہ حکم دے رہی ہے کہ تمام وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب فرمائیں۔

اس سورہ کے مطالب ایک لحاظ سے سورہ ''فلق'' سے مشابہ ہیں' اور دونوں میں ہی شرور وآفات سے خداوند بزرگ کی پناہ مانگنے کو بیان کیا گیا ہے' اس فرق کے ساتھ کہ سورہ فلق میں شرور کی مختلف انواع واقسام بیان کیے گئے ہیں' لیکن اس سورہ میں صرف نظر نہ آنے والے اسوسہ گروں (اسواس الخناس) پر تکیہ ہوا ہے۔

سورۂ ناس کی تلاوت کی فضیلت

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں' منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ

'' پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت بیمار پڑ گئے تو (اللہ کے دو عظیم فرشتے) جبرئیل ومیکائیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آے۔

جبرئیل تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل پاؤں کی طرف۔

جبرئیل نے سورہ ''فلق'' کی تلاوت کی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے ذریعے اللہ کی پناہ میں دے دیا اور میکائیل نے سورہ ''قل اعوذ برب الناس'' کی تلاوت کی''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ	کہہ دیجے میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
(۲) مَلِکِ النَّاسِ ۙ	لوگوں کے مالک وحاکم کی۔
(۳) اِلٰہِ النَّاسِ ۙ	لوگوں کے معبود کی۔
(۴) مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ	خناس کے وسوسوں کے شر سے۔

(۵)الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ	جوانسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔
(۶)مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ	چاہے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

تفسیر

لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں

اس سورہ میں، جو قرآن مجید کا آخری سورہ ہے، لوگوں کے لئے نمونہ اور پیشوا ہونے کے لحاظ سے خود پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''کہہ دیجئے، میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔''

''لوگوں کے مالک وحاکم کی۔''

''لوگوں کے اللہ ومعبود کی۔''

قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں اللہ کے عظیم اوصاف میں سے تین اوصاف (ربوبیت، ملکیت اور الوہیت) کا ذکر ہوا ہے جو سب کی سب براہ راست انسان کی تربیت اور وسوسے ڈالنے والوں کے چنگل سے نجات کے ساتھ ارتباط رکھتی ہیں۔

البتہ اللہ سے پناہ مانگنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان صرف زبان سے یہ جملہ کہے، بلکہ فکر ونظر اور عقیدہ وعمل کے ساتھ بھی انسان خود کو اللہ کی پناہ میں قرار دے۔ شیطانی پروگراموں، شیطانی افکار وتبلیغ، شیطانی مجالس ومحافل سے خود کو دور رکھے، اور رحمانی افکار وتبلیغ کے راستے کو اختیار کرے ورنہ وہ انسان جو عملی طور پر ان وسوسوں کے طوفان میں ٹھہرا رہے گا وہ صرف اس سورہ کے پڑھنے اور ان الفاظ کے کہنے سے کہیں نہیں پہنچے گا۔

وہ ''رب الناس'' کہنے کے ساتھ پروردگار کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے اور خود کو اس کی تربیت میں قرار دیتا ہے۔

''ملک الناس'' کہنے سے خود کو اس کی ملکیت سمجھتا ہے اور اس کے فرمان کا بندہ ہو جاتا ہے۔

اور ''اله الناس'' کے کہنے سے اس کی عبودیت کے راستہ میں قدم رکھ دیتا ہے اور اس کے غیر کی عبادت سے پرہیز کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص ان تینوں صفات پر ایمان رکھتا ہو اور خود کو ان تینوں کے ساتھ ہم آہنگ کر لے، وہ وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے امان میں رہے گا۔

درحقیقت یہ تینوں اوصاف تین اہم تربیتی درس، پیش رفت کے تین پروگرام اور وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے نجات کے تین ذریعے ہیں اور یہ سورہ انسان کا ان کے مقابلہ میں بیمہ کر دیتا ہے۔

اسی لئے بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے: ''وسوسے ڈالنے والے خناس کے شر سے''

''وہی جو انسانوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔''

''جنوں اور انسانوں میں سے وسوسے ڈالنے والے۔''

''خناس ''''خنوس'' (بروزن خسوف) کے مادہ سے' صیغہ مبالغہ ہے' جو جمع ہونے اور پیچھے جانے کے معنی میں ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو شیاطین پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور چونکہ یہ کام پنہاں ہونے کے ساتھ توام ہے' لہٰذا یہ لفظ ''اختفاء'' کے معنی میں بھی آیا ہے۔

اس بنا پر آیات کا مفہوم اس طرح ہوگا: ''کہہ دیجئے میں شیطان صفت وسوسہ ڈالنے کے شر سے جو اللہ کے نام سے بھاگتا ہے اور پنہاں ہو جاتا ہے' اللہ کی پناہ کی مانگتا ہوں۔''

شیاطین کا کام زینت دینا' باطل کو حق کے لعاب میں چھپانا' جھوٹ کو سچ کے چھلکے میں لپیٹ کر گناہ کو عبادت کے لباس میں اور گمراہی کو ہدایت کے سرپوش میں پیش کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود بھی مخفی ہوتے ہیں اور ان کے پروگرام بھی پنہاں ہوتے ہیں' اور یہ راہ حق کے ان تمام رہ رووں کے لئے ایک تنبیہ ہے جو یہ توقع نہیں رکھتے کہ شیاطین کو ان کے اصلی چہرے اور قیافہ میں دیکھیں' یا ان کے پروگراموں کو انحرافی شکل میں مشاہدہ کریں۔سوچنے کی بات ہے' وسوسے ڈالنے والے خناس ہوتے ہیں اور ان کا کام چھپانا' جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' ریاکاری کرنا ' ظاہر سازی اور حق کو پوشیدہ کرنا ہے۔

''من الجنة و الناس'' کا جملہ خبردار کرتا ہے کہ ''وسوسے'' میں ڈالنے والے خناس' صرف ایک ہی گروہ' ایک ہی جماعت میں' ایک ہی طبقہ' اور ایک ہی لباس میں نہیں ہوتے' بلکہ یہ جن وانس میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر لباس اور ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔لہٰذا ان سب پر نظر رکھنی چاہیے اور ان سب کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

نامناسب دوست' منحرف ہم نشین گمراہ اور ظالم پیشوا' جبار اور طاغوتی کارندے' فاسد مقررین اور لکھنے والے' ظاہر فریب الحادی والتقاطی مکاتب اور اجتماعی طور پر وسوسے ڈالنے والوں کے وسائل ارتباط وغیرہ سب کے سب ''وسواس خناس'' کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں کہ جن کے شر سے انسان کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

ایک لرزہ خیز اور پر معنی حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ:

''جب آیہ ''(وہ لوگ جو کبھی کوئی برا کام انجام دیتے ہیں' یا خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں' اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں) نازل ہوئی' تو ابلیس مکہ میں ایک پہاڑ کے اوپر گیا اور اونچی آواز کے ساتھ فریاد بلند کی اور اپنے لشکر کے سرداروں کو جمع کیا۔

انہوں نے کہا: اے آقا؛ کیا ماجرا ہے' آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔؟

اس نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے (اس آیت نے میری کمر میں لرزہ پیدا کر دیا ہے اور یہ آیت نجات بشر کا باعث) تم میں سے کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے؟

بزرگ شیطانوں میں سے ایک نے کہا: میں ایسا کر سکتا ہوں' میرا منصوبہ یہ ہے۔

ابلیس نے اس کے اس منصوبہ کو ناپسند کر دیا؛ تو دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے اپنا منصوبہ پیش کیا' لیکن یہ بھی قبول نہ کیا گیا۔

اس موقع پر "وسواس خناس کھڑا ہوا اور اس نے کہا: میں اس کام کو انجام دوں گا۔

ابلیس نے کہا: وہ کیسے؟

اس نے کہا: میں انہیں وعدوں اور آرزوؤں میں سرگرم کردوں گا، یہاں تک کہ وہ گناہ میں آلودہ ہو جائیں گے، جب وہ گناہ کرلیں گے تو میں انہیں توبہ کرنا بھلا دوں گا۔

ابلیس نے کہا: تو اس کام سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ (تیرا منصوبہ بہت ماہرانہ اور عالی ہے) اور یہ کام قیامت تک اس کو سپرد کر دیا۔